سہ ماہی
کاندھلہ

احوال و آثار

خاص اشاعت

بیاد

حضرت مولانا

انعام الحسن صاحب کاندھلوی رح

امیر جماعتِ تبلیغ

مع ضمیمہ
اوراقِ غم
بیاد

حضرت مولانا **اظہار الحسن** صاحب کاندھلوی رح

شیخ الحدیث و ناظم مدرسہ کاشف العلوم بستی حضرت نظام الدین دہلی

مرتب

نور الحسن راشد کاندھلوی

[illegible]

اشاعت خاص

بیاد

حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ

﴿مع ضمیمہ اوراق غم﴾

بیاد

جناب مولانا اظہار الحسن کاندھلویؒ

شوال تا ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ، محرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ، محرم تا جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ

اپریل تا دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۷ء

(جلد ۲، ۳، ۴) (۷ شمارے)

مرتب

نور الحسن راشد کاندھلوی

مکتبہ خلیل یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

۱۹۹۸ء

پاکستان میں اشاعت

باہتمام

قیمت ——— [redacted] روپے

ناشر ——— وکیل احمد بٹ

مکتبہ خلیل

یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ ○ اُردو بازار ○ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

اجر عظیم کے حق دار

اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کردیں ، پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا اسے ضرور ہم اجرِ عظیم عطا کریں گے۔

(النساء : ۷۴)

. ایک بندۂ حق

خسارہ سے محفوظ

تجارت

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور
نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انھیں رزق دیا
ہے، کھلے اور چھپے اس میں سے خرچ کرتے ہیں
یقیناً وہ ایک ایسی تجارت کے متوقع ہیں، جس میں
ہرگز خسارہ نہ ہوگا۔

(القرآن ۳۵ : ۲۱)

ایک دینی بھائی

قول و فعل کا تضاد

منافقت :

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

میں اس امت کے معاملے میں ہر اس منافق (کے شر) سے ڈرتا ہوں جو باتیں تو علم و حکمت کی کرے مگر کام اس کا ظلم وجور کا ہو۔

(بیہقی)

(ایک بندۂ خدا)

حضرت مولانا انعام الحسن

صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی یاد میں

احوال و آثار

کی اشاعت خاص

پر

دلی مبارک باد

ایک بندۂ خدا ـ احمد آباد

ارشاد رسولؐ

مسلمان کی جان کعبے سے زیادہ محترم ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار طواف کے دوران خانہ کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا : کتنا پاکیزہ ہے تو اور کیسی خوش گوار ہے تیری فضا ، کتنا عظیم ہے تو اور کتنا محترم ہے تیرا مقام ، مگر اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے ۔ ایک مسلمان کی جان اور مال کا احترام اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے ۔

ابن ماجہ

ایک بندۂ خدا ۔

اللہ کی اطاعت رسولؐ کی پیروی ہی میں ہے

اے نبیؐ! لوگوں سے کہہ دو کہ " اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو ، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا ۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔" ان سے کہو ۔" اللہ اور رسولؐ کی اطاعت قبول کرو" ۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ بات نہ مانیں تو یقیناً یہ ممکن نہیں کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔

آل عمران : ۳۱ ـ ۳۲

حافظ برادرز ، سورت گجرات

(بہ یاد والدین)

❄

سہ ماہی احوال و آثار

اپنی اشاعت خاص

بیاد حضرت جی ، حضرت مولانا انعام الحسنؒ
پر انشاء اللہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے

ہماری جانب سے دلی مبارک باد

احسان جتا کر نیکیوں کو مٹی میں نہ ملاؤ

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے نہ احسان جتاتے ہیں نہ دکھ دیتے ہیں ، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی رنج اور حوف کا موقع نہیں ۔ ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بار پر چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ ہو ۔ اللہ بے نیاز ہے اور بردبار اس کی صفت ہے ۔ اے ایمان لانے والو ، اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح مٹی میں نہ ملادو جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر ......

البقرہ : ۲۶۲، ۲۶۴

منجانب : بندگان خدا

جفا کا بدلہ جفا نہیں ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ مت کہو کہ لوگ اچھا
سلوک کریں گے تو ہم بھی اچھا
سلوک کریں گے اور اگر لوگوں
نے بد سلوکی کی تو ہم بھی ظلم
کریں گے ، بلکہ اپنے آپ کو اس
کا خوگر بناؤ کہ لوگ اچھا سلوک
کریں تب تو تم اچھا سلوک
کروہی، لیکن لوگ برا سلوک بھی
کریں تب بھی تم ظالم نہ بنو ۔

(مشکوۃ ۔ باب الظلم)

○

حاجی اقبال نورانی ...... سورت گجرات ۔

کرنے کا کام

قرآن کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کر لو ۔ ایسا کرو گے تو تمہارا ذکر آسمانوں پر کیا جائے گا اور یہ اعمال زمین پر تمہارے لیے روشنی اور رہنمائی کا ذریعہ بنیں گے ۔

(مشکوۃ)

o

حسن دادا ۔ سورت گجرات ۔

دانا اور نادان

سداد بن اوسؓ کہتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دانا اور زیرک شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد آنے والی زندگی کے لیے عمل کرے اور عاجز و درماندہ وہ ہے، جو اپنی خواہشات نفس کا غلام ہو، لیکن اس کے باوجود اللہ سے (اجر و ثواب اور مغفرت) کی آرزو رکھتا ہو۔

(ترمذی)

محمد حنیف کرولیا

سورت، گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ارشاد نبویؐ

حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ مجھے دیکھا تو فرمایا ۔ "رب کعبہ کی قسم وہ بڑے خسارے میں ہیں۔" میں نے عرض کیا ۔ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ، وہ کون لوگ ہیں ؟ فرمایا ۔ "وہ لوگ جو بڑے سرمایہ دار ہیں ، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف بھلائی کے کام میں) خرچ کیا اور ایسے لوگ کم ہیں۔"

(بخاری و مسلم)

(ایک بندۂ خدا)

دو قطرے

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالی کو کوئی بھی چیز محبوب نہیں جتنے دو قطرے محبوب ہیں ۔ ایک قطرہ آنسوؤں کا جو خوف خدا سے گرے اور دوسرا قطرہ خون کا جو خدا کی راہ میں بہایا جائے ۔

(ترمذی)

دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی ۔ ایک وہ جو رات میں خدا کے خوف سے روئی اور دوسری وہ جس نے رلو خد امین نگھبانی کرتے رات گزاری ۔

(طبرانی - روایت حضرت عباس)

منجانب : امیر بھائی نورانی
سورت ، گجرات

اولیاء اللہ کی محبت

شیخ ابوالفوارس شاہ شجاع کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی محبت سے زیادہ افضل کوئی عبادت نہیں ہے کہ ان کی محبت اللہ جل شانہ کی علامت ہے (نیز ھتہ البساتین) ۔

اس لیے تمہیں خاص طور سے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ والوں سے جتنی محبت اور تعلق پیدا کر سکو اس میں ذرا کمی نہ کرنا امید ہے کہ میری یہ نصیحت قبول کروگے ۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تردارند
جوا نان سعادت مند پند پیر دانارا

(الاعتدال شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ)

ارشاد نبویؐ

اگر کسی شخص کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف نبوت کے درجہ کا فرق رہے گا۔

(طبرانی ۔ روایت حضرت عبد اللہ ابن عباس)

اپنی قسم کا منفرد اور پہلا دینی، علمی، سوانحاتی، تاریخی تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی "احوال و آثار" کاندھلہ

جو علماء ہند خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہؒ ان کے خاندان اور اس علاقہ کی اہم تاریخی دینی مردم خیز بستیوں (کاندھلہ، بڈھانہ، پھلت، تھانہ بھون، جھنجھانہ، دیوبند، رامپور، سہارنپور، کیرانہ، گنگوہ، لوہاری، نانوتہ) کے بزرگوں علماء صلحاء اور اہل کمال خصوصاً حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی، اور ان کے دامن سے وابستہ اہل عرفان و تصوف، نیز دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور کے برگزیدہ ممتاز علماء اور ان کی خدمات و کمالات کا دلکش مرقع اور ان کے علوم و معارف کا نمائندہ و ترجمان ہے۔

جس کی ہر ایک اشاعت میں مشہور علماء و مشائخ کی غیر مطبوعہ تالیفات و تحریرات کے عکس اور ایسے رسائل و مؤلفات ترجمہ و تعارف کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں جو بالکل نایاب ہو چکے ہیں اور ڈھونڈے سے بھی کہیں نہیں ملتے۔

احوال و آثار تین سال سے چھپ رہا ہے اور برصغیر ہند پاکستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی شوق اور توجہ سے پڑھا جاتا ہے اور ممتاز ترین علماء مؤرخین اور اہل قلم نے اس کے معیار کو پسند کیا ہے، اس کو لائق مطالعہ اور استنادی حیثیت کا رسالہ قرار دیا ہے۔

اداریہ

تأسف، معذرت اور تشکر

نورالحسن راشد کاندھلوی

معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے اور ہندی ملت اسلامیہ کو کن حالات کا شکار ہونا ہے یا اس کا کون سا گناہ اور کیا ناقدری ہے کہ برصغیر ہند سے خدا کے نیک بندے اولیاء اللہ، عارفین و کاملین، خادمانِ دین و ملت اور داعیانِ رشد وہدایت ایک کے بعد ایک رخصت ہوئے چلے جارہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ہر ایک کا دل اس دنیائے دنی سے اکتا گیا ہے اور وہ یہاں کے حالات، ملت کی زبوں حالی ارر بدحالی و بے عملی سے دل شکستہ و آزردہ خاطر ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جانا چاہتا ہے۔ پچھلے دو، سوادو سال میں ایک دو نہیں دسیوں بیسوں بلکہ پچاسوں کامل اور منتخب ترین افراد دنیا سے منہ موڑ کر جنت الفردوس کو سدھار گئے ہیں۔

حوادث کا سلسلہ ہے جو ختم ہونے میں نہیں آرہا، موتیوں کی ایک لڑی تھی جو ٹوٹ گئی اور ایک ایک کرکے اس کے دانے بکھرتے جارہے ہیں۔ ابھی ایک حادثہ کی خبر سن کر دل کو قرار نہیں آتا، آنکھوں کے آنسو نہیں تھمتے، طبیعت کی بے چینی اور بے کلی دور نہیں ہوتی کہ یک لخت کسی اور شخصیت کے رخصت ہونے کی خبر آجاتی ہے، اس صدمہ سے سر نہیں اٹھاپاتے کہ کوئی اور حادثہ گلوگیر ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ ایسا چل رہاہے کہ کہیں رکنے کا نام نہیں لیتا۔ بستیاں اور علاقے اہل اللہ سے خالی ہوئے جاتے ہیں، دینی خدمت کے ادارے، مدارس اور خانقاہیں اپنے سرپرستوں، واصل باللہ افراد

اور جہاں دیدہ رہنماؤں سے محروم ہو رہی ہیں اور مزید افسوس یہ ہے کہ جو بھی جارہا ہے وہ گویا اپنی صف کا آخری آدمی ہے کہ نہ کوئی اسکی جگہ لینے والا ہے، نہ اسکی نشست پُر کرنے والا۔

قحط الرجال' قحط الرجال امت ہمیشہ سے کہتی چلی آئی ہے مگر یوں محسوس ہوتا ہے کہ قحط الرجال کا اصل دور تو ہم محروموں کو دیکھنا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے پچاسوں کاملین اٹھ گئے، درجنوں مشائخ کبار اولیاء اللہ اور جلیل القدر علماء نے آخرت کے لئے پرواز کی، نہ جانے کتنے مدرسے بے سہارا اور کتنی خانقاہیں سونی ہو گئیں، لیکن حوادث کا سیلاب ہے کہ بہا چلا آرہا ہے، محرومی کی داستان ہے کہ دراز سے دراز تر ہوتی جاتی ہے۔ چراغ ہیں کہ بجھتے جارہے ہیں محفلیں ہیں کہ ماند پڑ رہی ہیں، تاریکی ہے کہ بڑھتی جارہی ہے مگر جانے والے جارہے ہیں۔ خدایا! رحم فرما رحم فرما! اور ہم محروم مجبور اور بے کس لوگوں کو ہماری نالائقی کم استعدادی کاہلی اور کوتاہی کے باوجود ان بزرگوں کے سایہ سے و فیضان سے محروم نہ فرما۔

○

پچھلے دو ڈھائی برسوں میں قافلہ علم و کمال کے جو مسند نشیں منزل فردوس کو سدھارے اور سفر آخرت پر روانہ ہوگئے ان کی فہرست خاصی طویل ہے، جس میں یہ ممتاز ترین علماء اور مایۂ ناز افراد بھی شامل تھے :

عاشورۂ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ ۱۰/جون ۱۹۹۵ء کو تبلیغی جماعت کے عالمی امیر حضرت مولانا انعام الحسن نے رحلت فرمائی اور ستارے ڈوبتے چلے گئے :

۲۶/صفر ۱۴۱۷ھ ۱۴/جولائی ۱۹۹۶ء کو عالی مرتبت محقق و مورخ اور نامور مصنف مولانا قاضی (ابوالمعالی عبدالحفیظ) اطہر مبارک پوری نے دنیائے فانی سے کوچ کیا۔

۲۷/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ ۱۳/اگست ۱۹۹۶ء سہ شنبہ کو ایک جلیل القدر عالم اور استاذ حدیث مولانا اظہار الحسن کاندھلوی نے فرشتۂ اجل کو لبیک کہا۔

۱۷/ربیع الاخر ۱۴۱۷ھ ۲/ستمبر ۱۹۹۶ء کو بر صغیر ہند کے ممتاز ترین مفتی، مرجع علماء بزرگ اور نامور مرشد مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔

۲۶/ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ ۴/مئی ۱۹۹۷ء کو برگزیدہ عالم دین، پرجوش خادم دین وملت، معارف الحدیث جیسی بلند پایہ تالیف اور متعدد اہم کتابوں کے مصنف اور ماہ نامہ الفرقان (بریلی/لکھنؤ) کے بانی ومدیر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے رحلت کی۔

۱۳/محرم الحرام ۱۴۱۸ھ ۲۱/مئی ۱۹۹۷ء کو عالمی شہرت یافتہ مبلغ، دین کے انتھک خادم، ایک بڑے عالم اور ایک بڑے مقرر، مولانا محمد عمر پالن پوری (مقیم مرکز تبلیغ بستی حضرت نظام الدین دہلی) اچانک رخصت ہوگئے۔

۲۳/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ ۲۸/اگست ۱۹۹۷ء کو ہندوستان کے ایک عالم ربانی اور ولی کامل حضرت مولانا صدیق احمد باندوی کا بلاوا آگیا۔ رحمهم الله تعالیٰ رحمة الابرار الصالحين.

عارفین وکاملین یوں ہی رخصت ہوتے رہے تو (خدانخواستہ) ہندوستان میں ایمان وعرفان کا چمنستان نذر خزاں ہوجائے گا اور ان کی برکت سے رشد وہدایت کی جو پھوار برس رہی ہے اور اس سے جگہ جگہ خدمت دین کے جو گل بوٹے اُگ رہے ہیں ان کی فصل پژمردہ وناتمام رہ جائے گی، لیکن نظام قدرت ہمارے ان خیالات وخواہشات کا پابند نہیں، وہاں سے جو فیصلے ہوتے ہیں وہی برحق ہیں، امت کا جو بھی جس قدر بھی نقصان (ظاہری طور پر) ہو، لیکن راضی برضا رہنا ہی اصل ایمان ہے۔اس لئے ان حوادث پر ان سب بزرگوں کی ارواح پاک کے لئے صد ہزار دعائے مغفرت ورحمت (يغفر الله لنا ولكم و يرحمنا الله و اياكم) کے بعد، بارگاہ الٰہی میں یہی التجا ہے کہ وہ اپنے کرم سے اس نقصان عظیم کی غیب سے تلافی فرمائے اور امت مرحومہ کو ان اکابرین اور خادمانِ دین وملت کا بہترین بدل عطا ہو۔ آمین یارب العالمین

ان بزرگان دین میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر فرد کامل اور گوہر یکتا کی حیثیت رکھتا تھا اور اس دور زوال میں کہاں امید ہے کہ ایسے جید عالم اور مخلص خادمان دین وملت پھر پیدا ہونگے، یقیناً امت کا دامن اہل علم وکمال سے خالی نہیں

رہے گا مگر بعد کے آنے والوں کو وہ نگاہیں، وہ مجلسیں وہ صحبتیں کہاں نصیب جن کے گداز سے یہ کندن بن کر نکلے تھے۔ اللھم اغفرھم وارفع درجاتھم

○

قافلہ گذرتا رہا، افراد رخصت ہوتے رہے، لمحات دنوں میں اور دن ہفتوں مہینوں میں بدلتے رہے مگر افسوس ہے کہ احوال و آثار کے صفحات پر ان مسافران آخرت کی تعزیت بھی نہ کی جاسکی، ان کی وفات سے دینی علمی کاموں کو جو نقصان پہونچا (ان صفحات پر) اس کا بھی تذکرہ نہیں آیا۔ ان اکابرین کی بلند شخصیت اور خدمات کا تقاضا تھا کہ ان کی یاد میں خاص شمارہ شائع کئے جائے اور احوال و آثار کے صفحات پر بھی یہ روداد قلم بند ہوتی، مگر زیر نظر شمارہ اشاعت میں غیر معمولی تاخیر کی وجہ سے ہم ان حضرات کو بروقت نذرانہ محبت و عقیدت بھی نہ پیش کرسکے، جس کا بیحد احساس ہے۔

○

حضرت مولانا انعام الحسن کی عاشورہ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ میں وفات ہوئی تھی، اب جمادی الاخری ۱۴۱۸ھ میں ڈھائی سال بعد یہ خاص شمارہ پیش کیا جارہا ہے، اول تو اس کا ارادہ اور اعلان دیر سے ہوا تھا، جس وقت حضرت مولانا کی وفات ہوئی احوال و آثار کا تیسرا شمارہ پریس میں تھا اشاعت کے بعد اس شمارہ میں حضرت مولانا کی خبر وفات پر مشتمل ایک مختصر ضمیمہ شامل کردیا گیا تھا، وقت اور شمارہ دونوں میں تفصیلی مضمون کی گنجائش نہیں تھی۔

ارادہ یہ تھا کہ بعد کے شمارہ میں حضرت مولانا پر ایک مفصل مضمون شامل کردیا جائے گا، کیوں کہ توقع یہ تھی کہ مولانا پر بہت سے اہل علم اور مولانا کے وابستگان لکھیں گے اور احوال و آثار کا مضمون شائع ہونے تک مولانا کے احوال و کوائف کا بڑا (یا کم از کم قابل ذکر) حصہ شائع ہوچکا ہوگا، احوال و آثار کا یہ مضمون اس سلسلہ کی بس ایک چھوٹی سی کڑی ہوگا، مگر خلاف توقع مولانا پر کوئی مفصل او، سیر حاصل مضمون نہیں چھپا (کم از کم راقم سطور کی نظر سے نہیں گزرا) اس لئے

خیال ہوا کہ احوال و آثار کو یہ خدمت انجام دینی چاہیئے اور وہ مولانا کی یاد میں ایک مختصر خاص اشاعت کا اہتمام کرے۔ اس خیال کا بعض ایسے واقفین سے ذکر آیا جو برسہا برس سے تبلیغی کام سے وابستہ، حضرت مولانا کے نہایت قریب، بے شمار تبلیغی اجتماعات میں شریک اور تبلیغی کام کی ملکی اور بین الاقوامی خدمات سے پوری طرح واقف اور اس سلسلہ کے یاد داشتوں، بے شمار خطوط اور متعدد تحریرات سے باخبر تھے، ان صاحبان نے اس خیال کی پرزور تائید کی اور اپنی معلومات نیز اپنے یہاں موجود افادات، تحریرات اور خطوط وغیرہ سے استفادہ کی سہولت فراہم کرنے کا وعدہ کیا، یہ چیزیں ملنے کی امید پر احوال و آثار نے حضرت مولانا کے احوال و تذکرہ پر مشتمل ایک خاص شمارہ کا اعلان کردیا۔ خیال یہ تھا کہ اس اشاعت کے اعلان کے بعد یہ صاحبان اپنی اپنی معلومات یاد داشتوں اور تحریرات کے ذخیرہ سے استفادہ کی اجازت دیں گے، یا اس کے فوٹو اسٹیٹ فراہم کریں گے اور ان معلومات کی روشنی میں مولانا پر ایک مفصل جامع مضمون تیار کرنا مشکل نہ ہوگا، حضرت مولانا کی چند تقریریں اور کچھ افادات بھی اس میں شامل کرلئے جائیں گے اور یہ مجموعہ مقررہ تاریخوں تک مرتب و مکمل ہوکر سامنے آجائے گا، مگر ہمارے تمام اندازے اور خیالات دھرے کے دھرے رہ گئے، نہ وہ ہوا، نہ یہ ہوا۔ اس شمارہ کا اعلان ہوتے ہی وہ صاحبان یکلخت ایسے خاموش ہوئے، اور ان کے محبت و عقیدت کے جذبات پر ایسی اوس پڑی اور اس کام میں تعاون کا جذبہ ایسا سرد ہوا کہ ہزار کوشش کے باوجود بھی اس میں حرارت و جنبش پیدا نہ ہو سکی۔

وہ تاریخیں جس میں اس شمارہ کو شائع ہونا تھا آئیں اور گزر بھی گئیں، مگر اس وقت تک اس شمارہ کی ترتیب و اشاعت کہاں، اس کی تیاری کیلئے بنیادی ضروری معلومات بھی دستیاب نہیں ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے متوقع تاریخ اشاعت تک اس خاص شمارہ کا کوئی واضح خاکہ بھی تشکیل نہ دیا جاسکا تھا اور یہ تمام وقت اس طرح گذرا گویا:

"نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں"

تقریباً چار ماہ تک عجب کشمکش کا عالم رہا، نہ یہ جی چاہتا تھا کہ خاص نمبر کا جو اعلان کیا گیا ہے اس کو واپس لے لیا جائے اور نہ ہی معلومات کا کوئی سرا ہمارے ہاتھ میں تھا۔ نہ مضامین و معلومات تھے نہ ان کے ملنے کی کچھ امید۔

واقفین احوال کی اس بے تعلقی اور عدم تعاون کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اس اشاعت کا ارادہ ملتوی کر دیا جائے مگر احوال و آثار نے اس خدمت کا منصوبہ ایک دینی ملی ضرورت اور حضرت مولانا کا حق سمجھ کر بنایا تھا اس لئے غیر متوقع تجربات، معلومات و اطلاعات کی کم یابی بلکہ فقدان کے باوجود اس اشاعت کے ملتوی کرنے پر طبیعت آمادہ نہ ہوئی اور یہ سوچا کہ اپنے طور پر جو کچھ ہو جائے کر گزرنا چاہئے۔ اسی خیال کا حاصل اور اس کوشش کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے، نہیں کہا جاسکتا یہ کاوش کس حد تک مفید اور کامیاب ہے، مگر ہمیں صاف اعتراف ہے کہ جس طرح کا شمار پیش کرنا چاہتے تھے وہ نہیں ہو سکا۔

تمنا یہ تھی کہ احوال و آثار کا یہ شمارہ حضرت مولانا انعام الحسن کے احوال و سوانح کا مرقع اور ایسا مجموعہ ہو تا کہ جس کو مولانا کی زندگی اور سیرت و شخصیت کا آئینہ کہا جاسکے، اور مولانا کی ذات گرامی سے دنیا کو جو دینی فیض پہنچا اور ان کی امارت و سربراہی کے تیس سالہ دور میں تبلیغی کام کی جو تیز رفتار ترقی ہوئی اور جس طرح غیر متوقع حالات اور فضاؤں میں یہ دعوت پروان چڑھی، ملکوں ملکوں روشنی کی کرن پھوٹی اور جس طرح چراغ سے چراغ جلتے رہے اور یہاں سے وہاں تک دینی ماحول میں تازگی پیدا ہو گئی اور لاکھوں کروڑوں انسانوں میں جس طرح دین سے وابستگی کا جذبہ پیدا ہوا، ماحول اور حالات کی سخت ناسازگاری بلکہ مخالفت کے باوجود جس طرح لاکھوں لاکھ انسانوں نے غیر اسلامی ماحول و اقدار اور طرز زندگی کو چھوڑ کر اسلامی زندگی اور دینی طرز فکر اپنایا اور اسی کو اپنا مقصد حیات بنالیا اور جس طرح ہندوستان کے بتکدوں سے یورپ کے کلیساؤں تک، اور یورپ کی عشرت گاہوں سے خلیج عرب کے امراء کے محلات تک، اور عرب کے ریگستانوں سے افریقہ کے صحراؤں تک دین کی آواز پہنچی اور اس کے بعض جگہ جو

غیر معمولی اور حیرت انگیز فوائد و اثرات ظاہر ہوئے، حق یہ تھا کہ ان سب کا بھی تفصیلی تذکرہ کیا جاتا اور ان کی ایسی منظر کشی ہوتی کہ نہ جاننے والے جان لیتے اور جاننے والوں کے عزم و حوصلہ میں اضافہ ہوتا مگر معلومات کے فقدان کی وجہ سے یہ ارادہ بھی رو بعمل نہ آسکا۔ تاہم مولانا کی زندگی اور تعلیمات پر جو کچھ ہمیں مل کا وہ زیر نظر شمارہ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور مولانا کی جو اہم تقریریں دستیاب ہوئیں وہ بھی قارئین کی نذر ہیں۔

ہر چند کی یہ سب بظاہر بہت کچھ ہے لیکن اس میں کئی گوشے واضح طور سے ناتمام ہیں، خصوصاً مولانا کی سیرت و کردار کی جھلکیوں اور خدمات اور اس کے اثرات و فوائد کا عنوان تشنہ تکمیل ہے، وجہ وہی معلومات کا فقدان ہے، اگر اس اشاعت کے بعد اس طرح کی کچھ چیزیں دستیاب ہو گئیں، تو انشاء اللہ اس شمارہ کی کتابی صورت میں اشاعت کے وقت حضرت مولانا کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور خدمات و اثرات پر ایک تفصیلی مضمون یا باب شامل کر دیا جائے گا۔

یہ تمام روداد اس لئے عرض کی گئی کہ قارئین اور منتظرین کو ہماری مشکلات کا کچھ انداز ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس غیر معمولی تاخیر کی وجہ یہی ہے کہ وہ شاخ ہی موجود نہیں تھی جس پر نشیمن تعمیر کیا جاتا۔

○

ابھی اس شمارہ کا منصوبہ اور ترتیب بھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ۲۷/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ ، ۱۳/ اگست ۱۹۹۶ء کو اچانک مولانا اظہار الحسن صاحبؒ بھی رحلت کر گئے، ضروری تھا کہ اس شمارہ میں مولانا کے احوال و سوانح کا بھی تذکرہ ہو تا چنانچہ مولانا کے مختصر حالات اور علمی تحریری آثار پر مشتمل چند صفحات اس شمارہ میں ضمیمہ کے طور پر شامل کئے جا رہے ہیں، مزید افسوس یہ ہے کہ اس شمارہ کی اشاعت سے پہلے تبلیغی جماعت کے ترجمان، مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری بھی وفات پا گئے، راقم سطور مولانا پر بھی کچھ

لکھنا چاہتا تھا لیکن ایک تو شمارہ کی ضخامت بہت زیادہ ہو گئی تھی، دوسرے مولانا کے متعلق بھی ایسی مفصل معلومات دستیاب نہیں ہوئیں اس لئے فی الحال اس تذکرہ کو ملتوی رکھا گیا، انشاء اللہ دوسری جلد میں مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری پر بھی ایک جامع مضمون شامل ہوگا۔

○

احوال و آثار اپنے تمام خریداروں، محترم قدردانوں اور اس خاص اشاعت کیلئے اشتہارات عنایت کرنے والے کرم فرماؤں سے غیر معمولی تاخیر کیلئے معذرت خواہ ہے، انہیں انتظار کی جو تکلیف ہوئی اس کا پوری طرح احساس ہے، امید ہے کہ وہ معذرت قبول فرمائیں گے اور حسب سابق اپنی محبتوں اور تعاون سے نوازتے رہیں گے اور احوال و آثار کی سرپرستی جاری رکھیں گے۔

○

اس موقع پر ان احباب اور کرم فرماؤں کا تو کیا تذکرہ کیا جائے جنھوں نے مکرر وعدوں اور یاد دہانیوں کے باوجود اپنی معلومات و یادداشتوں سے دانستہ محروم رکھا اور کسی بھی قسم کے تعاون سے صاف انکار کردیا:

سفینہ جب کہ کنارہ پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

تاہم جن بزرگوں، کرم فرماؤں، دوستوں نے کچھ بھی علمی تعاون فرمایا راقم سطور ان سب کا ممنون و شکر گذار ہے۔

یہاں سب سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اس اشاعت کیلئے سب سے پہلی جو چیز دستیاب ہوئی وہ مخدومنا و مخدوم العالم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی دامت برکاتہم العالیہ کے نام حضرت مولانا انعام الحسن کے خطوط ہیں، یہ ناچیز پچھلے سال حضرت مولانا کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور درخواست کہ مولانا انعام

الحسن کے گرامی ناموں کا فوٹو اسٹیٹ لینے کی اجازت مرحمت فرمائیں، حضرت والا نے نہایت مسرت اور نہایت شفقت کے ساتھ اس حقیر التجا کو قبول فرما کر اجازت سے سرفراز فرمایا اور اس خاص نمبر کی کامیابی کیلئے دعا بھی فرمائی۔ اس مبارک عطیہ (مکتوبات کے عکس) کی کچھ ایسی برکت ہوئی کہ پھر مختلف گوشوں سے ایک ایک دو دو کر کے متعدد چیزیں ملتی رہیں۔ بلاشبہ اس شمارہ کی اشاعت حضرت مولانا اور دوسرے اکابر اور بزرگوں کی دعاؤں اور توجہ کی ہی مرہون منت ہے۔

○

مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری کو بھی کلمات تشکر پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے حضرت شیخ کا روز نامچہ نیز اپنی ایک مختصر یاد داشت اور حضرت شیخ کے نام مولانا انعام الحسن کے ایک خط کا فوٹو اسٹیٹ استفادہ کے لئے عنایت کیا، مولانا محمد بن سلیمان جھانجھی گجراتی کا شکریہ بھی واجب ہے، مولانا گجراتی نے مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری کی ذاتی یاد داشت کے چار صفحات کا فوٹو اسٹیٹ مولانا (مرحوم) کی اجازت سے عنایت کیا، جس میں مولانا نے اپنے تمام غیر ملکی سفروں کی تاریخ وار مفصل یاد داشت رقم فرمائی ہے۔ اس یاد داشت سے مولانا انعام الحسن صاحب کے متعدد غیر ملکی سفروں کی تاریخیں معلوم ہوئیں۔

مولوی محمد یوسف صاحب میرٹھی کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنی کاپیاں استفادہ کے لئے دیں، جس میں مولانا انعام الحسن صاحب کی متعدد پرانی اہم تقریریں درج ہیں۔

چند صاحبان ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی ~~مفصل~~ مختصر یاد داشت یا / اور معلومات سے نوازا، لیکن وہ نہیں چاہتے کہ کہیں ان کا نام آئے، ان سب کا بھی شکریہ۔

چند صاحبان اور بھی ہیں جن کے تعاون اور عنایت کا تذکرہ ضروری ہے، مولوی وصی سلیمان صاحب ندوی (ایڈیٹر ماہ نامہ ارمغان شاہ ولی اللہؒ (استاذ مدرسہ فیض الاسلام پھلت) مولوی محمد ناصر صاحب تاؤلی (مدرس مدرسہ امداد الاسلام، ہرسولی، ضلع مظفر نگر)

اور مولوی محمد شعبان صاحب بستوی (مدرس، مدرسہ عیدگاہ، کاندھلہ) تینوں صاحبان نے اکثر مضامین کی نقل، تصحیح، مقابلہ وغیرہ میں وقتاً فوقتاً بہت مدد کی، جس کی وجہ سے اس کام کو جلد پورا کیا جاسکا، اگر ان صاحبان کا تعاون نہ ہوتا تو ڈر تھا کہ اس شمارہ کی اشاعت میں اور دیر ہوتی۔ (فجزاھم اللہ تعالیٰ و احسن الیھم)

آخری بات، اس شمارہ کی ترتیب کے ابتدائی مرحلہ میں جب حضرت مولانا انعام الحسن کے متعلق ضروری معلومات کی بھی خاصی کمی تھی، یہ خیال آیا کہ اس شمارہ کا ایک باب اکابرین تبلیغ کے نادر احوال و واقعات اور غیر مطبوعہ و کمیاب چیزوں کیلئے مختص کردینا چاہیئے۔ اس خیال سے راقم سطور نے حضرت مولانا محمد اسماعیل اور مولانا محمد میاں صاحب (رحمھم اللہ) پر مفصل مضامین لکھے، نیز مولانا محمد الیاس کی خدمت کے حاضر باش اصحاب کے مولانا محمد الیاس پر غیر مطبوعہ مضامین اور ایسے خط بھی فراہم کئے جو اب تک غیر متعارف ہیں، اسی طرح مولانا محمد یوسف صاحب کے کئی خطوط اور افادات بھی ملے جو اس مجموعہ میں شامل کردیئے گئے، نیز مولانا محمد الیاس کے دست راست حاجی عبد الرحمٰن صاحب نو مسلم اور تبلیغ کے بعض اور گوشوں پر نادر چیزیں تلاش کیں، ان چیزوں کی ساتھ ساتھ کمپوزنگ بھی ہوتی رہی، مگر جب ان کو زیر نظر شمارہ میں شامل کرنے کے خیال سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ذخیرہ خود ایک بڑے شمارے کے برابر ہوگیا ہے، اب انشاء اللہ اس کو علیحدہ شائع کیا جائے گا، یہ شمارہ تقریباً تین سو صفحات پر آئے گا اور احوال و آثار کے دو تین عام شماروں کے بعد اس کی اشاعت متوقع ہے۔ واللہ الموفق و علیہ التکلان

خریداروں مشتہرین اور کرم فرماؤں کے محبت و اعتماد کا ایک بار اور شکریہ اور منتظرین سے انتظار و تاخیر کی زحمت کے لئے مکرر معذرت ــــ اجازت دیجئے! خدا حافظ!

نور الحسن راشد

۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ
جمعہ

بسم الله الرحمن الرحیم

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ
عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا
وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ
اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ
فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَاتَدَّعُوْنَ
نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ○ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ
دَعَآ اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ
الْمُسْلِمِیْنَ ○

(حم السجده ۳۰ ـ ۳٤)

ترجمہ

جن لوگوں نے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔ ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے لئے اس میں جس چیز کو تمہارا جی چاہیگا موجود ہے، اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے یہ بطور مہمانی کے ہوگا، غفور رحیم کی طرف سے۔ اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں

(ترجمہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

نسب خاندان اور اجداد

قاضی ضیاء الدین سنامی سے
سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک

○

ابوجعفر محمد واعظ بغدادی

محمد بن عوض

قاضی ضیاء الدین سنامی

مولانا محمد اشرف

مولانا محمد شریف

(اور ان کی اولاد)

قابل رشک کون؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

رشک کے قابل دو ہی آدمی ہیں ۔ ایک وہ جسے خدا نے قرآن کا علم دیا تو وہ رات اور دن اسے قائم کرتا رہا ۔ دوسرا وہ جسے خدا نے مال دیا اور وہ روز و شب اس مال کو (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتا رہا ۔

(بخاری ، مسلم ، ترمذی)

(ایک بندۂ خدا)

نسب، خاندان اور اجداد

نور الحسن راشد کاندھلوی

قصبہ کاندھلہ مغربی یوپی کی ایک قدیم اور علمی دینی شہرت کی بستی ہے۔
اس بستی کی ابتدائی آبادی کا سبب اور وجہ تسمیہ معلوم نہیں۔ مقامی روایات میں اسکے نام اور اسکی ابتدائی آبادی کا رشتہ ماقبل تاریخ کے عہد اور جنگ مہابھارت سے وابستہ کیا جاتا ہے، مگر اس روایت کی تصدیق آسان نہیں۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ خاصی پرانی آبادی ہے، ممکن ہے ایک ہزار سال سے متجاوز ہو۔ اس نواح میں مسلمانوں کی اول اول آمد اور قیام کا حال بھی واضح نہیں۔ بعض قرائن اور دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نواح میں چوتھی صدی ہجری میں مسلمان وارد اور آباد تھے۔ سید محمود سبزواری کے ۵۸۸ء میں جھنجھانہ آنے کے بعد اس نواح میں غالباً مسلمانوں کے اعتماد اور آبادی میں خاصا اضافہ ہوا اور اسی دور میں یہ پورا خطہ سلطنت دہلی کے زیرنگین آگیا تھا۔ اور اسی دور میں کاندھلہ وغیرہ نیز اطراف کے قصبات میں دربار دہلی سے دینی امور کی نگرانی کے لیے علماء اور قاضی مقرر کئے گئے تھے۔

کاندھلہ کی ایسی قدیم ترین شخصیت جن کا راقم سطور کو علم ہے قاضی محمد عبداللہ کی تھی۔ قاضی محمد عبداللہ غالباً قطب الدین ایبک کے عہد میں اس نواح خصوصاً کاندھلہ کے قاضی مقرر کئے گئے تھے۔ ان کے نام التمش کا فرمان محررہ ۵ صفر ۶۰۷ھ (۲۹ جولائی ۱۲۱۰ء) ۱۹۴۷ء تک موجود و محفوظ تھا۔ یہ فرمان (یا اس کی نقل) اس وقت دستیاب نہیں۔ تاہم صدیقیان کاندھلہ کی جائیداد کے ایک مقدمہ میں اس کا تفصیلی حوالہ موجود ہے اور اس مقدمہ میں اس حوالہ کی استنادی حیثیت پر کسی فریق کی جانب سے اعتراض بھی نہیں کیا گیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ فرمان صحیح اور اہل کاندھلہ کی نظر میں مستند اور معتبر تھا۔

قاضی محمد عبداللہ کے عہد قضات میں اور اس کے بعد یہاں کی آبادی اور خصوصاً مسلمانوں کی کیا حیثیت تھی اور اس کے بعد تقریباً دو سو سال تک اس بستی میں امور دینیہ کی نگرانی قضات واحتساب کے فرائض اور مسلمانوں کی دیگر خدمات کی بجا آوری کی کیا ترتیب رہی' نیز یہاں ان خانوادوں اور افراد کے آنے اور قیام کی کیفیت بھی معلوم نہیں ہے۔ لیکن قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سے تغلق عہد تک کاندھلہ میں قاضیوں کا تسلسل اور مسلمانوں کی غالباً خاصی آبادی رہی ہے۔

اس خاندان کے بزرگوں یعنی اجداد حضرت مفتی الٰہی بخش کا کاندھلہ میں قیام

آٹھویں صدی ہجری کی آخری دہائی (تقریباً ۱۲۸۸ء) میں ساتویں صدی ہجری کے ممتاز عالم قاضی ضیاء الدین سامی کے پوتے قاضی کریم الدین مذکر کاندھلہ میں دینی امور کی نگہبانی اور امامت کی خدمت پر مامور تھے' ان کی رجب ۷۹۲ھ (آخر جون ۱۲۹۰ء) سے غالباً کئی مہینے پہلے وفات ہو گئی تھی۔ رجب ۷۹۲ھ تک ان کے فرزند مولانا قاضی شیخ محمد دربار دہلی کی منظوری اور اطلاع کے بغیر اپنے والد کی جگہ پر متعلقہ فرائض انجام دے رہے تھے' رجب ۷۹۲ھ میں جب شاہ وقت سلطان ابوالفتح محمد شاہ (۱) بن فیروز شاہ تغلق کاندھلہ پہونچا تو مولانا شیخ محمد نے بادشاہ کے حضور یہ سب ماجرا عرض کیا محمد شاہ تغلق نے مولانا محمد کو قاضی کریم الدین کی مقررہ خدمات اور منصب کی بجا آوری کا اہل پایا اور مولانا کو اس قصبہ کی دینی خدمات کے لیے مقرر کر دیا' قاضی شیخ محمد خلف قاضی کریم الدین مذکر تاحیات اس خدمت پر مامور اور قصبہ کاندھلہ میں فروکش رہے' یہیں وفات پائی۔ اس طرح

۱۔ عموماً تاریخوں میں محمد بن فیروز شاہ تغلق کے نام کے ساتھ ابوالفتح کا خطاب درج نہیں' مگر محمد شاہ تغلق کے اصل فرمان پر موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ متاخر تاریخوں کی بہ نسبت یہ حوالہ زیادہ معتبر ہے۔

قاضی محمدؒ خلف قاضی کریم الدین مذکر کی اولاد ماشاء اللہ خوب پھلی پھولی اور اس خاندان کی اکثر شاخوں کا صدیوں تک کاندھلہ سے وطنی تعلق قائم رہا' اور اب بھی اس سلسلے کی متعدد شاخیں اس بستی کی خاک کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ ان شاخوں میں سے جن کا قاضی محمدؒ خلف قاضی کریم الدین مذکر سے رشتہ جڑا ہوا ہے ایک معروف اور پر بہار شاخ وہ ہے جس سے مولانا محمد اشرف جھنجھانوی کے واسطہ سے حضرت مفتی الٰہی بخش' ان کے آبائے کرام نیز حضرت مولانا محمد الیاس اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا وغیرہ منسلک ہیں۔

خانوادہ مفتی الٰہی بخش کا شیخ قطب شاہ سے انتساب اور قطب شاہ کی شخصیت ؟

مگر اس خاندان کا جو نسب نامہ عموماً معروف اور مطبوعہ کتابوں میں درج ہے اس میں ان تمام شاخوں کا سلسلہ نسب شیخ قطب شاہ سے وابستہ دکھایا گیا ہے' مگر یہ روایت درست نہیں' ہزار تلاش و جستجو کے باوجود کسی معتبر و مستند ذریعہ سے سلسلہ اجداد مفتی الٰہی بخش کی شیخ قطب شاہ سے وابستگی کی تائید و تصدیق نہیں ہوئی' بلکہ خود قطب شاہ کا وجود بھی مشتبہ ہے (۱) قطب شاہ نامی اگر کوئی

۱۔ اگرچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نے اپنی ایک یادداشت میں لکھا ہے کہ:

"ان (قطب شاہ) کے نام تغلق کا فرمان ۷۸۲ھ کا لکھا ہوا حاجی محسن کے پاس موجود ہے۔"

مگر اس اندراج کی دونوں باتیں تحقیق طلب ہیں: اس کا صحیح سنہ تحریر اور متعلقہ بادشاہ کا نام (۷۸۲ھ) کا لکھا ہوا ہے تو اس کو محمد شاہ بن فرید خاں کا ہونا چاہیے اور اگر اس میں تغلق کا حوالہ صحیح ہے تو اس کا عہد کتابت آٹھویں صدی ہجری (قبل از ۸۰۰ھ) کا زمانہ ہوگا۔ اس اشتباہ کی وجہ سے یہ کہنا مشکل ہے کہ حقیقت کیا تھی۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حاجی محمد محسن کے مرتب کئے ہوئے خاندانی شجرہ میں (جو سب سے زیادہ معتبر و مفصل شجرہ ہے جس میں ہر اندراج کے لیے مستند دستاویزات کے مسلسل حوالے درج ہیں) شیخ قطب شاہ کے نام کے کسی بھی فرمان کا کوئی حوالہ درج نہیں ہے۔ نیز حاجی محمد محسن مرحوم (وفات: ۱۳۷۲ھ - ۱۹۵۳ء) کے جمع کئے ہوئے ہزار ہا کاغذات میں بھی اس فرمان کی یادداشت یا تاریخ و نشان نہیں ملا۔ اس لیے جب تک اصل فرمان یا اس کی معتبر نقل دستیاب نہ ہو۔ اس کے متعلق یقین سے کچھ کہنا صحیح نہیں۔

شخص تھے تو کون تھے، کہاں تھے اور کب تھے؟ کچھ معلوم نہیں، کاندھلہ، کیرانہ، جھنجھانہ اور تھانہ بھون کے مختلف خاندانوں اور صدیقیان کاندھلہ کی مختلف شاخوں سے متعلق تین سو سے زائد قدیم دستاویزات (فرامین، بیعناموں اور فرائض (ترکہ کی تفصیلات) راقم سطور کی نظر سے گزری ہیں مگر کسی ایک کاغذ میں بھی قطب شاہ کا کوئی حوالہ، تذکرہ یا اشارہ موجود نہیں ہے نیز ان کے احوال، زمانہ، سلسلہ نسب ان سے خاندان مفتی الٰہی بخش کی وابستگی کسی بھی چیز کا کچھ ثبوت نہیں ملا۔

حقیقت یہ ہے جو خود بابن شاہ اور ان کے اخلاف کی معاصر تحریروں سے بے غبار ہو کر سامنے آئی ہے کہ خانوادہ بابن شاہ و مولانا محمد اشرف اور صدیقیان کاندھلہ، نیز اخلاف قاضی کریم الدین مذکر ایک ہی سلسلہ کی شاخیں اور بہ تمام و کمال ایک ہی خاندان سے وابستہ و منسلک ہیں اور اخلاف مولانا محمد اشرف کے خانوادہ قاضی محمد خلف قاضی کریم الدین مذکر کاندھلوی سے الگ شمار کئے جانے کی کوئی علمی بنیاد موجود نہیں ہے، بلکہ اس وقت جو تحریرات و کاغذات موجود ہیں ان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ روایت و اطلاع کسی ایسے شخص کی غلط فہمی اور ناواقفیت کا ثمر ہے جس نے حقائق سے واقفیت کے بغیر شجرہ کی نقل و ترتیب کا ارادہ کیا اور اس کی یہ غلطی بعد والوں کے لیے ایک مستقل موضوع گفتگو بن گئی اور اس غلطی کی وجہ سے اس خاندان کا صحیح نسب نامہ: قدیم دستاویزات و فرائض (ترکہ کے کاغذات و فتاوی) کے مندرجات بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

چونکہ اس فرضی (بے حقیقت) شجرہ کے مرتب اپنی ناواقفیت کے سبب اوپر کے صحیح شجرہ سے خاندان مولانا محمد اشرف کا نسب منقطع کر چکے تھے، لہٰذا خود مرتب شجرہ یا ان کے قریبی یا دور کے کسی اور شخص نے (جو بہ ظاہر اصل شجرہ اور دستاویزات سے قطعاً ناآشنا تھے) قاضی شیخ محمد کے نام کے بعد شیخ قطب شاہ کا اضافہ کر دیا، اس نامعلوم شخص نے اپنے خیال میں شجرہ مکمل کر دیا لیکن ان کے اس اندراج سے درحقیقت ایک بہت بڑی غلط فہمی کا آغاز ہوا اور شجرہ کی صحیح ترتیب

گویا معدوم ہو گئی اور اس غلط فہمی کی وجہ سے یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہو گیا کہ مفتی الٰہی بخش اور اس پورے خاندان کا ماضی اور تاریخ کیا ہے اور اس کا صدیقی ہونا کس طرح صحیح ہے؟

اس خانوادہ کا امام فخر رازی سے انتساب درست نہیں

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ اس خاندان کا سلسلۂ نسب شہرۂ آفاق عالم و مفسر امام فخر الدین رازی مؤلف تفسیر کبیر (وفات ۶۰۶ھ) سے مل جاتا ہے' یہ روایت تذکرۂ مفتی الٰہی بخش مؤلفہ مولانا محمد سلیمان اور نزہۃ الخواطر میں درج ہے۔ بعد میں مولانا احتشام الحسن کاندھلوی اور دوسرے اہل قلم نے بھی اس کو نقل کیا ہے' مگر یہ روایت بھی بے بنیاد اور سراسر ناقابل اعتماد ہے۔ اجداد مفتی الٰہی بخش و مولانا محمد الیاس کے سلسلۂ نسب کی جو نئی پرانی نقلیں دستیاب ہیں ان میں سے کسی بھی شجرہ میں فخر الدین محمد نامی کسی شخص کا ذکر نہیں' لطف یہ ہے کہ خود امام رازی کا صدیقی ہونا بھی مشتبہ ہے' نیز امام فخر الدین کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین

اور یہ نام اس ترتیب سے خاندان کے کسی بھی فرد کے شجرہ میں تحریر نہیں ہے لہذا یہ تمام قصہ ہی غلط ہوا۔

میرا خیال یہ ہے کہ خاندان مفتی الٰہی بخش کے قطب شاہ سے وابستگی کے افسانہ کی عمر سو' سوا سو سال سے زائد نہیں۔ اگر قطب شاہ کی موجودگی کی کچھ حقیقت ہوتی اور اس خاندان کا ان سے واقعۃً تعلق ہوتا تو مفتی صاحب کی بیاضوں تحریروں اور اس خاندان کے دوسرے بزرگوں کی متعلقہ یادداشتوں اور کاغذات میں اسکا تذکرہ آنا چاہیئے تھا' لیکن پرانے خاندان برائے نام ایک بھی تحریر ایسی نہیں ملی جس میں اور ان سے قطب شاہ اور خاندان حضرت مفتی الٰہی بخش کی وابستہ ہونے کا ذکر ہو۔

قاضی ضیاء الدین سامی سے انتساب کے شواہد

بابن شاہ اور خانوادہ مفتی الٰہی بخش کا مولانا قاضی شیخ محمد خلف قاضی

کریم الدین کی اولاد میں ہیں اس کی متعدد مستند دستاویزوں سے تائید ہو رہی ہے۔ چند حوالے یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

اول : اکبر، شاہجہاں اور عالمگیر کے عہد کے اصل فرامین جن کی پشت پر خانوادہ قاضی محمد کے ورثاء کے نام درج ہیں، جس میں شیخ نور محمد عرف بابن شاہ اور ان کے حقیقی بھائیوں کا کئی موقعوں پر صاف صاف اندراج ہے۔

دوم : بابن شاہ کے فرزند مولانا شیخ جمال محمد، مولانا شیخ کمال محمد اور شیخ منصور کے نام فرامین، بیعناموں اور فرائض (ترکہ) کے کاغذات میں ان سب کے از اولاد بابن شاہ ہونے کی صراحت ہے۔

سوم : قاضی غلام حسین متوفی ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء معاصر مفتی الٰہی بخش) کا رجسٹر جس کے متعدد اندراجات میں بابن شاہ اور مولانا شیخ جمال محمد کو بادشاہوں کی طرف سے عطا اراضی پر مفتی صاحب کا نام بحیثیت وارث و قابض لکھا ہے۔

چہارم : مولانا ابوالحسن و مولانا نور الحسن کاندھلوی (اخلاف مفتی الٰہی بخش) کی ۱۸۲۶ء کے بندوبست کے موقع پر کمشنر بندوبست کو پیش کی گئی دستاویزات و فرامین، جس میں مولانا نے خود کو جمال محمد شاہ وغیرہ کا جائز وارث اور ان کی جائیداد کا مالک و قابض دکھایا ہے اور کمشنر کی تحقیقات نے اس کی تصدیق کی ہے جو ان دستاویزات کے بعض اندراجات سے ظاہر ہے۔

پنجم : سر سید احمد کی ایک تحریر جس میں مفتی الٰہی بخش نیز مولانا نور الحسن کاندھلوی اور ان کی اولاد کو قاضی ضیاء الدین سنامی کی اولاد اور ان کی جائیداد کا صحیح قابض بتایا ہے، جو قاضی شیخ محمد کو تغلق کے فرمان محررہ ۷۹۳ھ (۱۳۹۱ء) کے ذریعہ ملی تھیں۔

سر سید احمد کی اس تحریر کی بوجوہ خاص اہمیت ہے، سر سید احمد نہایت مبصر و باخبر شخص نیز اطراف دہلی کے افراد اور خاندانوں سے وسیع واقفیت رکھنے والے تھے، اور انکی تاریخ پر بھی گہری نظر تھی۔ متعدد اہم ترین تاریخی کتابوں کی تصحیح و اشاعت کی خدمت انجام دے چکے تھے، مزید یہ کہ سر سید احمد کے خانوادہ مفتی الٰہی بخش سے قدیم خاندانی تعلقات تھے، خود سر سید احمد کے الفاظ میں :

"اس خاندان سے اور میرے خاندان سے کئی نسلوں سے بہت زیادہ تعارف رہا ہے"۔

اور خانوادہ مفتی الٰہی بخش کے اس وقت موجود اکابر کی نگاہ میں بھی سر سید احمد کی خاص وقعت تھی سر سید نے برسوں مولانا نورالحسن سے استفادہ کیا تھا اور تعلیم پائی تھی اور پوری زندگی اس گھرانے سے اپنے گھر اور قریب ترین عزیزوں کا سا معاملہ رکھا اس پس منظر میں سر سید احمد اگر یہ لکھیں کہ:

"یہ خاندان حضرت ابو بکر صدیق خلیفہ اول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں ہے۔ اب سے پانچ سو برس گذرے بعہد سلطنت فیروز شاہ تغلق یہ خاندان ہندوستان کے اس حصہ میں آکر آباد ہوا۔ یہ خاندان اب تک ان اراضیات پر قابض ہے جو اس کو بموجب اصلی فرمان رجب ۷۹۲ھ عطا کردہ محمد شاہ تغلق (جس کا زمانہ سلطنت بہت قلیل رہا ہے) عطا کئے گئے ہیں (۱)"

تو اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔

حاصل کلام درج بالا شواہد کی روشنی میں ہمیں یہ کہنے میں کچھ تامل نہیں کہ خاندان حضرت مفتی الٰہی بخش کا صحیح سلسلۂ نسب وہی ہے جو قاضی کریم الدین مذکر کے واسطے سے ہے اور قاضی ضیاء الدین سامی تک ہوتا ہوا حضرت ابو بکر صدیق تک پہونچتا ہے اور پچھلے تقریباً پچاس سال میں جن کتابوں اور تحریرات میں (جس میں "مشائخ کاندھلہ" مؤلفہ مولانا احتشام الحسن صاحب وغیرہ بھی شامل ہیں) مفتی صاحب کا سلسلۂ نسب بواسطہ شیخ محمد فاضل و شیخ قطب نقل کیا گیا ہے وہ یکسر غلط، موجودہ مآخذ و شواہد کی روشنی میں بے اصل اور غیر مستند ہے اس کی صداقت اور استناد پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا قاضی محمد مذکر کے عہد سے مفتی الٰہی بخش تک بہ

۱۔ یہ الفاظ اس سند یا سرٹیفیکٹ میں درج ہیں جو مولوی علاء الحسن (از اخلاف مفتی الٰہی بخش) کاندھلوی کو ۱۸۹۳ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ سے عطا کی گئی تھی۔ یہ تحریر بتمام و کمال جسٹس سید محمود کے قلم کی لکھی ہوئی ہے، جو سر سید احمد کی ہدایت پر لکھی گئی ہے اور خود سر سید احمد کے قلم سے اس میں ترمیم و تصحیح ہے۔ یہ سند ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔ بعض معلومات کے لیے ملاحظہ ہو راقم سطور کا مضمون "حیات سر سید کا ایک گمشدہ ورق"۔ ماہنامہ آجکل۔ دہلی (اپریل ۱۹۷۵ء)۔

دور کی، ہر عہد کی درجہ بہ درجہ دستاویزات کی تاحال موجودگی نسب نامۂ خاندان مفتی الٰہی بخش کے قطب شاہ سے انتساب کی تردید کے لیے کافی ہے۔ تفصیلات کے لیے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہے، یہاں اس کا موقع نہیں (۱)۔

قاضی ضیاء الدین سے سیدنا ابو بکر صدیق تک

قاضی ضیاء الدین کا نام نامی محمد، انکے والد ماجد کا عمر، دادا کا عوض ہے۔ قاضی صاحب کے جدّ عوض سے حضرت ابو بکر صدیق تک سلسلۂ نسب تذکرہ نگاروں نے نقل نہیں کیا، لیکن قاضی صاحب کے متعدد صاحبزادے تھے انکی اولادیں برصغیر کے مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی تھیں اور ان سب کا صدیقی ہونا تقریباً متواتر و متعارف ہے۔ نسب نامۂ خاندان قاضی ضیاء الدین سامی کا یہ نہایت اہم پہلو کہ قاضی ضیاء الدین کا صدیقی ہونا کس طرح صحیح ہے، مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی (۲)

۱۔ بعض مختصر معلومات کے لیے رجوع فرمایئے راقم سطور کا مضمون "شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی : اجداد، صحیح نسب نامہ اور حالات" شیخ الحدیث نمبر، جلد اول "الفرقان" لکھنؤ ص ۳۹ تا ۵۱۔

۲۔ مولانا محمد علی صدیقی خلف مولانا صدیق احمد کاندھلوی (وفات ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲ء۔ مؤلف تفسیر معالم القرآن و امام اعظم اور علم الحدیث وغیرہ) پانچ سال سے قاضی ضیاء الدین سامی اور انکی کتاب نصاب الاحتساب پر تحقیق کر رہے تھے، اسمیں قاضی ضیاء الدین کے سلسلہ نسب کی تحقیق بھی خاص موضوع تھا، مولانا کا ارادہ تھا کہ وہ نصاب الاحتساب کے تفصیلی مقدمہ میں اپنے نتائج تحقیق درج کریں گے، مولانا نے اس کتاب کی تیاری کیلئے پاکستان کے علاوہ ممالک اسلامیہ کے بعض اہم کتب خانوں سے بطور خاص استفادہ کیا تھا، مگر ابھی یہ کام پورا نہیں ہوا تھا کہ مولانا مختصر علالت کے بعد ۲۰ جمادی الآخر ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۹۲ء بروز بدھ اچانک رحلت کر گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ! قاضی ضیاء الدین سامی پر مولانا کے اس وقیع اہم کام کا راقم سطور کو مولانا کے خطوط سے علم ہوا۔ جناب ابن نجار صاحب نے بھی اپنی تحریر مطبوعہ ہفت روزہ "حرمت" اسلام آباد اشاعت ۱۶ تا ۲۲ دسمبر ۱۹۹۲ء میں اسکا ذکر کیا ہے۔

خاندان کے نسب نامہ پر میرا جو مضمون ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نمبر جلد اول میں چھپا تھا مولانا نے اس کو کئی مرتبہ پڑھا، اس کی تحسین و تصویب فرمائی اور میری اس رائے کی تائید فرمائی جو نسب نامہ کی معروف روایت کے غلط ہونے اور صحیح ترتیب کی جستجو پر مشتمل تھا اور لکھا کہ "تم نے جو کچھ لکھا ہے وہ میرے دل کی بات ہے، میری بھی یہی رائے ہے" مجھے اس تائید سے بے حد مسرت ہوئی کیونکہ مولانا واحد شخص تھے جنھوں نے خاندانی نسب نامہ کو علمی تاریخی حیثیت سے جانچا پرکھا تھا۔

کی کوشش سے دریافت ہوا۔ مولانا کی تحقیق یہ ہے کہ قاضی ضیاء الدین کا سلسلۂ نسب دو واسطوں سے صدیقیانِ سہروردکے اس مبارک سلسلہ سے مل جاتا ہے جو شیخ ابوالنجیب سہروردی اور ان کے نامور برگزیدہ بھتیجے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی وجہ سے شہرۂ آفاق ہے (۱)۔

مولانا محمد علی کاندھلوی اس نتیجہ پر پہونچے تھے کہ قاضی ضیاء الدین کے دادا عوض، شیخ شہاب الدین سہروردی کے حقیقی بھائی تھے اور جعفر بن محمد کے فرزند تھے۔ اگر مولانا محمد علی کی یہ تحقیق صحیح ہے تو مفتی الٰہی بخش کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک مکمل نسب نامہ اس طرح ہے:

"مولانا مفتی الٰہی بخش، خلف مولانا محمد عرف شیخ الاسلام بن حکیم قطب الدین، بن حکیم عبدالقادر، بن مولانا محمد شریف، بن مولانا محمد اشرف، بن مولانا جمال محمدؒ بن مولانا نور محمد عرف بابن شاہ، بن مولانا قاضی بہاء الدین، بن مولانا شیخ محمد، بن قاضی کریم الدین مذکر، بن امام تاج الدین مذکر، بن امام حاج، بن قاضی ضیاء الدین (۲) محمد، بن عمر، بن عوض۔

اور عوض سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک نسب اس طرح ہے:

۱۔ مولانا نے راقم سطور کے نام ایک سے زائد خطوط میں اپنی اس تحقیق کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس میں یہ تحریر نہیں تھا کہ مولانا کی اس تحریر کا ماخذ کیا ہے، خیال تھا کہ قاضی ضیاء الدین اور ان کے خاندان و نسب کے متعلق مولانا کی تحقیقات سے نصاب الاحتساب شائع ہوگی، اس میں یہ سب مباحث تفصیل سے درج ہوں گے اور ان کے حوالے بھی اس میں شامل ہوں گے اس لیے مولانا سے یہ معلوم کرنے کا خیال نہیں ہوا کہ یہ اطلاع مولانا نے کہاں سے لی ہے۔ تاہم امید یہ ہے کہ اس کے لیے معقول علمی تاریخی شواہد موجود ہوں گے، لیکن ساتھ ہی یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس پہلو پر مزید تحقیق و توجہ کی ضرورت ہے۔

۲۔ قاضی ضیاء الدین سنامی تک نسب نامہ تمام قدیم دستاویزات، نسب ناموں خصوصاً اس نسب نامہ میں درج ہے جو قاضی غلام حسین کاندھلوی کے قلم کا لکھا ہوا ہے اور اس پر مزید توثیق کے لیے قاضی صاحب کے دفتر قضات کی مہر بھی ثبت ہے اور قاضی ضیاء الدین نے اپنا، اپنے والد ماجد اور دادا کا نام اپنی مشہور کتاب نصاب الاحتساب کی تمہید میں لکھا ہے۔

بن ابوجعفر محمد، بن عبداللہ، بن محمد، بن عبداللہ عمویہ، بن سعد، بن حسین، بن قاسم، بن نضر، (۱) بن قاسم، بن محمد، بن عبداللہ، بن عبدالرحمن، بن قاسم، بن محمد، بن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲)"

ابو جعفر محمد واعظ بغدادی

ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن محمد بغداد کے مشہور واعظ اور فقیہ تھے، بغداد میں اسعد یمنی سے فقہ پڑھی اور وعظ سیکھا، بعد میں قاضی بغداد مقرر ہوگئے تھے یوسف دمشقی کہتے ہیں کہ میں نے جامع قصر اور نظامیہ میں ابوجعفر محمد کا وعظ سنا ہے ابوجعفر محمد کے مشہور فرزند شیخ شہاب الدین سہروردی (ولادت رجب ۵۲۹ھ دسمبر ۱۱۴۴ء) چھ مہینے کے تھے، اس وقت ابو جعفر محمد قتل کر دیئے گئے تھے (۳)

اس خاندان کی ہندوستان میں آمد

ممکن ہے یہی واقعہ عوض (بن ابوجعفر محمد) کے ترک وطن کا سبب ہوا ہو یا اس مہاجرت و مسافرت کا کوئی اور سبب تھا جو ہمیں معلوم نہیں، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ عوض ابن محمد بن جعفر نے بغداد سے کب رخت سفر باندھا اور کب ہندوستان وارد ہوئے۔ مختصر طور پر صرف یہ معلوم ہے کہ وہ ہندوستان آکر شاہی ملازمت سے وابستہ ہوئے اور ترقی کرتے ہوئے بلند ترین عہدوں پر پہونچے۔

۱۔ قاسم بن نضر پر شیخ شہاب الدین سہروردی اور محدث ابن جوزی کا سلسلۂ نسب ایک ہوجاتا ہے۔ سیر اعلام النبلاء ذہبی ص ۳۶۷، ج ۲۲ (بیروت ۱۴۰۵ھ)۔

ایک روایت کے مطابق حسین بن القاسم بن نضر سے امام فخر الدین رازی کا سلسلۂ نسب بھی متصل ہے۔ گویا یہ سب ایک ہی شجر کی شاخیں ہیں۔

۲۔ ابو جعفر محمد سے حضرت ابوبکر صدیق تک پیش نظر ترتیب علامہ ذہبی کی تصریح کے مطابق ہے ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء، ص ۳۷۳، ج ۲۲۔ اور یہی نسب نامہ اسی ترتیب کے مطابق ابن النجار نے ذیل تاریخ بغداد میں بھی نقل کیا ہے ابن النجار نے لکھا ہے کہ میں یہ نسب نامہ شیخ ابوالنجیب سہروردی کی تحریر سے نقل کر رہا ہوں۔ ان ائمہ اعلام کی تحقیق و تصدیق کے بعد اس کے صحیح ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

۳۔ سیر اعلام النبلاء۔ ص ۳۷۶، ج ۲۲۔ (بیروت: ۱۴۰۵ھ)

محمد بن عوض

محمد بن عوض پائے کے عالم تھے ضیاء برنی نے قاضی ضیاء الدین کے تذکرہ میں محمد بن عوض کو استاذ عہد شمار کیا ہے (۱)۔ معز الدین بہرام شاہ کے عہد حکومت (۶۳۷ھ تا ۶۳۹ھ مطابق ۱۲۴۰ء تا ۱۲۴۲ء) میں پورے ملک کے آڈیٹر جنرل (Auditor Genral ۔ مستوفی (۲)) کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز تھے اور ایک دور ایسا بھی آیا تھا جب پورے ملک کا انتظام اور تمام تر اختیارات و وسائل اختیار الدین (نائب سلطان) نظام الدین (مہذب الدین) اور محمد بن عوض مستوفی نے اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے اور بادشاہ کو گویا معطل کر دیا تھا یہ بات بادشاہ کی ناخوشی کا سبب ہوئی تھی اور اس نے نائب سلطان کو سر در بار قتل کروا دیا تھا (۳) ممکن ہے اس وقت محمد بن عوض پر بھی عتاب نازل ہوا ہو غالباً یہی وجہ ہے کہ منہاج سراج نے نظام الملک کے قتل کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد اپنی کتاب (طبقات ناصری) میں محمد بن عوض کا کہیں بھی تذکرہ نہیں کیا۔

ایک غلط فہمی کی وضاحت

آقائے حبیبی نے غالباً سہواً نظام الملک مہذب الدین اور محمد بن عوض مستوفی کا اسطرح ذکر کیا ہے جیسے یہ دونوں ایک ہی شخص کے دو نام ہیں (۴) لیکن یہ درست نہیں۔ یہی غلطی نزہۃ الخواطر میں بھی جگہ پا گئی ہے (۵) مولانا عبدالحئی حسنی نے بھی محمد بن عوض مستوفی اور نظام الدین مہذب الدین کا ایک ہی عنوان کے تحت ذکر کیا ہے مگر یہ بھی صحیح نہیں۔ نظام الملک نائب سلطان تھے اور محمد بن عوض مستوفی

---

۱ ۔ تاریخ فیروز شاہی ۔ضیاء برنی ۔ ترجمہ ڈاکٹر سید معین الرحمن ۔ ص ۵۱۷ (لاہور : ۱۹۸۲ء)

۲ ۔ مستوفی ممالک حسابات کی جانچ پڑتال کرتا تھا ۔ یہ آڈیٹر جنرل کے مشابہ ہوتا تھا مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو :

سلطنت دہلی کا نظم حکومت' تالیف ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ۔ ترجمہ ہلال احمد زبیری ص ۸۹ ۔ ۸۸ (کراچی : ۱۹۸۸ء)۔

۳ ۔ طبقات ناصری ۔منہاج سراج ۔اردو ترجمہ غلام رسول مہر ۔ ص ۸۱۹ ۔ جلد اول (لاہور : ۱۹۷۵ء)

۴ ۔ طبقات ناصری اردو ترجمہ ۔ ص ۸۲۸ ۔

۵ ۔ نزہۃ الخواطر ۔ ص ۶۸ ۔ جلد اول (طبع دوم ۔حیدر آباد : ۱۳۸۲ھ)

قاضی ضیاء الدین سامی

محمد بن عوض کی اولاد کی تفصیل ہم دست نہیں مگر انکے ایک صاحبزادے کا تذکرہ علماء ہند کی تاریخ کا غازہ ہے ۔ یہ فرزند والا شان اپنی دینی اصابت و صلابت اور اتباع سنت میں نادرۂ روزگار' احکام شریعت کی حرف بحرف پاسداری میں فخر اقران و امثال اور شریعت کی معمولی خلاف ورزی اور طریقہ سنت سے سر مو انحراف کی صورت میں بڑے بڑوں کو سر مجلس بلا تامل تبلیغ و نصیحت کرنے میں نہ صرف اپنے زمانہ میں بلکہ تاریخ اسلام کی نادر شخصیات میں سے ایک ہیں۔

ان کا نام نامی محمد اور لقب ضیاء الدین ہے جن کی زندگی کا اگرچہ اکثر حصہ دہلی میں گذرا مگر سامی نسبت سے مشہور ہیں ۔

قاضی ضیاء الدین سنام (۱) میں تولد ہوئے' ابتدائی زندگی وہیں گذری'

۱۔سنام ' مشرقی پنجاب ہند میں پٹیالہ سے ۴۲ میل جنوب مغرب میں دریائے راوی و ستلج کے دوآبہ میں واقع ہے ۔

اس قصبہ کے بانی اور ابتدائی تاریخ کی صحیح تحقیق نہیں مگر اس کا ہندوستان کی قدیم بستیوں میں شمار ہے ۔ کم سے کم ماقبل مسیح کی آبادی ہے ۔ یہاں مسلمان بھی بہت قدیم سے آباد ہیں ۔میاں اخلاق احمد صاحب نے Imperial Gazetteer of India ص ۲۸۶ ' جلد ۲ (۱۹۰۸ء) کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ "ہندوستان میں سب سے پرانی مسجد کے نشانات سنام میں پائے جاتے ہیں۔" (میر کارواں ' ص ۶۰ و ص ۹۰)۔ یہ شہر غزنویوں کے دور میں شاداب و پر بہار تھا ۔ البیرونی یہاں آیا ہے اور اس نے کتاب الہند میں سنام کا تذکرہ کیا ہے ۔ سنام میں آباد جن علماء و اہل کمال کے حالات عموماً دستیاب ہیں ' ان میں قدیم ترین منتخب شخصیت حضرت محمود بنونی بخاری (وفات ۵۱۵ھ - ۱۱۲۱ء) کی ہے اسوقت سے عہد مغلیہ تک یہ بستی علماء اور ارباب باطن کا مرجع و مسکن رہی ہے ۔یہاں ہر دور میں برگزیدہ اہل معرفت فخر روزگار علماء اور صف اول کے ادیب و شاعر پیدا ہوتے رہے ۔

اس بستی کی تاریخ کا یہ عنوان بھی ناقابل فراموش ہے کہ برصغیر کے اس ممتاز فاروقی خانودہ کے اجداد شیوخ نے جس سے حضرت بابا فرید گنج شکر اور حضرت مجدد الف ثانی جیسے کاملین وابستہ ہیں برصغیر میں آمد کے وقت سب سے پہلے یہیں قیام فرمایا تھا ۔ یہیں سے وہ دوسرے مقامات پر گئے اور یہیں سے اس کی خوشبو برصغیر کے کونے کونے میں پہونچی ۔

سنام کی تاریخ اور چند مشاہیر کے متعلق معلومات کے لیے ملاحظہ ہو "میر کارواں ۔" (احوال سید محمود بنونی سامی) تالیف میاں اخلاق احمد (لاہور : ۱۹۸۲ء) ۔

مولانا کمال الدین سامی سے تعلیم حاصل کی اور طویل عرصہ تک ان کی خدمت میں حاضر رہے۔

تعلیم اور علمی سفر کی تفصیلات دریافت نہیں صرف یہ معلوم ہے کہ بعد میں دہلی آگئے تھے یہاں دینی خدمات میں زندگی بسر فرمائی۔ فقہ، تفسیر، حدیث اور وعظ میں اپنے وقت کے امام تھے (۱) اتباع سنت تقوی اور دعوت حق میں فخر اقران رہے۔ شریعت کی قدم بہ قدم پابندی و اشاعت اور غیر مسنون باتوں کی مخالفت میں بڑے بڑوں کی پروا نہیں کرتے تھے یہاں تک حضرت نظام الدین محبوب الہی اور بوعلی شاہ قلندر جیسے اکابرین کو بھی برملا تبلیغ و تنبیہ فرماتے تھے۔ یہ حضرات بھی قاضی صاحب کے اخلاص اور اتباع شریعت و سنت کے بے حد مداح و معترف تھے اور قاضی صاحب کے احکام و ہدایات کی تعمیل فرماتے رہتے تھے۔ قاضی صاحب کا تذکرہ فرماتے ہوئے شیخ عبدالحق تحریر فرماتے ہیں:

"معاصر شیخ نظام الدین اولیاء بود، دائم شیخ از جہت سماع احتساب کردو شیخ باوے جز بمعذرت و انقیاد پیش نیامدے، ودر تعظیم مولانا دقیقہ نامرعے نگذاشتے (۲)"۔

(ترجمہ: حضرت نظام الدین اولیاء کے زمانہ میں تھے اور ہمیشہ شیخ کا (سماع کے ذوق کی وجہ سے) محاسبہ کرتے رہتے تھے اور شیخ (نظام الدین) معذرت اور سر جھکانے کے علاوہ کچھ نہ فرماتے اور قاضی صاحب کی تعظیم میں کسی پہلو سے بھی کوتاہی نہ فرماتے تھے۔

قاضی صاحب کا حلقۂ وعظ معلومات، حسن بیان، قوت تاثیر اور حاضرین کی کثرت کی وجہ سے مشہور و ممتاز ترین حلقہ وعظ تھا ضیاء الدین برنی نے قاضی صاحب کے تبحر علمی، ان کی مجلس وعظ اور اس میں بڑی تعداد میں سامعین کی

۱۔ اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث، ص ۱۲۴-۱۲۲ (احمدی دہلی: ۱۲۷۰ھ) نزہۃ الخواطر ص ۹۲ ج ۲ (حیدر آباد: ۱۴۰۷ھ)۔

۲۔ اخبار الاخیار، ص ۲۴-۱۲۲، (احمدی دہلی ۱۲۷۰ھ)

موجودگی کا تذکرہ کیا ہے (۱) مگر چوں کہ برنی حضرت نظام الدین اولیاء کا وابستہ دامن ہے اور قاضی صاحب نے حضرت کے ذوق سماع پر کئی مرتبہ نکیر کی اس لیے برنی قاضی صاحب سے ناخوش ہے۔ مگر ناخوشی کے باوجود کمال کا اعتراف برنی کے وسعت ظرف اور قاضی صاحب کے مرتبہ و کمال کی بڑی سند ہے۔

قاضی صاحب کی متعدد اعلیٰ درجہ کی تصنیفات یادگار ہیں جس میں نصاب الاحتساب اپنی فنی اہمیت اور خصوصیات کی بنا پر نہایت مشہور و ممتاز ہے۔ قاضی صاحب کی دیگر تصنیفات میں تفسیر سورۂ یوسف، فتاوی ضیائیہ (مجموعہ فتاوی) رسالہ نکاح اور شرح منظومہ عثمانی اور ایک رسالہ جن کے نام کی تحقیق نہیں معلوم ہیں۔

قاضی ضیاء سنامی اردو کے سب سے پہلے شاعر

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے دیسنہ کے ایک مخطوطہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انھوں نے اس کی پشت پر یہ شعر لکھا ہوا دیکھا ہے:

وقت سحر وقت مناجات ہے
خیز دراں وقت کہ برکات ہے

اس مخطوطہ میں اس شعر کو حضرت بابا فرید گنج شکر سے منسوب کیا گیا تھا مولوی عبدالحق نے اس انتساب کو درست سمجھا ہے اور انکی رائے ہے کہ یہ اردو کا قدیم ترین معلوم شعر ہے۔ مگر شاہ ابواسحاق قادری لاہوری (۲) (وفات سنہ: ۹۸۵ھ۔ ۷۸، ۱۵۷۷ء) نے جو اکبر بادشاہ کے ہمعصر تھے اس شعر کو حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کا بتایا ہے۔ شاہ ابواسحاق کی یہ اطلاع انکی تصنیف رسالہ ناطقہ میں درج ہے (اسکا ایک نسخہ رضا لائبریری رام پور میں ہے) پروفیسر محمد اسلم (سابق صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، لاہور پاکستان) نے اس رسالہ کی تلخیص شائع کردی ہے

۱۔ تاریخ فیروز شاہی، ضیاء برنی اردو ترجمہ، ص ۵۱۷۔ ۵۱۸ (لاہور: ۱۹۸۲ء)

۲۔ شاہ ابواسحاق قادری، لاہوری سید داؤد کرمانی کے خلیفہ تھے، مفتی غلام سرور نے لکھا ہے: "ہزاروں آدمی ان کی بیعت میں داخل ہوئے اور صدہا لوگوں نے تعلیم علوم وفقہ و حدیث و تفسیر کی پائی۔ آخر سال نو سو پچاس ہجری میں وفات کی"

حدیقۃ الاولیاء، مفتی غلام سرور، مرتبہ محمد اقبال مجددی ص ۲۸ (لاہور: ۱۳۹۶ھ)

اور اپنی تازہ تالیف "ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت" میں بھی اسکا ذکر کیا ہے(۱)
مخطوطہ دیکھنے سے شاہ ابواسحاق کا قول زیادہ معتبر اور اہم ہے اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ اردو کے سب سے پہلے شاعر حضرت قاضی ضیاء الدین سامی رحمہ اللہ تعالی ہیں۔

قاضی صاحب کا صحیح سنہ وفات معلوم نہیں۔ مقام وفات اور مدفن کے متعلق بھی دو روایتیں ہیں۔ مشہور روایت وہ ہے جو عموماً نقل کی جاتی ہے اور شیخ عبدالحق نے بھی اخبار الاخیار میں درج کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء قاضی ضیاء الدین سامی کے مرض وفات میں مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے اور اس ملاقات کے فوراً بعد قاضی صاحب رحلت فرما گئے۔ حضرت نظام الدین اولیاء روتے تھے اور افسوس فرماتے تھے:

"یک ذات بود حامی شریعت حیف نہ ماند" (۲)

مگر مولانا ابوالوفا افغانی کی تحقیق یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت نظام الدین اولیاء کا حوالہ درست نہیں۔ قاضی صاحب کی خلد آباد میں وفات ہوئی اور یہ واقعہ جس کا شیخ عبدالحق نے ذکر کیا ہے حضرت برہان الدین غریب (وفات ۷۴۰ھ) کے ساتھ پیش آیا تھا۔ مولانا افغانی کی اطلاع کی بنیاد شیخ برہان الدین غریب کے خلیفہ شیخ زین کا مجموعہ ملفوظات ہے جس میں یہ واقعہ درج ہے اور بظاہر یہی روایت درست ہے (۳) کرنل قاری مرزا بسم اللہ بیگ نے قاضی صاحب کے مدفن کی بھی نشاندہی کی ہے اور لکھا ہے کہ (قاضی جی کی) قبر خلد آباد میں کالی مسجد کے پاس واقع ہے (۴) مگر اپنی اس اطلاع کا مآخذ درج نہیں کیا۔ مگر تعجب ہے کہ غلام علی آزاد بلگرامی نے روضۃ الاولیاء میں قاضی ضیاء الدین سامی اور ان کے مدفن کا مطلق

۱۔ ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت ص ۱۶ (لاہور: ۱۹۹۵ء)۔
۲۔ اخبار الاخیار، ص ۱۲۴ (احمدی، دہلی: ۱۲۷۰ھ)
۳۔ نزہۃ الخواطر حاشیہ ص ۹۵۔۹۴، ج ۲ (حیدر آباد: ۱۴۰۷ھ)
۴۔ تذکرہ قاریان ہند ص ۹، حصہ دوم (کتب خانہ میر محمد، کراچی۔ بلاسنہ)

کوئی ذکر نہیں کیا۔ (۱)

قاضی صاحب کی اولاد

قاضی ضیاء الدین سامی کے متعدد لائق وفائق صاحبزادے تھے۔ احمد علی خیر آبادی کا قول ہے:

"چندیں پسر ان لائق داشت یکے زین العابدین پسرش قاضی معین الدین ایرجی"۔

(ترجمہ: ان کے کئی لائق فائق بیٹے تھے ایک زین العابدین جن کے بیٹے معین الدین ارجی تھے (۲)

دو صاحبزادے میر عبدالواحد بلگرامی کی اطلاع کے مطابق قاضی سامی کی حیات کے آخری ایام میں چند دنوں کے وقفہ سے وفات پا گئے تھے (۳) منجملہ صاحبزادگان کے ایک بیٹے امام حاج کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا صحیح نام معلوم نہیں۔ ان کے بیٹے تاج الدین تھے جو امام تاج کے نام سے متعارف تھے۔ تاج الدین کے فرزند قاضی کریم الدین مذکر ہوئے اور یہ بھی امام قاضی کریم الدین کے عنوان سے پہچانے جاتے تھے، جیسا کہ محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے اور ان کے بیٹے بھی امام کے نام سے موسوم ہوئے۔

قاضی کریم الدین مذکر کا جیسا کہ اوپر گذر گیا ہے، کاندھلہ میں منصب امامت کے لیے انتخاب و تقرر ہوا تھا۔ قاضی کریم الدین مذکر کا اس عہد کی بعض تحریروں میں مجمل تذکرہ ملتا ہے مگر ان کے حالات اور تفصیلی معلومات دستیاب نہیں۔ قاضی کریم الدین مذکر کاندھلہ میں مفوضہ خدمات انجام دیتے رہے تھے۔ اسی دوران ۷۹۲ھ (۱۳۹۰ء) سے پہلے کسی وقت ان کی وفات ہو گئی تھی۔ اس زمانہ میں

۱۔ ملاحظہ ہو: روضۃ الاولیاء سید غلام علی آزاد بلگرامی مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی طبع اول (رامپور: ۱۹۹۶ء)

۲۔ قصر عارفاں، احمد علی خیر آبادی، ص ۱۸۱، مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر (لاہور: ۱۹۶۵ء)۔۔ ایرج نواح سلطان پور (مشرقی یوپی) کی ایک بستی ہے۔

۳۔ سبع سنابل، میر عبدالواحد بلگرامی، ص ۶۲ (نظامی، کانپور: ۱۲۹۹ھ)۔

محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق کاندھلہ کے نواح میں پہونچا اس وقت مولانا کریم کے بیٹے مولانا محمد، والد کی جگہ مقرر کئے گئے اس کے بعد یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل ان کی اولاد میں جاری رہا۔

قاضی محمد کے ایک بیٹے مولانا قاضی بہاء الدین تھے۔ انکے کئی بیٹے ہوئے شیخ حافظ ولی محمد عرف ماہن، شیخ محمد عرف مامن، مولانا نور محمد عرف بابن اس دور کی مجمل یادداشتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تینوں عالم فاضل صاحب کمال شخص تھے۔ عہد مغلیہ کے شاہی فرامین میں مولانا نور محمد بابن شاہ کے نام کے ساتھ طالب علم کی بھی صراحت ہے۔ یہاں طالب علمی سے رسمی طالب علم مراد نہیں بلکہ وہ شخص مراد ہوتا ہے جس کا مستقل مشغلہ اور مصروفیت پڑھنا پڑھانا ہو۔

مولانا شیخ نور محمد بابن شاہ تقریباً ۹۸۱ھ (۱۵۷۲ء) میں یا اسکے بعد کسی وقت کاندھلہ سے جھنجھانہ منتقل ہوئے اس کی وجہ بظاہر وہ چار سو ستر بیگہ آراضی مدد معاش تھی جو اکبر کے فرمان کے مطابق ان کو نواح جھنجھانہ میں عطا کی گئی تھی، کیونکہ اکبر نے اپنے ایک اور فرمان کے ذریعہ مدد معاش پانے والوں کو پابند کردیا تھا کہ وہ انہی مقامات پر قیام کریں جہاں ان کی اراضی مدد معاش ہیں۔

شیخ نور محمد کے تین صاحبزادے ہوئے، مولانا شیخ جمال محمد، شیخ کمال محمد اور منظور عرف گھاسی، شیخ کمال کی کسی اولاد کا ہمیں علم نہیں، شیخ منظور کے اخلاف کیرانہ منتقل ہو گئے تھے مگر شیخ جمال محمد کاندھلہ میں ہی فروکش رہے مولانا جمال محمد کے فرزند ارجمند مولانا محمد اشرف تھے جو غالباً دادا صاحب کی قربت و پاسداری کی وجہ سے جھنجھانہ میں قیام فرماتے تھے مگر مولانا محمد اشرف نے بھی اپنی بیٹیوں کے نکاح کاندھلہ میں کئے تھے۔

اس خاندان کا جھنجھانہ سے عارضی تعلق

مولانا محمد اشرف اس خانوادہ کے پہلے فرد ہیں جنھوں نے جھنجھانہ میں باقاعدہ قیام کیا۔ مولانا محمد اشرف کے اخلاف کا تین نسلوں تک جھنجھانہ میں قیام رہا، لیکن جسطرح مولانا محمد اشرف کی صاحبزادی کا نکاح کاندھلہ اپنے خاندان کی شاخ میں

ہوا تھا۔ اسی طرح بعد کے اصحاب کے بھی کاندھلہ سے نکاح و ازدواج کے مراسم قائم رہے۔ مفتی الٰہی بخش کے جد مولانا حکیم قطب الدین کاندھلہ واپس آگئے تھے۔ یہیں مولانا شیخ الاسلام کی ولادت ہوئی۔ اس طرح: (معمولی تصرف کے ساتھ)

پہنچے وہیں جناب جہاں کا خمیر تھا

مولانا محمد اشرف جھنجھانوی

شیخ جمال محمد نے وسط گیارہویں صدی ہجری میں وفات پائی۔ ان کے صرف ایک فرزند حضرت مولانا محمد اشرف تھے جو اپنے کمالاتِ علمی، روحانی عظمت اور اخلاق و معرفت کی بلندی کی وجہ سے اشرفِ زمانہ ہوئے۔

مولانا محمد اشرف کے عہد طفولیت اور تعلیم اساتذہ سے متعلق معلومات کا فقدان ہے۔ مگر یہ معلوم ہے کہ وہ اپنے زمانے کے ممتاز ترین علماء میں شمار کئے جاتے تھے، اور اس زمانے کے مشائخ و اکابر کی نظر میں فخر اقران تھے۔ مولانا محمد اشرف کے کمال علم اور بلند مقامی کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی جیسے نادرۂ روزگار علماء استفادہ اور ملاقات کے لیے مولانا کے پاس آتے رہتے تھے اور ان کے دور میں جھنجھانہ میں موجود ممتاز ترین علمی و روحانی شخصیتیں مثلاً شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی کے فرزند عالی مقام شیخ ابو نصر جمال محمد اور ابوالکریم مزکی محمد، مولانا محمد اشرف کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے اور ایسی کتابوں اور تصنیفات کو جو ان صاحبان کی فرمائش یا انکی نگرانی میں لکھی گئیں مولانا اشرف کی نظر سے گذارنا بڑی سعادت اور اعتماد و کمال کی سند خیال کرتے تھے (۱)۔

۱۔ اس خیال کی تصدیق قاضی حفظ اللہ صدیقی قریشی بڑھانوی کی تالیف مشکوۃ الانوار فی سیرۃ النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہید سے ہوتی ہے۔ یہ کتاب حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب کے صاحبزادگان کے اصرار پر شاہ جہاں کے عہد میں لکھی گئی تھی اور اس میں حضرت مولانا محمد اشرف کی تصحیح فرمانے کا بہت اہتمام سے تذکرہ ہے اور مولانا کو غیر معمولی بلند الفاظ میں یاد فرمایا گیا ہے۔ اس گراں مایہ کتاب کا عمدہ خطی نسخہ محترمی جناب توفیق احمد صاحب کی عنایت سے حاصل ہوا، جو خانوادہ مفتی الٰہی بخش کے لیے ایک گراں مایہ تحفہ اور بیش بہا یادگار ہے۔

مولانا محمد اشرف علم و عمل کی طرح فقر و توکل اور استغنا اور استقامت میں بھی فرد فرید تھے، مولانا کے جو حالات معلوم ہیں ان میں ان کے استغنا اور استقامت کا یہ واقعہ قابل ذکر اور لائق تقلید ہے۔

شاہجہاں نے مولانا محمد اشرف کے کمالات علم و عمل کا شہرہ سنا تو مولانا کو دہلی آنے کی دعوت دی۔ مولانا کی تشریف آوری کے لیے پالکی اور رفاقت سفر کے لیے سپاہیوں کا ایک دستہ جھنجھانہ کے لیے روانہ کیا۔ مولانا کو اس کا علم ہوا کہ شاہی قاصد شان و شوکت کے ساتھ ان کو لینے آرہے ہیں تو اس سے پہلے کہ ان لوگوں سے مولانا کی ملاقات ہوتی، مولانا خاموشی کے ساتھ پیادہ پا جھنجھانہ سے دہلی کے لیے روانہ ہوگئے۔ دہلی پہونچ کر اپنے متوسل ایک امیر کے ذریعہ سے بادشاہ سے ملاقات کی۔ شاہجہاں نے اپنے وزیر اعظم علامی سعد اللہ خاں کو مولانا کے فضل و کمال کا امتحان لینے کا اشارہ کیا۔ سعد اللہ خاں نے مولانا سے مختلف علمی مسائل پر مفصل گفتگو کی اور ہر موضوع پر مولانا کو بے مثال و یگانہ پایا۔ تو بادشاہ سے کہا:

"شیخ را دریائے یافتم کہ کنارہ او پیدا نیست"۔

(ترجمہ: شیخ کو میں نے ایسا دریا پایا ہے جس کا کنارہ معلوم نہیں۔)

اسکے بعد بادشاہ نے مولانا کی خدمت میں دو ہزار بیگہ زمین کا فرمان پیش کیا مولانا نے اس کے قبول کرنے سے معذرت کی اور فرمایا:

"خدا رزاق ما است، نہ بادشاہ۔ من برائے عمل بر آیت حکم "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" آمدہ بودم نہ برائے تحصیل املاک"۔

(ترجمہ: اللہ تعالی ہمارا رازق ہے بادشاہ نہیں۔ میں آیت شریفہ "تم اللہ تعالی کا کہنا مانو اور تم میں جو اہل حکومت ہیں ان کا بھی" پر عمل کرنے کی نیت سے آیا تھا جائیداد حاصل کرنے نہیں آیا۔)

بعد میں وہ فرمان مولانا کے صاحب زادوں اور ورثاء کے نام منتقل ہوا۔ یہ واقعہ ۲۶ شوال سنہ جلوس ۲۰ مطابق ۱۰۵۶ھ (دسمبر ۱۶۴۶ء) کا ہے۔ مولانا کے استغنا

اور توکل کا ایک اور مثالی واقعہ مولانا محمد ساجد جھنجھانوی (متوفی ۱۲۰۸ھ) نے اپنی بیاض میں نقل کیا ہے جس کا خلاصہ و ترجمہ یہ ہے کہ :

" مولانا کے یہاں اخلاص و تنگ دستی کا بسیرا رہتا تھا حالانکہ ارشاد و تلقین اور درس و تدریس کی وجہ سے طلباء اور آنے جانے والوں کا جم غفیر رہتا تھا' ایک مرید کو جو سونا بنانا جانتا تھا مولانا کے اس فقر و تنگدستی کا احساس ہوا' وہ تقریباً دو سیر سونا لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں کیمیا جانتا ہوں' آپ کے یہاں فقر و فاقہ رہتا ہے' بادشاہ کے عطیات اور وظیفہ قبول نہیں فرماتے اسلیے میں یہ سونا طلباء کے خرچ کے لیے لایا ہوں ۔ مولانا نے فرمایا' اس کو مسجد میں دفن کر دو' ضرورت ہوگی تو لے لوں گا' مرید نے وہ سونا مسجد کی محراب میں دفن کر دیا اور مولانا کے یہاں سے رخصت ہوگیا' کچھ عرصہ بعد لوٹ کر آیا تو دیکھا کہ حالات پہلے سے بھی گئے گذرے ہیں' اس حال کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ۔ مولانا کی خدمت میں عرض کیا' اگر وہ سونا خرچ ہو گیا ہے تو اور موجود ہے' مولانا نے فرمایا کہ محراب میں دیکھ لو ! دیکھا تو جو سونا مرید دفن کر کے گیا تھا وہ اسی طرح موجود ہے' مرید سونے اور اپنے عطیہ کی ناقدری سے غمگین و ملول ہوا اور مولانا سے عرض کیا' آپ اس کی قدر نہیں کرتے' لوگ کیمیا کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں' اگر اجازت ہو تو کچھ اور سونا حاضر کروں ؟ مولانا اس وقت مسجد سے باہر ایک ڈھیلے سے استنجا خشک کر رہے تھے اس کی یہ بات سن کر وہ ڈھیلا ایک پتھر پر مارا جو اسی وقت سونے میں تبدیل ہو گیا اور مولانا نے اس مرید کو خطاب کر کے فرمایا:

"ایں ہر دو را بہ خانۂ خود بہ بر' فقر ما برائے متابعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقر اختیاری است نہ اضطراری" ۔

(ترجمہ : ان دونوں کو اپنے گھر لے جاؤ' ہمارا فقر و فاقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں فقر اختیاری ہے' فقر اضطراری نہیں ہے" ۔)

مولانا محمد اشرف کی صحیح تاریخ وفات دریافت نہیں، تاہم بعض دستاویزات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۰۶۰ھ کے قریب مولانا کی وفات ہو چکی تھی، مزار جھنجھانہ میں ہنوز موجود ہے۔

مولانا محمد اشرف کے دو صاحبزادے تھے محمد شریف اور عبدالمقتدر (۱) موخر الذکر کے متعلق اسکے علاوہ کچھ معلوم نہیں کہ انکی وفات ۱۰۹۵ھ سے پہلے ہو گئی تھی۔

مولانا محمد شریف جھنجھانوی

مولانا محمد شریف بھی اپنے والد ماجد کی طرح جید فاضل علم و سلوک کے رہ نورد اور خاندانی روایات کے جامع وامین تھے سنہ ولادت اور تعلیم موجود نہیں بظاہر اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی، مزید تفصیلات راقم سطور کو میسر نہیں آئیں۔

راقم سطور نے اپنے پچھلے دو مضامین (۲) میں مولانا محمد شریف کو شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کا شاگرد لکھا ہے اور شطاریہ سلسلہ کے طریقہ تعلیم و تربیت پر ان کی متعدد کتابوں کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا تھا کہ :

"میں نے ہر چند تلاش و جستجو کی مگر کسی تحریر و یادداشت اور نسب نامے یا کسی اور ماخذ سے جھنجھانہ کے رہنے والے کسی ایسے عالم کا نام نہیں ملا، جن کا نام محمد شریف ہو، جو مولانا محمد شریف کے ہم عہد

---

۱ - اس سے پہلے میں ایک اور مضمون میں عبدالمقتدر کا سنہ وفات ۱۰۹۶ھ لکھ چکا ہوں - (شیخ الحدیث کے اجداد، صحیح نسب نامہ اور حالات "الفرقان" لکھنؤ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نمبر، جلد اول، ص ۶۰) مگر بعد میں ایک اور دستاویز نظر سے گذری جو شوال سنہ ۱۰۹۵ھ کی لکھی ہوئی ہے، اس میں بھی عبدالمقتدر کو مرحوم لکھا ہے۔

۲ - حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا کاندھلوی) کے اجداد - صحیح نامہ اور حالات - الفرقان لکھنؤ - شیخ الحدیث نمبر اول ص ۶۱ (۱۴۰۲ھ) اور مضمون بر حضرت مفتی الٰہی بخش احوال و آثار کاندھلہ جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۹۵ء ص ۷۵، ۷۶۔

(بھی) ہوں اس لیے قرین قیاس ہے کہ مولانا محمد شریف ہی ان کتابوں کے مترجم و موٴلف ہیں، بہر حال یہ پہلو مزید تحقیقات و معلومات کا متقاضی ہے

بعد میں صوفیائے چشت کے ایک کم یاب قلمی تذکرہ "چشتیہ بہشتیہ" سے معلوم ہوا کہ صوفی محمد شریف بن جوہر جھنجھانوی جو شیخ وجیہ الدین گجراتی کے شاگرد سلسلہ شطاریہ پر کتابوں کے موٴلف اور سنسکرت کی متعدد کتابوں کے مترجم میں الگ شخصیت ہیں اور انکا بظاہر حضرت مولانا محمد اشرف اور ان کے خاندان سے کچھ تعلق نہیں، بہر حال یہ عنوان اس وقت تک نا تمام اور مزید معلومات و تحقیق کا منتظر ہے۔

مولانا محمد شریف خلف محمد اشرف جمادی الآخر ۱۰۸۸ھ (جولائی ۱۶۷۷ء) تک حیات تھے، تاریخ وفات معلوم نہیں۔

اولادواحفاد | مولانا محمد شریف کے تین صاحبزادے ہوئے، مولانا شیخ ابوالحسن جو لاولد تھے۔ مولانا حکیم عبدالقادر جو حضرت مفتی الٰہی بخش اور اس خانوادہ کے جد ہیں اور فیض محمد جو حضرت مولانا محمد الیاس وغیرہ کے پر دادا تھے۔ حکیم عبدالقادر کے دو فرزند تھے۔ قطب الدین، شرف الدین۔ حکیم قطب الدین کا نکاح مسماۃ خورم بنت شیخ ضیاء الحق خلف مولانا محمد مدرس کاندھلوی سے ہوا، جن سے تین بیٹے مولانا محمد عرف شیخ الاسلام، حکیم صدر الدین (۱) محمد مشائخ اور تین

۱۔ حکیم صدر الدین عالم فاضل شخص تھے، ان کے ایک بیٹے شمش الدین دوسرے عبدالغنی تھے۔ شمس الدین کے فرزند مولانا حکیم سبحانی تھے جو اپنے دور کے ممتاز فاضل جید طبیب اور علو مرتبہ اور معرفت میں کامل تھے، ان کو حضرت سید احمد شہید سے اجازت بیعت حاصل تھی ملاحظہ ہو:
کاروان ایمان و عزیمت (تذکرہ خلفاء حضرت سید احمد شہید) از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص ۱۰۸ (لاہور: ۱۴۰۰ھ)۔
حکیم غلام سبحانی کے ایک فاضل بیٹے مولوی حکیم فیض الحق جھنجھانوی تھے ان کی طب پر متعدد تصانیف معلوم ہیں "مستقصی الکلام فی امراض الانام" معالجات پر نہایت جامع مبسوط تالیف ہے، اس کا ایک نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ہے، دوسرا نسخہ جو مصنف کے قلم سے ہے، ایک ذاتی ذخیرہ میں میری نظر سے گذرا ہے، تقریباً آٹھ سو صفحہ کا مخطوطہ ہے طب پر ان کی ایک اور کتاب فارسی میں، فتاوی طب ہے جو شائع ہو چکی ہے، راقم سطور کے پاس اس کے چند

بیٹیاں تولد ہوئیں ۔

مولانا حکیم شیخ الاسلام نے کئی نکاح کئے ' متعدد اولادیں ہوئیں ' سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مفتی الٰہی بخش تھے ' ان کے تین بھائی اور تھے مولانا محمود بخش ' حضرت شاہ کمال الدین ' مولانا امام الدین تینوں اپنے اپنے رنگ میں منفرد ' علم و کمال اور معرفت و اخلاق میں برگزیدہ خلائق تھے ۔ حضرت مفتی الٰہی بخش حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور کاندھلہ کے متعدد ممتاز علماء کے جد ہیں ' ان کا تعارف آئندہ آرہا ہے ۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) صفحات کا فوٹو اسٹیٹ موجود ہے ۔

شمس الدین بھی فاضل طبیب تھے اور ان کے فرزند امام بخش اچھے شاعر ہوئے، مشہور تخلص کرتے تھے ۔ امام بخش مشہور کی بیاض (جس میں ان کا اور ان کے معاصرین حضرت مفتی الٰہی بخش، سودا، رنگین جرات اور دوسرے شعراء کا کلام بھی درج ہے) ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من خرج فی طلب العلم
فھوفی سبیل اللہ حتی یرجع

جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے (گھر سے) نکلا ، واپس آنے تک وہ اللہ کی راہ میں (سرگرم شمار کیا جاتا) ہے ۔

(روایت حضرت انس : بحوالہ ترمذی)

منجانب : عثمان بھائی مینار ----- بمبئی ۔

اکابر اور والد ماجد

حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی

مولانا ابوالحسن حسن کاندھلوی

مولانا محمد نورالحسن

مولانا حکیم محمد ابراہیم

مولانا حکیم رضی الحسن

مولانا اکرام الحسن

ارشاد نبوی ﷺ

تمہارے لیے بہترین دوست وہ

ہے جسے دیکھو تو تمہیں خدا یاد آئے ،

جس کی گفتگو سے تمہارے علم میں

اضافہ ہو اور جس کا عمل تمہیں آخرت

کی یاد دہانی کرائے۔

(الترغيب والترهيب روايت ابن عباس)

(ایک بندۂ خدا)

خاتم مثنوی مولانا روم
حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی

مولانا حکیم شیخ الاسلام کا سب سے پہلا نکاح بی بی عظمت النساء سے ہوا ان سے ۱۱۶۲ھ (۴۹ - ۱۷۴۸ء) میں مفتی الٰہی بخش تولد ہوئے۔ بچپن وطن میں گزارا والدین کے زیر سایہ پرورش پائی، قرآن پاک حفظ کیا فارسی عربی کی کتابیں متوسطات تک غالباً والد ماجد سے پڑھیں۔

مولانا محمد مدرس سے تلمذ کی بے بنیاد روایت:

مفتی صاحب کے احوال و تعارف میں عموماً یہ روایت درج ہے کہ مفتی صاحب نے مولانا محمد مدرس (۱) کے آغوش میں تربیت پائی (جو مفتی صاحب کے ننھیالی اجداد میں سے تھے۔) یہ روایت مولانا محمد سلیمان کی عبارت سے لی گئی ہے تذکرۂ مفتی الٰہی بخش میں ہے:

"تا سن تمیز بہ کنار والدین ماجدین و پدر مادر خود جناب مولوی محمد مدرس

---

۱ - مولانا محمد مدرس، دسویں صدی ہجری کے ممتاز عالم، نامور فقیہ اور مدرس تھے تقریباً ستر سال تک درس و افادہ کا بازار گرم رکھا۔ کثرت درس و تعلیم کی وجہ سے مدرس کے لقب سے مشہور تھے۔ کم از کم دو مرتبہ حج کی سعادت پائی اور علماء حرمین سے استفادہ کیا۔ طویل عمر پائی تقریباً ۱۰۸۸ھ تک حیات تھے تاریخ وفات معلوم نہیں۔ مولانا کے صرف ایک فرزند تھے۔
شیخ ضیاء الحق جو نوجوانی میں انتقال کر گئے تھے، ان کی دختر بی بی خورم مولانا شیخ الاسلام کی والدہ ماجدہ تھیں۔

رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بہ ہزاراں ناز و نعم پرورش یافتند (۱)
(ترجمہ : زمانہ شعور تک والدین ماجدین اور اپنے نانا مولوی محمد مدرس (ان سب پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں) کے آغوش میں ہزار ناز و نعمت سے پرورش پائی)۔

مگر اس روایت کے دونوں اندراجات غلط اور بے اصل ہیں۔ مولانا محمد مدرس مفتی صاحب کے ننھیالی اجداد میں نہیں بلکہ ان کی دادی بی بی خورم کے دادا تھے۔ دوسرے مولانا محمد مدرس کی وفات مفتی الٰہی بخش کی ولادت (۱۱۶۲ھ) سے تقریباً چوہتر سال پہلے (شوال ۱۰۸۸ھ، ۱۶۷۷ء) میں یا اس سے پہلے ہو چکی تھی (۲) اس لیے یہ ممکن ہی نہیں۔ کیوں کہ مفتی الٰہی بخش بلکہ ان کے والد کی ولادت بھی مولانا محمد مدرس کی وفات کے بعد ہوئی، مولانا محمد مدرس سے تعلیم و تربیت تو بہت دور کی بات ہے۔

متوسطات تک تعلیم کے بعد مزید تعلیمات کے لیے دہلی کا سفر ہوا۔ اس وقت دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ کی ذات بابرکات، فخر محدثین، فخر مشائخ فخر علماء اور فخر ہند تھی غالباً ان کے آخری زمانہ حیات میں دہلی کا سفر ہوا۔ اس سفر کی صحیح تاریخ معلوم نہیں مگر مولانا محمد سلیمان نے لکھا ہے کہ اس وقت مفتی صاحب کی عمر چودہ سال تھی اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو یہ سفر سنہ ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ء) میں ہوا ہو گا۔ یعنی

۱۔ تذکرہ مفتی الٰہی بخش، مفتی الٰہی بخش کے پرپوتے مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان خلف مولانا نور الحسن ابن مولانا ابوالحسن بن مفتی الٰہی بخش (ولادت جمادی الاول ۱۲۵۷ھ، جولائی ۱۸۴۱ء۔ وفات ۵ ۱۳۲۵ھ، ۷ فروری ۱۹۰۸ء) کی تالیف ہے، اصل تالیف اردو میں ہے جو اب تک شائع نہیں ہوئی، اس کا فارسی ترجمہ مثنوی مولانا روم کے مشہور مرتب حاشیہ نگار اور ناشر مولانا احمد حسن کانپوری نے کیا تھا۔ یہ ترجمہ محرم ۱۳۲۲ھ میں مطبع محمود المطابع کانپور سے اختتام مثنوی مؤلفہ مفتی الٰہی بخش کے ضمیمہ کے طور پر شائع ہوا، ضمیمہ بڑے سائز کے ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔
چونکہ مولانا سلیمان کے مرتبہ اردو تذکرہ کا مکمل نسخہ ہمیں دستیاب نہیں ہوا۔ اسلیے اس ترجمہ پر اعتماد کیا گیا۔ آئندہ صفحات میں اس ترجمہ کا "تذکرہ مفتی الٰہی بخش" کے نام سے ذکر کیا جائے گا۔
۲۔ جیسا کہ مولانا محمد مدرس کے ورثاء کی جائدادوں کے کاغذات سے ظاہر ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی زندگی کے بالکل آخری دنوں میں یا وفات کے فوراً بعد۔ بہر حال حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات (۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ) کے فوراً بعد جب حضرت شاہ عبدالعزیز نے حضرت شاہ ولی اللہ کی مسند درس کو رونق بخشی۔ اس وقت جو چار یا پانچ طالب علم سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز کے حلقۂ درس سے فیضیاب ہوئے اس میں حضرت مفتی الٰہی بخش بھی شامل تھے۔

مفتی الٰہی بخش نے شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں کن کتابوں سے درس کی شروعات کی اس کی صراحت نہیں ملی۔ مگر مفتی صاحب کی تحریروں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کافیہ وغیرہ ابتدائی متوسطات سے اسباق شروع کئے، کافیہ سے درس کی اعلیٰ ترین کتابوں تک ایک ایک کتاب کی سند مفتی صاحب نے اپنی بیاض میں قلم بند کی ہے مگر حضرت شاہ عبدالعزیز نے مفتی صاحب کو جو سند عطا فرمائی تھی اس میں وضاحت ہے کہ مفتی صاحب نے شروع سے آخر تک تمام کتابیں میرے روبرو عرض کیں۔ حضرت شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

"لماتلمذ عندی بد راسة صغار الکتب الی کبا رها و
مبادی نسخ التحصیل الی او اخرها"

جب میرے پاس چھوٹی کتابوں سے بڑی کتابوں تک اور درس
کے ابتدائی نصاب سے آخر تک سب کچھ پڑھ لیا۔

مفتی صاحب اکثر درسیات میں شاہ رفیع الدین کے ساتھی اور ہم سبق تھے۔ اس وقت شاہ عبدالقادر ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے۔ مگر شرح السنۃ (بغوی) کے سبق میں شاہ عبدالقادر بھی مفتی صاحب کے ساتھ ہوگئے تھے۔

مفتی صاحب کسی وجہ سے درس کی معمول کی ترتیب میں حضرت شاہ عبدالعزیز سے سنن ابوداؤد نہیں پڑھ سکے تھے۔ بعد میں سنن ابوداؤد اپنے چھوٹے ساتھی شاہ عبدالقادر سے پڑھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز نے مفتی صاحب کو اپنے دست مبارک سے مفصل سند لکھ کر عطا فرمائی۔ اس میں ان کتابوں کی تفصیل کے علاوہ جو مفتی صاحب نے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پڑھیں۔ مفتی صاحب

کی اعلیٰ درجہ لیاقت و صلاحیت، معقولات و منقولات کے استحضار کی بلند الفاظ میں تصدیق فرمائی ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ:

"پس متون کے مفہوم کی باریکیوں اور اصطلاحاتِ حدیث و اسناد کو پہچانا۔ یہاں تک کہ ان میں شرح و حواشی سے مطالب اخذ کرنے کی ایسی عمدہ صلاحیت پیدا ہوگئی ہے کہ ان کی سمجھ (اور صلاحیت) پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور ان کی رائے قبول کی جاسکتی ہے۔ یہ بفضلہ تعالیٰ نہایت جید فاضل اور ممتاز عالم ہوگئے ہیں، نیکی پرہیزگاری والے، اللہ سے ڈرنے والے، محبت کرنے والے، اس کی شریعت پر جمے ہونے اور اس کے اہل کہ ان کے فتووں پر اور جوابات پر اعتماد کیا جائے، معہ اور فضائل کے (۱)"

مفتی صاحب شاہ عبدالعزیز کی نظر میں | شاہ صاحب نے مفتی صاحب کی اعلیٰ درجہ کی علمی صلاحیت اور جن محاسن و کمالات کا سند میں ذکر فرمایا ہے، اس پر شاہ صاحب کو ہمیشہ مسرت رہی اور گویا مفتی صاحب کے اپنے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہونے پر مسرت اور فخر محسوس فرماتے تھے اور فرماتے کہ میرے شاگردوں میں دو شخص نہایت اعلیٰ درجہ کے ہیں، مولوی (شاہ) رفیع الدین اور مولوی (مفتی) الٰہی بخش:

"شاگردان من دو کس خوب اند چنانچہ مولوی رفیع الدین و مولوی الٰہی بخش (۲)"

حضرت شاہ صاحب سے اجازتِ بیعت و ارشاد | حضرت مفتی صاحب نے درس و تعلیم کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کی ذات بابرکات سے ہر وقت علمی دینی روحانی استفادہ کیا، بیعت ہونے اور مراتب عرفان و سلوک کی علمی واقفیت کے علاوہ

۱۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ سند مفتی صاحب کی بیاض حدیث میں درج ہے۔ راقم سطور نے اس بیاض کی زیارت نہیں کی یہ الفاظ مولانا احتشام الحسن صاحب نے اسی بیاض کے حوالہ سے شرح قصیدہ بانت سعاد حضرت مفتی الٰہی بخش کے مقدمہ میں اور اس کے بعد مشائخ کاندھلہ میں نقل کئے ہیں۔

۲۔ ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز فارسی، (مرتب نامعلوم) ص ۳۰۔ ناشر مولانا قاضی بشیر الدین احمد صاحب، قاضی شہر میرٹھ (مجتبائی میرٹھ: ۱۳۱۴ھ)

اصلاح باطن اور سلوک و تصوف کی عملی واقفیت وتربیت بھی حاصل کی. مفتی صاحب کے حسن اخلاق اور پاکیزہ عادات و کردار کا حضرت شاہ صاحب اپنی سند میں ذکر فرما چکے تھے :

"وھبہ اللہ تعالی من حسن الاخلاق و طیب الشیم"

اللہ تعالی نے ان کو پسندیدہ اخلاق اور عمدہ خصلتیں عطا فرمائی ہیں ۔

بہر حال حضرت شاہ صاحب نے اپنے عزیز و سعید شاگرد کو اصلاح باطن کی سند اور اجازت و خلافت سے بھی سرفراز فرمایا. مگر اس اجازت و خلافت کی تاریخ راقم سطور کو معلوم نہیں ۔ تاہم مفتی صاحب کا حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں سنہ ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ء) تک قیام رہا۔ یعنی حضرت شاہ عبدالعزیز کے دریائے فیض و کمال سے دس سال تک استفادہ کی سعادت حاصل رہی ۔

شاہ کمال الدین سے استفادہ و اجازت | حضرت شاہ صاحب کی خدمت سے رخصت و اجازت کے بعد طلبہ اور متوسلین کی مفتی صاحب کی جانب بہت رجوعات تھیں. طلبہ کی بہت بڑی تعداد ہمیشہ مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر رہتی نیز بیعت اور استفادۂ باطن کے لیے بھی ایک مخلوق ہر وقت موجود رہتی تھی ۔ دینی علمی کمالات میں حضرت شاہ عبدالعزیز سے خاص الخاص استفادہ کی وجہ سے مفتی صاحب کی شہرت دور دور تک پہنچی اور وہ ہندوستان کے دینی علمی روحانی حلقوں میں ممتاز و مشہور ہوگئے تھے ۔

مگر مفتی صاحب کی تشکیل جن عناصر سے ہوئی تھی اور ان کی ذات میں جو اعلی جوہر تھا اور ان کی اپنی نگاہ میں اپنی ذات کی جس قدر بے وقعتی تھی اس کی وجہ سے ان کو ہمیشہ اہل عرفان و روحانیت کی تلاش رہتی کہ ان سے استفادہ کریں اور اپنے باطن کو روشن سے روشن تر بنائیں. اس دوران بعض بزرگوں کی خدمت میں حاضری ہوئی. ان سے استفادہ کیا. ان کے ملفوظات قلم بند کئے۔ روحانی کمالات میں ترقی کے لیے کئی بزرگوں اور مشائخ سے رجوع کیا. مگر دل کی بے چینی اور سوزشِ باطنی کی تسکین کا وہ سامان کہیں نہ ملا جس کی ضرورت اور تلاش تھی اور جس نے دل میں آگ لگائی ہوتی تھی ۔ اسی دوران بھوپال کے سفر

میں ایک کامل درویش سے ملاقات ہوئی اس نے کہا جب تک اپنے چھوٹے بھائی شاہ کمال الدین صاحب(۱) بیعت نہ کروگے تمہارا دلی مقصد پورا نہ ہوگا۔

مفتی صاحب فنائے ذات کے ایسے اونچے مقام پر تھے کہ انھیں اس مشورہ کو ماننے میں کچھ تامل نہیں ہوا سفر سے واپس آکر فوراً اپنے چھوٹے بھائی شاہ کمال الدین سے جو شاگرد بھی تھے بیعت کی خواہش ظاہر کی۔ بھائی نے بیعت کیا اور اجازت و خلافت سے ممتاز فرمایا۔

حضرت سید احمد شہید سے اجازت بیعت | شاہ کمال الدین سے استفادہ کے بعد خاندان ولی اللہی اور نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کا فیضان مفتی صاحب کی ذات میں جمع ہوگیا تھا مگر ابھی مفتی صاحب کو بہت دور تک جانا تھا اس سفر کا آغاز حضرت شاہ عبدالعزیز کے اشارہ پر حضرت سید احمد شہید سے بیعت و استفادہ اور خلافت سے ہوا سید صاحب ۱۲۳۴ھ میں اطراف دہلی کے سفر پر نکلے تھے اسی سفر کے دوران کاندھلہ بھی تشریف لائے حضرت مفتی الٰہی بخش کے مکان پر قیام فرما ہوئے اور سید صاحب نے مفتی صاحب کو اجازت و خلافت سے نوازا۔ اور جب سید صاحب کاندھلہ سے آگے سفر کے لیے چلے اسوقت مفتی صاحب چند روز تک سید صاحب کے ہمراہ رہے۔ اس دوران مفتی صاحب نے سید احمد شہید کے چند ملفوظات اور ان کا طریقہ

۱۔ شاہ کمال الدین مولانا عرف شیخ الاسلام کے بیٹے اور مفتی الٰہی بخش کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے ابتدائی درسیات و متوسطات مفتی صاحب کے حلقہ درس میں اور اعلیٰ کتابیں حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین سے پڑھیں۔ نہایت درجہ متبع سنت، بے ریا، بے نفس شخص تھے۔ سلوک و معرفت میں اس عہد کے نامور مرشد حضرت شاہ ابوالعدل خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ محمد زبیر نقشبندی سے بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔

شاہ ابوالعدل کی وفات (۱۲۰۴ھ) کے بعد شاہ صاحب کے خلیفہ و جانشین مقرر ہوئے۔ شاہ ابوالعدل کے مقام و مرتبہ کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے خلفا و تربیت یافتگان میں حضرت شاہ عبدالقادر (مفسر قرآن) بھی شامل ہیں۔

شاہ کمال الدین کی ۱۲ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ (۱۴ اکتوبر ۱۸۲۷ بروز پنجشنبہ) کاندھلہ میں وفات ہوئی۔ خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ بعد میں مفتی الٰہی بخش بھی انکے پہلو میں دفن کئے گئے۔

ارشاد و تعلیم "ملہمات احمدیہ" کے نام سے مرتب کیا، یہ مجموعہ ۱۲۹۹ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

منصبِ افتاء پر پہلا تقرر اور مفتی کا خطاب

مفتی صاحب جس زمانے میں تعلیم پا رہے تھے اس وقت علماء کے درمیان مختلف علمی دینی مسائل بحث و مباحثے اور مجمع عام میں مذاکرہ اور تبادلۂ خیالات ایک عام سا معمول تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی مجلس میں بھی اس قسم کے مباحثے ہوتے رہتے تھے۔ شاہ صاحب کی عادت شریفہ یہ تھی کہ بحث و مذاکرات کے وقت خود چند کلمات فرما کر خاموش ہوجاتے اور اپنے ممتاز شاگردوں میں سے جن طلبا کی صلاحیت پر خاص اعتماد ہوتا اس گفتگو کو مکمل کرنے کی ہدایت فرماتے۔

ایسی ہی ایک بحث کے موقع پر نواب نجیب الدولہ کا بیٹا ضابطہ خان بھی موجود تھا، وہ اس مجلس میں مفتی صاحب کی گفتگو، عالمانہ دلائل، موضوع پر ماہرانہ گرفت اور ذہانت و ذکاوت سے ایسا متاثر ہوا کہ پھر ضابطہ خان کی نگاہ میں کوئی نہ جنچا۔ ضابطہ خاں نے اسی وقت فرمائش کی کہ اس نوجوان عالم کو میری ریاست میں مذہبی معاملات کی نگرانی اور صدر مفتی کی حیثیت سے عطا فرما دیجئے۔ اس وقت تو شاہ صاحب نے معذرت فرمادی اور کہا "تعلیم مکمل کرلیں اس وقت دیکھا جائے گا۔" جب شاہ صاحب کے مدرسہ سے مفتی صاحب کے رخصت ہونے کا وقت قریب آیا اس وقت شاہ صاحب نے ضابطہ خاں کی فرمائش پر توجہ فرمائی اور اپنے نمائندہ اور قائم مقام کی حیثیت سے مفتی صاحب کو ضابطہ خاں کی ریاست سے وابستہ ہونے کی ہدایت فرمائی۔

یہ واقعہ بہ ظاہر ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ء) نجیب الدولہ کی وفات کے فوراً بعد کا ہے۔ اس وقت ضابطہ خاں کا مرکز ریاست (غوث گڈھ) علماء اور اہلِ کمال کا مرجع و مجمع بنا ہوا تھا، مفتی صاحب غوث گڈھ تشریف لے گئے اور بہت وقار و اعزاز کے ساتھ مفتی اول کے عہدہ پر فائز و سرفراز رہے، اس وقت سے مفتی کا خطاب مفتی الٰہی بخشؒ کے نام کے ساتھ اس طرح وابستہ و منسلک ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں۔

مفتی صاحب نے غوث گڈھ کی مرہٹوں کے ہاتھوں تباہی سے تقریباً ایک سال پہلے غوث گڈھ کا قیام اور خدمت افتاء کا تعلق ختم کرلیا تھا، اور بہ ظاہر پہلے سے اس کی تحریک اور کوشش ہورہی ہوگی، اس لئے بلاتاخیر کوٹہ راجستھان تشریف لے گئے۔ مفتی صاحب کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ ربیع الاول ۱۲۰۰ھ (جنوری ۱۷۸۶ء) میں کوٹہ میں قیام تھا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوٹہ کے دورانِ قیام میں درس وافتاء اور سلوک و معرفت کی خدمات میں ہمہ وقتی مصروفیت تھی، اس کے باوجود کوٹہ کا قیام مختلف حیثیتوں سے غوث گڈھ کے قیام سے بہتر گذرا، کوٹہ کے قیام کے دوران لکھی ہوئی مفتی صاحب کی جو تحریرات میری نظر سے گذری ہیں ان میں عجیب نشاط و سرور کی کیفیت محسوس ہوتی ہے، یہ بات اور تحریروں میں نظر نہیں آتی۔

کوٹہ سے رشتۂ ملازمت ختم ہونے پر بھوپال کا سفر کیا، بھوپال روانگی کا عہد متعین کرنے کا کوئی قرینہ دستیاب نہیں، قیاساً یہ سفر ۱۲۰۵ھ (۹۱-۱۷۹۰ء) کے آس پاس ہوا ہوگا۔ تقریباً چھ سال بھوپال میں مفتی ریاست کے عہدہ کو زینت بخشی اور وسط ۱۲۱۱ھ (۱۷۹۶ء) میں بھوپال سے واپس آگئے تھے۔ بھوپال سے واپسی کے بعد وقفہ وقفہ سے تھانہ بھون، بڈھانہ اور اطراف کی چند بستیوں میں کم وزیادہ قیام رہا۔ اسی زمانہ میں کچھ وقت کاندھلہ میں بھی گذرا، اور ایک روایت کے مطابق کاکوری میں بھی قیام رہا[1]۔ تقریباً ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۸ء) میں نواب احمد خاں کے اصرار پر سہارنپور تشریف لے گئے اور اواخر ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ء) تک وہیں قیام فرماتے۔ اس دوران بھی درس و تدریس، اصلاح و تربیت اور تصنیف وتالیف کا کام پوری قوت اور زوروشور سے جاری رہا، مختلف حواشی مرتب کئے، بے شمار فتاویٰ لکھے اور ممتاز فاضل تیار فرمائے۔

سہارنپور سے واپسی کے بعد وطن میں مستقل قیام رہا وقتی اسفار کے علاوہ (جس میں مختلف قرابتوں کی وجہ سے تھانہ بھون جانا رہتا تھا اور کبھی کبھی یہ قیام طویل ہوتا تھا) کسی اور جگہ مستقل قیام کا سلسلہ نہیں رہا۔ اگر ہمارا یہ اندازہ صحیح ہے تو زندگی کے آخری تقریباً سولہ سال کاندھلہ میں قیام رہا اور یہاں بھی دریائے فیض اسی جوش و خروش سے جاری رہا،

۱- تذکرہ مشاہیر کاکوری، تالیف مولوی حیدر علی کوکوروی، ص ۳۹ طبع اول (لکھنو)

بلکہ یہاں پہونچ کر اس کی وسعت میں غالباً کچھ اضافہ ہی ہوگیا تھا اور مفتی صاحب کے اوقات کا ایک ایک لمحہ (، درس، تعلیم، مطب، افتاء، وعظ وارشاد، تذکیر و تعلیم اور اصلاح و تربیت میں گذرتا تھا۔ تصنیف وتالیف جو مفتی صاحب کو بہت عزیز تھی (اور مختلف علوم وفنون پر تالیفات کا خاصا وسیع ذخیرہ مرتب فرمایا تھا) اب درس کی مصروفیات اور آنے جانے والوں کی کثرت اور اخلاق و تربیت کی گرم بازاری کی وجہ سے بہت کم ہوگئی تھی، مشغولیات اس قدر متنوع تھیں، آنے جانے والوں کی اس قدر کثرت تھی کہ تصنیف وتالیف کا یہ مبارک سلسلہ کم ہوتے ہوتے آخر میں بالکل ختم ہوگیا تھا۔ مولانا ابوالحسن حسن کاندھلوی نے اس حقیقت کا یوں اظہار فرمایا ہے:

شغلِ باطن کا ہوا یہ اہتمام　　رہ گیا دفتر وہ بالکل ناتمام
اس قدر تدریس کی کثرت ہوئی　　ایک لمحہ کی نہ پھر فرصت ہوئی
گذرے جب اس تصنیف پر چالیس سال　　کرگئے وہ اس جہاں سے انتقال[۳]

بوئے گل در برگِ گل اوپر گذر گیا ہے کہ مفتی صاحب شاہ ولی اللہؒ کے آخری ایامِ حیات میں یا ان کی وفات کے فوراً بعد دہلی پہونچے اور شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگردوں کی سب سے پہلی اور ممتاز ترین جماعت میں شامل ہوئے اور نودس سال تک شبانہ روز شاہ عبدالعزیزؒ کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے۔ اس وقت شاہ ولی اللہؒ کے خاص تربیت یافتہ افراد میں سے خصوصاً شاہ محمد عاشقؒ اور دوسرے حضرات دہلی میں موجود تھے دوسری طرف مرزا مظہر جانجاناںؒ جیسی عالی مرتبت شخصیت اور ان کے خلیفہ شاہ غلام علیؒ تشریف فرما تھے۔ اس کے علاوہ دہلی میں اور بھی اہل روحانیت اور بلند پایہ علماء تھے جن کا چرچا اور فیضان دور دور تک پھیلا ہوا تھا، مفتی صاحب نے ان سب کی صحبت اٹھائی، سب کے علوم و کمالات سے فائدہ اٹھایا اور ان کے محاسن و خصوصیات کا عطر اپنی ذات میں اس طرح بسایا کہ خود مفتی صاحب کی شخصیت گل صد برگ اور مجمع البحرین بن گئی تھی۔ بالخصوص حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے کردار طریقہ تعلیم واصلاح، خدمت دین وشریعت، پیروی قرآن و

۳۔ مجمع الفیض العلوم، ترجمہ منظوم مثنوی مولانا روم، دفتر اول۔ ص ۲۱۔ مطبع ہاشمی، میرٹھ۔

سنت اور جملہ علوم و کمالات کا رنگ مفتی صاحب کی شخصیت میں اس طرح رچ بس گیا تھا گویا مفتی صاحب کی ذات حضرت شاہ صاحبؒ کے کمالات کا آئینہ بن گئی تھی۔ حضرت الاستاذ سے غیر معمولی الفت و مناسبت کا لازمی اثر اور مفتی صاحب کے تلمذ کا حق تھا کہ وہ اس طریقہ کو اپنی زندگی کا مقصد اور اپنی خدمات کو اپنے سفرِ حیات کا توشہ قرار دیا جو حضرت شاہ عبدالعزیز کی دریائے گہر بار سے حاصل ہوا تھا۔

مفتی صاحب نے بھی اپنی زندگی کا سفر اسی راستہ پر طے فرمایا جو شاہ عبدالعزیز اور شاہ ولی اللہؒ کا مقرر کیا ہوا اور پسند کیا ہوا راستہ تھا، مفتی صاحب کی شاہ عبدالعزیزؒ نے اس طرح تربیت فرمائی تھی کہ مفتی صاحب کی شخصیت شاہ عبدالعزیز کے کمالات کا اعلیٰ ترین نمونہ اور تمام علمی دینی، اصلاحی، درسی تعلیمی اور تصنیفی خدمات میں شاہ عبدالعزیز کا مثنیٰ بن گئی تھی۔ وہی درس و تعلیم کی گرم بازاری، وہی فقہ و فتاویٰ کی خدمت، وہی درسِ قرآن و حدیث کا شغف، وہی دعوت اتباع سنت کی لگن، وہی بدعات و رسوم کے خلاف مسلسل جدوجہد، وہی شیعیت اور باطل نظریات کے خلاف زبان و قلم سے مہم اور اس کے ساتھ ایسا ہی علوم میں کمال ایسی ہی جامعیت اور تبحر علمی۔

درس و افادہ مفتی صاحب کے حلقۂ درس و تعلیم کا آغاز زمانۂ تعلیم میں ہو گیا تھا۔ اس کا اہتمام خود حضرت الاستاذ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا تھا، شاہ صاحب نے ہدایت فرمائی کہ ان کی موجودگی میں درسی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھائیں، چنانچہ مفتی صاحب شاہ صاحب کی موجودگی میں طلبہ کو درس دیتے تھے، شاہ صاحب بنفسِ نفیس تشریف رکھتے اور توجہ کے ساتھ مفتی صاحب کے طرز تعلیم اور فن سے مناسبت و مہارت کا مشاہدہ اور نگرانی فرماتے تھے، حضرت شاہ صاحب کی نگرانی و تربیت کی وجہ سے مفتی صاحب کی تمام صلاحیتیں بدرجۂ اتم نمایاں ہو گئیں اور شاہ عبدالعزیز نے مفتی صاحب کی ایک ایک خوبی کو خوب جانچ پرکھ لیا اور ہر امتحان میں کامیاب پایا تو مفتی صاحب کو اجازت مرحمت فرمائی کہ اب وہ اپنا حلقۂ درس قائم کریں، اور دینی رہنمائی اور فقہ و سنت کے ذریعہ مخلوق کی خدمت فرمائیں۔ مفتی صاحب نے اس وقت اس شاہراہ پر قدم جمائے تو زندگی کے آخری دنوں تک نہایت ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ اس پر رواں دواں رہے، طرح طرح کے

حالات پیش آئے، مختلف ملازمتوں کا سلسلہ بنا اور ختم ہوا۔ وقتاً فوقتاً دور دراز کے سفر بھی ہوتے رہتے، یقیناً صحت و مرض کے مسائل بھی سامنے آئے ہوں گے۔ ذاتی مسائل اور غیر متوقع مصائب نے بھی قدم پکڑے ہوں گے مگر مفتی صاحب کی تحریرات بیاضیں اور ہر دور میں اچھے طالب علموں کی موجودگی کی اطلاعات بتا رہی ہیں کہ کسی وقت بھی درس و افادہ کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔

حالانکہ مفتی صاحب کی زندگی کا جو حصہ غوث گڈھ، تھانہ بھون وغیرہ میں گذرا، وہ اس نواح میں حد درجہ کی بے اطمینانی اور افراتفری کا دور تھا۔ ہر وقت لوٹ مار مچی ہوئی تھی، چاروں طرف سے یورشیں ہوتی رہتی تھیں، کبھی مرہٹے قتل و غارت گری کرتے کبھی سکھوں کے حملے ہوتے اور کبھی جاٹ گروہ در گروہ آتے اور مسلمانوں کی بستیوں، محلوں اور گھروں کو برباد و تاراج کر جاتے، خود مفتی صاحب کے قریب ترین رشتہ دار، والد ماجد، بھائی اور اہلِ خانہ کئی مرتبہ اس حادثہ سے دوچار ہوئے، بار بار گھر لوٹا اور جلایا گیا، کئی مرتبہ قدیم علمی اثاثہ غارت کیا گیا مگر مفتی صاحب کی پیشانی پر شکن نہیں آئی وہ اسی دل جمعی اور استقلال کے ساتھ علم و دین کی خدمت میں مصروف رہے، نہ ان کی کتابوں میں اس کا واویلا ہے، نہ ان کی تحریرات پر اس کا اثر، مفتی صاحب کے مستقل حلقۂ درس کا غالباً ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ء) میں آغاز ہوا تھا اور ۱۲۴۵ھ میں وفات سے ایک دن پہلے تک بلاناغہ اور وقفہ کے جاری رہا، یعنی متواتر ساٹھ سال اس خدمتِ دین میں بسر فرمائے اور اگر اس زمانۂ تدریس کو بھی شمار کیا جائے جب مفتی صاحب شاہ عبدالعزیز کے مدرسہ میں شاہ صاحب کی موجودگی میں سبق پڑھاتے تھے تو یہ مدت تقریباً تریسٹھ سال ہو جاتی ہے، اس طویل عرصہ تک ذاتی نفع و نقصانات سے بے پروا ہو کر تندہی سے اس عظیم خدمت کی بجا آوری اپنی جگہ ایک مستقل کرامت اور بڑا کارنامہ ہے۔

تلامذہ جو حلقۂ درس متواتر ساٹھ سال جاری رہا ہو، اس سے مجموعی طور پر کل کتنے طلباء و علماء نے استفادہ کیا ہوگا۔ اس کا شمار یقیناً ہزاروں میں ہوگا اگر کم از کم پندرہ بیس طلبا بھی ہر سال زیرِ تعلیم رہے ہوں تو ان کی مجموعی تعداد تقریباً ایک ہزار ہوگی، جبکہ مفتی صاحب کی متفرق یادداشتوں نیز ان کے بعض معاصرین و متاخرین کی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ

مفتی صاحب کی خدمت میں ہر دور میں طلباء کی ایک بڑی تعداد موجود رہتی تھی، یہاں تک کہ سفر میں بھی طالب علموں کی جماعتیں ہم رکاب ہوتی تھیں، اس لئے بلاتامل کہا جاسکتا ہے کہ مفتی صاحب کے ہزارہا شاگرد تھے، مگر افسوس کہ نہ اُس وقت نہ بعد کے دور میں ان کی کوئی یادداشت یا فہرست مرتب کی گئی، جس کی وجہ سے اس وقت ہمیں مفتی صاحب کے صرف ۳۵-۴۰ شاگردوں کے نام معلوم ہیں[۵] لیکن اس قلیل ترین تعداد میں (جس کو مشتے از خروارے کہنا بھی شاید صحیح نہ ہو) بھی متعدد ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر اک بڑے سے بڑے علماء کے حلقۂ درس کا امتیاز اور نامور اساتذہ کے لئے باعثِ فخر واعزاز ہوسکتا تھا، نمونہ کے طور پر چند تلامذہ کے نام درج ہیں:

۱- مولانا سید محمد قلندر محدث جلال آبادی (وفات، ۱۲۶۰ھ)
۲- مولانا مرزا حسن علی (صغیر) محدث لکھنوی (وفات، ۱۲۵۵ھ مطابق ۱۸۳۹ء)
۳- مولانا محمد حسن رام پوری (شہید بالاکوٹ، وفات ۱۲۴۶ھ)
۴- مولانا مغیث الدین سہارنپوری (شہید بالاکوٹ، وفات ۱۲۴۶ھ)
۵- مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی کاندھلوی (وفات ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۵ء)
۶- مولانا وجیہ الدین صدیقی سہارنپوری، (وفات تقریباً ۱۲۶۰ھ)

فقہ وفتاویٰ | حضرت شاہ عبدالعزیز کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک اہم امتیاز، شاہ صاحب کی فقیہانہ حیثیت ومقام تھا، جس فقہی عُقدہ کی کسی اور سے گرہ کشائی نہ ہوتی وہ شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور لمحوں میں اس کا ایسا اطمنیان بخش علمی اور جامع جواب ملتا کہ سب کو اطمینان ہوجاتا تھا۔ یہی کیفیت حضرت مفتی الٰہی بخش کی اس نواح میں تھی۔

مفتی صاحب نے فتویٰ نویسی اور فقہ میں مہارت کی تربیت اسی دربار سے پائی تھی۔ ایک مدت تک وہ فتاویٰ جو شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کئے جاتے، مفتی صاحب ان کے جوابات تحریر فرمایا کرتے۔ شاہ صاحب ان پر صرف دستخط اور مہر ثبت فرمایا کرتے تھے۔

۵- چوبیس شاگردوں کے نام مولانا محمد سلیمان نے تذکرہ مفتی الٰہی بخش میں درج کئے ہیں۔ (ص ۸۵ تا ۸۸) یہی نام حالات مشائخ کاندھلہ میں بھی نقل ہوئے ہیں، ص ۱۱۹، ۱۲۳، اس کے علاوہ جو نام ہیں وہ راقم سطور نے دریافت کئے ہیں۔

مفتی صاحب کو فقہ کے ساتھ ساتھ شعروادب پر بھی بہت قدرت تھی اور برجستہ شعر کہنا عام معمول تھا۔ مفتی صاحب نے ان دونوں صلاحیتوں (فقہ اور شعر گوئی) کے مرکب سے عامۃ المسلمین، کے لئے ایسا مفید و جاں نواز نسخہ تیار فرمایا کہ اس کے استعمال سے ہزارہا مسلمانوں کو شفا کی نوید ملی، احکامِ شریعت کی جانب رہنمائی ہوئی، عقائد معاملات اور معاشرہ کی اصلاح میں مددگار ثابت ہوئی، یہ نسخۂ شفا وہ چھوٹے چھوٹے رسائل تھے جو مفتی صاحب نے عقیدہ کی اصلاح، ضروری دینی احکامات و مسائل اور روزمرہ کی زندگی سے متعلق مناسب اسلامی ہدایات اور معاشرت کی درستگی کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی کے لئے مرتب و منظوم فرمائے تھے۔

ان رسائل سے بہت فائدہ پہونچا۔ یہ گھر گھر پڑھے جاتے تھے، کثرت سے ان کی نقلیں لی جاتی تھیں اور ان کی روشنی میں اپنی اپنی اصلاح کی فکر ہوتی تھی۔ اس قسم کے متعدد رسالے اب بھی دریافت و موجود ہیں لیکن مفتی صاحب کے قریب العہد بعض تذکرہ نگاروں کی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی خاصی تعداد تھی اور وہ دہلی ہریانہ وغیرہ میں بھی اسی دلچسپی اور شوق سے پڑھے جاتے تھے، جس قدر خود مفتی صاحب کے علاقہ اور نواح میں۔ کریم الدین پانی پتی لکھتا ہے :

"بہت کتابیں اور چھوٹے چھوٹے رسائل اردو زبان کے، ترویجِ مذہبِ امام ابوحنیفہؒ میں اس کے مشہور ہیں[۷]"

یہی مصنف اپنی دوسری مشہور ترین کتاب "طبقات الشعرائے ہند" میں رقم طراز ہے:

"مفتی الٰہی بخش جو بڑا عالم گذرا ہے اس کی تصنیف سے اردو میں بہت رسالے مشہور ہیں[۸]"

طب | منقولات و معقولات میں غیر معمولی مہارت و کمال کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب کو طبِ یونانی پر بھی غیر معمولی دسترس حاصل تھی، مفتی صاحب نے طب کی اکثر کتابیں اپنے والد ماجد مولانا محمد عرف حکیم شیخ الاسلام سے پڑھی تھیں، چند کتابیں حضرت شاہ

۷- فرائد الدہر، تذکرہ شعرائے عربی، کریم الدین پانی پتی، ص ۳۸۷ (مطبع العلوم، دہلی: ۱۸۴۷ء، نسخۂ ذاتی)
۸- طبقات الشعرائے ہند، کریم الدین پانی پتی، ص ۳۹۳- (لکھنؤ: ۱۹۸۳ء)

عبدالعزیز کے روبرو عرض کیں۔ نیز چند اور کتابیں اور غالباً عملِ طب کا تجربہ دہلی میں حاصل کیا۔ مفتی صاحب کی بعض تحریروں سے ایسا تاثر ملتا ہے کہ حکیم محمد شریف خاں (وفات ۱۲۱۶ھ[۹]) سے تلمیذانہ استفادہ کا تعلق رہا ہے، لیکن واضح رہنمائی نہیں ملتی، نیز مفتی صاحب کی بیاضوں میں حکیم علوی خاں اور شریف خاں وغیرہ کی بیاضوں سے بے شمار نسخے نقل ہیں اس سے بھی مفتی صاحب کی شریف خاں کے سلسلہ سے قربت کا اندازہ ہوتا ہے۔

علمی خدمات نیز جدوجہد کے چند اور پہلو مفتی صاحب کی عملی زندگی اور دینی اصلاحی کوششوں کی روداد بھی ایسی ہی مسلسل اور سرسبز و شاداب ہے، جس سے ان کی علمی دینی تحریری تصنیفی زندگی عبارت تھی دعوت دین، وعظ و تلقین، ارشاد و تربیت، رسومات و بدعات کا خاتمہ، طریقۂ سنت کی تبلیغ و اشاعت ہمہ وقت جاری رہتی تھی، حضرت سید احمد شہید سے ارادت کے بعد اس ذوق میں گویا نئی جان پڑگئی تھی اور یہ لگن بیش از بیش ہوگئی تھی، مفتی صاحب نے زبان و قلم، شعروادب اور تحریرات و مواعظ کے ذریعہ سے دینی شعور تازہ کیا، پرانے طور طریقے جن میں سے اکثر ہندو تہذیب کی یادگار تھے اور صدیوں کے میل جول کی وجہ سے مسلمانوں میں در آئے تھے، کوشش کرکے ختم کرائے، اپنے گھرانے اور خاندان کو خالص اسلامی طریقہ حیات پر لائے اور ان کو ہمیشہ اسی مبارک راستہ پر ثابت قدم و کاربند رہنے کی تلقین فرمائی، جس سے راہ سنت کی لگن عام ہوئی اور چراغ سے چراغ جلتے گئے اور روشنی بڑھتی گئی۔

مغلوں کے آخری دور میں مختلف اسباب کی وجہ سے شیعہ مسلک کی تبلیغ کے دروازے کھل گئے تھے اور مغل ہندوستان کے ایک بڑے حصہ میں شیعیت، آندھی طوفان کی رفتار سے بڑھتی جارہی تھی۔ اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے شاگردانِ کرام نے اس طوفان کے سامنے بند لگانے کی طاقتور

۹۔ حکیم شریف خاں کے سنہ وفات میں اختلاف ہے، مفتی صاحب نے حکیم شریف کا قطعۂ تاریخ وفات کہا تھا، یہ سنہ اسی سے مستفاد ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

تحریک و کوشش کی، جو حضرت شاہ عبدالعزیز کے دست مبارک سے مکمل ہوئی۔ اس کوشش سے اس دریا کی روانی بند ہوئی، اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوگیا حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے خلفاء اور تلامذہ نیز تحریک حضرت سید احمد شہیدؒ کے ذریعہ یہ کام اعلیٰ پیمانہ پر انجام پایا اور ملک کے اس کونے سے اُس کونے تک ظلمت کی چادر پارہ پارہ ہوتی نظر آئی، مفتی الٰہی بخش دونوں میخانوں کے جرعہ نوش تھے وہ شاہ عبدالعزیز کے اہم ترین شاگردوں اور تربیت یافتہ افراد میں سرفہرست اور ممتاز تھے، سید احمد شہیدؒ کے وابستگان میں بھی منتخب ترین افراد میں شمار ہوتے تھے، اور ان نسبتوں کا حق بلکہ دینی فرض تھا کہ مفتی صاحب اس وادی میں سرگرم عمل ہوتے اور امت کو راہ راست پر لانے میں اپنی اعلیٰ ترین صلاحیتیں خرچ فرماتے، مفتی صاحب نے اس فریضہ کی اعلیٰ پیمانہ پر بہت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دہی فرمائی، اس علاقہ میں شیعیت کے جو اثرات تھے ان کا وعظ و پند، فتاویٰ، مؤلفات و رسائل اور نظم و نثر کی صلاحیتوں کے ذریعہ بخوبی دفعیہ کیا۔ اس کوشش کے اثر سے اس نواح میں شیعیت کی چلتی لہر گویا تھم گئی تھی جس کا بہت دیر تک مشاہدہ ہوتا رہا۔

شعر و ادب مفتی صاحب کو مبدأ فیاض سے منجملہ اور کمالات و محاسن کے ادب کا ذوقِ لطیف بھی عطا ہوا تھا، مفتی صاحب نہایت موزوں طبع اور قادر الکلام شاعر تھے۔ اور نشاط تخلص کرتے تھے، طبیعت ایسی پُر بہار و رواں تھی کہ ہر صنف سخن میں اور عربی، فارسی، اردو تینوں میں ہر وقت اپنی رعنائی اور کمالات کا نظارہ کراتی رہتی تھی۔ غزل، نظم، قطعہ، رباعی، قصیدہ، مرثیہ ہر موضوع پر مشق سخن کی اور اعلیٰ درجہ کا ادبی سرمایہ یادگار چھوڑا۔

فارسی اور اردو کی طرح عربی ادب میں نثر نویسی اور شعر کا ذوق اسی معیار کا پایا ہے، مفتی صاحب کے ممتاز معاصرین اور تذکرہ نگار اس کمال فن کے قائل و معترف ہیں[۱۲] اور مفتی صاحب کی تحریرات و اشعار اس کی تصدیق کر رہے ہیں۔

۱۲- دیکھئے، حدیقۃ الافراح، شیخ احمد بن محمد یمنی شروانی، ص ۲۲۵، ۲۲۸ (طبع اول، ۱۲۲۹ھ)
نیز تذکرہ فرائد الدہر (عربی شعراء و ادباء کا احوال) ص ۳۸۷ (مطبع العلوم دہلی: ۱۸۴۷ء)

ذوقِ سلوک و معرفت مفتی صاحب کا جس خانوادہ سے تعلق تھا، اس میں عرفان وسلوک اور سفر معرفت کی روایت نہایت گہری اور قدیم تھی، کئی نسلوں سے اکابر علماء اور ممتاز مرشدین سے وابستگی و استفادہ کا سلسلہ چلا آرہا تھا مفتی صاحب اپنی ذاتی خصوصیات، کردار کی پاکیزگی، بے نفسی اور اخلاص وانکسار کی وجہ سے اپنے استاذ اور بعد کے دور میں استاذ الکل حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی نگاہوں میں محبوب بنے، مفتی صاحب نے اس عنایت کو اپنے حق میں اکسیر جانا اور شاہ صاحب کی خدمت میں دل و جان سے لگ گئے، شاہ صاحب سے تصوف کی اعلیٰ ترین کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں، سلوک کے سب مرحلے ایک کے بعد ایک کر کے طے کئے اور جب کئی برس شبانہ روز استاذِ والاشان کی خدمت میں رہ کر رخصت ہوئے تو استاذ محترم سے علم و تدریس کی اجازت کے علاوہ ارشاد و تربیت کی سند سے بھی مشرف تھے۔

مفتی صاحب نے اگرچہ پیرو مرشد کی ہدایت و اجازت کے مطابق ارشاد و تربیت اور بیعت کا سلسلہ جاری کیا، مگر ہمیشہ خود کو ناچیز اور مزید تربیت و نگرانی کا محتاج خیال کرتے رہے۔ یہی جذب و بے چینی ملک کے دوسرے خطوں میں لے گئی تھی۔ چنانچہ ارشاد و سلوک کے مختلف خانوادوں اور متعدد مشائخ سلوک سے ملاقاتیں اور استفادہ بھی ہوا، مگر دل میں جو آگ لگی ہوئی تھی اور قلب جس سکون کا متلاشی تھا وہ متاع کسی دوکان پر دستیاب نہ ہوئی، بالآخر جذبِ دروں نے چھوٹے بھائی کی خدمت میں پہونچادیا یہاں سے قادریہ چشتیہ کا طریقہ تعلیم اور سنت الی اللہ کی راہ کھلی، مگر ابھی سفر باقی تھا، تڑپ برقرار تھی جس نے سید احمد شہید کے دامن سے وابستہ کیا، یہاں سے طریقہ سنت کے شبنمی قطرے دل پر برسے اس سے خاص طراوت پیدا ہوئی اور:

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا۔

مفتی صاحب اصلاح و تربیت میں یکتا اور فلسفہ تصوف، اس کے فنی اسرار و رموز، علمی مباحث کی استادانہ واقفیت، اس کی تفہیم و تشریح، اس کے مراحل و

نکات کی درجہ بندی اور اس کی تعلیم و تلقین میں بھی فردِ فرید تھے اس میدان میں مفتی صاحب کی راسخ قدمی کا اہتمام مثنوی مولانا روم سے خوب اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف اور اس کے مختلف گوشوں پر مفتی صاحب کی متعدد تالیفات یادگار ہیں۔

تصنیفات و مؤلفات | مفتی صاحب کی تالیفات و مصنفات کا زمانہ ان کے عہد درس و افادہ کی طرح کم سے کم ساٹھ سال پر محیط ہے، مگر افسوس کہ جس طرح مفتی صاحب کے تلامذہ کی کوئی جامع فہرست موجود نہیں اسی طرح تالیفات کا بھی محقق تذکرہ دستیاب نہیں۔ مفتی صاحب کی تحریروتالیف کے دور کا اس وقت آغاز ہوا تھا، جب مفتی صاحب شاہ صاحب کے حضور تعلیم میں مشغول تھے، جس کی ابتداء غالباً حضرت شاہ صاحب کے درس و افادات قلم بند کرنے سے ہوئی تھی۔ یہ ذوق آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا، ایسا شاخ درشاخ تناور درخت بن گیا، جس کی ہر شاخ علم سے معمور نظر آتی ہے۔ مفتی صاحب نے عربی، اردو، فارسی، تینوں زبانوں میں متنوع موضوعات پر تصنیفات کا ایک بڑا وسیع ذخیرہ مرتب فرمایا تھا

عربی تصنیفات

(۱) تلخیص و حواشی تفسیر مدارک التنزیل
(۲) رسالہ تجوید القرآن
(۳) حاشیہ مقدمہ جزریہ للجزری
(۴) فتوح الاوراد، شرح حصن حصین
(۵) وظائف النبوی، خلاصہ حصن حصین
(۶) حدالبصائر فی حدّالکبائر
(۷-۱۱) اربعینات
(۱۲) بدور البدایہ
(۱۳) مسائل الزکوٰۃ
(۱۴) المطالب الجلیلہ

(۱۵) شیم الحبیب
(۱۶) تلخیص غایۃ السئول
(۱۷) حلوۃ المستعان لرؤیہ النبی علیہ السلام
(۱۸) تذکار اصحاب البدر
(۱۹) احوال رواۃ صحیح البخاری
(۲۰) احوال علماء حنفیہ
(۲۱) شرح دلائل الخیرات
(۲۲) شرح ارجوزۃ الاصمعی
(۲۳) شرح الشرح ارجوزۃ الاصمعی
(۲۴) شرح القاف الاربعین
(۲۵) شرح قصیدہ بانت سعاد
(۲۶) حاشیہ مقامات حریری
(۲۷) تلخیص حیاۃ الحیوان
(۲۸) امثال العرب
(۲۹) خلاصہ شرح طیف الخیال
(۳۰) خطبات (بہ صنعت اہمال
(۳۱) شرح سلم العلوم
(۳۲) حاشیہ بر حاشیہ میرزاہد برملا جلال
(۳۳) شرح رسالہ شیخ بہاء الدین عاملی
(۳۴) تلخیص الصواعق فی ردّ الروافض
(۳۵) خلاصہ خبیب السیر فی اخبار افراد البشر
(۳۶) رسائل رمل

فارسی تصنیفات

مفتی صاحب کی تالیفات و تصنیفات کا سب سے بڑا ذخیرہ فارسی میں ہے، جو اس وقت روزمرہ خصوصاً علمی موضوعات پر تصنیف و تحریر کے لئے سب سے بہتر زبان تھی۔

فارسی میں مفتی صاحب کی ساٹھ تالیفات و منظومات کا اس وقت تک علم ہوا ہے جس میں سب سے ممتاز اور اہم ترین خدمت "اختتام مثنوی مولانا روم" ہے جس کے ذریعہ سے مفتی صاحب کے علم و مقام کا عرفان عام ہوا، اور جس سے مفتی صاحب کو لازوال شہرت اور بقائے دوام کی خلعت عطا ہوئی۔

(۳۷) ۱- اختتام مثنوی مثنوی مولانا روم کا تتمہ و تکملہ ہے۔ مولانا رومؒ مثنوی کے آخری چھٹے دفتر کے آخر میں اپنے معمول کے مطابق ایک قصہ بیان کر رہے تھے، قصہ ابھی نامکمل تھا اور یہ بھی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ مولانائے روم اس واقعہ کے پردہ میں کس حقیقت کا اظہار فرمانا چاہتے ہیں اور اس کے پس پردہ کیا تعلیمات مضمر ہیں، کہ ایک مثل شروع ہو گئی،

"مثل وصیت کردن آں شخص کہ سہ پسر داشت و میراث خود را بہ کاہل ترین پسر دادو بہ قاضی شہر گفت۔"

اس شخص کی تمثیل جس نے اپنا تمام ترکہ اپنے سب سے کاہل بیٹے کو دینے کی وصیت کی اور قاضیٔ شہر کو بھی اس کی ہدایت کردی --- ابھی اس قصہ کا آغاز بھی نہیں ہوا ہے کہ ایک اور مثل نمودار ہو گئی، مولانائے رومؒ کے معمول کے مطابق پہلے یہ مثل مکمل ہوتی، ان کے تینوں بیٹے اپنی اپنی کاہلی کی تفصیل بیان کرتے، قاضی اس پر فیصلہ سناتا اور پڑھنے والوں کو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس واقعہ کے پسِ منظر میں کیا راز چھپا ہوا ہے اور مولانا اس کے ذریعہ سے کیا پیام پہنچانا چاہتے ہیں، مگر ابھی اصل قصہ کا آغاز ہی ہوا ہے، لڑکوں کی کاہلی کی روداد ناتمام ہے، مگر مولانائے روم نے اصل قصہ کو ہی نہیں بلکہ اس داستان سرائی کو بھی یہ کہہ کر ختم فرمادیا:

در دلِ من ایں سخن زاں میمنہ است — زانکہ از دل جانب دل روزنہ است
چوں فتاد از روزنِ دل آفتاب — ختم شد واللہ اعلم بالصواب

"میرے دل میں یہ بات اس کی طرف سے آتی ہے، کیونکہ دل کو دل سے ایک راہ ہے،

جب دل کے سوراخ کا سورج ڈوب گیا، یہ کہانی ختم ہوگئی، اب اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

جب ایک عرصہ اسی طرح گذر گیا تو شیخ بہاء الدین ولد نے عرض کیا کہ اگر اس سلسلہ کو ترک کرنے کا ارادہ کرلیا ہے تو کم سے کم اس ناتمام قصہ کو تو مکمل فرمادیجئے، یہ استدعا نامنظور ہوئی۔ ارشاد فرمایا کہ:

گفت نطقم چوں شتر زیں پس نخفت ... نیستش با ہیچ کس تا حشر گفت
ہست باقی شرح ایں نظم دروں ... بستہ شد دیگر نمی آید بروں
ہم چو شتر ناطقہ ایں جا بہ خفت ... او بگوید من دہاں بستم زگفت
وقت رحلت آمد و جستن زجو ... کل شئ ہالک الا وجہہ
باقی ایں گفتہ آید بے زباں ... در دلِ آں کس کہ دارد نورِ جاں

اس کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے:

میری طبیعت کی روانی اور قدرتِ کلام یہاں پہنچ کر ختم ہوگئی۔ اب اس موضوع پر کسی سے گفتگو نہیں ہوگی۔ اگرچہ اس داستان کے باقی حصے میرے سینے میں محفوظ ہیں لیکن اس کے باہر نکلنے کا راستہ بند ہوگیا۔

میری، دنیا سے روانگی کا وقت قریب آگیا ہے۔ اللہ کی ذات پاک کے علاوہ ہر ایک شئی فانی ہے --- ہاں! یہ باقی داستان ایسے شخص کی زبان پر آئے گی (اور مکمل ہوگی) جو زندہ و بیدار دل رکھتا ہوگا۔

اسی وقت سے اہلِ ذوق، تشنگانِ محبت اور مسافرانِ راہ معرفت کو اس کا انتظار شروع ہوگیا تھا۔ دیکھئے وہ کون زندہ دل اور صاحبِ کمال ہے جو میخانۂ پیرِ روم کا صدر نشین ہوگا، مولانا روم کی ترجمانی اور ان کے وارداتِ قلب آشکارا کرنے کی سعادت کس کو نصیب ہوتی ہے، کس کا دل مولانا روم کے دل کی طرح اسرار و معرفت کا گنجینہ اور کس کا قلم اِن اَن کہی کہانیوں کا مخزن ہے۔ کئی سو برس تک لاکھوں افراد اس کے منتظر رہے اور

متعدد اصحاب کو یہ خوش گمانی ہوئی کہ وہ اس پیشین گوئی کے مصداق ہیں، انھوں نے اپنی زبان دانی، معرفت سے وسیع واقفیت کو تکمیلِ مثنوی کے لئے کافی سمجھا، اس میدان میں قدم بڑھائے، کئی لوگوں نے دفترِ ہفتم یا اختتام کے عنوان سے کوششیں کیں، لیکن ان میں سے کسی کاوش کو بھی نہ اہلِ علم و معرفت کی مجلسوں میں پذیرائی حاصل ہوئی، نہ قبولِ عام کی سند ملی۔ نگاہیں برابر اس شخص کی منتظر رہیں جو ہر طرح سے مولانا روم کی پیشین گوئی پر پورا اترتا ہو اور اس کا کلام مثنوی مولانا روم کے اسلوب و معیار سے مطابقت رکھتا ہو۔ اور یہ کلام مثنوی مولانا روم کے آہنگ و اسلوب، اس کی معنویت تہ در تہ اسرار اور روانی و غنائیت میں اس طرح رچا بسا ہوا ہو کہ وہ مثنوی کا پیوند معلوم نہ ہو، بلکہ اس کا ایسا حصہ معلوم ہو جس کے بغیر مثنوی ناتمام معلوم ہو، یہ سعادت (من جانب اللہ) مفتی الٰہی بخش کے لئے مقدر تھی۔

مولانا جلال الدین رومیؒ کی وفات (۶۷۲ھ) سے پانچ سو چوالیس سال بعد ۱۲۱۶ھ میں مفتی صاحب نے اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے رجوع کیا، شاہ صاحب کی ہدایت پر عمل کیا تو خود مولانا روم کو دیکھا۔ فرمایا: وہ تم ہی ہو جو اس کو مکمل کروگے۔ مفتی صاحب نے اس بڑے کام کی تکمیل کے لئے اپنے ہیچ و ناکارہ ہونے کا عذر کیا، مگر ہدایت ہوئی، تم قلم کاغذ لیکر بیٹھو، مفتی صاحب قلم کاغذ لیکر بیٹھے، قلم خود بخود رواں ہوگیا۔ مفتی صاحب خود فرماتے ہیں:

جذب ذوق و شوق مولانا حسام — می کشد مارا بسوئے اختتام
اختتام مثنویٔ معنوی — می کشد جاں را براہ مستوی
می تراود خود بخود از لب سخن — آنچہ خواہی اسے ضیاء الدین بکن
چوں زمامِ عقل من در دستِ تست — ہر کجا خواہی بکش جانِ مست جانِ تست
پر توِ خور چوں در آبے اوفتاد — آب دادِ آفتابے را بے داد
روح مولانا جلال الدین روم — مہر برج معرفت بحر علوم

پرتوے زد چونکہ بر طور دلم — گشت نورانی تنِ آب و گلم
برزنانم آں مہ چرخ بریں — می زند چشمک بہ بام دل کہ ہیں
اختتام مثنوی آغاز کن — نامہ سر بستہ ام را باز کن
آں حکایت گو کہ ناگفتہ بماند — نظم کن آں دُر کہ ناسفتہ بماند
زود در سلکِ بیاں درکش ورا — در رسد فیضانِ روحانی زنا
چونکہ حدّ خود ندیدم تن زدم — بر درش از عذر سر را من زدم
کاشکن امر از گہر دشوار تر — لاجرم بستم بامرِ او کمر

مفتی صاحب نے داستان کا آغاز اسی موقع سے کیا ہے جہاں مولانا روم نے ختم فرمایا تھا، مولانا کیا کہنا چاہتے تھے مفتی صاحب نے اس کی حرف بہ حرف تکمیل فرمائی ہے اس طرح کہ اختتام کا اسی داستان سے آغاز فرمادیا جہاں مولانا روم نے ترک کیا تھا، لکھتے ہیں:

"آغاز داستان بیان کردن آں ہر سہ پسر کاہلی خود را و طلب حکم آں قاضی بصدق وصفا۔"

اس قصہ کی ابتدا جب ان تینوں بیٹوں نے اپنی کاہلی کی تفصیل ذکر کی ہے اور قاضی سے دیانت و سچائی کے ساتھ فیصلہ کے طالب ہوئے ہیں

گفت قاضی کاہلی خود شما — سر بسر گوئید تفصیلاً بما
ہر یکے باید کہ گوید حال خویش — تا بدانم کاہلی کیست بیش

مفتی صاحب کا وہی وارفتگی کا انداز ہے، ایک بیٹے کی کاہلی کی روداد سنائی جارہی ہے کہ ایک اور تمثیل درمیان میں آگئی یہ تمثیل اختتام کو پہونچی کہ دنیا کے آخرت کی کھیتی ہونے کا تذکرہ آگیا، اس طرح بات سے بات نکلتی گئی اور کہیں سے کہیں پہونچ گئی۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

مفتی صاحب کو مولانا روم سے اُویسی عرفان حاصل تھا اور ان کا دل چشمۂ معرفت یعنی

مولانا روم کے بحرِ بیکراں سے جاملا تھا، جس کا اشارہ مفتی صاحب نے خود فرمایا ہے:

ربط دادی سینہ با سینہ ربط ایں آئینہ با آئینہ

جس کی وجہ سے اختتامِ مثنوی خود مولانا روم کی ترجمان بن گئی تھی۔

اختتامِ مثنوی ۱۲۱۶ھ (۲-۱۸۰۱ء) میں مرتب و مکمل ہوا۔ لفظ "غیور" کے ابجدی اعداد سے تاریخ نکلتی ہے۔ تصنیف کی تکمیل کے وقت سے اس کی نقلیں عام ہو گئی تھیں۔ مفتی صاحب کی زندگی میں نقل کئے گئے متعدد نسخے ہندوستان اور پاکستان کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں۔

یہ مثنوی غالباً سب سے پہلے ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ء) میں مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے مثنوی کے مکمل نسخہ کے ساتھ شائع ہوئی، اس کے بعد سے آج تک برابر چھپ رہی ہے۔ اور جب حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کی ہدایت و رہنمائی میں مولانا احمد حسن کانپوری نے مثنوی مولانا روم کے اس اہم تاریخی نسخہ کی اشاعت کا انتظام فرمایا، جو برصغیر میں شائع مثنوی کا سب سے عمدہ، صحیح ترین اور حسنِ طباعت کے لحاظ سے منفرد نسخہ ہے تو حضرت حاجی امداد اللہؒ نے مکہ مکرمہ سے مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے نامِ گرامی نامہ میں تحریر کیا:

"ونیز اختتامِ مثنوی شریف تصنیف مولوی مفتی الٰہی بخش صاحب مرحوم کاندھلوی، از نزد مولوی نورالحسن صاحب طلبیدہ، ضرور شریک کردہ طبع نمایند تا کہ کتاب کامل شود۔"

(ترجمہ: اختتامِ مثنوی شریف بھی تصنیف مولوی الٰہی بخش صاحب مرحوم کاندھلوی، مولوی نورالحسن صاحب سے طلب کرکے ضرور شریک کرکے شائع کریں تاکہ کتاب مکمل ہوجائے۔)

مولانا احمد حسن نے خانوادہ مفتی الٰہی بخش سے اختتام کا نسخہ حاصل کیا اور مثنوی کے چھ دفتروں کی طرح اختتامِ مثنوی کو نہایت عمدہ و اعلیٰ معیار پر اعلیٰ ترین کتابت و طباعت کے ساتھ شائع کیا اگرچہ اختتامِ مثنوی کثرت سے اور بار بار چھپا ہے۔ مگر مولانا احمد

حسن کی مرتبہ اشاعت وہ منفرد طباعت ہے جو چھ دفتروں سے جدا مستقل کتاب کے طور پر شائع ہوئی ہے۔

اختتامِ مثنوی کی اجازت و روایت کا معروف ترین سلسلہ حضرت حاجی امداد اللہ کے واسطے سے ہے، حاجی صاحب نے مثنوی شریف مولانا ابوالحسن کاندھلوی اور ان کے بھانجے مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی پر عرض کی، یہ دونوں براہ راست حضرت مفتی الٰہی بخش کے شاگرد تھے۔

اختتامِ مثنوی کے اردو، سندھی وغیرہ مختلف زبانوں میں متعدد ترجمے نظم و نثر میں ہوئے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے کلید مثنوی میں اختتامِ مثنوی کی بھی شرح فرمائی ہے۔

۲۔ رسالہ فضل القرآن	۳۔ ترجمہ شاطبیہ منظوم۔
۴۔ جوامع الکلم	۵۔ مجموعہ اربعینات
۱۳۔ رسالہ کبائر	۱۴۔ ازالۃ الکفر
۱۵۔ نافع للمفتیین والفقہاء	۱۶۔ تحقیق و جواز تمباکو خوردنی
۱۷۔ تحقیق تحریر مولوی فیض علی خراسانی	۱۸۔ رسالہ جہادیہ منظوم
۱۹۔ محافلِ نبوی	۶۔ اصول حدیث منظوم
۷۔ رسائل البرکات	۸۔ رسالہ عقائد منظوم
۹۔ بدء الامالی	۱۰۔ رسالہ توحیدیہ و اجتناب کبائر
۱۱۔ رسالہ فرائض اسلام	۱۲۔ رسالہ ارکان نماز
۲۰۔ بدور بدریہ	۲۱۔ خلاصہ تاریخ عجم
۲۲۔ ملہمات احمدیہ	۲۳۔ ملفوظات حافظ محمود شاہ
۲۴۔ رسالہ حضرات خمس	۲۵۔ تحقیق مشرب مجدد الف ثانی بسلسلۂ وحدۃ الوجود و الشہود
۲۶۔ کتاب تصوف	۲۷۔ تحقیق حقیقت کعبہ

۲۸ - یک صد مقام سلوک
۲۹ - رسالہ جہادیہ
۳۰ - ہندی محاورات کی متصوفانہ شرح
۳۱ - انتخاب مہلکات از کیمیائے سعادت
۳۲ - انتخاب ارشاد الطالبین
۳۳ - شرح غزل اول دیوان حافظ شیرازی
۳۴ - شرح غزل دوم حافظ شیراز
۳۵ - شرح غزل سوم حافظ شیراز
۳۶ - بیاض نشاط
۳۷ - مناجات بحضور الہ العالمین
۳۸ - ترجمہ ارجوزہ اصمعی
۳۹ - ترجمہ انا المطلوب
۴۰ - ترجمہ سقانی الحب کاسات الوصال
۴۱ - کافیہ منظوم
۴۲ - صرف اکبر
۴۳ - انتخاب رسالہ امام الدین مہندس
۴۴ - مفتی المجربات
۴۵ - مفتی العلاج
۴۶ - رسالہ نبض
۴۷ - رسالہ قارورہ
۴۸ - رسالہ تعلیم الادویہ
۴۹ - انتخاب علاج الامراض
۵۰ - رسالہ ردِ روافض
۵۱ - خلاصہ تالیف مولانا صبغۃ اللہ سہالوی
۵۲ - بیاض یمین
۵۳ - عین البیاض
۵۴ - بیاض علمیات ۔
۵۵ - بیاض عملیات
۵۶ - بیاض متفرقات
۵۷ - بیاض طب کلاں
۵۸ - بیاض طب خورد

اردو مؤلفات و منظومات

مفتی الٰہی بخش کے عہد تصنیف و تالیف میں فارسی، علمی موضوعات اور عمومی تحریر و اظہارِ خیال کی زبان تھی، خصوصاً تحریک سید احمد شہید کے آغاز و عروج کے وقت تک اردو میں علمی نثری تصنیفات کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی۔ یہ تحریک سید احمد شہید کا اثر تھا کہ اردو دیکھتے ہی دیکھتے عام رابطے اور دینی مذہبی رسائل سے بڑھتے بڑھتے دقیق ترین علمی و فنی موضوعات کی زبان بن گئی۔ یہاں تک کہ فارسی کا چلن قصہ ماضی شمار ہونے لگا۔

حضرت مفتی صاحب اس تبدیلی کا مشاہدہ فرما رہے تھے اور شاید جانتے تھے کہ مستقبل میں عوامی رابطے کی زبان فارسی نہیں بلکہ اردو ہوگی۔ اس لئے مفتی صاحب نے بھی اپنی توجہ اسی طرف مبذول فرمائی اور کئی کتابیں اردو میں مرتب فرمائیں۔

۔اس خیال کی تائید کریم الدین پانی پتی کے اس قول سے ہوتی ہے:

"اس کی تصنیف سے بہت سے رسالے اردو میں مشہور ہیں اور ایک مثنوی مولانا روم کا ترجمہ اردو نظم میں اس نے بہت اچھا کہا ہے۔"[۱۴]

اردو منظومات میں بھی اولیت مثنوی مولانا روم کو حاصل ہے، فارسی میں اختتام مثنوی کا تذکرہ تھا۔ یہاں مثنوی کے اردو منظوم ترجمہ کا ذکر ہے۔ مفتی صاحب کو مثنوی مولانائے روم سے جو نسبت اتحاد اور مؤلف مثنوی معنوی مولانا روم سے جو رابطہ معنوی قائم تھا، اس کا مطالبہ بلکہ حق تھا کہ مفتی صاحب مثنوی کے لعل وگہر کو وقف عام کرنے کی مسلسل کوشش فرماتے رہیں۔ اسی احساس کا ترجمان، مثنوی کے پہلے دفتر کا وہ ترجمہ ہے جس کا مفتی صاحب نے "مجمع العلوم" کے نام سے آغاز کیا تھا۔ یہ ترجمہ جو مثنوی مولانا روم کے اسلوب میں نہایت خوبصورت عمدہ ترجمہ ہے اگر مکمل ہو گیا ہوتا تو اردو ذخیرہ میں قابلِ قدر اضافہ اور تاریخی یادگار شمار کیا جاتا، مگر مفتی صاحب کی متنوع مصروفیات اسباق کی کثرت اور اصلاح و تربیت کی ہمہ وقت مشغولیت کی وجہ سے اس کو پورا کرنے کا موقعہ نہیں ملا بلکہ دفتر اول کا ترجمہ بھی ناتمام رہا۔ ایک ہزار اشعار کا ترجمہ ہوا تھا جو برسہا برس فرصت کے انتظار میں محفوظ رکھا رہا کہ جب موقعہ ہوگا اس کو پورا کیا جائے گا، مگر مصروفیات کے ہجوم میں اس کی گنجائش نہیں نکلی، یہ اسی طرح رکھا رہا اور مفتی صاحب انتقال فرماگئے۔ مفتی صاحب کے انتقال کے بعد دوستوں کے اصرار پر مولانا ابوالحسن نے اس کی تکمیل کی۔

یہ ترجمہ دوبار شائع ہوچکا ہے پہلی مرتبہ کلکتہ سے دوبارہ مطبع ہاشمی میرٹھ سے ۱۲۸۴ھ میں۔

(۹۷) ۲- رسالہ منظوم در فرائض وواجبات نماز وغیرہ: اس نظم میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہو رہا ہے مفتی صاحب نے نماز کے مسائل نظم کئے ہیں۔

۱۴- طبقات شعراء ہند، ص ۳۹۳ (لکھنؤ: ۱۹۸۳ء)

- گناہ کبیرہ منظوم | کبیرہ گناہوں کی تفصیلات پر فارسی میں ایک رسالہ منظوم کیا
تھا بعد میں اس موضوع پر اردو میں بھی خاصی مفصل کتاب مرتب فرمائی، مگر یہ فارسی کتاب کا
ترجمہ نہیں مستقل کتاب ہے۔

رسالہ ازالۃ الکفر منظوم | ازالۃ الکفر بھی اسی سلسلہ کی تالیف ہے اس میں فارسی
منظومہ ازالۃ الکفر کی طرح ان تمام مسائل، کلمات اور الفاظ کی فہرست دی گئی ہے جن
سے ہر مسلمان کو بہرحال احتیاط کرنی فرضِ عین ہے، ان میں سے کسی کے دانستہ یا غلطی
سے سرزد ہونے سے کفر کا اندیشہ ہے۔ رسالہ گناہ کبیرہ اور ازالۃ الکفر کا ایک ایک نسخہ
ہندو یونیورسٹی بنارس کی لائبریری میں بھی موجود ہے۔

- سیف قاطع | شیعوں کے معتقدات کی تردید، ان کا خلافِ قرآن و سنت ہونا
خود ان کی کتابوں سے ثابت کیا ہے مصنف کی شیعہ کتابوں پر ایسی وسیع نظر ہے اور اردو
نظم ایسی رواں اور پیرایہ اظہار ایسا وسیع ہے کہ کہیں بھی شاعر کو اپنے نظریات و دلائل
پیش کرنے میں تکلف وتامل نہیں ہوتا۔

- دیوانِ نشاط | مفتی صاحب کا فارسی مجموعہ کلام بظاہر ضائع ہوچکا ہے، یہ اردو
فارسی کا مجموعہ کلام ہے جس میں مفتی صاحب نے اپنا اردو فارسی کا مشترک کلام جمع کیا
ہے۔ اکثر اردو ہے اس لئے اس کو اردو میں درج کرنا مناسب معلوم ہوا۔

- مثنوی قصہ نوجوانے سہارنپور | یہ عشقیہ مثنوی ہے جس میں سہارنپور کے ایک
شخص کی عشق و محبت میں مجنونانہ کیفیت اور اسی غم میں المناک موت کا قصہ قلم بند کیا گیا
ہے۔

- بکٹ کہانی | بکٹ کہانی یا بارہ ماسہ اردو کی قدیم شاعری کا ایک اہم حصہ ہے۔
متعدد بارہ ماسے یا بکٹ کہانیاں لکھی گئی ہیں، منجملہ ان کے ایک اہم بکٹ کہانی مفتی الٰہی
بخش کی بھی ہے، ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے الفاظ میں:

"مفتی الٰہی بخش کی بکٹ کہانی کی لسانی خصوصیات تقریباً وہی ہیں جو افضل

(جھنجھانوی) کی بکٹ کہانی کی ہیں، کاندھلہ اور جھنجھانہ ایک ہی لسانی حلقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔"[۱۵]

مفتی صاحب کی بکٹ کہانی کا حال مولانا روم کی مثنوی کا سا ہے حکایات کے پیرایہ میں اپنے سوز دروں کا اظہار، وارداتِ قلب کی کہانی اور جذب دل کی ترجمانی مقصود ہے۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں:

زباں ہر چند ہے سادی زنانی — ولیکن درد دل کی ہے کہانی
اگر سمجھے کوئی ازراہ تحقیق — خدا کے عشق میں ہے کی یہ تدقیق

بکٹ کہانی مفتی صاحب کی مقبول ترین تالیفات میں شمار کئے جانے کی مستحق ہے

بکٹ کہانی سب سے پہلے حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے مطبع احمدی سے شائع ہوئی تھی، پھر سرسید احمد کے بھائی سید محمد نے اپنے پریس سید المطابع سے چھاپی۔ اس کے بعد مختلف مطابع سے اس کے متعدد ایڈیشن نکلے۔

بکٹ کہانی، قدیم مطبوعہ نسخوں اور ایک خطی نسخہ نیز نسخۂ مؤلف کی مدد سے مرتب کی گئی ہے اور مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کے منصوبۂ اشاعت میں شامل ہے۔

یہ ایک سو تین چھوٹی بڑی نظم و نثر کی مصنفات اور چھوٹے بڑے وہ رسائل ہیں جن کا راقم سطور کو اس وقت تک علم ہوا ہے۔ یقیناً کم و بیش اتنی ہی تالیفات مصنفات اور ہوں گی مگر وہ سب میری دسترس سے دور ہیں ان کے متعلق کچھ کہنا ممکن نہیں۔

تالیفات و تراجم وغیرہ کے علاوہ مفتی صاحب کی نقل کی ہوئی کتابوں کی بھی خاصی بڑی تعداد ہے، چھوٹی بڑی تقریباً پچاس کتابوں کا مجھے علم ہے، اس کے علاوہ اور نہ جانے کتنی کتابیں مفتی صاحب کی نقل و تصنیف کی ہوئی ہوں گی، جن کا اب پتہ نہیں۔ وکان امر اللہ قدراً مقدوراً۔

۱۵۔ اردو میں بارہ ماسہ کی روایت، مطالعہ و متن، ڈاکٹر تنویر احمد علوی، ص ۲۸ (دہلی: ۱۹۸۸ء)

نکاح اور اولاد

حضرت مفتی الٰہی بخش کا نکاح مسماۃ صالحہ بنت محمد حاتم (پسر محمد بقاء پسر امیر اللہ بن محمد یوسف) فاروقی تھانوی سے ہوا جو قاضی نصر اللہ فاروقی تھانوی کی اولاد میں تھے ان سے چھے اولادیں حیات رہیں دو صاحبزادے مولانا ابوالحسن اور مولانا ابوالقاسم اور چار دختران :

۱ ۔ وزیر النساء (زوجہ حکیم محمد اشرف خلف مولانا امام الدین کاندھلوی)

۲ ۔ امیر النساء (زوجہ غلام معین الدین پسر کریم الدین تھانوی)

۳ ۔ فاطمہ (زوجہ غلام حسین بن کریم بخش بن غلام محی الدین جھنجھانوی ۔ غلام حسین مولانا محمد اسماعیل جھنجھانوی کے حقیقی چچا تھے اور حکیم غلام سبحانی جھنجھانوی کے حقیقی بھائی)۔

۴ ۔ عائشہ (زوجہ امام بخش خلف شمس الدین بن صدر الدین جھنجھانوی)

مولانا ابوالحسن کا تعارف آرہا ہے ۔ دوسرے صاحبزادے مولانا ابوالقاسم بھی ذی علم اور با کمال شخص تھے ۔ ان کے پانچ صاحبزادے ہوئے ۔ محمد اسحاق محمد یعقوب ۔ محمد عیسی، محمد علی اور عبدالحق ۔

محمد عیسی لاولد تھے ۔ ان بھائیوں میں سے صرف محمد اسحاق کی اولاد کا سلسلہ چلا ۔ محمد یعقوب اور احمد علی کے پسری اولاد نہیں تھی ۔ عبدالحق کے صرف ایک صاحبزادے تھے نصیر الحق ۔ (جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے ممتاز خلفاء میں تھے) ۔ نصیر الحق بھی لاولد ہوئے اور باقی سلسلہ بھی تقریباً معدوم ہو گیا مولوی حکیم محمد اسحاق (جو خوش ذوق شاعر اور اچھے عالم تھے) کی پسری اور دختری اولاد کا سلسلہ اس وقت تک جاری اور سر سبز ہے)۔ ان کے اخلاف میں علماء اور اہل کمال پیدا ہوئے ۔ آخری دور کے ممتاز عالم، محدث اور مصنف حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی (مؤلف سیرت المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح) کا اسی شاخ سے نسبی سلسلہ تھا ۔

وفات

حضرت مفتی صاحب نے بیاسی سال سے زیادہ عمر پائی اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضری کے وقت سے دریائے علم و معرفت کی جو غواصی شروع فرمائی تھی تو زندگی کے آخری دن تک اسی میں مشغول رہے، اور تقریباً ستر سال تک ایسی بے پناہ اور مصروف زندگی گذاری کہ شاید ایک دن بلکہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا، انھیں احوال و کیفیات، درس وافادہ اور معمولات کا سلسلہ جاری تھا کہ یک لخت اس سفر کا بلاوا آگیا جس سے کسی کو بھی نجات نہیں۔

۱۴، جمادی الاخریٰ ۱۲۴۵ھ (۱۲، دسمبر ۱۸۲۹ء) کا دن گذار کر شب میں ایک دوا استعمال کی جس کے کھاتے ہی بے ہوشی طاری ہو گئی۔ ایک شب و روز اسی حال میں گذرے، افاقہ کی کوئی صورت نہیں بنی۔ اسی حال میں اتوار کی شام ۱۵، جمادی الاخریٰ ۱۲۴۵ھ (۱۳، دسمبر ۱۸۲۹ء) مغرب کے وقت جان جان آفریں کے سپرد فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آئندہ صبح دوشنبہ ۱۶، جمادی الاخریٰ مطابق ۱۴، دسمبر کو خاندانی قبرستان میں جو کاندھلہ کی موجودہ عیدگاہ سے ملحق و پیوستہ ہے، اپنے بھائیوں مولانا امام الدین، شاہ کمال الدین اور والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ۔

(۱) احوال و آثار کاندھلہ۔ اپریل تا دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۷ء

مولانا ابوالحسن کاندھلوی

مولانا ابوالحسن خلف مفتی الٰہی بخش بن مولانا محمد عرف شیخ الاسلام کاندھلوی تقریباً سن ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۶ء) میں ولادت ہوئی[1] والد ماجد سے تعلیم حاصل کی، طب کی تمام کتابیں پڑھیں اور مثنوی مولانا روم کا درس لیا۔ مولانا محمد حسن رامپوری[2] اور مولانا حکیم محمد اشرف کاندھلوی[3] شریکِ درس رہے۔ تعلیم کس وقت شروع ہوئی اور کب تک جاری رہی، اس کی

---

[1] مولوی کریم الدین پانی پتی نے ۱۲۶۲ھ میں مولانا ابوالحسن کی عمر تقریباً ساٹھ سال بیان کی ہے۔ اگر یہ تخمینہ صحیح ہے تو غالباً ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۶ء) میں ولادت ہوئی ہوگی۔

[2] مولانا محمد حسن بن غلام مصطفیٰ انصاری رامپور ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ تعلیم حضرت مفتی الٰہی بخش سے حاصل کی، مفصل حالات دستیاب نہیں ہیں۔

حضرت سید احمد شہید سے عقیدت و محبت تھی، ان کی تحریک جہاد سے وابستہ ہو گئے تھے۔ حضرت سید صاحب کے نہایت قریب اور معتمد افراد میں شمار تھا، پھولڑہ کی جنگ ذیقعدہ ۱۲۴۵ھ (۱۸۳۰ء) میں شہید ہوئے۔

مولانا محمد حسن کی دو تالیفات ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہیں:۔

۱۔ رسالہ امکان و امتناع نظیر اور رسالہ اصول ستہ (فنِ حساب میں)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مولانا محمد حسن انصاری رامپوری جن کا تحفۃ الابرار جدول ثانی ص ۱۱۵، تذکرۃ العابدین ص ۵۳ اور انوار العاشقین ص ۱۲۶ میں ذکر ہے، دوسری شخصیت ہیں، موخر الذکر نے ۱۷ ذیقعدہ ۱۲۵۹ھ ۱۰ دسمبر ۱۸۴۳ء میں وفات پائی۔

[3] مولانا حکیم محمد اشرف کاندھلوی خلف مولانا امام الدین بن مولانا محمد عرف شیخ الاسلام تمام علوم متداولہ مفتی الٰہی بخش سے حاصل کئے۔ تفسیر، فقہ اور فلسفہ خاص موضوع تھے۔ مرض فہمی اور نبض شناسی میں شہرۂ آفاق تھے، طب کی کتابوں کا درس بھی دیتے تھے۔ عبدالرحمٰن حیرت نے لکھا ہے کہ طب میں ان کے شاگرد ہندوستان کے اطراف و اکناف میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (سفینۂ رحمانی ص ۴ لکھنؤ ۱۸۸۴ء)

مولانا حکیم اشرف حضرت سید احمد شہید سے تعلق رکھتے تھے، کچھ دن قافلۂ مجاہدین کے ساتھ رہے۔ مولانا شاہ عبدالحی بڈھانوی کے وصیت نامہ کی تحریر کے وقت جو حضرات موجود تھے، ان میں ایک نام "فضیلت پناہ برکت دستگاہ حکیم محمد اشرف کاندھلوی" کا بھی ہے۔ (مکاتیب سید احمد شہید ورق ۳۵ ۔ الف لاہور ۱۳۹۵ھ)

اخیر عمر میں حضرت میاں جیو نور محمد جھنجھانوی سے بیعت ہو گئے تھے۔

حکیم محمد اشرف شعر و سخن کا بھی ذوق رکھتے تھے، اردو فارسی میں کلام کا بڑا ذخیرہ تھا جو ضائع ہو گیا ہے۔ نظم کا مطبوعہ نمونہ "تفسیر سورہ یوسف" ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۲۴۸ھ میں شائع ہوا۔ (قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ لاہور ص ۹۴۵) اس کے بعد سے اس وقت تک یہ کتاب برابر چھپتی رہی ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

کوئی تفصیل نہیں ملتی، تاہم صحیح بخاری جمادی الاول ۱۲۲۸ھ/مئی ۱۸۱۳ء میں شروع ہوئی۔ حضرت مفتی الٰہی بخش نے ایک یادداشت میں تحریر فرمایا ہے :-

"چہار شنبہ یازدہم جمادی الاول ۱۲۲۸ھ	بدھ گیارہ جمادی الاول ۱۲۲۸ھ کو
ابوالحسن و محمد حسن شروع قرائت صحیح	ابوالحسن اور محمد حسن نے شروع سے
بخاری از اول نمودند۔ اللہ تعالیٰ زود تر	صحیح بخاری پڑھنی شروع کی اللہ تعالیٰ
باتمام رساند۔ آمین یارب العالمین۔"	جلد پورا کرائے۔ آمین !

تعلیم کے بعد سلسلۂ ملازمت میں داخل ہوئے اور میرٹھ میں محکمۂ بندوبست میں مقرر ہوئے۔ ملازمت کے ایام میں چند اور مقامات پر بھی قیام رہا۔ والد ماجد کی وفات کے بعد ملازمت ترک کرکے وطن آگئے اور گھر پر درس کا سلسلہ جاری کیا۔ صرف اکبر[۱] سے صحیح بخاری تک ۱۶ فنون کی ۶۰ کتابیں نصاب میں شامل تھیں۔ طب کا نصاب اس کے علاوہ تھا۔ بعض کتابوں کے سال میں کئی کئی دور ہو جاتے تھے[۲] جس سے طلبار کی کثرت اور درس کی مقبولیت کا علم ہوتا ہے۔ مثنوی مولانا روم کے درس کا بھی خاص اہتمام تھا والد ماجد سے بیعت تھے۔ اور اُن سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی لیکن متعلقین کے اصرار کے باوجود کبھی کسی کو بیعت نہیں کیا۔ درس و تدریس سے فارغ وقت خلوت میں عبادت و ریاضت میں گزارتے تھے۔ ہر سال شعبان اور رمضان دو مہینے مسجد میں اعتکاف

(بقیہ صفحہ گزشتہ) طب میں حکیم محمد اشرف کی وسعتِ نظر کا شاہکار، فارسی میں ضخیم تصنیف "بحر العلاج" ہے۔ قلمی نسخہ ہمدرد انسٹی ٹیوٹ لائبریری دہلی میں محفوظ ہے۔

مولانا محمد اشرف نے ۳ ربیع الثانی ۱۲۴۷ھ/اکتوبر ۱۸۳۱ء میں خانپور ضلع بلند شہر میں وفات پائی۔ نزہتہ الخواطر ۴۲۶/۷ (حیدر آباد ۱۳۸۰ھ) میں مولانا کا سنہ وفات ۱۲۴۸ھ بیان کیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

---

[۱] صرف اکبر، قواعد صرف پر فارسی میں حضرت مفتی الٰہی بخش کی بہت جامع تالیف ہے۔ یہ کتاب مولانا ابوالحسن اور حکیم محمد اشرف کو صرف میر کے بعد پڑھانے کے لئے تالیف کی گئی اور ہمارے خاندان میں کئی نسلوں تک اسی کے صرف میر کے بعد پڑھانے کا معمول رہا۔

[۲] یہ تمام معلومات مولانا حسن کی مختلف تحریرات سے لی گئی ہیں مولانا کی تحریرات میں اس نصاب کی تفصیل بھی موجود ہے۔

کا معمول تھا۔ اس معمول کے آخر وقت تک پابند رہے۔

مولانا ابوالحسن خوب صورت، خوب سیرت، خوش اخلاق اور خوش مزاج بزرگ تھے، تذکرہ نگاروں نے ان کے حسنِ اخلاق اور خوش مزاجی کی تعریف کی ہے۔ مبتلا میرٹھی (جو مولانا سے ان کے میرٹھ میں قیام کے وقت سے واقف اور اُن کے دوست بھی تھے) مولانا کا ان الفاظ میں تعارف کراتے ہیں:۔

"ابوالحسن حسن، جوان خوبرو، وخوش خو، ورنگین طبع"[۱]

میر محمد خاں سرورؔ[۲]، اور کریم الدین پانی پتی[۳] نے بھی مولانا کی خوش خلقی کا ذکر کیا ہے۔

مولانا ابوالحسن خوش فکر اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ترجمہ منظوم مثنوی مولانا روم متعدد عارفانہ مثنویاں، چند قصیدے اور ایک رسالہ جہادیہ ان کی یادگار ہے۔ ہر چند کہ ادبی اور لسانی نقطۂ نظر سے مولانا حسن کا شمار صفِ اوّل کے شعرا اور اہلِ کلام میں نہیں ہے، مگر مولانا نے اپنی شاعرانہ صلاحیت سیدھے سادے کلام اور پُرتاثیر مثنویوں سے جو کام لیا، اور اس کے ذریعہ عشقِ الٰہی کی جو چنگاری روشن کی اس سے بے شمار اہلِ دل کے سینے منور ہوئے اور بہت سی سعید روحوں کو مَن کی دنیا کی طرف رہنمائی ہوئی، اس حیثیت سے ان کے کلام اور مثنویوں کی اہمیت بلند پایہ شعری مجموعوں اور ادبی نوشتوں سے بہت بلند ہے۔

مولانا ابوالحسن کے شاعرانہ کمالات کا نمونہ، اُن کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ مثنوی مولانا روم کے دفترِ اوّل کے منظوم ترجمہ "مجمع فیض العلوم" کی تکمیل ہے۔ یہ منظوم ترجمہ حضرت مفتی الٰہی بخش نے شروع فرمایا تھا، صرف ایک ہزار شعروں کا ترجمہ ہوا تھا کہ کام درمیان میں رہ گیا اور مصروفیات کی وجہ سے اس کی تکمیل کا موقع نہیں مل سکا، اسی میں حضرت مفتی صاحب

۱۔ طبقاتِ سخن مبتلا میرٹھی (فوٹو مملوکہ ایوانِ غالب لائبریری نئی دہلی)

۲۔ عمدۂ منتخبہ ص ۲۱۵، ص ۲۱۶ (دہلی ۱۹۶۱ء)

۳۔ طبقات شعرائے ہند کریم الدین پانی پتی ص ۳۴۳ (دہلی ۱۸۴۷ء)

کا انتقال ہوگیا۔

مفتی صاحب کے انتقال کے بعد احباب کے اصرار پر مولانا ابوالحسن نے "حکایت بادشاہ جہود دیگر کہ درہلاک دین عیسیٰ علیہ السلام سعی نمود" سے ترجمہ شروع کیا اور پہلے دفتر کی تکمیل کی[۲] اور حق یہ ہے کہ ترجمہ کا حق ادا کر دیا، اصل کی تاثیر اور تمام سوزش و سرمستی ترجمہ میں منتقل ہوگئی ہے۔ اس ترجمے کے متعلق کریم الدین کے اس قول میں کوئی مبالغہ نہیں "کہ ایسے ترجمے کم ہوتے ہیں[۳]"۔ یہ ترجمہ ۱۲ر جمادی الثانی ۱۲۵۲ھ/اکتوبر ۱۸۳۶ء میں مکمل ہوا۔ اور گارساں دتاسی کے قول کے مطابق ۱۸۴۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوا[۴]۔ دوسرا ایڈیشن ۱۲۸۱ھ میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے نکلا۔

یہاں مثنوی مولانا روم کے چند شعر اور اُن کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے، جس سے ترجمہ کے حسن اور معنویت کا اندازہ ہوگا:۔

فارسی مثنوی	ترجمہ
بعد ازیں خوں ریز درماں ناپذیر	اِس بلا کے بعد جو تھی لا دوا
کاندر افتاد از بلائے آں وزیر	یعنی تزویرِ وزیرِ پُر دغا
یک شہ دیگر ز نسل آں جہود	اِک ہوا پیدا یہودی بادشاہ
در ہلاک قوم عیسیٰؑ رو نمود	قومِ عیسیٰ کو لگا کرنے تباہ
گر خبر خواہی ازیں دیگر خروج	چاہے ہو اس حال پر تجھ کو عروج
سورہ برخواں والسماء ذات البروج	پڑھ لے سورہ والسماء ذات البروج
سنت بد کز شہ اول بزاد	جو طریقہ پہلے نے جاری کیا

[۱] مثنوی مولانا روم۔ دفتر اول ص۲۶ (نامی کانپور)
[۲] مولانا جعفر تھانیسری کا یہ بیان درست نہیں کہ "مولوی ابوالحسن نے ادرایک ہزار شعر کا ترجمہ کیا تھا کہ ان کا بھی انتقال ہوگیا" (سوانح احمدی یا تاریخ عجیبہ ص۱۴۰ سادھورہ)
[۳] طبقات الشعرائے ہند ص۲۹۳ (دہلی ۱۸۴۷ء)
[۴] خطبات گارساں دتاسی ص۱۴۱ (اورنگ آباد ۱۹۳۵ء)

ایں شہ دیگر قدم بروے نہاد — دوسرا بھی راہ پر اس کی چلا
ہر کہ او بنہاد ناخوش سنتے — جس نے یہاں جاری کیا اک کام بد
سوئے او نفریں بود ہر ساعتے — لائق نفریں ہوا وہ تا ابد

مولانا کی طبع زاد مثنویوں میں پہلی مثنوی 'بحر الحقیقت' ہے، بحر الحقیقت بڑی پُر تاثیر اور عارفانہ مثنوی ہے۔ اس میں مثنوی مولانا روم کے طرز پر تمثیلی حکایتوں کے ذریعہ آدمی کو اس کی زندگی کا مقصد یاد دلایا گیا ہے۔ اس مثنوی کی ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے :-

اے خدا اے قادرِ بے چون و چند — تیرے قبضے میں ہے سب پست و بلند
اے خدا مطلوب جانِ عاشقاں — کمتریں بخشش تری دونوں جہاں
اے خدا اے خالقِ ارض و سما — درد سے اپنے مجھے شیدا بنا

یہ مثنوی سنہ بارہ سو ... میں لکھی گئی، اور انہی ایام میں شائع ہوئی، مطبع قادری میرٹھ سے اس کا ایک ایڈیشن ۱۲۶۵ھ/۱۸۵۰ء میں چھپا تھا[1] مگر یہ پہلا ایڈیشن نہیں ہے۔ یہ مثنوی اس سے پہلے بھی شائع ہو چکی تھی۔

مولانا کی مشہور ترین مثنوی "مثنوی گلزارِ ابراہیم" ہے۔ اس مثنوی کو مصنف نے مثنوی بحر الحقیقت کا دوسرا دفتر قرار دیا ہے۔ تقریباً ساڑھے تین ہزار اشعار کی یہ مثنوی ۱۲۵۱ھ میں لکھی گئی۔ اس میں حضرت ابراہیم بن ادہم کا مشہور زمانہ واقعہ نظم کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم کے والد ماجد حضرت ادہم کے بلخ کی شہزادی پر عاشق ہونے کی داستان سے مثنوی شروع ہوتی ہے۔ اس وارداتِ محبت کی مفصل سرگزشت، پھر اس فقیرِ بے نوا ادہم کا بادشاہ بلخ ہونا، اُن کے صاحبزادے ابراہیم کی پیدائش، ان کی تخت نشینی اور آخر میں ابراہیم ابن ادہم کے تخت و تاج چھوڑ کر جذب و معرفت کی دنیا میں گم ہو جانے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

---

[1] صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، محمد عتیق صدیقی ص ۲۳۳ (علی گڑھ ۱۹۶۲ء)

مصنّف نے مزے لے لے کر یہ فسانۂ محبّت دُہرایا ہے، وہ اس کہانی کو بیان کرتے ہوئے ڈوب ڈوب کر اُبھرتے ہیں اور ہر مرتبہ عرفانِ الٰہی اور حق شناسی کے دُرِّ نایاب لے کر آتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی بظاہر بے حقیقت باتوں سے عجیب نتائج اخذ کرتے ہیں اور اس قصّہ کے ایک ایک جُزو میں معرفت کا سبق اور عشق و محبت کی چاشنی تلاش کر لیتے ہیں، یہی درسِ عشق قصّہ ابراہیم سے ربّ ابراہیم کی طرف لے جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر قاری مادّی چیزوں کی بے ثباتی و بے وقعتی اور عشقِ الٰہی کی خاص کیفیت محسوس کرتا ہے، اور یہی اِس مثنوی کا خاص مقصد ہے۔

اِس مثنوی کے ذریعہ بہت سے اہلِ حق معرفت کے کوچہ سے رُوشناس ہوئے۔ اور سینکڑوں اشخاص کو علمِ باطن کی دولت ملی، "گلزارِ ابراہیم" کے اِس خاص وصف کا اکابر علماء اور ممتاز مشائخ نے برملا اعتراف کیا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد محدّث گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ :-

"مجھے اس طریقِ معرفت وسلوک کا ذوق اسی مثنوی سے پیدا ہوا۔"[۹]

مثنوی گلزارِ ابراہیم مصنّف کی حیات میں کئی بار شائع ہوئی اور آج تک برابر چھپ رہی ہے، اِس کے بے شمار ایڈیشن نکلے اور ہاتھوں ہاتھ لئے گئے۔ سینکڑوں قلمی نقلیں تیار ہوئیں اور ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئیں۔ برصغیر ہند و پاک اور یورپ کے متعدد کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

یہاں یہ اطلاع مناسب ہوگی کہ مذکورہ بالا تینوں مثنویوں کے خطی نسخے مصنّف کے قلم سے ہمارے ذخیرۂ کتب میں موجود ہیں۔

"مثنوی سمجھ بوجھ" دو سو دو شعروں کی یہ مثنوی گلزارِ ابراہیم کی طرح مفید و مؤثر ہے، اس کی سطر سطر میں عشقِ الٰہی کی لہریں جوش مارتی ہیں۔ یہ مثنوی عرصہ تک سلوک کے

مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص ۳۵ دوسرا ایڈیشن۔

ابتدائی نصاب میں داخل رہی۔ مشائخ اپنے مریدین کو اس کو ورد میں رکھنے کی ہدایت و تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اِس مثنوی کی ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے:۔

خدا کی حمد کر اے اہلِ غفلت — کرتا نازل ہو تجھ پر اس کی رحمت
جو اس کے خوف سے توبہ کرے گا — اُسے جنّت میں گھر بے شک ملے گا
کرے جو نعتِ احمد صدق دل سے — خدا عقبیٰ میں راحت اس کو بخشے
وہ مقبولِ خدائے ذوالمنن ہے — شفیعِ عاصیاں وہ بے سخن ہے
سب اس کی آل اور اصحاب ہیں نیک — وحید العصر ہے اس میں سے ہر ایک

اور خاتمۂ کلام ان اشعار پر ہوا ہے:۔

سمندِ خامہ کی اپنی عناں روک — خموشی ہے بھلی کام و زباں روک
سمجھ کچھ تو بھی اس کے مدعا کو — سمجھ بوجھ اس کا ہے نام اے خدا جو

یہ مثنوی پہلی بار مطبع احمدی دہلی سے ۱۲۶۷ھ میں شائع ہوئی۔ اِس کے بعد مختلف مطابع نے متعدد ایڈیشن شائع کیے، غالباً تیس چالیس سال سے اس کا کوئی ایڈیشن نہیں آیا ہے۔

مثنوی خنجرِ عشق۔ مولانا حسن کی اِس مثنوی کا کوئی نسخہ ہماری نظر سے نہیں گزرا ہے۔ یہ مثنوی ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۲ء میں سعادت یار خاں رنگین کی مثنوی چار باغ کے حاشیہ پر چھپی۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر یہ عبارت تھی:۔

"تصنیف سعادت یار خاں رنگین مسماۃ بہ چار باغ، و دیگر مثنوی طبع زاد مولوی ابوالحسن صاحب معروف بہ خنجرِ عشق حسب فرمائش محمد نظام الدین سوداگر ساکن کول، در مطبع مصطفائی محمد حسن خاں طبع نمود۔"[1]

ڈاکٹر گیان چند جین کے قول کے مطابق اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے:۔

---

[1] صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات — باب محمد عتیق صدیقی ص ۱۹۱ (علی گڑھ ۱۹۶۲ء)

پہلے ہے حمدِ خداوندِ جہاں جس نے سب پیدا کیا کون و مکاں[1]

مولانا ابوالحسن کو حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی سے بے انتہا عقیدت و محبت اور ان کی تحریکِ جہاد سے بڑی دلچسپی اور گہری وابستگی تھی۔ مولانا نے حضرت سیّد صاحب کی سفرِ حج سے واپسی کے موقع پر ایک "طویل قصیدہ" پیش کیا تھا اور ایک منظوم "رسالہ جہادیہ" بھی تحریر فرمایا تھا۔ قصیدہ مولانا کے قلم سے ان کی بیاض میں ہے[2]۔ اور رسالہ جہادیہ جناب غلام رسول مہر نے جماعت مجاہدین میں نقل کیا ہے[3]۔

مولانا ابوالحسن کی بعض یادداشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے اپنے اُردو اور فارسی کلام کے دو دیوان مرتّب کئے تھے۔ ان دونوں کا کوئی سراغ نہیں مل سکا، تاہم مولانا کی بیاض میں ان کے کلام کا کچھ حصہ محفوظ ہے۔

مولانا حسن کی نثری تالیفات میں دو کتابوں کا سراغ ملتا ہے۔ "حل الغوامض" اور "رسالہ بحران"۔ اول الذکر عربی میں تھی، دوسری فارسی میں ہے۔

"حل الغوامض" فرائض (میراث) کے موضوع پر نہایت ضخیم اور جامع کتاب تھی۔ مولانا محمد سلیمان کاندھلوی نے اس کا سنہ تالیف ۱۲۲۰ھ بیان کیا ہے[4]۔ اگر ~~[illegible]~~ یہ اطلاع درست ہے تو اس سے مولانا حسن کی اعلیٰ علمی استعداد اور ذہنی صلاحیت کا علم ہوتا ہے۔ اس تالیف کے وقت مولانا حسن کی عمر انیس بیس سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ اِس عمر میں فرائض کے مشکل موضوع پر ضخیم کتاب کی تالیف اُن کی قابلیت و بصیرت کی گواہ ہے۔

فرائض پر مولانا کی گہری نظر کا اس تحریر سے بھی اندازہ ہوتا ہے جو مولانا نے حضرت

---

[1] اردو مثنوی شمالی ہند میں۔ ڈاکٹر گیان چند جین ص ۴۴ (علی گڑھ ۱۹۶۹ء)

[2] اس قصیدہ کے منتخب اشعار مولوی جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی ص ۹۰ تا ۹۲ (ساڈھورہ) میں جناب غلام رسول مہر نے سید احمد شہید ص ۲۲۲ تا ۲۲۳ جلد اول میں اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے سیرت سید احمد شہید ص ۲۳۰ تا ۲۳۲ جلد اول (لکھنؤ ۱۳۹۷ھ) میں نقل کئے ہیں۔

[3] جماعت مجاہدین ص ۲۹۵ تا ۳۰۰ (لاہور)

[4] حالات منشی الٰہی بخش تالیف و تحریر مولانا محمد سلیمان کاندھلوی م ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۸ء

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے ایک فتویٰ میراث کی تصحیح کے لئے لکھی تھی۔ یہ تحریر حضرت قاضی صاحب کو بھیجی اور درست سہامات سے مطلع کیا۔ حضرت قاضی صاحب نے اس اصلاح کو قبول فرمایا۔ قاضی صاحب کا فتویٰ، اس پر استدراک، اور قاضی صاحب کا رجوع۔ یہ تمام تحریرات مولانا ابوالحسن نے حل الغوامض میں نقل فرمائی ہیں۔ اِس اہم کتاب کا کوئی نسخہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔

رسالہ بُحران۔ طب یونانی میں بُحران کی بحث مشکل اور دقیق بحث سمجھی جاتی ہے، اس کی تحقیق و توضیح کسی ایک کتاب میں نہیں ملتی تھی۔ طب پڑھنے والے اس بحث کی تحقیق و تفصیل کے لئے مولانا ابوالحسن سے رجوع کرتے تھے۔ مولانا نے اس مبحث پر معلومات کی کمیابی کو محسوس کیا اور یہ کتاب تالیف فرمائی۔ مولانا نے کتاب کی تمہید میں لکھا ہے کہ:-

"اکثر دوستوں کو طب کی تعلیم کا ذوق ہے اور وہ اپنے شبہات دُور کرنے کے لئے میرے پاس آتے ہیں خصوصاً بحران کے سبب اس کے علاج اور اس کی تفصیلات معلوم کرنے کا ہر ایک کو شوق ہے، مگر اس کے متعلق انھیں اطمینان اور صحیح معلومات حاصل نہیں ہوتے ــــ اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک کسی نے بُحران کے مسائل کی تحقیق اور اس کے مباحث کی وضاحت نہیں کی اِس لئے اِس بے بضاعت نے اس کی تحقیق شروع کی اور کتب متداول جیسے سدیدی، نفیسی، نزہۃ الارواح اور ذخیرۂ خوارزم شاہی سے رجوع کیا اور بعض مباحث کی تحقیق علم ہیئت، علم طبعیات اور علم ریاضی کے ذریعہ حاصل کی اور والد ماجد مولانا مفتی الٰہی بخش سے اس کے متعلق جو کچھ سُنا تھا، وہ سب بھی اس تالیف میں جمع کر دیا ہے۔ امید اہل علم کو پسند آئے گی۔"[1]

اس کتاب میں مصنف نے بحران کی علامات وکیفیات، بحران پیدا ہونے کے اسباب، اس کا موسم اور اس کے علاج پر مفصل بحث کی ہے۔ یہ اہم کتاب غالباً کبھی شائع نہیں ہوئی،

[1] اصل عبارت فارسی میں ہے۔ یہاں اس کے صحیح عبارت کا مفہوم پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مگر کثرت نقل سے اشاعت نہ ہونے کے نقصان کی بڑی حد تک تلافی ہوگئی ہے۔ مصنف کا نسخہ ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔

کریم الدین پانی پتی نے مولانا حسن کی تالیفات مثنوی بحر الحقیقت اور گلزار ابراہیم کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے "سننے میں آیا ہے کہ ان کی تصنیف سے اور رسالے بھی اُردو میں ہیں"۔[۱] مگر اس تحقیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ان رسائل سے "مثنوی جد و جہد" اور "خنجر عشق" مُراد ہیں یا کچھ اور بھی رسالے تھے جو ہم تک نہیں پہنچے۔

تلامذہ

مولانا کے یہاں کم و بیش بیس سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر حیرت ہے کہ مولانا کے کسی شاگرد کا تذکرہ نہیں ملتا۔ صرف حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مثنوی مولانا روم میں تلمذ کی روایت ملتی ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے مثنوی کے بعض حصے مولانا سے پڑھے تھے، حضرت حاجی صاحب کا ارشاد ہے:۔

"میں نے مثنوی شریف تین بار حضرت مولانا عبدالرزاق پر عرض کی اور تحقیق بعض مقامات کی مولوی ابوالحسن کاندھلوی سے کی"۔[۲]

اور مولانا ہدایت اللہ فارسی سورتی کو حضرت مولانا سے اجازت حدیث حاصل تھی[۳]

مولانا ابوالحسن نے ۱۲ر جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ / ۲ر مارچ ۱۸۵۳ء بروز چہار شنبہ کاندھلہ میں وفات پائی اور اپنے والد ماجد کے قریب دفن ہوئے[۴]

---

[۱] طبقات الشعرائے ہند مولوی کریم الدین ص۳۲۳ (دہلی ۱۸۴۸ء)

[۲] شمائم امدادیہ ص۱۱ (لکھنؤ ۱۳۱۴ھ) امداد المشتاق ص۹ (تھانہ بھون ۱۳۹۰ھ)

[۳] مولانا ہدایت اللہ بن عبداللہ حنبلی فارسی سورتی ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ مختلف نامور علماء سے تعلیم حاصل کی اور اس دور کے مشہور علماء کی ایک بڑی جماعت سے اجازت حدیث حاصل کی۔ متعدد زبانوں سے اہل زبان کی طرح واقف تھے۔ عرب ملکوں، یورپ امریکہ وغیرہ کی سیاحت کی۔ ۱۳۳۵ھ میں حیدرآباد (دکن) میں وفات ہوئی۔ نزہۃ الخواطر ص۵۲۸/۸۔

[۴] سفینہ رحمانی عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی ص۳۴ (لکھنؤ ۱۸۸۴ء) تذکرہ منشی الہٰی بخش فارسی، شامل اختتام مثنوی مولانا روم (کانپور) نزہۃ الخواطر ص۱۶/۷ (حیدرآباد ۱۳۷۹ھ) اور حالات مشائخ کاندھلہ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی (دہلی) میں مولانا ابوالحسن کے مختصر حالات مل جاتے ہیں۔

مولانا محمد نورالحسن کاندھلوی

مولانا محمد نور الحسن ۲۶ ربیع الثانی (۱) ۱۲۲۷ھ (۹مئی سنہ ۱۸۱۲ء) کو اپنی ننھیال تھانہ بھون میں تولد ہوئے (۲) اصل نام محمد میاں تھا نورالحسن سے مشہور ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور اس وقت سے ہر وقت تلاوت کا معمول تھا۔ یہاں تک کہ سوتے وقت بھی متواتر پڑھتے رہتے تھے، بعض مرتبہ دو، دو سپارے پڑھ لیتے تھے جاگتے تو ان کو بتایا جاتا۔

بہرحال قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد شہرۂ آفاق عالم، اپنے دادا مفتی الٰہی بخش اور والد ماجد سے فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں زمانۂ تعلیم میں دستور المبتدی کا جو نسخہ مولانا کے پاس رہا اس پر تحریر ہے: "آج بتاریخ ۱۷ ذی الحجہ

---

۱ - میرے ایک مضمون میں یہ تاریخ سہو کتابت سے ربیع الاول چھپ گئی ہے، باقیات آزردہ غالب نامہ دہلی جنوری ۱۹۸۲ء ص ۲۰۶ صحیح ربیع الثانی ہے۔

۲ - مولانا کی والدہ ماجدہ عظیم النساء بنت شیخ الاسلام ادہم تھانوی، حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی کی حقیقی چچا زاد بہن تھیں، ترتیب یہ ہے:

شیخ بلاقی

غلام محمد عرف حافظ بدھا

شیخ الاسلام ارحم — حافظ محمد امین

عظیم النساء

زوجہ مولانا ابوالحسن کاندھلوی — حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی

از رجسٹر انسابِ صدیقیان کاندھلہ، مرتبہ حاجی محمد محسن، و رجسٹر انساب فاروقیانِ تھانہ بھون، مرتبہ مولوی ناظر حسن تھانوی (وفات :

شروع کی " سنہ واضح نہیں ہے۔

تعلیم کے لیے دہلی کا سفر شافیہ وغیرہ تک سب کتابیں خاندان کے بزرگوں سے پڑھیں اسکے بعد مزید تعلیم کے لیے دہلی بھیج دیئے گئے۔ قدیم خاندانی تعلقات کی وجہ سے قیام مدرسہ حضرت شاہ محمد اسحاق میں ہوا، ممکن ہے کہ سبق وہاں کے علماء یا طلبہ سے بھی پڑھتے ہوں۔ ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ء) میں دہلی میں قیام تھا اور مدرسۂ دہلی (قدیم دہلی کالج) میں نور الانوار وغیرہ پڑھتے تھے، دہلی کالج میں امتحان میں ممتاز رہے، امتحان میں عمدہ کامیابی پر جو سند ملی تھی وہ راقم سطور کے پاس محفوظ ہے، جو جنوری ۱۸۳۰ء کی لکھی ہوئی ہے۔ دہلی کالج سے کب تک رابطہ رہا اسکی تفصیل بمدست نہیں مگر یہ معلوم ہے کہ مولانا نورالحسن کا سنہ ۱۲۴۵ھ سے تقریباً سنہ ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۴ء تک مدرسہ شاہ محمد اسحاق میں قیام رہا (۱)۔ اس دوران محدثِ دوراں حضرت شاہ محمد اسحاق کی ذات بابرکات کے علاوہ جامع العلوم حضرت مفتی صدر الدین آزردہ اور امام المعقولین مولانا محمد فضل حق خیر آبادی سے تعلیم و استفادہ کا سلسلہ رہا، مولانا کے ذوقِ علم، طلبِ علم میں محنت اور صلاحیت کا کیا عالم تھا اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا نے دہلی میں جب اول اول مفتی صدر الدین آزردہ سے پڑھانے کے لیے عرض کیا تو مفتی صاحب نے وقت نہ ہونے کا عذر کیا۔ مولانا کے بہت اصرار پر یہ فرمایا کہ اور تو کوئی وقت فارغ نہیں مگر جب میں گھر سے (جو دہلی میں مٹیا محل کے قریب تھا) کچہری (کشمیری گیٹ) جاتا ہوں تو جو وقت راستہ میں گذرتا ہے اس میں سبق ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ مولانا احتشام الحسن صاحب کے الفاظ میں پڑھئے:

"حضرت مولانا نے اس کو منظور فرمالیا۔ چنانچہ مفتی صدر الدین صاحب پالکی میں گھر سے کچہری جاتے تو حضرت مولانا پالکی کے

۱۔ مولانا نورالحسن نے مدرسہ شاہ محمد اسحاق کے قیام کے دوران متعدد کتابیں نقل کی ہیں ان سے وہاں قیام کا عہد واضح طور پر متعین ہو رہا ہے۔

ساتھ دوڑتے جاتے تھے اور سبق پڑھتے جاتے تھے، کچہری پہنچتے ہی سبق موقوف ہوجاتا تھا اور حضرت مولانا انتظار میں بیٹھ جاتے تھے، مفتی صاحب جب کچہری کے کام سے فارغ ہو کر پالکی میں واپس ہوتے تو واپسی میں جس قدر سبق ہوتا تھا اس کو پورا کرتے تھے مہینوں یہی معمول رہا(۱)"۔

اس کے بعد یہ حال ہوا کہ مولانا کا مفتی صاحب کے عزیز اور قریب ترین شاگردوں میں شمار ہونے لگا۔ آخر میں مولانا، مفتی صاحب اور مولانا فضل حق خیر آبادی کے ایسے محبوب ہوگئے تھے کہ یہ دونوں علماء ان سے ہر معاملہ میں مشورہ اور رابطہ فرماتے تھے، اور مولانا نور الحسن ان دونوں کے ساتھ ہی شاہ محمد اسحاق سے بھی برابر استفادہ کرتے رہے۔

مولانا فضل حق خیر آبادی سے مزید استفادہ کے لیے سہارنپور میں: دہلی میں قیام کا پہلا دور اور تعلیم غالباً سنہ ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۴ء) میں مکمل ہوئی، اس کے بعد مولانا فضل حق خیر آبادی کی خدمت میں (جو اس وقت سہارنپور کے قصبہ نکوڑ میں تحصیل دار تھے) معقولات پڑھنے کے لیے سہارنپور کا سفر کیا، ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۵ء) میں مولانا خیر آبادی اور مولانا نور الحسن دونوں سہارنپور میں قیام پذیر تھے جیسا کہ مولانا نور الحسن کی نقل کی ہوئی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ مولانا نور الحسن حاشیہ شرح تہذیب مولانا فضل امام خیر آبادی کے ترقیمہ میں لکھتے ہیں:

"فرغت من قراءة هذه الحاشيه لسبع بقين من ربيع الاول، حين اقامتي في بلدة سهارنپور ومضت الاعوام من هجرة سيد الانام سنة الف و مائتين و خمسين"

اس کے بعد مولانا نے شرح تجرید پڑھی ہے، اس پر تحریر ہے:

"شرعت شرح التجريد، يوم السبت لعشرين من الشوال، سنة الف و پنجاه و اثنين من هجرة سيد

۱- حالات مشائخ کاندھلہ، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی ص-

المرسلین علیہ افضل صلوۃ المصلین الی یوم الدین
وکنت اقرا. ذالک مقیمافی السارنپور"

نکوڑیا سہارنپور میں کب تک قیام رہا اور دہلی کا دوسرا سفر کب ہوا اس کی کوئی یادداشت میری نظر سے نہیں گذری مگر مولانا ۱۲۵۵ھ میں دہلی واپس آچکے تھے اور اس وقت بھی مدرسہ شاہ محمد اسحاق میں ہی قیام تھا۔

دہلی کا دوسرا سفر اور شاہ محمد اسحاق کے دورۂ حدیث کے سبق: مولانا نور الحسن نے حضرت شاہ محمد اسحاق سے دو مرتبہ صحیح بخاری پڑھی' غالباً حدیث کی اور بنیادی کتابوں کو پڑھنے میں بھی یہی ترتیب رہی ہوگی۔ صحیح بخاری پہلی مرتبہ ۱۲۴۷ھ میں پڑھی' دوبارہ ۵۶-۱۲۵۵ھ میں بخاری و مسلم پڑھیں۔ اسباق کی تفصیل و ترتیب کیا تھی اس کا کہیں تذکرہ نہیں ملا' لیکن مولانا نور الحسن کے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے نسخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ درس حدیث کے دوسرے دور میں وسط ذی قعدہ ۱۲۵۵ھ (جنوری ۱۸۴۰ء) میں صحیح بخاری شروع ہوئی جو ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۵۶ھ (۲۷ اگست ۱۸۴۰ء) کو مکمل ہوئی' صحیح مسلم کا درس اس کے چند ہفتے بعد آخر شوال ۱۲۵۶ھ (دسمبر ۱۸۴۰) میں شروع ہوا' اس کی تاریخ اختتام معلوم نہیں۔ غالباً اس دورۂ حدیث کی تکمیل پر مولانا کی طالب علمی کا دور ختم ہو گیا تھا' اس کے بعد درس و افادہ کی جانب متوجہ ہوئے اور اساتذہ کے فیض صحبت اور اپنی خدا داد صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد جامع فنون و کمالات عالم' ماہر مدرس اور مشفق مربی کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔

خصوصیات و دینی مقام: حضرت مولانا نور الحسن اعلی درجہ کی علمی صلاحیتوں کے علاوہ روحانی مراتب و کمالات میں بھی ایسے اونچے مقام پر تھے جو خال خال کسی کو نصیب ہوتا ہے' حضرت مولانا مظفر حسین فرمایا کرتے تھے کہ:

"جس قدر اللہ تعالی نے میاں نور الحسن پر اپنا فضل و کرم فرمایا ہے ایسا بھی کسی شخص پر ہوا ہو گا"(۱)

نیز فرماتے تھے کہ :

"ہم ان کو دیکھتے رہتے تھے کہ ان کو سوائے ذکر اللہ و تلاوت قرآن مجید کے مثل اور اطفال کی طرح کسی اور امور و لعب کی طرف مائل نہیں دیکھا"(۱)۔

تلاوت قرآن پاک کا یہ ذوق ہمیشہ اسی طرح قائم و برقرار رہا۔ مولانا کے صاحبزادہ محمد سلیمان نے لکھا ہے کہ رمضان المبارک میں ہمیشہ ۲۱ قرآن شریف ختم کرتے تھے۔

درود شریف کی کثرت | بچپن سے درود شریف کثرت سے پڑھنے کا معمول تھا، کلام پاک کی طرح درود شریف بھی ہر وقت زبان پر جاری رہتا۔ یہاں تک کہ جب قضاء حاجت کے لیے جاتے اس وقت اہتمام سے زبان کو دانتوں کے بیچ میں دبائے رکھتے تھے۔ میری ہمشیرہ (اہلیہ مولانا محمد طلحہ صاحب) نے نقل کیا کہ ایک مرتبہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نے فرمایا کہ :

"مولانا نورالحسن کا روزانہ پچاس ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کا معمول تھا"۔

اس کے علاوہ اتباع سنت کا نہایت شغف تھا، اسی وجہ سے مولانا پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم یہ تھا کہ ان کو روزانہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوتی تھی۔ اگر کسی وجہ سے کسی دن ناغہ ہوجاتی تو دوسری رات میں دو، یا تین مرتبہ ہوتی، گورنمنٹ کی ملازمت کے بعد زیارت کی یہ کثرت نہیں رہی تھی۔

اگرچہ مولانا کا حافظہ بے مثال تھا اور درسیات کی جملہ کتابوں کے علاوہ ہزاروں کتابیں نوکِ زبان تھیں مگر نہایت کم گفتگو فرماتے، کم خوراک تھے۔ اور بہت کم سوتے تھے، زیادہ وقت عبادت میں بسر فرماتے۔

---

۱ - یہ دونوں اقتباس مولانا نورالحسن کے احوال پر مشتمل ایک قلمی تحریر سے اخذ کئے ہیں جو غالباً مولانا کے فرزند مولانا محمد سلیمان کی مرتب کی ہوئی اور لکھی ہوئی ہے۔

مولانا کا علمی مقام ان کے استادوں اور اہل کمال کی نظر میں | مولانا نورالحسن زمانۂ

طالب علمی ہی سے اپنی اخلاق بلندی، دینی ذوق و مزاج، علمی صلاحیت اور محنت و علوئے استعداد کی وجہ سے اپنے استادوں کی نگاہوں میں مقرب و محبوب بن گئے تھے، زمانہ طالب علمی میں استادوں کی خدمت کے علاوہ کتابوں اور درسی افادیت کی نقل کا مستقل مشغلہ تھا اور تلاوت کلام پاک اور درود شریف کا ورد ہر وقت جاری رہتا تھا، ان خوبیوں کے اجتماع نے ان کی ذات کو ایک ایسی شمع بنا دیا تھا جس کے ہزار پروانے تھے۔ مولانا کے زمانہ طالب علمی میں ہی مولانا کے استاد مولانا کی اعلیٰ صلاحیتوں کے مداح اور قدردان ہو گئے تھے اور تعلیم سے فراغت کے بعد ان کے اساتذہ کی نگاہ میں مولانا کی حیثیت میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔

مولانا مفتی صدر الدین اور مولانا فضل حق خیر آبادی کی علمی شان محتاجِ بیان نہیں وہ اپنے اپنے موضوعات پر اپنے زمانہ میں منفرد حیثیت کے حامل تھے، مگر دونوں کا حال یہ تھا کہ جب کوئی کتاب لکھتے سب سے پہلے مولانا نورالحسن کو مطالعہ کے لیے بھیجتے، کوئی قصیدہ کہتے تو مولانا کی رائے طلب کرتے، غزل ہوتی تب بھی مولانا کی رائے کا انتظار کیا جاتا اور ان حضرات کے مولانا کے نام خطوط سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قلبی تعلق کا ایک دریا ہے جو دونوں طرف سے یکساں روانی سے بہہ رہا ہے۔ آزردہؔ خیر آبادی دونوں کے خطوط کا یہی حال ہے، تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں۔

مولانا کے استادوں کے علاوہ اس وقت کے اور بھی متعدد بڑے علماء اپنی تصانیف، مولانا کی خدمت میں اصلاح و نظرثانی کے لیے بھیجتے تھے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے (جو عیسائیت کے موضوع پر دنیائے اسلام کے امام اور اپنے عہد کے سب سے بڑے فاضل تھے) نے ازالۃ الاوہام لکھی تو اصلاح و نظرثانی کے لیے مولانا کی خدمت میں ارسال کی مولانا رحمت اللہ نے اس وقت مولانا نورالحسن کو لکھا تھا اس کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"و خدام جناب حضرت مولانا مملوک علی صاحب بذریعہ عنایت نامہ و ہم بوساطت زبانی آیند گان آں صوب "رسالہ ازالۃ الاوہام" را کہ از

تالیفات کمترین خلائق است بارادۂ طبع اوطلب می فرمایند، و خشک جانی و بے جوہری احقررا اگرچہ بعض اولی الابصار بخوبی واقف اند لیکن بندگان مولینا منعم بہ سبب این کہ این بے نصیب گاہی در محفل فیض مشاکل شان استفادہ نہ برداشتہ، وقوف کما ینبغی از کم استعدادی این ہیچ میرزندارند۔

ازیں جہت از ارسال آں توقفے بکار رفت کہ مبادا جناب مولانا پس ملاحظہ اش خیال طلب کردہ وبحیہ رضیہ بزرگاں راکارفرمودہ خطا ہارا پوشیدہ بقالب طبع در آرند و بعدش زلات و خطایا این سراپا خطا دست آویز بر مخالف عنید گردد، واز اکثر اشخاص مراوسیلہ چشم پیش داشتن شود۔ این کار خوردن بر حال شیوہ محمود علاوہ ازیں چند منصران رامثل ماسٹر رام چندر وغیرہ را ارادہ رواں بعد دستیابی نسخہ اش دردل موجود، زیادہ تر احتیاط بکار بردن را واجب می سازد۔

ودریں ضلع سوائے ذلت مصدر حسنات دیگر لدامے نیست کہ دریں باب از دانش استصلاحا استفسارے دریں باب بعمل آید، لہذا اکثر اجزایش کہ بمقابلہ و نظر ثانی در آمدہ اند، روانہ خدمت والای شوند۔ بشرط فرصت للہ ولرسولہ نظرے بر آں فرمایند و جائے کہ بجہت کوتاہی استعدادم خطائے سرزدشدہ، اصلاحی نمایند۔ واگر شومی طالع ام کل قابل محوباشد و بہ فحوائے "لن یصلح العطار ما افسدہ الدھر" اصلاحش بغایت شاق بر ذات مقدس باشد، تاہم شرف اطلاعی رود کہ آں چناں اور اگم کنم کہ مانند عنقا احدے بعدش جز نامش نشود، واز پوستین کردن خلائق امینتی بدست آید۔ و خدا و رسول شاہد است کہ ہر قدر اصلاحی و تکمیلی کہ از بندگان حضرت رو خواہد داد (۱)"۔

۱۔ مجموعہ مکتوبات مفتی صدر الدین آزردہ و مولانا فضل حق خیر آبادی وغیرہ علماء بنام مولانا نور الحسن مرتبہ و مکتوبہ مولانا محمد سلیمان خلف مولانا نور الحسن صاحب ورق ۵۹۔ب تا ۶۰ ب۔

(ترجمہ) : جناب والا کے خادم مولانا مملوک العلی اپنے عنایت نامہ کے ذریعہ اور آنے والوں کی زبانی (پیام بھیج کر) وہ کتاب، ازالۃ الاوہام" جو اس کمترین خلائق کی تصنیف ہے شائع کرنے کے ارادے سے طلب فرمارہے ہیں۔ میری بے صلاحیتی سے اگرچہ بعض اہل علم و دانش اچھی طرح واقف ہیں، لیکن مولانا صاحب کی ذات گرامی (شاید اس وجہ سے کہ مجھ ناچیز کو کبھی ان کی فیضیاب مجلس سے استفادہ کا موقع نہیں ملا) میری کم استعدادی سے واقف نہیں ہیں، اس وجہ سے مجھے (اس کتاب ازالۃ الاوہام) کو چھاپنے کے لیے بھیجنے میں تامل ہو رہا ہے کہ مولانا (مملوک العلی) اس کو مطالعہ فرمانے کے بعد صرف اس خیال سے کہ انھوں نے اس کو چھپوانے کے لیے طلب کیا ہے اور بزرگوں کے اوصاف کریمہ کی طرح اس کی غلطیوں، فرو گذاشتوں کو نظر انداز فرما کر اس کو اشاعت کے لیے دے دیں اور بعد میں اس ناچیز مولف کی لغزشیں اور فرو گذاشتیں سخت مخالفین (عیسائیوں) کے لیے ثبوت اور دستاویز بن جائیں اور بزرگوں کے سامنے میری نگاہیں نیچی ہونے اور شرمندگی کا ذریعہ بنیں۔ اہل علم کے سامنے ایسی رسوائی اٹھانا بھی، ایسی شرمندگی بھی بہت ناگوار نہیں ہے، مگر اس کے علاوہ (اہم بات یہ ہے) کہ دہلی کے چند نصرانی ماسٹر رام چندر وغیرہ اس کتاب (ازالۃ الاوہام) کے حاصل ہونے کے بعد اس کی تردید لکھنے کا ارادہ دل میں رکھتے ہیں، اس لیے بہت زیادہ احتیاط برتنا ضروری ہے۔

اور اس علاقہ میں جناب کی ذات مجمع حسنات کے علاوہ دوسرا ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس سے اس میں اصلاح طلب کی جائے لہذا اس (ازالۃ الاوہام) کے اکثر اجزاء جو مقابلہ اور

نظر ثانی کے بعد مکمل ہو گئے ہیں۔ خدمت عالی میں روانہ کئے جارہے ہیں، بشرط فرصت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خاطر اس پر اصلاحی نظر فرمائیں اور جس جگہ بھی میری نظر کوتاہی سے کوئی غلطی ہو گئی ہو اس کی اصلاح فرمائیں، اور اگر میرے طالع کی نحوست سے سب کا سب محو (کالعدم) کرنے کے لائق ہو اور "لن یصلح العطار ما افسده الدھر" (جس کو زمانے نے خراب کر دیا ہو، عطار اس کو ٹھیک نہیں کرسکتا)۔ کا مصداق ہو اور اس کا درست و صحیح کرنا جناب والا کے لئے نہایت مشقت واذیت کا سبب ہو، اس صورت میں بھی اطلاع سے نوازیں تاکہ (اس کے بعد) میں اس نسخہ کو اس طرح گم کردوں کہ عنقا کی طرح کوئی شخص بھی اس کے بعد اس کے نام کے علاوہ اور (نہ کچھ سنے) نہ دیکھے اور مخلوق کی اذیت رسانی سے نجات ملے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ جس قدر بھی اصلاح و ترمیم جناب والا کی جانب سے ہو گی مجھ حقیر و ناچیز کے لیے اسی قدر مسرت کا سبب ہو گی۔

اہل علم جانتے ہیں کہ ازالۃ الاوہام ردِّ عیسائیت میں کس درجہ کی بلند پایہ کتاب ہے، مگر حضرت مصنف فرمارہے ہیں کہ اگر مولانا نورالحسن اس کو ناقابل توجہ سمجھیں گے تو یہ کتاب ضائع اور ایسی بے نام و نشان کردی جائے گی کہ تلاش کرنے سے بھی اس کا پتہ نہ ملے، یہ مولانا نورالحسن کے علم و فضل پر غیر معمولی اعتماد کی دلیل ہے۔

مولانا نورالحسن کے عہد میں جن اہل کمال نے عیسائیت کو اپنا موضوع بنایا ان میں ایک اور اہم نام (مولانا کے شاگرد) سرسید احمد کا بھی ہے، سرسید احمد نے جب انجیل کی تفسیر "تبیین الکلام" لکھی تو مولانا کی خدمت میں بھیجی اور اس کے ساتھ ایک مفصل خط بھی لکھا کہ اس کتاب کو پڑھ کر اپنی رائے سے مطلع

فرمائیں اور بتائیے کہ اور یہ کام کیسا ہے اور میں کون ہوں؟ سرسید احمد کے الفاظ یہ ہیں:

"اب میں (تبیین الکلام کے) جس قدر اوراق چھپ چکے ہیں آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں، امید ہے کہ آپ ان سب مقدمات کو بغور ملاحظہ فرمائیں (آگے لکھتے ہیں) اس کے بعد مجھے اطلاع فرمائیے کہ میں کون ہوں۔ مسلمان یا کافر یا مرتد یا نصرانی ---"(۱)

ان کے علاوہ اس وقت تک ایسی کئی کتابیں موجود ہیں جو بڑے علماء اور مصنفین نے مولانا کی خدمت میں تحفتاً یا اظہار خیال کے لیے بھیجی تھیں مثلاً:

مولانا مفتی صدر الدین کی تالیفات، مولانا فضل حق خیر آبادی کی کتابیں، مولانا امام بخش صہبائی کی کتابیں، غالب کی مہر نیمروز، مولانا شیخ محمد تھانوی کی مناظرِ محمدیہ، مولانا امداد العلی کی مؤلفات، نیز اور بھی بہت سی ایسی کتابیں ہوں گی جو میری نظر سے نہیں گذریں۔

درس و افادہ | مولانا نے اس وقت کے معمول کے مطابق اپنے زمانہ طالب علمی میں اپنے خاندانی عزیزوں، اپنے استادوں کے شاگردوں اور دوسرے طالب علموں کو درس دینا، پڑھانا شروع کر دیا تھا، اس دوران مفتی صدر الدین آزردہ اور مولانا خیرآبادی کے شاگرد مولانا سے استفادہ کرتے رہے، دہلی سے آنے کے بعد مولانا کا ملازمتوں کا سلسلہ شروع ہوا اس زمانہ میں بھی ہر مقام پر درس و تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا، طلبہ حاضر رہتے اور ملازمت کی ضروری مصروفیتوں کے علاوہ تمام اوقات اسی خدمت میں گذرتے تھے، آخر میں الور کی ملازمت ترک کرنے کے بعد (۱۲۷۶ھ ۱۸۶۱ء) میں وطن آ گئے تھے۔ یہیں درس و افادہ کا سلسلہ جاری کیا جس کی دور دور تک شہرت تھی ذی استعداد جید طالب علم مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

مولانا ہر علم و فن کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ صبح سے شام تک سبق جاری رہتے، اس میں جہاں مقامی اور اطراف کے طالب علم شامل ہوتے وہیں ایسے بھی

۱۔ مکتوب سر سید احمد بنام مولانا (غیر مطبوعہ) ملوکہ راقم سطور مکتوبہ۔ ۲۱ دسمبر سنہ ۱۸۶۲ء۔

ہوتے جو دور دراز سے منزلیں طے کر کے آتے تھے اور ایسے بھی ہوتے جنھوں نے کسی خاص کتاب یا موضوع میں کمال حاصل کرنے کے لیے پورے ملک کی خاک چھانی تھی اور بڑی بڑی علمی درس گاہوں میں حاضر ہوئے تھے مگر تشنہ لب رہے اور ان کو علمی طور پر سیرابی میسر نہ آئی' ایسے افراد آخر میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مست و سرشار ہوجاتے اور انھیں یقین ہوجاتا کہ :

"ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں"

ایسے ہی ایک صاحب ذوق طالب علم کا ایک واقعہ جو اپنی لگن میں ملک کے اس کونہ سے اس کونہ تک پھر آئے تھے، مگر کہیں بھی پوری تشفی اور اطمینان نہیں ہوا تھا وہ آخر میں دہلی آئے جب دہلی کے علماء بھی ان کی میزان پر پورے نہ اترے تب علمائے دہلی کی رہنمائی اور مشورہ پر کاندھلہ آئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں ان کو وہ سب کچھ مل گیا جس کی ان کو خواہش و تلاش تھی۔

مولانا کے چند شاگرد

مولانا نے تقریباً تیس سال درس و افادہ اور تعلیم و تربیت میں گذارے مگر راقم سطور کو مولانا کے صرف چند شاگردوں کے نام معلوم ہیں جس میں سب سے زیادہ شہرت و ناموری سرسید احمد کے حصہ میں آئی ہے۔ دوسرے چند شاگرد یہ ہیں :

۱ - مولانا احمد حسن مراد آبادی متوفی ۱۲۸۸ھ -

۲ - مولانا مفتی ریاض الدین خاں کاکوروی متوفی ۱۲۹۵ھ -

۳ - مولانا لطف علی راجگیری متوفی ۱۲۹۶ھ -

۴ - مولانا عبداللہ بلگرامی متوفی ۱۳۰۵ھ -

۵ - مولانا عبدالحق بن مولانا فضل حق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ -

۶ - مولانا شیخ محمد بن غلام رسول سورتی متوفی ۱۳۲۴ھ -

۷ ۔ مولانا عبداللہ بایزید پوری متوفی ۱۳۲۸ھ ۔

۸ ۔ محمد حسین بٹالوی متوفی ۱۳۳۸ھ ۔

۹ ۔ مولانا سید محمد تقی نصیر آبادی ۔

۱۰ ۔ جناب مولوی محمد عبدالرحمن کلیانوی پیدائش ۱۸۲۶ء (و استاد مہارانا شنو سنگھ و مہارانا سجن سنگھ) سپر نٹنڈنٹ پولس و جج ریاست اودے پور ۔

۱۱۔ مولانا محمد ابراہیم انصاری کیرانوی ۔

ملازمت | مولانا تعلیم سے فارغ ہونے کے فوراً بعد اپنی اعلیٰ لیاقت و قابلیت کی وجہ سے آگرہ کالج آگرہ میں (جو ہندوستان کا اعلیٰ درجہ کا علمی مرکز سمجھا جاتا تھا) عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، تقریباً چار سال تک اس عہدہ پر فائز رہے پھر سکریٹری کالج کے اہانت آمیز رویہ کی وجہ سے مستعفی ہو کر وطن آگئے تھے ۔ یہاں آکر کسی اور ملازمت کی تلاش ہوئی، محرم ۱۲۶۲ھ (۴ جنوری ۱۸۴۶ء) میں نکوڑ میں قائم مقام تحصیلدار کے لیے تقرر ہوا، محرم ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۷ء) میں تحصیلدار ہو گئے تھے ۔ جمادی الثانی ۱۲۶۷ھ (اپریل ۱۸۵۱ء) میں اس ملازمت کو بھی چھوڑا اور چند مہینے وطن میں گذارنے کے بعد بنے سنگھ مہاراجہ الور کی طلب پر (جو علماء اور اہل کمال کا بہت قدر دان تھا) ذی قعدہ ۱۲۶۷ھ (ستمبر ۱۸۵۱ء) میں الور پہنچے، تقریباً دس سال الور میں گذارے، اسی دوران مولانا کی کوشش سے مولانا فضل حق خیر آبادی بھی الور آگئے تھے ۔ مولانا خیر آبادی جنگ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء کے دوران ملازمت چھوڑ کر دہلی آگئے تھے، مگر مولانا نور الحسن اس قصہ سے بالکل یکسو ہو کر جمادی الثانی ۱۲۷۶ھ (جنوری ۱۸۶۱ء) تک الور میں رہے ۔ اور جمادی الثانی کے آخر میں الور کو خیر باد کہا، اس وقت سے وفات تک وطن میں قیام فرمایا اور درس و افادہ میں مشغول اوقات بسر فرمائے ۔

تالیفات | راقم سطور کو مولانا کی صرف چار تالیفات معلوم ہیں :

۱ ۔ حاشیہ ہدایہ اولین ۔

۲ ۔ تاریخ ریاست الور، صنعت اہمال (بے نقط الفاظ میں)

۳ ۔ رسالہ فرائض (میراث)

یہ تینوں کتابیں عربی میں ہیں۔

۴۔ انتخاب احادیث استبصار مرتبہ ۱۲۴۹ھ مولانا آل حسین موہانی تاریخ ریاست الور کے علاوہ کہ اس کے کسی نسخہ کا راقم سطور کو علم نہیں، اور تمام تالیفات محفوظ ہیں۔ تاریخ ریاست الور کا مولانا کی تحریرات اور مولانا محمد سلیمان کی یاد داشتوں میں ذکر ہے۔

مولانا سے غلط منسوب دو کتابیں، حاشیہ دیوان متنبی: مولانا احتشام الحسن صاحب نے حاشیہ دیوان متنبی کو بھی مولانا کی تالیفات میں شمار کیا ہے، مگر مولانا کی یہ اطلاع صحیح نہیں۔ اگرچہ مولانا نور الحسن کے قلم سے نقل دیوان متنبی اور اس پر ایک حاشیہ موجود ہے، مگر راقم سطور کا خیال ہے کہ یہ حاشیہ مفتی صدر الدین آزردہ کی تالیف ہے یہ مولانا نور الحسن کی تحریر ہے تالیف نہیں ہے (۱)۔

مائۃ مسائل حضرت شاہ محمد اسحاق: حضرت شاہ محمد اسحاق کی تالیفات میں ایک مشہور کتاب مائۃ مسائل بھی مولانا نور الحسن سے منسوب کی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب حضرت شاہ صاحب کی ہدایت پر مولانا نے لکھی تھی (واقعات اکابر کے ایک مشہور راوی) امیر شاہ خاں صاحب خورجوی کہتے تھے کہ

"کتاب اربعین و مائۃ مسائل کی تصنیف کی وجہ یہ ہے کہ خان زمان خان د تاولی بھیکم پور کے رئیس تھے انھوں نے شاہ اسحاق صاحب سے سوالات کئے تھے ان کے جوابات میں تو شاہ صاحب نے اربعین لکھی ہے اور کچھ سوالات دہلی کے شاہزادوں اور بادشاہ دہلی اور حاجی قاسم و مولوی کریم اللہ وغیرہ مخالفین نے آپس میں مشورہ کرکے اور سوالات ترتیب دے کر کئے تھے اور یہ قید بھی لگادی تھی کہ ان کے جوابات صرف فلاں فلاں علماء کی تصریحات سے ہونے چاہیں۔ ان کا جواب شاہ صاحب کی طرف سے ان کا جواب لکھا۔ اس کتاب کا نام مائۃ مسائل ہے (۲)"۔

۱۔ مزید معلومات کے لیے راقم سطور نور الحسن راشد کا مضمون: "باقیات آزردہ" مجلہ غالب نامہ، دہلی۔ جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۲۲، ۲۳۔

۲۔ ارواح ثلاثہ، مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی ص ۷۶، ۷۷، (تھانہ بھون۔ بلاسنہ)۔

خان صاحب کی اس روایت کی کافی شہرت حاصل ہوئی ۔ بعد میں متعدد اہل قلم اور تذکرہ نگاروں نے اس کو نقل کیا (۱) اور بعض نے اس پر بڑی بڑی قیاس آرائیاں فرمائی ہیں (۲) مگر یہ روایت بوجوہ درست نہیں ۔

مائۃ مسائل کے متعدد قلمی نسخوں میں اس کی تصریح ہے کہ اس کی تالیف ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ء) میں ہوئی اور ۱۲۴۵ھ وہ سنہ ہے جس میں مولانا نورالحسن کاندھلہ سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی پہنچے تھے، اگرچہ مولانا کا حضرت شاہ محمد اسحاق کے مدرسہ میں قیام تھا مگر اسی وقت مدرسہ دہلی (قدیم دلی کالج) میں تعلیم شروع کی تھی اور اس سال ۱۲۴۵ھ میں جو کتابیں پڑھیں اس میں نور الانوار شامل تھی اور اس وقت تک حضرت شاہ محمد اسحاق سے براہ راست تلمذ نہیں ہوا تھا بلکہ جہاں تک معلوم ہے مفتی صدر الدین آزردہ اور مولانا خیر آبادی سے بھی شاگردی کے روابط نہیں ہوئے تھے، مولانا کی جو تحریرات موجود ہیں ان میں دونوں علماء سے تلمذ کی

۱۔ مثلاً ملاحظہ ہو، حالات مشائخ کاندھلہ ص ۱۵۸ ص ۱۶۹ (طبع اول، دہلی بلا سنہ) نیز اور بھی متعدد اہل قلم نے یہ روایت امیر شاہ خاں کے حوالہ سے نقل کی ہے اور راقم سطور نے بھی اپنے پچھلے مضامین:

حیات سرسید کا ایک گم شدہ ورق ۔ ماہ نامہ آج کل دہلی مئی ۱۹۶۵ء

باقیات آزردہ مجلہ غالب نامہ، دہلی جنوری ۱۹۸۳ء

وغیرہ میں لکھی ہے لیکن محولہ بالا معلومات کی روشنی میں یہ اطلاع صحیح نہیں ۔

۲ ۔ حکیم محمود احمد برکاتی نے مائۃ مسائل اور رسائل اربعین پر تفصیل سے لکھا ہے حضرت شاہ محمد اسحاق ۔ (دہلی : ۱۴۱۲ھ) ص ۱۲۷، ۱۳۹، مگر افسوس ہے کہ حکیم صاحب کے اکثر خیالات بے بنیاد اور تاریخی حقائق کے خلاف ہیں، مائۃ مسائل اور مسائل اربعین دونوں کتابیں شاہ محمد اسحاق کی حیات میں سنہ ۱۲۵۸ میں چھپ گئی تھیں (اس وقت تک ان کے نسخے موجود ہیں) اور ان کے قلمی نسخے بھی شاہ صاحب کی حیات کے لکھے ہوئے معلوم ہیں اور ان کے جوابات بھی شاہ صاحب کی زندگی میں لکھے گئے مگر جہاں تک معلوم ہے حضرت شاہ صاحب نے ان کتابوں کی اپنی طرف نسبت کا کبھی بھی انکار و تردید نہیں کی ۔ اس کے علاوہ بھی برکاتی صاحب کی اس کتاب میں بے شمار تاریخی فرو گذاشتیں نہایت مغالطہ آمیز اطلاعات اور بے بنیاد قیاس آرائیاں ہیں، جن کی وضاحت و تصحیح کے لیے ایک مفصل مضمون کی ضرورت ہے ۔

پہلی اطلاع ۱۲۴۷ھ کی ہے۔ شاہ محمد اسحاق سے تلمذ کی ابتداء کب ہوئی اس کی صراحت نہیں ملی مگر ۱۲۴۸ھ میں حضرت شاہ صاحب سے پہلی مرتبہ صحیح بخاری پڑھنے کا ذکر ہے۔ لہٰذا ایسے سوالات جن کے جوابات کے لیے (امیر شاہ خاں کے قول کے مطابق) خاص کتابوں کی حدود بھی متعین کر دی گئی تھیں مفصل علمی جواب کے لیے عربی کی متوسط کتابیں پڑھنے والے طالب علم کے حوالہ کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟۔

نیز حضرت مولانا نورالحسن کی نقل کی ہوئی کتابوں میں مائۃ مسائل کا ایک خلاصہ موجود ہے یہ تلخیص مولانا نے فرمائی ہے اس نسخہ کے آخر میں تحریر ہے:

"اختصار مائته مسائل شاہ محمد اسحاق. والاختصار لغیرہ"۔

مائۃ مسائل کا یہ خلاصہ مولانا نے ۱۲۴۷ھ میں مرتب اور نقل کیا ہے (۱) اگر اس کی ترتیب و تالیف میں مولانا کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ موقعہ تھا کہ مولانا اس کا کچھ اشارہ و تذکرہ فرماتے' لہٰذا امیر شاہ خاں کی یہ روایت غلط فہمی پر مبنی اور خلاف واقعہ ہے۔

ذوق کتب | مولانا بلند علمی مقام' درس و افادہ اور جامعیت و کمال کے علاوہ کتابوں کے ذوق کے لیے بھی اپنے معاصرین میں ممتاز تھے' مولانا کو ہر علم و فن پر عبور تھا اور ہر اک موضوع کی کتابیں زیر مطالعہ رہتی تھیں' نیز تازہ مطبوعات' قدیم تصنیفات' مخطوطات' مصنفین کے نسخے اور کمیاب کتابیں جمع کرنے کا خاص ذوق تھا' اس کے لیے بڑی رقم خرچ کرتے تھے دہلی وغیرہ مختلف مقامات سے مختلف علماء اور اہل ذوق اصحاب کے ذریعہ سے نادر کتابوں کی فراہمی' خریداری اور نقل و ترسیل کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ دہلی سے جو صاحب کتابیں منتخب خرید کر نقل کرا کر بھیجتے تھے اس میں سرفہرست نام مفتی صدر الدین آزردہ اور

۱۔ یہ رسالہ ایک مجموعۂ رسائل میں شامل ہے۔ جو مولانا نورالحسن کے نقل کئے ہوئے ہیں اور یہ جملہ رسائل یکم محرم سنہ ۱۲۴۷ھ سے ۲ ربیع الثانی ۱۲۴۷ھ (۱۲ جون ۱۸۳۱ء تا ۹ ستمبر ۱۸۳۱ء) کے درمیان لکھے گئے ہیں' اگرچہ مائۃ مسائل کے مذکورہ نسخہ پر تاریخِ کتابت تحریر نہیں' مگر قرین قیاس ہے کہ یہ بھی اسی دوران لکھا گیا ہے۔

غالب کا ہے، اسی سے مولانا کے بلند ذوق اور وسعت نظر کا اندازہ ہوجاتا ہے
اس کے علاوہ جب کبھی کوئی نادر کتاب یا مصنف کا نسخہ یا نئی تالیف ایسی سامنے
آتی کہ اس کا قیمتاً خریدنا دشوار ہوتا تو بلا تاخیر اس کی نقل کرالیتے، مولانا کی نقل
کرائی ہوئی متعدد کتابیں اب تک موجود ہیں۔

کچھ کتابیں ایسی بھی ہوتی تھیں کہ وہ دو چار دن کے لیے ہاتھ آتیں، ان
کی نقل کے لیے متعدد اصحاب بیک وقت زحمت کرتے اور بڑی سے بڑی ضخیم
کتاب کو دو چار دن میں نقل کر لیتے، ایسی بھی کئی کتابیں بفضلہ تعالیٰ ابھی تک
موجود ہیں جن کی اس طرح نقل ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ خود مولانا بھی کتابوں کی نقل میں مشاق تھے، نہایت
خوبصورت پاکیزہ خط تھا، عموماً نستعلیق میں لکھتے تھے اور کثرت سے کتابیں نقل
فرماتے، مولانا کی تحریر کا ایک ایک حرف ایسا واضح اور روشن ہے گویا موتی ٹکے
ہوئے ہیں۔ متن کی تصحیح، ضروری اعراب، حلِ لغات اور عنوانات وغیرہ کو سرخ
روشنائی سے ممتاز کرنے کا بھی اہتمام تھا۔ اسی ذوق اور مولانا کی ساری زندگی کی
مسلسل کوشش کی بدولت ایسا نادر اور شاندار کتب خانہ فراہم ہوگیا تھا کہ جس میں
دس ہزار سے زائد کتابیں تھیں۔ اس میں مولانا کے آخر زمانہ حیات تک ہندوستان
میں چھپی ہوئی اعلیٰ ترین علمی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ اور نادر قلمی کتابوں کا
وسیع خزانہ تھا، مگر افسوس ہے کہ یہ ذخیرہ پوری طرح محفوظ نہیں رہ سکا، ۱۹۲۰ء کے
بعد سے اس کا زوال شروع ہوا اور ۱۹۴۷ء کے حوادث نے اس کو بے پناہ نقصان
پہنچایا زمیندارہ کے خاتمہ اور خاندان کے متعدد افراد کے پاکستان یا ادھر ادھر منتقل
ہوجانے کی وجہ سے اس کتب خانہ کی تقسیم مولانا کے ترکہ اور ورثہ کے طور پر
عمل میں آئی اور یہ گرانمایہ کتابوں کا ایک اور حسین تاج محل بکھر کر ضائع ہوگیا۔

اگر یہ کتب خانہ پوری طرح محفوظ رہتا تو یقیناً ہندوستان کے ممتاز و نادر
کتب خانوں میں گنا جاتا مگر اب پچھتاوت کیا ہووت ہے جب چڑیاں چگ گئیں
کھیت۔

سفرِ حج | مولانا نور الحسن ۱۲۷۷ھ میں اپنے خاندان کا ایک بہت بڑا قافلہ ساتھ لے

کر سفر حج کے لیے روانہ ہوئے' مولانا کے روز نامچہ میں درج اطلاع کے مطابق اس میں مرد، عورت، بچے سو نفر تھے۔ تحریر فرماتے ہیں :

"۱۵ جمادی الاول ۱۲۷۷ھ (۲۹ نومبر ۱۸۶۰ء) بروز پنجشنبہ امروز روانہ بیت اللہ شدم۔ جملہ مردم خانہ ' مردوزن زائد از صد نفراست۔ منازل رہ کیرانہ' بڈولی' شاہ آباد' انبالہ' راجپورہ' باڑہ' لدھیانہ جگراواں"

" ۱۵ جمادی الاول ۱۲۷۷ھ (۲۹ نومبر ۱۸۶۰ء) جمعرات کو میں بیت اللہ کے سفر کے لیے روانہ ہوا' گھر کے کل افراد مرد اور عورتیں سو سے زائد ہیں۔ راستہ کی منزلیں یہ ہیں' کیرانہ' بڈولی' شاہ آباد' انبالہ' راجپورہ' باڑہ' لدھیانہ' اور جگراواں"۔

اس سفر میں مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور ان کے ساتھیوں کی بھی مولانا کے ساتھ شرکت ہو گئی اور حضرت مولانا مظفر حسین بھی اس قافلہ میں جلوہ افروز تھے۔ راستہ کی بعض دشواریوں اور تفصیلات کا مولانا محمد یعقوب نے اپنے روز نامچہ میں ذکر کیا ہے (۱) اس مبارک سفر سے ۲۹ جمادی الثانیہ ۱۲۷۸ھ (دسمبر ۱۸۶۱ء) کو وطن بخیر و عافیت واپس پہنچے مولانا نورالحسن کی یادداشت میں ہے :

"۲۲ جمادی الثانیہ ۱۲۷۸ھ امروز مع الخیر داخل وطن شدم"۔

وفات | مولانا نورالحسن کی تقریباً اٹھاون سال کی عمر میں ۱۱ محرم الحرام ۱۲۸۵ھ (۵ مئی ۱۸۶۸ء) کو کاندھلہ میں وفات ہوئی' اپنے خاندانی قبرستان میں جو عید گاہ سے ملحق ہے دفن کئے گئے۔

فرزندان | مولانا نور الحسن کا حضرت مفتی الٰہی بخش کے صاحبزادے مولانا ابوالقاسم کی دختر سعادت النساء (جو خاندان میں بی بی شہادت کے نام سے مشہور تھیں اس لیے اس خاندان کے بعض کاغذات میں ان کا نام شہادت النساء بھی لکھا ہے) سے نکاح ہوا' چار فرزند تولد ہوئے :

۱۔ مولانا ضیاء الحسن محمد صادق ۲۔ مولانا حکیم ظہور الحسن محمد ابراہیم۔
۳۔ مولانا فیض الحسن محمد اکبر۔ ۴۔ مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان۔

مولانا حکیم محمد ابراہیم' مولانا انعام الحسن کے پر دادا تھے۔

۱۔ روز نامچہ سفر حج' مشمولہ بیاض یعقوبی ص ۱۹۱' ۲۲۰ (تھانہ بھون : بلاسنہ)۔

مولانا حکیم محمد ابراہیم

مولانا نور الحسن کے دوسرے فرزند ۲۰ جمادی الاولی ۱۲۳۹ھ (۱۵ اکتوبر ۱۸۲۳ء) کو تولد ہوئے، خاندانی معمول و نظام کے مطابق قرآن شریف حفظ کیا۔ تمام معروف فنون شروع سے آخر تک اپنے والد ماجد سے پڑھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کی خواہش تھی کہ مولانا ان کو بھی معقولات پڑھائیں، لیکن مولانا نور الحسن نے ان کو فقہ اور دینیات کے لیے منتخب کیا اور تمام علوم اسلام اس طرح پڑھائے کہ وہ ان میں کامل ہو گئے۔ طب پڑھنے کے لیے دہلی گئے، حکیم احسن اللہ خاں(۱) سے

۱۔ حکیم احسن اللہ خاں خلف حکیم عزیز اللہ خاں ہراتی، کشمیری ثم دہلوی دہلی میں پیدا ہوئے۔ علمائے دہلی اور والد سے علوم عربیہ اور طب پڑھی، زندگی کا بڑا حصہ نوابوں نیز خاندان مغلیہ کے آخری دور کے حکمرانوں کی ملازمت و خدمت میں گزرا مگر طب کی تعلیم و اشاعت کا ذوق ہمیشہ پائندہ تو استوار رہا اپنی تمام درباری مصروفیات اور دیگر مشاغل کے باوجود طب کے درس کا سلسلہ جاری تھا۔
دہلی کے خواص و عام میں نہایت مقبول تھے ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کے دوران ان کا کردار نہایت مشتبہ رہا، وہ عملاً انگریزوں کے ہم نوا ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے عوام ان کے سخت مخالف ہو گئے، ایک ہجوم نے ان کی حویلی پر حملہ کر کے اس کو آگ لگادی تھی۔ دہلی پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد انگریزوں نے بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، ان کی جائداد ضبط کر لی اور ان کی نقل و حرکت پر پابندی لگادی، آخر میں پابندی ختم ہوئی تو وہ دہلی سے بڑودہ (گجرات) چلے گئے تھے وہیں ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں وفات ہوئی۔

مزید معلومات کے لیے: نزھۃ الخواطر، مولانا عبدالحئی حسنی رائے بریلوی ص ۲۲ ج ۷۔ (حیدر آباد ۱۳۹۹ھ)۔

آثار الصنادید، سر سید احمد۔ مرتبہ ڈاکٹر خلیق انجم، ص ۶۲، ۲۶۱ ج ۲ (دہلی ۱۹۹۰ء)۔

طب پڑھی۔ موصوف نے جو سند عطا فرمائی تھی اس پر سنہ تحریر ربیع الثانی ۱۲۷۷ھ (اکتوبر، نومبر ۱۸۶۰ء) درج ہے (۱)۔

حکیم عبدالرحمن حیرت نے مولانا محمد ابراہیم کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

"سالکِ مسالک طریقت و معرفت، ہادی راہ صفوت و صداقت کریم النفس، واجب التعظیم حاجی حکیم محمد ابراہیم صاحب سلمہ اللہ تعالی، دومی فرزند مولوی محمد نور الحسن صاحب مرحوم رئیس کاندھلہ است۔ دولت علوم دینی و دینوی از والد ماجد خود تحصیل کردہ، وفن پزشکی از حکیم احسن اللہ خاں صاحب مرحوم کہ یکی از کبار پزشکان وعمدہ طبیبان دربار شاہی دہلی بودند تکمیل نمودہ (۲)"۔

"(ترجمہ) خدا پرستی اور معرفت الہی کے راستہ پر جانے والے، سچائی اور عمدگی کی راہ دکھانے والے کریم طبیعت کے مالک، واجب التعظیم حاجی حکیم محمد ابراہیم صاحب مولانا نور الحسن مرحوم کے دوسرے بیٹے جو کاندھلہ کے رئیس ہیں۔ دینی اور دنیاوی علوم کا سرمایہ اپنے والد ماجد سے حاصل کیا، اور طب کا فن حکیم احسن اللہ خاں صاحب مرحوم سے (پڑھا اور مکمل کیا) جو دربار شاہی دہلی کے بڑے اطباء اور عمدہ معالجین میں سے تھے"۔

تعلیم کے بعد وطن میں قیام رہا، کسی ملازمت وغیرہ کی اطلاع بمدست نہیں، والد ماجد کی صحبت سے استفادہ کیا مطالعہ اور دینی خدمت میں مشغول رہتے۔ صاحب زہد و تقوی، شب بیدار تہجد گذار شخص تھے، ہر وقت مصروف با خدا رہتے۔ عبدالرحمان حیرت نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ

۱۔ حکیم احسن اللہ کے قلم سے لکھی ہوئی یہ سند پاکستان کے ایک سرکاری ذخیرہ میں میری نظر سے گذری ہے۔

۲۔ سفینہ رحمانی حکیم عبدالرحمن حیرت جھنجھانوی۔ ص ۱۰۳۔ (لکھنو ۱۸۸۴ء ۱۳۰۱ھ)۔

"زہد و تقوی و شب بیدار و پرستش ایزد بیچون چرا از جملہ مہمات دینوی بر تر و افضل ترمیدانند، و پیوستہ در پرستش الہی بدل و جان مصروف و مشغوف میمانند، طمطراق ایں وسوسہ گاہ رابسیار دوست نمیدانند (۱)۔

زہد و تقوی اور شب بیدار اور حق تعالی کی عبادت کو دنیا کے تمام قصوں اور معاملات سے نہایت بلند اور بہتر سمجھتے ہیں اور ہمیشہ اللہ کی یاد میں دل و جان سے مشغول اور اس کو دل میں چھپا ہوا جانتے ہیں، دنیا کے جھنجھٹوں سے بے تعلق رہتے ہیں"

مولانا کا مشغلہ کتب بینی اور اہل قصبہ و علاقہ کی دینی فقہی خدمت تھی۔ صبح کے وقت مطب جاری رہتا، جس کو اللہ تعالی نے بڑی مقبولیت اور شفا سے نوازا تھا۔ قصبہ کی عید گاہ کے امام تھے، جمعہ اور عیدین کی وہی امامت فرماتے اور اسی وجہ سے اپنے قصبہ بلکہ تمام متعلقین، احباب اور علاقہ میں بھی امام جی کے نام سے مشہور تھے۔ جب تک زندہ رہے علاقہ کی دینی خدمات انہی کے سپرد رہیں۔

خاندان کے بزرگوں کیطرح کتابوں کی نقل کا بھی خاصا ذوق تھا، انکی نقل کی ہوئی متعدد کتابیں (جو مختلف موضوعات پر ہیں) راقم سطور کی نظر سے گذری ہیں۔

درس کا اگرچہ باقاعدہ معمول نہیں تھا لیکن اگر کوئی تعلیم کے ارادہ سے آتا تھا، اسکو منع بھی نہیں کرتے تھے۔ خاندان کے بچوں کو ابتدائی کتابیں خاص طور سے شوق سے پڑھاتے تھے، حضرت مولانا محمد الیاس اور مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی نے ابتدائی درسی کتابیں انہیں سے پڑھیں۔ ۱۳۲۰ھ میں خاندان کے افراد کے ایک بڑے قافلہ کے ساتھ جس میں حکیم صاحب کے فرزند مولانا حکیم رضی الحسن اور داماد حکیم عبدالحمید بھی شامل تھے سفر حج کی سعادت حاصل کی۔ (تفصیل حکیم رضی الحسن کے حالات میں آرہی ہے) اگست ۱۹۰۹ء (رجب شعبان، ۱۳۲۷ھ) میں وفات ہوئی (۲)

۱۔ سفینہ رحمانی ص ۱۰۳۔

۲۔ تعجب ہے کہ خاندانی یادداشتوں اور بیاضوں میں مولانا حکیم محمد ابراہیم کی صحیح تاریخ وفات درج نہیں صرف عیسوی مہینہ اور سنہ تحریر ہے۔

خاندانی قبرستان میں دفن کئے گئے۔

نکاح اور اولاد مولانا محمد ابراہیم کا حکیم عبدالرحمن حیرت جھنجھانوی کی دختر حمید النساء سے نکاح ہوا۔ دو بیٹے مولانا عزیز الحسن (۱) اور مولانا حکیم رضی الحسن اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں۔

امت الحفیظ (زوجہ حکیم عبدالحمید بڈولوی)

زبیدہ (زوجہ مولانا بدر الحسن کاندھلوی)

پہلی زوجہ حمید النساء کا (محرم ۱۲۹۷ھ، ۲۸ دسمبر ۱۸۸۰ء میں) انتقال ہوگیا تھا اس لیے معین الدین خلف محی الدین کاندھلوی کی دختر۔۔۔۔ النساء سے نکاح ہوا۔ ان سے صرف ایک دختر رقیہ تولد ہوئیں۔ رقیہ کا نکاح حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی

۱۔ ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۸۲ھ (۲ ستمبر ۱۸۶۶ء) کو پیدا ہوئے۔ قرآن شریف حفظ کیا خاندانی بزرگوں سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ علی گوھ کالج میں داخلہ لیا انگریزی پڑھی بی، اے، کے بعد ایل، ایل، بی، میں کامیاب ہوئے، مظفر نگر اور بھوپال میں کامیاب وکیل رہے۔ آخر میں کاندھلہ آگئے تھے۔

خاندان کے اور اصحاب کی طرح دینیات کے علم و مطالعہ میں بھی ممتاز تھے، کاندھلہ کے قیام میں تمام اوقات انہی مشاغل میں گذرتے۔ کاندھلہ میں قدیم زمانہ سے فجر کی نماز کے بعد درس قرآن شریف کا سلسلہ جاری ہے پہلے حضرت مولانا صدیق احمد (خلیفہ حضرت مولانا گنگوہی) درس دیتے تھے، مولانا کی وفات کے بعد سے یہ سلسلہ بند تھا مولانا عزیز الحسن نے اس کی تجدید کی اور تمام عمر اس مبارک سلسلہ کو اہتمام سے جاری رکھا، دینی معلومات وسیع تھیں، مولانا احتشام الحسن کے الفاظ ہیں:

"دینی معلومات خوب تھیں، ذہن بھی رسا پایا تھا اور حقائق کو خوب سمجھتے تھے"

مولانا حکیم رضی الحسن صاحب کی وفات (یکم شوال ۱۳۵۰ھ، فروری ۱۹۳۱ء) کے بعد قصبہ کے امام منتخب ہوئے۔ کانگریس کے سیاسی نظریات کے ہم نوا تھے اور اس موضوع پر سہارنپور کے مشہور وکیل مولوی منفعت علی کی مسلم لیگ کی تائید میں مرتب تحریرات کے جوابات لکھتے رہتے تھے، دو تالیفات موجود ہیں۔

۱۔ اسوۂ حسنہ (مطبوعہ)۔
۲۔ تنظیم المسلمین (غیر مطبوعہ)۔

دو مرتبہ حج کی سعادت میسر آئی۔ ۲۵ جمادی الثانیہ ۱۳۵۹ھ (یکم اگست ۱۹۴۰ء) شب جمعہ میں کاندھلہ میں انتقال ہوا، مفتی الٰہی بخش کے پائیں مولانا رضی الحسن کے برابر دفن کئے گئے۔

مہاجر مکی کے بھتیجے احمد حسین بن فدا حسین بن محمد امین سے ہوا' ان سے بھی صرف ایک ہی لڑکی ہوئی۔

احمد حسین تھانوی مکہ معظمہ چلے گئے تھے اور وہیں رہنے کا ارادہ کرلیا تھا اس لیے ان کی بیٹی اپنے نانا حکیم محمد ابراہیم کے گھر پر رہیں' حضرت حاجی امداد اللہ اور حاجی احمد حسین صاحب ان دونوں کے حالات'خیریت اور معاملات کے لیے فکر مند رہتے تھے اور حاجی حسین احمد نے (غالباً مکہ مکرمہ جاتے وقت) متولی محمد اسماعیل کاندھلوی (خلف معین الدین) سے کچھ رقم قرض لی تھی۔ اس کا قصہ بھی خاصا لمبا ہوگیا تھا حاجی احمد حسین' حضرت حاجی امداد اللہ' حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہ کے متعدد مطبوعہ (اور غیر مطبوعہ) خطوں میں اس قرض کا اور ان کی بیٹی کا تذکرہ ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا مولانا محمد ابراہیم کے نام ایک خط

محدث عصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا مولانا محمد ابراہیم کے نام ایک گرامی نامہ درج کیا جاتا ہے جو حاجی احمد حسین اور ان کی دختر کے معاملات سے متعلق ہے (اس خط کی اصل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے ذخیرہ میں محفوظ ہے) یہ خط تادم تحریر غیر مطبوعہ ہے پہلی مرتبہ یہاں شائع ہو رہا ہے۔

عنایت فرمائے بندہ مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب دام ظلہ

بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند کہ حافظ جناب احمد حسین صاحب کا خط مکہ معظمہ سے بنام بندہ آیا' اس میں ایک خط ان کی دختر کے (نام کا) تھا چنانچہ وہ اب مرسل خدمت کرتا ہوں۔ اور انتیس روپیہ نقد اس خط کے ساتھ تھے اور لفافہ پر ...کی رقم لکھی تھی۔ اور خط کے اندر رقعہ آئندہ سے جو استفسار ہوا اس نے انتیس کا دینا بیان کیا بہرصورت یہ روپیہ مع خط مرسل ہے۔

بندہ کو انھوں نے لکھا ہے کہ مجھ کو کاندھلہ سے جواب و رسید --- کچھ نہیں ملتا' نہ معلوم کیا وجہ ہے اور نہ معلوم کہ دختر کا نکاح یا رشتہ ہوا یا نہ ہوا' اور کہاں ہوا۔ میں مکہ سے نکل نہیں سکتا وہاں سے کوئی جواب نہیں دیتا۔ لہٰذا اس

سہ ماہی احوال و آثار کاندھلہ۔ اپریل تا دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۷ء

روپیہ کی اور جوتہ کی جو اس سال روانہ کرتا ہوں اور دوسو روپیہ اور بچے کپڑوں کا جو سال گذشتہ میں روانہ کیا تھا سب کی رسید وہاں سے منگوا کر میرے پاس روانہ کر دو اور حال رشتہ و نکاح سے بھی مطلع کرو۔

اب بندہ آپ کی خدمت میں بہت آرزو سے عرض کرتا ہے کہ آپ رسید اپنے دست خاص سے بلکہ مہر لگا کر بندہ کے پاس روانہ فرما دیویں اور حال رشتہ کا بھی مفصل لکھ دیویں' ان کا بندہ پر بہت تقاضا ہے اور یہ خط رسید و حل نکاح دختر بدست ---- محمد بخش صاحب کو مرحمت ہو' کمال عنایت ہووے گی۔ جب آپ کا خط آجاوے گا تو فوراً روانہ مکہ معظمہ کروں گا۔ سوائے اس کے جو کچھ اور (بات؟) آپ کو لکھنی ہوویں وہ بھی اس میں تحریر فرما دیویں' فقط والسلام۔

متولی صاحب اور جو عنایت فرماہیں سب کو سلام قبول ہو فقط۔

رقمہ از بندہ رشید احمد گنگوہی

رقمہ از بندہ رشید احمد گنگوہی جمعہ ۱۱ ربیع الثانی

نقل مرسلہ مکہ معظمہ سے جواب و رسید نہیں کچھ نہیں
سکتی نہ معلوم کیا وجہ ہی اور نہ معلوم کہ دختر کا نکاح یا
رشتہ ہوا یا نہ ہوا اور ... سوا میں مکہ سے نکل نہیں
سکتا وہاں سے کوئی جواب نہیں دیتا لہذا اگر ... روپیہ
کی اور جوتہ کی جو اس سال روانہ کرتا ہوں اور دو سو روپیہ
اور بچے کپڑوں کا جو سال گذشتہ میں روانہ کیا تھا سب کی
رسید وہاں سے منگوا کر میرے پاس روانہ کر دو اور حال رشتہ
و نکاح سے بھی مطلع کرو اب بندہ آپکی خدمت میں بہت
آرزو سے عرض کرتا ہی کہ آپ رسید اپنی ...

مولانا حکیم رضی الحسن صاحب

مولانا حکیم محمد ابراہیم کے دوسرے فرزند اور مولانا انعام الحسن کے دادا، ۸ جمادی الاخری ۱۲۸۹ھ (۱۲ اگست ۱۸۷۲ء) کو ولادت ہوئی ۔ قرآن شریف حفظ کیا، بہت عمدہ یاد تھا اور ایسے خوش آواز تھے کہ رمضان المبارک میں ان کا قرآن شریف سننے کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے ۔

تعلیم کی ابتداء والد صاحب اور بزرگوں سے ہوئی ۔ اس وقت کاندھلہ میں ایک قدیمی عربی مدرسہ تھا ۔ جس میں کاندھلہ کے علماء مثلاً حضرت مولانا صدیق احمد اور کئی بیرونی ممتاز عالم درس دیتے تھے ۔ مولانا رضی الحسن کا اسی مدرسہ میں داخلہ ہوا ۔ وہاں حضرت مولانا صدیق احمد اور مولانا ید اللہ سنبھلی وغیرہ سے درسیات پڑھیں ۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب تعلیمی سفر میں مولانا کے ہم سبق اور رفیق تھے ۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے مقدمہ "لامع الدراری" میں اس کا مجملاً تذکرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے :

"وقرأ رحمه الله (شيخ محمد يحيىٰ) اكثر كتب المعقول فى المدرسة العربيه التى كانت فى بلدته كاندهله وكان العلامة الشهير مولانا يدالله السنبهلى مدرسا فى تلك المدرسة، وكان ماهرا فى العلوم العقلية مشارا اليه بالبنان(۱)

اللہ تعالیٰ ان (مولانا محمد یحییٰ) پر رحم فرمائے، انھوں نے

---

۱ ۔ مقدمہ لامع الدراری ص ۱۵۲، لامع الدراری علی جامع البخاری، جلد اول (سہارنپور : ۱۳۸۹ھ)۔

منقولات کی اکثر کتابیں اس عربی مدرسہ میں پڑھیں، جو ان کے وطن کاندھلہ میں تھا مشہور علامہ مولانا ید اللہ سنبھلی اس مدرسہ میں مدرس تھے اور عقلی علوم میں ایسے ماہر تھے کہ ان کی جانب انگلیاں اٹھتی تھیں۔

مولانا حکیم رضی الحسن نے سنہ ۱۳۰۲ھ میں قدوری پڑھی اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس نوعمری کے باوجود نسخہ کے اغلاط کی تصحیح کی اور اس پر ضروری اشارات اور مختصر حواشی تحریر فرمائے (۱)۔ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۷ء (۲۲ نومبر ۱۸۸۹ء) کو شرح وقایہ شروع ہوئی جو رجب میں پوری ہو گئی تھی۔ مدرسہ کاندھلہ (۲) میں غالباً دو سال اور پڑھا ۱۳۰۹ھ تک، اس زمانہ میں کیا کیا کتابیں زیر تعلیم تھیں راقم سطور کو اس کی کوئی صراحت نہیں ملی۔

نوعمری کے زمانہ سے تحریر نہایت پختہ اور خوبصورت تھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا رضی اور مولانا محمد یحییٰ نے ایک ہی استاد سے تحریر کی بھی مشق کی تھی، کیوں کہ دونوں کی تحریر یکساں خوبصورت اور رواں تھی۔

مولانا محمد رضی الحسن کی عمدہ استعداد اعلیٰ صلاحیت اور قوت اخذ و تحریر کا اس سے بھی علم ہوتا ہے کہ انھوں نے زمانہ طالب علمی میں شرح وقایہ کا ایک جامع خلاصہ تیار کیا اور حسامی وغیرہ مختلف کتابوں کی نقول مرتب فرمائیں۔

۱۔ قدوری کے جس نسخہ میں مولانا رضی الحسن نے پڑھا تھا وہ اب تک اس مدرسہ کی بچی کچی کتابوں میں موجود ہے۔ راقم سطور نے بھی قدوری اسی مدرسہ میں پڑھی تھی اور قدوری کا یہی نسخہ میرے پاس تھا۔

۲۔ یہ مدرسہ اس وقت مدرسہ عربیہ کے نام سے متعارف تھا بعد میں اس کا نام مدرسہ نصرۃ الاسلام رکھا گیا۔ اس مدرسہ کا معائنہ فرمانے اور امتحان لینے کے لیے آنے والے حضرات میں محدث عصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا خلیل انبیٹھوی بھی شامل ہیں، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور علامہ شبیر احمد عثمانی تو کثرت سے تشریف لاتے تھے مدرسہ کے رجسٹر میں ان سب حضرات کے تبصرے اور معائنے درج تھے۔ (یہ رجسٹر راقم سطور کی نظر سے گزرا ہے)۔

عربی اور معقولات میں مہارت و تکمیل کے لیے تقریباً ۱۳۰۹ھ میں خیر آباد کا سفر ہوا۔ مولانا عبدالحق کے حلقہ درس سے استفادہ کیا اور بہت جلد مولانا کے خاص معتمدین میں شمار ہونے لگے۔

مولانا عبدالحق کے علاوہ مولانا کے صاحبزادہ مولانا اسرارالحق سے پڑھتے تھے، قدیم خاندانی روابط مولانا کی عالی استعداد اور ذوق علم کی وجہ سے دونوں کو مولانا سے یکساں محبت تھی، یکساں توجہ فرماتے، دونوں کی نگاہوں میں مولانا کا ایسا احترام تھا جو کم شاگردوں کو حاصل ہوا۔

مولانا رضی الحسن نے علماء خیر آباد کی تالیفات نقل فرمائیں ان پر حاشیے لکھے ان کے افادات قلم بند کیے، ان کی تصانیف کے مسودات صاف کئے، ان کی ڈاک لکھتے، خطوط کے جواب دیتے اور دوسرے تمام معاملات دیکھتے تھے، غرض مولانا رضی الحسن کی شخصیت دونوں استادوں کے لیے لائق فخر اور قابل اعتماد شاگرد کے علاوہ گھر کے ایک فرد کی ہو گئی تھی۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ خیر آباد اور خانوادہ مفتی الٰہی بخش میں چار نسلوں سے تعلیم و استفادہ کے روابط تھے، مولانا احتشام الحسن صاحب نے مولانا رضی الحسن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"میں نے مولانا عبدالحق خیر آبادی سے پڑھا ہے اور انہوں نے حضرت مولانا نورالحسن صاحب سے پڑھا ہے اور انہوں نے مولانا فضل حق صاحب سے پڑھا ہے اور انھوں نے حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب سے پڑھا ہے (۱)

حکیم رضی الحسن صاحب نے علمائے خیر آباد سے کیا کیا کتابیں پڑھیں ان کی تفصیل معلوم نہیں تاہم شرح ھدایۃ الحکمہ، سلم العلوم، حمد اللہ، میر زاہد وغیرہ کے ان اصحاب سے پڑھنے کی اطلاعات ملتی ہیں۔ نیز علماء خیر آباد مولانا فضل امام کی شرح تہذیب الکلام وغیرہ مولانا فضل حق کی تصنیفات اور خود مولانا عبدالحق کی منطق و فلسفہ پر تمام کتابیں اور حواشی مولانا سے سبقاً سبقاً پڑھے۔

۱۔ مشائخ کاندھلہ ص ۱۴۶۔

۱۳۱۰ھ میں حمد اللہ اور شرح ھدایۃ الحکمہ پڑھیں، اور کتابوں کے اسباق بھی ہوتے رہے جس میں ادب اور فقہ کی کتابیں بھی شامل تھیں۔ غالباً شعبان ۱۳۱۲ھ تک خیر آباد میں قیام رہا، تعجب ہے کہ مولانا احتشام الحسن صاحب نے یہ لکھا ہے:

"دہلی میں طب پڑھنے کے زمانے میں مسجد ایک برج کوچہ رحمان میں قیام تھا۔ اسی دوران قیام میں مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی سے منطق و فلسفہ پڑھا ہے" (۱)

حالانکہ دہلی میں صرف طب پڑھی، اسی وقت کوچہ رحمان میں قیام تھا مولانا عبدالحق سے استفادہ کے لیے خیر آباد گئے وہاں تقریباً تین سال قیام کیا جیسا کہ مختلف کتابوں اور تحریرات سے محقق ہے۔ اسی درمیان جب کاندھلہ رہنے کا موقع ملا اس وقت حضرت مولانا صدیق احمد سے صحیح بخاری پڑھی۔ ۱۳۱۲ھ میں گنگوہ حاضر ہوئے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی صحبت بابرکت سے فیضیاب ہوئے۔ مولانا محمد یحییٰ کو (جو خود مولانا رضی الحسن کے بچپن کے رفیق اور ہم سبق تھے) دورہ حدیث پڑھانے کے لیے حضرت مولانا محمد اسماعیل نے حضرت گنگوہی سے گذارش کی، تھی حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:

"درباب مولوی محمد یحییٰ جیسے آپ کی رضا ہو بندہ کو عذر نہیں، اگر قلیل کثیر کا خیال نہ لاویں نفس شرکت منظور ہے تو بندہ کی طرف سے اجازت ہے تشریف لاویں، اور ایسی حالت میں جس قدر بندہ کو صرف وقت کرنا منظور ہے وہ صرف کرتا ہوں، اس سے زیادہ سے بہر حال عاجز ہوں"۔

فقط والسلام (۲)

مولانا محمد یحییٰ اس سال گنگوہ نہیں آئے دوسرے اساتذہ سے پڑھتے

۱۔ مشائخ کاندھلہ ص ۱۸۸۔

۲۔ خط کے لفافہ پر صرف ۵ شوال لکھی ہوئی ہے سنہ نہیں ہے، لفافہ پر گنگوہ کے ڈاکخانہ کی مہر ۲ اپریل ۱۸۹۴ء (۱۳۱۱ھ) کی ثبت ہے۔

رہے۔ اگلے سال مدرسہ حسین بخش دہلی سے صحاح ستہ کا امتحان تھا اس امتحان میں مولانا محمد یحییٰ کو بھی شریک کر لیا تھا۔ حضرت مولانا خلیل احمد نے امتحان لیا۔ محدث سہارنپوری کو مولانا محمد یحییٰ کی اعلیٰ درجہ کی لیاقت و استعداد اور ذہانت کا علم ہوا تو حضرت گنگوہی سے سفارش فرمائی۔ اس وقت حضرت درس حدیث کا سلسلہ ختم فرما چکے تھے۔ مولانا نے عرض کیا:

"ایک مرتبہ دورہ میری خاطر مولوی یحییٰ کو اور پڑھا دیجئے کہ ایسا شاگرد حضرت کو نہ ملا ہوگا(۱)

اس سے پہلے مولانا محمد اسماعیل صاحب بھی لکھ چکے تھے حضرت گنگوہی ان کا بھی بے حد احترام فرماتے تھے۔ اس لیے حضرت نے ایک مرتبہ اور دورہ حدیث پڑھانے کا ارادہ کر لیا جو بلاشبہ آئندہ نسلوں پر ایک احسان عظیم اور فہم حدیث کے ایک بڑے دروازہ کا کھلنا تھا۔

شوال ۱۳۱۲ھ میں مولانا محمد یحییٰ اور مولانا رضی الحسن گنگوہ حاضر ہوئے ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ (مئی ۱۸۹۴ء) میں درس کا افتتاح ہوا اور شعبان ۱۳۱۳ھ (جنوری ۱۸۹۵ء) میں پایہ تکمیل کو پہنچا، حضرت نے صحاح ستہ اہتمام سے پڑھائیں، سب سے پہلے سنن ترمذی کے اسباق شروع ہوئے، ترمذی شریف ختم ہونے کے چار دن بعد سنن ابوداؤد شروع کی، آخر میں صحیح بخاری کا درس ہوا جس کی ابتداء ۹ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو اور ۱۷ جمادی الآخری ۱۳۱۳ھ کو تکمیل ہوئی۔ شعبان تک دورہ حدیث کی تمام کتابیں پوری ہوگئی تھیں، یہ درس جس شان کا تھا وہ محتاج بیان نہیں، کہا جاسکتا ہے کہ اس کے بعد صحاح ستہ کا اس شان کا درس نہیں ہوا جس میں فہم حدیث کے ایسے ایسے نکات اور غوامض اس طرح حل کئے گئے ہوں۔

مولانا محمد یحییٰ اور مولانا رضی الحسن دونوں نے اس نسبت کی خوب خوب قدر کی، حضرت مولانا محمد یحییٰ حضرت گنگوہی کے افادات و ارشادات عربی میں قلم بند کرتے اور مولانا رضی الحسن اردو میں لکھتے تھے، اگرچہ دونوں ایک ساتھ پڑھتے

۱۔ تذکرۃ الخلیل مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص ۲۰۲ (کراچی بلاسنہ)۔

ایک ساتھ رہتے تھے مگر یہ تقریر ایک دوسرے کی نقل نہیں ہوتی تھی۔ دونوں اپنے طور پر علیحدہ قلم بند فرماتے۔ مولانا محمد یحییٰ عربی میں اور مولانا رضی الحسن اردو میں لکھتے تھے۔ اسطرح شرح احادیث خصوصاً صحیح بخاری اور سنن ترمذی کے افادات و شرح کا ایسا گراں مایہ ذخیرہ تیار ہو گیا جو کم از کم اس عہد میں بے مثال ہے۔

درس حدیث کے اختتام پر مولانا محمد یحییٰ اور مولانا رضی الحسن کی رفاقت درس ختم ہو گئی مولانا محمد یحییٰ گنگوہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر رہے اور مولانا رضی الحسن وطن آ گئے۔ مولانا رضی الحسن ۱۳۱۲ھ کے آخر میں طب پڑھنے کے لیے دہلی گئے۔ دہلی حکیم عبدالمجید خاں اور حکیم جمیل الدین نگینوی سے طبیہ کالج میں طب پڑھی ۱۳۱۵ھ میں فارغ ہوئے۔ امتحانات میں اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوئے اور انعام حاصل کیا۔

تعلیم کے بعد کچھ دن وطن میں قیام کیا۔ بعد میں ریاست لوہارو میں طبیب خاص مقرر ہوئے۔ اس عہدہ پر تقرر کی صحیح تاریخ مجھے معلوم نہیں تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد اس ملازمت سے مستعفی ہو کر وطن آ گئے تھے۔ کاندھلہ میں مطب، درس اور دینی خدمات کا سلسلہ جاری رہا۔ نواب لوہارو کو مولانا کی صحبت کچھ ایسی پسند آئی کہ ان کا مولانا پر لوہارو واپس آنے کا اصرار رہا۔ لیکن صحت کی خرابی کی وجہ سے مولانا کو جانے میں تامل تھا۔ بہت دنوں تک صحت خراب رہی، ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ ۹ جنوری ۱۹۰۶ء میں علاج کے لیے کلکتہ گئے۔ وہاں کے علاج سے صحت ہوئی، ذی الحجہ۔ فروری میں کلکتہ سے واپس ہوئے اور عیدالاضحی کے فوراً بعد لوہارو پہنچ گئے، لوہارو میں ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مئی ۱۸۸۹ء تک رہے۔ لوہارو میں نواب امیر الدین صاحب کے دست راست اور طبیب خاص تھے اور ان کے فرزند کی تعلیم و تربیت کے بھی ذمہ دار تھے، نہایت عزت اور وقار و احترام کے ساتھ ملازمت کر رہے تھے کہ اسی دوران مولانا کے خاندانی مکان (جو اپنی وسعت کی وجہ سے بڑے گھر کے نام سے مشہور ہے) کے بیرونی (مردانہ حصہ) کی پرانی عمارت گرا کر اس کی تجدید و توسیع اور نئی بڑی عمارت بنانے کا منصوبہ باہمی مشورہ سے طے ہوا۔ اس وقت اور سب اعزہ بڑی سرکاری ملازمتوں پر فائز تھے مولانا کی ملازمت ذاتی نوعیت کی تھی اس وجہ سے یہ

طے کیا گیا کہ مولانا رضی الحسن لوہارو سے استعفیٰ دے کر آجائیں اور نئی عمارت کا انتظام و انصرام اور اس کی نگرانی کریں، اور ان کو جس قدر ماہانہ تنخواہ لوہارو میں ملتی ہے خاندان کے اعزہ مشترکہ مل کر ادا کریں، حکیم رضی الحسن صاحب اس کے لیے بخوشی تیار ہوگئے اور ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ (مئی ۱۹۰۹ء) میں ملازمت چھوڑ کر کم واپس آگئے۔

وطن واپسی کے دو مہینے بعد مولانا کے والد مولانا حکیم محمد ابراہیم وفات پاگئے اس کے بعد قصبہ کی امامت و فتاوی وغیرہ کی ذمہ داری بھی انہی کے کاندھوں پر آگئی والد صاحب کے مطب میں بیٹھے، نیز خاندان اور اطراف کے بچوں اور طلبہ کو پڑھانا شروع کیا اور کچھ ہی دنوں میں خاندان کے بڑے اور علاقہ میں بار سوخ ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی ہیبت اور وقار عطا فرمایا تھا کہ ہر کس و ناکس کو ان کے سامنے آنے کی بھی جرأت نہیں ہوتی تھی، حالانکہ نہایت حلیم، متواضع کم گو اور سادہ تھے۔

مولانا رضی الحسن کے تین شاگرد بطور خاص قابل ذکر ہیں:

۱۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی

۲۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی

۳۔ مولانا حکیم محمد عمر کاندھلوی

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا | حضرت شیخ کا اپنی والدہ ماجدہ کی ایک لمبی بیماری کی وجہ سے کاندھلہ رہنا ہوا تھا۔ اس وقت حضرت شیخ کا سلم العلوم کا سبق مولانا رضی الحسن سے پڑھنا بھی شامل تھا، جب تک کاندھلہ میں رہے حکیم رضی الحسن کے یہاں یہ سبق ہوتا رہا۔

مولانا حکیم محمد عمر کاندھلوی | کاندھلہ کے نامور عالم اور بزرگ حضرت مولانا صدیق احمد (خلیفہ مجاز و شاگرد رشید حضرت مولانا گنگوہی) کے سب سے بڑے بیٹے، والد ماجد سے درسیات طب پڑھی اور مولانا رضی الحسن کی خدمت میں صحیح بخاری کے اسباق ہوئے۔ مولانا حکیم محمد عمر کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سے اجازت بیعت حاصل تھی اور وہ پاکستان میں شیخ کے سب سے پہلے مجاز بیعت تھے

۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان چلے گئے تھے وہیں وفات ہوئی۔

خواجہ حسن نظامی | خواجہ حسن نظامی نے مولانا محمد اسماعیل اور مولانا محمد میاں سے تلمذ و استفادہ کے بعد مولانا محمد یحییٰ کے ساتھ کاندھلہ کا سفر کیا، ۱۳۱۷ھ میں کاندھلہ میں قیام کیا اور یہاں مولانا رضی الحسن سے عربی کی ایک کتاب پڑھی اور تمام عمر اس نسبت تلمذ کا نہایت احترام کیا۔

خواجہ صاحب کاندھلہ سے مولانا محمد یحییٰ کے ساتھ گنگوہ گئے اسکے تقریباً تیس سال بعد دوبارہ کاندھلہ آنا ہوا۔ اس وقت خواجہ صاحب کا "روز نامچہ لکھنے" شائع کرنے کا معمول تھا، کاندھلہ کے سفر کا روز نامچہ نہایت پرلطف ہے جس میں خواجہ صاحب نے اپنے زمانہ طالب علمی کی یادوں کو بھی تازہ کیا ہے، اسمیں لکھتے ہیں:

"مولانا حکیم رضی الحسن صاحب کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہیں ساٹھ سے زیادہ عمر ہے، بھاری جسم ہے، لمبی اور گنجان ڈاڑھی ہے، میرے استاد ہیں پچیس سال پہلے میں نے ان سے ایک عربی کتاب پڑھی تھی، بہت عابد اور ملنسار پابندِ وضع بزرگ ہیں، مزاج میں اب تک شگفتگی ہے، کاندھلہ میں طبابت کرتے ہیں گھر کی زمینداری بھی ہے"۔

نیز تحریر ہے:

"مولانا رضی الحسن میرے آنے سے بہت خوش ہوئے" (۱)

بیعت و تربیت باطن | طبیعت میں عبادت ریاضت اور تلاوت کا ذوق و شوق طبعی تھا۔ حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضری اور صحبت بابرکت نے اس کو اور نکھار دیا تھا مگر اس وقت یا اس کے بعد حضرت گنگوہی سے بیعت بھی ہو گئے تھے یا نہیں اس کی شہادت مجھے نہیں ملی، مگر حضرت شاہ عبدالرحیم سے عقیدت و محبت کے قدیم روابط تھے، یکم ربیع الاول ۱۳۳۷ھ (۶ دسمبر ۱۹۱۸ء) کو حضرت سے بیعت

۱۔ ہفتہ وار روزنامچہ خواجہ حسن نظامی، ۲۴ دسمبر ۱۹۳۰ء ص ۴۔ (روزنامچہ کے یہ صفحات ماہ نامہ منادی، دہلی کے دسمبر ۱۹۹۴ء کے شمارہ میں بھی شامل ہیں جلد ۶۹ شمارہ ۱۲۔)

ہوئے اور حضرت رائے پوری کی ہدایت کے مطابق ذکر واذکار میں مشغول رہے۔

سفر حج | مولانا حکیم رضی الحسن اپنے والد بزرگوار، خاندان کے اعزہ جن میں (مولانا الیاس کے بڑے بھائی) مولانا محمد میاں، حکیم رضی الحسن صاحب کے بہنوئی مولانا حکیم عبدالحمید بڈولی والے، وغیرہ کل پینتیس (۳۵) نفر مرد و عورت شامل تھے۔ سترہ رجب ۱۳۲۲ھ (۹ اکتوبر ۱۹۰۲ء) کو یہ مبارک کارواں وطن سے نکلا، شاملی ہوتا ہوا مظفر نگر میں مولانا رؤف الحسن کے یہاں تین دن ٹھہرنے کے بعد ریل سے بمبئی کے لیے روانہ ہوا۔ بمبئی میں قرنطینہ وغیرہ کے مرحلہ سے گذر کر جہاز کا معاملہ طے ہوا۔ اس جہاز میں تیرہ سو حاجی تھے اس نے بمبئی کی بندرگاہ سے انتیس شعبان، ۲۰ نومبر کو لنگر اٹھایا، رمضان المبارک کے بیس دن جہاز میں گذرے، سب نے اہتمام سے روزے رکھے، مولانا محمد میاں نے تراویح پڑھائی اور ہنسی خوشی وقت گذرتا رہا۔ کامران کی بندرگاہ پر دوبارہ قرنطینہ ہوا، کامران سے روانگی کے بعد احرام باندھا۔ اور بیس دن کے سمندری سفر کے بعد جہاز ساحلِ مراد پر پہنچا اور جدہ سے کچھ دور لنگر انداز ہوا۔ مولانا محمد سعید کیرانوی مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ ایک کشتی میں استقبال کے لیے موجود تھے، جیسے ہی اجازت ملی وہ فوراً جہاز میں آئے اور اپنے انتظام اور نگرانی میں سامان کشتیوں پر لدوایا، بعد میں قافلہ کے افراد اترے اور کنارے پر اترنے کے لیے روانہ ہوگئے۔ ۲۶ رمضان المبارک (۱۴ دسمبر ۱۹۰۲ء) پیر کے دن عصر کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، حضرت حاجی امداد اللہ کی اہلیہ محترمہ بی بی خیرا (جو اہل کاندھلہ کی قریب کی رشتہ دار تھیں) قافلہ کی منتظر تھیں اس لیے ان کی خواہش پر حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دولت خانہ پر قیام ہوا، انہوں نے مہمانوں کی بہت خاطر مدارات کی، مسرت کا اظہار فرمایا اور ہر طرح کے آرام کا انتظام کیا۔ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں حرم شریف میں داخل ہوئے، عمرہ ادا کیا اور نگاہوں کو بیت اللہ کی زیارت سے منور و مشرف کیا۔

اسوقت سے حج تک مکہ مکرمہ میں قیام رہا، شوال سے ذی قعدہ کی ۱۲ تاریخ تک مدینہ منورہ جانے کی کوشش ہوتی رہی، کرایہ بھی جمع کرادیا سات سو روپیہ فی

کس جو اسوقت کے کرایہ کے حساب سے بہت زیادہ تھا مگر سب کا خیال یہ تھا کہ اگر اسقدر کرایہ ادا کر کے بھی روضہ اقدس (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کی زیارت ہوجائے تو یہ معاملہ گویا مفت ہے مگر راستہ دور تھا مکہ مکرمہ سے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا، روزانہ فائر کی بندوقوں کی آوازیں آتیں اور معلوم ہوتا کہ فلاں کو بدوؤں نے لوٹ لیا فلاں فلاں حاجی شہید ہوگئے فلاں زخمی اور جاں بلب ہیں:

قافلہ لوٹا گیا صحرا میں اور منزل ہے دور
اس بیاباں یعنی بحر خشک کا ساحل ہے دور

ہم سفر میرے شکار دشنۂ رہزن ہوئے
بچ گئے جو ہو کے بیدل، سوئے بیت اللہ پھرے

اس قافلہ کے ذمہ داران بار بار جاتے، معلم اور ساربانوں سے معلوم کرتے مگر ہر دن یہی خبر یہی حوادث تھے اس لیے کرایہ جمع کرانے کے باوجود اونٹوں کا انتظام نہیں ہوسکا اور یہ قافلہ زیارت طیبہ سے محروم واپس آیا۔

نواب احمد حسین خاں (حسن پور مراد آباد) نے اپنے سفرنامہ میں کاندھلہ کے اس قافلہ کے ممتاز اصحاب کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"۲۰ ذی الحجہ تک ان صاحبان کا کرایہ واپس نہ ملنہ امید واپسی" (۱)

اس کے نیچے جن حاجیوں کے نام ہیں ان میں کاندھلہ کے قافلہ حجاج کے یہ ذمہ دار اور بزرگ شامل ہیں:

مولوی محمد سلیمان صاحب، مولوی عبدالحمید صاحب، مولوی محمد ابراہیم صاحب، مولوی حکیم رضی الحسن صاحب، مولوی محمد صاحب، حافظ احمد" (۲)

ان صاحبان کی جو رقم معلم کے ذمہ واجب تھی وہ نواب احمد حسین خاں کی تحریر کے مطابق چھ سو سینتیس روپے آٹھ آنہ ہیں۔ (۶۳۷-۸) لیکن اس قافلہ کی شریک لعل ہاجرہ نے لکھا ہے کہ مدینہ پاک کا کرایہ "سات سو سے ایک پائی کم نہ تھا" اس وقت شریف مکہ کی وجہ سے بدامنی کا یہ عالم تھا کہ عشاء کی نماز کے لیے حرم

۱-۲- سفر نامہ حجاز [illegible] ([illegible])

شریف جانا مشکل تھا' بدو اور ڈاکو حملہ کرتے زخمی کر دیتے اور جو کچھ پاس ہوتا چھین لیتے تھے' اماں ہاجرہ[1] کی سر گذشت ملاحظہ ہو۔

رات دن چلتی تھی گولی بر ملا　　آج یہ مارا تو کل وہ مر گیا
ایک دن کا ذکر ہے ہم رات کو　　جارہے تھے گھر سے بیت اللہ کو
پڑھ کے جب آئے عشاء کی ہم نماز　　رستہ میں بدو ملے وہ با نیاز
مجھ کو تو ان کی نہیں تھی کچھ خبر　　پیچھے سے آتے تھے بدو با خبر
تیس تھے چالیس تھے کیا معلوم ہے　　جتنے تھے سب اللہ کو معلوم ہے
ننگی تلواریں تھیں اور بندوق پاس　　میرے تھے چاروں طرف وہ آس پاس
اور دکانوں پر سے لاتے تھے طعام　　یعنی ڈاکہ ڈالتے تھے وہ تمام (۲)

اس بدامنی کی وجہ سے سخت کوشش اور لاکھ ارادوں، تمناؤں کے باوجود مدینہ پاک کی زیارت و حاضری سے محروم رہے۔ اس کا اس قافلہ کے شریکوں کو ہمیشہ ہی احساس رہا۔ اماں ہاجرہ نے اپنے رنج والم کا یوں اظہار کیا ہے:

ہائے صد افسوس وہ دیکھا نہیں　　جس جگہ رہتے ہیں ختم المرسلین
وہ مدینہ ذی شرف دیکھا کہاں　　جس جگہ رہتے ہیں وہ فخر زماں
واں نہیں اب تک ہوا اپنا نزول　　جس جگہ رہتے ہیں سردار رسول
ہم نے وہ آنکھوں سے دیکھا ہے کہاں' جس جگہ رہتے ہیں وہ شاہ زماں
ہائے وہ روضہ کہاں منبر کہاں　　دل میں اپنے رہتی ہے شور و فغاں
قسمتوں میں اب نہیں دار رسول　　اس سبب دل لوگوں کا رہتا ہے ملول
دیکھئے پھر بھی ہمیں ہو گا نصیب　　یا یوں ہی رہ جائیں گے ہم کم نصیب
اب تو وہاں جانے نہیں دیتا شریف　　پھر کبھی دیکھیں گے وہ دار حبیب"(۳)

۱۔ دختر مولانا محمد اکبر زوجہ مولانا شمس الحسن کاندھلوی جو اس سفر میں ساتھ تھیں ولادت جمادی الثانیہ ۱۳۱۸ھ نومبر ۱۸۹۴ء ـــــ وفات دسمبر ۱۹۲۸ء جمادی الثانیہ ۱۳۲۷ھ۔
۲۔ مکہ کی سیر ص ۹ (ناشر انجمن محافظ اسلام، تھانہ بھون، بلاسنہ غالباً ۱۳۲۴ھ)۔
۳۔ مکہ کی سیر۔

مجبور و مایوس ہو کر مکہ مکرمہ سے وطن واپسی کا ارادہ کر لیا ۱۰ (دس) محرم الحرام ۱۳۲۲ھ کو مکہ مکرمہ سے رخصت ہوئے اور منزل بہ منزل سفر طے کرتے ہوئے وطن آگئے۔

مؤلفات و تصانیف مولانا رضی الحسن اپنی اعلیٰ صلاحیت اور ذوق کی وجہ سے (جیسا کہ اوپر گذرا ہے) زمانہ طالب علمی سے تحریر و تالیف میں مشغول ہو گئے تھے۔ مولانا کا علمی ذوق بہت پختہ تھا اور علمائے خیر آباد کی صحبتوں سے تالیف و تحریر کی خوب مشق ہو گئی تھی، یہ علمی رنگ اور ذوق آخر تک باقی رہا۔ اس لیے خیال ہے کہ مولانا کی تصانیف و مؤلفات کا خاصہ ذخیرہ ہوگا، کم سے کم پندرہ بیس تصانیف ضرور ہوں گی، مگر اس سرمایہ کا اکثر حصہ میری نظر سے نہیں گذرا، اس لیے مولانا کی تحریری علمی باقیات اور مؤلفات و مصنفات کے متعلق یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے، تاہم چند تالیفات و مصنفات جن کا مجھے علم ہے وہ یہ ہیں!

۱۔ تقریر درس صحیح بخاری حضرت مولانا گنگوہی،
۲۔ تقریر درس سنن ترمذی از حضرت گنگوہی، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ مولانا رضی الحسن نے حضرت مولانا گنگوہی سے ۱۳۱۲ھ ۱۳۱۳ھ میں دورۂ حدیث شریف پڑھا۔ مولانا محمد یحییٰ رفیق و ہم سبق تھے دونوں نے حضرت کی درس کے ارشادات و تحقیقات کو حرف بہ حرف قلم بند کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس پر عمل کیا، حضرت مولانا محمد یحییٰ نے یہ تقریریں عربی میں لکھیں جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کے قیمتی اضافات و حواشی سے مزین ہو کر لامع الدراری اور الکوکب الدری علی جامع الترمذی کے نام سے شائع ہو کر پوری دنیا میں اہل علم و دین کے لیے تسکین قلب و نظر کا سامان بنی ہوئی ہیں۔

یہی تقریریں مولانا محمد رضی الحسن نے اردو میں لکھیں، ایک جلد صحیح بخاری کی تقریر کی ہے، ایک سنن ترمذی کی۔ صحیح بخاری کی تقریر نسبتاً مفصل ہے۔ دونوں جلدیں بڑے سائز میں خوشخط لکھی ہوئی ہیں۔ میں نے اجمالاً ان کی زیارت کی ہے، ہر ایک مجموعہ تقریباً چار سو ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔ **مختصر شرح وقایہ** مولانا نے زمانہ تعلیم میں شرح وقایہ کا ایک مختصر اور

جامع خلاصہ تیار کیا تھا، پورا نسخہ تقریباً سو صفحات (شاید زائد پر) مشتمل ہو۔ اس کے ابتدائی چند ورق جو عمدہ اور خوش خط تھے راقم سطور کی نظر سے گذرے ہیں۔

۴۔ مجموعہ قصائد مولانا فضل حق خیر آبادی | مولانا عبدالحق سے پڑھنے کے زمانے میں مولانا عبدالحق کی فرمائش و ہدایت کے مطابق مولانا نے، مولانا فضل حق خیر آبادی کا عربی کلام جو بیشتر نعتوں اور قصائد پر مشتمل ہے (اور اب تک بھی حکیم رضی الحسن کے اس مجموعہ کے علاوہ کہیں مرتب نہیں ہوا) یک جا اور مرتب کیا تھا، مولانا رضی الحسن صاحب نے حسب معمول نہایت محنت اور توجہ سے اس اہم علمی خدمت کو انجام دیا، اور مولانا فضل حق کا تمام دستیاب کلام، خوبصورت نستعلیق تحریر میں عمدہ کاغذ پر یک جا مرتب کر دیا۔ یہ مجموعہ میں نے صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے فل اسکیپ سائز سے کچھ بڑے باریک عمدہ کاغذ کے تقریباً پانچ سو صفحات یا اس سے زائد پر مشتمل تھا۔ خدا کرے یہ موجود و محفوظ ہو۔

۵۔ افادات علمائے خیر آباد | حکیم رضی الحسن صاحب کی علمائے خیر آباد پر دوسری اہم تصنیف مولانا عبدالحق کے درسی افادات کی جمع و ترتیب اور ان کے فلسفیانہ نظریات پر ایک کتاب کی تالیف ہے۔ علماء خیر آباد کے درسی افادات خاندانی ذخیرہ کی مختلف کتابوں پر مفصل لکھے ہوئے موجود ہیں۔ مگر یہ مختصر حصہ ہے، مولانا نے، مولانا عبدالحق اور مولانا اسد الحق کے درسی افادات یکجا مرتب کئے تھے مگر اس کے نسخہ کا مجھے علم نہیں۔

علمائے خیر آباد کے فلسفیانہ نظریات پر مفصل تالیف | مولانا نے علمائے خیر آباد خصوصاً مولانا فضل حق اور مولانا عبدالحق کے فلسفیانہ نظریات و تحقیقات پر حکیم اجمل خاں یا حکیم محمد احمد کی فرمائش پر ایک جامع اور غالباً خاصی مفصل کتاب عربی میں لکھی تھی۔ اس کا حکیم رضی الحسن کے ایک خط میں تذکرہ ہے۔ غالباً یہ کتاب تصنیف کے بعد فرمائش کرنے والے صاحبان کے پاس بھیج دی گئی تھی، ممکن ہے کہیں موجود ہو، بہر حال راقم سطور کی نظر سے نہیں گذری۔

التشکیک فی الماھیات | تشکیک فی الماھیات فلسفہ کی ایک مشہور بحث ہے مولانا نے اس بحث پر اردو میں ایک رسالہ لکھا تھا۔

ان کے علاوہ بھی دینی فقہی ' اور عقلی موضوعات پر تحریر و ترتیب کا سلسلہ جاری رہتا تھا ۔ حضرت مولانا گنگوہی نے کوّے کی ایک خاص قسم کے حلال ہونے کا فتوی دیا تھا ' جس پر بہت شور مچا تھا اور اس کی تردید میں متعدد فتوے کتابچے رسالے لکھے گئے ' مولانا رضی الحسن صاحب نے بھی اس سلسلہ میں کئی مضامین لکھے جو اس دور کے اخبارات میں شائع ہوئے ۔ ان مضامین کی اشاعت کا مجمل حوالہ ملتا ہے ' مضامین دستیاب نہیں ہوئے ۔ مجھے امید ہے کہ مولانا رضی الحسن کے علمی ذخیرہ میں اس قسم کی اور بھی کئی چیزیں ہوں گی ۔ جو اگر ضائع ہونے سے بچ گئیں تو کسی وقت سامنے آہی جائیں گی ۔

وفات مولانا رضی الحسن ضیق النفس (سانس) کے مریض تھے ۔ آخر میں یہ تکلیف بہت بڑھ گئی تھی ' بار بار اس کا حملہ ہوتا اور کئی کئی دن طبیعت بحال نہ ہوتی ۔ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ سے اس میں شدت اور زیادتی شروع ہوئی ' رجب میں اس کا سخت دورہ ہوا ' جس کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی ' شعبان میں مرض ترقی پر تھا ' رمضان المبارک میں بھی اس کا سلسلہ چلتا رہا ۔ آخر رمضان ۱۳۵۰ھ سے بظاہر تندرست تھے عید الفطر ' یکم شوال ۱۳۵۰ھ (۹ فروری ۱۹۳۲ء) کو خوش و خرم تھے عیدین کے امام تھے ' نماز پڑھانے کے لیے عید گاہ گئے ' ظہر کی نماز بھی معمول کے مطابق مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی ' اس کے بعد چائے پی ۔ تقریباً ساڑھے تین بجے مولانا عزیز الحسن ' مولانا شمس الحسن ' مولوی حکیم عبدالحمید اور حکیم شفیق الرحمان اور صوفی محمد حنیف سے مسجد کی مرمت اور نئی تعمیر وغیرہ کے متعلق گفتگو اور مشورہ کر رہے تھے ' باتیں کرتے کرتے سر موڑھے سے ٹکایا ' خیال ہوا کہ تھک گئے ' مگر دیکھا تو حرکت قلب بند ہو چکی تھی اور رخصت ہو گئے تھے (۱) یہ ایسا اچانک حادثہ تھا اور مولانا کا قصبہ اور علاقہ میں ایسا رسوخ اور احترام تھا کہ جس نے سنا ششدر رہ گیا ۔ اور انکے جنازہ پر اس قدر مجمع تھا کہ قصبہ میں شاید دو چار مرتبہ ہی

---

۱ - مولانا احتشام الحسن نے یہ واقعہ عید کی نماز کے فوراً بعد کا لکھا ہے (مشائخ کاندھلہ ص ۱۹۰) مگر یہ اطلاع درست نہیں ۔

اس قدر ہجوم ہوا ہو گا۔ اسی دن شام کو عید گاہ سے ملحق قبرستان میں جہاں چند گھنٹے پہلے وہ عید کی نماز اور فاتحہ پڑھ کر گئے تھے دفن کیا گیا متولی ضیاء الاسلام ضیاؔ کاندھلوی نے فقرۂ تاریخ کہا۔

مرگ عالِم مرگ عالَم میں تفاوت کچھ نہیں

قطعہ تاریخ یہ ہے: ۱۹۳۲ء

اشک خوں برسانہ برسازائر اندو ہگیں
خانداں میں اب نہیں باقی رضی کا جانشین

ہو گئی زیر و زبر دم میں بساط عقل و ہوش
ہو گئی آما جگاہ تیر غم جان حزیں

اب وہ زہد و ورع اور تقوی مغفر کا کہاں
اب کہاں وہ خوان اک عالم تھا جسکا لقمہ چین

اب کہاں ہم اور کہاں وہ بحر زخار علوم
اب کہاں ہم اور کہاں وہ تابش نور جبیں

کردیا زلہ ربا تونے ہمیں اے آسماں
ایک عالم تھا کبھی خرمن سے اپنے خوشہ چین

آزمائش پر تلا ہے دور چرخ فتنہ زا
تنگ ہم پر ہو گئی با ایں ہمہ وسعت زمیں

چشم عبرت کس مپرسی کا تماشہ دیکھ لے
عظمت اسلاف کا ماتم کرائے قلب حزیں

تیرہ بختی کی چلی ایسی ہوائے تندو تیز
ہو گئی گل آخری شمع صراط علم دیں

یوں کہا ہاتف نے مجھ سے بہر تاریخ وصال
مرگ عالم مرگ عالم میں تفاوت کچھ نہیں(۱)

لہ ضیاء۔(مجموعہ کلام) ضیاء الاسلام ضیاء۔(کاندھلہ : ۱۴۱۳ھ)۔

مولانا رضی الحسن کا حضرت مولانا محمد اسماعیل کی دختر (مولانا محمد یحیی اور مولانا محمد الیاس کی ہمشیرہ) ممیرا خاتون سے نکاح ہوا' ان سے تین اولادیں حیات رہیں ایک فرزند ' دو بیٹیاں ۔ فرزند مولانا اکرام الحسن ' دختر امت الودود اور امت المعبود ۔ (مولانا اکرام الحسن کا تعارف آرہا ہے) ۔

امت الودود کا نکاح حاجی محمد محسن خلف حاجی محمد احسن بن حاجی محمد اسحاق (از اخلاف حضرت مفتی الہی بخش) سے ہوا ہے جن سے کئی اولادیں ہوئیں ۔ دو بیٹے اور ایک دختر صاحب اولاد ہوئے احمد حسن ' محمد حسن اور امت الحنان اس وقت ایک دختر اور ایک فرزند حیات ہیں ۔ دختر کا نکاح محمد احسن خلف محمد ارحم (بن عبدالواحد خلف قاضی محبوب علی) تھانوی سے ہوا جو شادی کے بعد جلد ہی وفات پاگئے تھے ' ان سے ایک بیٹی یاد گار ہیں ' یہ سب کوئٹہ پاکستان میں مقیم ہیں ۔ احمد حسن کا پہلا نکاح حضرت شیخ کی دختر شاکرہ خاتون سے ہوا ' ان سے کوئی اولاد نہیں ہے دوسرا نکاح پاکستان جا کر کیا ان سے مولانا کی تین اولادیں ہیں فرزند مولانا محمد کاندھلوی مرکز تبلیغ حضرت نظام الدین دہلی میں رہتے ہیں ۔

امت المعبود کا نکاح مولانا لطیف الرحمن (خلف خلیل الرحمن بن عبدالرحمن) کاندھلوی سے ہوا ' ان سے ایک فرزند مولوی سعید الرحمن اور ایک دختر رقیہ خاتون حیات رہیں ۔ سعید الرحمن کا شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی دختر آپا راشدہ سے نکاح ہوا مگر مولانا سعید الرحمن کی عین نوجوانی میں مختصر بیماری کے بعد وفات ہو گئی تھی ۔ دختر کا نکاح مولانا افتخار الحسن کاندھلوی مدظلہ سے ہوا جو راقم سطور کی والدہ ماجدہ تھیں یہ بھی رحلت فرما گئیں ۔

مولانا اکرام الحسن کاندھلوی

بدھ کی صبح ۷ ربیع الثانی ۱۳۰۹ھ ۲۰ / نومبر ۱۸۹۱ء کو تولد ہوئے۔ دو نام رکھے گئے اکرام الحسن جو مشہور ہوا اور نظیر الحسن جو تاریخی نام ہے۔ خاندانی روایت و معمول کے مطابق قرآن شریف حفظ کیا، فارسی درسیات پڑھیں اور فارسی میں عمدہ صلاحیت حاصل کی۔ اسوقت خاندان کے کئی بزرگ اعلی عہدوں پر فائز اور علی گڑھ کالج سے وابستہ تھے اسلئے انگریزی تعلم کا مشورہ ہوا اور گھر پر ابتدائی انگریزی پڑھنے کے بعد علی گڑھ چلے گئے۔

فہرست طلبائے علی گڑھ کالج (مرتبہ مولوی طفیل احمد منگلوری) سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵ / جولائی ۱۹۰۹ء (۱۳۲۷ھ) کو ایم اے او (M.A.O.) کالج میں فسٹ ایر میں داخلہ ہوا تھا۔[1] بی اے کیا، اسکے بعد ایل ایل بی کیلئے داخلہ لیا، ۱۹۱۷ء میں ایل ایل بی (L.L.B.) کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ ایل ایل بی کے امتحان کے بعد یا اسکی تیاری کے زمانے میں قانون کی تربیت اور وکالت کی عملی مشق کے لئے تقریباً ایک سال تک مولانا علاء الحسن کاندھلوی کے پاس رہے۔ جو اسوقت بجنور میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔

دسمبر ۱۹۱۷ء (صفر ۱۳۳۶ھ) میں کیرانہ منصفی میں وکالت شروع کی مگر صاف

(۱) ڈائرکٹری اولڈ بوائے ایم اے او کالج علی گڑھ، مرتبہ مولوی طفیل احمد ص ۱۵ (مطبوعہ : ۱۹۱۳ء)

گوئی کی عادت اور مشتبہ مقدمات سے بچنے کی کوشش کی وجہ سے وکالت کا مشغلہ کامیاب نہیں ہوا۔ مولانا کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اختلافات اور جھگڑے عدالت میں آئے بغیر طے ہوجائیں، فریقین کو عدالت میں جانے سے منع کرتے اور معاملہ کو بغیر مقدمہ کے طے کرانے میں دلچسپی رکھتے تھے، سنا ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مقدمہ لے لیتے بعد میں جب متعلقہ کاغذات پڑھتے اور یہ معلوم ہوتا کہ یہ شخص ناحق مقدمہ لڑرہا ہے سچائی دوسرے فریق کے ساتھ ہے تو پہلے اپنے مؤکل کو صلح پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے، اگر وہ تیار نہ ہوتا تو اسکا مقدمہ واپس کردیتے کہ میں تمہاری خوشی کیلئے غلط اور خلاف حقیقت بات کیلئے کس طرح بحث کروں، مجھے معاف کرو! اسوجہ سے کیرانہ میں وکالت کا کام نہیں چلا۔ کیرانہ سے رخصت ہوکر مظفر نگر گئے وہاں بھی یہی صورت پیش آئی، حق گوئی جھوٹے معاملات کی پیروی نہ کرنے کے جذبہ اور سچائی کے اظہار نے نامناسب آمدنی سے محفوظ رکھا اسلئے مظفر نگر کا قیام بھی چھوڑا، تقریباً دو سال بعد کیرانہ میں وکالت ایک مرتبہ پھر شروع کی اس مرتبہ بھی یہی کیفیت ہوئی تو وکالت کو ہمیشہ کیلئے چھوڑنے کا فیصلہ کرکے وطن واپس آگئے۔

حضرت مولانا محمد الیاس کی خدمت میں

مولانا اکرام الحسن کی والدہ ماجدہ حضرت مولانا محمد الیاس کی حقیقی ہمشیرہ تھیں، حضرت مولانا کو ان سے اور انکی اولاد سے بیحد محبت تھی، مولانا اکرام الحسن بھی شروع سے مولانا سے بہت مانوس تھے، جب حضرت مولانا کاندھلہ تشریف لاتے مولانا اکرام الحسن اپنی تمام مصروفیات ترک کرکے مولانا کی خدمت کیلئے یکسو ہوجاتے، حضرت مولانا محمد الیاس بھی انکے اس جذبہ کی نہایت قدر فرماتے تھے۔ بعد میں طرفین سے یہ تعلق بہت بڑھ گیا تھا حضرت مولانا، جلد جلد مولانا اکرام صاحب کو اپنے پاس بلاتے، مولانا اکرام صاحب مولانا کی طلب پر اور خود بھی بار بار شوق سے نظام الدین جاتے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری کو سعادت اور غنیمت سمجھتے اور حضرت مولانا جو کام سپرد فرماتے اسکو خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے۔ کبھی کبھی ڈاک لکھنے

کی خدمت بھی سپرد ہوتی تھی۔ مولانا کے مرض الوفات میں بھی مولانا اکرام الحسن نظام الدین میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر اور مولانا کو دوا کھلانے کے ذمہ دار تھے (۱) اور بہت اہتمام اور خوبی سے اس کو نباہ رہے تھے مولانا سے مولانا محمد الیاس کی انتہائی دلی محبت کا اس سے علم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا نے وفات سے چند منٹ پہلے آخری ملاقات کے لئے مولانا محمد یوسف کے ساتھ مولانا اکرام الحسن کو بھی طلب فرمایا تھا (۲)۔ یقیناً اس آخری ملاقات میں مولانا محمد الیاس نے مولانا کو بہت کچھ نوازا ہوگا اور خاص توجہ سے مالامال فرمادیا ہوگا۔

بیعت وتربیت باطنی

مولانا کے والد ماجد (مولانا رضی الحسن صاحب) حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری کے دامن گرفتہ تھے اس نسبت سے مولانا اکرام الحسن کو بھی رائے پوری سلسلہ سے خاص محبت وانسیت تھی۔ حکیم رضی الحسن کی وفات سے پہلے حضرت شاہ عبد الرحیم رحلت فرما گئے تھے، حضرت شاہ عبد القادر خانقاہ رائے پور میں جلوہ افروز تھے اور تشنہ کامان محبت کی اسی شان سے رہنمائی فرما رہے تھے جو ان کے پیرو مرشد کی خصوصیت اور اس دور میں بے نظیر تھی۔ مولانا رضی الحسن صاحب کی وفات کے بعد مولانا کی طبیعت پر بہت اثر تھا اسی دوران یہ ارادہ ہوا کہ حضرت شاہ عبد القادر کے دست حق پرست پر بیعت ہو جائیں، مولانا محمد الیاس صاحب سے مشورہ ہوا، مولانا نے اس ارادہ کو پسند فرمایا اور یہ طے ہوا کہ ۲۵ شوال کو مولانا محمد الیاس صاحب سہارنپور میں ہوں گے، اس موقع پر مولانا اکرام الحسن بھی سہارن پور آجائیں اور یہ کار خیر انجام پا جائے۔ چنانچہ مولانا اکرام الحسن صاحب (مولانا رضی الحسن کی وفات کے ۲۵ دن بعد) ۲۵ شوال ۱۳۵۰ھ، ۴ مارچ ۱۹۳۲ء کو سہارنپور پہنچ گئے، اس وقت حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری وہیں تشریف فرما تھے اور مولانا محمد الیاس بھی دہلی سے جلوہ فرما ہوئے تھے، مولانا محمد الیاس صاحب کی موجودگی میں حضرت (شاہ عبد القادر) رائے پوری سے بیعت ہوئے۔

(۱) مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۸۰ (۲) مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۹۳

بیعت وارادت کے بعد سے مولانا اکرام الحسن کو حضرت رائے پوری سے ایسی عقیدت ومحبت ہوگئی تھی کہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے بغیر سکون نہیں ملتا تھا، بار بار حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے، بار بار رائے پور کا سفر کرتے، جب حضرت رائے پور میں تشریف فرماہوتے تو دوسرے تیسرے دن کی وہاں حاضری ضروری تھی اور جب سہارنپور میں قیام ہوتا اس وقت تو طبیعت پر ہر وقت یہی تقاضہ رہتا تھا کہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں اور زیارت واستفادہ کریں۔ اگر حضرت کا پاکستان کا قیام کچھ طویل ہوجاتا تو رخصت لیکر پاکستان جاتے اور حضرت کی صحبت سے فیضیاب ہوتے، حضرت کی وفات تک یہی معمول رہا۔

حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری سے اجازت بیعت میرے والد ماجد (حضرت مولانا افتخار الحسن مدظلہ) فرماتے ہیں کہ حضرت نے مولانا کو اجازت وخلافت عطا فرمائی تھی، مگر مولانا نے بہت اہتمام سے اسکو چھپائے رکھا، تاہم حضرت کے چند خواص کو اس کا علم تھا۔

سرپرست مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور مولانا اکرام الحسن کی خصوصیت اور دینی علمی مزاج کی وجہ سے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی مجلس سرپرستان نے ۱۸ شوال ۱۳۶۰ھ (آخر اکتوبر ۱۹۴۱ء) میں مولانا اکرام الحسن کو مدرسہ کا سرپرست منتخب کیا، مدرسہ کی روداد میں ہے:

> "۱۸ شوال ۶۰ھ کو سرپرست حضرات نے جناب میر آل علی صاحب محلہ شاہ مدار سہارنپور اور جناب مولانا حافظ اکرام الحسن صاحب کاندھلوی بی اے ایل ایل بی کو سرپرست مدرسہ تجویز فرمایا مولانا اسوقت سے زندگی کے آخری لمحہ تک (تقریباً تیس سال) مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرست رہے" (۱)

(۱) روداد مدرسہ مظاہر علوم ۶۱۔۱۳۶۰ھ صفحہ ۱۲

مدرسہ مظاہر علوم کے حسابات کا جائزہ اور ایک بڑی خیانت کا سراغ

سرپرست کی حیثیت سے مولانا کی مدرسہ سے وابستگی اگرچہ صرف رہنمائی اور مشورہ کیلئے تھی مگر مولانا کے مدرسہ کا سرپرست مقرر ہونے کے ایک ہی سال بعد ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جسکی وجہ سے مولانا کو مظاہر علوم میں شروع میں عارضی اور بعد میں مستقل قیام کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

۱۳۶۱ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے نائب مہتمم (مولوی زکریا نانوتوی) نے جو مدرسہ کی رقومات کے نگراں (ناظم مالیات) بھی تھے مدرسہ کی رقومات میں خیانت کی اور حسابات کو ایسی ہوشیاری سے پھیلایا کہ اس کا بہت دیر میں پتہ چلا، جب اہل مدرسہ کو اس کا احساس ہوا اس وقت (حضرت مولانا خلیل احمد کے خلیفہ خاص اور مدرسہ کے ایک سرپرست) حافظ فخر الدین صاحب گنگوہی سے درخواست کی گئی کہ وہ مدرسہ میں کچھ دن قیام کریں اور حساب کی گڑبڑ کا پتہ چلائیں، حافظ صاحب تشریف لائے، مدرسہ میں قیام کیا، مگر ان کو اس خیانت کی تلاش میں کامیابی نہیں ملی۔ اس کے بعد سرپرستانِ مدرسہ نے مولانا حافظ عبدالعزیز گمتھلوی (رائے پوری) اور مولانا اکرام الحسن صاحب سے درخواست کی کہ وہ مدرسہ کے تمام حسابات کی چھان بین کریں، دونوں صاحبان نے تقریباً ڈیڑھ مہینہ کی سخت محنت کے بعد حساب کی خامیوں اور خیانت کی رقومات کا مکمل جائزہ مرتب کیا، جس میں تقریباً سولہ، سترہ ہزار روپئے کی خیانت پائی گئی، (یہ رقم اس وقت کے لحاظ سے کافی بڑی رقم تھی) جس سے اہل مدرسہ اور مدرسہ کے ہمدردوں کا پریشان ہونا برمحل تھا اس لئے کسی ایسے شخص کی فوراً ضرورت تھی جو مدرسہ کے حسابات کے جائزہ کے علاوہ اس طرح کی خامیوں پر قابو پانے کے لئے نظام عمل مرتب کرکے اس پر عمل کرا سکے، اس مقصد کے لئے سرپرستانِ مدرسہ نے مولانا اکرام الحسن صاحب سے ہی گذارش کی اور اپنے اجلاس میں طے کیا کہ:

"مولانا اکرام الحسن صاحب تین ماہ (رمضان، شوال، ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ)

مدرسہ میں قیام فرماکر پورے طور پر مالیات کی نگرانی کریں اور اس نگرانی کی رپورٹ آئندہ اجتماع سرپرستان میں پیش فرمائیں۔ چنانچہ ۱۰ محرم ۱۳۶۲ھ کے اجتماع سرپرستان میں (یہ) رپورٹ پیش ہوئی" (۱)

سرپرستانِ مدرسہ نے مولانا کی رپورٹ پر غور کرکے اس کو اتفاق رائے سے منظور کرلیااور اس رپورٹ کے مندرجات کو صحیح طور سے عملی جامہ پہنانے کے لئے مولانا اکرام الحسن سے کم سے کم ایک سال تک مدرسہ میں قیام کرنے کی گذارش کی اور درخواست کی گئی کہ وہ اس قیام کیلئے مختصر سی تنخواہ بھی قبول فرمائیں۔ مولانا نے اس کو قبول فرمالیا، مرتب روداد مدرسہ مظاہر علوم لکھتے ہیں :

"اگرچہ مولانا کو مختلف موانع درپیش تھے، لیکن اکابر مدرسہ کے ارشاد، مدرسہ کی شدید ضرورتوں کے ماتحت اس قیام کو اور پچھتر روپے ماہانہ معاوضہ کو منظور فرمالیا۔"

مدرسہ کی ضرورتوں کے لئے یہ عارضی انتظام بعد میں مولانا کے سہارنپور میں مستقل قیام کا ذریعہ ہوگیا۔

مظاہر علوم سہارنپور میں مستقل قیام

اس سال شوری کی تجویز کے مطابق ایک سال قیام رہااور چونکہ مولانا اکرام الحسن کے مدرسہ مظاہر علوم میں تقرر سے مدرسہ کے حسابات کو صاف اور مرتب کرنے میں خاص مدد ملی تھی، اس لئے ایک سال کے بعد مدرسہ کے ذمہ داروں کی یہ رائے ہوئی کہ مولانا اپنے قیام میں ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ (اپریل ۱۹۴۵ء) تک مزید توسیع منظور فرمائیں، مولانا اسکے لئے بھی آمادہ ہوگئے، بعد میں اس میں اور اضافہ ہوا اس طرح وقفہ وقفہ سے سہارنپور میں کئی سال تک قیام ہوااور مولانا اکرام الحسن مظاہر علوم کے نظام کا ایک ضروری حصہ بن گئے۔ کاندھلہ کا قیام چھوٹ گیااور سال چھ مہینہ میں کبھی ایک دودن کے لئے کاندھلہ آنے کا معمول ہوگیا۔

---

(۱) روداد ص ۱۲، نیز تاریخ مظاہر، مرتبہ مولانا محمد شاہد ص ۱۴۰ ج ۱ (سہارنپور : ۱۳۹۴ھ)

مدرسہ کے تمام معاملات خصوصاً حسابات اور آمد و خرچ میں مولانا کی رائے اہل مدرسہ کی نگاہ میں بہت قابل احترام تھی، مولانا نے بھی حسابات کی نگرانی اس احتیاط کے ساتھ کی کہ مولانا کی حیات میں مدرسہ کے مالیاتی نظام پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت یا بددیانتی کا کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔

مولانا نے مدرسہ کے کاموں کو انتہائی امانت، دیانت اور بے حد احتیاط اور باریک بینی سے انجام دیا، وہ مدرسہ کی چھوٹی چھوٹی رقموں اور معمولی پیسوں کو بار بار شمار کرتے نیز ان کی حفاظت اور حساب صاف رکھنے کا بے حد اہتمام فرماتے تھے۔ مولانا کی جزری اور احتیاط کا ایک واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا کا قیام مدرسہ میں تھا کھانا اور ناشتہ حضرت شیخ کے یہاں ہوتا تھا، حضرت شیخ کا دستر خوان ساڑھے گیارہ بجے بچھ جاتا تھا، برابر میں مولانا اکرام صاحب کا دستر خوان علیحدہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ کھانا شروع ہوگیا مگر مولانا نہیں آئے، انتظار ہوتا رہا، دستر خوان اٹھ گیا، مہمان رخصت ہوگئے، یہاں تک کہ ظہر کی اذان ہوگئی، اذان کے بعد مولانا آئے اور گھر میں گئے، مولانا کی بہن (زوجہ حاجی محمد محسن مرحوم) بھی وہیں رہتی تھیں، انھوں نے پوچھا، بھائی! آج کہاں رہ گئے تھے؟ کہا، مدرسہ کی رقم شمار کی گئی تھی اس میں سے چار آنے کھوئے گئے تھے، ان کی تلاش میں بہت وقت خرچ ہوگیا۔

اہلیہ حاجی محمد محسن نے کہا چار آنے کی تو کچھ بات نہیں تھی، اپنے پاس سے ڈال دیتے۔ اس وقت مولانا نے فرمایا چار آنے اور روپے کی بات نہیں تھی سوال یہ تھا کہ مدرسہ کے پیسے اسطرح کیوں اور کہاں ضائع ہوگئے، جب وہ چار آنے مل گئے، اس وقت اطمینان ہوا، ان پیسوں کو خزانے میں جمع کیا اور حسابات کے رجسٹر مکمل ہوئے۔

ذوقِ شعر و ادب | مولانا اکرام الحسن کو شعر و ادب کا نہایت پاکیزہ ذوق تھا، مولانا کے بچپن اور نوجوانی میں کاندھلہ اور اطراف کاندھلہ کی ادبی فضا اہل فن سے معمور تھی، کاندھلہ

میں (احسان دانش کے خاص استاد اور مربی) قاضی محمد ذکی، حکیم شفیق الرحمٰن شفاء، حکیم عبد الرشید ذوقی، متولی ضیاء الاسلام ضیاء کے علاوہ متعدد قادر الکلام خوش فکر شاعر موجود تھے، دھوم دھام سے سالانہ مشاعرے ہوتے تھے، ماہانہ شعری نشستیں ہوتیں، طرحی مجلسیں جمتیں، اور ان کی روداد اور رپورٹیں مرتب کی جاتی تھیں (۱) اچھے شاعروں کا کلام اور بعض مشاعروں کی رودادیں ادبی رسائل میں بھی چھپتی تھیں۔ کیرانہ میں عادل کیرانوی پایہ کے استاد موجود تھے، اسی طرح جھنجھانہ میں بھی کئی شاعر تھے جسکی وجہ سے ہر دم یہی تذکرے رہتے تھے، اچھی زمینوں میں عمدہ شعر کہے جاتے تھے، مجلس مباحثہ میں انکی تحسین و تنقید ہوتی تھی، اس فضا میں مولانا اکرام الحسن کی صلاحیتوں کو خوب جلا ملی، فارسی کی استعداد عمدہ تھی، اردو گویا گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ماحول نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، مولانا بھی اچھے شعر کہنے لگے، شاؔد تخلص کرتے تھے۔ نعت، سلام، غزل، قصیدہ اور مختلف اصناف میں مشقِ سخن کرتے اور اپنے احباب و معاصرین سے داد پاتے، آہستہ آہستہ ذوقِ سخن خوب منجھ گیا تھا اور مولانا کا کاندھلہ کے پرگو شعراء میں شمار ہونے لگا تھا، مولانا بھی عموماً یہاں کی ادبی مجلسوں میں اہتمام سے شامل ہوتے اور غزل کا میدان ہو یا نظم کا، مصرعۂ طرح ہو یا کوئی اور صنف سخن اس میں اپنے جوہر دکھاتے تھے۔

تحریک خلافت کے زمانے میں علی برادران (مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی) کی والدہ محترمہ بی اماں صاحبہ (۱۴ صفر ۱۳۴۱ / ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو کاندھلہ آئی تھیں) (۲) یہاں

---

(۱) کئی مشاعروں کی ایسی رپورٹیں اور فائلیں میری نظر سے گذری ہیں۔

(۲) کاندھلہ میں بی اماں کا قیام ڈپٹی مظہر الحق کے مکان پر ہوا، جو علی گڑھ کالج میں مولانا شوکت کے کلاس فیلو رہ چکے تھے۔ اگرچہ ڈپٹی مظہر الحق صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے اور اسوقت کے صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ (یوپی) میں سی آئی ڈی کے کسی بڑے عہدے پر بھی فائز تھے مگر ہزار اعتراضات کے باوجود انہوں نے بی اماں کا اپنے مکان پر قیام کرایا۔ سنا ہے کہ انہوں نے صاف کہدیا تھا کہ اس ملازمت کی وجہ سے میں اپنے دوستوں سے تعلقات خراب نہیں کروں گا۔ چنانچہ بی اماں انکے مکان میں ٹھہریں اور مقررہ نظام الاوقات کے مطابق اپنے پروگرام کئے۔ (ڈپٹی مظہر الحق کا مختصر تعارف مکتوبات مولانا انعام الحسن کے حواشی میں درج ہے۔)

انکاوالہانہ پرجوش استقبال ہوا، حضرت مولانا صدیق احمد(۱) نے تحریک خلافت کی تائید میں تقریر کی اور مولانا اکرام الحسن نے بی اماں کے خیر مقدم میں ایک عمدہ نظم پڑھی تھی۔

اسکے علاوہ قصبہ اور نواح کے علمی، ادبی، سیاسی محفلوں میں نئے نئے عنوانات سے مولانا کا تازہ تازہ کلام آتا رہتا تھا، مولانا کے کلام کے دو تین نمونے یہاں پیش کئے جارہے ہیں۔ مولانا نے اپنے فرزند عالی مقام مولانا انعام الحسن کے پہلے سفر حج کے موقع پر ان کو ایک منظوم خط لکھا تھا، جو درج ذیل ہے:

جانے والے یثرب و بطحا کے میرا لے سلام
آج تجھ پر بارش الطاف ربانی ہوئی
آج تجھ پر رحمت حق کی فراوانی ہوئی
ہدیہ تبریک لے اے زائر بیت الحرام!

ہو مبارک جانب ملک عرب تجھ کو سفر
دین ہے اللہ کی، قسمت کے ہاتھوں بات ہے
شغل میرا بس یہی آٹھوں پہر، دن رات ہے
صبر اپنے حال پر اور شکر تیرے حال پر!

تیرے حق میں رات دن میری یہی اک ہے دعا
حج بیت اللہ کی تجھ کو سعادت ہو نصیب
گنبد خضریٰ کی بھی تجھ کو زیارت ہو نصیب
واسطے تیرے یہی ہے التجا صبح و مسا!

(۱) حضرت مولانا صدیق احمد خلف عبدالرحیم بن حکیم رحیم اللہ کاندھلوی (وفات ۱۳۴۱ھ دسمبر ۱۹۲۲ء) حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ کے بلند پایہ شاگرد اور خلیفہ مجاز تھے۔ مفصل معلومات کے لئے ملاحظہ ہو: راقم سطور کا مضمون مولانا صدیق احمد کاندھلوی (ماہنامہ الفرقان لکھنؤ جنوری، فروری، مارچ ۱۹۸۷ء)

رب کعبہ سے وہیں کعبہ میں جا کے کہنا تو

اہل دولت تو تیرے دربار میں حاضر ہوئے

اہل ثروت تو تری سرکار میں حاضر ہوئے

بے زر و بے استطاعت کی بھی بر لا آرزو !

واسطہ تجھ کو ربوبیت کا اپنی اے خدا

اہلیت والوں کو تو نے جیسے بلوایا وہاں

مقدرت والوں کو جیسے یاد فرمایا وہاں

ایک اس نا اہل کو بھی اپنی چوکھٹ پر بلا !

شاد کو بھی یاد رکھنا واں پہ انعام الحسن

جالیوں سے روضہ کی تیری نظر جس دم ملے

آستاں بوسی سے تیرے دل کا غنچہ جب کھلے

بھول جانا وقت پر مجھ کو نہ انعام الحسن !

میری خاطر بھی کسی دن جانا تو بہر خدا

پیشوائے مرسلیں کی جلوہ گاہِ ناز پر

رحمۃ للعالمیں کی خواب گاہِ ناز پر

لے کے آنا درد دل کی واسطے میرے دوا !

عرض کرنا روضۂ اقدس پہ تو بعد از سلام

ایک ناکامِ محبت ہند میں رنجور ہے

ایک بدنام محبت ہند میں مہجور ہے

اس کے بلوانے کا بھی للہ کر دو انصرام !

روضۂ اطہر کا پردہ تھام کر کہنا ذرا

شاد غمگیں ہند میں مجبور ہے، ناشاد ہے
شاد مسکیں ہند میں معذور ہے، برباد ہے
اپنے دروازہ پہ تم للہ اس کو لو بلا!

عرض کرنا میری جانب سے کہ اے آقا مرے

دل سے شیدا ہوں تمہارا، گرچہ بد اطوار ہوں
نام لیوا ہوں تمہارا، گرچہ بد کردار ہوں
لطف کی مجھ پر نظر ہو جائے بس آقا مرے!

عرض کرنا روضۂ اقدس کی جالی چوم کر

ہو تمہارے کوچہ میں یوں زائروں کا ازدحام
آستاں بوسی کا اک دنیا کو ہو یوں اذنِ عام
اور میں رہ جاؤں یوں بس سن کے، خالی جھوم کر!

صد درود و صد سلام اس در پہ کہنا بارہا

رونق و لطفِ چمن بھی جسکے آگے پست ہیں
یاسمین و یاسمن بھی جسکے آگے مست ہیں
جا کے اس در پہ سلامِ شوق پہنچانا مرا!

حضرت الیاس کی خدمت میں کہہ بعد از سلام

اے کہ تیرے ہاتھ ہے اتباع سنت بالیقیں
اے کہ تیری ذات سے اعزاز ملت ہر کہیں
ہے دعا کی احتیاج اس شاد کو تم سے مدام!

ہو مبارک تم کو یہ عزمِ سفر سوئے عرب
دور ہو جائیں تمہارے دل کی ساری کاوشیں
رحمتِ حق کی ہوں تم پر اس سفر میں بارشیں
آرزوہائے دلی حاصل ہوں ساری بے طلب!

کامیابی تم کو ہو واں بے حساب و بے عدد
خوب ہو تبلیغ کا ملکِ عرب میں غلغلہ
اور قائم ہو وہاں اس کام کا اک سلسلہ
مالکِ کون ومکاں فرمائیں بس پوری مدد!

آرزو حاصل، تمہارے دل کی خاطر خواہ، ہو
یعنی بن جائیں مبلغ سب حجازی مرد و زن
جس طرف دیکھیں نظر آئیں نمازی مرد وزن
ہاں تمہاری نصرت و تائید پر اللہ ہو!

اور جس جس پر ہوا ہے رحمتِ حق کا نزول
احتشام ویوسف ومحمود و انعام و ظہیر
اور ظفریاب وطفیل اور جتنے ہیں برناؤپیر
میری جانب سے سلامِ شوق سب کرلیں قبول!

اور ہاں حاجی عمر اور ساتھ ہی ان کا پسر
مولوی ادریس احمد اور جمیل تھانوی
عبد رحماں جامی اور نورِ محمد مولوی
اور وہ ایوب جو ہے آپ سب کا ہم سفر!

آرزو یہ ہے دعا سے شاد رکھیں سب مجھے
جن پہ نازل رحمتِ موعودِ ربانی ہوئی
جن کو حاصل روضۂ اطہر کی دربانی ہوئی
حسبۃً للہ دعا میں یاد رکھیں سب مجھے !

اوپر گذر گیا ہے کہ حضرت مولانا اکرام الحسن حضرت مولانا محمد الیاس کے حقیقی بھانجے تھے، حضرت مولانا کی ان پر شفقت و عنایت کی خاص نظر تھی اور مولانا اکرام الحسن کو بھی مولانا سے بے حد محبت وانسیت تھی۔ حضرت مولانا کی وفات کا مولانا اکرام الحسن پر خاص اثر ہوا، انھوں نے تقریباً سوا سو اشعار پر مشتمل حضرت مولانا کا مرثیہ لکھا (جو کئی کتابوں اور رسائل میں شائع ہو چکا ہے) چند شعر یہاں بھی نقل کئے جاتے ہیں :

غم ابھی اے شاد حضرت تھانوی کا تازہ تھا
منتشر اپنے شکیب وصبر کا شیرازہ تھا
قطرۂ خونِ جگر آنکھوں سے اب تک تھے رواں
گھٹ رہا تھا آج بھی سینوں میں اپنے اک دھواں
بھولنے پائے نہ تھے اس قصۂ جاں کاہ کو
ضبط بھی کرنے نہ پائے تھے فغان و آہ کو
خشک آنکھوں سے نہ ہونے پائے تھے آنسو ابھی
دفعتاً ہم پر یہ اک دوسری بجلی گری
وہ رگِ باطل کا نشتر زن، حکیم بے نظیر
وہ طبیبِ حاذقِ امراضِ درماں ناپذیر
حضرت الیاس وہ نورِ نگاہِ عاشقاں
حضرت الیاس وہ روحِ روانِ سالکاں

حضرت الیاس وہ غواصِ بحر معرفت
حضرت الیاس وہ رمز آشنائے عبدیت
حضرت الیاس وہ پروانۂ خیر الانام
حضرت الیاس وہ راہِ ہدایت کا امام

نیز مولانا انعام الحسن کے بیٹوں انوار الحسن اور معاذ مرحوم کی کمسنی میں ناگہانی وفات کا بھی مولانا اکرام الحسن پر خاص اثر ہوا، مولانا کے دل کا درد اشعار کی صورت میں ظاہر ہوا، مولانا نے تأثرات غم قلم بند کئے، چند شعر یہ ہیں:

دیکھنا وہ دیکھنا کس کا ہے چھوٹا سا مزار
جو مرے جذبات میں کرتا ہے پیدا انتشار
اُف یہاں مدفون ہیں وہ لختِ دل، لختِ جگر
کھا گئی دم بھر میں جسکو اُف زمانے کی نظر
ہاں یہیں مدفون ہے وہ میرا انوار الحسن
میرا انوار الحسن اور ابن انعام الحسن
ساتھ اپنے میرے دل کا چین بھی لیتا گیا
عمر بھر کے واسطے داغِ جگر دیتا گیا
یاد ہیں انوار تیری ساری باتیں یاد ہیں
فرق اتنا ہے کہ تو آباد ہم برباد ہیں
وہ محبت کی نگاہیں وہ مروت کی ادا
اور سمجھانا اشاروں سے وہ دل کا مدعا
میرے منہ پر منہ کو رکھ کر لیٹ جانا وہ ترا
ہر خلش کو اپنے دل کی بھول جانا وہ مرا

وہ تری مٹی کی تربت وہ تیری تربت نہیں
اس جگہ میری امیدیں دفن ہیں زیرِ زمیں

مذکورہ بالا اشعار مولانا اکرام الحسن کے کلام کا ایک ناتمام نمونہ ہیں، مولانا کے معیار کلام اور ذوق سخن کا صرف ان اشعار کی روشنی میں فیصلہ مناسب نہیں، کیوں کہ یہاں جو شعر نقل کئے گئے ہیں وہ مولانا کے کلام کا انتخاب یا بہترین شعر نہیں ہیں، بلکہ اس وقت صرف یہی اشعار دستیاب ہو سکے جو یہاں درج کئے گئے۔ مولانا کے مجموعۂ کلام میں مختلف معیاری چیزیں تھیں غزلوں، قطعات ورباعیات کا بھی ایک سرمایہ تھا مگر افسوس کہ مولانا کا وہ دیوان لاپتہ ہے اور کوئی ایسی بیاض بھی میرے علم میں نہیں جس میں مولانا کا کلام محفوظ ہو، اس لئے یادگار کے طور پر یہی چند شعر نقل کر دیئے گئے۔

جب تک مولانا کاندھلہ میں رہے کاندھلہ کی ادبی محفلوں اور ہم ذوق احباب کی وجہ سے اکثر کچھ نہ کچھ لکھتے اور کہتے رہے، سہارنپور جانے کے بعد اس میں کمی آنی شروع ہوئی اور ۱۹۵۰ء کے بعد شعر کہنے کا سلسلہ گویا بالکل منقطع ہو گیا تھا اس کے بعد وفات تک غالباً کوئی شعر نہیں کہا تاہم مولانا کے ادبی ذوق کا بے تکلف احباب کی محفلوں میں برملا اظہار ہوتا اور مولانا موقع کے مناسب ایسے برجستہ اور برمحل شعر پڑھتے کہ سننے والے پھڑک جاتے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے یہ شعر خاص اسی موقع کیلئے کہا گیا ہے۔ مولانا کے ذہن میں محفوظ ہزارہا ہزار اشعار اور اس کے حسن انتخاب اور ذوق شعر سے مولانا کے قریب ممتاز اہل علم وکمال ہمیشہ معترف رہے، مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنا مشاہدہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

> "شعر و سخن کا نہایت اعلیٰ ذوق تھا، اساتذہ کے ہزاروں منتخب اشعار یاد تھے، کبھی کسی موقع پر شعر سناتے تو معلوم ہوتا کہ خاص اسی موقع اور محل کے لئے (یہ) شعر کہا گیا ہے۔" (۱)

---

(۱) ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ ص ۹ جولائی ۱۹۷۷ء

مولانا کے ادبی کمال کا اس وقت خاص طور سے اندازہ ہوتا جب حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب (ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) یا مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی کے ساتھ صحبت گرم ہوتی، وہ عالم دیدنی ہوتا تھا اور اس محفل میں پڑھا گیا ایک ایک شعر ایک ایک مصرعہ شنیدنی، کبھی مولانا شعر پڑھتے کبھی یہ حضرات اشعار سے نوازتے، غرض ایک ایسی کیفیت ہوتی تھی کہ جس کیف کو صرف محسوس کیا جاسکتا ہے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے نسبۃً زیادہ بے تکلفی تھی اس لئے حضرت مولانا کی سہارنپور تشریف آوری کے موقع پر ایسی مجلسوں میں اضافہ ہوجاتا تھا اور خاص نشستوں کے علاوہ دوسرے موقعوں پر بھی اس ذوق کا اظہار ہوتا رہتا۔ ایک واقعہ یاد آرہا ہے:

ایک مرتبہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تشریف لائے ہوئے تھے، مدرسہ مظاہر علوم کی قدیم عمارت (جس کو مدرسہ قدیم کہا جاتا ہے) دروازہ کے اوپر مہمان خانہ میں (یہاں آج کل دارالافتاء ہے) حضرت مولانا تشریف فرماتھے، مولانا اکرام الحسن کا اس عمارت کے آخری کونہ میں مسجد کے برابر میں قیام تھا مولانا اکرام الحسن وہاں سے بار بار آتے اور اشعار سناتے، ایک مرتبہ مولانا اکرام الحسن تیزی سے آئے اس وقت حضرت مولانا مدظلہ ضروریات سے فراغت کیلئے جارہے تھے، مولانا اکرام الحسن نے دیکھا اور دور سے آواز دی، مولوی صاحب ایک شعر! مولانا نے ایک دوبار آواز دی، حضرت مولانا آواز سن کر ٹھہرے اور مولانا اکرام الحسن تیزی سے سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر پہنچے اور ایک شعر پڑھا جس کا صرف ایک مصرعہ یاد رہ گیا ہے

"کمبخت ایک رات میں ساری پگھل گئی"

حوادث و آلام کا تسلسل مولانا اکرام الحسن اور ان کے گھرانے کی روداد مسلسل حوادث اور غم و آلام کی روداد ہے، اس گھرانہ میں مولانا رضی الحسن کی وفات سے جو سلسلہ حوادث و اموات شروع ہوا تھا وہ برسوں تک جاری رہا، ایک صدمہ سے سنبھل نہیں

پاتے تھے کہ کوئی اور حادثہ پیش آجاتا تھا تقریباً بیس سال تک یہی حال رہا۔

مولانا رضی الحسن کی اچانک وفات کے علاوہ اپنی کئی (غالباً چھ) اولادوں کی موت کا غم اٹھایا، مولانا اکرام الحسن کی متعدد اولادوں میں سے صرف دو حیات رہیں ایک فرزند حضرت مولانا انعام الحسن) اور ایک دختر (آپا سلیمہ صاحبہ)۔

آپا سلیمہ نہایت خوبرو، خوش صفات، خوش مزاج تھیں، مولانا اکرام الحسن اور مولانا انعام الحسن کے علاوہ بھی خاندان کے تمام افراد ان پر جان چھڑکتے تھے اور ان کے والد اور گھرانہ کی رونق ہی ان کے دم سے تھی۔ ان کا مولانا مصباح الحسن (خلف مولانا حکیم نجم الحسن) سے نکاح ہوا تھا، سات مہینے کا حمل تھا، ایک دن (۱۳/ربیع الاول ۱۳۵۵ھ جولائی ۱۹۳۶ء) کو ایسے وقت جب گھر پر کوئی مرد موجود نہیں تھا ان کی طبیعت اچانک خراب ہوئی، وضع حمل کے آثار ظاہر ہوئے، سات ماہ کی بچی پیدا ہوئی اور آپا سلیمہ یکلخت انتقال کر گئیں، بعد میں نوزائیدہ بچی بھی اپنی ماں کے پاس پہونچ گئی۔ یہ حادثہ پورے خاندان اور خاص طور پر اس مختصر گھرانہ کے لئے ناقابل تلافی نقصان ثابت ہوا، مولانا اکرام الحسن، اہلیہ مولانا اکرام الحسن اور مولانا انعام الحسن وغیرہ اس گھرانہ کے افراد کے چہروں سے مسرت کا احساس برسوں تک معدوم رہا۔

مولانا انعام الحسن کی والدہ محترمہ اپنی بیٹی (آپا سلیمہ) کی میت دیکھ کر اس قدر غمگین اور متاثر ہوئیں کہ اسی وقت بیمار ہو کر بستر پر گر گئیں اور برسوں نقل و حرکت سے معذور رہیں، انھوں نے اپنی زندگی کے باقی ایام اس طرح بسر کئے کہ گویا نہ زندوں میں نہ مردوں میں، سخت بیماری کے علاوہ شدتِ غم کی وجہ سے ان کی زبان کو ایسی چپ لگی کہ اس کے بعد وفات تک کسی سے کوئی تفصیلی بات نہیں کی، ہفتوں مہینوں میں کبھی ایسا ہوتا تھا کہ وہ کسی بات کا ہاں یا نہیں میں جواب دیں۔ آخر تک مستقل خاموش اور ہمیشہ غمگین رہیں اور اسی حال میں تقریباً پونے سات سال گذار کر (ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ، نومبر

۱۹۴۳ء میں) رہ گرائے راہ آخرت ہوئیں۔

اس حادثہ کو ابھی ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ مولانا اکرام الحسن کے ماموں، مربی اور محبوب ترین شخصیت حضرت مولانا محمد الیاس کا لمبی بیماری کے بعد انتقال ہو گیا۔ اس حادثہ نے بھی مولانا اکرام الحسن کو بے حد مغموم ومتأثر کیا۔ مولانا اکرام حوادث کے متواتر حملوں سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ مولانا انعام الحسن کی بیماری شروع ہو گئی یہ بیماری کیا تھی ایک روح فرسا اور ایسی اذیت ناک کیفیت تھی کہ جس کا لفظوں میں بیان ممکن نہیں، ہفتوں بلکہ مہینوں اس حال میں گذرے کہ مولانا انعام الحسن کی زندگی سے مایوسی ہو جاتی تھی پھر طبیعت کچھ بہتر ہو جاتی چند دن کے بعد پھر وہی حال ہو جاتا، جب باصلاحیت ذی قدر اور نوجوان اکلوتا بیٹا شدید بیماری میں گرفتار ہو بیماری کی مناسب تشخیص اور صحیح علاج نہ ہو سکے اس وقت باپ کی کیا کیفیت ہوتی ہو گی اندازہ کیا جاسکتا ہے، خصوصاً ایسے باپ کی کہ جس کے گھر کے تمام افراد چند برسوں میں وفات پاگئے ہوں اور ایک ہی بیٹا رہ گیا ہو اور بیٹا بھی ایسا باصلاحیت اور باکمال ہو، اس کو ہر لمحہ موت کے دروازہ پر آتا جاتا دیکھ کر باپ کے دل پر جو گذرتی ہو گی اس کا الفاظ میں اظہار ممکن نہیں۔

مولانا انعام الحسن کی بیماری کے بعد کا شدید صدمہ مولانا انعام الحسن کے بچوں کی وفات تھی۔ مولانا انعام الحسن کے بھی کئی اولادیں ہوئیں مگر وہ سب بھی اپنے والد کے بہن بھائیوں کی طرح بچپن میں آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئی تھیں۔

مولانا انعام الحسن کی اولاد میں سے دو بچے انوار الحسن اور معاذ زندہ رہے، دونوں خوش شکل تھے، خصوصاً معاذ اپنے پورے گھرانے بلکہ پورے خاندان کی آنکھوں کا تارا بنے ہوئے تھے مگر دونوں نے ہی کم عمر پائی۔ معاذ کی وفات ناگہانی اور غیر متوقع تھی ان کی اچانک وفات سے شبہ ہوا کہ ان پر کچھ اثرات تھے، ان سب حوادث نے مولانا اکرام الحسن کی بالکل کمر توڑ دی تھی اور وہ بالکل بجھ کر رہ گئے تھے۔

تغیر احوال مولانا اکرام الحسن کی طبیعت میں دین داری اور تقویٰ کا جوہر پہلے سے موجود تھا، والد ماجد کی تربیت خاندانی ماحول کی وجہ سے دینی فرائض اور قرآن پاک کی تلاوت وغیرہ کے سخت پابند تھے، مگر خاندان میں آسودہ حالی اور علی گڈھ میں تعلیم کے اثر سے خاصے تکلف اور رئیسانہ طرز کی زندگی گزارتے تھے اور دینی تربیت و مزاج کے باوجود اسی شان اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ رہتے تھے جو اس وقت کے تعلیم یافتہ نوجوان رئیس زادوں کا طریقہ تھا۔ مولانا رضی الحسن صاحب کی وفات کے بعد یہ رنگ بدلنا شروع ہوا، حضرت مولانا محمد الیاس پہلے سے نگرانی اور تربیت فرمارہے تھے، حضرت شاہ عبد القادر رائپوری کی صحبت نے اسکو اور جلا بخشی اور جیسے جیسے وقت گذرتا رہا ان بزرگوں کی صحبت کے اثرات نمایاں ہوتے رہے۔ پہلے کھیلوں سے دلچسپی ختم ہوئی، پھر سیر و شکار چھوٹا، آخر میں شعر و شاعری اور ادبی مشغلوں سے بھی بے تعلق ہوگئے تھے۔ یہی حال لباس اور سامان زیب و زینت کا ہوا، اول اول تکلفات ترک کئے پھر لباس میں سادگی آئی آخری دور میں ایسا معمولی لباس پہنتے تھے جو بعض اوقات معمولی حیثیت کے لوگوں کے عام لباس سے بھی کم قیمت کا ہوتا تھا۔

اسباب ضرورت و رہائش میں بھی ایسی ہی سادگی کار فرما تھی، مدرسہ مظاہر علوم کی قدیم عمارت میں مسجد کا ایک چھوٹا سا حجرہ مولانا کی قیام گاہ تھا، جس میں چاروں طرف تختوں پر اردو فارسی انگریزی رسالوں کے ڈھیر رہتے تھے، ایک کونہ میں ایک طرف چارپائی تھی، دوسری جانب وضو اور نماز کیلئے تھوڑی سی جگہ چھوڑ کر وہاں بھی عموماً اخبارات کتابیں یا رسائل رکھے رہتے تھے۔ معمولی سا بستر، ایک لوٹا اور ایک پاندان یہ مولانا کا کل اثاثہ تھا۔

اس حجرہ کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ یہ ان ہی مولانا اکرام الحسن کی قیام گاہ ہے جو کاندھلہ میں خاص ریاست اور شان کے ساتھ رہتے تھے اور وہاں ان کے کیا کیا تکلفات اور

سہ ماہی احوال و آثار کاندھلہ۔ اپریل تا دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۷ء

اہتمامات ہوتے تھے۔ جب مولانا کی وفات کے بعد مولانا کے کمرہ کا سامان نکال کر کمرہ خالی کیا گیا اس وقت دیکھنے والوں نے دیکھا اور زبان حال سے اس کی تصدیق کی کہ مولانا کی زندگی کن فی الدنیا کانك غریب او عابری سبیل کا ایک نمونہ کہی جا سکتی ہے۔

سفر حج مولانا اکرام الحسن صاحب خاندان کے ایک بڑے قافلہ کے ساتھ ۱۳۷۴ھ (۱۹۵۵ء) میں حج وزیارت کیلئے حاضر ہوئے۔ (اس قافلہ میں عمر کے لحاظ سے سب سے بڑے اور بزرگ خاندان بھی مولانا اکرام الحسن ہی تھے) اس سال حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے سفر حج پر جانے کی خبر گرم تھی اور حضرت (مولانا محمد یوسف) بھی سفر حج کا ارادہ کئے ہوئے تھے، اس لئے اہل خاندان کو بھی اس سفر میں ساتھ جانے کا شوق ہوا کہ ہم خرما وہم ثواب! حج کی سعادت اور ان حضرات کی صحبت وقربت دونوں اکسیر تھیں، اسلئے کئی مستورات اور مردوں نے سفر کا ارادہ کر لیا، ایک بڑا قافلہ تیار ہو گیا،[۱] جس میں سہارنپور کے بھی چند اصحاب شامل تھے اور یہ قافلہ کل تینتیس افراد پر مشتمل تھا، گیارہ مرد گیارہ عورتیں اور گیارہ بچے تھے۔ مگر حضرت شیخ کا سفر حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری کی بیماری کی وجہ سے ملتوی ہو گیا تھا۔ لہذا یہ قافلہ حضرت مولانا محمد یوسف کی سربراہی میں پیر کے دن ۱۴ / شوال ۱۳۷۵ھ ۶ / جون ۱۹۵۵ء کو دہلی سے بمبئی کے لئے دہرہ دون ایکسپریس سے روانہ ہوا، اگلے دن سہ شنبہ کو حضرت مدنی بھی اسی گاڑی سے مع اہل خانہ بمبئی تشریف لے گئے۔ ۲۱ / شوال ۱۳ / جون کو محمدی جہاز سے بمبئی سے جدہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ مکہ مکرمہ حاضری کے بعد چالیس دن حرم کے زیر سایہ گزار کر ۲۳ / ذی الحجہ ۱۳ / اگست کو یہ کارواں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ

---

(۱) قافلہ کے مرد شرکاء یہ تھے: مولانا اکرام الحسن، حضرت مولانا محمد یوسف، مولانا انعام الحسن، ماسٹر محمود الحسن، مولانا افتخار الحسن صاحب مدظلہ، حکیم عین الحسن کاندھلویان۔ مولانا محمد ہارون (خلف مولانا محمد یوسف) مولانا محمد طلحہ (خلف شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا) بھائی فرید الحسن (بن مولانا ظہیر الحسن کاندھلوی)۔ مولانا مفتی محمد یحیٰ اور مولوی حکیم محمد الیاس صاحب سہارنپوری

کے لئے روانہ ہوا، محرم ۱۳۷۵ھ کے آخری ہفتہ میں مظفری جہاز سے جدہ سے بمبئی کیلئے روانگی ہوئی۔ ۵/ صفر ۱۳۷۵ھ (۲۳/ ستمبر ۱۹۵۵ء) کو بندرگاہ بمبئی اترے۔ نظام الدین ہوتے ہوئے کاندھلہ آئے اور یہاں سے سب رفقائے حج اپنے اپنے مشاغل اور قیام گاہوں کیلئے روانہ ہو گئے، اس طرح یہ مبارک سفر اختتام پذیر ہوا۔

علمی و تصنیفی خدمات مولانا اکرام الحسن تحریر و تصنیف کے خوگر نہیں تھے تاہم ایک ترجمہ، ایک تالیف اور ایک مجموعۂ کلام تحریری یادگار تھا، مختصر تعارف درج ذیل ہے:

۱۔ ترجمہ محافل نبوی سیرت پاک کے دل آویز موضوع پر فارسی میں حضرت مفتی الٰہی بخش کی ایک قابل ذکر تالیف "محافل نبوی" ہے مولانا اکرام الحسن صاحب نے اس کا اردو ترجمہ شروع کیا تھا اور میرے والد ماجد (مولانا افتخار الحسن مدظلہ) کو دکھایا تھا جب ترجمہ والد ماجد مدظلہ کی نظر سے گزرا اس وقت محافل نبوی کے آدھے سے زائد صفحات کا ترجمہ ہو گیا تھا، بعد میں ترجمہ پورا ہوا یا نہیں اور اگر پورا ہوا تو کہیں محفوظ ہے یا ضائع ہو گیا کچھ معلوم نہیں۔

۲۔ جماعت اسلامی کے رد میں ایک تالیف تقریباً ۱۳۷۸ھ میں مولانا نے جماعت اسلامی کے طریقہ کار اس کے نظریات اور مقاصد کو سمجھنے کے لیے جماعت اسلامی کے مطبوعات و رسائل کا تفصیلی مطالعہ کیا تھا اور اس مطالعہ کے نتائج کتابی صورت میں لکھے تھے، اس تالیف کا مسودہ (مولانا کی حیات میں) میری نظر سے گذرا تھا، پچاس ساٹھ صفحہ کی کتاب تھی، ایک مرتبہ اس کو شائع کرنے کا بھی تذکرہ آیا تھا، مگر شائع نہیں ہوئی۔

۳۔ مجموعۂ کلام مولانا کے ذوق سخن اور شعر گوئی کا تذکرہ آچکا ہے، مولانا اکثر اردو میں اور کبھی کبھی فارسی میں کہتے تھے، مولانا نے اپنے منتخب کلام کا ایک مجموعہ

"دیوانِ شاد" کے نام سے مرتب کیا تھا (۱) جو تقریباً دو سو، سوا دو سو صفحات پر مشتمل تھا، اور ہمیشہ مدرسہ مظاہر علوم کے دفتر میں مولانا کی نشست گاہ پر ایک صندوق میں رکھا رہتا تھا۔

یہ مجموعہ مولانا کی شاعری کا انتخاب اور اس نواح کی ایک ادبی یادگار کے علاوہ اس حیثیت سے بھی قابل قدر تھا کہ اس میں خاندان اور نواح سے متعلق بعض اہم تاریخی یادداشتیں نظم ہو گئی تھیں۔ اور اس میں درج کچھ اشعار اور نظمیں اہل خاندان کے جذبات و تاثر کی ترجمان اور یادگار نوعیت کی تھیں راقم سطور نے اس مجموعۂ کلام کے متعلق معلومات اور اس سے استفادہ کی ہر چند کوشش کی مگر کچھ پتہ نہیں چلا۔

وفات مولانا اکرام الحسن کا تقریباً ۱۹۵۰ء، ۱۳۷۰ھ سے سہارنپور میں ہی قیام رہتا تھا، چار چھ مہینے میں کاندھلہ آتے تھے، سہارنپور میں زندگی کے آخری دس بارہ سال میں مدرسہ کی سب سے پرانی عمارت (جسمیں مظاہر علوم کا دفتر اور کتب خانہ ہے جس کو مدرسہ قدیم کہتے ہیں) کی مسجد کے ایک چھوٹے سے حجرہ میں قیام رہا، وہیں بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

مولانا کی وفات اچانک ہوئی، زندگی کے آخری دن تک (بہ ظاہر) کسی خاص بیماری میں مبتلا نہیں ہوئے اور ایسی کوئی بات نہیں تھی جس کی وجہ سے مولانا کی صحت یا زندگی کی طرف سے خطرہ محسوس کیا جاتا، ایک ایسا واقعہ ضرور ہوا تھا جس نے آخری دنوں میں ان کو سخت غمگین کیا۔ یہ واقعہ ان کے پرانے آبائی مکان کی خستہ حالی تھی، جس کا مولانا کو غیر معمولی احساس اور افسوس ہوا مولانا اکرام الحسن صاحب کی وفات سے ایک ڈیڑھ

(۱) یہ وضاحت ضروری ہے کہ مولانا اکرام الحسن کے بچپن کے دوست، ہم جولی اور یار غار منشی فراغت حسین شاد کاندھلوی (جو ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان چلے گئے تھے اور منچن آباد بہاول نگر میں مقیم رہے) بھی مولانا کی طرح شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے، آپس میں بے انتہا محبت اور یک جان دو قالب ہونے کی وجہ سے فراغت حسین نے بھی اپنا تخلص شاد ہی رکھا تھا فراغت حسین شاد کے مجموعۂ کلام کی بھی ایک نقل مولانا کے پاس مولانا کے اپنے دیوان کے ساتھ رکھی رہتی تھی۔

مہینہ پہلے کاندھلہ آئے تھے اسوقت دیکھا کہ بارشوں کی کثرت سے خاندانی مکان (بڑے گھر کا وہ حصہ جو مولانا اکرام الحسن نیز ان کے والد کی رہائش گاہ اور آبائی مسکن تھا) خراب اور شکستہ ہو گیا تھا، ، دیواریں اور بالائی حصہ گرنے کے قریب تھا، اسکو دیکھ کر مولانا پر بہت اثر ہوا، مولانا نے اسکی فوراً مرمت کی ضرورت محسوس کی، مولانا انعام الحسن صاحب نے اخراجات کی ذمہ داری لی مگر موسم ناسازگار ہونے کی وجہ سے کام دیر سے شروع ہوا، مولانا کو اس کا بہت احساس تھا اس سلسلہ میں بات کرنے کیلئے نظام الدین گئے اور وہاں سے دل گرفتہ واپس آئے، تاہم صحت اور معمولات بدستور تھے بظاہر کسی مرض یا سفرِ آخرت کے آثار نہیں تھے۔ نظام الدین سے کاندھلہ ہوتے ہوئے سہارنپور واپس آئے اور وفات کے دن (۲۱ شعبان ۱۳۹۱ھ، ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۱ء) تک معمول کے مطابق اپنے تمام کام انجام دیئے، مدرسہ گئے، چھٹی کے بعد حضرت شیخ کے یہاں کھانا کھایا، آرام کیا، ظہر کی نماز کے لئے تیاری کی، حجرے کے سامنے سہ دری میں ظہر کی سنتیں پڑھنی شروع کیں، دوسری رکعت کے سجدہ میں جب دیر تک رہے اور اٹھے نہیں تو مسجد کے مؤذن عبداللہ کو (جو کاندھلہ کے رہنے والے ہیں اور مولانا کے خادم بھی تھے) کچھ خیال ہوا آکر آواز دی اور مولانا کے جسم کو ہاتھ لگایا تو وہ ایک طرف جھکتا چلا گیا، اس وقت دوسرے اشخاص دوڑے دیکھا تو مولانا رحلت فرما گئے تھے فوراً مولانا انعام الحسن صاحب کو اطلاع دی گئی مولانا تشریف لائے اور اسی دن شام کو سہارنپور کے مشہور قبرستان حاجی کمال شاہ میں (جہاں مدرسہ مظاہر علوم کے ممتاز علماء اور اکابر دفن ہیں) تدفین عمل میں آئی۔ غفر اللہ لہ ورفع درجاتہ

حضرت شیخ نے اپنے روزنامچہ میں اس واقعہ کی تفصیل ان الفاظ میں درج کی ہے:

"آج پونے دو بجے بھائی اکرام صاحب کا ظہر کی سنتوں میں انتقال ہو گیا وہ ۱۲/اکتوبر کو میری معیت کی وجہ سے دہلی گئے تھے، جمعرات کو زکریا سے مل کر کاندھلہ گئے اور وہاں سے شنبہ کی دوپہر کو یہاں پہنچے۔

ضعف بہت زیادہ تھا تنفس کا اثر ہو گیا تھا، اتوار پیر کو زیادتی ہوئی منگل کو افاقہ ہو گیا۔ زکریا نے منع کرالیا کہ کھانا کھانے کے لئے یہاں نہ آئیں میں وہیں بھیجوں گا، مگر وہ بارہ بجے کھانا کھانے کیلئے آئے اور ساڑھے بارہ بجے کھانا کھا کر اخبار دیکھنے کیلئے لیکر گئے اور ڈیڑھ بجے لوٹا لیکر وضو کر کے ظہر کی سنتیں شروع کیں، پہلی رکعت کا پہلا سجدہ تو اختیاری کیا دوسرے سجدہ میں بے اختیار گر گئے، اسی وقت مولوی انعام کو تین فون کئے گئے مگر کوئی نہ ملا۔ ابوالحسن نے اسکول سے فون کیا حاجی شفیع کا فون تین منٹ میں مل گیا، حاجی شفیع نے جواب دیا کہ میں مولوی انعام کو لے کر آرہا ہوں، انتظار کریں۔ وہ ساڑھے آٹھ بجے پہونچے اور نو بجے دارالطلبہ کی نماز کے بعد بامامت مولوی انعام صاحب نماز ہوئی اور حاجی شاہ میں تدفین عمل میں آئی، گیارہ بجے فارغ ہو کر آگئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ غفر اللہ لہ۔" (۱)

مولانا کی وفات کی کاندھلہ دوسرے دن صبح کو اس وقت اطلاع ہوئی جب مولانا انعام الحسن صاحب کے رفقاء تدفین وغیرہ سے فارغ ہو کر نظام الدین واپس جارہے تھے۔

مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی کے ملفوظات میں ایک سے زائد جگہوں پر مولانا اکرام الحسن کے واقعہ وفات کا ذکر ہے مگر سبھی روایات میں کچھ فروگذاشت ضرور ہے، خصوصاً ملفوظات کی دسویں قسط (۲) میں درج تمام واقعہ اور پوری ترتیب خلاف حقیقت اور غلط ہے۔

---

(۱) مولانا محمد منظور نعمانی .. نے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ (جولائی ۱۹۷۱ء، ص ۹) میں اور اہل مدرسہ نے مدرسہ مظاہر علوم کی روداد ۱۳۹۱ھ میں اس حادثہ پر اپنے تاثرات اور رنج و غم کا اظہار کیا۔

(۲) ملفوظات فقیہ الامت ص ۷۷ قسط ۱۰ (مسوری، غازی آباد: ۱۴۱۶ھ)

ننھیال

مولانا انعام الحسن کی والدہ صاحبہ محترمہ امت العظیم کا مولد و مسکن بڈولی ضلع مظفرنگر تھا۔ بڈولی کاندھلہ کے جنوب مغرب میں دریائے جمنا کے کنارے پر آباد ایک پرانا اور نہایت آباد و شاداب قصبہ تھا۔ اس قصبہ میں قدیم زمانہ سے اولیاء کاملین (۱) اور معزز خاندانوں کا قیام رہا۔ منجملہ خاندانوں کے ایک بڑا خاندان سادات کرام کا ہے جس کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے واسطہ سے سیدنا

۱۔ بڈولی میں قدیم زمانہ سے ہر دور میں مختلف بزرگوں کا قیام رہا، متعدد مزارات بھی موجود تھے۔ سب سے مشہور بزرگ جن کا مزار بھی موجود ہے شیخ بہرام چشتی تھے جو حضرت شیخ جلال تھانیسری کے خلیفہ اعظم تھے پیر و مرشد کی ہدایت کے مطابق برناوہ سے بڈولی آئے، وفات تک یہیں قیام پذیر تھے ۹۸۰ھ میں وفات ہوئی۔ تذکرہ اولیائے ہند۔ مرزا احمد اختر کیرانوی۔ ص ۱۵۶ جلد دوم (رشیدیہ دہلی : بلاسنہ)۔

ایک اور ممتاز بزرگ، شیخ عبدالحئی عرف شیخ جیوہ ہیں جو شاہ محمد غوث گوالیری کے ممتاز خلفاء میں تھے، وہ گوالیار سے دہلی آئے دہلی سے پانی پت پہنچے اور پانی پت سے بڈولی آگئے، یہیں رہے یہیں وفات ہوئی۔ از کارابرار، ترجمہ اردو، گلزار ابرار، غوثی شطاری۔ ص ۴۰۴، ۴۰۵۔ (لاہور :)

نیز شیخ بدھن جونپوری (دفن پانی پت) کے ایک خلیفہ شیخ ولی شطاری بھی بڈولی آگئے تھے، ان کی ۹۵۶ھ میں وفات ہوئی، ان کی متعدد خلفاء تھے جن میں شیخ قدن بھی شامل ہیں، جو شیخ علی قوام کے پیر و مرشد تھے۔ گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۲۸۷۔

اور بھی کئی نامور بزرگ اور اہل کمال بڈولی میں دفن ہیں، تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں۔ آتش لکھنوی کے ممتاز شاگرد اور اردو کے مشہور شاعر دوست علی خلیل لکھنوی (جو لکھنؤ میں رہنے کی وجہ سے لکھنوی نسبت مشہور ہوئے) بھی بڈولی کے رہنے والے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالقادر کے اخلاف کی متعدد شاخیں مختلف مقامات پر آباد ہیں۔ بڈولی میں موجود خاندان کا اس شاخ سے رابطہ ہے جسکا (سادات بڈولی کے شجرہ اور دوسری اطلاعات کے مطابق) برصغیر ہند پاکستان میں پہلا پڑاؤ شکر گڑھ ضلع گورداس پور کے ایک گاؤں میں ہوا، جس کا نام اکبر آباد رکھا گیا، جو اس وقت چک قاضیان کے نام سے موسوم ہے (۱)۔

میاں موضع اکبر پور (یا چک قاضیان) میں اس خاندان کے بزرگ ابوالمکارم تشریف لائے تھے۔ یہاں سے اس خاندان کی کئی اور شاخیں نکلیں جو اور دوسرے مقامات پر منتقل ہوئیں (۲) ان ہی میں سے ایک شاخ بڈولی کے اس خانوادۂ سادات کی ہے جس میں مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی کی ننھیال ہے۔

سید ابوالمکارم کے دو فرزند تھے، ابوالغنائم اور محمد رجل، موخر الذکر کی اولاد کی ایک شاخ بڈولی میں آباد ہوئی، سادات بڈولی ضلع مظفر نگر یوپی کے نسب نامہ میں ہے:

> "حضرت ابوالمکارم صاحب خاص عرب سے آئے لہذا ہندوستان میں مورث اعلی یہی ہوئے، آپ کے اوپر کے بزرگان کا سلسلہ ابھی نہیں ملا۔ ابوالمکارم کے دوسرے بیٹے ابوالغنائم کی اولاد

۱۔ شکرگڑھ کے اس خاندان کا متعدد مورخین اور تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے اور بعض مطبوعہ نسب ناموں میں بھی اس کا حوالہ ملتا ہے اس خاندان کے متعلق شکر گڑھ کے ایک ممتاز شخص سید بدیع الدین آغا شہید تھے۔ ان کا سلسلہ نسب اور اس خانوادہ کے متعلق متفرق روایتیں سید معروف شاہ صاحب نے بھی جو خود اس خاندان کے ایک فرد ہیں اپنی کتاب انوار السادات (سید پبلشرز لاہور: ۱۹۸۴ء) میں جمع کر دی ہیں، اگرچہ اس میں متعدد روایات مشتبہ معلوم ہوتی ہیں مگر دوسرے تاریخی ذرائع سے بحیثیت مجموعی اس خاندان و نسب کی تصدیق ہو رہی ہے۔

۲۔ اس خاندان کی متفرق شاخیں دہلی، ساڈھوارہ، مظفر نگر وغیرہ میں بھی آباد ہیں۔

صوبہ پنجاب میں بمقام شیر گڑھ مقیم ہوئی اور محمد رجل کی اولاد قصبہ بڈولی میں آباد ہوئی (۱)

مگر اس خانوادے کی تاریخ اور ممتاز شخصیات کا تذکرہ دستیاب نہیں، چونکہ قصبہ بڈولی جو آباد و پر رونق قصبہ تھا (۱۹۱۶ء میں) دریائے جمنا کے اچانک رخ بدل لینے کی وجہ سے ڈوب کر تقریباً بے نام و نشان ہوگیا تھا۔ اس وقت اس بستی کی تاریخ اور علمی اثاثہ بھی بڑی تعداد میں ضائع ہوا، یہاں کے اکثر افراد یا اس حادثہ کی نذر ہوئے یا یہاں سے کوچ کر گئے، اس لیے اس خاندان کی تفصیلات نہیں ملیں۔

خاندان سادات بڈولی کے جو نسب نامے راقم سطور کی دسترس میں ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عالم کے آخری دور میں اس خاندان کے ایک ممتاز شخص قاضی سید عطا حسین تھے۔ ان کے دو بیٹے اور ایک دختر تھیں، بیٹے قاضی سید خادم حسین اور سید تفضل حسین اور بیٹی (جن کا نام درج نہیں) مولانا خلیل الرحمن کیرانوی کی زوجہ اور برصغیر ہندو پاکستان کے بطل جلیل، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی والدہ ماجدہ تھیں۔

سید تفضل حسین کا نکاح مولانا عبدالرحیم تھانوی کی دختر محبوباً سے ہوا ان سے تین بیٹے اور ایک بیٹی تولد ہوئیں، بیٹی مسماۃ بانو کا نکاح محمد صدیق خلف حکیم علی اکبر (برخوردار مولانا رحمت اللہ کیرانوی) سے ہوا، ان کے بیٹے مولانا محمد سعید تھے۔ تفضل حسین کے فرزندان عبدالحئی، عبدالقیوم اور عبدالصمد تھے، اول الذکر مولوی عبدالحئی خانوادۂ حضرت شاہ ولی اللہ کے علماء سے مستفید اور غالباً حضرت شاہ محمد اسحاق کے شاگرد تھے۔ مولوی عبدالحئی کا نکاح حضرت مفتی الٰہی بخش کے پوتے احمد علی (خلف مولانا ابوالقاسم بن حضرت مفتی الٰہی بخش) کی دختر محمود النساء سے ہوا، ان سے ایک فرزند عبدالحمید تولد ہوئے۔

مولانا حکیم عبدالحمید جید فاضل اور ماہر طبیب تھے، معالجات پر خاص

۱۔ اس نسب نامہ کی دو نقلیں ہمارے ذخیرہ میں موجود ہیں، دونوں پر سنہ کتابت درج نہیں، مگر یہ نقلیں پچاس ساٹھ سال سے زیادہ پرانی نہیں ہیں۔

دسترس تھی، فارسی کی استعداد نہایت عمدہ تھی اور شعر و سخن کا بھی ذوق تھا کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے، حمید تخلص تھا اردو کلام مرتب کیا تھا جس کے چند خستہ و شکستہ اوراق میری نظر سے گذرے ہیں۔

حکیم صاحب (شوال ۱۳۳۵ھ) ستمبر ۱۹۱۷ء تک بڑولی میں مقیم تھے، کاندھلہ کثرت سے آنا جانا ہوتا تھا اور کاندھلہ کے اعزہ بھی (جس میں مولانا محمد یحییٰ بھی شامل تھے) بڑولی آتے جاتے رہتے تھے۔ بڑولی میں بہت بڑی حویلی تھی زمینیں اور باغات تھے، اچانک بڑولی قصبہ کا برا وقت آگیا، دریائے جمنا نے جو بڑولی کے لیے سرحد اور حدِ فاصل کی حیثیت رکھتا تھا اچانک اپنا رخ بدل لیا اور راتوں رات قصبہ کی آبادی اور مکانات کو نگلنا شروع کردیا، دریا نے جس طرح آبادی کا رخ کیا اور تیزی سے آگے بڑھنا شروع کیا تھا (۱) اس سے معلوم ہوگیا تھا کہ دو تین دن میں حکیم عبدالحمید کا آبائی مکان بھی اس کی زد میں آجائے گا، حکیم صاحب نے بر وقت اس کا انتظام کیا اور ایک ڈیڑھ دن کی قلیل مدت میں اپنے گھر کا سب سامان چھکڑوں پر لدوا کر کاندھلہ بھیج دیا اور اپنی حویلی منہدم کرا کر اس کا بھی جو سامان قابل استعمال اور منتقل کئے جانے کے لائق تھا وہ بھی فوراً کاندھلہ پہنچوا دیا اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ کاندھلہ منتقل ہوگئے۔ سامان اور اہل خانہ کی منتقلی کا قصہ تین دن میں ۲۷ تا ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ (۱۵ تا ۱۸ ستمبر ۱۹۱۷ء) میں مکمل ہوگیا تھا، اس کے غالباً ایک ہی دن بعد جمنا کا پانی اس محلہ میں داخل ہوگیا جہاں حکیم صاحب کی حویلی تھی، اور آہستہ آہستہ یہ پورا محلہ بلکہ تمام قصبہ دریا کی نذر ہوگیا، اب بڑولی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس سے اس کی پچھلی عظمت و حیثیت کا معمولی سا اندازہ بھی نہیں ہوسکتا۔

کاندھلہ آکر حکیم صاحب نے اپنے لیے قصبہ کے مکانات سے کسی قدر فاصلے

۱۔ بڑولی جمنا کے بالکل کنارے پر ہونے کی وجہ سے بار بار تباہی کا شکار ہوئی، مغلوں کے دور میں بھی ایک ایسا ہی حادثہ پیش آیا تھا، اس وقت شیخ بہرام برناوہ سے بڑولی آئے تھے۔ اس کے بعد بھی ۱۸۹۰ء میں اور اس سے پہلے ایسے واقعات پیش آتے رہے۔

پر ایک شاندار عمدہ مکان اور اس سے ملحق ایک مسجد کی تعمیر کا اہتمام کیا ایک سال اس کی تعمیر میں خرچ ہوا ۱۱ جنوری ۱۹۱۹ء کو اس مکان میں منتقل ہوگئے یہ مکان حمید منزل کے نام سے متعارف ہے۔

حکیم عبد الحمید اور ان کے اہل خانہ اس مکان میں فروکش ہوئے، حکیم صاحب کا مطب شروع ہوا اور چند ہی برسوں میں حکیم صاحب کاندھلہ اور نواح کے لوگوں میں مقبول و محبوب بن گئے، مطب کو خوب عروج و فروغ حاصل ہوا اور "حمید منزل" اہل علم وذوق کی ایک قابل ذکر نشست گاہ بن گئی، سرشام وہاں علمی محفلیں منعقد ہوتیں، شعر و ادب کے چرچے ہوتے اور ادبی تہذیبی معاملات پر بات چیت کی جاتی تھی ——— حضرت مولانا انعام الحسن کا بچپن اسی مکان میں گذرا مولانا اکرام الحسن بھی اکثر یہیں رہتے تھے۔ اسی میں مولانا انعام الحسن نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور حکیم عبدالرشید ذوقی مرحوم کی وفات تک ان کا اس مکان (حمید منزل) سے دن رات صبح و شام مستقل رابطہ رہتا تھا۔

نکاح اور اولاد حکیم عبد الحمید کا (مولانا انعام الحسن کے دادا) حکیم محمد ابراہیم کی دختر امت الحفیظ سے نکاح ہوا، دو بیٹے اور چار بیٹیاں تولد ہوئیں :

۱۔ محمود الحسن : ولادت ۴/ربیع الثانی ۱۳۱۳ھ، ۱۴/ستمبر ۱۸۹۵ء وفات ۳۰/ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ، ۳/جنوری ۱۹۷۶ء۔

۲۔ عبد الرشید : ولادت یکم ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ، ۳۰/ستمبر ۱۹۱۶ء وفات ۲۴/ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ، ۱۳/مارچ ۱۹۴۸ء

۱۔ امت العظیم : جو سب سے بڑی اولاد تھیں زوجہ مولانا اکرام الحسن والدہ مولانا انعام الحسن

۲۔ صالحہ : (زوجہ پروفیسر محمد عثمان کاندھلوی، پروفیسر ریاضی، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ و پرنسپل جہاں زیب کالج پشاور)

۳۔ سعیدہ : (زوجہ اول، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی)

۴۔ ذکیہ سلطانہ عرف قیصر (زوجہ مولانا محمد سلیم عثمانی کیرانوی مکہ مکرمہ)

ماشاءاللہ سب بیٹیوں کی اولاد موجود ہے مگر افسوس کہ حکیم صاحب کی پسری اولاد کا سلسلہ نہیں چلا۔

وفات ۲۰/رجب ۱۳۵۳ھ، ۱۹/نومبر ۱۹۳۴ء کو کاندھلہ میں وفات ہوئی۔

سہ ماہی احوال و آثار کاندھلہ۔ اپریل تا دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۷ء،

۱ محمد ← ۲ قاسم ← ۳ عبدالرحمن ← ۴ عبداللہ ← ۵ محمد ← ۶ قاسم ← ۷ نفر

۸ قاسم ← ۹ حسین ← ۱۰ سعد ← علویہ ← ۱۲ عبداللہ ← ۱۳ محمد ← ۱۴ عبداللہ ← ۱۵ ابوجعفر محمد ← ۱۶ عوض ← ۱۷ عمر

حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ ۱۸

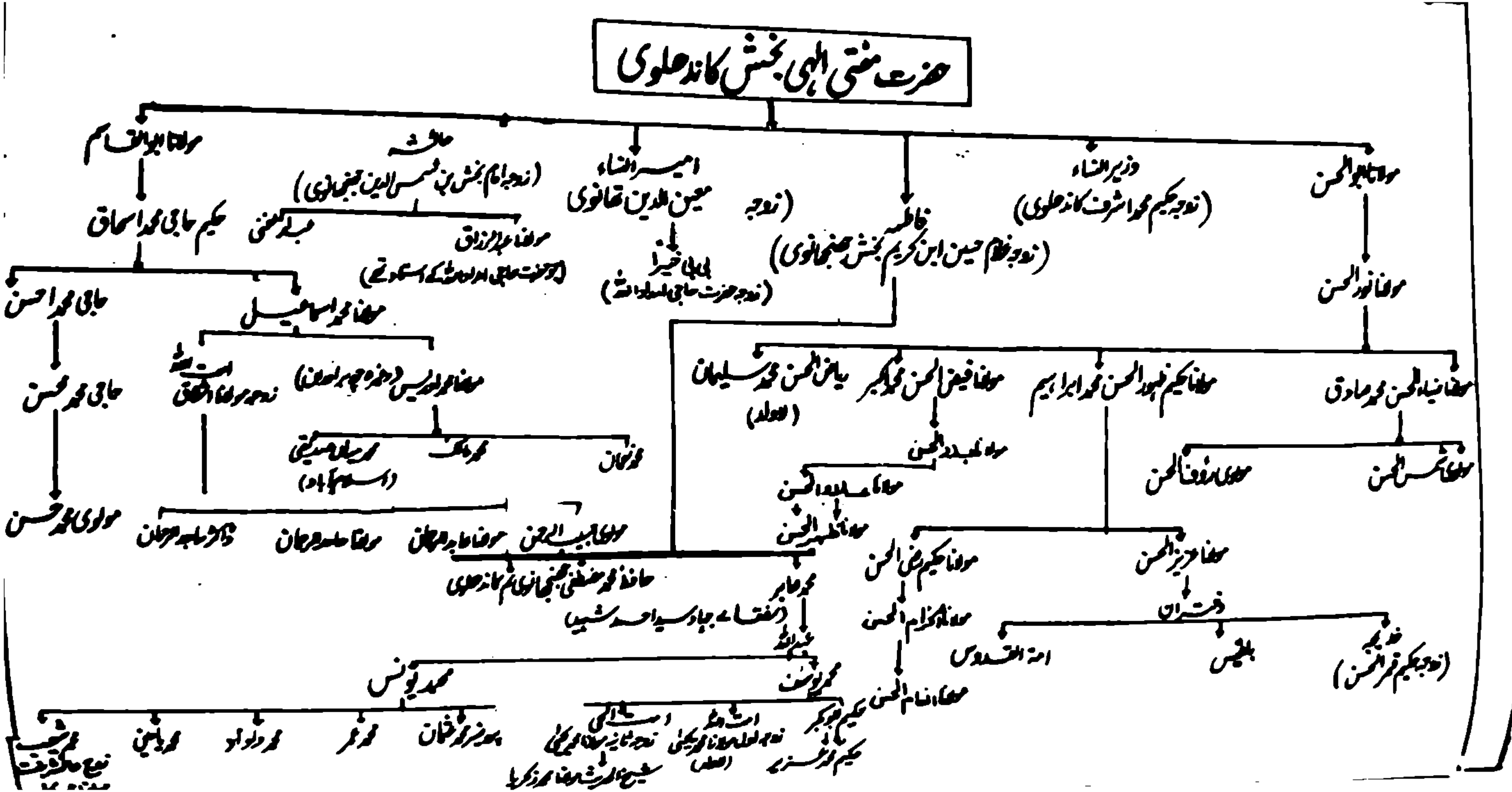
۱۹ امام حاج ← ۲۰ امام تاج الدین مذکر ← ۲۱ قاضی کریم الدین مذکر ← ۲۲ شیخ محمد

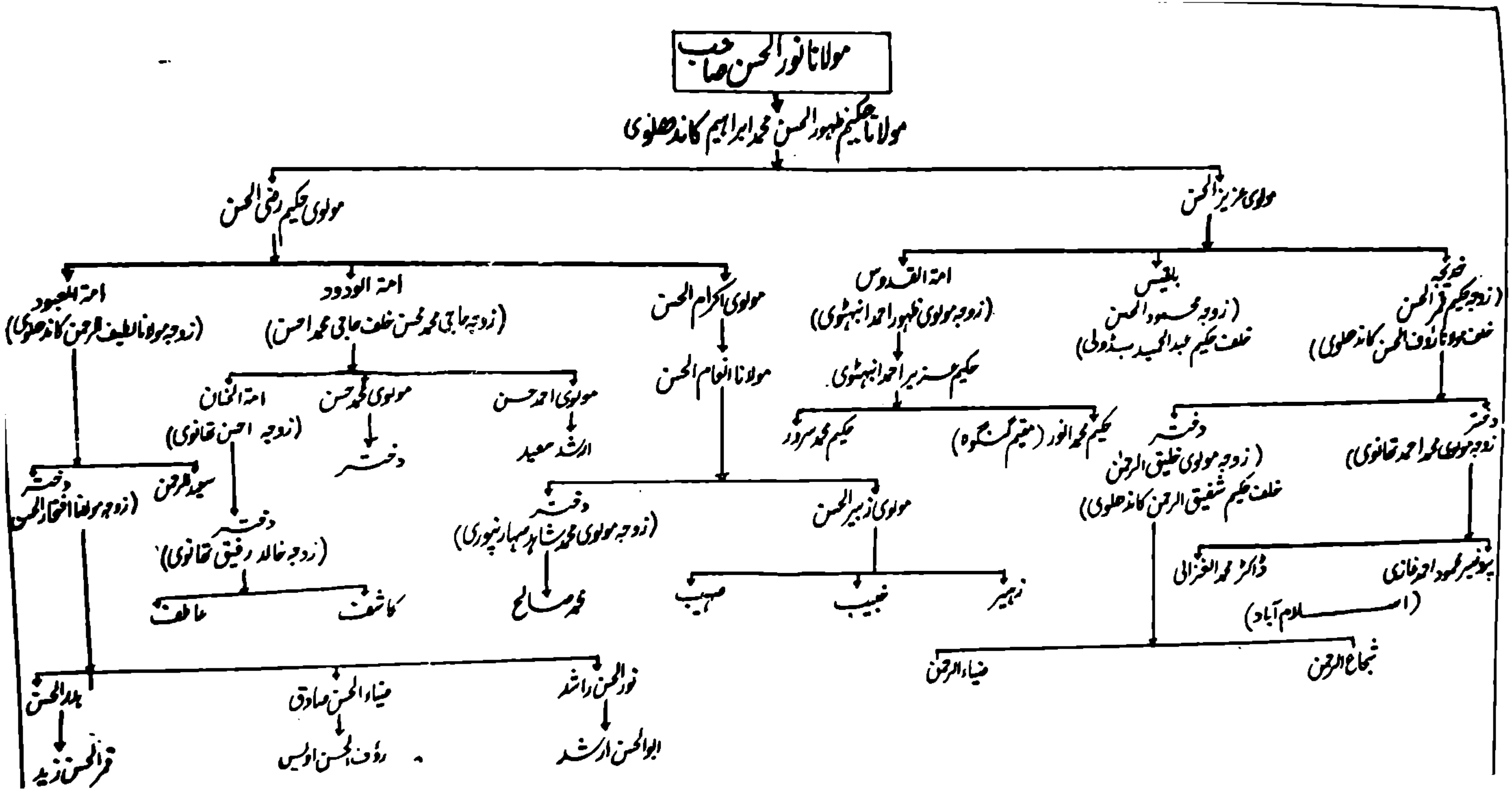
۲۳ قاضی بہاء الدین ← ۲۴ نور محمد عرف بابن شاہ ← ۲۵ جمال الدین

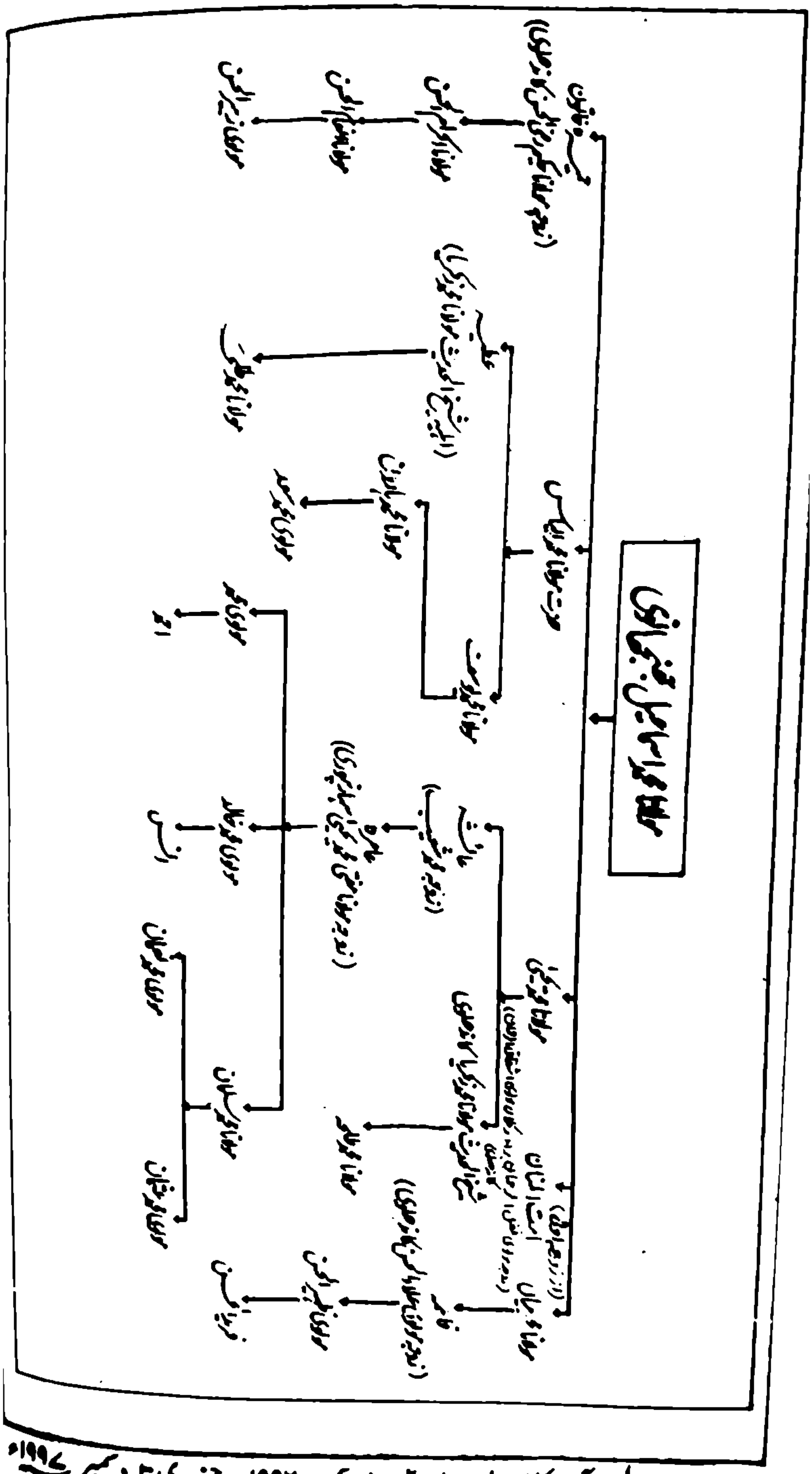
مولانا محمد اشرف جھنجھانوی ۲۶

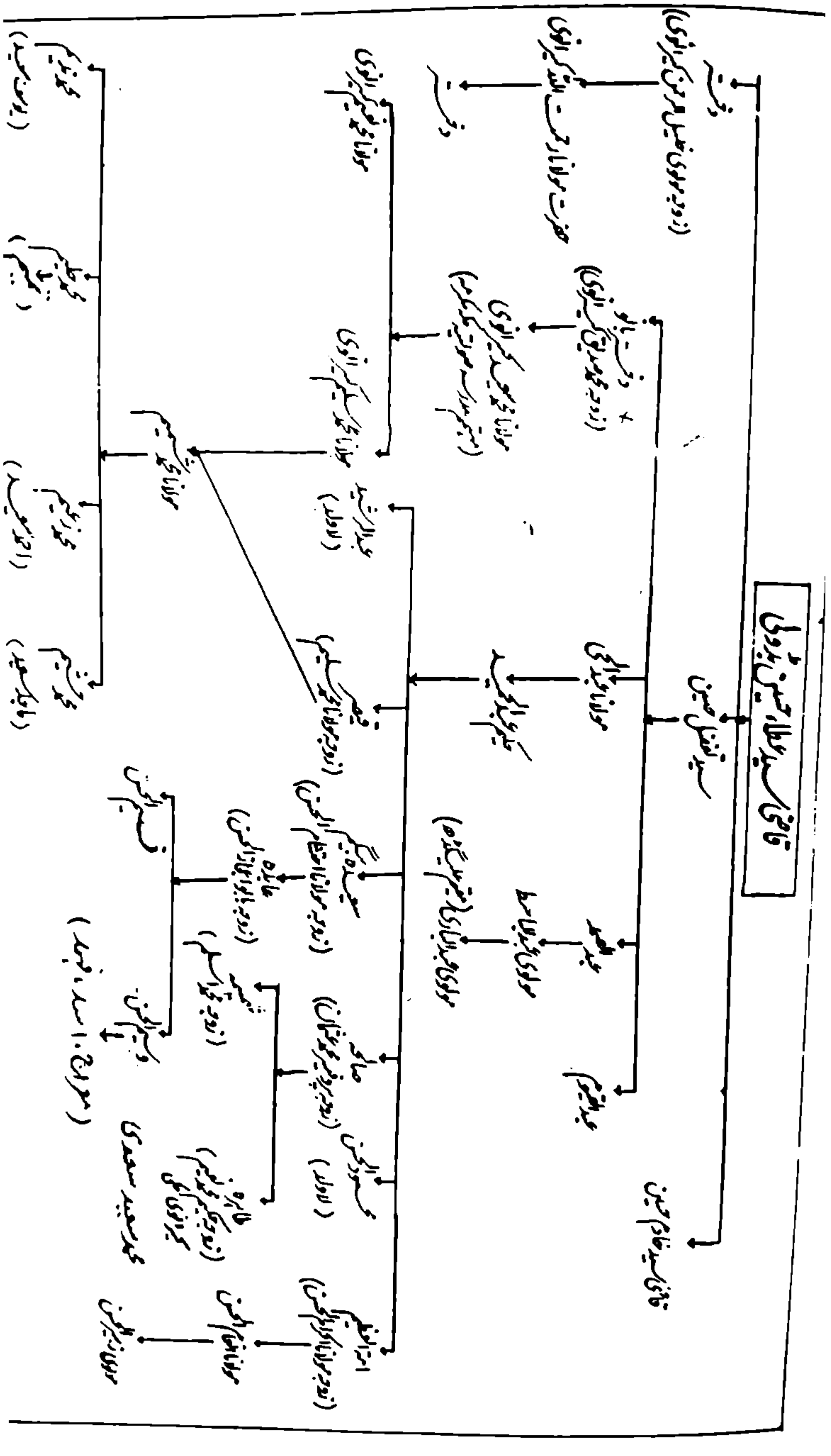
۲۷ محمد شریف ← ۲۸ حکیم عبدالقادر ← ۲۹ حکیم قطب الدین ← ۳۰ مولانا محمد عرف شیخ الاسلام

خاتم مثنوی مولانا روم حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی ۳۱ رحمہم اللہ


حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی
مولانا ابوالقاسم
عائشہ (زوجہ امام بخش بن شمس الدین جھنجھانوی)
امیر النساء (زوجہ معین الدین تھانوی)
فاطمہ (زوجہ غلام حسین ابن کریم بخش جھنجھانوی)
وزیر النساء (زوجہ حکیم محمد اشرف کاندھلوی)
مولانا ابوالحسن
حکیم حاجی محمد اسحاق
عبد الغنی
مولانا عبد الرزاق
بی بی خیرا (زوجہ حضرت حاجی امداد اللہ)
مولانا نور الحسن
حاجی محمد احسن
مولانا محمد اسماعیل
حاجی محمد محسن
مولوی محمد حسن
امۃ اللہ (زوجہ مولانا محمد اسحاق)
مولانا محمد ادریس
محمد سلیمان صدیقی (اسلام آباد)
محمد ملک
محمد نعمان
مولانا فیض الحسن محمد اکبر
ریاض الحسن محمد سلیمان (لاولد)
مولانا حکیم ظہور الحسن محمد ابراہیم
مولانا ضیاء الحسن محمد صادق
مولانا عبد الحسن
مولوی رؤف الحسن
مولانا شمس الحسن
مولانا محمد الحسن
مولانا طیب الحسن
مولانا حبیب الرحمٰن
مولانا عابد الرحمٰن
مولانا حامد الرحمٰن
ڈاکٹر ساجد الرحمٰن
حافظ محمد مصطفیٰ جھنجھانوی ثم کاندھلوی
محمد صابر
(رفقائے جہاد سید احمد شہید)
عبد اللہ
مولانا حکیم رضی الحسن
مولانا عزیز الحسن
مولانا اکرام الحسن
دختران
خدیجہ (زوجہ حکیم قمر الحسن)
بلقیس
امۃ القدوس
مولانا انعام الحسن
محمد یوسف
محمد یونس
حکیم محمد اکبر
حکیم محمد نصیر
امۃ الرحمٰن (زوجہ مولانا محمد یحییٰ) (اہلیہ)
امۃ الہادی (زوجہ ثانیہ مولانا محمد یحییٰ)
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا
محمد طیب
محمد ولی اللہ
محمد عمر
محمد یٰسین
نبیرہ محمد عثمان
محمد شعیب


مولانا نور الحسن صاحب
مولانا حکیم ظہور الحسن محمد ابراہیم کاندھلوی
مولوی حکیم رضی الحسن
مولوی عزیز الحسن
امۃ المعبود
(زوجہ مولانا لطیف الرحمن کاندھلوی)
امۃ الودود
(زوجہ حاجی محمد محسن خلف حاجی محمد احسن)
مولوی اکرام الحسن
امۃ القدوس
(زوجہ مولوی ظہور احمد انبہٹوی)
بلقیس
(زوجہ محمود الحسن
خلف حکیم عبد الحمید سنبھلی)
خدیجہ
(زوجہ حکیم قمر الحسن
خلف مولانا رؤف الحسن کاندھلوی)
امۃ الحنان
(زوجہ احسن تھانوی)
مولوی محمد حسن
مولوی احمد حسن
مولانا انعام الحسن
حکیم عزیز احمد انبہٹوی
دختر
ارشد سعید
حکیم محمد سرور
حکیم محمد انور (مقیم گنگوہ)
دختر
(زوجہ مولوی خلیق الرحمن
خلف حکیم شفیق الرحمن کاندھلوی)
دختر
زوجہ مولوی محمد احمد تھانوی
دختر
(زوجہ مولانا افتخار الحسن
سعید الرحمن
دختر
(زوجہ خالد رفیق تھانوی)
دختر
(زوجہ مولوی محمد شاہد سہارنپوری)
مولوی زبیر الحسن
پروفیسر محمود احمد غازی
(اسلام آباد)
ڈاکٹر محمد الغزالی
عاطف
کاشف
محمد صالح
صہیب
شعیب
زہیر
ضیاء الرحمن
شجاع الرحمن
بدر الحسن
ضیاء الحسن صادق
نور الحسن راشد
قمر الحسن زید
رؤف الحسن اویس
ابو الحسن ارشد




قاضی سید عطاء حسین بڈولی
دختر (زوجہ مولوی خلیل الرحمن کیرانوی)
حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی
دختر
سید تفضل حسین
قاضی سید خادم حسین
دختر بانو (زوجہ محمد صدیق کیرانوی)
مولانا محمد سعید کیرانوی (مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ)
مولانا عبدالحی
حکیم عبدالحمید
عبدالصمد
مولوی عبدالباسط
مولوی عبدالباری (مقیم علیگڑھ)
عبدالقیوم
مولانا محمد نعیم کیرانوی
مولانا محمد سلیم کیرانوی
عبدالرشید (لاولد)
قیصر (زوجہ مولانا محمد سلیم)
سعیدہ بیگم (زوجہ مولانا احتشام الحسن)
عابدہ (زوجہ بابو اعجاز الحسن)
صالحہ (زوجہ پروفیسر محمد عثمان)
محمود الحسن (لاولد)
امۃ العظیم (زوجہ مولانا اکرام الحسن)
مولانا انعام الحسن
مولوی زبیر الحسن
شمیمہ (زوجہ محمد اسلم)
طاہرہ (زوجہ حکیم محمد نعیم کیرانوی مکی)
محمد سعید سعدی
قسیم الحسن
وسیم الحسن
(معراج، اسد، فہد)
مولانا محمد شمیم
محمد ندیم (یوسف سعید)
محمد حلیم (تمیم)
محمد زعیم (احمد سعید)
محمد حشیم (ماجد سعید)

معیار فضیلت صرف اخلاق و کردار ہے

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو ۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے ۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

الحجرات : ۱۳

○

حاجی اشرف بھائی نورانی

سورت ، گجرات

آخری شمع

حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ

ولادت ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء وفات ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۵ء

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلّی نہ صفاہاں نہ سمر قند

☆

نیک طینت نیک ذات و نیک خو
خوش نگاہ و خوش مزاج و خوش شعار

ہم بہ صورت ہم بہ سیرت سر بلند
ہم بہ باطن ہم بہ ظاہر باوقار

پیر در فکر و بہ ہمت نوجواں
زابتدائے کار تا انجام کار

در شب عاشورہ رحلت کرد او
سرفرو کردہ بحکم کردگار

○

(یہ اشعار صوفی تبسم کے ہیں جو انھوں نے اپنے ایک دوست کی وفات پر کہے تھے۔ آخری شعر کے پہلے مصرعہ میں شبِ برات، تھا شب عاشورہ کی ترمیم کی گئی ہے)

مولانا انعام الحسن کاندھلوی
ولادت سے امارت تک

مولانا اکرام الحسن کے گھر میں ۸ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ ۲۰ فروری ۱۹۱۸ء کو بدھ کے دن صبح ۹ بجے ایک فرزند تولد ہوا۔ دادا صاحب مولانا رضی الحسن کو اطلاع دی گئی، خوشی کا اظہار کیا، دعاؤں سے نوازا اور اس واقعہ کا اپنے روزنامچہ میں ان الفاظ میں اندراج کیا۔

بوقت نواختن نہ بخانہ اکرام الحسن پسرے تولد شد
"اللهم طول عمره وارزقه خير الدنيا والآخرة واجعله
سعيدا في الدارين"
۹ بجے اکرام الحسن کے گھر میں بیٹا پیدا ہوا۔ اے اللہ اس کی عمر
طویل فرما اور اس کو دنیا و آخرت میں نیک بخت فرما، اور اس کو
دونوں جہان میں کامیاب (وسرفراز) فرما۔

ساتویں دن سہ شنبہ ۱۴ جمادی الاولی ۲۶ فروری کو عقیقہ مسنونہ ہوا، دو نام تجویز کئے گئے انعام الحسن اور اعجاز الحسن۔ پہلا نام پسند کیا گیا اور وہی مشہور ہوا۔

مولانا انعام الحسن کے بچپن کا اکثر وقت اپنے نانا مولانا حکیم عبدالحمید کے سایۂ عاطفت میں انکے مکان حمید منزل میں گزرتا اسوقت مولانا کی والدہ حکیم صاحب کی اہلیہ کی معذوری اور گھریلو ضروریات کی وجہ سے اکثر وہیں رہتی تھیں۔

مولانا عبدالحمید سے حرف شناسی سیکھی اردو کی مشق کی تختی بھی وہی لکھواتے تھے۔

قرآن شریف کی تعلیم و تکمیل | جب کچھ سمجھ دار ہو گئے تو کاندھلہ میں جامع مسجد کے قدیم مدرسہ میں جہاں اس وقت اعلیٰ عربی درسیات کے علاوہ قرآن پاک

۔۔ ماہ احوال و آثار کاندھلہ۔ اپریل تا دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۷ء

کی نہایت عمدہ اور اعلی درجہ کی تعلیم ہوتی تھی، داخل کئے گئے۔ مدرسہ میں دو استاد قرآن شریف پڑھاتے تھے جس میں حضرت حافظ رحیم بخش عرف حافظ منگتو نہایت بابرکت اور عالی مرتبہ استاد تھے، مولانا انعام الحسن ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا، حفظ مکمل ہوچکا تھا دَور کر رہے تھے کہ حضرت استاذ حافظ منگتو صاحب معمولی بیماری کے بعد انتقال کر گئے۔

حافظ رحیم بخش صاحب عرف حافظ منگتو | کاندھلہ کی نیل گر برادری کے فرد تھے، بہت عمدہ حافظ، خوش اوقات شخص (اور ان کے اہل خاندان کی روایت کے مطابق) حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے بیعت تھے مگر پہلوانی اور کبھی کبھی کشتی لڑنے کا شوق کرتے تھے، ایسے ہی ایک موقع پر جب وہ مولانا محمد اسماعیل صاحب کے پاس دعاء تعویذ کے لیے آئے تھے مولانا نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ اس کشتی کے بعد یہ مشغلہ چھوڑدیں گے اور قرآن شریف کی تعلیم میں مشغول ہوجائیں گے، حافظ صاحب نے اس وعدہ کا پوری طرح پاس کیا اور اس کے بعد مولانا کے حسب ہدایت جامع مسجد کاندھلہ کے درجہ حفظ میں قرآن شریف کی خدمت و تعلیم میں پوری طرح مصروف ہوگئے۔

حافظ منگتو صاحب کے اس مدرسہ میں تقرر کی صحیح تاریخ معلوم نہیں، لیکن ان کے شاگردوں کی سب سے پہلی جماعت میں حضرت مولانا محمد الیاس (ولادت: ۱۳۰۲ھ) شامل تھے اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ حافظ صاحب کا اس مدرسہ میں تقرر تقریبا ۱۳۱۰ھ میں ہوا ہوگا۔ حافظ صاحب نے اس وقت سے وفات تک نہایت توجہ اور یکسوئی سے قرآن کریم کی خدمت انجام دی۔ تقرر کے وقت دو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی تھی، آہستہ آہستہ اس میں اضافہ ہوتا رہا آخر میں پچیس روپے ماہانہ ہوگئی تھی جو اس زمانہ میں ایک معقول تنخواہ تھی۔ اس تنخواہ کا اہتمام مولانا محمد سلیمان فرماتے تھے مولانا کی بیاض اور تحریرات میں اس کا اندراج ہے۔

مولانا محمد سلیمان کی وفات کے بعد تنخواہ کی ادائیگی اور مدرسہ کی نگرانی مولانا حکیم رضی الحسن کرتے تھے۔ مدرسہ کے طلبا خصوصا حافظ صاحب کے شاگردوں کا ایک رجسٹر تھا یہ رجسٹر اور مدرسہ کے اخراجات کا حساب و کتاب مولانا رضی الحسن کی

تحویل میں رہتا تھا۔ اس رجسٹر میں حافظ صاحب کے تقریباً چار سو شاگردوں کے نام درج تھے۔ حافظ منگتو صاحب کے ایک شاگرد حکیم حافظ محمد عثمان صاحب کاندھلوی (جو ماشاء اللہ حیات ہیں اور اس وقت کراچی میں مقیم ہیں) کہتے ہیں کہ یہ رجسٹر مولانا رضی الحسن صاحب کے یہاں سے لانے، لے جانے اور اس میں نئے شاگردوں کے نام درج کرنے کی خدمت میرے سپرد تھی اور اس رجسٹر میں کسی شاگرد کا نام اس وقت تک درج نہیں ہوتا تھا جب تک وہ ایک محراب ایسی نہ سنا دیں جس سے حافظ صاحب مطمئن ہوں، جو شاگرد اس درجہ کے نہیں تھے ان کا نام اس فہرست میں لکھا ہی نہیں جاتا تھا۔

حضرت حافظ منگتو صاحب کا تمام اہل قصبہ اور خانوادۂ شیوخ کے بزرگ و اکابر بھی نہایت احترام کرتے تھے، وہ سب حضرات بھی جو علم میں، عمر میں یا عرف میں بڑے مشہور تھے وہ سب بھی حافظ صاحب سے بزرگوں جیسا معاملہ فرماتے تھے۔

حافظ صاحب کو اللہ تعالی نے خاص ہیبت اور وقار مرحمت فرمایا تھا، بڑے بڑے رؤساء اور غضبناک اشخاص کو ان کے سامنے بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ دینی کمال بھی اس درجہ کا تھا کہ چالیس سال تک ایک مرتبہ کے علاوہ تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی۔

حافظ منگتو صاحب کی تقریباً نوے سال کی عمر میں ۱۳۴۷ھ کے (۱۹۲۸ء) پہلے چھ مہینے میں کسی وقت وفات ہوئی۔ کاندھلہ سے کیرانہ جانے والی سڑک پر شمالی جانب اپنی باغیچی میں دفن کئے گئے (۱)

حافظ منگتو صاحب کی وفات کے بعد مدرسہ کے دوسرے استاد کے پاس قرآن شریف کا دور پورا کیا، دو شنبہ ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ، (۱۱ مارچ ۱۹۲۹ء) کو

۱۔ باغیچہ موجودہ پولیس اسٹیشن کے سامنے تھا، اب یہ تمام قطعہ آراضی فروخت ہو چکا ہے، مکان بن گئے ہیں، وہ حصہ بھی جہاں حافظ صاحب کا مزار تھا فروخت ہو چکا ہے، مگر ابھی تک مزار کا محل وقوع معلوم ہے، ضرورت ہے کہ اس کا احاطہ کر کے اس کو محفوظ کر دیا جائے۔

ختم قرآن شریف کی تقریب منعقد ہوئی۔ مولانا حکیم رضی الحسن صاحب نے اس مبارک و پر مسرت موقع پر مرحوم استاذ حافظ منگتو صاحب کے ورثاء اور دوسرے استادوں کو نوازا۔ حافظ منگتو صاحب کے اہل خانہ کو پچاس روپیے عنایت کئے۔ دوسرے دونوں استادوں کو پچیس پچیس روپئے دئے گئے۔ مولانا رضی الحسن نے اپنے روز نامچہ میں لکھا ہے:

"ختم کلام مجید بر خور دار عین الحسن و انعام الحسن در مسجد محلہ و تقسیم شیرینی و دعوت اطفال مدرسہ ......

پنجاہ روپیہ بورثہ حافظ رحیم بخش، و پنجاہ روپیہ ہر دو حافظ دادہ شدند"

(آج) برخوردار عین الحسن اور انعام الحسن کا محلہ کی مسجد میں قرآن شریف ختم ہوا، شیرینی تقسیم کی گئی اور مدرسہ کے بچوں کی دعوت کی گئی۔

پچاس روپئے حافظ رحیم بخش کے اہل خانہ کو اور پچاس روپئے دونوں حافظوں کو دیئے گئے۔

فارسی کی ابتدائی تعلیم | قرآن شریف کی تعلیم کے ساتھ ہی فارسی اور اردو کی تعلیم بھی شروع ہو گئی تھی۔ مولانا حکیم عبدالحمید نے ابتدائی کتابیں، اصول صرف و نحو اور بوستاں تک فارسی کی تمام کتابیں پڑھائیں۔ چند سبق مولانا رضی الحسن سے بھی پڑھے۔

عربی تعلیم کے لیے نظام الدین کا پہلا سفر | فارسی درسیات مکمل کرنے کے بعد عربی تعلیم حضرت مولانا محمد الیاس سے حاصل کرنے کا مشورہ ہوا۔ مولانا محمد الیاس ربیع الاول سنہ ۱۳۳۹ھ/ اگست ۱۹۲۰ء میں تھانہ بھون ہوتے ہوئے کاندھلہ آئے۔ اسی سفر کے موقع پر مولانا محمد الیاس کی کاندھلہ سے نظام الدین واپسی کے وقت ۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ دو شنبہ ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء کو تیرہ سال کی عمر میں عربی تعلیم کے لیے پہلی مرتبہ نظام الدین کا سفر ہوا۔ مولانا حکیم رضی الحسن کے روز نامچہ میں یہ اطلاع ان الفاظ میں درج ہے:

"برخوردار انعام الحسن ہمراہ مولوی الیاس برائے تعلیم نظام الدین رفت"۔

نظام الدین آنے سے پہلے فارسی وغیرہ پڑھ چکے تھے۔ اس لیے میزان

الصرف سے نظام الدین میں تعلیم شروع کی میزان الصرف کے ساتھ اور کیا کتابیں پڑھیں اور بعد میں اسباق اور کتابوں کی کیا ترتیب رہی اس کی تفصیلات سے پہلے مناسب ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس کے خاص طریقۂ تعلیم و تدریس کا کچھ تذکرہ ہوجائے۔

حضرت مولانا محمد الیاس کا طریقۂ تعلیم

مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کی ابتدائی درسیات کی تعلیم کے زمانہ تک تبلیغی کام بہت محدود پیمانہ پر تھا اس کا عمومی سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا اور اس وقت تک حضرت مولانا محمد الیاس کے اوقات کا خاص حصہ طلبہ کی تعلیم و تربیت میں گذرتا تھا۔ حضرت مولانا کا قدیم علماء کے طریقہ کے مطابق تعلیم کا خاص انداز تھا، مولانا کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ طالب علم زیادہ سے زیادہ محنت کرے، تمام اصول و قواعد حفظ کرے، ان کے اجراء کا طریقہ ذہن میں رکھے، قواعد کے صحیح استعمال سے خوب واقف ہو، ہر پہلو سے ان کا خوب اور بے تکلف استعمال کر سکے، اور جب سبق پڑھنے کے لیے استاد کے پاس آئے تو اس طرح آئے کہ وہ سبق کا ضروری حصہ خود ہی حل کر چکا ہو، استاد صرف اہم باتیں بتائے اور مختصر طور پر سمجھانے پر اکتفا کرے، حضرت مولانا کے اسی طریقۂ تعلیم کا حضرت مولانا کے متعدد شاگردوں کی اطلاعات اور بعض تحریرات سے بھی علم ہوتا ہے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے بھی حضرت مولانا کے طریقۂ تعلیم کا کئی جگہوں پر مختصر ذکر کیا ہے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"ان کا طرز تعلیم یہی تھا کہ میں مطالعہ دیکھ کر جاتا وہ آنکھ بند کئے ہوئے بیٹھے رہتے۔ جانے کے بعد ایک میں اور ایک میرا ساتھی ایک کتاب کھول کر ان کے سامنے رکھ دیتے اور سبق شروع کر دیتے اور اپنے ہی مطالعہ سے عبارت کا ترجمہ کرتے، سبق کا مدار اپنے مطالعہ پر تھا، معمولی غلطی پر رجشت کرتے اور فحش غلطی پر ایک انگلی سے کتاب بند کر دیتے، گویا سبق ندارد" (۱)۔ حضرت مولانا کے

۱۔ آپ بیتی شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب۔ آپ بیتی نمبر ص ۲۸ حصہ اول۔ آپ بیتی نمبر ۶، ص ۳۳ (یحیوی سہارنپور: ۱۹۸۴ء)

شاگردوں اور مختلف ذرائع سے راقم سطور کو جو معلومات حاصل ہیں انکا حاصل یہ ہے کہ:

حضرت مولانا نصاب تعلیم میں کسی خاص کتاب یا ترتیب کے پابند نہیں تھے۔ مولانا کے اصول تعلیم کے دو بنیادی مقصد تھے، طالب علم کی صلاحیتوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ طریقہ پر بیدار کرنا اور ابتدا ہی سے ان کو قرآن کریم، حدیث شریف اور سیرت نبوی سے وابستہ و آراستہ کرنا، مگر اس میں بھی قصیدہ بردہ کے علاوہ اور کتابیں متعین نہیں تھیں۔

کتابوں کی ترتیب اور تعداد میں طلبہ کے ذہن اور ضرورت کے لحاظ سے تبدیلی اور کمی زیادتی ہوتی رہتی تھی۔

ضروری نہیں تھا کہ جس طرح اور جس ترتیب سے جو کتابیں ایک جماعت کو پڑھائی گئیں۔ دوسرے سال بھی ان کا اسی ترتیب سے درس ہو۔

مولانا کے درس کی ایک اور خصوصیت بھی تھی کہ اگر ایک جماعت میں ۴ سات یا کم زیادہ ساتھی ہیں تو ضروری نہیں تھا کہ وہ اور سب کتابوں میں بھی اسی طرح ساتھ ہوں، ایک جماعت کے ایک طالب علم اور دوسری جماعت کے دو تین طالب علموں کی جماعت بنا کر ان کی صلاحیت کے مطابق ان کو کوئی اور کتاب شروع کرادیتے تھے۔

ایک ہی جماعت کے طلبا کو بعض کتابیں (خاص طور پر سیرت پاک اور حدیث کی ان کی ذہنی تربیت و تیاری کے لیے کبھی کبھی دو مرتبہ پڑھاتے، ایک مرتبہ کتاب کی تعلیم کا دور ختم ہوجاتا کسی اور ترتیب سے اس کو دوبارہ پڑھاتے۔

یہی طریقہ تعلیم مولانا محمد یوسف و انعام الحسن کے ساتھ بھی رہا، مولانا محمد ادریس انصاری جو حضرت مولانا محمد یوسف کے ہم سبق ہیں، لکھتے ہیں:

"حضرت نے ہمیں میزان الصرف خود پڑھانی شروع کی، جس میں مولانا محمد یوسف، سید رضا حسن دہلوی، دہلی کے ایک بہت بڑے عالم میر محبوب علی کے پوتے، مولوی انعام اللہ مولانا عبد اللہ گنگوہی تیسیر المبتدی وغیرہ کے مصنف کے صاحبزادے اور راقم

الحروف شریک تھے گویا کہ صاحبزادگان کی یہ جماعت تھی جس کو حضرت مولا خود عربی پڑھانا چاہتے تھے اور بحمد اللہ اس جماعت کے سب شرکاء فارغ التحصیل ہوئے، حضرت مولانا نے پندرہ بیس دن میں میزان الصرف اپنے خاص طرز تعلیم پر ختم کرادی"۔(۱)

مولانا محمد ادریس اپنے اسی مضمون میں چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

"میزان الصرف ختم ہوئی تو اس کے صیغوں کی اتنی مشق کرادی کہ ماضی مضارع، امر، نہی، فاعل، مفعول اسم آلہ وظرف وغیرہ پر ہم سب ساتھیوں کو پورا پورا عبور ہوگیا، کسی بھی مصدر سے ماضی مضارع امرونہی وغیرہ ہم بے تکلف بنا لیتے تھے اور کسی کے بھی صیغے بنا لینے ہمیں مشکل نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اس کے بعد ہمیں منشعب شروع کرائی اور اس کے ثلاثی مجرد و مزید کے ابواب پر اس قدر ہم سے محنت کرائی کہ منشعب پڑھ کر مجرد سے مزید اور مزید سے مجرد بنانے میں ہمیں پورا پورا ملکہ حاصل ہوگیا۔ ازاں بعد حضرت نے جماعت کو صرف میر شروع کرائی اور جب ہمیں تعلیلات اور ہفت اقسام کی پوری پوری مشق ہوگئی تو صرف میر کے ساتھ پنج گنج دوسرے استادوں سے شروع کرائی گئی"(۲)

جس وقت یہ جماعت پنج گنج پڑھ رہی تھی اسوقت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نظام الدین تشریف لائے، حضرت مولانا محمد الیاس نے شیخ الحدیث صاحب کو اس جماعت کی صرف کی کتابوں کا امتحان لینے کی ہدایت کی۔

جب صرف کے اصول و قواعد خوب حفظ اور یاد ہوگئے اس کے بعد نحو میر کی ابتدا ہوئی۔ نحو کے قواعد حضرت مولانا کس طرح یاد کراتے تھے اور کس طرح اپنے شاگردوں کو قرآن شریف اور احادیث شریفہ کے سمجھنے کا عملی سبق دیتے تھے اس

۱۔ حضرت جی نمبر ہفت روزہ خدام الدین لاہور۔ ۴ جون ۱۹۶۵ء ص ۲۸۔

۲۔ حوالہ بالا۔

کی تفصیل بھی مولانا ادریس انصاری کے الفاظ میں پڑھئے:

"پھر حضرت نے ہمیں نحو میر شروع کرائی، اس کتاب پر بھی حضرت نے اپنی عادت کے مطابق ہم سے بڑی محنت کرائی اور صرف کے اصول کی حفاظت کے لیے قرآن شریف کے الفاظ لکھانے شروع کر دیئے، اسکی خانہ پری کے لیے کاپی دی، اسمیں ہمیں صیغہ، بحث، مادہ، ہفت اقسام کی خانہ پری کرنی ہوتی تھی۔ اسطرح غالباً چھ پارہ تک حضرت نے قرآن پاک کے الفاظ ہمیں کاپی پر لکھائے جس سے ایک تو ہماری صرف پختہ ہو گئی دوسرے قرآنی الفاظ کے ترجمہ سے کافی واقفیت ہوگئی۔ نحو میر پڑھانے میں اچھا خاصہ وقت مشقوں پر خرچ فرماتے اور اسمیں ۱۱۶ اقسام منصرف غیر منصرف اسماء اشارات و موصولات وغیرہ اچھی طرح ہمارے ذہن نشین کرائے گئے" (۱)

حضرت مولانا محمد الیاس کے طریقہ تعلیم میں اسکا بھی اہتمام تھا کہ طالب علم شروع ہی سے سیرت پاک اور احادیث شریفہ سے واقف ہو، اسکے دل میں عشق نبوی کا شعلہ روشن کیاجائے اور اسکو نوعمری سے طریقۂ محنت پر ڈالا جائے۔ یہ ہمیشہ کا معمول تھا اور اس سال سبق پڑھنے والے یہ اپنے بچے تھے انکو ذات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے دائمی محبت کا سبق دینا اولین ضرورت تھی اسلیے پہلے قصیدہ بردہ حرفاحرفا پڑھایا جسمیں قصیدہ کی صرفی، نحوی، لغوی تحقیق اور اسکے ادبی محاسن و کمالات پر تبصرہ ہوتا تھا اسکے بعد قصیدہ بانت سعاد اور حضرت شاہ ولی اللہ کی چہل حدیث پڑھائی۔

مدرسہ کاشف العلوم میں تعلیم کے تین سال حضرت مولانا نے اپنے مزاج و معمول کے مطابق مولانا انعام الحسن صاحب سے درسی کتابوں پر خوب محنت کرائی عربی متوسطات (کافیہ وغیرہ) تک اکثر کتابیں اسی شان و اہتمام سے پڑھائیں۔ مدرسہ کاشف العلوم حضرت نظام الدین میں اس وقت حضرت مولانا محمد الیاس کے

۱۔ خدام الدین (حضرت جی نمبر) ص ۲۹۔

علاوہ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی ' مولانا منیر الدین میواتی نیز چند اور استاد بھی مختلف اوقات میں مدرس رہے مولانا انعام الحسن کے ان کے پاس بھی متفرق اسباق ہوتے رہے۔

مظاہر علوم سہارنپور میں پہلی بار داخلہ تین سال بنگلہ والی مسجد میں قیام رہا' اس دوران عربی صرف و نحو نیز ادب اور لغت سے واقفیت کے بنیادی اور اہم مرحلے طے ہوگئے تھے' کافیہ اور اس سے ملحق کتابیں خیروخوبی کے ساتھ مکمل کرچکے تھے کہ حضرت مولانا محمد الیاس نے سفر حج کا ارادہ کرلیا' اس سفر کا آغاز ۲۹ر شعبان ۱۳۵۱ھ (۲۹ دسمبر ۱۹۳۲ء) شب پنجشنبہ کو دہلی سے ریل کے ذریعہ کراچی روانگی سے ہوا' کیوں کہ حضرت مولانا کا حرمین شریفین میں طویل قیام کا ارادہ تھا (اس سفر سے ۷. جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ (۲۹ - اگست ۱۹۳۳ء) کو براہ راست سہارنپور واپسی ہوئی (i)) اس لیے طے ہوگیا تھا کہ اس سال مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھیں گے' دونوں صاحبان کا منصوبہ کے مطابق مظاہر علوم میں داخلہ ہوا۔

۱۶ شوال ۱۳۵۱ھ فروری ۱۹۳۲ء کو مولانا انعام الحسن صاحب اپنے والد مولانا اکرام الحسن کی نگرانی میں سہارنپور پہونچے' مولانا اکرام الحسن صاحب نے اپنی یاد داشت میں لکھا ہے:

> "ہمراہ برخوردار انعام الحسن سہارنپور رفتم برائے داخلہ کردن او' در مدرسہ مظاہر علوم"
>
> میں برخوردار انعام الحسن کے ساتھ سہارنپور گیا ان کا مظاہر علوم سہانپور میں داخلہ کرانے کے لیے

اس سال مولانا انعام الحسن نے مظاہر علوم میں کنز الدقائق' اصول الشاشی' شرح جامی' قطبی تصدیقات' میر قطبی' پڑھیں' ان کتابوں کے استادوں

---

۱ - بعض کتابوں میں حضرت مولانا محمد الیاس کی حجاز سے واپسی کی تاریخ ۲.جمادی الاول لکھی ہے وہ صحیح نہیں۔

کے اسمائے گرامی (بلا ترتیب) یہ ہیں:

۱۔ مولانا مفتی سعید احمد اجراڑوی
۲۔ مولانا عبدالشکور کامل پوری
۳۔ مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی
۴۔ مولانا علامہ صدیق احمد کشمیری

ان کتابوں میں مولانا انعام الحسن نے سالانہ امتحان میں یہ نمبرات حاصل کئے:

کنزالدقائق ۱۵۔ شرح جامی بحث اسم ۱۹۔
اصول الشاشی ۱۵۔ میر قطبی
قطبی تصدیقات ۱۵ (۱)

۱۳۵۲ھ (۱۹۳۴ء) میں نظام الدین میں قیام رہا اور حضرت مولانا کے خاص نصاب درس کے مطابق تعلیم میں مشغول رہے۔ نظام الدین کے اس سفر میں کیا کتابیں پڑھیں ان کی تفصیل معلوم نہیں، تاہم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے نام مولانا کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت معلول، حماسہ، ملاحسن اور حسامی پڑھ رہے تھے، مولانا کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"بندہ یہ عریضہ حضرت مولوی صاحب مدظلہ کے ارشاد سے تحریر کر رہا ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ بندہ کو یوسف وغیرہ کے ساتھ مسلم شریف و دیگر اسباق میں شریک کردوں، لیکن تنہا اپنی رائے سے میں شریک نہیں کرتا، بلکہ جناب کی رائے کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتا ہوں اور یہاں کسی سے میں یوں نہیں کہتا کہ کوئی سننے والا نہیں۔

آج کل بندہ کے جو اسباق ہیں حسب ذیل ہیں:

معلول، حماسہ، ملاحسن، حسامی، ہدایہ"۔

۱۔ روداد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۵۱ھ ص ۲۸۲ ــــــ اس سال مولانا محمد یوسف نے ہدایہ اولین، رشیدیہ، میبذی، سلم العلوم، اور میر قطبی پڑھیں ــــــ روداد ص ۲۷۷۔

لیکن اس مکتوب (اور بعض دوسرے ذرائع سے) بھی یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ معول اور حماسہ وغیرہ کے ساتھ مشکوۃ المصابیح اور جلالین وغیرہ بھی پڑھیں یا نہیں' اس سے پہلے پڑھ چکے تھے یا یہ کتابیں اس سال کے بعد میں زیر درس آئیں کچھ معلوم نہیں ۔ مولانا انعام الحسن صاحب کی ایک روایت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے مشکوۃ حضرت مولانا محمد یوسف کے ساتھ نہیں پڑھی ۔ مشکوۃ المصابیح کی ابتداء کی تاریخ راقم الحروف کو معلوم نہیں ۔ لیکن حضرت مولانا محمد الیاس نے مشکوۃ کا افتتاح حضرت شیخ کے انتظار میں کئی ماہ مؤخر کیا' حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں :

"چچا جان نور اللہ مرقدہ نے عزیزان مولانا یوسف صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اور مولانا انعام الحسن صاحب سلمہ کی مشکوۃ شریف کی بسم اللہ کئی ماہ تک موخر کی کہ مجھے اتفاقیہ حاضری میں دیر ہوتی رہی' اور پھر اپنی موجودگی میں باوجود میرے شدید انکار کے خود پاس بیٹھ کر مجھ سے (بسم اللہ) کرائی (۱)

مگر حضرت مولانا انعام کی مذکورہ بالا روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مشکوۃ مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن دونوں صاحبان نے علیحدہ پڑھی ' تاہم تفسیر جلالین دونوں نے مولانا احتشام الحسن سے ایک ساتھ پڑھی تھی ۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ مذکورہ تفصیلات سے اس عام غلط فہمی کی بھی تردید ہوجاتی ہے کہ مولانا انعام الحسن اور مولانا محمد یوسف شروع سے آخر تک تمام کتابوں میں ساتھ اور ہم سبق تھے ۔ اگرچہ مولانا انعام الحسن کی مولانا محمد یوسف سے نظام الدین کے سفر سے پہلے سے واقفیت اور دوستی تھی مگر مدرسہ کاشف العلوم اور حضرت مولانا محمد الیاس سے تعلیم کے وقت ایک دو کتابوں کے علاوہ اور اسباق میں رفاقت نہیں تھی ' جب مولانا انعام الحسن حضرت مولانا محمد الیاس کی خدمت میں پہلی بار (تعلیم کے لیے) آئے اور میزان الصرف شروع کی اس وقت

---

۱ - آپ بیتی ۵ ص ۱۹ -

مولانا محمد یوسف صاحب کافیہ وغیرہ پڑھتے تھے اور مشکوٰۃ شریف بھی مولانا انعام الحسن سے پہلے پڑھ چکے تھے اور جس سال مولانا انعام الحسن کے مشکوٰۃ کے سبق متوقع تھے اس سال مولانا محمد یوسف دورۂ حدیث صحیح مسلم وغیرہ پڑھ رہے تھے۔ مگر اس علمی تفاوت کے باوجود سہارنپور میں دورۂ حدیث کی تعلیم کے لیے دونوں نے مشکوٰۃ، جلالین و ہدایہ کا امتحان دیا اور ساتھ ہی دورہ میں شرکت کی۔

سہارنپور میں دورہ حدیث میں شرکت: ۲۲ شوال ۱۳۵۴ھ (جنوری ۱۹۳۶ء) کو داخلہ کے لیے دوبارہ مظاہر علوم سہارنپور گئے۔ جلالین، مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ اولین کا امتحان دیا، مولانا منظور احمد خاں صاحب نے امتحان لیا جو بلا رو رعایت سخت امتحان لینے کے لیے مشہور تھے، امتحان میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور دورۂ حدیث کامل طے ہوا(۱) دورۂ حدیث کے اسباق کی ترتیب یہ تھی:

۱۔ صحیح بخاری جلد اول، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی۔
۲۔ صحیح بخاری جلد دوم، حضرت مولانا عبداللطیف پور قاضوی۔
۳۔ صحیح مسلم، حضرت مولانا منظور احمد خاں سہارنپوری۔
۴۔ سنن ابوداؤد، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب۔
۵۔ سنن ترمذی، حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوری۔

مظاہر علوم میں دورۂ حدیث کی تعلیم کے وقت مولانا انعام الحسن صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی مثالی رفاقت کی تجدید اور اس کے اس دور کی ابتداء ہوئی جس کا مولانا محمد یوسف کی وفات پر اختتام ہوا۔

مظاہر علوم کے زمانہ تعلیم میں دونوں کی رفاقت مثالی تھی، تعلیم، مطالعہ اور محنت دونوں کا مقابلہ رہتا اور دونوں نے ایک نظام کے تحت شب بیداری کا معمول بنا رکھا تھا، ایک ساتھی شروع رات میں جاگتا دوسرا آدھی رات تک کے لیے سوجاتا، جب پہلے ساتھی کا وقت ختم ہوجاتا وہ دوسرے کو اٹھاتا، دونوں مل کر چائے پیتے اور اس وقت پہلا سو جاتا دوسرا صبح تک مطالعہ میں مشغول رہتا تھا۔

۱۔ رجسٹر داخلہ طلباء ۱۳۵۴ھ ۔ مظاہر علوم سہارنپور، محفوظہ محافظ خانہ، دفتر مظاہر علوم سہارنپور۔

ترتیب یہ تھی کہ ایک دن شروع رات میں مولانا محمد یوسف صاحب بیدار رہتے دوسرے دن مولانا انعام الحسن، یہی ترتیب آخر شب میں بھی تھی۔ مولانا انعام الحسن فرماتے تھے:

"ہم دونوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصہ میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا اور آدھی رات ہوجانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اور اس کے ساتھ چائے پی کر سو جائے گا اور اس دوسرے کے ذمہ ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لیے سونے والے ساتھی کو اٹھائے گا ایک دن مولانا محمد یوسف صاحب شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی (۱)"۔

مولانا انعام الحسن کے علاوہ اس سال دورۂ حدیث شریف کی جماعت مولانا محمد یوسف اور انتالیس طلباء پر مشتمل تھی، چند اصحاب کے نام یہاں درج کئے جاتے ہیں:

حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئی، مولوی محمد یعقوب رسول پوری، مولوی مسیح الدین الہ آبادی مولانا خلیل الرحمن نعمانی (کراچی)، مولوی محمد یٰسین سنبھلی، مولانا نظام الدین اعظمی، مولوی محمد اصغر اعظمی، مولوی محمد عمر پشاوری، مولانا محمد ادریس انبہٹوی، مولوی اللہ بخش ڈیرہ غازی خاں، مولوی سید قطب الاسلام مونگیری، مولوی قاضی مظہر الدین بلگرامی، مولوی برہان الدین ترکستانی، مولوی اصغر علی گیاوی وغیرہ (۲) (سالانہ امتحان میں مولوی محمد یعقوب پسر حافظ محمد اسلم رسول پوری اول آئے تھے)

۱۔ سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی، مرتبہ مولانا محمد ثانی حسنی ص ۱۷۰ (لکھنؤ: ۱۳۸۷ھ)۔

۲۔ شرکاء دورۂ حدیث کی مکمل فہرست کے لیے ملاحظہ ہو، روداد مدرسہ مظاہر علوم ۵۵-۱۳۵۴ھ ص ۳۷، تا ۳۹، نیز تاریخ مظاہر مرتبہ مولانا محمد شاہد سہارنپوری ص ۱۷۳، ۱۷۲ (سہارنپور: ۱۳۹۲ھ)۔

مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن دونوں کا اپنی جماعت کے ممتاز طلباء میں شمار ہوتا تھا، دونوں کی عمدہ صلاحیت اور علمی ذوق کا عمومی علم سہ ماہی امتحان کے موقع پر ہوا، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے بلند ہمت طلباء کی حوصلہ افزائی کے لئے یہ اعلان لکھ کر مدرسہ میں آویزاں کرادیا تھا کہ:

"جو شخص ابوداؤد میں سب سے زیادہ نمبر پاس بلا شرکت غیرے کماوے اس کو بذل کامل بادامی انعام بندہ کی طرف سے موعود ہے اور بشرکت غیرے جتنے بھی شرکاء ہوں سب کو ایک ایک کوکب دری کامل موعود ہے۔ تاریخ اعلان ۲۵ محرم سنہ ۵۵ھ (۱)

سہ ماہی امتحان معمول کے مطابق ہوا، اس میں درج ذیل چار صاحبان کے اٹھارہ اٹھارہ نمبر آئے۔

مولانا محمد یوسف، مولانا انعام الحسن، مولانا ابرار الحق ہردوئی (۲) اور مولانا منظور احمد بھاول پوری۔

حضرت شیخ الحدیث کی تحریر و اندراج کے مطابق پہلے دو کے اصل اور آخری دو کے رعایتی نمبر تھے مگر حضرت شیخ نے اپنے اعلان کے مطابق چاروں

۱۔ تاریخ کبیر، جس میں شیخ الحدیث صاحب نے چودہویں صدی ہجری کے ہر ایک سال کے لیے ایک ورق خاص کر کے اسی سال کے متعلق مختلف واقعات و معلومات یاد داشت کے طور پر قلم بند کئے ہیں۔ مثلاً امتحان کے اعلان اور انعام میں لوگ عنایت کرنے کی تفصیل ۱۳۵۵ھ کے واقعات میں درج ہے۔ مگر یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں، اس کو شیخ کی تاریخی بیاض کہنا موزوں ہوگا مگر چونکہ حضرت شیخ نے اس کا نام بیاضِ کبیر رکھا تھا اور حضرت شیخ کی آپ بیتی میں نیز دوسری کئی کتابوں اور مضامین میں اس کا حوالہ تاریخِ کبیر کے نام سے درج ہے، اس لیے ہم نے بھی اس کا وہی نام برقرار رکھا ہے۔

۲۔ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ اس سال دورۂ حدیث شریف کے سہ ماہی اور ششماہی امتحانات میں شریک تھے، ششماہی میں حضرت شیخ نے بذل المجہود شرح سنن ابوداؤد کا مکمل نسخہ انعام میں دینے کا اعلان کیا تھا، ششماہی امتحان میں مولانا شاہ ابرار الحق کے نمبر سب سے بڑھے ہوئے تھے، لہذا بذل مکمل نسخہ مولانا ابرار الحق صاحب کو دیا گیا۔ سالانہ امتحان کے موقع پر مولانا ابرار الحق صاحب بیمار ہوگئے تھے اس لیے امتحان میں شریک نہیں تھے۔ ملاحظہ ہو، روداد ۵۵۔ ۱۳۵۴ھ۔

ساتھیوں کو "کوکب دری" بطور انعام عنایت فرمائی۔

خیال تھا کہ تعلیمی سال خیر و عافیت سے اسی طرح علمی ترقیات کے ساتھ پورا ہوگا مگر مولانا محمد یوسف کی طبیعت ناساز چل رہی تھی مولانا کے دائیں ہاتھ میں ایک زخم ہو گیا تھا اس کا آپریشن بھی ہوا، دوا علاج بھی جاری رہا مگر اس سے پورا فائدہ نہیں ہوا، حضرت مولانا محمد الیاس بھی مناسب علاج پر متوجہ فرماتے رہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں:

"مولوی یوسف کی طرف اپنی نظر کو اس طرح رکھیں کہ ظاہری تدبیر کی بھی حفاظت رکھتے ہوئے (یعنی معالجین کو اپنی نگرانی میں دکھانے کا اہتمام کرتے ہوئے) اپنی ہمت اور دعا کو اللہ سے اس کے مانگنے کے واسطے متعلق رکھیں" (۱)

حضرت شیخ نے نگرانی فرمائی، علاج معالجہ کا اہتمام کیا مگر مولانا محمد یوسف کی صحت بحال نہیں ہوئی، بیماری میں اضافہ ہوتا رہا، مقامی علاج سے فائدہ نہیں ہوا۔ اس وقت حضرت مولانا محمد الیاس کی رائے یہ ہوئی کہ یہ دونوں صاحبان نظام الدین واپس آجائیں؛ وہیں مولانا محمد یوسف کا علاج ہو اور وہیں دورۂ حدیث مکمل کر لیا جائے، حضرت مولانا کے مشورہ کے مطابق سہارنپور کا تعلیمی سال ناقص چھوڑ کر دونوں ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ (۲۰ جولائی ۱۹۳۶ء) کو نظام الدین واپس چلے گئے (۲)۔ حضرت شیخ نے آپ بیتی میں اس کا مفصل تذکرہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ جب عزیزان مولانا یوسف مرحوم، مولانا انعام صاحب سلمہ یہاں دورہ پڑھتے تھے تو عزیز یوسف مرحوم کے داہنے ہاتھ میں زخم ہو گیا شگاف آیا اور بہت ہی مرحوم کو تکلیف اٹھانی

۱۔ اکابر کے خطوط، مرتبہ مولانا محمد شاہد سہارنپوری (سہارنپور: ۱۳۹۵ھ)۔

۲۔ سہارنپور سے واپسی کی تاریخ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، کی تاریخ کبیر (مخطوطہ) میں درج ہے مظاہر علوم میں تعلیم اور درمیانی سال میں تعلیم مکمل کئے بغیر نظام الدین واپس آنے کا حضرت مولانا محمد یوسف نے "مقدمہ امانی الاحبار" میں بھی مختصراً ذکر کیا ہے۔ امانی الاحبار، جلد اول ص ۶۷ (دہلی: ۱۳۰۹ھ)۔

پڑی، سال کا ختم تھا جمادی الثانیہ آگیا چچا جان نے ارشاد فرمایا کہ سال تو قریب الختم ہے کتابیں پوری ہو گئیں، معمولی سی رہ گئی ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ لڑکوں کو ساتھ لیتا جاؤں، تمہاری کیا رائے ہے۔ میں نے عرض کیا اللہ کا شکر ہے عزیز یوسف کو افاقہ ہے، دو چار روز میں انشاء اللہ اچھا ہو جائے گا امتحان قریب ہے اس میں شرکت مناسب ہے چچا جان میری عدم موافقت رائے پر ناراض ہوئے اور خود رائی پر خوب ڈانٹا(۱)۔

دونوں صاحبان چونکہ مظاہر علوم کا قیام اور تعلیم ترک کر کے نظام الدین واپس چلے گئے تھے اس لیے مظاہر علوم کی روداد (سنہ ۱۳۵۵ھ) میں سالانہ امتحان میں شریک نیز بیماری یا کسی اور وجہ سے غیر حاضر دونوں قسم کے طلباء کی فہرستوں میں مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کا نام درج نہیں ہے، اسلیے مظاہر علوم کے فضلاء اور فارغین میں ان دونوں صاحبان کا تذکرہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

دورۂ حدیث کی تکمیل حضرت مولانا محمد الیاس کی خدمت میں : نظام الدین پہنچ کر جب مولانا محمد یوسف کی صحت بحال ہوئی تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے ان کے اسباق شروع کروا دیئے، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور معانی الاثار (طحاوی) سبقاً سبقاً پڑھائیں، ایک اور سبق (جس کے پڑھانے کا مدارس دینیہ میں عموماً معمول نہیں) مستدرک حاکم کا ہوتا تھا، یہ آخری سبق عموماً فجر کی نماز سے پہلے تہجد کے وقت ہوتا تھا، سب کتابوں کے اسباق حضرت مولانا کی خدمت میں مکمل کئے۔

بچپن اور زمانۂ تعلیم کے شوق اور تفریحات | مولانا انعام الحسن نوعمری میں خاصے شریر تھے، ہم عمر بچوں پر خوب حکومت کرتے تھے اور جو ان کی حکومت سے

---

۱ - آپ بیتی ص ۱۱۱، ۴ میں یہ واقعہ جمادی الاولی کا لکھا ہے، چوں کہ تاریخ میں یہ تاریخ اسی وقت کی لکھی ہوئی ہے اس لیے بظاہر وہی صحیح ہے۔

انحراف کرتا بعض اوقات اس کا ایسا علاج کرتے کہ وہ توبہ کر لیتا ۔ مولانا کے نہایت قریبی عزیز مولانا عبدالباری کیرانوی (جو ماشاء اللہ حیات ہیں) اس وقت کے بعض واقعات سناتے ہیں جب مولانا انعام الحسن تقریباً دس سال اور مولانا عبدالباری صاحب آٹھ سال کے تھے ۔ مولانا انعام الحسن کی شرارتوں کی کیرانوی صاحب نے اپنے والد کے عم زاد، مولانا عبدالحمید سے شکایت کی، نانے ابّا نے مولانا انعام الحسن کو تنبیہ فرمائی، مولانا کو معلوم ہو گیا کہ یہ شکایت عبدالباری نے کی ہے ۔ مولانا انعام صاحب نے مولوی عبدالباری صاحب کے ساتھ ایک اور شرارت کی جس سے غالباً حکیم عبدالحمید صاحب کو یہ خیال ہوا کہ ان دونوں بچوں میں مقابلہ اور اختلاف شروع ہو جائے گا، اس لیے اس وقت عبدالباری صاحب کو کاندھلے سے ان کے والدین کے پاس کیرانہ بھیج دیا گیا (۱) کچھ دنوں کے بعد دونوں کے مراسم پھر ایسے ہی ہو گئے گویا کچھ بات ہی نہیں ہوئی تھی ۔

اگرچہ مولانا انعام الحسن کے والد، ماموں اور خاندان کے متعدد افراد سیر و شکار کے نہایت شوقین تھے اور مولانا اکرام الحسن بھی ماہر شکاری اور قادر انداز نشانہ باز تھے جس کی وجہ سے گھریلو مجلسوں میں روزانہ ہی شکار وغیرہ کے چرچے رہتے تھے، ہفتہ میں ایک دو مرتبہ شکار کے لیے سفر ہوتا اور تقریباً ہر مہینہ میں شکار کا ایک بڑا پروگرام پورے گروپ کے ساتھ ہوتا جو کئی دن کا ہوتا تھا، جس میں کبھی کبھی دور دراز کے سفر بھی ہوتے مگر مولانا انعام الحسن کو سیر و شکار دونوں سے دلچسپی نہیں تھی ۔

مولانا کو مطالعہ اور انگریزی کھیلوں کا ذوق تھا ۔ علی گڑھ میں تعلیم اور ایم اے او کالج سے مسلسل وابستگی کی وجہ سے خاندان کے متعدد بڑے اور (اس وقت کے) نوجوان فٹ بال، والی بال، ٹینس اور ہاکی کے شوقین تھے، قصبہ اور خاندان کے ہر عمر کے افراد کی علیحدہ علیحدہ ٹیم بنی ہوئی تھی جس میں ان کھیلوں کے

---

۱ - اس خاص شرارت کا قصہ مولانا عبدالباری صاحب (محلہ بنی اسرائیلان، علی گڑھ) نے لکھ کر عنایت کیا، میں ان کا ممنون ہوں ۔

ایسے کھلاڑی بھی تھے جنھوں نے علی گڑھ وغیرہ میں تعلیم کے زمانہ میں بڑے مقابلوں میں حصہ لیا تھا اور اس میں نام پایا تھا' اسی گروپ میں مولانا اکرام الحسن بھی شامل تھے' انکو والی بال' اور ہاکی کا شوق تھا اور اسکے بہت اچھے کھلاڑی تھے مولانا انعام الحسن کے ننہیالی مکان (حمید منزل) کے سامنے میدان میں روزانہ سرِ شام میچ ہوتے اور بعد میں کھلاڑیوں کی کارکردگی پر حمید منزل کی شبینہ محفلوں میں خوب خوب تبصرے بھی ہوتے تھے' اسلیے مولانا انعام الحسن کو بھی ان کھیلوں سے خاصی مناسبت اور انکا بہت شوق ہو گیا تھا' مولانا کو ہاکی سے دلچسپی تھی (اس وقت تک کرکٹ کا رواج زیادہ نہیں تھا) اور اسکے اچھے کھلاڑی ہوگئے تھے' بعد میں کرکٹ سے بھی مناسبت ہوگئی تھی' کرکٹ سے برائے نام اور معمولی سی وابستگی بہت عرصہ تک باقی رہی' تبلیغی جماعت کے امیر بننے کے بعد تک' جب کوئی میچ ہوتا اور اسمیں خاص طور سے ہندوستان کی کوئی ٹیم حصہ لے رہی ہوتی تو مولانا اسکی خبر رکھتے تھے' ایک صاحب میچ کے آخری نتائج سے مولانا کو مطلع رکھتے تھے۔

ہم عمروں کے ساتھ اور بھی تفریحات و مشاغل میں بھرپور حصہ لیتے تھے ان میں سے ایک دلچسپ مشغلہ اور مقابلہ جو کبھی کبھی ہوا کرتا تھا کھانے کا مقابلہ تھا۔ جب اپنے گھر یا خاندان کے قریب ترین اعزہ میں کوئی شادی یا کوئی اور بڑی تقریب ہوتی اس وقت اس پارٹی کی رگ شرارت پھڑک جاتی اور ہم عمروں میں مقابلہ طے ہوجاتا' اس وقت ہر ایک اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا' ایسا ہی ایک دلچسپ واقعہ مولانا حکیم عین الحسن کاندھلوی کی دعوت ولیمہ (ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مارچ ۱۹۴۳ء) کے موقعہ پر ہوا (حکیم عین الحسن صاحب خاندان کی نوجوانوں کی جماعت کے ایک اہم رکن تھے اور ہر قسم کی کارگزاری اور خدمات میں پیش پیش رہتے تھے' مولانا انعام الحسن اور حضرت مولانا محمد یوسف سے کچھ بڑے اور مولانا اظہار الحسن صاحب کے ہم سبق تھے)۔ پارٹی کے ایک ممبر کی شادی تھی' دعوت ولیمہ کا اہتمام ہو رہا تھا رات کا کھانا کھا کر سب فارغ ہوگئے تھے' خوب سیر ہو کر کھانا کھایا تھا کہ عشاء کے بعد یہ قافلہ وہاں پہونچا جہاں ولیمہ کے لیے کھانے کی دیگیں چڑھی ہوئی تھیں' مٹی کے پیالوں میں فیرینی جمی ہوئی تیار رکھی تھی وہیں مقابلہ

کی ٹھہر گئی۔ اللہ کے فضل و کرم سے وسائل کی فراوانی تھی۔ کسی چیز کے کم ہو جانے یا بڑوں کی (ایسے معاملات میں) باز پرس کا بھی اندیشہ نہیں تھا اس لیے بات طے ہوئی اور سب نے اس فیرینی پر ہلہ بول دیا۔ ایک صاحب نے چالیس پیالے نوش جاں فرمائے۔ ظاہر ہے وہی مقابلہ میں اول رہے (اگرچہ انھیں اس کی خاصی قیمت ادا کرنی پڑی۔ طبیعت ناساز ہوگئی۔ کئی دن کے بعد معمول کی زندگی بحال ہوئی مگر مقابلہ توجیت ہی لیا تھا) ان میں اور اس جیسے مقابلوں میں مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن بھی اپنے ہم عمروں کی ٹولی کے ساتھ پیش پیش رہتے اور اپنی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے۔

مولانا اظہار الحسن صاحب نے ایک مرتبہ ایسے کئی مقابلوں کے قصے سنائے اور کہا کہ:

"کھانے کے مقابلوں میں، مولانا محمد یوسف یا میں اول آتے تھے کبھی کبھی حکیم عین الحسن بھی اول آتے، مولانا انعام صاحب اکثر پھسڈی رہتے"

بے تکلفی سادگی اور اپنائیت کا یہ ماحول تقریباً ۱۹۵۰ء تک برقرار رہا، اس کے بعد نہ وہ لوگ رہے نہ وہ بات رہی۔

آپس کے بے تکلف مراسم اور محبت و اپنائیت کا ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ ایک خاندانی تقریب کے موقع پر مولانا انعام الحسن نظام الدین میں تھے ان کے ساتھیوں اور دوستوں نے ان کو اس تقریب میں شرکت کے لیے کاندھلہ بلایا تھا مگر وہ کسی مجبوری کی وجہ سے اس تقریب میں شرکت سے قاصر رہے یہاں کاندھلہ میں ان کی پارٹی کو یہ اطلاع ملی کہ مولانا کا اس تقریب میں شریک نہ ہونا بلاوجہ اور اپنی جماعت کی حکم عدولی کی وجہ سے ہے۔ ظاہر ہے دوستوں کو یہ گستاخی کہاں برداشت تھی، فوراً احباب و رفقاء کی ایک میٹنگ بلائی گئی جس میں اتفاق رائے سے طے ہوا کہ تقریب میں شریک نہ ہونے اور ہدایات کی خلاف ورزی کی سزا میں مولانا انعام الحسن صاحب کو اس مجلس کی رفاقت سے برخاست کیا جاتا ہے۔ اور طرفین کے تعلقات منقطع کئے جاتے ہیں۔ یہ تجویز باقاعدہ منظور ہوئی

اور مولانا کو نظام الدین دہلی بھیج دی گئی۔ حضرت مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن نے اس تفریحی تجویز کو بھی لائق توجہ خیال فرمایا اور اس کا باقاعدہ جواب بھیجا اور صاحب صدر سے گذارش کی کہ :

تمام افراد خاندان کو سنا کر مطمئن فرمادیں۔ اس جوابی تحریر کا عکس یہاں پیش کیا جا رہا ہے جس سے طرفین کی محبت، تعلقات اور بے تکلفی کا کچھ اندازہ ہو گا :

خاندان مفتی الٰہی بخش کے اجتماع میں جو احتجاجی رزولیشن پاس کیا۔ غور و خوض کے بعد یہ طے کیا گیا کہ یہ بے ضابطہ ہے اور قابل احتجاج نہیں، ہم نمایندگان باشندگان نظام الدین ہم تائید کرتے ہیں کہ انعام الحسن کا مولانا محمد یوسف صاحب کی معیت میں حاضر نہ ہونا کسی کبیدگی یا نا گواری یا لاابالی پن کی بنا پر نہیں تھا۔ بلکہ بعض وجوہ کی بنا پر اس وقت نظام الدین میں قیام ضروری تھا۔ اس لئے یہ احتجاج ناقابل سماعت ہے۔

[illegible] — محمد انعام الحسن غفرلہ — محمد یوسف غفرلہ

رئیس احمد غفرلہ

صاحب صدر سے التماس ہے کہ تمام افراد خاندان کو سنا کر مطمئن فرمادیں گے

حضرت مولانا محمد الیاس کی خدمت اور خطوط نویسی کی ذمہ داری

مولانا انعام الحسن تعلیم مکمل ہونے کے بعد بھی نظام الدین میں قیام پذیر رہے اور مولانا محمد الیاس کی وفات تک اکثر وقت حضرت مولانا کی خدمت میں علمی استفادہ اور مولانا کی ڈاک وغیرہ لکھنے میں گذارا کرتے تھے ۔ حضرت مولانا جب دہلی سے باہر تشریف لیجاتے تو ایسے اکثر موقعوں پر مولانا انعام الحسن خادم کی حیثیت سے حضرت مولانا کے ساتھ ہوتے ۔ حضرت مولانا کو مولانا انعام الحسن کی صلاحیتوں کا اعتراف تھا اور چاہتے تھے کہ مولانا محمد یوسف کی طرح مولانا کی بھی بہتر سے بہتر نگرانی اور تربیت ہو اور اس کے عمدہ سے عمدہ نتائج سامنے آئیں ۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے نام ایک گرامی نامہ سے اس تاثر کا اظہار ہوتا ہے ۔ لکھا ہے :

> "دوسرے مولوی انعام الحسن کے متعلق مجھے عرض کرنا ہے ۔ میں عزیز موصوف کو ایک گراں مایہ پونجی سمجھ رہا ہوں جس کے لیے اس وقت کی ابتدا اگر خراب ہوئی تو یہ سدا کے لیے ابتدا ہے ویسی ہی انتہا ہو گی ۔
>
> میں نہ ان کے رتی بھر ضیاع پر تیار اور نہ تمہارے اس انشراح صدر والی صورت کے علاوہ ذرہ بھر بھی خیر کا احتمال سمجھتا ہوں (۱)"

مولانا انعام الحسن، حضرت مولانا محمد الیاس کے سفر حج ۱۳۵۱ھ سے بھی پہلے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ۔ حضرت مولانا کی روزانہ خاصی تعداد میں ڈاک آتی ۔ جواب لکھوانے کا اہتمام تھا اور خود بھی حضرت مولانا اپنے احباب و تلامذہ اور تبلیغ سے وابستہ افراد کو کثرت سے خطوط لکھواتے تھے جو تازہ ہدایات اور تعلیم و تربیت کے مضمون پر مشتمل ہوتے تھے ۔ ایسے خطوط کا روزانہ خاصا ذخیرہ ہوتا تھا ۔ حضرت مولانا کی خدمت کے حاضر باش حضرات سے راقم سطور نے سنا ہے کہ کم سے کم دس بارہ خطوط روزانہ بہر حال لکھوائے جاتے تھے ۔ چونکہ حضرت مولانا محمد الیاس خوش قلم نہیں تھے اور بے تکلفی سے رواں لکھنے کی مشق

---

۱ ۔ اکابر کے خطوط ۔ مرتبہ مولانا محمد شاہد سہارنپوری ۔ (سہارنپور : ۱۳۹۵ھ) ۔

نہیں تھی، اس لیے یہ خدمت حضرت مولانا کے شاگرد اور نیاز مند خوش دلی اور محبت و احترام سے انجام دیتے تھے۔ خطوط لکھوانے کے لیے عموماً دو صاحبان حاضر رہتے، مولانا حبیب الرحمان صاحب اور مولانا انعام الحسن۔ کبھی کبھی دوسرے حضرات بھی اس خدمت کو انجام دیتے تھے مگر جب یہ دونوں صاحبان موجود ہوتے اس وقت دوسرے خدام سے عموماً یہ کام لینا پسند نہ فرماتے تھے۔

حضرت مولانا کے آخری سفر حج (ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ) میں مولانا محمد انعام الحسن ساتھ تھے، اس وقت حضرت مولانا مکہ مکرمہ، حجاز اور اس کے اطراف میں تبلیغی سلسلہ کے فروغ کے لیے نہایت فکر مند تھے اور ہندوستان کے تمام تبلیغی کارکنوں کی نگرانی اور اس سے مسلسل رابطہ کے لیے بھی متوجہ رہتے اور خطوط کے ذریعہ ان کی رہ نمائی اور تنبیہ و اصلاح فرماتے رہتے تھے مکہ مکرمہ میں عبادات سے فارغ تمام وقت اسی میں صرف ہوتا تھا۔ اس وقت بھی یہ خدمت مولانا انعام الحسن کے سپرد تھی، وہ صبح سے دوپہر تک حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر رہتے اور مولانا کے حسب ارشاد خطوط لکھتے رہتے، خطوط کی تعداد بھی زیادہ ہوتی اور اکثر کا مضمون بھی تفصیلی اور طویل ہوتا، لکھتے لکھتے مولانا کی انگلیاں درد کرنے لگتیں ہاتھ دکھ جاتا تھا مگر مولانا کے ارشادات کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ دل میں ایک آگ لگی ہوئی تھی، ایک بے چینی اور اضطراب کی کیفیت تھی جو حضرت مولانا کو مسلسل متوجہ اور مصروف رکھتی تھی، بہر حال اس وقت بھی مولانا انعام الحسن خطوط نویسی میں انہماک سے مشغول رہتے اور اس مصروفیت کی وجہ سے اکثر اوقات ان کے ضروری کام موخر یا ملتوی ہوجاتے، اپنی اس مصروفیت اور خطوط نویسی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مکہ مکرمہ سے (کاندھلہ کے اعزہ اور احباب کے لیے) ایک خط میں رقم طراز ہیں:

> "واللہ سچ کہتا ہوں کہ میں آپ حضرات کو مستقل ضرور خط لکھتا لیکن مجھے بالکل فرصت نہیں ہوتی۔ صبح سے شام تک مولوی جی کی ڈاک لکھتا رہتا ہوں۔ آٹھ روز گزر گئے آج ڈاک جانے کا دن اور ابھی ہنوز کئی خطوط لکھنے باقی ہیں آٹھ دس

خطوط کے جواب روزانہ چار چار پانچ پانچ صفحہ کے لکھنے پڑتے ہیں"(۱)

حج سے واپسی کے بعد سے حضرت مولانا کی وفات تک یہ خدمت اسی طرح مولانا انعام الحسن کے سپرد رہی۔ حضرت مولانا کے جو گرامی نامے (مجموعوں کی صورت میں یا متفرق طور پر) چھپے ہیں ان میں ایک تہائی سے زائد خط مولانا (انعام الحسن) کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔

سفر حج میں شب و روز حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر، خادم اور رفیق اور حضرت مولانا کے دست و بازو بنے رہے۔ سفر حج کے علاوہ بھی ہندوستان کے قیام میں متعدد تبلیغی اور غیر تبلیغی سفروں میں حضرت مولانا کے ساتھ رہے، خصوصاً جب حضرت مولانا کاندھلہ اپنے گھر اعزہ سے ملنے کے لیے تشریف لاتے یا سہارنپور جاتے اس وقت بھی مولانا انعام الحسن اکثر حضرت مولانا کے ہمراہ ہوتے تھے۔

سفر حج کے بعد حضرت مولانا کی زندگی کا آخری اور اہم ترین دور شروع ہوا جس میں دین کی تڑپ اور مسلمانوں کی دین اور اسلامی تعلیمات سے دوری کے درد اور اس کی اصلاح کی فکر و تدبیر نے مولانا کو بے چین کر رکھا تھا (حضرت مولانا محمد الیاس کی نظر میں اس وقت ایسا ایک ایک شخص جو خود کو اس خدمت اور مولانا کے طریقہ کار اور اصول سیکھنے سمجھنے کے لیے وقف کر دے نہایت قیمتی تھا)، مولانا انعام الحسن نے یہ تمام وقت حضرت مولانا کی خدمت میں بسر کیا، اس دوران کاندھلہ آنا جانا بھی رہتا تھا، مگر وہ ضرورتوں کی وجہ سے اور عارضی اور وقتی نوعیت کا ہوتا تھا۔ مولانا انعام الحسن بھی حضرت مولانا سے دور رہنا پسند نہیں فرماتے تھے اور ان کے والد ماجد کو بھی تقاضہ اور اہتمام رہتا تھا کہ مولانا اپنی مصروفیات سے فارغ ہو کر جلد حضرت مولانا کی خدمت میں پہنچیں۔

۱۔ مکتوب بنام مولانا اکرام الحسن صاحب محررہ ۲ محرم ۱۳۵۷ھ (مارچ: ۱۹۳۸ء)، مکمل خط زیر نظر اشاعت کے حصۂ مکتوبات میں درج ہے۔ اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد الیاس کے مکتوبات کے جو مجموعے اس وقت تک شائع ہوئے ہیں نیز جو غیر مطبوعہ خطوط دریافت ہیں وہ مولانا کے مکتوبات و افادات کا بہت چھوٹا سا، دسواں بیسواں حصہ ہیں۔

حضرت مولانا کی وفات کے وقت بالیں پر | حضرت مولانا محمد الیاس کی وفات کے وقت بھی مولانا انعام الحسن بالیں پر موجود تھے، حضرت مولانا نے آخری لمحات میں جو چند کلمات ارشاد فرمائے ان میں سے ایک، ایک دعا کے متعلق سوال تھا جو مولانا انعام الحسن صاحب سے کیا گیا تھا۔ فرمایا:

وہ دعا کس طرح ہے: اللہم ان مغفرتک؟

مولانا انعام الحسن نے پوری دعا یاد دلائی: اللہم ان مغفرتک اوسع من ذنوبی ورحمتک ارجی عندی من عملی (۱)

تبلیغی کام سے متعلق ابتدائی خیالات اور تبلیغ میں عملی شرکت کا آغاز | حضرت مولانا محمد الیاس پر تبلیغی کام کا غلبہ سنہ ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۶ء) میں ہوا اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ذوق اور جوش و خروش میں اضافہ ہوتا رہا۔ شروع شروع میں مولانا کے دو چار خاص احباب کے علاوہ بہت کم اعزہ اور شاگرد اس سے پوری طرح متفق تھے، مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن صاحب کے دن رات اگرچہ مولانا کے سایہ میں گذرے اور دونوں نے تمام تعلیم مولانا سے حاصل کی تھی مگر یہ دونوں صاحبان بھی (اس وقت) حضرت مولانا کے اس کام سے منشرح اور پوری طرح متفق نہیں تھے۔

حضرت مولانا محمد الیاس کے کمالات، اخلاص، دینی خدمات، تعلق مع اللہ اور علوئے مرتبت کا دونوں کو پوری طرح علم تھا اور دل کی گہرائیوں سے اس کا اعتراف بھی تھا اور دونوں حضرت مولانا کی ہر اک خدمت و فرمانبرداری کو سرمایہ فلاح دارین اور سعادت سمجھتے تھے، مگر حضرت مولانا کو تبلیغی کام میں جو انہماک تھا اور جس نظام و ترتیب پر حضرت مولانا تبلیغ کو لانا اور چلانا چاہتے تھے اس سے دونوں ہی صاحبان کو اتفاق و انشراح نہیں تھا، ان کو اس کام کی افادیت اور اس کے مختلف پہلوؤں پر علمی اعتراضات تھے۔ مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن دونوں کی یہی کیفیت تھی۔ حضرت مولانا محمد یوسف خالص علمی استدلالی رنگ

۱۔ حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص ۱۴۳۔

میں ڈوبے ہوئے تھے اور ہمہ وقت حدیث و سیرت کی کتابوں کے مطالعہ اور تحقیق میں مصروف رہتے تھے۔ اور حضرت مولانا الیاس کی عملی جدوجہد اور تبلیغی کام سے عموماً یکسو اور بے تعلق رہتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف نے اپنی اس کیفیت اور اس دور میں تبلیغی کام سے مانوس نہ ہونے کا ذاتی خطوط میں ذکر کیا ہے' ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر (آپ جیسے حضرات) اپنی جان کی قربانی دے جائیں اور یہاں کی تکالیف اور صعوبتیں' مصائب اور مشقتیں' نادانیاں اور جہالتیں اسلام کی خاطر گوارہ کر لی جائیں اور حتی الوسع اس میں گھس کر اصلاح کی کوششیں کی جاتی رہیں اور ان لوگوں کی بے عنوانیوں کو جنھوں نے موت کاارادہ کر لیا ہے اس طرح سے برداشت فرما جائیں جس طرح سے حضرت (مولانا محمد الیاس) اس کام سے بُعد' انحراف' اعراض' استخفاف کے اوقات میں برداشت کرتے تھے۔

انھوں نے اس وقت نبھایا جب ہم مخالفت پر اترے ہوئے تھے۔ آپ خدا کے واسطے' اللہ کے واسطے' بدلہ دینے والے کے واسطے' ایسے وقت میں نبھا جائیں جب کہ ہم سننے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں اور دل سے ماننا چاہتے ہیں۔ البتہ ان صورتوں کے پیش آنے کے وقت کہ جن کے پیش آنے کے اوقات میں ہم نے سہم کر ایک شیخ وقت کی ناقدری کی تھی اور ٹھکرایا تھا' ایک امام وقت کی بات کو اپنی باتوں میں رلا دینا شعار بنا لیا تھا' اب اگر اس صورت حال کے پیدا ہونے کے وقت اسکے کفارہ میں اسے کرگذریں تو اسے مخالفت نہ سمجھا جاوے' بلکہ معذوری کا درجہ قرار دیا جاوے"۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نام ایک گرامی نامہ میں اپنی اس کوتاہی کا کچھ اور وضاحت سے ذکر کیا ہے:

"میں نے ان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) کی کبھی نہیں سنی

جب کسی طبقہ کا افتتاح ہوتا میں سہم کر رہتا، جب کبھی جماعت جاتی میں ڈرتا، جب دعوت کا وقت آتا میری روح فنا ہوتی، جب کوئی حکم دیتے میں تعمیل سے قاصر رہتا، ہر مشورہ میں میری رائے حضرت شیخ کے ساتھ ہوتی اور میں ان کی (حضرت مولانا محمد الیاس کی) رائے کے خلاف بے باکی کے ساتھ کرتا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ علالت کے زمانہ میں فرمایا بھی، تم نے میری وہاں تک مانی جہاں تک شیخ نے، بڑی مشکل سے سخت خفا ہو کر گویا دھکے دے کر میوات کے گشت کے لیے روانہ کیا، دعوت دینی شروع کی، بہت کیفیات کے ساتھ سفر ختم ہوا۔ اس کے بعد طحاوی کی شرح نے غلبہ کیا اور وہ دعوت پھر مغلوب ہو گئی(۱)

مولانا انعام الحسن کا بھی تقریباً یہی حال تھا، اگرچہ مولانا کا بھی علمی ذوق بہت گہرا تھا اور وہ اپنے اوقات حضرت مولانا کی خدمت میں گذارتے تھے، مگر یہی سوالات و اشکالات مولانا کو بھی پریشان کرتے تھے، مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ حضرت مولانا محمد یوسف کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے اس عاجز سے بارہا اس واقعہ کا ذکر کیا کہ اس زمانہ میں تبلیغی کام اور اس سلسلہ کی بے پناہ نقل و حرکت کے بارے میں ان کو ذہنی طور پر بھی پورا شرح صدر نہیں تھا وہ جتنا کچھ ان دنوں اس سلسلہ میں کرتے اور حصہ لیتے تھے وہ اپنے والد ماجد اور شیخ و استاذ حضرت مولانا محمد الیاس کے حکم کی تعمیل میں اور ان کی خوشنودی کے لیے کرتے تھے"(۲)

یہی حالت و کیفیت مولانا انعام الحسن صاحب کی بھی تھی، دونوں ایک وادی کے مسافر اور ایک کشتی کے سوار تھے۔

۱۔ مکتوب بنام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، مندرجہ سوانح مولانا محمد یوسف ص ۱۸۵۔
۲۔ مولانا محمد یوسف نمبر، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ (طبع اول: ستمبر ۱۹۶۵ء)۔

حضرت مفتی محمود حسن کی حضرت مولانا الیاس کے ایماء پر دونوں حضرات سے طویل گفتگو

حضرت مولانا محمد الیاس کی خواہش تھی کہ یہ دونوں صاحبان حضرت مولانا کے معاون و ہم قدم ہوں ان کے مقاصد اور کام کے ہر اول دستہ کے رکن بنیں اور حضرت مولانا کے پیغام کو دور دور تک پہونچائیں حضرت مولانا ذاتی ہدایات و توجہ کے علاوہ اپنے معتمد علماء اور اکابر کے ذریعہ بھی اس کی کوشش فرماتے رہتے کہ یہ دونوں صاحبان تبلیغ سے وابستہ ہوں اور اپنی صلاحیت سے اس کو آگے بڑھائیں۔ حضرت مولانا نے یہی ہدایت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی کو بھی فرمائی کہ ان دونوں سے بات کرو۔ مفتی صاحب نے بات کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا حضرت مولانا کی دوبارہ ہدایت پر پھر کوشش کی گئی کئی مرتبہ کی ملاقاتوں اور طویل گفتگو کے بعد کچھ اطمینان ہوا آخر میں ایک اور نشست ہوئی جس میں مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن دونوں تشریف فرما تھے طویل سوال و جواب ہوئے جس میں دونوں صاحبان نے سوالات و اعتراضات پیش کئے اور حضرت مفتی صاحب نے ان کے حل کرنے کی کوشش فرمائی یہ اس سلسلہ کی آخری گفتگو تھی جو تقریباً چھ گھنٹے جاری رہی بالآخر دونوں صاحبان کو حضرت مولانا کے طریقہ کار، حضرت مولانا کی دینی فکر اور تبلیغی کام کے اکثر پہلوؤں کی جانب سے پورا اطمینان ہو گیا۔ مفتی صاحب نے حضرت مولانا محمد الیاس کو اس کی اطلاع دی حضرت مولانا نے اظہار مسرت فرمایا (۱)۔

میں وقتی شرکت کا معمول ہو گیا تھا آہستہ آہستہ اس میں ترقی ہوتی رہی اور دونوں

۱۔ یہ مفصل روداد، حضرت مفتی صاحب کے خلیفۂ خاص، مولانا مفتی محمد فاروق نے مفتی صاحب کے حوالہ سے سنائی۔ (الفاظ راقم سطور کے ہیں) نیز کہا کہ: مفتی صاحب کے ہر دوئی میں قیام کے زمانہ میں، ایک تبلیغی سفر کے دوران حضرت مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن صاحب مفتی صاحب کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ، جناب نے ہمیں تو اس کام میں لگا دیا اور خود علیحدہ ایک کونہ میں بیٹھ گئے، اس پر مفتی صاحب نے فرمایا: بھائی ویسے میں تمہارے ساتھ ہی ہوں، مگر میں کمزور آدمی ہوں۔ یہاں پڑا ہوا لوگوں کو مسئلے مسائل بتاتا رہتا ہوں، اس کام کے لیے ماشاء آپ حضرات کافی اور وافی ہیں۔ میں آپ جیسی ہمت و قوت کہاں سے لاؤں۔

کی تبلیغ میں دلچسپی بڑھتی گئی۔ کبھی کبھی حضرت مولانا محمد الیاس کے ساتھ سفر بھی فرمانے لگے اور کہیں کہیں مولانا محمد یوسف صاحب جلسوں میں تقریر بھی فرمانے لگے، مولانا محمد ثانی حسنی کے الفاظ میں :

"ان تقریروں کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب کی طبیعت کھلنے لگی اور انشراح قلب ہونے لگا' اب علمی مشغلہ کے ساتھ ساتھ تھوڑا بہت وقت تبلیغ میں بھی دینے لگے' لیکن اس میں والد کے حکم اور ارشاد کا بڑا دخل ہوتا' جب وہ فرماتے اور جہاں فرماتے سعادت مندی اور احترام میں چلے جاتے" (۱)

یہ حال صرف مولانا محمد یوسف کا نہیں تھا بلکہ مولانا انعام الحسن صاحب بھی جس طرح تبلیغ سے عدم انشراح اور اشکالات میں مولانا کے رفیق تھے اسی طرح اطمینان اور تبلیغی کام سے انس اور وابستگی میں بھی مولانا کے ساتھ رہے' جو کیفیت مولانا محمد یوسف کی تھی وہی مولانا انعام الحسن کے احوال تھے۔

پہلا بڑا تبلیغی سفر جب حضرت مولانا کو ان حضرات کی تبلیغ سے عملی دلچسپی اور صحیح طریقہ پر کام کے طریقہ کا علم ہوگیا اس وقت ان دونوں کو اپنے رفقاء کے ساتھ ایک مہینہ کے لیے تبلیغی سفر پر نکلنے کے لیے تیار فرمایا' حضرت مولانا کی یہ کوشش و توجہ پوری طرح بار آور ثابت ہوئی' حضرت مولانا کی ہدایت کے مطابق مولانا محمد یوسف کی قیادت میں میوات کے ایک مہینہ کے سفر کے لیے ایک جماعت کی تشکیل ہوئی' جس میں مولانا انعام الحسن' مولانا حکیم عین الحسن کاندھلوی اور کچھ وقت کے لیے مولانا اظہار الحسن صاحب بھی شامل تھے' یہ سفر ان سب کا پہلا بڑا تبلیغی سفر تھا' اس سے قدرتی طور پر حضرت مولانا محمد الیاس کو غیر معمولی خوشی ہوئی۔ اس قافلہ کی روانگی کا ذکر کرتے ہوئے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

عرصہ سے میرا اپنا یہ خیال ہے کہ جب تک علمی طبقہ کے حضرات

۱۔ سوانح مولانا محمد یوسف ص ۱۸۳۔

اشاعت دین کے لیے خود جا کر عوام کے دروازوں کو نہ کھٹکائیں اور عوام کی طرح یہ بھی گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس کام کے لیے گشت نہ کریں، اس وقت تک یہ کام درجۂ تکمیل کو نہیں پہونچ سکتا کیوں کہ عوام پر جو اثر اہل علم کے عمل و حرکت سے ہو گا وہ ان کی دھواں دھار تقریروں سے نہیں ہو سکتا، اپنے اسلاف کی زندگی سے بھی یہی نمایاں ہے جو کہ آپ حضرات اہل علم پر بخوبی روشن ہے۔ میں اپنے اسی نظریہ کے ماتحت ہمیشہ عزیزم مولوی یوسف صاحب کو اس سلسلہ میں نکلنے کے لیے کہتا رہا ہوں جس کے نتیجہ میں وہ کل بروز جمعرات چودہ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ بہمراہی عزیزم مولوی انعام الحسن، و عزیز مولوی عین الحسن صاحبان وغیرہ پورے ایک ماہ کے گشت کے لیے میوات تشریف لے گئے ہیں (۱)"۔

جیسا کہ اس خط میں ذکر ہے، اس سفر کا آغاز ۱۴ محرم ۱۳۶۲ھ (۲۱ جنوری ۱۹۴۳ء) کو ہوا ایک مہینہ کا یہ سفر روحانی کیفیات اور شرح صدر کے ساتھ پورا ہوا خود حضرت مولانا محمد یوسف نے ذکر فرمایا ہے:

"ایک مہینہ گشت کیا، دعوت دینی شروع کی، بہت کیفیات کے ساتھ سفر ختم ہوا"(۲)

سفر کراچی | میوات کے سفر کے تقریباً تین مہینہ کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس نے کراچی اور سندھ میں کام کرنے کے لیے ایک بڑی جماعت منتخب فرمائی، یہ قافلہ جو چھبیس افراد پر مشتمل تھا مولانا قاری سید حسن رضا دہلوی کی امارت میں ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۶۲ (۴ مئی ۱۹۴۳ء) دہلی سے ریل کے ذریعہ کراچی روانہ ہوا، اس جماعت میں حضرت مولانا محمد یوسف، حافظ مقبول گنگوہی اور مولانا انعام الحسن بھی شامل تھے اس جماعت نے سندھ خصوصاً کراچی میں کام کیا۔ مولانا اظہار الحسن کاندھلوی کو

۱۔ اکابر کے خطوط ص ۹۔

۲۔ مکتوبات بنام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، سوانح مولانا محمد یوسف صاحب ص ۱۷۵۔

بھی اس جماعت میں شریک ہونا تھا، لیکن وہ اپنی سسرال (۱) (بھاول پور) میں اہم تقریبات کی وجہ سے شروع سے اس کے ساتھ نہیں تھے، مولانا اظہار الحسن بھاول پور کی مصروفیات سے فراغت کے بعد مئی کے تیسرے ہفتہ میں اس جماعت میں شامل ہوئے (۲) اس وقت سے محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کا تبلیغ کے جلسوں میں شرکت اور جماعتوں کے ساتھ نکلنے کا معمول ہو گیا تھا۔

حضرت مولانا محمد الیاس سے بیعت | اہل میوات میں دینی ذہن کی تعمیر کا عمل مولانا محمد اسماعیل کے دور میں شروع ہو گیا تھا اسی وقت سے میوات کے خواص و عوام بنگلہ والی مسجد میں مقیم بزرگوں سے وابستہ رہے، اس وابستگی کے اظہار کا ایک خاص طریقہ ان بزرگوں سے بیعت اور روحانی تربیت و تعلیم حاصل کرنے کا ذوق بھی ہے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل اور مولانا محمد میاں کی طرح مولانا محمد الیاس بھی عالی مرتبہ شیخ اور صاحب کمال مرشد تھے، جب ان کا میوات آنا جانا ہوا تو وہاں حضرت مولانا محمد اسماعیل اور مولانا محمد میاں کے وابستگان مولانا سے بیعت ہوئے میوات سے پہلے حضرت مولانا کے وطن اور اطراف وطن میں بھی حضرت مولانا سے بیعت افراد کی خاصی تعداد تھی ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۵۸ھ (۴ جنوری ۱۹۴۰ء) کو کھیڑہ افغان ضلع سہارنپور میں منعقد تبلیغی اجتماع میں مولانا سے عمومی اجتماعی بیعت کا معمول شروع ہوا جو گزرتے دنوں کے ساتھ خاص وسعت اختیار کر گیا تھا مگر مولانا کے روحانی مقامات کے اعتراف اور ارشاد و تربیت کی سوغات عام ہونے کے باوجود مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن حضرت مولانا سے بیعت نہیں ہوئے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس کی وفات سے (غالباً چند ماہ پہلے) حضرت شیخ کو اس

۱۔ مولانا کی سسرال بڑت ضلع مظفرنگر کے ایک قدیم سادات گھرانہ میں تھی اس خانوادہ کے متعدد افراد تقریباً ۱۰۰ سال سے بھاول پور میں (کوچہ گل حسن میں) مقیم ہیں اور ۱۹۴۷ء کے بعد تقریباً پورا خاندان وہیں منتقل ہو گیا۔

(۲) مولانا اظہار الحسن صاحب نے مولانا محمد یوسف کو بھاول پور اپنے کراچی پہنچنے میں تاخیر کی وجہ اور پروگرام سفر کی اطلاع دینے کے لیے جو خط لکھا تھا وہ سوانح مولانا محمد یوسف (مولانا محمد ثانی حسنی) میں شامل ہے۔ ص ۱۸۶۔

کا علم ہوا کہ یہ دونوں اب تک حضرت مولانا سے بیعت نہیں ہوئے، اس پر حضرت شیخ نے دونوں کو فوراً حضرت مولانا سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا، حضرت مولانا سے درخواست کی گئی حضرت نے اس کو منظور فرما لیا اور غسل فرما کر اہتمام سے دونوں کو بیعت کیا، اس کی روداد مولانا محمد ثانی حسنی نے خود حضرت مولانا انعام الحسن کے الفاظ میں درج کی ہے، فرماتے ہیں:

> "کہ میں سمجھتا تھا کہ تم لوگ چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) سے بیعت ہو چکے ہوگے بہر حال اب دیر نہ کرو۔ ہم لوگوں نے حضرت جی سے بیعت ہونے کی درخواست کی حضرت جی نے اسے منظور فرما لیا، خود غسل فرمایا اور بڑے اہتمام کے بعد خوشی و مسرت کے ساتھ ہم لوگوں کو بیعت فرما لیا اور ارشاد فرمایا: اللہ مبارک فرمائے اور انشاء اللہ مبارک ہی ہے" (۱)

مگر اس اندراج اور پیش نظر تحریرات میں اس کی صراحت نہیں کہ حضرت مولانا محمد الیاس نے بیعت کے بعد اصلاح و تربیت کے لیے کیا طریقہ تجویز فرمایا، کن ہدایات و تعلیمات پر عمل کا حکم دیا اور ذکر و شغل کی کیا ترتیب رہی اور ان حضرات کے لیے اپنے نسخہ اصلاح و تربیت میں کیا کیا خاص ترمیمات فرمائیں، مگر ان معلومات کے فقدان کے باوجود اس میں شک و شبہ نہیں کہ حضرت مولانا ان دونوں کی روحانی ترقی کے لیے خاص طور پر متوجہ اور فکرمند رہے ہوں گے اور اس کے لیے اپنی تمام باطنی قوت اور اثرات کا پوری طرح استعمال فرمایا ہوگا۔ اس خیال کی تصدیق حضرت کی اس تحریر سے ہوتی ہے جو حضرت مولانا نے اپنی وفات سے صرف سولہ گھنٹے پہلے قلم بند کرائی تھی اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا انعام الحسن نے خوب ذکر و شغل کیا تھا اور ان کی سیرت و شخصیت پر اس کے اثرات تھے۔

اجازت بیعت و خلافت: حضرت مولانا محمد الیاس کے مرض وفات کے آخری دنوں

۱۔ سوانح مولانا محمد یوسف صاحب ص ۱۸۱۔

میں جو حضرات، حضرت مولانا کی خدمت میں موجود تھے اور جن کی فہم و بصیرت اور مشوروں پر حضرت مولانا ہمیشہ اعتماد فرماتے تھے ان میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی بھی سر فہرست تھے۔ مولانا ظفر احمد نے حضرت مولانا کے مرض وفات کی چشم دید روداد قلم بند فرمائی ہے اس میں مولانا محمد یوسف کو باتفاقِ اکابر، جانشین مقرر کئے جانے کی تفصیل اور دوسرے صاحبان کی اجازت و خلافت کا ضمناً تذکرہ ہے، یہاں اس کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے، مولانا لکھتے ہیں:

"بدھ کے دن انتقال سے ۱۶ گھنٹے پہلے میرے پاس اور مولوی محمد زکریا شیخ الحدیث کے پاس ایک خادم کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ مجھے اپنے آدمیوں میں فلاں فلاں پر اعتماد ہے، تم دونوں ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے اس کے ہاتھ پر ان لوگوں کی بیعت کرادو جو مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ اب میرا واسطہ بیچ سے نکال دو، میں کب تک رہوں گا (یہ بدھ کے دن کا واقعہ ہے اور مولانا کو کئی روز سے جمعرات کا انتظار تھا۔ ہر روز پوچھتے تھے آج کونسا دن ہے، کیا جمعرات ہے۔ لوگ کہتے کہ نہیں آج تو اتوار ہے: آج تو پیر ہے، آج تو منگل ہے، اس سے کھٹکا پیدا ہوگیا تھا کہ مولانا کا بار بار جمعرات کو یاد کرنا بلاوجہ نہیں چنانچہ بدھ کے اس ارشاد سے خطرہ قوی ہوگیا کہ شاید کل کو مولانا ہمارے پاس نہ ہوں گے) شیخ الحدیث یہ پیام سن کر کچھ خاموش اور متفکر سے ہوئے، میں نے کہا اب اس میں توقف نہ کیجئے مولانا کا منشا معلوم کر کے جلد اس کی تعمیل کرنی چاہئے۔

شیخ الحدیث نے کہا پھر منشا کی تفصیل آپ ہی پوچھئے، چنانچہ بعد ظہر میں نے منشا دریافت کیا اور اس کو ایک کاغذ پر قلم بند کر کے شیخ الحدیث اور مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی معیت میں مولانا کو سنا دیا، جس کا حاصل یہ تھا کہ فلاں فلاں حضرات کو طریقت کا مجاز کیا جاتا ہے (اور ہم تینوں نے اپنی طرف سے ان میں یہ اور بڑھا دیا کہ ہم تینوں کی رائے یہ ہے کہ ان میں سے مولوی محمد یوسف صاحب سلمہ کو حضرت

کا جانشین بنایا جاتا ہے، جو لوگ حضرت سے بیعت ہونا چاہتے ہیں وہ مولوی محمد یوسف صاحب سے بیعت ہوجائیں) یہ سن کر فرمایا کہ آپ تینوں حضرات کی یہ رائے ہے تو مجھے بھی منظور ہے"(۱)

حضرت مولاناؒ نے اپنے مسترشدین میں سے حافظ مقبول حسن گنگوہی اور قاری محمد داؤد میواتی کو حضرت حاجی امداد اللہ کے خادمِ خاص اور خلیفہ مولانا شفیع الدین صاحب بجنوری مہاجر مکی کے مشورہ پر اپنے تیسرے

۱۔ مضمون مولانا ظفر احمد تھانوی۔ ماہ نامہ الفرقان۔ بریلی محرم صفر ۱۳۶۴ھ۔ (جنوری، فروری ۱۹۴۵ء) ص ۶۹۔۷۰ (فوٹو اسٹیٹ بشکریہ جناب مظفر عالم اسسٹنٹ لائبریرین، خدابخش لائبریری۔ پٹنہ)

یہ مضمون مولانا ظفر احمد تھانوی کی حضرت مولانا محمد الیاس پر تالیف کا ایک حصہ ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے مولانا محمد الیاس کی وفات کے فوراً بعد حضرت مولانا کا تذکرہ تبصرۃ الناس فی تذکرہ مولانا الیاس" کے نام سے مرتب کیا تھا، جو چھپنے کے لیے ماہ نامہ معارف اعظم گڈھ کو بھیجا گیا تھا، علامہ سید سلیمان ندوی نے مولانا محمد الیاس پر اپنے مضمون (مشمولہ: یاد رفتگاں ص ۱۳۴، ۱۳۲ طبع اول، کراچی: ۱۹۵۵ء) میں اس سے استفادہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ: (مولانا ظفر احمد کی یہ تحریر) الگ سے چھپے گی" مگر معارف میں اشاعت سے پہلے یہ تالیف الفرقان بریلی کی طلب پر اشاعت کے لیے بریلی بھیج دی گئی، مگر بوجوہ اس کو الفرقان میں بھی شائع نہیں کیا گیا، تاہم اس تالیف کا صرف وہ حصہ جس میں مولانا ظفر احمد کے جمع کے ہوئے مولانا محمد الیاس کے ملفوظات اور مولانا کے مرض وفات کا کچھ احوال شامل ہے (الفرقان) مندرجہ بالا شمارہ (محرم صفر ۱۳۶۴ھ) میں چھپا تھا غالباً اس تالیف کا خطی نسخہ بھی ضائع ہوچکا ہے، راقم سطور نے ہر چند جستجو کی، کچھ سراغ نہیں ملا۔

مولانا ظفر احمد صاحب کی اس تالیف کی کئی وجہ سے خاص اہمیت ہے، مولانا ظفر احمد کو کاندھلہ سے پرانی واقفیت اور قربت کی وجہ سے معلومات کے خاص ذرائع حاصل تھے نیز وہ مولانا محمد الیاس سے انکے گنگوہ میں قیام کے زمانہ سے واقف تھے اور ان دونوں بزرگوں کا مظاہر علوم میں ملازمت کا وقت ساتھ ساتھ گزرا تھا اور مولانا ظفر احمد صاحب کی مولانا محمد الیاس سے خاص دوستی اور بے تکلفی تھی اس وجہ سے مولانا کو اس خاندان اور مولانا محمد الیاس کے اجداد کے متعلق وسیع واقفیت تھی، ان معلومات کے استناد و اہمیت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے مولانا محمد اسماعیل اور خاندان کے متعلق معلومات مولانا ظفر احمد کی اسی تالیف سے اخذ کی ہیں، ضرورت ہے کہ اس کتاب کو تلاش کر کے شائع کیا جائے۔

سفر حج (ذی الحجہ۔ محرم ۵۲۔ ۱۳۵۱ھ) میں اجازت و خلافت عطا فرمائی تھی(۱)۔ بعد میں مولانا سید حسن رضا دہلوی اور مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کو اجازت دی تھی۔ وفات کے دن اس فہرست میں مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن کا اضافہ فرمایا اور اجازت خاص سے نوازا۔ مولانا محمد یوسف باتفاق اکابر حضرت مولانا کے جانشین مقرر ہوگئے مولانا انعام الحسن کے متعلق حضرت مولانا کا یہ ارشاد تھا کہ:

"مولوی انعام بھی بہت اچھے ہیں انھوں نے بھی ذکر و شغل بہت کیا ہے یہ بھی اسی قبیل (؟) سے ہیں البتہ علم کا احترام زیادہ ہے"۔

حضرت مولانا کے یہ الفاظ گویا اعتماد و کمال کی بڑی سند ہیں کیوں کہ حضرت مولانا مبالغہ آرائی اور خلاف حقیقت ایک حرف بھی لکھنے یا بولنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس تحریر کے (جو زندگی کے بالکل آخری لمحات میں وصیت نامہ کے طور پر لکھوائی جا رہی تھی) اس مختصر سے فقرہ میں مولانا پر بھرپور اعتماد کا اظہار بھی ہے اور ان کے علمی روحانی کمالات کا اعتراف بھی اور تبلیغی کام کی نسبت علمی کاموں سے زیادہ وابستگی کا تذکرہ بھی۔ حضرت مولانا محمد یوسف کی جانشینی کے تذکرہ کے وقت مولانا انعام الحسن کو اجازت اور ساتھ ہی ساتھ ان کے نام کا اندراج اور ان پر اعتماد سے غالباً ضمناً ترتیب امارت کی جانب بھی اشارہ تھا جو حضرت مولانا محمد الیاس کی وفات کے بعد مولانا محمد یوسف کی امارت اور ان کے بعد مولانا انعام الحسن کے امیر منتخب ہونے سے ظاہر ہوا۔

بہر حال حضرت مولانا نے مولانا انعام الحسن کو خاص اہتمام سے اپنی زندگی کے آخری دن اجازت عطا فرمائی۔ اس اجازت کی خاص اہمیت اور امتیاز اور ان دونوں اجازتوں کے متعلق حضرت مولانا محمد الیاس کا یہ ارشاد ہے کہ:

۱۔ فرمایا کہ مولوی شفیع الدین صاحب نے قاری داؤد اور حافظ مقبول حسن پر اعتماد کیا تھا۔ اس وقت میں نے ان کے احترام کی وجہ سے کہ حرم کے رہنے والے ہیں ان کو اجازت دے دی تھی، مگر اب مجھے ان پر پہلے سے بہت زیادہ اعتماد ہے اور ان کے علاوہ اور بھی چند لوگوں پر اعتماد ہے۔ آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریا نمبر ۴ ص ۱۳۶

"یہ (اجازت) میری طرف سے نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھنا چاہیے"(۱)

مولانا محمد یوسف کی خلافت و جانشینی کی تصدیق اور محولہ بالا اجازت نامہ اور تحریر لکھوانے کے صرف ۱۶ گھنٹہ بعد جمعرات کی شب میں صبح صادق کے قریب (۲۲ رجب ۱۳۶۳ھ / ۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء کو) حضرت مولانا محمد الیاس نے رحلت فرمائی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں :

"صبح کی نماز کے بعد بہتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان مولوی یوسف صاحب کی جانشینی عمل میں آئی اور مولانا کا عمامہ ان کے سر پر باندھا گیا"(۲)

مولانا محمد یوسف کی جانشینی کا اعلان اور مولانا انعام الحسن کا مخلصانہ کردار | حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے وفات سے پہلے مولانا محمد یوسف کو اپنا جانشین اور تبلیغی کام کا سربراہ مقرر فرمایا تھا۔ ہر چند کہ بعد میں مولانا محمد یوسف، حضرت مولانا محمد الیاس کے صحیح سچے اور ایسے بابرکت جانشین ثابت ہوئے جنھوں نے حضرت مولانا کے کام کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور دیکھنے والے اس اعتراف پر مجبور ہوئے کہ مولانا محمد یوسف بعض حیثیتوں اور کمالات میں اپنے والد سے بھی بڑھ گئے ہیں مگر جب مولانا محمد یوسف کو حضرت مولانا محمد الیاس کا جانشین (یا تبلیغی جماعت کا امیر) نامزد کیا گیا اس وقت حضرت مولانا سے واقف علماء کو بھی اس انتخاب پر حیرت ہوئی تھی اور انھوں نے اس انتخاب کو غیر موزوں اور بے محل سمجھا تھا(۳)

۱۔ مضمون مولانا ظفر احمد تھانوی۔ الفرقان بریلی۔ محرم صفر ۱۳۶۴ھ ص ۷۰۔ نیز آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا۔ ج ۴۔

۲۔ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۹۳۔

۳۔ مولانا محمد منظور نعمانی نے، مولانا محمد یوسف کو جانشین مولانا محمد الیاس بنانے کی اطلاع پر اپنا پہلا تاثر ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے :

"مجھے اس واقعہ کو سن کر کوئی خوشی نہیں ہوئی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کے بارہ میں طرح طرح کے وسوسے آتے اور میں ان وساوس سے اتنا مغلوب ہوا کہ .... دن کا باقی حصہ اور پوری رات اسی حالت میں گزری"

مولانا محمد یوسف نمبر، الفرقان لکھنؤ ص ۲۵۔

کیوں کہ مولانا محمد الیاس کی زندگی تک مولانا محمد یوسف کو تبلیغی کام سے ایسی گہری وابستگی اور اس کے نظام اور اس کے متعلق امور سے دلچسپی نہیں تھی جو اس کام اور اس جماعت کی نگرانی و سربراہی کے لیے انتہائی ضروری تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت حضرت مولانا کے بعض خلفائے کرام اور خواص اس کام کو سمجھنے اس کے لیے جدوجہد کرنے اور اس کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے میں مولانا محمد یوسف سے بہت فائق تھے اور ایسے اصحاب کی بھی ایک خاص تعداد تھی جنھوں نے مولانا محمد الیاس کی صحبت و خدمت میں اپنی زندگی گذار دی تھی اور ان کی ایک ایک ادا، ایک ایک فقرہ ایک ایک ملفوظ اور طریقۂ ارشاد و تعلیم و تربیت کو پوری طرح اپنے اندر جذب کرلیا تھا۔ تبلیغی کام کی ضرورت کے لحاظ سے بظاہر ان حضرات میں سے کسی کو امیر بنانا مناسب تھا، اس میں خاص طور پر حضرت حاجی عبدالرحمان نو مسلم، مولانا سید حسن رضا دہلوی، منشی نصر اللہ خاں میواتی، مولانا محمد الیاس کے کمالات کا مجسم نمونہ اور پورے طور پر مولانا کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہونے کی وجہ سے اس کے مستحق تھے کہ اس موقع پر سامنے آتے۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم، مولانا محمد الیاس کے اخلاص و حسن تربیت کا اثر اور ان لوگوں کی کامل للّٰہیت و بے نفسی اور ایثار تھا کہ ان میں سے ہر ایک نے خود کو کم تر و بے مایہ خیال کر کے سب سے پہلے مولانا محمد یوسف کے انتخاب پر آفرین کہی اور بعد کے زمانہ میں مولانا محمد یوسف کے اسی طرح جاں نثار اور فدائی اور مخلص رہے جس طرح حضرت مولانا کے تھے بلکہ یہ حضرات، حضرت مولانا کے پیام کو عام کرنے اور دینی جدوجہد کو عام کرنے میں اپنی ذمہ داری زیادہ محسوس کرنے لگے تھے۔ دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ ان حضرات نے کبھی اس کا احساس تک نہیں ہونے دیا کہ وہ حضرت مولانا محمد میاں کی خدمت کے حاضر باش اور مولانا محمد الیاس کی خاص تربیت پائے ہوئے ہیں اور اس کام کے ابتدائی معماروں اور جاں نثاروں میں ہیں۔

حضرت مولانا کے خلفائے کرام، اصحابِ میوات اور مذکورہ اشخاص کے علاوہ تبلیغ سے نسبتۃً زیادہ وابستہ اور تبلیغی مرکز بنگلہ والی مسجد میں مقیم ایک اور اہم

شخصیت مولانا انعام الحسن صاحب کی تھی، اگرچہ تبلیغی کام کی خدمت و شرکت کے لحاظ سے اسوقت انکا مرتبہ مولانا محمد میاں اور مولانا محمدالیاس کے خواص و مستفیدین اور مذکورہ بالا اصحاب کا نہیں تھا مگر مولانا انعام الحسنؒ مولانا محمد یوسف کے ہم عمر تھے، ہم سبق تھے، بچپن کی رفاقت اور ہم دوستی کے علاوہ وہ علمی حیثیت سے مولانا محمد یوسف سے کسی طرح کم نہیں تھے نیز دونوں صاحبان کی تبلیغ میں عملی شرکت، کا حصہ بھی برابر تھا، دونوں کے تبلیغی سفر ساتھ شروع ہوئے تھے اور دونوں کی تبلیغی جدوجہد سے ذہنی و عملی وابستگی کی عمر بھی ایک تھی اور حضرت مولانا سے اجازت و خلافت بھی ایک ساتھ ہی ملی تھی اور مرض وفات میں حضرت نے جو وصیت کے طور پر آخری تحریر مرتب کرائی اس میں خاص طور پر مولانا انعام الحسن کا اہمیت و اعتراف کے الفاظ میں تذکرہ بھی تھا۔ اسکے علاوہ ایک اور خصوصیت جس میں مولانا انعام الحسن مولانا محمد یوسف سے فائق تھے وہ مولانا محمد الیاس کی صحبت و خدمت تھی، مولانا محمد یوسف علمی خدمات، شرح و مطالعۂ حدیث شریف میں مشغول رہتے تھے اور مولانا انعام الحسن (جیسا کہ اوپر بھی گذر گیا ہے) اپنی علمی مصروفیت کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا محمد الیاس کی خدمت میں بھی حاضر رہتے، خاص طور پر مولانا کی ڈاک لکھنے کی خدمت انکے سپرد تھی۔

اس لیے عین ممکن تھا کہ مولانا انعام الحسن کو مولانا محمد یوسف کے جانشین و امیر منتخب ہونے پر کچھ خیالات اور وسوسے آتے اور وہ اس سے اختلاف کرتے، مگر ان پر بھی فضلِ الٰہی سایہ کئے ہوئے تھا انھوں نے بھی حضرت مولانا کے کام سے وابستگی اس کی ترقی اور فروغ کے لیے اسی جذبۂ للہیت و اخلاص اور ایثار کا بھرپور ثبوت دیا جس کا حضرت مولانا کے خدام و مخلصین کی جانب سے مشاہدہ ہوچکا تھا۔ خاندانی رشتوں نیز بعض اور نزاکتوں کی وجہ سے مولانا انعام الحسن کا ایثار و اتفاق بلاشبہ بعض حیثیتوں سے حضرت مولانا محمد الیاس کے اور خدام و متوسلین کے ایثار و اتفاق سے بڑھا ہوا تھا۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے بھی مولانا محمد یوسف کی امارت و جانشینی کا اسی طرح اعتراف کیا جس کا نمونہ دوسرے حضرات نے پیش کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ مولانا محمد یوسف کے دست و بازو بن

گئے، ہر معاملہ میں معاون و مشیر اور سفر و حضر میں ہر قدم ہر مرحلہ پر مولانا کے مدد گار و قدم بر قدم رہے اور مولانا محمد یوسف کے ساتھ حق رفاقت کو ایسی خوبصورتی کے ساتھ نبھایا جو اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔

مولانا محمد انعام اور مولانا محمد یوسف کی بچپن کی رفاقت و محبت

مولانا انعام الحسن کے بچپن کے دوست و احباب کی ایک جماعت تھی جس میں خاندان اور قصبہ کاندھلہ کے متعدد ہم عمر شامل تھے (کاندھلہ میں ان سطور کی تحریر کے وقت تک بفضلہ تعالیٰ ایسے اصحاب موجود ہیں جو مولانا انعام الحسن کے ساتھ مختلف تفریحات اور کھیلوں کے شریک تھے) اسی میں مولانا محمد یوسف صاحب بھی شامل تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی ولادت بھی کاندھلہ میں اپنے ننھیالی مکان میں ہوئی (۱) اور چوں کہ مولانا محمد یوسف کی والدہ ماجدہ کا کاندھلہ آنے، قیام فرمانے کا (مولانا محمد یوسف کے بچپن میں ہی نہیں بلکہ آخر حیات تک) خوب معمول تھا اس لیے مولانا محمد یوسف کے بچپن کا خاصا وقت کاندھلہ میں گذرا یہیں سے مولانا محمد انعام الحسن اور مولانا محمد یوسف کی دوستی اور رفاقت کی ابتداء ہوئی جو بہت جلد گہری دوستی میں تبدیل ہو گئی، مولانا محمد یوسف کا حضرت مولانا الیاس کی وجہ سے دہلی بھی جانا ہوتا تھا اور بعض اوقات کئی مہینوں کے بعد کاندھلہ آتے

---

۱ ۔ حضرت مولانا محمد یوسف کی وفات پر لکھے گئے بعض مضامین میں مولانا کی ولادت دہلی کی لکھ دی گئی تھی جس کی حضرت شیخ الحدیث نے تحریری طور پر تردید فرمائی تھی۔ لکھا ہے:

"ایک ضروری بات یہ ہے کہ بعض اخبارات میں مولوی یوسف کی پیدائش نظام الدین میں لکھ دی گئی ہے۔ ان کی پیدائش کاندھلہ میں اپنے جدی مکان میں ہوئی تھی اس وقت چچا جان نور اللہ مرقدہ مظاہر علوم میں مدرس تھے"۔

(مکتوب بنام مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا محمد یوسف نمبر، الفرقان، لکھنؤ ستمبر ۱۹۶۵ء)

لیکن اس وضاحت اور تصریح کے باوجود اب تک بھی بعض احباب (شاید جان بوجھ کر) یہ لکھ رہے ہیں کہ مولانا کی ولادت دہلی میں ہوئی تھی اور اسی منصوبہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسف کو اہتمام سے دہلوی لکھا جاتا ہے، حالانکہ ان دونوں حضرات نے خود کو ہمیشہ کاندھلوی لکھا مولانا محمد الیاس کی جو چند تحریریں اس وقت تک موجود ہیں ان میں دستخط کے ساتھ کاندھلوی کی بھی صراحت ہے۔ اور اس نسبت پر دونوں بزرگوں کو ناز اور مسرت تھی۔

تھے اس وقت مولانا انعام الحسن مولانا محمد یوسف کو یاد کرتے رہتے تھے، قرین قیاس ہے کہ مولانا محمد یوسف کی بھی یہی کیفیت رہتی ہوگی۔ تعلیم کے لیے مولانا انعام الحسن کے نظام الدین جانے سے پہلے ہی یہ دوستی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ حضرت مولانا انعام الحسن کے الفاظ میں:

"ہم دونوں میں نہایت محبت تھی، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں کاندھلہ میں تھا تو میں نے سنا کہ صبح کو "یوسف" دلی سے آرہا ہے تو وہ رات میں نے جاگ کر گذاری اس وقت میری عمر دس سال سے کم تھی"(۱)

مولانا انعام الحسن تیرہ سال کی عمر میں نظام الدین بھیج دیئے گئے تھے نظام الدین میں دونوں کا تمام وقت ایک ساتھ گذرتا رہا اور بچپن کی معصوم دوستی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی اور گہری ہوتی گئی اور ایک تناور درخت کی صورت اختیار کرگئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے ان اسباق کے علاوہ جس میں وہ الگ الگ جماعتوں میں شامل اور مختلف کتابوں کے طالب علم تھے ہر وقت ایک دوسرے کے ساتھ رہتے، ساتھ کھاتے پیتے تھے، ساتھ ہی گھومتے پھرتے تھے مولانا انعام الحسن کا بھی وہی نظام الاوقات اور معمولات تھے جو مولانا محمد یوسف کے تھے کیوں کہ مولانا انعام الحسن بھی مولانا یوسف کی طرح مولانا الیاس کے بچوں میں شامل اور گھر کے ایک فرد تھے، وہیں رہنا ہوتا تھا وہیں کھانا پینا۔

جب کاندھلہ سے خاندان کے کئی بچے (مولانا انعام الحسن کے حقیقی ماموں (حکیم) عبدالرشید، مولانا اظہار الحسن اور حکیم عین الحسن) مولانا محمد الیاس سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے نظام الدین آگئے اس وقت مولانا انعام الحسن کی قیام گاہ بھی تبدیل ہوئی اور ان کا قیام بھی بنگلہ والی مسجد کے جنوبی کمرہ میں ہو گیا جہاں کاندھلہ کے اور اصحاب کا قیام طے ہوا تھا۔

ان لوگوں کے آنے کے بعد سے مدرسہ کے طلبہ کی علمی سرگرمیوں میں

۱۔ سوانح حضرت جی، مفتی عزیز الرحمن بجنوری ص ۳۰ (دہلی: بلاسنہ)۔

اضافہ ہو گیا تھا کیوں کہ حکیم عبدالرشید اور مولانا اظہار الحسن کی استعداد بہت اچھی تھی دونوں کو مطالعہ محنت اور علمی صلاحیت میں اضافہ کا بہت شوق تھا اور یہ دونوں تفریحی مشغلوں میں بھی بھرپور حصہ لیتے تھے' لہذا اس کمرہ میں ہر وقت ایک ہنگامہ رہتا تھا۔ علمی مشغلہ بھی تھا' محبت و دوستی بھی۔ مقابلے اور بیت بازی بھی ہوتی تھی اور کتابوں کا تکرار اور تفہیم بھی۔ مولانا انعام الحسن کے بھی متوسطات سے دورۂ حدیث تک تین سال اس جماعت کی رفاقت میں گذرے' مولانا محمد یوسف بھی اس کے ایک رکن تھے اور وہ بھی اس انجمن کی تمام سرگرمیوں میں شریک اور تمام مقابلوں اور شرارتوں میں آگے آگے رہتے تھے۔

شوال ۱۳۵۴ھ (جنوری ۱۹۳۶ء) میں مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کا دورۂ حدیث کے لیے سہارنپور کا سفر ہوا۔ سہارنپور میں تعلیمی مصروفیت میں بھی پوری طرح یکسانی ہو گئی تھی۔ سہارنپور کے قیام کے زمانہ میں دونوں ایک ہی کمرے میں رہتے اور ساتھ ہی مطالعہ تکرار اور تیاری کرتے' اس کے لیے دونوں صاحبان نے جو نظام الاوقات بنایا تھا' اس میں شب بیداری کا مستقل معمول بھی شامل تھا' دونوں صاحبان نے مطالعہ کے لیے آدھی رات تقسیم کرلی تھی' ایک دن ایک صاحب آدھی رات تک جاگتے دوسرے صاحب سوتے۔ نصف شب گذر جاتی تو جاگنے والا چائے تیار کر کے سونے والے کو اٹھاتا دونوں مل کر چائے پیتے تھے اس وقت تک جاگنے والے کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی وہ سو جاتا۔ دوسرے صاحب فجر تک بیدار رہ کر مطالعہ اور اسباق کی تیاری کرتے اور فجر کی نماز کے لیے سونے والے کو بیدار کرتے۔ سونے جاگنے کے اوقات روزانہ بدلتے رہتے تھے' جو شخص ایک دن شروع رات میں سویا تھا وہ دوسرے دن آخر شب میں بیدار ہو گا اور جو ساتھی اول دن آخر شب میں سویا وہ دوسرے دن اول شب میں بیدار رہے گا' اس معمول پر خاصے اہتمام سے عمل ہوا' مگر دونوں کی عملی زندگی کا یہ سفر مولانا یوسف صاحب کی شدید علالت کی وجہ سے ناتمام رہ گیا تھا' مولانا الیاس صاحب نے دونوں کو تعلیمی سال پورا ہونے سے پہلے دہلی طلب فرمالیا تھا دورۂ حدیث کی باقی ماندہ کتابیں دونوں نے وہیں پوری کیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد سے مولانا محمد الیاس کی وفات تک مصروفیات کا حال معلوم نہیں، تاہم اکثر اوقات نظام الدین میں حضرت مولانا محمد الیاس کی خدمت میں گذرے، اسی دوران ۱۳۵۶ھ (ذی قعدہ، جنوری ۱۹۳۸ء) میں حضرت مولانا کا چوتھا آخری سفر حج ہوا۔ اس مبارک سفر میں مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن بھی ہمراہ تھے۔ چار مہینے دس دن کے بعد ربیع الاول ۱۳۵۷ھ (مئی ۱۹۳۸ء) میں واپسی ہوئی۔ ہندوستان واپسی کے بعد بھی مولانا انعام الحسن کی دوستی اسی طرح قائم رہی بلکہ اور پروان چڑھی، چند سال بعد حضرت مولانا محمد الیاس رحلت فرما گئے، مولانا محمد یوسف سربراہ کار متعین ہوئے، اس وقت بھی مولانا انعام الحسن مولانا یوسف کے اسی طرح عزیز دوست اورمشیر رہے جس طرح اس سے پہلے تھے۔

مولانا محمد یوسف کے امیر منتخب کئے جانے کے بعد یہ دونوں گویا ایک جان دو قالب کی صورت اختیار کر گئے تھے، سفر و حضر میں ساتھ رہتے، جہاں مولانا محمد یوسف تشریف لے جاتے مولانا انعام الحسن بھی ساتھ ہوتے اور جہاں مولانا انعام الحسن قدم رنجہ کرتے مولانا محمد یوسف بھی ہمراہ آتے تھے گھر کا خاندان کا کوئی قصہ ہو، اعزہ میں آنا جانا ہو، شادی بیاہ کی تقریب ہو یا کسی حادثہ اور وفات کا المیہ، مولانا محمد یوسف کے ساتھ مولانا انعام الحسن بھی تشریف لے جاتے تھے۔

اسی طرح تبلیغی سفروں میں دونوں ساتھ جاتے ساتھ آتے، حرمین شریفین کی زیارت کا قصد ہو، حج و عمرے کی روانگی و واپسی ہو یا پاکستان کے تبلیغی سفر، دونوں کا آنا جانا ساتھ ہوتا تھا۔ مولانا محمد یوسف کی حیات تک پاکستان مغربی و مشرقی (موجودہ بنگلہ دیش) کے علاوہ کسی اور ملک کے سفر کا اتفاق نہیں ہوا مگر یہ سفر بھی طول طویل اور ہفتوں کے ہوتے تھے اسی طرح ہندوستان کے تبلیغی جلسوں میں شرکت کے لیے جانا آنا بھی ساتھ ہی ہوتا۔

مگر زمانہ کی رفتار ہمیشہ یکساں نہیں رہتی لاکھ رفاقت ومحبت ہو یک جا رہنے کی کوشش ہو، مگر حالات مسائل اور ضرورتیں کئی بار علیحدگی پر مجبور کر دیتی ہیں۔ مولانا انعام الحسن صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب کی رفاقت میں بھی ایسے کئی موقعے آئے جب ان دونوں کی مثالی رفاقت میں خلل پڑا، مولانا محمد یوسف کے سفر پاکستان ۱۹۴۷ء کے وقت اور اسکے بعد ۱۹۴۸ء کے سفر میں بھی مولانا محمد یوسف کے ساتھ مولانا انعام الحسن کی رفاقت نہیں تھی۔ پاکستان بننے سے پہلے (۲۵ جمادی الثانیہ ۱۳۶۵ھ، ۲۸ مئی ۱۹۴۶ء کو) مولانا یوسف صاحب ہوائی جہاز سے کراچی گئے تھے اس سفر میں بھی مولانا انعام الحسن ساتھ نہیں تھے۔ مولانا یوسف صاحب کے (صفر ۱۳۷۹ھ ۲ ستمبر ۱۹۵۸ء کے) زیارت حرمین (عمرہ) کے سفر میں بھی مولانا انعام الحسن صاحب شریک نہیں تھے اور بھی چند چھوٹے بڑے سفر ایسے ہوئے جن میں مولانا یوسف کی رفاقت دوسرے اصحاب نے کی، مولانا انعام الحسن کو اس میں شرکت کا موقع نہیں ملا۔

نیز مولانا محمد یوسف کی حیات میں کچھ موقعے ایسے بھی آئے کہ اہم تبلیغی سفر طے تھا لیکن مولانا محمد یوسف صاحب اپنی کسی معذوری یا بیماری کی وجہ سے اس میں نہیں گئے، مولانا انعام الحسن نے مرکز تبلیغ اور مولانا کی جانب سے شرکت و نمائندگی کی۔ بھوپال میں منعقد سالانہ تبلیغی اجتماع نومبر ۱۹۵۴ء ربیع الاول ۱۳۷۴ھ کے وقت ایسا ہی ہوا تھا، اس میں مولانا محمد یوسف کی شرکت نہیں ہوئی تھی۔ مولانا انعام الحسن نے کاروان تبلیغ کی سربراہی کی، اگرچہ اس اجلاس کی تاریخ طے ہونے کے وقت اجتماع کے ذمہ داران نے یہ فیصلہ صادر کر دیا تھا کہ اگر مولانا محمد یوسف اس اجتماع میں نہ آئے تو یہ اجتماع ملتوی کر دیا جائے گا، مگر ۲۶ نومبر ۱۹۵۴ء کو جس دن بھوپال کے لیے روانگی طے تھی مولانا محمد یوسف کو نہایت تیز بخار ہو گیا، جسکی وجہ سے مولانا کا یہ سفر نہ ہو سکا۔ نظام الدین سے مولانا انعام الحسن، حافظ مقبول حسین گنگوہی شریک ہوئے، لکھنؤ سے مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی نے شرکت فرمائی۔ حضرت شیخ الحدیث نے روز نامچہ میں تحریر فرمایا ہے:

"بھوپال کا سالانہ تبلیغی اجتماع اس شرط پر منعقد ہوا تھا کہ مولوی یوسف صاحب نہ جائیں گے تو ملتوی کر دیں گے۔ مگر ۲۶ کو مولوی یوسف کو شدت سے بخار ہو گیا ۲۷ کو مولوی انعام، حافظ مقبول وغیرہ گئے، مولوی یوسف نہ جاسکے جس سے مولوی عمران بہت رنجیدہ رہے۔ علی میاں، مولوی منظور نے بھی شرکت کی۔"

نیز اس طرح کے چند اور سفر بھی ہوئے (۱) جن میں سے کسی میں حضرت مولانا محمد یوسف شرکت سے قاصر رہے۔ کسی دوسرے میں مولانا انعام الحسن کو عذر پیش آگیا، مگر یہ سب بالکل وقتی اور اتفاقی جدائی ہوتی تھی، سفر ختم ہوتے ہی دونوں کی رفاقت اور مشورے پھر شروع ہوجاتے تھے۔

مولانا انعام الحسن کی برسوں طویل اور سخت علالت

مگر ایک مجبوری پریشانی ایسی بھی آئی تھی جس میں مولانا انعام الحسن بنگلہ والی مسجد کا قیام ترک کر کے کاندھلہ آگئے تھے، یہ پریشانی مولانا کی طویل بیماری تھی جس کی ابتداء جمادی الثانیہ ۱۳۶۵ھ (مئی ۱۹۴۶ء) کے شروع میں ہو گئی تھی، غالباً اسی بیماری کی وجہ سے جمادی الثانیہ کے پہلے ہفتہ میں منعقد دو اہم تبلیغی اجتماعات رحیم آباد و کلکتہ میں مولانا انعام الحسن شریک نہیں ہوئے تھے۔ کلکتہ کے اجتماع ۱۰، ۱۱ مئی ۱۹۴۶ء۔ ۷ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ کے بعد بیماری نے زور پکڑا، مولانا کے والد ماجد مولانا اکرام الحسن کو اس کی اطلاع ہوئی، وہ سہارنپور سے نظام الدین آئے، حضرت شیخ نے روزنامچہ میں تحریر فرمایا ہے:

"روانگی برادر اکرام نظام الدین بر اطلاع علالت عزیز مولوی انعام واپسی شنبہ ۲۹ جمادی الثانی بضرورۃ مدرسہ"

مولانا اکرام الحسن مولانا انعام الحسن کی کیفیت دیکھ کر نظام الدین میں کئی دن ٹھہرے، ۲۹ جمادی الثانیہ یکم جون کو واپس ہوئے۔ مولانا اکرام الحسن کی واپسی کے چند روز بعد (۵ رجب ۱۳۶۵ھ، ۲ جون ۱۹۴۶ء کو) مولانا یوسف

۱۔ اس سفر میں مولانا محمد یوسف کے نہ جانے کا مولانا محمد ثانی حسنی نے بھی مفصل ذکر کیا ہے، سوانح مولانا محمد یوسف ص ۳۲۳۔

قلات کے طویل سفر پر روانہ ہوگئے، مولانا انعام الحسن صاحب بنگلہ والی مسجد میں قیام پذیر رہے ۔ ان دنوں میں مولانا کی طبیعت پھر خراب ہوگئی، مولانا اکرام الحسن دوبارہ نظام الدین پہنچے، جس دن مولانا نظام الدین گئے اسی صبح کو مولانا محمد یوسف قلات کے سفر سے واپس آئے تھے اور حضرت شیخ کی بھی ایک سفر سے نظام الدین واپسی ہوئی تھی، اس وقت یہ طے پایا کہ مولانا انعام الحسن کو علاج و آرام اور ہر وقت نگرانی کی ضرورت ہے، اس لیے ان کو کاندھلہ لے جانا ضروری ہے ۔ چنانچہ جمعہ ۲۰ رجب ۱۳۶۵ھ ۲۱ جون ۱۹۴۶ء کو جمعہ کے دن یہ قافلہ نظام الدین سے کاندھلہ کے لیے روانہ ہوا، جس میں مولانا محمد یوسف اور حضرت شیخ بھی شامل تھے، حضرت شیخ کے روز نامچہ میں ہے :

"روانگی برادر اکرام از کاندھلہ تا نظام الدین بسلسلۂ علالت مولوی انعام الحسن واپسی تا کاندھلہ بمع مولوی انعام شب شنبہ".

کاندھلہ پہونچ کر مقامی اطباء اور ماہر حکیموں کا علاج شروع ہوا مگر مرض کی نوعیت اور اس کی وجہ صحیح طور پر کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آئی ۔ جب حکیموں اور ڈاکٹروں کے علاج سے فائدہ نہ ہوا تو روحانی علاج اور ایسے اشخاص سے بھی رجوع کیا گیا جو اثرات وغیرہ کے پہچاننے اور اس کے علاج معالجہ کے ماہر تھے، مگر یہ تدبیر بھی زیادہ مفید و کارگر ثابت نہیں ہوئی اور :

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

جوں جوں افاقہ کی دعائیں، علاج اور کوشش میں اضافہ ہو رہا تھا اس سے زیادہ تیز رفتار سے مرض کی پیچیدگی اور طوالت بڑھتی گئی ۔ اس وقت مولانا انعام الحسن کا کیا حال تھا اور مرض کی کیا کیفیت تھی دیکھنے والے بتاتے تھے کہ اس اضطراب، بے چینی، وحشت اور مختلف کیفیات کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے ۔

مولانا انعام الحسن کا عجیب و غریب حال تھا نہ گھر میں آرام، نہ باہر راحت، نہ کسی سیر و تفریح سے دلچسپی، نہ کہیں آنے جانے پر آمادہ، نہ مطالعہ اور علمی کتابوں سے رغبت، نہ اعزہ اور دوست احباب کی ملاقات و قربت سے انس، یہاں تک کہ گھر کے اہم ترین افراد سے بھی ملاقات کے روادار نہیں تھے ۔ یہی حال

کھانے پینے اور دواؤں کا تھا کہ کسی چیز کو طبیعت قبول ہی نہیں کرتی تھی، عجیب کشمکش اور ناقابل بیان کیفیت تھی جو کبھی بڑھ جاتی کبھی کم ہوجاتی۔

حضرت رائے پوری اور دوسرے بزرگوں سے مشورہ اور رہنمائی

اسی درمیان یہ بھی خیال ہوا کہ چوں کہ مولانا انعام الحسن نے ذکر و شغل بہت کیا ہے اور ریاضت و مجاہدہ کی منزلوں سے گذرے ہیں اسلیے ممکن ہے کہ اس کیفیت کا روحانی مسائل اور سلوک و معرفت کے سفر سے کچھ تعلق ہو، اسکے لیے خصوصاً حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری سے رجوع کیا گیا، حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا) اور حضرت (مولانا سید حسین احمد) مدنی کو بھی تمام احوال سے پوری طرح باخبر رکھا جاتا تھا، مولانا اکرام الحسن خود رائے پور جاتے اور خطوط کے ذریعہ سے بھی ان سب حضرات کو مولانا کے احوال کی اطلاع بھیجتے رہتے تھے، مگر ان حضرات کی رائے بھی (حالات و کیفیات کے تغیر کی وجہ سے) بدلتی رہی (۱)۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ نے مولانا انعام الحسن کے خود نوشت دو خط اور مولانا کے حال پر مشتمل ایک اور خط حضرت رائے پوری کی خدمت میں بھیجے اور ان کے جواب لکھوانے کی خواہش ظاہر کی، حضرت رائے پوری نے جواب میں حضرت شیخ کو تحریر فرمایا:

"یہ حالات آثار ذکر معلوم ہوتے ہیں اور بہت مبارک، مگر چوں کہ اعضاء بہت ضعیف ہیں اس وجہ سے وہ مرض کی صورت پر آگئے ہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ ان کو اپنے شیوخ سے واقعی محبت ہے اور اس کی یہ کیفیت ہے اور دونوں نسبتوں کا فرق وہ خود محسوس کر ہی رہے ہیں۔ مبارک ہوا احقر کے خیال میں تو یہی ہے، اگر اعضاء طاقتور ہوتے تو سنبھال لیتے، باقی علاج سے غفلت نہ ہو علاج ضرور کرنا چاہئے ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ"

۱۔ مولانا اکرام الحسن، مولانا انعام الحسن کی بیماری کے روز مرہ احوال اور اس کے متعلق حضرت رائپوری، حضرت مدنی، حضرت شیخ حافظ فخر الدین گنگوہی اور دوسرے اہل فکر و نظر کے خیالات اور اقوال و ارشادات خاصی تفصیل سے تا-تواتر لکھتے تھے، اس میں عجیب و غریب اندراجات تھے۔ ایسی غالباً کئی کاپیاں تھیں ایک چھوٹی کاپی ایک مرتبہ راقم سطور کی نظر سے بھی گذری تھی۔ خدا معلوم وہ کاپیاں اب کہاں اور کس حال میں ہیں۔

مگر بعد میں مزید معلومات و تفصیلات کا علم ہونے کے بعد حضرت رائے پوری کی رائے گرامی غالباً اس قدر واضح نہیں رہی تھی جیسا کہ حضرت کے دوسرے خط میں اس کا ذکر ہے۔

مولانا کی اہلیہ کی کیفیت اور ان کا ایثار

یہ حالت و کیفیات تمام اہل خاندان، مولانا کی اہلیہ محترمہ اور والد ماجد مولانا اکرام الحسن صاحب کے لیے خاص طور پر سخت اذیت و پریشانی کا سبب تھیں۔ مولانا کی اہلیہ جو (عموماً نظام الدین یا سہارنپور میں قیام پذیر رہتی تھیں) مولانا کی مسلسل شدید بیماری کی وجہ سے (صفر ۱۳۶۶ھ جنوری ۱۹۴۷ء میں) کاندھلہ آگئی تھیں۔ انتہائی ذہنی اذیت اور پریشانی کا عالم تھا، مولانا کی حالت دن بدن بدلتی بگڑتی رہتی تھی صحت اور مزاج پر انتہائی وحشت اور تنہائی کا غلبہ تھا، ہر چیز سے بیزاری کھانے پینے سے بے التفاتی اور تدبیر علاج سے غفلت، ان کے تیمارداروں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کریں۔ اگرچہ خاندان کی متعدد خواتین و افراد ان کی اور ان کی اہلیہ کی رفاقت و تعاون کے لیے ہر وقت موجود اور ہر قسم کی دیکھ ریکھ نگرانی اور ہاتھ بٹانے کے لیے تیار رہتے تھے اور ان سے بے شمار سہولتیں بھی تھیں، مگر جب ہر وقت یہ خطرہ مسلط ہو کہ آئندہ گھڑی نہ جانے کیا ہوجائے، اس وقت کہاں کسی طرف التفات ہوتا ہے، کیسی ہی سہولتیں ہوں، کتنے ہی عزیز و قریب کیوں نہ موجود ہوں، ایسے حال میں دل کی ویرانی نہیں جاتی۔

مولانا کی اہلیہ کی اس کیفیت کا سب کو احساس تھا اور حسب مقدور سب انکی دل جوئی اور ہمت افزائی میں لگے رہتے تھے، (راقم سطور کی والدہ محترمہ مرحومہ مولانا کی اس بیماری کے تمام وقت مولانا کی اہلیہ محترمہ کے پاس رہیں جنھیں وہ بھابی کہا کرتی تھیں) خاندان کے اور اصحاب کی طرح حضرت شیخ بھی بہت متفکر اور پریشان رہتے تھے انکے لیے معاملہ دونوں جانب سے فکر کا تھا، مولانا انعام الحسن انتہائی عزیز تھے، داماد تھے، اور اپنی بیٹی (اہلیہ مولانا انعام الحسن) کی افسردہ دلی اور الجھن و بیمارگی کا بھی احساس تھا، اسکے لیے حضرت شیخ کاندھلہ بار بار تشریف لے جاتے، تسلی دیتے اور جب اسکا موقع نہ ہوتا، تو خطوط لکھ کر بڑی اور لافانی نعمتوں

(آخرت و جنت) کی طرف توجہ دلاتے رہتے اور صبرشکر سے اس مصیبت کو برداشت کرنے اور زبان پر ناشکری کا کوئی کلمہ نہ لانے اور اپنے اوقات کو اللہ کی یاد اور محبت میں معروف رکھنے کی مسلسل تلقین فرماتے رہتے تھے (۱) ایک مشفق باپ اور عالی مرتبہ عارف و عالم کے ان گرامی ناموں سے مولانا انعام الحسن کی اہلیہ محترمہ کی بہت تسکین اور تسلی ہوتی ہوگی۔ بہرحال آخر رجب ۱۳۶۵ھ (جون ۱۹۴۶ء) سے صفر ۱۳۶۸ھ (شروع دسمبر ۱۹۴۹ء) تک ساڑھے تین سال سے زائد کا عرصہ اسی امتحان اور کشمکش میں گذرا۔

۱۹۴۷ء کے سخت حالات

بیماری اور حالات کی شدت میں ۱۹۴۷ء کے پر آشوب ہنگاموں نے کچھ اور اضافہ کر دیا تھا، آنے جانے کے راستے اور ذرائع مسدود، ڈاک وغیرہ سے متعلق معلومات اور خیریت دریافت کرنے کی صورتیں منقطع تھیں۔ نظام الدین کے مقیمین کاندھلہ والوں کے احوال سے بے خبر اور کاندھلہ والے دہلی اور سہارنپور وغیرہ میں مقیم عزیزوں کے حالات سے نا آشنا۔ کاندھلہ میں مولانا کا آبائی مکان (بڑا مکان) نرغہ میں تھا خاندان کے ایک بڑے صاحب اثر اور مقتدر شخص مولانا ظہیر الحسن کو گولی مار کر شہید کر دیا گیا تھا۔ خاندان کی تمام مستورات ہر وقت برقعے نکالے کسی بھی اطلاع و آواز پر وہاں سے کوچ کرنے کے لیے تیار رہتی تھیں اور مرد بندوقیں لیے تمام دن اور پوری رات ٹہلتے اور پہرہ پر رہتے تھے۔ حالات ایسے سخت تھے اور ہر طرح کے روابط اور آنے جانے کے راستے اس طرح بند تھے کہ مولانا ظہیر الحسن کی شہادت کا بہت بڑا اور غیر معمولی حادثہ پیش آیا اور خاندان کے ایک ہونہار نوجوان (راقم سطور کے حقیقی ماموں اور حضرت شیخ کے ایک عزیز داماد) مولوی سعید الرحمن (خلف مولانا لطیف الرحمن) کی تقریباً ایک مہینہ کی بیماری کے بعد وفات ہوگئی۔ مگر ان حوادث کی اطلاع بھی حضرت شیخ کو (جو اس وقت نظام

۱۔ یہ خطوط مولانا محمد شاہد صاحب نے اپنی تالیف "حضرت شیخ کی تین مرحومہ صاحبزادیاں" میں جمع کر دیئے ہیں ص ۴۹ تا ۶۵ (سہارنپور: ۱۴۱۱ھ)۔

الدین میں قیام فرماتے) ایک مہینہ کے بعد ہوئی۔

مولانا اکرام الحسن کا حال بھی ناقابل بیان تھا، وہ مولانا انعام الحسن کی اس نا معلوم بیماری یا کیفیت سے سخت متاثر تھے، علاج و معالجہ اور مولانا انعام الحسن کے نشاط قلب اور فرحت و سکون کے لیے جو تدبیر ممکن تھی اور جو علاج میسر تھا فراہم کیا، اور جن بزرگوں علماء اور اہل علم و عمل سے واقفیت تھی ان سب کی خدمات میں دعا اور توجہ کے لیے بار بار گئے، مولانا اکرام الحسن کی دلی تڑپ، بے چینی اور بزرگوں کی دعاؤں نے اثر کیا اور خدا خدا کر کے تقریباً دو سال بعد مولانا انعام الحسن کی یہ کیفیت کچھ کم ہونی شروع ہوئی، مرض نے شفا کی راہ اختیار کی اور مولانا انعام الحسن صاحب صحت یاب ہو کر نظام الدین واپس تشریف لے گئے۔

اس مقصد کے لیے مولانا اکرام الحسن صاحب (جو اس وقت سہارنپور میں مقیم تھے) نیز حافظ فخر الدین گنگوہی اور مولانا احتشام الحسن صاحب، مولانا انعام الحسن کو لے کر ۱۱ صفر ہفتہ کی صبح دہلی چلے گئے، حضرت شیخ کے روز نامچہ میں ہے:

"حافظ صاحب بمع حضرت رائپوری و مولوی احتشام جو شنبہ کی شام کو کاندھلہ سے پہونچے تھے چودھری شریف اور شاہ صاحب کی کار میں رائے پور گئے اور شب جمعہ میں چودھری صاحب کی کار میں واپس آکر صبح جمعہ کو بمع مولوی اکرام کاندھلہ گئے تاکہ مولوی انعام کو دہلی لے جانے کی سعی کریں۔ وہاں سے دو شنبہ ۲ صفر کو بمع مولوی انعام و اہلیہ و دختر حاجی محسن دہلی روانہ ہوگئے اور برادر اکرام بمع والدہ معاذ ۱۴ صفر سہ شنبہ کو سہارنپور آگئے"

مولانا انعام الحسن کو نظام الدین پہنچا کر مولانا اکرام الحسن واپسی میں کاندھلہ سے مولانا کی اہلیہ کو لے کر سہارن پور گئے جو مولانا کی بیماری کی وجہ سے دو سال سے کاندھلہ میں مقیم تھیں۔

اس بیماری کی وجہ سے مولانا انعام الحسن صاحب بے حد کمزور ہوگئے تھے۔ اور سفر کے لائق نہیں تھے، اس لیے نظام الدین واپسی کے بعد بھی کئی مہینے تک کسی سفر میں مولانا محمد یوسف کے ساتھ نہیں گئے۔ اس عرصہ میں مولانا محمد

یوسف صاحب کے سہارن پور وغیرہ کے جو سفر ہوئے اسمیں بھی مولانا انعام الحسن کے ساتھ ہونے کی کوئی اطلاع راقم سطور کی نظر سے نہیں گذری۔ اس بیماری کے بعد مولانا انعام الحسن صاحب کا مولانا محمد یوسف کے ہمراہ سہارن پور کا پہلا سفر مولانا محمد یوسف کے دوسرے نکاح کے موقع پر ہوا۔ مولانا محمد یوسف کا دوسرا نکاح حضرت شیخ کی دختر آپارا شدہ خاتون سے ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ ۸ فروری ۱۹۵۰ء کو ہوا تھا' مولانا محمد یوسف کے ساتھ مولانا انعام الحسن بھی اس تقریب میں شریک تھے۔ حضرت شیخ کے روز نامچہ میں اس کی یاد داشت ان الفاظ میں درج ہے:

"آج چار بجے شام مولوی یوسف بسلسلہ نکاح خود مع مولوی انعام، وغیرہ پہونچ گئے' اسی وقت حضرت رائپوری دفعتاً لکھنؤ کو روانہ ہوگئے اسلیے بلا تکمیل (نکاح) ۱۰ بجے صبح چہار شنبہ واپس چلے گئے"

نظام الدین کا دوسرا سفر جس میں مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن یک جا تھے مولانا محمد یوسف کے نکاح ثانی کے تقریباً دو مہینے کے بعد ۱۶ جمادی الثانیہ کو ہوا' اس سفر میں حضرت مولانا مدنی بھی ان حضرات کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ یہ سفر اس بندش کا اختتام تھا جو دونوں کی رفاقت اور مشترک سفروں پر غیر محسوس طور پر لگی ہوئی تھی' اس کے بعد تقریباً ہر سفر میں مولانا انعام الحسن مولانا محمد یوسف کے ہمراہ ہوتے تھے۔

مولانا محمد یوسف کی مولانا انعام الحسن سے انسیت و محبت

مولانا محمد یوسف اپنے عزیز دوست' ساتھی، ہم زلف اور مشیر و معین کی بیماری سے خاصے ملول اور متاثر رہے' مولانا انعام الحسن کاندھلہ چلے گئے تو مولانا محمد یوسف کو تنہائی کا احساس ہوا مولانا انعام الحسن کی بیماری سے مولانا محمد یوسف کو بہت اذیت و تکلیف ہوتی' مولانا محمد یوسف صاحب مولانا سے ملاقات و مزاج پرسی کے لیے کاندھلہ آتے اور اپنے معمول کے مطابق بے تکلفی سے مولانا انعام الحسن صاحب کے ساتھ رہتے تھے مولانا انعام الحسن نے اپنی بیماری کے زمانہ کی ایک بے تکلف ملاقات کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ مفتی عزیز الرحمن بجنوری مولانا کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"جب میں بیمار ہوا تو کاندھلہ چلا آیا، کچھ عرصہ کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب دہلی سے کاندھلہ تشریف لائے اور جس چارپائی پر میں لیٹا ہوا تھا اسی پر میرے برابر لیٹ گئے اور فرمانے لگے :
تمہارے آنے کے بعد ہم تو بات چیت کو بھی ترس گئے (۱)"

مولانا محمد یوسف کا کثرت سے کاندھلہ آنا ہوتا تھا اور ان کا پوری زندگی معمول رہا کہ وہ کاندھلہ کے راستہ یا علاقہ سے گذریں گھر پر ملاقات کے لیے ضرور آتے تھے ۔ اطراف کاندھلہ میں پندرہ بیس میل دور بھی کہیں تبلیغی اجتماع میں یا کسی اور ضرورت سے آنا ہوتا تھا تو کاندھلہ ضرور تشریف لاتے چاہے پانچ دس منٹ کے لیے ہو ۔ کبھی کبھی طویل سفر، سخت مصروفیت یا وقت تنگ ہونے کی وجہ سے ایسا بھی ہوتا تھا کہ گاڑی بند نہیں کی گئی ڈرائیور بابو ایاز الدین صاحب (امروہوی مرحوم) سیٹ پر بیٹھے ہوئے ہیں، مولانا محمد یوسف صاحب مولانا انعام الحسن کے ساتھ آئے اور جلدی جلدی دونوں گھروں میں گئے، کھڑے کھڑے سلام و دعا کی اور رخصت ہوگئے ۔جب انتہائی درجہ کی مصروفیت اور آخری دور میں یہ عالم تھا تو اسوقت جب تبلیغی اسفار کی اس قدر زیادتی اور مولانا محمد یوسف کے انہماک و خود فراموشی کی یہ کیفیت نہیں تھی کاندھلہ کے سفر زیادہ ہوتے ہوں گے، مگر اسوقت کی تحریری یادداشتیں اور روزنامچے میری نظر سے نہیں گذرے اسلیے مولانا محمد یوسف کے اس موقع پر کاندھلہ کے سفروں کا تفصیلی حال معلوم نہیں، تاہم مولانا انعام الحسن صاحب کی مزاج پرسی اور ملاقات کے لیے کاندھلہ آتے رہتے تھے، کسی اور ضرورت سے بھی کاندھلہ آنا ہوتا تو مولانا انعام الحسن سے ضرور ملاقات کرتے ۔ مولانا انعام الحسن کی طویل بیماری اور ساڑھے تین سال تک نظام الدین سے دوری کے باوجود مولانا محمد یوسف سے تعلقات زیادہ متاثر نہیں ہوئے باہمی رابطہ اور مراسم باقی اور بڑی حد تک پرانے نہج پر استوار رہے ۔

بیماری کے بعد اگرچہ مولانا انعام الحسن صاحب کی طبیعت کی یکسوئی میں

---

۱ ۔ سوانح حضرت جی ۔ ص ۲۰ (دہلی، طبع اول) ۔

کچھ اضافہ ہوگیا تھا اور عام روابط اور ملاقاتیں جو پہلے سے ہی کم تھیں اسکے بعد اور کم ہوگئیں اور مولانا ہمہ تن مطالعہ اور عبادات و تزکیہ میں مصروف ہوگئے۔ مگر مولانا محمد یوسف کے سفر و حضر کا ساتھ، مشورہ میں شرکت، ہر ایک معاملہ میں مولانا سے گفتگو اور اس کے عیب و صواب کا تذکرہ اور گویا تبلیغ کے ہر ایک عمل میں شرکت مولانا انعام الحسن کی زندگی کی اہم ترین مصروفیت تھی۔

مولانا انعام الحسن کی نظر میں مولانا محمد یوسف کا احترام

تبلیغ کا عموماً کوئی کام مولانا انعام الحسن کی رائے اور مشورہ کے بغیر مکمل نہ ہوتا تھا، حضرت مولانا محمد یوسف کی نگاہ میں بھی مولانا انعام الحسن کی رائے کی خاص اہمیت تھی۔ عموماً ان کے مشورہ اور صوابدید سے ہی اکثر مسائل طے کئے جاتے تھے، طالب علمی کی زندگی کی رفاقت، ہر وقت کی یک جائی اور مولانا محمد یوسف کے مولانا پر انتہائی اعتماد اور خاص بے تکلفی کے باوجود مولانا انعام الحسن مولانا محمد یوسف صاحب کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اگرچہ سب جانتے تھے کہ یہ دونوں ایک جان دو قالب ہیں مگر مولانا انعام الحسن مولانا کے ساتھ اس طرح رہتے تھے جیسے مولانا بزرگ ہیں اور وہ چھوٹے ہیں۔ کئی مرتبہ تبلیغی اجتماعات کے موقعوں پر ایسے واقعات پیش آئے کہ موسم کی شدت یا بارش کی وجہ سے تبلیغ کا پروگرام کچھ متاثر ہوا یا مولانا محمد یوسف صاحب نے اپنے قلندرانہ مزاج کی وجہ سے سخت دھوپ یا تیز بارش میں کھلے میدان میں تقریر شروع کر دی یا تقریر کے درمیان بارش وغیرہ آجاتی تو اکثر مولانا محمد یوسف کے لیے سب سے پہلے مولانا انعام الحسن چھتری لے کر آگے بڑھتے اور مولانا پر سایہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ مولانا انعام الحسن چھتری یا سہولیت کی کوئی اور چیز لے کر آگے بڑھے مگر مولانا محمد یوسف نے جو اس وقت :

"یہ بندہ دو عالم سے خفا مرے لیے ہے"

کا صحیح مصداق ہوتے تھے، مولانا انعام صاحب کو تیز آواز میں منع کر دیتے مگر مولانا انعام الحسن صاحب اس کا بھی کچھ خیال نہیں فرماتے تھے۔ ایسا ہی ایک واقعہ مولانا محمد ثانی حسنی رائے بریلوی نے ایک تبلیغی کارکن کے حوالہ سے ذکر کیا

ہے، لکھتے ہیں :

"برسات کا موسم تھا پنڈال بستی کے باہر لگا تھا، ہوا کا ایک زور دار جھونکا آیا جس سے سارے شامیانے اکھڑ کر رہ گئے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریر ہونے والی تھی اور مجمع سننے کے لیے بے تاب تھا حضرت مولانا تشریف لائے اور خطبہ شروع کیا، یکا یک ایک طرف سے بادل اٹھا اور زور شور سے بارش شروع ہو گئی، بارش طوفان کیطرح آئی اور طوفان کیطرح برسی۔ لوگوں کا ٹھہرنا مشکل ہو گیا مگر مولانا پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر جمے رہے اور لوگوں کو پکار پکار کر بلاتے اور اپنے مخصوص انداز میں فرماتے کہ کاغذ کے نہیں ہو کہ گل جاؤ گے اور مٹی کے نہیں ہو کہ پگھل جاؤ گے۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب چھتری لے کر آئے

حضرت مولانا نے روک دیا اور فرمایا کہ کیا ہم اپنے کاموں کے لیے روز لائن میں کھڑے ہو کر یا کھیتوں میں ہل چلاتے ہوئے بھیگتے نہیں ہیں میں اپنے لیے نہیں بھیگ رہا ہوں آج کا یہ میرا بھیگنا کل قیامت میں کام دے گا (۱)"

مولانا محمد یوسف اپنے رفقاء اور مرکز میں مقیم تبلیغی کارکنوں کی ضرورتوں اور چھوٹے چھوٹے مسائل کا بھی بہت خیال رکھتے تھے اور سب کے ساتھ نہایت خیر خواہی، حسن سلوک اور سخاوت و فیاضی کا معاملہ فرماتے تھے مگر ان ساتھیوں کی غلطیوں اور بے اصولیوں پر گرفت بھی خوب فرماتے تھے لطف و کرم کی بارش بے انتہا تھی اور باز پرس اور تنبیہ بھی ایسی ہی سخت ہوتی تھی: نہ عنایت و کرم کے باب میں کچھ تخصیص، نہ ہی باز پرس اور جواب طلبی میں کچھ رعایت سب کے ساتھ یکساں سلوک، یکساں نگرانی و تہدید تھی۔ مولانا محمد یوسف عموماً چھوٹی موٹی باتوں کو نظر انداز فرما دیتے تھے مگر بڑی بے اصولی کے لیے نگرانی اور

۱۔ سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی ص ۶۶۴ تا ۶۶۵۔

جواب طلبی کا ضابطہ مقرر کیا ہوا تھا۔ سنا ہے کہ کبھی کبھی مولانا انعام الحسن سے بھی اس طرح کی باز پرس ہوئی اگر واقعتاً فرو گذاشت ہوتی تو اس کو تسلیم کیا جاتا اور آئندہ خیال رکھنے کی ہدایات جاری فرمادیتے، اور پھر ایسے ہوجاتے جیسے کوئی بات ہی نہیں تھی ویسا ہی لطف و کرم، ویسی ہی بے تکلفی، ویسی ہی توجہ فرمائی اور جہاں تک راقم سطور کو معلوم ہے مولانا انعام الحسن نے کبھی مولانا سے برملا رو گردانی نہیں کی، بہر حال مولانا انعام الحسن نے بیماری کے بعد سے مولانا محمد یوسف کی رفاقت وضعداری کے ساتھ نبھائی کہ مولانا محمد یوسف کے دم واپسیں تک اس میں مطلق فرق نہ آیا۔

مولانا محمد یوسف کے امیر تبلیغ مقرر کئے جانے کے وقت سے مولانا محمد یوسف کی وفات تک، تبلیغی جماعت، اس کے کام اس کے فوائد و اثرات و نتائج کی تاریخ، حقیقت یہ ہے کہ بڑی حد تک خود حضرت مولانا محمد یوسف کی خدمات و کمالات، اخلاص و قربانی، جدوجہد، اور جاں سوزی و جاں فراموشی کی تاریخ ہے مولانا کا علمی مقام و کمالات و خدمات بھی بے پناہ اور اس کے فوائد اور دینی اثرات و نتائج بھی بے پناہ:

وہ بھی جلیل و جمیل یہ بھی جلیل و جمیل

اس جد و جہد کی کامیابی کے نتائج و ثمرات میں حضرت مولانا کے مخلصین، محسنین اور ان جاں نثاروں کا بھی بہت بڑا حصہ ہے جنھوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ اس کام کی ترقی اور فروغ کی جدوجہد میں قربان کر دیا تھا ان سب حضرات کی خدمات حضرت مولانا محمد یوسف کے کارناموں کے ساتھ اور مولانا محمد یوسف کے کارنامے اور اولوالعزمی کی داستان ان حضرات کی خدمات و جاں نثاری کی تاریخ کے ساتھ اس طرح رل مل گئی ہے کہ دونوں کی خدمات کو ایک دوسرے کی خدمات تعاون اور جذبہ ایثار و قربانی سے علیحدہ کر کے دیکھنا اور سمجھنا ممکن ہی نہیں۔

جب بھی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی خدمات کا تذکرہ آئے گا ان حضرات کی قربانیوں کی یاد تازہ ہوگی اور جب ان حضرات کی خدمات و محنتوں کا

ذکر کیا جانے کا حضرت مولانا محمد یوسف کی بصیرت، تربیت اور سرپرستی و رہنمائی کا بھی تذکرہ ضرور آئے گا۔ ایسے اصحاب کی ایک خاصی تعداد تھی مگر اس میں سر فہرست (حضرت حاجی عبدالرحمن نو مسلم کے بعد) نمایاں نام مولانا انعام الحسن صاحب کا ہے۔

مولانا محمد یوسف کی حیات میں مولانا انعام الحسن کا مرتبہ و مقام

سب یہی جانتے ہیں کہ مولانا محمد یوسف کی زندگی تک مولانا انعام الحسن تبلیغی ذمہ دار کی حیثیت سے متعارف اور نمایاں نہیں تھے۔ مگر تبلیغ کی دنیا میں جو کچھ ہو رہا تھا، پوری دنیا میں جماعتوں کے آنے جانے کی ترتیب، کام کی وسعت، گیرائی و گہرائی، تبلیغ کے فروغ کی تدبیریں، اجتماعات کے منصوبے، ان میں اکابرین مرکز تبلیغ کی تشریف بری، ہر علاقہ کا مقامی کام، اس کی نزاکتیں اور مسائل اور خود مرکز تبلیغ بنگلہ والی مسجد کا وسیع نظام ہر اک معاملہ کے پس منظر میں مولانا انعام الحسن کی رائے اور بصیرت بھی کارفرما رہتی تھی۔ بعض اہل نظر کا خیال ہے کہ مولانا انعام الحسن ان معاملات کی باریکیوں اور دورس پہلوؤں پر مولانا محمد یوسف سے زیادہ وسیع اور گہری نظر رکھتے تھے اور یہ تو سبھی کو تسلیم ہے کہ مولانا محمد یوسف مولانا انعام الحسن کے مشورے کے بغیر اور اس کے خلاف عموماً کچھ نہیں کرتے تھے اور مولانا محمد ثانی حسنی کے الفاظ میں:

> "اس لحاظ سے نظریں (مولانا محمد یوسف کی وفات کے بعد تبلیغی جماعت کا امیر بنانے کے لیے) مولانا انعام الحسن پر پڑ رہی تھیں، جو مولانا محمد یوسف کے بچپن سے ہمہ وقت کے ساتھی اور دست راست، ایک بڑے عالم و فاضل شخصیت کے مالک، مولانا محمد الیاس کے معتمد علیہ اور مجاز اور تبلیغی دعوت کے درحقیقت دماغ ہیں (۱)"

اسوقت مولانا انعام الحسن کی حیثیت اس انجینیر اور منصوبہ ساز کی سی تھی جو لوگوں کی نگاہوں، مجلسی ہنگاموں اور عوامی سرگرمیوں سے دور کسی کونے

۱۔ سوانح مولانا محمد یوسف ص ۶۴۲۔

میں بیٹھا ہوا میدان میں کام کرنے والے کمانڈروں اور سپاہیوں کے لیے طریقہ کار اور راہ عمل سوچتا، تجویز کرتا رہتا ہے۔ اس لیے اگرچہ اس دور کی کارگزاریوں اور عملی جدوجہد میں مولانا انعام الحسن کا نام بہت نمایاں نہیں ہے مگر ان کی مولانا محمد یوسف کے ساتھ ہر ایک منصوبہ، سفر اور پروگرام میں شرکت رہتی تھی، اس لیے مولانا محمد یوسف کی سوانح اور کارناموں کی تاریخ میں مولانا انعام الحسن کی بھی غیر محسوس شمولیت ہے مولانا انعام الحسن کی خدمات کو حضرت مولانا محمد یوسف کی خدمات سے علیحدہ کر کے دیکھنا مشکل بھی ہے اور غالباً ناانصافی بھی۔

مولانا محمد یوسف کا آخری سفر اور اس میں مولانا انعام الحسن کی رفاقت

مولانا محمد یوسف کی زندگی کا آخری سفر پاکستان کا تھا اس سفر کے آخری دن لاہور میں وفات پائی۔ مولانا کے اور اسفار کی طرح مولانا انعام الحسن صاحب اس سفر میں بھی ساتھ ساتھ تھے اور مولانا محمد یوسف کے آخری دنوں اور آخری لمحات میں مولانا کے ہمہ وقت قریب رہے۔

مولانا کے آخری چوبیس گھنٹہ کا ایک ایک لمحہ اور کہنا چاہیے کہ مولانا محمد یوسف کا آخری ایک ایک سانس مولانا انعام الحسن کے روبرو گذرا۔ مولانا محمد یوسف نے اس دوران سب سے مفصل گفتگو بھی مولانا انعام الحسن سے فرمائی اور اپنی وفات کے بعد کتابوں کی زکوۃ وغیرہ نکال دینے کی بھی ہدایت و وصیت کی (گویا اسی وقت سے تبلیغ کے اہم اور بنیادی کاموں کا بوجھ مولانا انعام الحسن کے سر پر آگیا تھا) اس لیے اس سفر کا جزوی اور مولانا محمد یوسف کی وفات اور متعلقہ واقعات کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ ضروری ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحب پاکستان کے طویل تبلیغی دورے (۱) کے لیے (۱۰ شوال ۱۳۸۴ھ، ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء کو جمعہ کی شب میں) دہلی سے فرنٹیر میل کے ذریعہ امرتسر کے لیے روانہ ہوئے، صبح کو سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہوئے، لاہور میں جمعہ کی نماز پڑھی اس سفر کا پہلا حصہ اس وقت کے مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ

۱۔ تفصیلات مولانا محمد یوسف صاحب کی سوانح اور حضرت شیخ کی آپ بیتی وغیرہ میں درج ہیں۔

دیش) کے اجتماعات میں شرکت تھی، چوں کہ مشرقی پاکستان کا ہندوستان سے سیدھا سفر قانوناً ممکن نہیں تھا اس لیے لاہور پہونچے اور جمعہ کی نماز کے بعد ہوائی جہاز سے ڈھاکہ کے لیے پرواز کی، تقریباً دو گھنٹہ میں لاہور سے ڈھاکہ پہونچ گئے۔

مولانا انعام الحسن صاحب نے جو حسب معمول اس سفر میں مولانا محمد یوسف کے ساتھ تھے ڈھاکہ سے حضرت شیخ الحدیث کے نام ایک خط میں اس سفر کی مفصل روداد لکھی، ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"ہم جمعہ کی صبح کو ساڑھے آٹھ بجے امرتسر پہونچے وہاں سے ٹیکسی لے کر ساڑھے نو بجے اٹاری پہونچے اور کسٹم وغیرہ سے نہایت سہولت سے نمٹ کر گیارہ بجے لاہور پہونچے ایک بجے جمعہ کی نماز پڑھ کر ڈیڑھ بجے مطار پہونچے۔ لاہور سے پونے تین بجے طیارے نے پرواز شروع کی اور دو گھنٹہ دس منٹ میں ڈھاکہ پہونچ گئے، اعلان دو گھنٹہ کا تھا لیکن راستہ میں دو تین جگہ طوفانی ہوا ملی جس سے دس منٹ کی تاخیر ہو گئی۔ عصر کی نماز طیارہ میں تین تین نفر کی جماعت کر کے ادا کی مغرب مطار پر اتر کر پڑھی لاہور کے حساب سے چار بج کر پچپن منٹ پر ڈھاکہ پہونچے، غروب چار بج کر باون منٹ پر تھا" (۱)۔

ڈھاکہ سے اس وقت کے مشرقی پاکستان کا طویل دورہ شروع ہوا جگہ جگہ چھوٹے بڑے اجتماعات طے تھے۔ مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن تقریباً ہر ایک جلسہ میں شریک ہوئے۔ بڑے شہروں میں سے سلہٹ، نواکھالی، چاٹگام، دیناجپور، راج شاہی، کھلنا، فرید پور جانا ہوا۔ نہایت کامیاب جلسے ہوئے۔ سب میں مولانا محمد یوسف کی ایمان افروز تقریریں ہوئیں۔ مشرقی پاکستان کے سفر سے فارغ ہو کر مغربی پاکستان واپس آئے۔ کراچی اترے اور تھوڑی دیر کے بعد مولانا محمد یوسف کی تقریروں اور افادات و ہدایت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کراچی کے تبلیغی

۱۔ سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۶۰۰۔

اجتماعات مکمل ہوئے اور مغربی پاکستان کے دوسرے شہروں کی قسمت کھلی، مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام نے کئی شہروں کا مختصر دو یا تین روزہ سفر کیا، انھیں دعوت پیش کی اور دین پر مر مٹنے کی آواز لگائی۔ سب مقامات سے فارغ ہو کر آخر میں رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں آئے۔ ۲۱/ ۲۲/ ۲۳/ مارچ ۱۹۶۵ء کو رائے ونڈ کا اجتماع تھا۔ یہاں مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کی بھرپور شرکت ہوئی اجلاس کی متعدد نشستوں میں مولانا محمد یوسف کی غیر معمولی تقریریں ہوئیں رائے ونڈ میں جمعرات کو اشراق کے بعد جماعتوں کو رخصت کرتے ہوئے آخری تقریر کی، وہاں سے لاہور تشریف لائے، لاہور کا یہ سفر مولانا کی زندگی کا آخری سفر تھا۔

لاہور میں مولانا محمد یوسف کو دل کا سخت دورہ اور مولانا انعام الحسن کو آخری ہدایت اور وصیت

اس سفر میں رائے ونڈ پہنچنے سے پہلے ہی مولانا پر تکان کے آثار تھے اور محسوس ہو رہا تھا کہ مولانا کی طبیعت ناساز ہے مگر مولانا عزم و ہمت کے پیکر تھے اور اپنی زندگی اور جسم کو آخری حد تک اللہ کے راستے میں مٹانے کا عہد کئے ہوئے تھے، اس لئے اس تکلیف اور ناتوانی کا دیکھنے والوں نے احساس کیا مگر مولانا نے کچھ نہیں فرمایا۔ لاہور میں بلال پارک کی مسجد میں نماز پڑھی، اسی وقت غالباً حضرت مولانا کو محسوس ہو گیا تھا کہ زندگی کا آفتاب لب بام ہے، کام پورا ہو چکا ہے اور زندگی بھر کے اس تھکے ماندے مسافر کے لئے مستقل آرام اور ابدی نعمتوں میں سونے کا وقت آیا ہی چاہتا ہے، مگر مولانا کے رفقاء کرام مولانا کے اشارات کو یا پوری طرح سمجھے نہیں، یا مولانا سے انتہائی محبت و شیفتگی اور مولانا کی ذات گرامی سے خدمت دین کا جو دریا بہہ رہا تھا اس کی روانی یوں اچانک تھم جانے کے خیال پر انھوں نے کچھ توجہ نہیں دی۔ بہر حال یکم اپریل (۲۹/ ذی قعدہ ۱۳۸۴ء) شام کو مغرب کے بعد پہلی مرتبہ مولانا محمد یوسف نے اپنی افزونی تکلیف اور اذیت کا خلاف معمول اظہار فرمایا۔ اس موقع پر مولانا انعام الحسن، محمد شفیع قریشی صاحب (جھنجھانوی مقیم راولپنڈی)

مولانا مفتی زین العابدین صاحب، عبد المالک صاحب سیالکوٹی، اور منشی محمد عیسیٰ صاحب (فیروز پور نمک میوات) مولانا محمد یوسف کی خدمت میں حاضر اور اس کمرہ میں موجود تھے جہاں حضرت مولانا آرام کر رہے تھے۔ مولانا محمد یوسف نے اپنے رفقاء سے اپنی تکلیفوں کی نوعیت کے بیان سے گفتگو شروع فرمائی:

"مفتی صاحب میری سانس کی نالی میں چھالیہ سی معدہ سے اٹھ کر اوپر کی جانب آتی ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے میں پانی پی کر اسے دباتا ہوں جب تک وہ نیچے نہ اتر جائے پانی پیتا رہتا ہوں۔ آپ اس تکلیف کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ مولانا انعام الحسن صاحب نے ہنستے ہوئے فرمایا" مفتی صاحب! فتوی دیجئے" پھر فرمایا" بھائی ہماری منزل تو پوری ہو چکی"۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا" ابھی کہاں ابھی تو آپ کو چین، روس اور امریکہ اور ہندوستان میں اسلام کو پھیلانا ہے اور سارے ممالک میں اسلام کی دعوت پہنچانی ہے" فرمایا کہ پالیسی مکمل ہو چکی، اب کرنے والے کرتے رہیں گے۔"

"پھر پوچھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کس عمر میں وصال فرمایا؟
مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا باسٹھ سال کی عمر میں۔

فرمایا حضور ﷺ کا؟

مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا تریسٹھ سال کی عمر میں۔

پھر خود فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تریسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا اور ہمارے لئے اڑتالیس سال بس ہیں۔

مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا ابھی سے۔ ذرا سکتہ کے بعد فرمایا تریسٹھ سال ٹھیک ہے۔

مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا یہ مشورہ کی چیز تھوڑی ہے پھر

تو سب اپنے لئے طے کرلیں۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں اسی درمیان لاہور کے احباب آتے رہے ان سے بھی مختصر مختصر کلمات فرماتے رہے۔ ان صاحبان کا حضرت مولانا سے اصرار تھا کہ تقریر فرمائیں۔ حضرت مولانا اپنی اندرونی کیفیت اور کمزوری کی وجہ سے برابر منع کر رہے تھے، اصرار زیادہ بڑھا تو قریشی صاحب سے مشورہ کیا۔

"قریشی صاحب! کیا مجھے کہنا پڑے گا، میں کیا کہوں "جو کہنا تھا سب کہہ چکا، اب مجھے کچھ نہیں کہنا"۔ قریشی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت احباب کا بہت اصرار ہے اور یہ تقریر اس سفر کی آخری تقریر ہو گی مجمع بھی اچھی صلاحیتوں والا آیا ہے۔" (۱)

اصرار سے مجبور ہو کر مولانا نے تقریر کا ارادہ فرمالیا مسجد گئے تقریر کی، تقریر میں تکان کا اثر محسوس ہو رہا تھا، ایک نکاح پڑھانا تھا، تشکیل روک کر خلاف معمول بہت مختصر نکاح پڑھایا، مختصر دعا کی اور تیزی سے مسجد سے نکلے، قریب کھڑے ایک میواتی نوجوان کو بلا کر فرمایا "مجھے سنبھالو" انھوں نے ایک اور شخص کے ساتھ مل کر مولانا کو سہارا دیا مگر مولانا سنبھل نہیں رہے تھے، وہ گھر جہاں حضرت مولانا کا قیام تھا مسجد کے قریب ہی تھا وہاں پہنچتے ہی لڑکھڑائے اور بے ہوشی طاری ہو گئی۔ تشخیص ہوا کہ دل کا سخت دورہ ہوا ہے یہ وقت اور جمعہ کی شب نہایت نازک حالت میں گذری، جمعہ کی صبح کو معمولی سا افاقہ محسوس ہوا، جس سے حاضر باش اصحاب اور حضرت مولانا کے متوسلین کو نہایت مسرت ہوئی، مولانا انعام الحسن بھی برابر میں موجود تھے اس وقت مولانا محمد یوسف نے اپنی کتاب حیات الصحابہؓ کی زکاۃ نکال دینے کی وصیت کی، مولانا انعام الحسن صاحب نے کہا بہت اچھا۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے فوراً ہی یہ بھی کہا حضرت! میں آپ کے ساتھ رہا ہوں معاف فرما دیجئے...... فرمایا: معاف کیا!

(۱) سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی مولانا محمد ثانی حسنی ص ۶۲۲

افاقہ کی یہ صورت آخری لمحوں کا سنبھالا تھی، دوپہر میں احباب مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے گئے تھے کہ مولانا یوسف پر دوسرا شدید قلبی حملہ ہوا، مولانا انعام الحسن صاحب جو حالات کی نزاکت کو سمجھ رہے تھے مولانا کے قریب موجود تھے

مولانا محمد یوسف کی وفات اور مولانا انعام الحسن کا صبر واستقامت

حالت سنگین ہورہی تھی، اسپتال پہنچانا ضروری تھا، مولانا یوسف نے عورتوں (نرسوں) کی وجہ سے وہاں جانے سے انکار کیا جب مفتی زین العابدین خاں نے اطمینان دلایا کہ عورتیں پاس نہیں آئیں گی، اس پر مولانا محمد یوسف ہسپتال جانے کے لئے آمادہ ہوئے، مولانا کو کار میں لٹایا گیا، مولانا انعام الحسن صاحب، ڈاکٹر اسلم، مولوی الیاس اس کار میں مولانا کے ساتھ تھے۔ ریلوے ورکشاپ کا پل پار کر کے کار گڈھی شاہو کے قریب پہنچی، مولانا نے دریافت کیا تمہارا ہسپتال کتنی دور ہے؟ عرض کیا دو فرلانگ کے قریب ہے، اس پر مولانا نے فرمایا "اچھا پھر ہم تو چلے" یہ آخری جملہ تھا جو مولانا کی زبان سے نکلا، اس کے بعد ہونٹ ہلتے رہے، مولانا محمد یوسف کلمۂ طیبہ پڑھ رہے تھے، مولانا انعام الحسن نے سورہ یٰسین پڑھنی شروع کی اور ہسپتال آنے سے پہلے ہی مولانا کے ہونٹوں کی حرکت بند ہوگئی اور اس مرد مجاہد کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔

مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا: اب ہسپتال مت لے جاؤ، واپس چلو مگر ڈاکٹر اسلم کا خیال آکسیجن دینے اور آخری طبی کوشش کرنے کا تھا، پانچ چھ منٹ کے بعد ہسپتال آگیا، مولانا انعام الحسن صاحب نے اس وقت بھی کار میں سے نکالنے کو منع کیا مگر ڈاکٹر صاحب کے اصرار پر نکالا گیا، ہسپتال میں لائے اور چند منٹ تک آکسیجن دی گئی، دوسری تدبیریں بھی کی گئیں، مگر دین کا مسافر آخرت کے سفر پر روانہ ہو چکا تھا، یہ تدبیریں کچھ کام نہ آئیں، مایوسی ہوگئی تو ساتھ آنے والے احباب کے صبر کا بندھن ٹوٹنے لگا، بعض ساتھی آواز سے رو رہے تھے، یہ اچانک غیر متوقع اور بہت بڑا حادثہ مولانا انعام الحسن کے لئے کئی

حیثیتوں سے سخت غم واذیت کا باعث تھا مگر مولانا صبر وضبط کا پیکر بنے ہوئے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ رہے تھے، حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری کے خلیفہ مولانا جمیل احمد میواتی جوان تمام واقعات کے چشم دید گواہ ہیں، لکھتے ہیں:

"مولانا انعام الحسن کی طبیعت بھی بھری ہوئی تھی مگر ضبط تھا اور اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْراً مِّنْهَا پڑھتے تھے۔

ہسپتال سے جنازہ بلال پارک کی مسجد میں واپس لایا گیا، مولانا کی وفات کی خبر چند لمحوں میں پاکستان کے کونے کونے میں پہنچ گئی، بلال پارک کی مسجد آنے والوں کے ہجوم سے تنگ ہوگئی مجمع تھا کہ بڑھتا ہی رہا۔

تدفین کے متعلق اختلاف ہوا اکثر ساتھیوں کی رائے لاہور یا رائے ونڈ میں دفن کرنے کی تھی، چند اصحاب نے نظام الدین لے جانے پر اصرار کیا، اختلاف شدید ہوا اس وقت صورت حال کی حضرت شیخ کو اطلاع دی گئی، حضرت شیخ نے فرمایا اگر نظام الدین آمد کی کوئی صورت ہو سکے تو مقدم ہے، ورنہ رائے ونڈ کے مدرسہ میں دفن کردیں" (۱)

مولانا انعام الحسن کی رائے یہ تھی کہ لاہور میں تدفین عمل میں آئے کیوں کہ مولانا محمد یوسف نے حضرت شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ کی وفات پر (برپا جھگڑے کے وقت) مولانا انعام الحسن سے کہہ دیا تھا (گویا وصیت کردی تھی) کہ میرا جس جگہ انتقال ہو وہیں دفن کردینا، مگر حضرت شیخ اور دوسرے صاحبان کو پہلے سے اس وصیت کا علم نہیں تھا (۲) اور اس وقت مولانا انعام الحسن کا حضرت شیخ سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا، نیز دونوں فریق

(۱) ہفت روزہ خدام الدین لاہور مولانا یوسف نمبر ص ۳۳ (۲) آپ بیتی ۳ ص ۱۰۰

حضرت شیخ کے فیصلے سے اتفاق کا وعدہ کر چکے تھے اس لئے اس وصیت کا وہاں تذکرہ ہی نہیں آیا، حضرت شیخ نے آپ بیتی میں اس واقعہ کی تفصیل یوں ذکر فرمائی ہے :

''اس دن تو ہنگامہ بہت ہی زیادہ رہا بات کرنے کی نوبت نہ آئی، دوسرے دن مولوی انعام سلمہ نے مجھ سے فرمایا کہ تیرے حکم کی تعمیل میں جنازہ یہاں آگیا ورنہ مولانا یوسف صاحب نے تو حضرت رائے پوری قدس سرہ کے تابوت کے نزاع میں ہمیشہ مجھ سے یہ کہا اور کئی دفعہ کہا کہ میری نعش کہیں منتقل نہ کی جائے، اگر ریل میں انتقال ہو جائے تو قریب کے اسٹیشن پر اتار کر وہیں جنگل میں دفن کر دینا، جس جگہ کا ٹکٹ ہو وہاں بھی نہ لے جانا۔

میں نے ان سے کہا کہ اللہ کے بندے، جب مرحوم کی تمہارے پاس ایک وصیت تھی تو تمہیں اس پر عمل کرنا چاہئے تھا۔ تو عزیزم مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا کہ وہاں ہنگامے کی ایسی صورت پیدا ہو رہی تھی کہ جس میں نزاع کا اندیشہ تھا، تیرا نام آتے ہی ہر فریق چپ ہو گیا، ورنہ اہل لاہور کا شدید اصرار تھا کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہ کے مقبرے میں دفن کیا جائے اور تبلیغی احباب کا رائے ونڈ میں اور ہندی میواتیوں کا زور تھا کہ دہلی لے جانا ہوگا، ورنہ یہیں ہنگامہ ہو جائے گا۔ تیرے نام پر تینوں فریق چپکے ہو گئے اور حافظ صدیق نے کہہ دیا کہ اس کے حکم کے خلاف تو ہم نہیں بول سکتے۔ میں نے کہا کہ پھر کم از کم تمہیں مولانا یوسف صاحب کی وصیت ٹیلی فون پر نقل کرانی چاہئے تھی، مجھے تو پہلے سے اس کا حال معلوم نہ تھا، میں تو کبھی دہلی نہ منگواتا'' (۱)

(۱) آپ بیتی نمبر ۳ ص ۱۰۱، ۱۰۲

یہ قصہ طے ہو گیا اور جنازے کے دہلی لے جانے کے لئے خاص (چارٹر) ہوائی جہاز کا انتظام کیا گیا۔ عشاء کے بعد ۹ بجے مولانا انعام الحسن صاحب نے پہلی نماز جنازہ پڑھائی، تقریباً بارہ بجے ہوائی اڈہ پر پہنچے، اس وقت مولانا انعام الحسن صاحب نے مجمع عام میں پہلی تقریر کی، مولانا محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:

"پوری فضا سوگوار تھی اور سارے اہل تعلق اشک بار تھے مولانا انعام الحسن صاحب نے چند منٹ حاضرین کے سامنے درد بھری آواز میں تقریر فرمائی اور تلقین کی کہ حضرت جی نور اللہ مرقدہ کہتے کہتے چلے گئے، اب کرتے رہنے کی ضرورت ہے، جو کرے گا اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ ہوگی، اب بوجھ آپ حضرات پر کلیتاً آپڑا ہے اسے ہمت کر کے اٹھاؤ اور کام کو چلاؤ" (۱)

شنبہ کی رات میں تقریباً تین بجے دہلی ہوائی اڈے پر جنازہ اترا نظام الدین لایا گیا، صبح کو حضرت شیخ الحدیث نے تیسری اور آخری نماز جنازہ پڑھائی اور اس گنجینۂ کمالات کو مولانا الیاس کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

تبلیغی جماعت کی سربراہی کے لئے مولانا انعام الحسن کا انتخاب اور اس کا اعلان

مولانا محمد یوسف کی وفات کے بعد تبلیغی کام کرنے والے خصوصاً اور تمام علماء اصحاب قدر اور اہل دل عموماً آزردہ و غمگین تھے، بے شمار لوگوں کی اس پر نظریں لگی ہوئی تھیں کہ اب حضرت مولانا محمد الیاس کے کام تبلیغی جماعت کا مستقبل کیا ہے؟ اب اس جماعت کا سربراہ کون مقرر ہوتا ہے؟ اس کی شیرازہ بندی کی کیا تدبیر ہے؟ کئی نام ایسے تھے جو اس وقت عموماً زبانوں پر تھے اور تبلیغی جدوجہد کے ذمہ داران نیز عوام بھی کان لگائے منتظر تھے کہ ہماری زمام کس کے سپرد ہوتی ہے؟ حضرت شیخ نے غور و فکر کیا اور مولانا انعام الحسن کو امیر جماعت

(۱) سوانح مولانا محمد یوسف ص ۶۳۸

بنانے کا ارادہ فرمالیا۔ حضرت مولانا محمد الیاس کے دور سے تبلیغی کام سے وابستہ اور اس دینی خدمت کے مقاصد، طریقہ اور اس کی آئندہ ضرورتوں اور خطرات سے واقف اصحاب حضرت شیخ کی اس رائے میں شریک اور اس کے ہم نوا تھے، ان کے اور مختلف اصحاب سے اجتماعی انفرادی مشوروں کے بعد مولانا انعام الحسن کے نام پر تقریباً اتفاق ہو گیا تھا، اس لئے حضرت شیخ نے مولانا سید فخر الحسن صاحب (شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند) کے ذریعہ سے مجمع عام میں اس کا اعلان کرادیا کہ تبلیغی جماعت کے آئندہ امیر مولانا انعام الحسن صاحب ہوں گے۔

مولانا انعام الحسن کے نام کا تبلیغی جماعت کے امیر کی حیثیت سے انتخاب واعلان اس وقت غالباً مناسب ترین فیصلہ تھا کیونکہ مولانا انعام الحسن تقریباً بتیس سال سے سفر وحضر میں حضرت مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسف کے ساتھ تھے نیز اس جدوجہد کی پوری تاریخ اور نشیب و فراز پر ان کی نظر تھی اور وہ مولانا محمد الیاس اور مولانا یوسف کی زندگی کے آخری لمحات تک ان کے قریب و معتمد رہے تھے۔ مولانا سید محمد رابع حسنی رائے بریلوی نے مولانا انعام الحسن کے حسن انتخاب کا اپنی ایک تحریر میں ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "مولانا امیر منتخب ہونے سے پہلے ایک طرف تو سابق امیر کے ہمہ وقتی رفیق اور تمام امور میں مشیر تھے اور دوسری طرف مرکز نظام الدین میں قائم دینی درسگاہ کے ممتاز استاذ و مدرس تھے وہ اپنے علم میں ہمہ وقت اضافے کے شائق رہتے، نئی طبع ہونے والی کتابوں اور علمی مضامین کے مطالعہ کا بھی اشتغال رکھتے تھے۔ اس طرح وہ مختلف النوع امور سے واقف ہوتے رہتے تھے اور ان کا علمی پایہ بھی بلند ہوتا گیا تھا جماعت کے کام سے انتہائی قرب، بانئ جماعت کی ترتیب اور امیر ثانی سے ہر وقت کی رفاقت کی وجہ سے کام کے نشیب و فراز سے بھرپور

واقفیت حاصل ہوتی تھی ، یہ دونوں خصوصیات ان کے امیر منتخب ہونے کے بعد ان کی شخصیت کی وقعت اور صلاحیت عمل کی اہم بنیاد اور ان کے امیر منتخب کئے جانے کی وجہ بنیں۔" (۱)

اگرچہ بعض لوگوں کو مولانا انعام الحسن کے امیر منتخب کئے جانے سے اختلاف تھا لیکن اکابر علماء اور اہل نظر حضرات نے اس کی تحسین و تائید کی اور اسکو حضرت شیخ کی دور رس نگاہ، اصابت رائے اور استقامت کا ایک نمونہ قرار دیا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں :

"حضرت شیخ کی اصابت رائے کا نمونہ یہ تھا کہ مولانا محمد یوسف کے انتقال پر باوجود ایک حلقہ کی خواہش و تقاضے اور جذباتی تعلق کے اپنے لخت جگر عزیز مولوی ہارون کو اپنے والد و دادا کا جانشین بنانے کے بجائے (جن سے اہل میوات کو جذباتی تعلق تھا) زمانے کی نزاکتوں اور وقت کے فتنوں کے پیش نظر مولانا انعام الحسن کو جانشین بنایا ، جو مولانا محمد یوسف کے شروع سے شریک کار ، دست راست اور مشیر و معاون تھے اور جو اپنے فہم، تجربہ ، علم و عمر کی وجہ سے جماعت اور کام کی صحیح رہنمائی کر سکتے تھے۔ شیخ کے اس انتخاب اور فیصلہ پر ایک حلقہ نے احتجاج بھی کیا اور بعض عمائدِ دہلی نے شیخ کی اس رائے کو تبدیل کرنے کی کوشش کی ، لیکن شیخ اس پر مضبوطی سے قائم رہے اور بعد کے تجربوں نے اور دعوت کی موجودہ ترقی ، مقبولیت اور عالم گیر وسعت نے ثابت کر دیا کہ یہ فیصلہ اور انتخاب صحیح اور حق بجانب تھا۔" (۲)

(۱) حضرت جی نمبر، ماہنامہ ، البھوریہ ص ۱۸۳ (کراچی رجب ۱۴۱۶ھ)
(۲) سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ص ۲۲۲

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب سے اہل تبلیغ کی بیعت

اگرچہ مولانا انعام الحسن صاحب کو حضرت مولانا محمد الیاس سے اجازت بیعت حاصل تھی مگر وہ مولانا محمد یوسف کی زندگی میں بہت کم کسی کو بیعت کرتے تھے، لیکن مولانا انعام الحسن کی اس خواہش اور کوشش کے باوجود کہ اہل ذوق اس وقت کے ممتاز مشائخ طریقت حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری، حضرت (مولانا حسین احمد) مدنی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی یا مولانا محمد یوسف سے بیعت ہوں، کچھ نیاز مندوں کا اصرار ہوتا تھا کہ وہ مولانا انعام الحسن صاحب سے ہی بیعت ہوں گے مولانا انعام الحسن بہت اصرار پر کسی کو بیعت کر لیتے تھے، مگر اس احتیاط کے باوجود بھی ایسے لوگوں کی فہرست بھی خاصی طویل تھی جو مولانا انعام صاحب سے بیعت تھے، حضرت شیخ نے بھی اجمالاً اس کا ذکر کیا ہے کہ مولانا محمد یوسف کی امارت میں مولانا انعام الحسن سے لوگ بیعت ہوتے رہے، لکھا ہے:

"مولانا یوسف کے زمانہ میں لوگ مولانا انعام سے بیعت ہوتے رہے ہیں" (۱)

مگر مولانا محمد یوسف کی وفات پر جب امیر تبلیغ منتخب ہوگئے اس وقت ضروری ہوگیا تھا کہ وہ مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسف کے جملہ متوسلین کو سنبھالیں اور اس روایت اور سلسلہ کو آگے بڑھائیں جو تقریباً ستر برس سے جاری تھا اس لئے اس وقت پہلی بار مجمع عام میں بیعت کی (یہ مجلسِ بیعت بنگلہ والی مسجد، تبلیغی مرکز کے جنوبی سمت میں واقع پرانی تاریخی عمارت چونسٹھ کھمبا کے میدان میں مولانا محمد یوسف کی تدفین کے بعد منعقد ہوئی تھی) جس میں تبلیغ سے وابستہ اصحاب اور اہل میوات کا بڑا مجمع تھا جو مولانا محمد یوسف کے بعد اپنی روحانی وابستگی اور تربیت کے لئے اہل مرکز کی ہدایات و رہنمائی کا منتظر تھا۔ اس مجمع

(۱) مکتوب از مکہ مکرمہ (مکتوبہ ۲۶/ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ بموقع عطائے اجازت و خلافت مولانا محمد ہارون صاحب) تذکرہ مولوی محمد ہارون ص ۸۴

ے مولانا محمد یوسف کے فرزند مولانا محمد ہارون نے مختصر خطاب کرتے ہوئے کہا:

"والد مرحوم کے بعد ہمیں اپنی رہبری کے لئے حضرت مولانا انعام الحسن کو طے رکھنا ہے اور جو لوگ والد مرحوم سے منسلک تھے وہ اپنی تجدید حضرت مولانا سے کرلیں اور جس طرح ان کے ساتھ اپنی روحانی وابستگی رکھتے تھے اب حضرت مولانا انعام الحسن صاحب سے وابستگی رکھیں اور ہماری رہبری و اصلاح کے لئے جس طرح حضرت مولانا محمد الیاس مرحوم نے مولانا محمد یوسف صاحب کو مقرر فرمایا تھا بعینہ اسی طرح حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کو بھی مامور فرمایا تھا، آپ لوگ حضرت کے وجود مسعود کو غنیمت سمجھیں اور بیعت حضرت ہی سے کریں۔" (۱)

اس تقریر کا خاص اثر ہوا، جو حضرات مولانا محمد یوسف کی وفات سے خود کو بے سہارا محسوس کررہے تھے ان کے ذہن یکسو ہوگئے اور مولانا انعام الحسن سے بیعت شروع ہوگئی، تبلیغی جلسوں کے ذریعہ عام ہوئی اور آہستہ آہستہ اس کا دائرہ پوری دنیا تک وسیع ہوگیا اور کہا جاسکتا ہے کہ بر صغیر، ہندو پاک کے مشائخ میں بیعت کا ایسا پھیلا ہوا سلسلہ شاید ہی کسی کا ہو!

مولانا انعام الحسن کے امیر منتخب ہونے پر مولانا محمد ہارون کا تعمیری کردار

اگرچہ مولانا محمد یوسف کے صاحب زادے مولانا ہارون بھی اس کے اہل تھے کہ ان کو امیر منتخب کیا جاتا، کچھ لوگوں نے اس کے لئے کوشش بھی کی تحریک چلائی اور اپنے مقاصد کے لئے مولانا محمد ہارون کو اپنے ساتھ شامل کرنا اور اپنا ہم نوا بنانا چاہا تھا مگر مولانا محمد ہارون کو خود بڑا بننے سے اپنے اجداد کی خدمات اور محنت زیادہ عزیز تھی (جس میں ان بزرگوں

(۱) تذکرہ مولوی محمد ہارون، مولانا محمد ثانی حسنی ص ۴۸

نے اپنی زندگیاں قربان کردی تھیں) اس لئے مولانا ہارون نے نہ ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کی نہ ان کا ساتھ دیا، بلکہ ان کو سمجھایا اور حضرت شیخ نے (جو مولانا ہارون کے نانا بھی تھے) جو فیصلہ فرمایا تھا (اور جس سے ذمہ داران تبلیغ نے بھی اتفاق کیا تھا) اس کی اہمیت واضح کی اور اس کو ماننے پر زور دیا، حضرت شیخ فرماتے تھے:

"عزیز یوسف مرحوم کے بعد اس کے نادان دوستوں اور عوامی بھیڑ نے مولانا انعام الحسن اور اس ناکارہ کے خلاف اُسے (مولوی محمد ہارون کو) بہت بری طرح بھڑکایا (دہلی کی مسجد) فتح پوری کے امام صاحب دو دفعہ وفد لے کر میرے پاس آئے کہ تو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر، میوات کے بہت سے دوستوں نے تحریراً اور مستقل سفر کر کے مجھے فیصلہ بدلنے پر مجبور کیا۔ جب مجھ پر یہ زور تھا تو مرحوم کو کتنا بھڑکایا ہوگا اور میرے علم میں بھی ہے مگر مرحوم (مولوی محمد ہارون) نے یہی کہا کہ چچا ابا مولانا انعام الحسن کے ہوتے ہوئے میں بالکل مناسب نہیں تھا، یا یہ کہا کہ شیخ ابا (حضرت شیخ الحدیث) کا فیصلہ بہت گہرا ہے وغیرہ وغیرہ۔" (۱)

مولانا ہارون کا اس وقت یہ تحمل یہ برداشت، یہ مشورہ اور اس طرح اپنے بڑوں کے فیصلے کی پابندی کا اعلان ان کے اجداد کی روایات کے عین مطابق اور ان کے اخلاص کا اثر تھا، اگر خدانخواستہ اس وقت مولانا ہارون صاحب اس بات کو ذرا بھی اٹھاتے اور اس جانب توجہ کر لیتے تو تبلیغی نظام کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا، کیونکہ اس وقت کے حالات مولانا محمد الیاس کی وفات کے حالات سے بہت مختلف تھے اور امارت کی ترتیب بھی بدل گئی تھی، میوات کے پرجوش مخلص مبلغین کی اکثریت (مولانا محمد اسماعیل، مولانا محمد میاں اور مولانا محمد الیاس کی خدمات واثرات کی وجہ سے) مولانا محمد یوسف کے دامن اصلاح و تربیت سے وابستہ تھی ان کی تمام ہمدردیاں اور جذبات مولانا محمد ہارون کے ساتھ تھے۔

(۱) تذکرہ مولوی محمد ہارون، مولانا محمد ثانی حسنی، رائے بریلوی ص ۵۰ (طبع اول لکھنؤ)

ان کی محبت چاہتی تھی کہ وہ مولانا کے ہاتھ پر بیعت کریں اور اس پرانے سلسلے اور روایات کو باقی رکھیں جو تقریباً ایک سو سال سے میوات میں چلی آرہی تھیں ، مولانا ہارون کو ان باتوں جذبات اور واقعات کا علم تھا مگر انھوں نے اپنی ذات کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا بُرا جانا اور اس طرح قربانی، ایثار اور اخلاص کا ثبوت دیا جس طرح مولانا انعام الحسن صاحب نے مولانا محمد یوسف کی امارت کے وقت دیا تھا۔ مگر مولانا ہارون کا ایثار اور قربانی اس حیثیت سے مولانا سے بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ مولانا ہارون اس وقت خاصے متعارف تھے ، خصوصاً میوات اور یوپی میں ان سے گہری وابستگی تھی۔ وہ مولانا محمد یوسف کے صاحبزادے تھے، ان کی شکل وصورت اور خطاب میں مولانا محمد یوسف کی جھلک آنے لگی تھی، مگر وہ نہایت خاموشی اور یک سوئی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول اور (مولانا محمد یوسف کے عہد کی یاد تازہ رکھتے ہوئے) مولانا انعام الحسن کے دست وبازو اور معین ومددگار بنے رہے۔

حضرت شیخ کی سرپرستی ورہنمائی حضرت مولانا محمد الیاس کے زمانہ سے ہی حضرت شیخ تبلیغی جماعت کے سرپرست اور ذمہ دار شمار ہوتے تھے [1] حضرت مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسف کوئی بھی اہم کام اور سفر حضرت شیخ سے مشورہ کئے بغیر اور ان کی رائے کے خلاف نہیں کرتے تھے۔ مولانا محمد الیاس کی وفات کے بعد حضرت شیخ نے تبلیغ کی خاص سرپرستی فرمائی، بار بار نظام الدین تشریف لاتے اور ہفتوں قیام فرماتے تھے، مولانا محمد یوسف کی دل داری اور ہمت افزائی کے لئے کئی رمضان بھی نظام الدین میں گذارے، بعد میں جب ضرورت ہوتی یا مولانا محمد یوسف گذارش کرتے شیخ ضرور تشریف لاتے، یہ معمول مولانا محمد یوسف کی وفات تک اسی تواتر کے ساتھ جاری رہا۔ مولانا کی وفات کے بعد مولانا انعام الحسن ذمہ دار بنائے گئے ، مولانا کے ساتھ جو مشکلات اور مسائل تھے وہ

(۱) مولانا محمد الیاس نے اپنے آخری سفر حج کے وقت تبلیغی مرکز کا نگراں، اور وہاں کے معاملات ومسائل کا حضرت شیخ کو ذمہ دار مقرر کیا تھا۔ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت حاشیہ ص ۱۰۶

مولانا محمد یوسف کے عہد کی مشکلات ومسائل سے زیادہ اہم، زیادہ نازک اور سنگین تھے اس لئے حضرت شیخ نے اس موقعہ پر بھی پوری پوری توجہ فرمائی بار بار نظام الدین تشریف لے جاتے، قیام فرماتے اور اپنی ہدایات اور مشوروں سے فیض یاب کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد یوسف کی وفات کے بعد تقریباً ایک ہفتہ نظام الدین قیام فرمایا اس کے بعد مدرسہ مظاہر علوم کے مسائل، درس بخاری اور عید الاضحیٰ کی وجہ سے سہارنپور واپس تشریف لائے۔ ۱۲/ذی الحجہ کی شب میں مولانا انعام الحسن صاحب سہارنپور پہنچے ۱۳/پنجشنبہ کی صبح حضرت شیخ ان کے ہمراہ دوبارہ نظام الدین تشریف فرما ہوئے۔ اس سفر سے ایک دن پہلے مظاہر علوم کے صدر مدرس اور حضرت شیخ کے رفیق کار حضرت مولانا امیر احمد کاندھلوی کا معمولی بیماری کے بعد ۱۱/ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ بدھ کی دوپہر کو انتقال ہو گیا تھا۔ حضرت شیخ سہارنپور سے دہلی جاتے وقت ان کی تعزیت کے لئے کاندھلہ پہنچے، یہاں سے دہلی کے لئے روانگی ہوئی، حضرت شیخ نے روزنامچہ میں تحریر فرمایا ہے:

> "اس شب میں عشاء کے وقت مولوی انعام صاحب کار سے پہنچے، جمعرات کی صبح کو نو بجے ان کے ساتھ زکریا، حکیم الیاس، عاقل گیارہ بجے کاندھلہ بسلسلہ تعزیت مولوی امیر مرحوم، وہاں سے عصر کے بعد چل کر قُبیل عشا نظام الدین پہنچے"

نظام الدین کے اس سفر کے پانچ روز کے بعد ۱۷/ذی الحجہ کو سہارنپور واپسی ہوئی۔ حضرت شیخ کے اس سفر کے علاوہ بھی موقع بہ موقع نظام الدین کے کثرت سے سفر ہوتے رہے۔ ایک اور سفر ۲۸/ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ ۲۶/اگست ۱۹۶۵ء کو ہوا، اس سفر کے موقعہ پر مولانا محمد یوسف کی والدہ ماجدہ حضرت شیخ سے ملاقات کے لئے آئیں اور چند لمحوں کے بعد اچانک سفر آخرت پر روانہ ہو گئیں اس سفر کی یادداشت بھی حضرت شیخ نے حسب معمول قلم بند فرمائی ہے۔ لکھا ہے:

> "نظام الدین کے سفر کا کئی ماہ سے اصرار، اور خود اپنی طبیعت پر

تقاضہ تھا مگر مجبوریاں مانع رہیں، تقریباً ایک ماہ ہوا نظام الدین اطلاع کردی تھی کہ امتحان کی وجہ سے جمادی الاولی کا پہلا ہفتہ اپنے اسفار سے خالی رکھیں، یہ ناکارہ شنبہ کی صبح کو ریل سے آئے گا (کہ کار مولانا یوسف صاحب کے ساتھ گئی) مگر عزیزان نے حافظ عبد العزیز صاحب کی کار جمعہ کی شام کو بھیج دی۔ جس میں والدۂ طلحہ، عزیز ہارون ان کے ساتھ آگئے، اور شنبہ کی صبح کو ساڑھے چھ بجے چل کر گیارہ بجے نظام الدین پہنچا۔ شنبہ کی شام کو حسب معمول حجرے میں عورتوں کو بلایا، آٹھ بجے وہ سب آگئیں اور حجرے میں آتے ہی چچی جان کو دورہ شروع ہوا، وہ فوراً اندر سرعت کے ساتھ گئیں، فوراً عورتوں کو پیچھے بھیجا ایک دو چیخوں کے بعد سوا آٹھ بجے روح پرواز کر گئی" (۱)

ایک اور قابل ذکر سفر صفر ۱۳۸۸ھ کا ہے، حضرت شیخ صفر کی پہلی تاریخ (۳۰/اپریل ۱۹۶۸ء) کو سہارنپور سے نظام الدین آئے، پانچ روز نظام الدین میں قیام کیا جمعرات ۶/صفر کو سہارنپور واپس آگئے۔

ان سفروں میں سے ہر ایک سفر اہل تبلیغ مقیمین مرکز تبلیغ خصوصاً حضرت مولانا انعام الحسن کے لئے قوت وحوصلہ افزائی کا ذریعہ ہوتا تھا نیز نظام الدین کے بار بار سفروں کے علاوہ مولانا انعام الحسن کی خواہش اور تقاضوں پر حضرت شیخ کے میوات کے بھی کئی سفر ہوئے۔

اس سلسلہ کا پہلا اہم سفر شعبان ۱۳۸۶ھ نومبر ۱۹۶۶ء میں ہوا، ۵/شعبان کو سہارنپور سے روانہ ہو کر دوپہر میں کاندھلہ قیام کرتے ہوئے شام کو نظام الدین پہنچے، ۶/شعبان کو نظام الدین میں قیام ہوا، یہ سفر کامیڈہ کے اجتماع میں شرکت کے لئے تھا ۷/کی صبح کو فیروز پور نمک گئے، وہاں سے نوح ہوتے ہوئے کامیڈہ آگئے، ظہر کے بعد جلسہ شروع ہوگیا، منگل (۸/شعبان ۲۲/نومبر) کو اجتماع سے فراغت کے بعد نظام الدین کے لئے روانگی ہوئی۔ (۲)

(۱) روزنامچہ ۲۸/ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ (۲) روزنامچہ یکم شعبان ۱۳۸۶ھ ۱۵/نومبر ۱۹۶۶ء

حضرت شیخ نے اس کے بعد میوات کے کم از کم تین سفر اور کئے جس سے وہاں تبلیغ کے کام کو بہت تقویت ملی اور حضرت مولانا محمد الیاس نیز مولانا محمد یوسف کے وابستگان کے دل کی کلی کھل گئی، تبلیغی اجتماعات ہوئے، ہزاروں افراد نے حضرت شیخ اور مولانا انعام الحسن کے ہاتھ پر بیعت کی اور سیکڑوں جماعتوں میں گئے، غرض یہ سفر ہر طرح سے مفید اور توقعات کے مطابق رہے۔

حضرت شیخ نے میوات کا ایک اور سفر شعبان ۱۳۸۷ھ نومبر ۱۹۶۷ء میں کیا، یہ سفر نوح کے قریب ایک تبلیغی اجتماع میں شرکت کے لئے تھا، اجتماع میں خیر وخوبی کے ساتھ شرکت ہوئی، نوح کے مدرسہ میں بخاری شریف ختم کرائی، اس مدرسہ میں اسی سال دورۂ حدیث کا آغاز ہوا تھا، اجتماع کے بعد دو دن نظام الدین قیام فرما کر حضرت شیخ ۲۱/ شعبان، ۲۳/ نومبر کو سہارنپور واپس آگئے۔ (۱)

حضرت شیخ کا میوات کا تیسرا سفر رجب ۱۳۹۴ھ، اگست ۱۹۷۴ء میں ہوا، اس سفر کی روداد حضرت شیخ نے آپ بیتی میں ان الفاظ میں درج کی ہے:

"یکشنبہ کی صبح کو اپنی جماعت کر کے قطب صاحب ایک گھنٹہ ٹھہرتے ہوئے نمبردار محراب کی قبر پر ٹھہر کر جو فیروزپور نمک میں مرحوم کی وصیت سے لب سڑک بنائی گئی ہے (تاکہ اکابر نظام الدین میوات کے سفر میں تھوڑی دیر یہاں ٹھہرتے جائیں) وہاں کے لوگوں نے بہت انتظام کر رکھا تھا، زکریا تو کار ہی میں رہا مولانا انعام نے تقریر شروع کر دی۔ دعاؤں اور نصیحتوں کے بعد ساڑھے نو بجے مدرسہ معین الاسلام قصبہ نوح میں پہنچ گئے۔ عصر کے وقت پنڈال میں اجتماع تجویز تھا کچھ دیر بعد زکریا کو بھی بلا لیا گیا، وہاں تقاریر پر تشکیل وغیرہ ہوئی واپسی پر چودھری طیب صاحب کے اصرار پر ان کے اسکول کے

(۱) روزنامچہ حضرت شیخ شعبان ۱۳۸۷ھ

ایک کمرے کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور مغرب کے بعد سے پھر طویل اجتماع شروع ہوا، پیر کی صبح کو دس بجے تک جماعتوں کی روانگی، مصافحے ہوئے اور فراغ کے بعد کامیڈھ کے لئے روانہ ہوئے، ہجوم نوح میں بھی کافی تھا اور کامیڈھ میں اضعافاً مضاعفاً ہو گیا۔ وہاں ۲۴ گھنٹے تقاریر پر تشکیل وغیرہ ہوتی رہیں اور منگل ۱۳/ اگست کی صبح کو جماعتوں کی روانگی سے نمٹ کر ایک بجے کھانے اور نماز سے فراغ پر سنگھار کے لئے روانہ ہو گئے، راستہ میں شاہ چوکھے کے مدرسہ میں ٹھہرتے ہوئے تین بجے سنگھار پہنچے۔ یہاں تو اتنا ہجوم تھا کہ دو فرلانگ پہلے ہی سے ہجوم شروع ہو گیا، زکریا نے تو واپسی شروع کر دی مگر عزیز مولوی اظہار سلمہ کے شدید اصرار پر قیام کا ارادہ کرنا پڑا اور اچھا ہی ہوا، بعد میں معلوم ہوا کہ زکریا کے واپسی کے ارادے پر کئی سو آدمی سڑک پر لیٹ گئے کہ کار کو واپس نہیں جانے دیں گے۔ بدھ کے دن تین بجے طعام اور نماز سے فراغت پر واپسی ہوئی اور آدھا گھنٹہ سرائے کے مدرسہ پر قیام ہوا۔ ۳/ بجے کے قریب نظام الدین پہنچے۔" (۱)

میوات سے واپسی کے بعد تین دن بنگلہ والی مسجد میں قیام رہا آٹھ دن سفر میں گزار کر اتوار (۲۸/ اگست) کو سہارنپور تشریف لے آئے۔

میوات کے یہ سفر اس خطے میں تبلیغی کام اور نئے نظام کو استحکام پہنچنے میں نہایت کامیاب ہوئے۔ اس کی وجہ سے وہ افراد بھی جو مولانا محمد یوسف کی وفات کے بعد بے چین اور بد دل ہو رہے تھے مطمئن ہو گئے اور اس خطہ کا دینی تبلیغی نظام معمول کے مطابق چلنے لگا۔

میوات کے سفروں کے علاوہ بھی حضرت شیخ نے دہلی اور مغربی یوپی میں کئی جلسوں میں رونق افروز ہو کر ان اجتماعات کو خاص قوت اور تازگی بخشی اور حضرت شیخ کے تشریف لے جانے کی وجہ سے یہ اجتماعات توقع سے زیادہ کامیاب ہوئے۔

---

(۱) آپ بیتی نمبر ۷، ص ۵۹

امارت سے وفات تک

(اجمالی معلومات)

○

اندرون ملک کے تبلیغی اجتماعات اور سفر

مغربی و مشرقی پاکستان

اور

بنگلہ دیش کے سفر

ایشیاء، افریقہ، یورپ اور امریکہ کے سفر

حج اور عمرے

نکاح اور اولاد

وفات

اندرون ملک (ہندوستان) کے تبلیغی اجتماعات اور سفر

تبلیغی اجتماعات کا مولانا محمد الیاس کی حیات میں مختصر پیمانے پر آغاز ہوا تھا، حضرت مولانا کی خاص کوشش اور دلچسپی سے کبھی کبھی جو اجتماعات منعقد ہوئے، ان میں میوات کے ایک بڑے اجتماع کے علاوہ حاضرین کی تعداد عموماً چند سو تک محدود رہتی تھی۔ کم ہی ایسا ہوتا کہ یہ تعداد ہزار یا اس سے متجاوز ہوتی، حضرت مولانا محمد الیاس کی وفات کے بعد تبلیغی کام کی طرح یہ روایت بھی آگے بڑھی، اجتماعات نسبتاً زیادہ تعداد میں ہونے لگے، اور مولانا محمد یوسف کے آخری دور (تقریباً ۶۰۔۱۹۵۹ء) میں اس میں زیادہ وسعت آئی، اجتماعات بھی زیادہ تعداد میں ہونے لگے تھے، اور حاضرین بھی ہزاروں میں ہوتے، چند اجتماعات میں یہ شمار ایک لاکھ یا اس سے زائد تک پہنچ گیا تھا، بہر حال مولانا محمد یوسف کثرت سے سفر کرتے، اور دور دراز علاقوں مغربی و مشرقی پاکستان تشریف لے جاتے اجتماعات کی کثرت سے یہ نوبت آئی کہ ایک ایک سال بلکہ ڈیڑھ دو سال تک کی تمام تاریخیں اجتماعات سے پُر رہتیں۔ نئے اجتماعات کے لئے ان کے بعد کی تاریخ دی جاتی۔ جب حضرت مولانا محمد

یوسف صاحب کا وصال ہوا (۲۹/ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ، ۱۰/اپریل ۱۹۶۵ء) اس وقت بھی تقریباً ڈیڑھ سال بعد تک کے اوقات تبلیغی اجتماعات کے لئے مختص تھے۔ تاریخیں ڈائریوں میں درج رہتیں اور ان کے مطابق سفر ہوتا رہتا تھا۔ اور جس طرح مولانا محمد الیاس کی مقرر کی ہوئی تاریخوں کے اجتماعات مولانا محمد یوسف کی سربراہی میں انجام پذیر ہوئے اسی طرح مولانا محمد یوسف کی متعین کردہ تاریخوں کے اجتماعات مولانا انعام الحسن صاحب کی سربراہی میں منعقد کئے گئے۔

بعد میں تمام بڑے اور اہم اجتماعات خود حضرت مولانا انعام الحسن کی رائے اور صواب دید سے طے ہوتے تھے اور ان میں کچھ جلسے اور اجتماعات ایسے بھی ہوتے تھے جن میں حضرت مولانا بذات خود شرکت فرماتے تھے، ان اجتماعات کی تعداد اگرچہ مجموعی تبلیغی اجتماعات کے لحاظ سے بہت کم ہوتی تھی مگر یہ کم تعداد بھی ایک مستقل تصنیف کا موضوع ہے۔

مولانا انعام الحسن نے جن اجتماعات میں بنفس نفیس شرکت کی اور ان کو خطابات اور ہدایات و مشوروں سے نوازا ان کی تعداد یقیناً ہزاروں میں ہے مگر ان سب کی جامع فہرست اور مفصل روداد مرتب کرنا آسان نہیں، کیوں کہ مرکز تبلیغ میں ان کی یادداشتیں محفوظ رکھنے کا معمول نہیں اور تبلیغ سے وابستہ اکثر اصحاب کو علمی تصنیفی معاملات سے مناسبت بھی نہیں بلکہ بہت سے احباب (حضرت مولانا محمد الیاس کے دور سے مولانا محمد یوسف کے آخری دور تقریباً ۱۹۶۰ء تک کی تاریخ سے ناواقفیت نیز تبلیغی کام میں غلو اور شدت پسندی کی وجہ سے) اس قسم کی کوششوں کو نہایت معیوب اور قطعاً ناقابل التفات سمجھتے ہیں، تاہم چند افراد ایسے بھی ہیں جو ان یادداشتوں کو محفوظ رکھتے ہیں اور متعلقہ تفصیلات جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں مگر وہ بھی عام (مگر غلط) ماحول کی وجہ سے ان معلومات کو ظاہر کرنا اور کسی کو ان سے استفادہ کی اجازت دینا گوارہ نہیں کرتے، اس لئے راقم سطور مولانا انعام الحسن کے اسفار اور تبلیغی خدمات کی مفصل معلومات فراہم کرنے

سے قاصر ہے مگر اس نقصان کی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کے روزنامچہ [1] سے کسی قدر (جزوی) تلافی ہو جاتی ہے، اس روزنامچہ میں مولانا انعام الحسن کے امیر مقرر کئے جانے کے وقت سے حضرت شیخ کے مرض وفات تک مولانا مرحوم کی تبلیغی مصروفیات اور سفروں کے جستہ جستہ احوال درج ہیں، اگرچہ اس کے اکثر اندراج بہت مختصر ہیں اور حضرت شیخ کی ہندوستان سے ہجرت کے بعد اس قسم کی اطلاعات کے اندراجات کا اوسط اور بھی کم ہوتا چلا گیا تھا جو آخر میں تقریباً ختم ہو گیا تھا لیکن جس قدر بھی اندراجات ہیں ان کی افادیت وضاحت کی محتاج نہیں نیز کسی اور ذریعے سے ان سفروں کی اس قدر تفصیلات فراہم ہونا بھی متوقع نہیں اس لئے آئندہ اوراق میں انہیں معلومات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جو حضرت شیخ کے روزنامچہ میں درج ہیں مگر حضرت شیخ کے روزنامچہ کے اندراجات اور زیر نظر صفحات میں کہیں کہیں اجمال و تفصیل کا فرق ہو سکتا ہے مگر اطلاعات کا بنیادی مآخذ یہی روزنامچہ ہے، بعض جزوی معلومات دوسرے ذرائع سے بھی لی گئی ہیں۔

مولانا محمد یوسف کی وفات کے بعد پہلا سفر

مولانا محمد یوسف کی وفات ۲۹/ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ کے گیارہ دن بعد عید الاضحیٰ کی اگلی صبح ۱۱/ذی الحجہ کو مولانا انعام

(۱) حضرت شیخ کا یہ روزنامچہ سینتالیس سال کی یادداشتوں پر مشتمل ڈائری ہے، اس کا آغاز یکم محرم الحرام ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵/مارچ ۱۹۳۷ء کو ہوا، اور حضرت شیخ کے مرض وفات رجب ۱۴۰۲ھ (مئی ۱۹۸۲ء) تک لکھا گیا، اگرچہ درمیان میں وقفے بھی آئے، اور بعض مہینوں میں مسلسل کئی کئی دنوں تک کچھ نہیں لکھا گیا، لیکن ایسا بڑا وقفہ کبھی نہیں ہوا کہ یہ سلسلہ منقطع اور ختم ہو جاتا۔ اس روزنامچے میں مختلف قسم کی ذاتی، ملی، قومی، سیاسی، تاریخی اور متفرق معلومات درج ہیں۔ جس میں سب سے اہم حصہ حضرت شیخ کے بزرگوں، معاصرین، احباب، علماء اور اہل خاندان کے متعلق معلومات کا ہے، اس روزنامچے کی مدد سے حضرت مولانا محمد الیاس کی سوانح حیات مرتب ہوئی، اسی کے ذریعے سے سوانح مولانا محمد یوسف کی ترتیب عمل میں آئی، نیز حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کی سوانحات کی ترتیب میں بھی اس سے مدد ملی ہے اور یہی روزنامچہ حضرت شیخ کے زمانہ حیات تک مولانا انعام الحسن کے متعلق بیشتر معلومات کا اہم ذریعہ ہے۔

الحسن امارت کے لئے اپنے انتخاب کے بعد پہلی مرتبہ سفر کے لئے نکلے، یہ سفر سہارنپور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری کے لئے تھا۔ اس زمانے میں دو سو ڈھائی سو میل تک کے سفر تبلیغی مرکز کی ایک پرانی بڑی اسٹیشن ویگن میں ہوتے تھے، اس کے ڈرائیور بابو ایاز الدین صاحب امروہوی تھے، اس گاڑی کے لئے مولوی شبیر احمد جذبی کاندھلوی نے کہا تھا۔

جو پہیہ گھومتا ہے اس کا الا اللہ کہتا ہے

اس دور میں معمول یہ تھا کہ نظام الدین سے روانہ ہو کر دوپہر میں عموماً کاندھلہ قیام ہوتا، یہاں سے ظہر کے بعد یا عصر کے قریب نظام الدین یا سہارنپور، یا جہاں جانا ہوتا وہاں جاتے تھے، چنانچہ کاندھلہ ہوتے ہوئے عشاء کے وقت سہارنپور پہنچے۔ حضرت شیخ نے تحریر فرمایا ہے۔

> "اس شب میں عشاء کے وقت مولوی انعام صاحب کار سے پہنچے۔ جمعرات کی صبح کو نو بجے زکریا، حکیم الیاس، عاقل گیارہ بجے کاندھلہ بسلسلۂ تعزیت مولوی امیر احمد مرحوم وہاں سے عصر کے بعد چل کر قبل عشاء نظام الدین پہنچے۔ منگل کی صبح کو حافظ عبدالعزیز صاحب کی کار میں زکریا نو بجے سہارنپور پہنچے اور بدھ کی صبح کو طلحہ اس کار میں نظام الدین گیا" (۱)

سہارنپور سے ۱۲/ذی الحجہ کو حضرت شیخ کے ساتھ واپسی ہوئی، کاندھلہ میں قیام کرتے ہوئے نظام الدین گئے (تفصیل حضرت شیخ کی سرپرستی کے تحت گذر گئی ہے)

جنوبی ہند کا طویل سفر

مولانا محمد یوسف نے جو اجتماعات اور سفر طے فرمائے تھے ان میں ایک سفر جنوبی ہند کا ہے، جس کی ابتدا امراوتی کے جلسے سے ہونا تھی، یہ جلسہ اور سفر اسی نظام کے مطابق ہوا، جو حضرت مولانا کی حیات میں طے ہو گیا تھا، نظام الدین سے (۱۷/ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ، ۲۰/اپریل ۱۹۶۵ء) کو ریل کے ذریعہ روانہ ہوئے۔

(۱) (۱۲/ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ ۱۵/اپریل ۱۹۶۵ء)

رام پور نزد دہرہ دون ۲۹/ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ، ۱۹۶۵ء کو دہرہ دون (یوپی) کے قریب موضع رام پور میں اجتماع طے تھا، اور مولانا محمد یوسف صاحب جنوبی ہند کے سفر کے بعد سہارنپور حضرت شیخ کی خدمت میں ایک ہفتہ قیام کا ارادہ کئے ہوئے تھے مگر مولانا یوسف اس سفر سے پہلے سفر آخرت پر روانہ ہوگئے تھے لیکن ان کے رفقاء خصوصاً مولانا انعام الحسن صاحب نے مولانا کی اس خواہش کے احترام میں سہارنپور کا یہ سفر کیا۔ ۲۸/ محرم الحرام کی شام کو نظام الدین سے سہارنپور پہنچے، شب میں سہارنپور میں قیام ہوا، دوشنبہ کی صبح اذان کے وقت حضرت شیخ بھی اس اجتماع میں شرکت کے لئے سہارنپور سے روانہ ہوگئے، اجتماع میں شرکت کے بعد اسی دن دوپہر کو سہارنپور واپسی ہوئی، اس وقت سے بدھ تک سہارنپور حضرت شیخ کی خدمت میں قیام کیا۔ (بدھ یکم صفر المظفر ۸۵ھ ۲/ جون ۱۹۹۵ء) کو سہارنپور سے روانہ ہوئے، رات میں کاندھلہ میں ایک اجتماع تھا، اس میں شرکت کی، آئندہ صبح جمعہ کو دہلی روانہ ہوگئے۔

میرٹھ کا اجتماع اہل میرٹھ کا تبلیغ سے پرانا تعلق ہے، یہاں پہلے بھی اجتماعات ہو چکے تھے، ۱۰/ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ، ۱۰/ جولائی ۱۹۶۵ء کو میرٹھ میں بہت اچھا اور اہم اجتماع ہوا، جس میں سب حضرات شریک ہوئے، حضرت شیخ سے بھی درخواست کی گئی تھی مگر حضرت مصروفیات کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے۔ حضرت شیخ نے تحریر فرمایا ہے:

> "اتوار پیر کو میرٹھ کا تبلیغی اجتماع بہت زور شور سے ہوا، زکریا پر بھی شرکت کا شدید اصرار ہوا، مگر معذور رہا حاجی دوست محمد بمبئی والوں کا بیان ہے کہ تیسرے سال مولانا یوسف مرحوم کی معیت میں بھی میرٹھ کے اجتماع میں شرکت ہوئی تھی، امسال کا اجتماع مجمع وغیرہ کے لحاظ سے اس سے بہت زائد تھا۔" (۱)

(۱) (روزنامچہ ۱۰/ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ، ۱۱/ جولائی ۱۹۶۵ء)

ریڑھی تاجپورہ کا اجتماع

۱۰/ شعبان ۱۳۸۵ھ، ۴/ دسمبر ۱۹۶۵ء کو ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور میں تبلیغی اجتماع تھا، اسی موقعہ پر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی مجلس شوریٰ کی نشست بھی طے کی گئی، مولانا انعام الحسن صاحب اسی دن نظام الدین سے سہارنپور آگئے۔ دوپہر میں حضرت شیخ کے یہاں کھانے میں شرکت کی، ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر ریڑھی تاجپورہ گئے۔ حضرت شیخ نے بھی اس اجتماع میں شرکت فرمائی، یک شنبہ کی صبح ریڑھی تاجپورہ تشریف لے گئے اجتماع ایک ہی روز کا تھا۔ اجتماع کے اختتام پر ظہر کے بعد ریڑھی سے سہارنپور واپسی ہوئی، اس کے بعد پیر منگل میں مدرسہ کی مجلس شوریٰ کی نشستیں ہوئیں، منگل کو دہلی واپسی ہوئی، حضرت شیخ نے لکھا ہے:

"حسب تجویز سابق اجتماع سرپرستان ملحق باجتماع ریڑھی مولوی انعام، مولوی محمد عمر، منشی بشیر وغیرہ شنبہ کو ایک بجے بابو جی کی بڑی کار میں آئے اور بعد طعام و نماز ریڑھی کے جلسے میں چلے گئے، ان کے ساتھ مولوی عمران خاں و نواب صاحب بھی سہارنپور تک آئے تھے تاکہ زکریا کو بھوپال کے اجتماع میں لے جائیں، اس لئے ریڑھی نہیں گئے اور زکریا پر اصرار کرتے رہے۔ اتوار کی صبح کو بابو جی کی کار میں زکریا مولوی عمران وغیرہ ریڑھی کے جلسے میں گئے، دو بجے جلسے سے فراغت پر تاجپورہ کھانا کھاکر تین بجے سہارنپور پہنچے اور پیر کی صبح کو مولوی عمران مع رفقاء مولوی انعام پانچ بجے صبح دہلی روانہ ہوگئے۔ مولوی انعام صاحب اجتماع سرپرستان کی وجہ سے ٹھہر گئے، صبح آٹھ بجے سے اجتماع شروع ہوا لیکن حاجی نسیم صاحب دس بجے پہنچے اور منگل کی صبح دس بجے تک اجتماع جاری رہا، دس بجے مولوی انعام حاجی نسیم کی کار میں دہلی روانہ ہوگئے۔" (۱)

(۱) (روزنامچہ ۱۰/ شعبان ۱۳۸۵ھ، ۴/ دسمبر ۱۹۶۵ء)

بھوپال کے تبلیغی اجتماعات

بھوپال جو مختلف حیثیتوں سے ہندوستان کی دینی، علمی تاریخ میں ممتاز ہے وہاں تبلیغی کام کی ابتداء حضرت مولانا محمد الیاس کی زندگی میں ہوگئی تھی۔ (وفات ۱۳۶۳ھ، ۱۹۴۴ء) بھوپال میں تبلیغ کے کام کے آغاز اور ترقی کے مراحل کا بھوپال کی تبلیغی جماعت کے قدیم ترین معاون اور امیر محمد احمد صاحب رضوی نے اپنے ایک مضمون میں ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اول حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ایک بڑی جماعت لے کر بھوپال گئے۔ مولانا عبد الرشید مسکین اور بھوپال و پھلت کے ایک ممتاز علمی خاندان کے فرد مولانا محمد شعیب بھی تبلیغی کام کے معاون و مددگار بن گئے، دہلی سے پہلی جو جماعت بھوپال گئی تھی اس کے امیر مولوی عبد القدوس صاحب تھے انھوں نے حافظ محمد احمد رضوی کو بھوپال و اطراف کا امیر جماعت مقرر کیا، اسی وقت سے عام تبلیغی نقل و حرکت شروع ہوئی، عموماً تین دن کی جماعتیں نکلتیں اور اپنا کھانا وغیرہ ساتھ لے جاتی تھیں۔ عبد الرشید مسکین کی وفات کے بعد وہاں کے تبلیغی کام کی عملی ذمہ داری مولانا عمران خاں صاحب کے کاندھوں پر آگئی اسی وقت مسجد شکور خاں کو مقامی مرکز بنایا گیا۔ ہر بدھ کو ابراہیم پورہ کی مسجد میں اور ہر جمعرات کو جامع مسجد میں اجتماع ہوتا رہا جو اس وقت تک جاری ہے۔

۱۹۴۹ء میں بھوپال میں بڑے اجتماع کا آغاز ہوا جو سالانہ اجتماع کی صورت میں اہتمام سے منعقد ہوتا رہا اور اب تک ہو رہا ہے۔ ابتداء میں حضرت مولانا محمد یوسف کی تقریریں کم ہوتی تھیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، اور مولانا محمد منظور نعمانی خطاب فرماتے تھے، مولانا محمد یوسف صاحب کو تقریر سے تکلف ہوتا تھا، حضرت مولانا علی میاں کے اصرار پر تقریریں شروع کیں (۱)

بہر حال بھوپال میں تبلیغ کے سالانہ اجتماعات کی خاص روایت ہے، یہ اجتماعات بہت

(۱) بھوپال میں دینی، تبلیغی سرگرمیوں کے تدریجی مراحل۔ از محمد احمد رضوی مشمولہ بھوپال نمبر، سہ ماہی فکر و آگہی دہلی (یا نقوش بھوپال ص ۳۹۴) مرتبہ رضیہ حامد (دہلی ۱۹۹۶ء)

اہتمام سے ہوتے ہیں اور ان میں ہندوستان کے گوشے گوشے سے اور بیرون ہند سے بھی تبلیغی احباب بڑی تعداد میں شرکت کرتے ہیں۔ یہ اجتماع بھوپال (بلکہ ہندوستان و برصغیر) کی عظیم الشان اسلامی یادگار، تاج المساجد میں منعقد ہوتے ہیں ہر سال میں اجتماع کے شرکاء کی تعداد پہلے سال سے بڑھ جاتی ہے اور تبلیغ کے عالمی کام کی ترقی اور اس کے عروج و فروغ کے مشورے اور طریقۂ کار بھی اکثر انہیں اجتماعات میں طے ہوتے ہیں، بہر حال یہ اجتماعات اسی آن بان کے ساتھ حضرت مولانا محمد یوسف کی وفات کے سال تک منعقد ہوئے، مولانا محمد یوسف کی وفات کے بعد پہلا اجتماع ۱۸/ شعبان ۱۳۸۵ھ ۱۲/ دسمبر ۱۹۶۵ء کو ہوا تھا۔

بھوپال میں مولانا محمد انعام الحسن کے دور امارت کا پہلا اجتماع

قدیم معمول، کے مطابق بھوپال کے اس اجتماع میں شرکت کیلئے جمعہ ۱۶/ شعبان کو نظام الدین سے روانہ ہوئے، اتوار سے منگل تک اجتماع تھا اس میں شرکت فرمائی اور جمعرات ۲۲/ شعبان، ۱۶/ دسمبر کو نظام الدین واپس پہنچے، مولانا محمد ہارون صاحب سخت بیماری کی وجہ سے اس جلسے میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

اجتماع رام پور منیہاران

بھوپال کے اجتماع کے فوراً بعد رام پور منیہاران ضلع سہارنپور کا چوبیس گھنٹے کا اجتماع ۲۵/ شعبان ۱۳۸۵ھ، ۱۹/ دسمبر کو ہوا، مولانا انعام الحسن صاحب نے اس میں شرکت کے لئے نظام الدین سے براہ راست اجتماع میں شرکت کی، اجتماع ختم ہونے کے بعد منگل کی شام کو عصر کے وقت سہارنپور حاضر ہوئے اور بدھ کو کاندھلہ ہوتے ہوئے نظام الدین واپس چلے گئے۔ حضرت شیخ نے تحریر فرمایا ہے:

> ”آج ۲۵/ شعبان یکشنبہ کو صبح نو بجے عزیز انعام، مولوی عبید اللہ منشی بشیر وغیرہ بابوجی کی کار میں نو بجے نظام الدین سے چل کر ایک بجے چکوالی متصل رام پور منیہاران پہنچے، چوبیس گھنٹے کے اجتماع کے بعد

ڈھائی بجے اجتماع سے فراغ ہوا، ظہر کے بعد کھانا کھایا، ساڑھے تین بجے وہاں سے چل کر پانچ بجے سہارنپور اور منگل کی صبح کو نو بجے اہلیہ طلحہ اور صوفی افتخار کے ساتھ کاندھلہ روانہ ہوئے۔ عزیز ہارون اپنی شدت علالت کی وجہ سے اس سفر میں نہ آسکے، دوشنبہ کی صبح کو زکریا کے بلانے کی تجویز تھی، لیکن رام پور سے چکوالی کا راستہ بہت خراب تھا، اس لئے کار بھیجنا ملتوی ہو گیا۔" (۱)

لکھنؤ کا اجتماع شوال ۱۳۸۵ھ کے وسط میں لکھنؤ میں بڑا تبلیغی اجتماع ہوا، اس میں، خلاف توقع بہت مجمع تھا۔ اس تین روزہ اجتماع میں مولانا انعام الحسن صاحبؒ اپنے اہم رفقاء کے ساتھ تشریف لائے اجتماع ندوۃ العلماء کے وسیع میدان میں منعقد ہوا، اس اجتماع کے وقت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی آنکھوں کی بیماری کی وجہ سے سیتاپور میں زیر علاج تھے، اس لئے لکھنؤ تشریف آوری نہیں ہوئی۔ اجتماع ختم ہونے کے بعد مولانا انعام الحسن صاحب حضرت مولانا مدظلہ کی عیادت اور ملاقات کے لئے سیتاپور گئے، حضرت شیخ نے اس کی مختصر یادداشت ان الفاظ میں قلم بند کی ہے:

"لکھنؤ کا سالانہ تبلیغی اجتماع بار اتوار پیر، اندازے سے مجمع بہت زائد تھا، لوگ تو پچاس ہزار بتاتے ہیں۔ اجتماع سے فراغ پر مولانا انعام، ہارون وغیرہ تین بجے سیتاپور علی میاں کی عیادت کو گئے، ساڑھے تین بجے پہنچے اور وہاں سے مغرب بعد روانہ ہو کر عشاء لکھنؤ پڑھ کر سوا نو بجے میل سے دہلی روانہ ہو گئے۔" (۲)

خورجہ میں اجتماع ۱۴/رجب ۱۳۸۶ھ، ۵/جون ۱۹۶۶ء یک شنبہ سے خورجہ

(۱) (روزنامچہ ۲۵/شعبان ۱۳۸۵ھ، ۱۹/دسمبر ۱۹۶۵ء)

(۲) (روزنامچہ ۱۴/شعبان ۱۳۸۵ھ، ۵/فروری ۱۹۶۶ء)

یوپی میں بڑا تبلیغی اجتماع تھا، اس میں شرکت کیلئے مولانا انعام الحسن صاحب اسی دن صبح کو دہلی سے خورجہ گئے، یہ جلسہ تین دن کا تھا، منگل کی دوپہر کو اختتام پذیر ہوا اور مولانا انعام الحسن اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نظام الدین واپس آگئے۔

بوڑیہ ضلع سہارنپور کا اجتماع

۲/ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ، ۲۴/ اپریل ۱۹۶۶ء، یک شنبہ کے روز بوڑیا ضلع سہارنپور میں تبلیغی جلسہ تھا، مولانا انعام الحسن صاحب اس میں شرکت کے لئے ہفتہ یکم محرم الحرام کی شام کو عصر کے وقت سہارنپور پہنچے، اتوار کی صبح کو بوڑیا گئے، اس دن صبح کی گاڑی سے مولانا علی میاں مدظلہ بھی اچانک سہارنپور پہنچے اور سب صاحبان حضرت شیخ کے ساتھ بوڑیا کے اجتماع میں شریک ہوئے، اجتماع کے اختتام پر شام کو سہارنپور واپس آگئے۔

میوات کے متعدد اجتماعات

اوپر آچکا ہے کہ مولانا محمد الیاس کے زمانے سے ہی میوات میں ہر موسم میں کثرت سے تبلیغی اجتماعات ہوتے رہے، مولانا محمد انعام الحسن کے دور میں یہ روایت قائم رہی میوات کا پہلا طویل دورہ محرم الحرام کے آخر اور صفر ۱۳۸۶ھ مئی ۱۹۶۶ء کے تیسرے ہفتہ میں ہوا، اس سفر میں جن مقامات پر جانا ہوا اس کی تفصیل راقم سطور کو معلوم نہیں۔ میوات کا دوسرا سفر ۲/ صفر، ۱۱/ جون کو ہوا، یہ تین دن کا سفر تھا شنبہ سے دوشنبہ تک اس سفر میں سنگار وغیرہ کے متعدد جلسوں میں شرکت فرمائی۔

کاندھلہ اور دہرہ دون کے اجتماعات

صفر ۱۳۸۶ھ، (مئی، جون ۱۹۶۶ء) میں ایک ہفتہ میں دہرہ دون، کاندھلہ اور کاندھلہ کے ملحق دیہات کا ایک ہفتہ کا تبلیغی سفر ہوا ان اجتماعات و مصروفیات کی تفصیل بھی پیش نظر نہیں ہے۔ حضرت شیخ نے اس کا مجملاً اس طرح ذکر فرمایا ہے۔ :

"از شنبہ تا دوشنبہ اجتماعات میوات، سنگار وغیرہ عزیزان انعام وہارون

وغیرہ ایک ہفتہ۔ دہرہ دون، چونسہ قریب کاندھلہ وغیرہ کے دیہات میں تقریباً دو ماہ سے مسلسل اجتماعات نظام الدین کے حضرات کے رہے۔" (۱)

ہاپوڑ کا تبلیغی اجتماع حضرت شیخ کے روزنامچے میں ایک جلسہ کی یادداشت ربیع الاول ۱۳۸۵ھ، جون ۱۹۶۶ء میں ان الفاظ میں تحریر ہے:

"۲۷ تا ۲۹/ دسمبر ہاپوڑ کا اجتماع تھا، فریدی صاحب حج کے بعد نظام الدین ہوتے ہوئے عزیزان کے ساتھ اس اجتماع میں شرکت کے بعد وہ اور عزیز خالد علی گڈھی چالیس نفر کے ساتھ جماعت لے کر بدھ کی صبح کو دیوبند پہنچے اور جمعرات کے دن نو بجے سہارنپور پہنچے اور اتوار کی صبح کو جماعت واپس گئی۔ لیکن فریدی صاحب اور خالد رائے پور گئے" (۲)

چونکہ روزنامچے کے یہ اندراجات حضرت شیخ کے لکھے ہوئے نہیں ہیں (اس وقت بینائی کی کمزوری کی وجہ سے حاضر باش خادموں سے لکھواتے تھے مضمون حضرت شیخ کا ہوتا تھا) بہ ظاہر یہاں سہو قلم سے دسمبر لکھا گیا، غالباً صحیح جون ہے۔ اسی مناسبت سے یہ یادداشت یہاں درج کی گئی ہے۔ اگر ہمارا یہ خیال درست ہے تو یہ اجتماع ۷ تا ۹/ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ ۲۷ تا ۲۹/ جون ۱۹۶۶ء میں منعقد ہوا ہے۔ اس اجتماع میں مراد آباد کے فریدی صاحب بطور خاص شریک ہوئے، جو انہی دنوں حج سے واپس آئے تھے اور اجتماع کے بعد حضرت شیخ کی خدمت میں ہوتے ہوئے رائے پور گئے تھے۔

سہارنپور میں ایک بڑا اجتماع جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ کے آخری ہفتہ میں سہارنپور میں بہت اہم اور اس وقت تک کے اجتماعات کے لحاظ سے بڑا اجتماع منعقد ہوا، اس

(۱) روزنامچہ ۲۰/ صفر ۱۳۸۶ھ، ۱۱/ جون ۱۹۶۶ء (۲) روزنامچہ ۲۷/ ستمبر ۱۹۶۶ء

اجتماع میں شرکت کے لئے ہفتوں سے جماعتیں اور تبلیغ سے وابستہ سرگرم اصحاب جوق در جوق آرہے تھے۔ کلکتہ کی پچیس افراد کی ایک جماعت حاجی غلام رسول کلکتہ والوں کی سربراہی میں نظام الدین سے آئی، اس کے علاوہ بمبئی مدراس وغیرہ کے دو سو آدمی پہنچے۔ شنبہ کی رات ۲۴/ جمادی الاولی، ۱۰/ ستمبر ۱۹۶۶ء میں مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی، مولانا سعید احمد خاں صاحب اور جناب افتخار فریدی بہار کے سفر سے براہ راست سہارنپور آئے، اور اس دن دوپہر میں مولانا انعام الحسن صاحب، مولانا محمد ہارون، مولانا محمد عمر پالنپوری وغیرہ حضرات سہارنپور آگئے تھے۔

ہفتہ کی دوپہر سے یہ سب صاحبان اور تمام تبلیغی کارکن اسلامیہ انٹر کالج کے میدان میں (جہاں اجتماع ہونا تھا) پہنچنا شروع ہوگئے، اسی دن شام کو مولانا اسعد مدنی دیوبند سے آئے اور اجتماع میں شرکت کی، مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی تشریف لائے اور جلسہ کی آخری شب میں مفصل اور پُر جوش تقریر بھی فرمائی۔ لکھنؤ سے مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ تشریف فرما ہوئے۔ غرض بزرگوں کی شرکت، مجمع کی کثرت اور اثر و کیفیات کی وجہ سے یہ اہم اجتماع تھا، جس سے مجموعی طور پر کثیر فائدہ ہوا، شرکاء کی تعداد کا کم سے کم ایک لاکھ کا اندازہ کیا گیا، حضرت شیخ نے لکھا ہے۔ :

> ”اس مرتبہ کے اجتماع میں مجمع اندازے سے بہت زیادہ تھا کم سے کم جو مقدار بتائی جاتی ہے وہ ایک لاکھ سے زائد، بعض لوگ ڈیڑھ لاکھ سے زائد بتاتے ہیں۔ ظاہری پولیس کا ایک آدمی بھی نہیں تھا، لیکن سی، آئی ڈی دہلی، علی گڈھ وغیرہ بہت سے مواضع سے آئی، ان میں سے بعض نے جماعتوں میں نام بھی لکھوائے اور جماعتوں کے ساتھ بھی گئے اور انہوں نے اپنے سی، آئی، ڈی، ہونے کا اقرار بھی کرلیا۔ زکریا کے یہاں شنبہ یکشنبہ کو بخاری کا سبق نہیں ہوا، چار بجے شام کے اجتماع میں جاکر

ایک بجے رات کو واپسی ہوئی تھی، خورجہ سے آٹھ لاریاں مستقل آمد ورفت کے کرائے کے ساتھ جن میں سے ہر ایک میں ساٹھ آدمی تھے آئیں۔" (۱)

کھیکڑا ضلع میرٹھ کا اجتماع سہارنپور کے اجتماع سے ایک ہفتہ بعد کھیکڑا (ضلع میرٹھ) کا اجتماع تھا۔ اس اجتماع کی جدوجہد کو پوری طرح مفید اور کار آمد بنانے کے لئے مولانا عبید اللہ بلیاوی، مولانا سعید خان اور جناب افتخار فریدی صاحب سہارنپور سے کھیکڑا چلے گئے تھے۔ اجتماع کی صبح منگل ۴/ جمادی الاولی ۱۳۸۶ھ، ۲/ ستمبر ۱۹۶۶ء کو حضرت مولانا انعام الحسن، مولانا محمد ہارون وغیرہ حضرات نظام الدین سے کھیکڑا آئے، بدھ کی دوپہر کو اجتماع اختتام پذیر ہوا اور سب صاحبان اپنی منزلوں کے لئے روانہ ہو گئے۔

اجتماع مالی گاؤں ۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ سے ۲۵/ تک (۹/ ۱۱/ اکتوبر ۱۹۶۶ء) ایک تین روزہ اجتماع مالی گاؤں میں طے تھا۔ مالی گاؤں کے تبلیغی رفقاء کی ایک جماعت نظام الدین کے سب ذمہ داروں کو لینے کے لئے آئی تھی اور شنبہ ۲۲/ جمادی الثانیہ مالی گاؤں کے لئے پچیس سیٹیں بھی ریزرو تھیں مگر متھرا میں اعلان ہوا کہ آگے راستہ صحیح نہیں، گاڑیوں پر پتھراؤ ہو رہا ہے اس لئے کھڑکیاں سب بند رکھیں، لیکن جس جگہ یہ سب حضرات بیٹھے تھے اس ڈبہ کی کھڑکیاں خراب تھیں بند نہ ہوئیں۔ اس اجتماع میں مولانا انعام الحسن صاحب شریک ہوئے حضرت شیخ کے روزنامچے کی عبارت یہ ہے۔:

"از ۹/ تا ۱۱/ اکتوبر اجتماع مالی گاؤں وہاں سے حاجی ہارون وغیرہ ایک جماعت مولوی انعام وغیرہ کو لینے آئی۔ شنبہ کو نظام الدین کے حضرات کی روانگی ۲۵/ سیٹیں ریزرو کی گئیں، متھرا میں طلبا کی گڑبڑ کی وجہ سے ریل والوں نے یہ اعلان کیا کہ راستے میں گڑبڑ بہت زیادہ ہے

(۱) (روزنامچہ ۲۲/ جمادی الاولی ۱۳۸۶ھ)

سب کھڑکیاں بند رکھیں، آگرہ میں ریل پر خشت باری ہو رہی ہے، مولوی انعام والی کھڑکیاں خراب تھیں، ریل والوں نے بھی بہت کوشش کی، مگر وہ بند نہ ہو سکیں۔ جاتے ہوئے بھوپال میں مولوی انعام صاحب جن کا ساتھ جانا طے تھا مگر وہ اپنے مدرسہ کے ہنگامے کی وجہ سے (جو ایک طالب علم کے حوض میں ڈوب جانے کی وجہ سے پولیس والوں کی طرف سے پیش آرہا تھا) ساتھ نہ جاسکے۔ پنجشبہ ۱۳/اکتوبر کی شب میں نو بجے نظام الدین واپس پہنچے۔" (۱)

بھوپال سے ساتھ جانے کیلئے مولانا انعام کا نام سہو قلم ہے اس سے مولانا عمران خان بھوپالی مراد ہوں گے کیونکہ اس وقت مولانا انعام الحسن کی بھوپال میں موجودگی کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی۔

باؤلی ضلع میرٹھ کا اجتماع رجب ۱۳۸۶ھ کی پہلی دوسری تاریخ (۱۶/۱۷/اکتوبر ۱۹۶۶ء) کو باؤلی ضلع میرٹھ میں اجتماع منعقد ہوا۔ اس دو روزہ جلسے میں نظام الدین سے مولانا انعام الحسن، مولانا عبید اللہ بلیاوی، مولانا محمد عمر اور منشی بشیر وغیرہ شریک ہوئے، وہاں سے سہارنپور گئے، سہارنپور سے واپسی میں ایک رات کاندھلہ ٹھہرتے ہوئے نظام الدین چلے گئے۔

اجتماع کیلاش پور موضع کیلاش پور ضلع سہارنپور میں ۲۲/۲۳/رجب ۱۳۸۶ھ، ۶/۷/نومبر ۱۹۶۶ء کو ایک روزہ تبلیغی اجتماع ہوا، اس میں مولانا انعام الحسن صاحب نے شرکت فرمائی۔ مولانا ہارون کی شرکت بھی متوقع تھی بلکہ وہ اسی مقصد سے تین دن پہلے سہارنپور آگئے تھے مگر ان کی اہلیہ کے یہاں ولادت متوقع تھی، انہی دنوں ان کی اچانک طبیعت خراب ہوگئی، بعد میں بچی تولد ہوئی جو زادِ آخرت ہوئی، اس وجہ سے مولانا

(۱) (روزنامچہ ۲۳/جمادی الاخری ۱۳۸۶ھ ۹/اکتوبر ۱۹۶۶ء)

ہارون اس اجتماع میں شریک نہ ہو سکے اجتماع سے ایک دن پہلے نظام الدین واپس چلے گئے۔
اسی اجلاس کے آخری دن دہلی میں سادھوؤں کا گاؤ کشی بند کرنے کیلئے بہت بڑا جلوس نکلا تھا اور ہنگامہ ہوا تھا۔

سورت کا اجتماع سورت میں ایک بڑے اجتماع کا بہت اہتمام اور تیاری ہو رہی تھی، جمعہ کی نماز کے بعد ۸ / شعبان ۱۳۸۶ھ، ۲ / دسمبر ۱۹۶۶ء کو نظام الدین کا قافلہ جس میں بیس افراد تھے، اس اجتماع میں شرکت کے لئے روانہ ہوا۔ اتوار ۲۰ / شعبان، ۴ / دسمبر کو جلسہ شروع ہوا۔ مکہ مکرمہ کے ایک تبلیغی کارکن حاجی ابوالحسن مکہ مکرمہ سے سیدھے سورت آئے، بھوپال سے مولانا عمران خاں صاحب بھی تشریف لائے اور مرکز تبلیغ سے آنے والے اصحاب کے ساتھ اسی گاڑی سے سورت اترے، پیر کو جماعتیں رخصت ہوئیں مغرب کی نماز راندیر جاکر پڑھی، شب میں سورت واپس آگئے ۲۳ / شعبان (۷ / دسمبر) کی صبح کو سورت سے بمبئی پہنچے، ایک رات بمبئی ٹھہرے، دوسرے روز جمعرات ۲۴ / شعبان کو بمبئی سے بھوپال کے اجتماع میں شریک ہونے کے لئے روانہ ہو گئے۔

اجتماع نزد چلکانہ سہارنپور کے قریب موضع سالیری میں ایک چھوٹا جلسہ تھا مولانا انعام الحسن اور مولانا عبید اللہ بلیاوی اس میں شرکت کے لئے سہارنپور آئے، ایک شب قیام کے بعد گنگوہ کا سفر ہوا۔ گنگوہ سے اسی دن عصر کے وقت واپس آئے، اور سالیری چلے گئے۔ یہ اجتماع منگل بدھ ۵ / ۶ / شوال ۱۳۸۶ھ ۱۷ / ۱۸ / جنوری ۱۹۶۷ء کو ہوا تھا اجتماع سے واپسی پر ٹرین سے دہلی واپس آئے۔

میوات کے سفر اور اجتماعات میوات تبلیغی کام کا سب سے پہلا اور اہم ترین منبع ہے، مولانا محمد الیاس، اور مولانا محمد یوسف کے میوات کے سفر کثرت سے ہوتے تھے۔ مولانا انعام الحسن کے دور امارت میں بھی یہی معمول رہا، ہر سال متعدد سفر ہوتے جس میں کچھ کئی کئی دن کے ہوتے تھے کثرت سے اجتماعات اور وہاں تبلیغی بزرگوں کے مسلسل آنے

جانے کی وجہ سے وہاں کے سفروں کی تفصیلات کم معلوم ہیں تاہم حضرت شیخ نے شوال ۱۳۸۶ھ کے وسط جنوری ۱۹۶۷ء کے آخری ہفتہ میں، نیز یکم اور دوم فروری ۱۹۶۸ء کو مولانا انعام الحسن صاحب کے سفر میوات کا مجملاً اندراج کیا ہے۔

اجتماع دہلی کالج۔ دہلی ۲ / ۳ / ۴ / صفر ۱۳۸۷ھ، ۱۳ / ۱۴ / ۱۵ / مئی ۱۹۶۷ء کو دہلی کالج میں تین دن کا تبلیغی اجتماع ہوا، جس میں دور دراز کے بہت سے اصحاب اور متعدد جماعتیں شامل ہوئیں۔

اجتماع نزد اجمیر دہلی کالج کے اجتماع کے بعد دوسرے ہی دن اجمیر کے لئے روانہ ہوئے، دوروزہ اجلاس میں شرکت کے بعد جمعہ کو دہلی واپس پہنچے۔

بہرائچ کا اجتماع ۱۶ / تا ۱۸ / صفر، ۲۷ / تا ۲۹ / مئی ۱۹۶۷ء بہرائچ میں اجتماع ہوا، اس کی کوئی تفصیل درج نہیں صرف تاریخ تحریر ہے۔

مظفر نگر کا اجتماع یک شنبہ ۲۳ تا ۲۵ / صفر (۳ / ۵ / جون) مظفر نگر میں تبلیغی اجتماع منعقد ہوا، جس میں نظام الدین سے مولانا انعام الحسن، مولانا اظہار الحسن، مولانا محمد ہارون نے شرکت کی۔ دیوبند سے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب تشریف لائے اور دو گھنٹہ مفصل تقریر فرمائی۔

اجتماع گھاٹم پور، نزد گنگوہ ضلع سہارنپور کی مشہور اور بابرکت بستی گنگوہ کے قریب ایک گاؤں گھاٹم پور میں ۳ / ۴ / ربیع الاول ۱۳۸۷ھ، ۱۳ / ۱۴ / جون ۱۹۶۷ء کو تبلیغی اجتماع منعقد ہوا، مولانا انعام الحسن، مولانا ہارون، منشی بشیر احمد نظام الدین سے براستہ کاندھلہ، جلال آباد سیدھے گھاٹم پور پہنچے۔ اجتماع سے فراغت کے بعد منگل کی شام کو سہارنپور پہنچے، سہارنپور سے چند رفقاء ریل کے ذریعہ واپس ہوئے۔ مولانا انعام الحسن اور مولانا ہارون کاندھلہ ہوتے ہوئے دہلی آگئے۔

سہارنپور کا ایک اور اجتماع اہل سہارنپور نے طے کیا تھا کہ سہارنپور میں ہر سال تبلیغی اجتماع منعقد ہوا کرے گا (اگرچہ بعد میں اس پر عمل نہ ہو سکا) اس سلسلہ کا ایک اجتماع جمادی الثانیہ ۱۳۸۷ھ کے آخر میں ۲۶ / ۲۷ / ۲۸ / یکم / ۲ / ۳ / اکتوبر ۱۹۶۷ء کو منعقد ہوا، اس اجتماع میں حضرت شیخ کے الفاظ میں "خواص اور غیر ملکی حضرات کا مجمع زیادہ تھا" مکہ مکرمہ سے ابوالحسن، حاجی نجم الہدی، ڈاکٹر وحید الزماں نے شرکت فرمائی، حیدر آباد سے بھائی جمیل حیدر آبادی آئے، بھوپال سے مولانا عمران خاں نے شرکت کی، مولانا یوسف تلا افریقہ سے اپنے والد صاحب کے ساتھ شریک ہوئے۔ دیوبند کی مکمل نمائندگی مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا قاری محمد طیب صاحب نے فرمائی اور پچھلے جلسے کی طرح مفصل تقریر کی۔ حضرت شیخ نے روزنامچہ میں مفصل یادداشت لکھی ہے :

"یکم تا تین اکتوبر سہارنپور کا سالانہ تبلیغی اجتماع کئی ماہ سے طے شدہ تھا اس مرتبہ خواص اور غیر ملکی حضرات کا مجمع زیادہ رہا، لبنان، دمشق، کویت کے عرب بھی آٹھ نفر یکے بعد دیگرے پہنچے، الحاج ابوالحسن، الحاج نجم الہدی، ڈاکٹر وحید الزماں مکیان جو مکہ مکرمہ سے طیارے سے سیلون کے اجتماع میں شریک ہوئے تھے۔ حاجی نجم الہدی تو مولوی انعام صاحب کے ساتھ واپس آگئے تھے، بقیہ دونوں سیلون سے حیدر آباد، بھوپال وغیرہ بمعیت مولوی عمران وعزیز ہارون ۲۸ / ستمبر کو نظام الدین پہنچے اور ۳۰ / کو بمعیت مولوی انعام صاحب، مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ نیز بھائی جمیل حیدر آبادی، علی گڈھ سے آٹھ نفر ڈاکٹر وغیرہ حیدر آباد کے سب شنبہ کو پہنچے۔ مولوی یوسف تلا مع اپنے والد صاحب کے پاکستان سے نظام الدین اور شنبہ کو سہارنپور پہنچے یکشنبہ کو زکریا، مولوی انعام، مولوی عمران وغیرہ بابو جی کی کار میں گنگوہ جاکر بابو جی کی کار میں واپس آئے، عربوں اور خواص کا کھانا بھی اس وقت زکریا کے یہاں تھا بعد ظہر زکریا تین دن کے

لئے اسلامیہ اسکول اجتماع کے مد میں چلا گیا اور اختتام کے بعد ظہر کی نماز کے بعد گھر واپس آیا۔

قاری طیب صاحب اتوار کو بعد عصر اپنی کار سے آئے اور آٹھ بجے سے ساڑھے دس بجے تک بڑی زور دار تقریر کی، جس میں بغیر نام کے (مولانا) احتشام کی تردید بھی تھی، یہ کہ کون سا ادارہ تقصیر سے خالی ہے، مجموعی حالت کو دیکھا جاتا ہے اس کے منافع سے جواب عالم گیر ہیں کون انکار کر سکتا ہے، تقریر کے بعد حافظ انوار کے یہاں کھانا کھا کر ۱۲/ بجے واپس چلے گئے۔ پیر کی صبح کو خواص میں مولوی عمران کی تقریر دس بجے سے ایک بجے تک بڑی زور دار ہوئی، جس نے عمائد شہر اور عمائد اسکول کو آب دیدہ کر دیا۔ عربوں کی تقریریں یک شنبہ کی شام سے پیر کی شام تک ہوتی رہیں، پیر کی شام کو اول عبد الرزاق مصری ثم الکویتی کی ایک گھنٹہ تقریر ہوئی، پھر مولوی عمران کی عمومی تقریر دو گھنٹے، مگر عمومی میں وہ زور نہیں تھا جو خصوصی میں تھا، اس کے بعد مولوی محمد عمر کی دو گھنٹے ہارون کی پیر کے دن بعد ظہر۔ منگل کی صبح کو اول مولوی ہارون کی، پھر مولوی محمد عمر کی، پھر گیارہ بجے مولوی انعام کی دعا آدھا گھنٹہ، پھر مصافحہ ڈیڑھ بجے تک اور جماعتوں کی رخصت۔ ہم لوگ تو منگل کو بعد ظہر آ گئے، لیکن منگل کی شام میں اسی پنڈال میں مشاعرہ ہوا جس کو عام طور سے ناپسند کیا گیا جو مناسب نہ تھا۔

علی میاں شنبہ کو دہلی پہنچے اور اتوار پیر کو اپنے ویزے وغیرہ کے مراحل سے فراغ پر منگل کی شب کو تین بجے سہارنپور پہنچے۔ مولوی انعام کا ارادہ منگل کی شام کو ریل سے جانے کا تھا اور اپنی گاڑی مستورات کے لئے چھوڑ جانے کا، لیکن علی میاں نے کہا کہ مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں، اس لئے حاجی

شفیع ریل سے چلے گئے اپنی گاڑی چھوڑ گئے، جس میں بدھ کی صبح کو سات بجے مولوی انعام، علی میاں، مولوی عمران دہلی گئے اور بدھ کی صبح کو بابو جی کی گاڑی میں ہارون اظہار کے ساتھ زبیر کی ماں، خالہ، ہمشیرہ اکرام، والدہ سلمان دہلی اور اہلیہ طلحہ کاندھلہ تک گئیں۔

جماعت اسلامی کے لوگوں نے مجلس مشاورت کے نام سے کئی گڑبڑیں کیں، منگل کی شب کو جب ہماری تقاریر ختم ہوگئیں اور مجمع منتشر ہو گیا تو لاؤڈ اسپیکر سے فلسطین کا مسئلہ شروع کر دیا جس پر شیخ سے مزاحمت ہوئی، سوسائٹی کمیٹی والوں نے بھی کئی دن سے اصرار شروع کیا کہ ایک گھنٹہ ہماری کارگذاری کے لئے بھی دیا جائے جو منظور نہیں ہوا، اسکول کے چندے کے بھی اشتہارات تقسیم کئے گئے کہ فی نفر ایک روپیہ بھی اگر دے تو ایک لاکھ روپیہ جمع ہو سکتا ہے۔ [1]

اجتماع کانپور سہارنپور کے بعد اہم اجتماع کانپور میں ہوا۔ جو ۳ / رجب ۱۳۸۷ھ (۸ / اکتوبر ۱۹۶۷ء) کو شروع ہوا، اس اجتماع کی محنت کے لئے سہارنپور کے چلہ کی بہت سی جماعتیں روانہ کی گئیں تھیں، سہارنپور کے مولوی عبد المالک صاحب (سابق ناظم مالیات مظاہر علوم سہارنپور) بھی پینتیس ساتھیوں کے ہمراہ شریک ہوئے۔ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سہارنپور سے پہنچے، مولانا انعام الحسن اور اصحاب نظام الدین نے بھی شرکت فرمائی۔

اجتماع بتیا۔ بہار رجب ۱۳۸۷ھ کے دوسرے ہفتہ میں ۲۲ / ۲۳ / ۲۴ / اکتوبر ۱۹۶۷ء کو بہار کے شہر بتیا میں بڑا تبلیغی جلسہ ہوا، یہ جلسہ پہلے سے طے تھا مگر علاقے میں فسادات کی وجہ سے حکومت نے اجتماع پر پابندی لگا دی تھی عین وقت پر اجازت ہوئی، اس

(۱) روزنامچہ کیم تا تین اکتوبر ۱۹۶۷ء

وقت جمعہ ۱۵/رجب کو مولانا انعام الحسن رفقاء کے ساتھ نظام الدین سے روانہ ہو گئے، نہایت کامیاب اجتماع ہوا، حضرت شیخ نے لکھا ہے:

"بتیا کا اجتماع بہت دنوں سے طے شدہ تھا، مگر وہاں کے فسادات کی وجہ سے حکومت نے روک دیا تھا، عین وقت پر ٹیلی فون سے اجازت کا حال معلوم ہوا، جس کی بنا پر عزیزان مولوی انعام، ہارون، مولوی محمد عمر، جمعہ ۲۰/اکتوبر کی صبح کو دہلی سے روانہ ہوئے، اجتماع اندازے سے بہت زیادہ کامیاب ہوا، ڈیڑھ لاکھ کا اندازہ بتایا جاتا تھا۔ پہلے ہندو متوحش رہے مگر پہلے دن کی تقریر کے بعد بہت مانوس اور بہت کثرت سے آئے، پولیس اور سی آئی ڈی پہلے دن بہت متوحش رہی دوسرے دن کہنے لگے کہ ایسے اجتماع سال میں تین دفعہ کرنے چاہئیں۔"

پٹنہ پھلواری شریف (دفتر امارت شرعیہ) میں جانا ہوا، آمد و رفت برونی اسٹیشن سے ہوئی وہاں سے بتیا پچاس میل کا سفر بس سے، ۲۰/رجب چہار شنبہ کو مغرب کے وقت نظام الدین پہنچ گئے۔ (۱)

اجتماع کرت پور

ضلع بجنور کے قصبہ کرت پور میں اتوار، پیر، منگل ۲۳ تا ۲۵/رجب ۱۳۸۷ھ کو اجتماع منعقد ہوا۔ جس میں مولانا انعام الحسن صاحب اور تبلیغی حضرات نے شرکت فرمائی اس کی تفصیل معلوم نہیں۔

اجتماع متصل نوح۔ ہریانہ

میوات میں نوح کے قریب ایک اجتماع متوقع تھا، جس میں شرکت کیلئے مولانا انعام الحسن صاحب نے حضرت شیخ سے وعدہ لے رکھا تھا۔ ہفتہ ۱۴/شعبان ۱۳۸۷ھ ۱۵/نومبر ۱۹۶۷ء کو حضرت شیخ نظام الدین سے سب حضرات کے ساتھ اس اجتماع میں شرکت فرمانے کیلئے روانہ ہوئے، تین روزہ اجتماع میں شرکت

(۱) روزنامچہ ۱۷/رجب المرجب ۱۳۸۷ھ

کے بعد منگل کو دہلی کا سفر ہوا۔ نوح کے مدرسہ میں بخاری شریف ختم کرائی۔

اجتماع بھوپال ۱۳۸۷ھ ۲۲/ شعبان سے ۲۴/ تک (۲۶ تا ۲۸/ نومبر ۱۹۶۷ء) بھوپال کا سالانہ تبلیغی اجتماع ہوا۔ یہ اجتماع اس وجہ سے بطور خاص قابل ذکر ہے کہ اس میں تبلیغ کے دو پرانے کارکنوں جناب افتخار فریدی مراد آبادی اور مولانا رحمت اللہ میر ٹھی کو مختلف شکایات اور معاملات کی وجہ سے (تبلیغ کے پورے ملک کے ذمہ داروں کے اصرار اور تقاضوں پر اجتماعی فیصلے سے) تبلیغی ذمہ داریوں سے سبک دوش کردیا گیا۔ اگرچہ ہندوستان کے اکثر صوبوں کے ذمہ داروں نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا تھا مگر مولانا انعام الحسن صاحب نے حضرت شیخ کی رائے اور مشورے تک اس کو ملتوی رکھا اور فرمایا "بغیر شیخ سے گفتگو کے میں کچھ نہیں کرسکتا" بعد میں حضرت شیخ اور مولانا شاہ یعقوب مجددی بھوپالی نے بھی اس فیصلہ سے اتفاق کیا اور شوال ۱۳۸۷ھ میں یہ فیصلہ عملی طور پر نافذ ہوگیا۔

اجتماع لکھنؤ ۱۳۸۷ھ ہفتہ ۱۲/ شوال ۱۳۸۷ھ سے ۱۴/ شوال (۱۳ تا ۱۵/ جنوری ۱۹۶۸ء میں لکھنؤ کا تبلیغی اجتماع منعقد ہوا جس میں نظام الدین سے مولانا انعام الحسن صاحب وغیرہ نیز حضرت شیخ کے ماموں حکیم محمد یامین جو بھائی سعدی کی شادی کے لئے کاندھلہ آئے ہوئے تھے اور بھائی سعدی خلف حکیم محمد نعیم صاحب کیرانوی نے بھی اس میں شرکت کی۔

اجتماع راجستھان ۱۹/ شوال ۱۳۸۷ھ (۲۰/ جنوری ۱۹۶۸ء) کو مولانا انعام الحسن راجستھان کے اجتماع کے لئے روانہ ہوئے۔ تفصیلات درج نہیں۔

گراہاٹ اور کلکتہ کے اجتماعات جمعہ ۲۳/ ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ (۲۳/ فروری ۱۹۶۸ء) کی شام کو نظام الدین کا قافلہ مولانا انعام الحسن کی رفاقت میں گراہاٹ کے لئے

روانہ ہوا، بخیر و خوبی اجتماع ہوا ایک ہزار اشخاص اسی دن جماعتوں میں نکلے۔ حضرت شیخ نے لکھا ہے۔:

"ابتداء میں ہندوؤں کی طرف سے بہت مخالفت ہوئی کہ نہیں ہونے دیں گے، لیکن حکام نے ڈانٹ دیا کہ ضرور ہوگا یہ کام ہم سب کا ہے۔ منگل کی صبح کو مگراہٹ سے سات بجے روانہ ہو کر کلکتہ میں مستورات کے اجتماع میں شرکت کی اور ظہر کے وقت حاجی غلام رسول کے گھر پہنچ کر کھانا کھایا اور عصر کے وقت مسجد کولوٹولہ میں پہنچ کر رات کو سات بج کر چالیس منٹ پر کالکا میل سے روانگی ہوئی۔ اور بدھ کی شام کو آٹھ بجے کے قریب نظام الدین پہنچنا ہوا۔" (۱)

اجتماع بڑودہ ۱۷ تا ۱۹ / شعبان ۱۳۸۸ھ کو بڑودہ گجرات میں عالمی پیمانے کا عظیم الشان اجتماع ہوا، جس میں دنیا بھر سے مخلصین اور تبلیغی احباب تشریف لائے، مولانا انعام الحسن صاحب رفقاء کے ایک بڑے قافلہ کے ساتھ احمد آباد کے لئے ریل سے روانہ ہوئے راستہ میں بڑے اسٹیشنوں پر خوب مجمع تھا، احمد آباد پہنچتے ہی جلسہ کی مصروفیات شروع ہو گئیں۔ حضرت شیخ نے روزنامچے میں اس کا خاصا تفصیلی ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

" انگلینڈ سے اطلاع ملی ہے کہ ۱۹ / اکتوبر کو گیارہ احباب تین تین چلہ کے بمبئی پہنچ رہے ہیں اور بڑودہ کے اجتماع میں شریک ہوں گے، دوسری جماعت بذریعہ کار جس میں یوسف متالا ہے ۱۳ / اکتوبر کو لندن سے روانہ ہو کر راستہ میں کام کرتے ہوئے بڑودہ کے اجتماع میں شریک ہوگی، تیسری جماعت ۲۲ / اکتوبر کو گیارہ نفر کی ہوائی جہاز سے بمبئی پہنچے گی، ۱۷ / اکتوبر کو ہوائی جہاز سے ۵ / نفر کی جماعت زامبیا کے اجتماع میں شریک ہوئی، جزیرہ

(۱) روزنامچہ ۲۳ / ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ، ۲۳ / فروری ۱۹۶۷ء

موریشس سے دس احباب اور جزیرہ ری یونین سے پندرہ احباب حجاز مقدس پہنچیں گے۔ اور وہاں عمرہ وزیارت سے فارغ ہوکر بڑودہ کے اجتماع میں شریک ہوں گے۔ مراکش سے بھی کچھ عرب احباب بڑودہ کے اجتماع میں شرکت کیلئے آرہے ہیں، ترکی کے احباب رائے ونڈ پہنچ گئے، وہاں سے ہند پہنچیں گے۔

نظام الدین کے حضرات جمعرات کی صبح کو بذریعہ ریل روانہ ہوئے، بڑا مجمع ساتھ تھا، راستے میں بہت سے اسٹیشنوں پر آدمی ملے، جے پور میں اچھا مجمع تھا، اجمیر میں بھی دفتری لوگ تھے، پالن پور اسٹیشن پر مفتی اکبر صاحب وغیرہ آئے، کھانا بھی لائے تھے۔ گیارہ بجے احمد آباد پہنچے مجمع بہت تھا، ملک احمد صاحب کی مسجد میں مولوی حسن خاں کا بیان ہوا، مولوی انعام نے دعا کرائی۔ بعد عصر خصوصی اجتماع ہوا، جس میں پہلے مولوی سعید خاں صاحب نے بیان کیا، بعد میں مولوی انعام نے۔ بعد مغرب بذریعہ کار مولوی انعام وغیرہ چار رفقاء روانہ ہوئے آنند مدرسہ کی زمین میں جہاں تعمیر ہونے والی ہے اتر کر دعا کی، بقیہ رفقاء رات کو بس سے بڑودہ روانہ ہوئے۔ رات کو کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ مولوی انعام صاحب کا بیان ہوا، شنبہ کی صبح کو ڈاکٹر وحید الزماں علی بڑودہ پہنچے، اور شام کو مولوی منظور پہنچے۔ پیر کی شام کو نظام الدین کے احباب بڑودہ سے چل کر دو تین جگہ ٹھہرتے ہوئے پنجشنبہ کی صبح کو گیارہ بجے نظام الدین پہنچے" (۱)

اجتماع لکھنؤ ۱۳۸۹ھ

۹ تا ۱۱/ شوال ۱۳۸۹ھ، ۲۰ تا ۲۲/ دسمبر ۱۹۶۹ء کو لکھنؤ میں حسب سابق بڑا سالانہ اجتماع ہوا، جس کے لئے شعبان سے جماعتوں کی کثرت سے نقل وحرکت جاری تھی۔ تفصیلات درج نہیں۔

(۱) (روزنامچہ ۱۸ تا ۱۲، ۱۳۸۸ھ، ۸ تا ۱۰/ نومبر ۱۹۶۸ء)

مغربی بنگال میڈہ کا اجتماع محرم الحرام ۱۳۹۰ھ، مارچ ۱۹۷۰ء میں میڈہ نزد بردوان مغربی بنگال میں تبلیغی اجتماع از ۱۸ تا ۲۰ محرم تھا، مولانا انعام الحسن نظام الدین سے بارہ صاحبان کے ساتھ گئے اور اجتماع میں شرکت کی۔

اجتماع چلکانہ ۲۷/۲۸/ صفر ۱۳۹۰ھ، ۴/۵/ مئی ۱۹۷۰ء چلکانہ (نزد سہارنپور یو، پی) تبلیغی اجتماع تھا، مولانا انعام الحسن صاحب دس رفقا کے ہمراہ جس میں مولوی عبید اللہ بلیاوی، منشی بشیر، مولانا محمد عمر شامل تھے دوپہر میں سہارنپور پہنچے، حضرت شیخ کے یہاں کھانا کھایا اور مولانا انعام الحسن کے علاوہ سب صاحبان چلکانہ کے لئے روانہ ہوگئے، مولانا انعام الحسن کو حضرت شیخ نے ایک نکاح میں شرکت کے لئے روک لیا تھا۔ مولانا عصر کے وقت گئے، بدھ کی شام کو سہارنپور واپس آکر میرٹھ کے لئے روانہ ہوئے، وہاں بھی اجتماع طے تھا، اجتماع سے فارغ ہو کر نظام الدین چلے گئے۔

اجتماع اورنگ آباد اورنگ آباد میں ایک بڑا اجتماع اتوار، پیر، منگل ۱۰/۱۱/۱۲/ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ، ۱۷/۱۸/۱۹/ مئی ۱۹۷۰ء کی تاریخوں میں ہونا تھا، جس کیلئے وسیع تیاری کی گئی تھی، مگر ان دنوں ملک کی فرقہ وارانہ فضا سخت خراب تھی، جگہ جگہ مسلمانوں کی عزت و آبرو داؤ پر لگی ہوئی تھی اس وقت اس اجتماع سے حکومت نے سخت خطرہ محسوس کیا اور اس کو ملتوی کرنے کا ارادہ کر لیا، اس کے لئے غالباً پہلے براہ راست مولانا انعام الحسن صاحب سے رابطہ کیا گیا، مولانا کے اجتماع ملتوی کرنے سے انکار پر حضرت شیخ کے ذریعہ پیام پہنچوانے کی کوشش کی گئی، پہلے یونس سلیم صاحب (اس وقت وزیر ریلوے قانون) مولانا انعام الحسن صاحب کے نام اس مقصد کا خط لے کر حضرت شیخ کی خدمت میں آئے، یہ کوشش بھی بظاہر رائیگاں گئی، اس پر وزیر اعظم اندرا گاندھی کا پرائیوٹ سکریٹری مولانا انعام الحسن کے پاس وزیر اعظم کا پیام لیکر پہنچا کہ آپ اجتماع کے ملتوی ہونے کا اعلان کر دیں اور اس میں شرکت نہ کریں۔ مولانا نے فرمایا:

"میں نے اپنا جانا ملتوی کر دیا، اعلان کا ہمارے یہاں دستور نہیں"

اس وعدہ کے مطابق اس اجتماع میں مولانا انعام الحسن صاحب شریک نہیں ہوئے مگر اجتماع پروگرام کے مطابق ہوا اور اس کے انعقاد سے جو اندیشے تھے وہ غلط ثابت ہوئے۔

ہندوستان کے متعدد اجتماعات

ربیع الاول ۱۳۹۰ھ (مئی جون ۱۹۷۰ء)

میں ہندوستان کے مختلف مقامات پر متواتر اجتماعات ہوئے۔ اور مولانا انعام الحسن صاحب نے ساتھیوں کو لیکر شرکت فرمائی۔ ان اجتماعات کی فہرست حضرت شیخ کے روزنامچے میں اس طرح تحریر ہے:

"ہفتہ، اتوار، پیر ۲۳ تا ۲۵ / مئی ضلع اعظم گڈھ سرائے میر۔ ۲۶ کو روانہ ہو کر ۲۷ / کو دوپہر کے پہلے نظام الدین آمد، جمعہ ۲۹ / مئی شیخ پور الور۔ ہفتہ ۳۰ / مئی اجتماع خانپور، گھانسوی الور۔ اتوار ۳۱ / مئی اجتماع فیلی الور۔ یکم جون پیر تلک پوری (بھرت پور) منگل ۲ / جون گھگواڑی بھرت پور بدھ ۳ / جون اسماعیل پور۔ ۴ / جون کی شام تک نظام الدین آمد۔

ہفتہ ۶ / جون ساکرس۔ اتوار ۷ / جون ٹھرواڑی۔ پیر ۸ / جون ٹیکری۔ رجپورہ گڑگانوہ۔ منگل ۹ / جون ٹائسیں گڑگانوہ۔ بدھ ۱۰ / جون رینکا گڑگانوہ۔ ۱۱ / جون کی شام تک واپسی ہوگی۔ پیر ۱۵ / جون محمد پور رائیں تحصیل کیرانہ۔ ۱۶ / جون کو واپسی۔ جمعہ ۱۹ / جون چیڑی (الور) ہفتہ ۲۰ / جون ادمرا گڑگانواں اتوار ۲۱ / جون علاولپور۔ گڑگانوہ۔ پیر ۲۲ / جون فیروز پور۔ منگل ۲۳ / جون دھمنت باس عرف رائے پور۔ ۲۴ / جون شام تک واپسی ہوگی ہفتہ ۲۷ / جون باغپت" (۱)

(۱) روزنامچہ ربیع الاول والثانی ۱۳۹۰ھ، جون ۱۹۷۰ء

اجتماع بسودہ نزد جھنجھانہ ۲/ شوال ۱۳۹۰ھ، ۲/ دسمبر ۱۹۷۰ء کو بسودہ نزد جھنجھانہ مظفر نگر اجتماع تھا۔ مولانا انعام الحسن صاحب نظام الدین سے شرکت فرما ہوئے۔ یہاں سے سہارنپور کے قریب موضع کپوری کے اجتماع میں گئے۔ کپوری کے اجتماع سے فراغت پر سہارنپور حضرت شیخ کے یہاں پہنچے۔

اجتماع بھوپال ۱۳۹۰ھ بھوپال کا سالانہ تبلیغی جلسہ ہفتہ، اتوار، پیر ۱۹/ تا ۲۱/ شوال ۱۳۹۰ھ کو منعقد ہوا۔ مولانا عمران خاں صاحب کا بے حد اصرار تھا کہ حضرت شیخ اس میں شرکت فرمائیں، اس کیلئے سیٹیں بھی بک کرائی گئی تھیں مگر دو تین دن پہلے حضرت شیخ کی طبیعت خراب ہوگئی مسجد تک جانا دشوار ہوگیا اس لئے سفر ملتوی ہوگیا، مگر مولانا انعام الحسن صاحب اور مسجد بنگلہ والی سے دوسرے اصحاب معمول کے مطابق گئے۔

میرٹھ کا اجتماع ۱۳۹۰ھ ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ میں میرٹھ میں اجتماع طے تھا، مولانا انعام الحسن صاحب سہارنپور آئے ہوئے تھے، وہاں مظاہر علوم سہارنپور کی مجلس سرپرستان کی نشست تھی، پیر ۶/ ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ، ۴/ جنوری ۱۹۷۱ء کو اس سے فارغ ہوکر میرٹھ گئے وہاں سے دہلی واپسی ہوئی۔

اجتماع بتیا وبھوپال ۱۳۹۱ھ شوال ۱۳۹۱ھ کے آخری دن مسلمانوں کے لئے بہت صبر آزما تھے، ہندپاکستان کی جنگ چل رہی تھی اور ۷ ۲/ شوال ۱۶/ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان میں پاکستانی افواج نے ہندوستان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے، اس کے بعد ہفتوں مسلمان اپنے برادران وطن کی ملامت اور طعنوں کا نشانہ بنے رہے، ان ہی دنوں میں متعدد اجتماعات متوقع تھے، جس میں کئی اجتماعات میں سرکاری طور پر جرح وتحقیق ہوئی اور کچھ اجتماعات رد کردیے گئے تھے، تاہم دو بڑے اجتماعات جس میں پہلا بتیا مشرقی یوپی کا، دوسرا بھوپال کا تھا، اپنے اپنے وقت پر مگر نسبتاً خاموشی سے منعقد ہوئے، ان

دونوں اجتماعات میں مولانا انعام الحسن صاحب شریک ہوئے، اس کے لئے حسب معمول جمعہ ۲۸ / شوال کی شام کو ٹرین سے روانہ ہوئے اور بتیا کے اجتماع سے فارغ ہو کر بھوپال پہنچ گئے۔

اجتماع مانک پور نزد چلکانہ مانک پور میں ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ ۵ / فروری ۱۹۷۲ء کو اجتماع طے تھا، جو بارش کی کثرت کی وجہ سے وقت پر نہ ہو سکا، تاہم مولانا انعام الحسن صاحب اس میں شرکت کے لئے دہلی سے سہارنپور، اور سہارنپور سے مقررہ مقام پر پہنچے، جلسہ وقت مقررہ پر نہ ہو کر اتوار کو ہوا، جلسہ کے بعد نظام الدین واپسی ہو گئی۔

اجتماعات گجرات وجنوبی ہند صفر ۱۳۹۲ھ اپریل ۱۹۷۲ء میں مولانا انعام الحسن صاحب کا گجرات اور جنوبی ہند کا طویل سفر ہوا، جس میں متعدد اجتماعات میں شرکت ہوئی، اس سفر کا حضرت شیخ نے روزنامچے اور بیاض کبیر دونوں میں ذکر کیا ہے۔ بیاض کبیر کا اندراج زیادہ معلومات افزا ہے وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے :

"۵ / اپریل کی صبح کو ریل سے جنوبی ہند کے طویل سفر پر روانہ ہوئے۔

۵ / اپریل بدھ کو دہلی سے روانہ ہو کر جمعرات کی صبح کو پالن پور پہنچے، رات کو سندھنی قیام رہا، جمعہ کی صبح کو ۳۴ / جماعتیں روانہ ہوئیں اور اسی صبح کو مولوی محمد عمر ناشتہ کر کے کاکوسی پہنچے، وہاں مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا اور شام کو احمد آباد روانگی ہوئی، عشاء کے وقت پہنچے گیارہ جماعتیں رات ہی کو روانہ ہوئیں۔ احمد آباد سے بڑودہ روانہ ہوئے، وہاں سے ضلع بھروچ ٹنکاریہ گئے، وہاں علماء کا مجمع تھا سال سال بھر کے نام علماء کے آئے۔

منگل کو پانولی رات کو بذریعہ کار سورت روانہ ہوئے۔ بدھ کی صبح کو پانچ بجے کی گاڑی سے سوار ہو کر بمبئی پہنچے اور سیدھے موضع اجتماع میں گئے۔

جمعرات کی صبح کو بمبئی سے جماعتیں روانہ ہوئیں اور وہاں سے جمعرات کی شام کو چھ بجے بیلگام کے لئے روانہ ہوگئے۔ نظام یہ ہے:

چودہ، پندرہ اپریل بیلگام، سولہ، سترہ بنگلور، اٹھارہ کو میسور، بیس کو گنجرا پلی، بائیس تیئس، چوبیس کو بڑاونکوڑ، پچیس چھبیس ستائیس ڈنڈیگل، انتیس، تیس مدراس، دو، تین، چار مئی حیدر آباد۔ چھ، سات اورنگ آباد، آٹھ مئی مالیگاؤں، دس، گیارہ، بارہ مئی امراوتی۔" (۱)

اجتماع میوات ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ میں ۷ / ۸ / ۹ تین دن تک اجتماعات ہوئے، ان میں مولانا انعام الحسن، منشی بشیر میواتی اور مولانا عمر شریک ہوئے۔

پانی پت کا اجتماع ۲۱ / ربیع الثانی، ۴ / جون ۱۹۷۳ء کو پانی پت میں اجتماع ہوا، مولانا انعام الحسن صاحب نے شرکت فرمائی، وہاں سے کاندھلہ آکر سہارنپور گئے۔

اجتماع حسن پور پانی پت کے فوراً بعد حسن پور ضلع مراد آباد میں اجتماع طے تھا، مولانا انعام الحسن تشریف لائے۔ یہ اجتماع شنبہ، دوشنبہ ۲۷ / ۲۸ / ربیع الثانی میں منعقد ہوا۔

اجتماع کرنال ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ کے پہلے ہفتہ جنوری ۱۹۷۳ء میں کرنال میں اجتماع ہوا۔ مولانا انعام الحسن نے اس میں شرکت کی۔

اجتماع لکھنؤ ۱۳۹۲ھ ۲۲ تا ۲۴ / ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ، ۲۷ تا ۲۹ / جنوری کو لکھنؤ میں اجتماع منعقد ہوا، اس کی تفصیل درج نہیں۔

اجتماع نزد کانپور ۲۱ / ۲۲ / ۲۳ / ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ، ۴ / ۵ / ۶ / جنوری ۱۹۷۵ء کو کانپور کے قریب اجتماع ہوا، جس میں کثیر تعداد میں دینی اصحاب نے شرکت کی

(۱) بیاض کبیر ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء

اوراس اجتماع کی مقبولیت کے بعض مبشرات و منامات بھی ہوئے۔

اجتماع گیا ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں بہار کے مشہور مقام گیا میں تبلیغی اجتماع منعقد ہوا۔ یہ اجتماع تین دن کا تھا۔ اجتماع کی جو تاریخیں مقرر کی گئی تھیں انہی تاریخوں میں عین اسی جگہ ایک بڑا ہندو میلہ بھی منعقد ہوتا ہے، جو کسی مذہبی تہوار سے وابستہ ہے مگر دونوں کے انتظامات ساتھ ساتھ ہوئے۔ سرکاری افسران اور انتظامیہ کے لوگوں نے دونوں میدانوں کے بیچ میں کانٹوں دار تار، سرچ لائیں اور ناور لگائے تھے، جس سے دونوں طرف کے حالات پر بھی نظر رکھی جاسکے۔ اجتماع کی تاریخ طے کرتے وقت غالباً اس میلہ کا خیال نہیں رہا تھا بعد میں جب تیاری شروع ہوئی اس وقت صورت حال کی نزاکت کا احساس ہوا، نظام الدین اطلاع کی گئی بعض حضرات کا خیال تھا اجتماع گاہ، یا اجتماع کی تاریخیں بدل دی جائیں مگر حضرت مولانا نے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور حضرت مولانا کی صواب دید کے مطابق تاریخ بھی وہی رہی اجتماع بھی اسی جگہ ہوا۔

اس وقت گیا کی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ایک خاتون تھی وہ بھی اجتماع میں آئیں، حضرت جی سے ملاقات کی خواہش کی مولانا نے ان کو پس پشت بٹھا کر گفتگو کی اور وہ اس اجتماع کے مقاصد اور انسانیت کی آواز سے متأثر ہو کر گئیں۔

اجتماع دھولیہ مہاراشٹر ۱۸/۱۹/۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ ۴/۵/۶/ دسمبر ۱۹۹۳ء کو دھولیہ کا تین روزہ اجتماع طے تھا، اس میں شرکت کے لئے جمعہ ۱۷/ جمادی الثانیہ کی شام کو دہلی سے روانہ ہوئے، اتوار کی رات میں زوردار غیر متوقع بارش ہوگئی، جس کی وجہ سے جلسہ کے انتظام اور مجمع میں بہت خلل واقع ہوا۔ دوشنبہ کو اجتماع کے اختتام پر واپسی کے لئے نکلے مگر راستہ خراب اور شدت کی بارش کی وجہ سے اسٹیشن پہنچنے میں دیر لگی جس گاڑی سے روانہ ہونا تھا وہ جاچکی تھی، اس لئے اس اسٹیشن کے قریب ایک جگہ

ٹھہرے اور رات کی گاڑی سے روانہ ہو کر نظام الدین آگئے۔

اجتماع گھاسیڑا، میوات ۶/۷/رجب ۱۴۱۴ھ، ۲۱/۲۲/دسمبر ۱۹۹۳ء کو گھاسیڑا میوات میں تبلیغی جلسہ ہوا۔ حضرت مولانا نے شرکت فرمائی۔

اجتماع بھوپال ۱۹۹۳ء ۱۴۱۴ھ کا بھوپال کا سالانہ اجتماع ۹/رجب سے ۱۱/رجب تک منعقد ہوا اس میں شرکت کے لئے نظام الدین کے تبلیغی اصحاب کے ہمراہ حضرت مولانا جمعرات ۸/رجب، ۲۳/دسمبر کو دہلی سے ریل سے روانہ ہوئے۔ جمعہ کی دوپہر سے اجتماع شروع ہوا، دِگ وجے سنگھ وزیر اعلی مدھیہ پردیش ملاقات کیلئے آئے، منگل کی صبح نظام الدین واپس آگئے۔

میوات کا ایک اور سفر رجب ۱۴۱۴ھ کے آخری ہفتہ کی تین تاریخیں ۲۴/۲۵/۲۶/میوات کے سفر کے لئے مختص تھی۔ ۲۴/رجب (۸/جنوری ۱۹۹۴ء) کی صبح کو کار سے جانا ہوا، دہلی سے چل کر سب سے پہلے اناوڑا اسکول پہنچے، حضرت مولانا کی تقریر ہوئی، اسٹیج پر مولوی نور محمد صاحب اناوڑی بھی موجود تھے (جو تبلیغ اور خصوصا مولانا انعام الحسن صاحب کے سخت مخالف کہے جاتے ہیں) حضرت مولانا نے خود سبقت کر کے ان کو سلام کیا۔

اناوڑ سے کوٹ گئے، یہاں باقاعدہ اجتماع ہونا تھا یہاں میاں جی عبد الرحمٰن میواتی نے حضرت جی سے معلوم کیا، پرانوں کا جوڑ کیسا رہا؟ بہت ٹھنڈا سانس لے کر کہا، بھائی: کسی اور سے پوچھو۔

اتوار کی دوپہر میں کوٹ سے منڈیہ گئے، جو اہل بدعت کا خاص گاؤں تھا، وہاں تقریر اور اجتماع میں شرکت کے بعد موضع ہرواری کے لئے چل دئے وہاں سے ساکرس کا سفر ہوا۔

اجتماع سردھنہ میرٹھ مظفر نگر کے اجتماع کے بعد مغربی یوپی کا غالباً سب سے اہم اور بڑا اجتماع سردھنہ میں منعقدہ اجتماع تھا۔ بڑے اجتماعات کی ترتیب پر یہ اجتماع

۱۸/۱۹/۲۰/شعبان ۱۴۱۴ھ، ۱/۲/۳/فروری ۱۹۹۴ء کو منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں شرکت کے لئے نظام الدین سے حضرت کی سربراہی میں ایک بڑا قافلہ سردھنہ آیا، گاڑی سردھنہ پہنچی تو حاضرین کی بڑی تعداد منتظر اور چشم براہ تھی، اس نے حضرت مولانا کی کار دیکھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا، مولانا نے ان کو منع فرمایا۔ اور کہا "یہ وقت نعروں کا نہیں ہے کام کا ہے، کام کرو"۔

جنوبی ہند کا ایک اور سفر شوال ۱۴۱۴ھ

مارچ ۱۹۹۴ء کے آخری ہفتہ میں اور اپریل کی ابتدائی تاریخوں میں جنوبی ہند کا دو ہفتہ کا ایک اور سفر ہوا۔ بدھ کے دن ۹/شوال ۱۴۱۴ھ ۲۳/مارچ ۱۹۹۴ء کو دہلی سے حضرت مولانا، مرکز کے ذمہ دار اصحاب اور دہلی کے خاص رفقاء پر مشتمل ایک خاصا بڑا کارواں جو پچپن صاحبان پر مشتمل تھا کیرالہ ایکسپریس سے جنوبی ہند کے سفر کے لئے روانہ ہوا، اس قافلہ میں عربوں کی ایک جماعت، علی گڈھ جامعہ کے پروفیسر سلمان بیگ، نادر علی خاں صاحبان دہلی سے علیم الدین (کریم ہوٹل والے) وغیرہ شامل تھے۔

چونکہ مولانا کے لئے چلنا دشوار ہوتا ہے اس لئے سفر میں کرسی کا اہتمام رہتا ہے، مگر اس مرتبہ اسٹیشن پر پہیوں والی کرسی نہیں آئی تھی، اس لئے موٹر سے اتر کر رکشہ میں بیٹھنا ہوا، مولانا شاہد صاحب نے سہارا دے رکھا تھا، رفقائے سفر میں سے حافظ کرامت اللہ دہلوی نے کہا کہ "حضرت تو بہت عرصہ کے بعد رکشہ میں بیٹھے ہوں گے؟" فرمایا: ایک مرتبہ میں اور مولوی یوسف سہارنپور گئے تھے ٹرین لیٹ تھی، رات میں دیر سے سہارنپور پہنچے، اس وقت رکشہ میں بیٹھے تھے۔ پھر کہا: ساری سواریاں برتیں اونٹ گاڑی، گھوڑا گاڑی، وغیرہ سب میں سفر کیا، اسکوٹر پر کبھی نہیں بیٹھا۔

دن اور رات کے سفر کے بعد اردونا کلم پہنچے، وہاں جمعہ کی نماز ادا کی اور اجتماع گاہ آگئے اجتماعات سے فارغ ہو کر ۱۵/شوال ۲۹/مارچ کو حیدر آباد کے لئے روانہ ہوئے، سکندر آباد

اسٹیشن پر اترے اور اجتماع گاہ شاہین نگر (ایروڈ) پہنچے۔ شاہین نگر کے اجتماع سے فارغ ہو کر ناگ پور پہنچے، ۱۸/۱۹/ شوال ۱۴۱۴ھ اور ۲/ اپریل ۱۹۹۴ء کو اجتماع ناگ پور میں شرکت کے بعد نظام الدین واپسی ہوئی۔

سفر آسام ۱۹۹۴ء ذی قعدہ کے پہلے ہفتہ میں آسام کا دورہ ہوا۔ یکم ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ، ۱۳/ اپریل ۱۹۹۴ء کی صبح کو دہلی سے نارتھ ایکسپریس سے آسام وغیرہ کے سفر کے لئے روانہ ہوئے، جمعرات کی رات میں آٹھ بجے گوہاٹی کے اسٹیشن پر اترے، جمعہ کی صبح ہوجائی پہنچے۔ ہوجائی میں بہت بڑا عالمی سطح کا اجتماع طے تھا، چوں کہ اس اجتماع کا اخبارات میں بہت چرچا ہو گیا تھا بلکہ ہفتوں سے آسام اور دہلی تک کے اخبارات اس پر طرح طرح کی حاشیہ آرائی کر رہے تھے اور بے بنیاد باتیں لکھ رہے تھے اس لئے حکومت بھی بہت محتاط تھی اور اہل علاقہ نے بھی معقول انتظامات کئے تھے، ہوجائی اسٹیشن سے اجتماع گاہ تک پولیس کے افسران اور حفاظتی دستہ ساتھ رہا۔ اس اجتماع کی وجہ سے فرقہ وارانہ کشیدگی کے اور بدامنی کے جو خیالات اخبارات میں ظاہر کئے گئے تھے وہ سب غلط اور بے بنیاد ثابت ہوئے اور اجتماع بھی بہت کامیاب اور مفید ثابت ہوا۔

سفر میوات، صفر ۱۴۱۵ھ ۱۳/ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ، ۲۳/ جولائی ہفتہ کی صبح کو موٹر سے نظام الدین سے میوات کا سفر ہوا۔ پہلا قیام بوڑی کوٹھی پر ہوا (جو ساکرس کے قریب ہے) اس کے بعد اشرف المدارس کا میڈا جانا ہوا، وہاں سے الور کے نواح میں ایک گاؤں مناکا تشریف لے گئے، وہاں بڑا اجتماع تھا۔ یہ اجتماع ۱۴/ محرم الحرام کو اختتام پذیر ہوا اس سے فراغت کے بعد واپسی میں فیروزپور جھرکہ آنا ہوا، اجتماع کے بعد تھوڑی دیر کے لئے حسن پور بارہ جانا ہوا، پھر اٹاوڑ سے گزرتے ہوئے مدرسہ سراج العلوم میں دعا کراتے ہوئے نظام الدین دہلی واپسی ہوئی۔

مغربی اور مشرقی پاکستان نیز بنگلہ دیش کے سفر

حضرت مولانا محمد الیاس کی حیات میں (وفات ۱۳۶۳ھ، ۱۹۴۴ء) تبلیغی جماعتوں نیز مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن صاحب کی تبلیغی جماعتوں کے ساتھ ان علاقوں میں آمدورفت شروع ہو گئی تھی جو ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان میں شامل ہوئے۔ ان مقامات میں سب سے پہلی جماعت کراچی بھیجی گئی تھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایسی دو جماعتوں کا ذکر کیا ہے جو حضرت مولانا محمد الیاس نے صفر ۱۳۶۳ھ (مئی ۱۹۴۳ء) [1] میں روانہ کی تھیں، ان میں سے دوسری جماعت میں مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن شریک تھے، بعد میں مولانا اظہار الحسن کاندھلوی بھی اس میں شامل ہوگئے تھے۔ [2] مگر یہ ان تینوں صاحبان کا اس علاقہ کا پہلا سفر نہیں تھا مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کا کراچی اور اس نواح کا سب سے پہلا سفر خود حضرت مولانا محمد الیاس کی رفاقت میں اس وقت ہوا تھا جب حضرت مولانا (ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ جنوری ۱۹۳۸ء) میں کراچی کے راستہ سے حج کیلئے گئے تھے۔ دہلی سے کراچی کے اسی سفر کے دوران حضرت مولانا محمد الیاس جمعہ ۱۹/ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ ۲۲/جنوری ۱۹۳۸ء کو صبح صادق کے وقت رائے ونڈ کے اسٹیشن پر اترے اور فجر کی نماز ادا کی۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے (۱۹۹۳ء میں رائے ونڈ کے اجتماع کے وقت) ایک موقع پر فرمایا:

”۱۹۳۸ء میں پہلی مرتبہ رائے ونڈ اسٹیشن پر آئے تھے، بڑے

(۱) مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت میں یہ تاریخ شروع اپریل، ربیع الاول لکھی ہے (ص ۴۴) جو سہو قلم ہے، صحیح شروع مئی، ربیع الثانی ہے۔

(۲) اس سفر کا احوال سوانح مولانا محمد یوسف از مولانا محمد ثانی حسنی اور احوال و آثار کے اسی شمارہ میں مولانا انعام الحسن کے ابتدائی حالات میں درج ہے۔

حضرت جی کے ساتھ حج کا سفر تھا، دلی سے لاہور رائے ونڈ ہوتے
ہوئے آگے بڑھ گئے تھے اس وقت فجر کی نماز یہاں پڑھی تھی"

شاید اسی وقت حضرت مولانا نے اس زمین سے دعوت دین کی آواز بلند ہونے کی خاص دعا فرمائی جو بارگاہ الٰہی میں ایسی مستجاب ہوئی کہ یہ چھوٹا سا گم نام قصبہ تبلیغی اجتماعات اور دینی خدمت میں پوری دنیا کے لئے نمونہ اور مثال بن گیا۔ بہر حال اس وقت سے مولانا محمد الیاس کی توجہ ادھر ہوئی اور اسی وقت سے مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کے اس نواح کے دینی تبلیغی سفر ہوتے رہے۔ یہ سفر مولانا محمد الیاس کے وفات سے پاکستان کے وجود میں آنے تک بلکہ ۱۹۴۷ء میں بھی جاری رہے (جو نہایت پر آشوب زمانہ تھا) اس وقت سفر کرنا خصوصاً اس علاقہ کا جو پاکستان کی حدود میں آگئے تھے نہایت خطرناک تھا۔ مگر مولانا محمد یوسف ۱۹۴۷ء میں اور اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں بھی پاکستان گئے بعد میں یہ ہر سال کا معمول ہو گیا تھا یہاں تک کہ ایسے ہی ایک اور سفر کے دوران (ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ، اپریل ۱۹۶۵ء میں) حضرت مولانا کی وفات ہوئی۔

حضرت مولانا محمد یوسف کی وفات کے بعد جب مولانا انعام الحسن صاحب امیر مقرر ہوئے انہوں نے بھی مولانا محمد الیاس اور اپنے پیش رو (مولانا محمد یوسف) کی اس روایت و معمول پر اہتمام اور پابندی سے عمل کیا، مولانا کا ہر سال پاکستان کا سفر ہوتا رہا اور جب تک پاکستان کے مشرقی اور مغربی دونوں حصے سیاسی طور پر متحد تھے اس وقت تک دونوں حصوں کا سفر عموماً ایک ساتھ ہوتا تھا، دہلی سے لاہور جاتے لاہور سے اکثر ڈھاکہ کا سفر ہوتا تھا مگر جب پاکستان کا مشرقی بازو اس سے کٹ کر بنگلہ دیش کے نام سے ایک نئی حکومت وجود میں آگئی اس وقت سے دونوں ملکوں کے لئے علیحدہ وقت کا اہتمام ہو گیا تھا، پہلے مغربی پاکستان کا سفر ہوتا بعد میں دوسرا سفر بنگلہ دیش کا۔ چونکہ حضرت مولانا انعام الحسن کی مصروفیت اور اکثر سفروں کے متعلق تفصیلی معلومات راقم سطور کی دسترس میں نہیں ہیں (اس لئے اور عنوانات کی طرح یہ موضوع بھی تشنہ ہے)، تاہم مولانا نے

۱۹۷۱ء سے پہلے مشرقی و مغربی پاکستان کے جو سفر کئے اور ۱۹۷۱ء کے بعد بنگلہ دیش اور پاکستان کے جو سفر ہوئے یہاں ان اجتماعات میں سے چند اجتماعات کی تاریخیں درج کی جارہی ہیں، اگر ان سفروں اور دوسرے ملکی غیر ملکی پروگراموں کے ساتھ وہاں کی مصروفیات تقریروں اور افادات کی کچھ تفصیلات بھی ہوتیں تو ان معلومات کی افادیت و اہمیت بہت زیادہ تھی۔ مگر کچھ بھی نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے اس لئے یہاں یہی ناتمام معلومات اور تاریخیں پیش کی جارہی ہیں (درج ذیل تمام تاریخیں مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری کی ایک یادداشت سے لی گئی ہیں۔)

پاکستان کے سفر

۱۔ ۸/شعبان ۱۳۸۹ھ ۲۱/اکتوبر ۱۹۶۹ء منگل کو خشکی سے سفر برائے رائے ونڈ ہوا اجتماع میں شرکت نہ ہو سکی حضرت جی مدظلہ کے ساتھ سفر ہوا ۲۲/شعبان ۱۳۸۹ھ ۴/نومبر ۱۹۶۹ء منگل گنڈ سنگھ والا حسینی فیروزپور ہوکر دہلی واپسی ۔ کل تیرہ ایام۔

۲۔ ۲۲/ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ ۳۱/جنوری ۱۹۷۰ء سنیچر، پاکستان، ڈھاکہ، کلکتہ سے موٹر سے بارڈر براستہ خشکی پار کر کے جیسور سے ہوائی جہاز سے ڈھاکہ ٹونگی ۷/ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ ۱۴/فروری ۱۹۷۰ء ہفتہ کو واپسی کلکتہ۔ کل تیرہ ایام۔

۳۔ ۸/شعبان ۱۳۹۰ھ ۱۰/اکتوبر ۱۹۷۰ء ہفتہ کو رائے ونڈ فیروزپور ہوکر خشکی کے راستہ سے رائے ونڈ پہنچے ۲۴/شعبان ۱۳۹۰ھ ۲۶/اکتوبر ۱۹۷۰ء پیر کو واپسی براہ فیروزپور سہارنپور آئے۔ کل پندرہ ایام۔

۴۔ ۸/ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ ۱۱/اکتوبر ۱۹۷۸ء بدھ کو امرتسر سے بذریعہ موٹر خشکی سے رائے ونڈ گئے، بھائی عبد الوہاب بیمار تھے، ۲۰/ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ ۲۳/اکتوبر ۱۹۷۸ء پیر کو بذریعہ ریل لاہور واگہ اٹاری امرتسر آئے۔ کل گیارہ ایام۔

۵۔ ۱۳/ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ ۲۴/ستمبر ۱۹۸۰ء بدھ کو دہلی سے بذریعہ ہوائی جہاز

لاہور رائے ونڈ بھائی عبد الوہاب کے ٹانگ کی تکلیف تھی پھر ۲۵/ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ ۶/اکتوبر ۱۹۸۰ء پیر کو لاہور سے بذریعہ طیارہ دہلی واپسی ہوئی۔ کل گیارہ ایام۔

۶۔ تھائی لینڈ، ملیشیا، سنگاپور ڈھاکہ ہو کر بذریعہ طیارہ ۱۵/صفر ۱۴۰۳ھ ۳/دسمبر ۱۹۸۲ء جمعہ کو واپسی۔ کل ۲۹ ایام۔

۷۔ ۱۴/جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ ۳۰/مارچ ۱۹۸۳ء بدھ کو بذریعہ طیارہ دہلی سے لاہور اترے رائے ونڈ جوڑ میں رہنا ہوا۔ جھاوریان، ڈھڈیان، راولپنڈی جانا ہوا ۱۴/رجب ۱۴۰۳ھ ۱۸/اپریل ۱۹۸۳ء پیر کو لاہور سے دہلی طیارہ سے اترے۔ کل اٹھارہ ایام۔

۸۔ ۲۷/محرم ۱۴۰۴ھ ۳/نومبر ۱۹۸۳ء جمعرات کو بذریعہ طیارہ دہلی سے لاہور اتر کر رائے ونڈ رہے۔ حضرت جی مدظلہ سخت بیمار تھے ۸/ربیع الاول ۱۴۰۴ھ ۱۴/دسمبر ۱۹۸۳ء بدھ کو بذریعہ طیارہ لاہور سے دہلی واپسی ہوئی۔ کل گیارہ ایام۔

۹۔ ۵/صفر ۱۴۰۵ھ ۱۳/اکتوبر ۱۹۸۴ء بدھ بذریعہ طیارہ دہلی سے لاہور اترے رائے ونڈ رہے ۱۹/صفر ۱۴۰۵ھ ۱۴/نومبر ۱۹۸۴ء بدھ کو بذریعہ طیارہ لاہور سے دہلی اترے۔ کل تیرہ ایام۔

۱۰۔ ۱۵/صفر ۱۴۰۶ھ ۳۰/اکتوبر ۱۹۸۵ء بدھ بذریعہ طیارہ دہلی سے لاہور اتر کر رائے ونڈ رہے ۲۹/صفر ۱۴۰۶ھ ۱۳/نومبر ۱۹۸۵ء بدھ بذریعہ طیارہ لاہور سے دہلی آئے۔ کل تیرہ ایام۔

۱۱۔ ۳۰/صفر ۱۴۰۷ھ ۴/نومبر ۱۹۸۶ء منگل بذریعہ طیارہ دہلی سے لاہور اتر کر رائے ونڈ رہے، ۱۴/ربیع الاول ۱۴۰۷ھ ۱۸/نومبر ۱۹۸۶ء منگل کو بذریعہ طیارہ لاہور سے دہلی اترے۔ کل تیرہ ایام۔

۱۲۔ ۱۰/ربیع الاول ۱۴۰۸ء ۳/نومبر ۱۹۸۷ء منگل بذریعہ طیارہ دہلی سے لاہور اتر کر رائے ونڈ رہے ۱۲/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ ۱۴/نومبر ۱۹۸۷ء ہفتہ بذریعہ طیارہ لاہور سے دہلی اترے۔ کل دس ایام۔

۱۳۔ ۲۷/ربیع الاول ۱۴۰۹ھ ۸/نومبر ۱۹۸۸ء منگل بذریعہ طیارہ دہلی سے لاہور اتر کر رائے ونڈ رہے ۸/ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ ۱۹/نومبر ۱۹۸۸ء ہفتہ بذریعہ طیارہ لاہور سے دہلی اترے۔ کل دس ایام۔

۱۴۔ ۷/ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ ۷/نومبر ۱۹۸۹ء منگل بذریعہ طیارہ دہلی سے لاہور اتر کر رائے ونڈ رہے ۱۸/ربیع الثانی ۱۴۱۰ء ۱۸/نومبر ۱۹۸۹ء ہفتہ کو بذریعہ طیارہ لاہور سے دہلی اترے۔ کل دس ایام۔

۱۵۔ ۱۷/ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ ۶/نومبر ۱۹۹۰ء منگل بذریعہ طیارہ دہلی سے لاہور اتر کر رائے ونڈ رہے ۲۸/ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ ۱۷/نومبر ۱۹۹۰ء ہفتہ کو بذریعہ طیارہ لاہور سے دہلی اترے۔ کل دس ایام۔

۱۶۔ ۴/جمادی الاول ۱۴۱۲ھ ۱۲/نومبر ۱۹۹۱ء منگل بذریعہ طیارہ دہلی سے لاہور اتر کر رائے ونڈ رہے ۱۶/جمادی الاول ۱۴۱۲ھ ۲۳/نومبر ۱۹۹۱ء ہفتہ بذریعہ طیارہ لاہور سے دہلی اترے۔ کل دس ایام۔

۱۷۔ ۱۴/جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ ۱۰/نومبر ۱۹۹۲ء منگل بذریعہ طیارہ دہلی سے لاہور رائے ونڈ پھر اجتماع اسلام آباد ۲۶/جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ ۲۲/نومبر ۱۹۹۲ء

۱۸۔ ۲۳/جمادی الاول ۱۴۱۴ھ ۹/نومبر ۱۹۹۳ء منگل کا دن گذار کر رات کو بذریعہ طیارہ لاہور، رائے ونڈ، اجتماع پشاور ۶/جمادی الثانی ۱۴۱۴ھ ۲۱/نومبر ۱۹۹۳ء اتوار لاہور سے دلی اترے۔ کل گیارہ ایام۔

۱۹۔ ۳/جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ ۸/نومبر ۱۹۹۴ء منگل دن گذر کر رات کو بذریعہ طیارہ لاہور رائے ونڈ اجتماع کراچی ۱۷/جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ ۲۲/نومبر ۱۹۹۴ء منگل کو بذریعہ طیارہ لاہور سے دہلی اترے۔ کل تیرہ ایام۔

بنگلہ دیش کے سفر

۱۔ ۲۱/ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ ۳۱/مارچ ۱۹۷۸ء جمعہ کو کلکتہ سے ہوائی جہاز سے

ڈھاکہ اترنا ہوا ۲۱/جمادی الاول ۱۳۹۸ھ ۱۱/اپریل ۱۹۷۸ء منگل کو ڈھاکہ سے بذریعہ طیارہ دہلی واپسی ہوئی۔ کل دس ایام۔

۲۔ ۱۱/صفر ۱۳۹۹ھ ۱۱/جنوری ۱۹۷۹ء جمعرات کو کلکتہ سے ڈھاکہ بذریعہ ہوائی جہاز اترے پھر ۱۹/صفر ۱۳۹۹ھ ۱۹/جنوری ۱۹۷۹ء جمعہ کو ڈھاکہ سے بذریعہ ہوائی جہاز دہلی اترے۔ کل سات ایام۔

۳۔ ۱۳/ربیع الاول ۱۴۰۰ھ یکم فروری ۱۹۸۰ء جمعہ کلکتہ سے بذریعہ طیارہ ڈھاکہ اترے پھر ۲۴/ربیع الاول ۱۴۰۰ھ ۱۲/فروری ۱۹۸۰ء منگل کو ڈھاکہ سے بذریعہ طیارہ دہلی واپسی ہوئی۔ کل دس ایام۔

۴۔ ۱۵/ربیع الاول ۱۴۰۱ھ ۲۲/جنوری ۱۹۸۱ء جمعرات کو کلکتہ سے بذریعہ ہوائی جہاز ڈھاکہ آئے ۲۷/ربیع الاول ۱۴۰۱ھ ۳/فروری ۱۹۸۱ء منگل کو ڈھاکہ سے بذریعہ طیارہ دہلی واپسی ہوئی۔ کل گیارہ ایام۔

۵۔ ۲/ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ ۲۸/جنوری ۱۹۸۲ء جمعرات کو کلکتہ سے بذریعہ طیارہ ڈھاکہ آئے پھر ۱۴/ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ ۹/فروری ۱۹۸۲ء منگل کو ڈھاکہ سے بذریعہ طیارہ دہلی واپسی ہوئی۔ کل گیارہ ایام۔

۶۔ ۲۵/ربیع الاول ۱۴۰۳ھ ۱۱/جنوری ۱۹۸۳ء منگل کو بذریعہ طیارہ دہلی سے ڈھاکہ اترے ٹونگ جیسور جانا ہوا، ۱۰/ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ ۲۵/جنوری ۱۹۸۳ء منگل کو بذریعہ طیارہ ڈھاکہ سے دہلی اترے۔ کل تیرہ ایام۔

۷۔ ۱۴/ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ ۱۹/جنوری ۱۹۸۴ء جمعرات کو بذریعہ طیارہ کلکتہ سے ڈھاکہ اترے اجتماع ہوا پھر تھائی لینڈ بینک کاک، پالا اجتماع سے فراغت پر سنگاپور گئے ۷/جمادی الاول ۱۴۰۴ھ ۱۰/فروری ۱۹۸۴ء جمعہ کو سنگاپور سے بذریعہ طیارہ دہلی اترے کل اکیس ایام۔

۸۔ ۲۴/ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ ۱۷/جنوری ۱۹۸۵ء جمعرات کو بذریعہ طیارہ کلکتہ سے

ڈھاکہ اترے ۷/جمادی الاول ۱۴۰۵ھ ۲۹/جنوری ۱۹۸۵ء منگل کو بذریعہ طیارہ کلکتہ اترے۔ کل گیارہ ایام۔

۹۔ ۴/جمادی الاول ۱۴۰۶ھ ۱۶/جنوری ۱۹۸۶ء جمعرات کو بذریعہ طیارہ دہلی سے ڈھاکہ اترے ۱۶/جمادی الاول ۱۴۰۶ھ ۲۸/جنوری ۱۹۸۶ء منگل کو ڈھاکہ سے بذریعہ طیارہ دہلی اترے۔ کل گیارہ ایام۔

۱۰۔ ۱۴/جمادی الاول ۱۴۰۷ھ ۱۵/جنوری ۱۹۸۷ء جمعرات کو بذریعہ طیارہ کلکتہ سے ڈھاکہ اترے ۲۶/جمادی الاول ۱۴۰۷ھ ۲۷/جنوری ۱۹۸۷ء بذریعہ طیارہ ڈھاکہ سے کلکتہ اترے۔ کل گیارہ ایام۔

۱۱۔ ۲۳/جمادی الاول ۱۴۰۸ھ ۱۴/جنوری ۱۹۸۸ء جمعرات بذریعہ طیارہ کلکتہ سے ڈھاکہ اترے۔ ۴/جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ ۲۴/جنوری ۱۹۸۸ء اتوار بذریعہ طیارہ ڈھاکہ سے کلکتہ اترے۔ کل نو ایام۔

۱۲۔ ۳/جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ ۱۲/جنوری ۱۹۸۹ء جمعرات بذریعہ طیارہ ڈھاکہ اترے ٹونگی آئے، ۱۴/جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ ۲۳/جنوری ۱۹۸۹ء پیر بذریعہ طیارہ ڈھاکہ سے کلکتہ اترے۔ کل دس ایام۔

۱۳۔ ۲۰/جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ ۱۸/جنوری ۱۹۹۰ء جمعرات بذریعہ طیارہ ڈھاکہ اترے ٹونگی آئے، یکم رجب ۱۴۱۰ھ ۲۹/جنوری ۱۹۹۰ء پیر کو بذریعہ طیارہ ڈھاکہ سے کلکتہ اترے۔ کل دس ایام۔

۱۴۔ ۲۹/جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ ۱۷/جنوری ۱۹۹۱ء جمعرات بذریعہ طیارہ ڈھاکہ اترے ٹونگی آئے، ۱۱/رجب ۱۴۱۱ھ ۲۸/جنوری ۱۹۹۱ء پیر کو بذریعہ طیارہ ڈھاکہ سے کلکتہ اترے۔ کل دس ایام۔

۱۵۔ ۲۰/رجب ۱۴۱۳ھ ۱۴/جنوری ۱۹۹۳ء بذریعہ طیارہ دہلی سے ڈھاکہ اتر کر ٹونگی آئے، ۲۸/رجب ۱۴۱۳ھ ۲۲/جنوری ۱۹۹۳ء بذریعہ جمعہ کا دن گذر کر رات کو بذریعہ طیارہ ڈھاکہ سے دہلی اترے۔ کل سات ایام۔

ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ کے سفر

حضرت مولانا محمد یوسف کی کوششوں سے تبلیغ کی آواز اور اس کی پُرجوش جدوجہد ہندپاکستان اور عرب ملکوں کے علاوہ ایشیا کے مختلف خطوں یورپ وامریکہ کے ملکوں اور افریقہ میں پہنچ گئی تھی اور کئی ملکوں میں خاصے اہتمام سے کام شروع ہو گیا تھا اور اس کے اثرات بھی محسوس کئے جا رہے تھے، مگر مولانا محمد یوسف کو ان ملکوں کے سفر کا موقع نہیں ملا۔ ایک تو اس دور میں سفر اس قدر آسان نہیں تھا اور تبلیغی کام بھی ایسا جامع اور مضبوط نہیں ہوا تھا جو تبلیغ کے عالمی رہنماؤں کے وہاں جانے کی ضرورت محسوس ہوتی، کیوں کہ دنیا کے تمام ملکوں کے اکثر بڑے تبلیغی کارکن اس وقت حجاز آجاتے تھے جب مولانا محمد یوسف کا حجاز کا سفر ہوتا تھا اور عالمی تبلیغی سلسلہ کے ضروری کام اور اہم مشورے وہیں طے ہو جاتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف کی وفات کے بعد تبلیغی کام بہت تیزی اور سرعت سے پھیلا اور سعودی عرب میں تبلیغی کام کرنے والوں کو جو سہولت اور خاصی آزادی تھی اس میں بھی پہلے جیسی وسعت نہ رہی نیز ملکوں ملکوں کام کے رواج اور بڑے بڑے مرکز قائم ہو جانے کی وجہ سے ضروری ہو گیا تھا کہ ان ملکوں کے سفر ہوں، وہاں کے تبلیغی کام کرنے والوں کے ماحول اور معاشرے کا خود جائزہ لیا جائے، ان کی فکر اور مزاج کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے اور ان مقامات کی تبلیغی جماعتوں کو جو مسائل اور مشکلات پیش ہیں ان کو براہ راست دیکھ کر حل کیا جائے، اس لئے حضرت مولانا انعام الحسن کے ان ملکوں کے سفر شروع ہوئے۔

مولانا کے ابتدائی دور امارت میں غیر ملکی سفر بہت کم ہوئے مگر بعد میں ان کی ایسی کثرت ہو گئی تھی کہ ایک ایک سفر میں دس دس ملکوں میں جانے کے پروگرام بنتے تھے۔

وہاں اجتماعات ہوتے، جماعتیں نکلتیں اور تبلیغی کام کے مزید فروغ کی صورتیں پیدا ہوتیں مگر افسوس ہے کہ ان ملکوں کے سفر کی کوئی مفصل روداد بلکہ صحیح تاریخیں اور یادداشت بھی ہمیں دستیاب نہیں ہوئی، اس لئے صرف ان سفروں پر روانگی اور واپسی کی تاریخ یہاں لکھی جارہی ہے۔

پہلا غیر ملکی سفر مولانا انعام الحسن کے امیر بننے کے بعد ان کا ہند پاکستان اور حجاز کے علاوہ پہلا غیر ملکی سفر سری لنکا کا ہوا (جسکو اسوقت سیلون کہتے تھے) یہ بارہ تیرہ دن کا سفر تھا، ۱۸/ جمادی الاول ۱۳۸۷ھ ۲۵/ اگست ۱۹۶۷ء کو مدراس سے سری لنکا (سیلون) کا سفر ہوا، تیرہ دن بعد یکم جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ ۷/ ستمبر ۱۹۶۷ء کو ہوائی جہاز سے ترچناپلی واپس آئے۔

تھائی لینڈ، ملیشیا، سنگاپور، برما کا سفر : ۱۳۹۴ھ اس سفر کے بعد مغربی اور مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کے سفر کے علاوہ کئی سال تک کوئی سفر نہیں ہوا اس کے بعد پہلا بڑا غیر ملکی سفر جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک تھائی لینڈ، ملیشیا، سنگاپور، برما وغیرہ کا ہوا۔ یہ تقریباً ایک مہینہ کا سفر تھا جو یکم محرم الحرام ۱۳۹۴ھ ۱۷/ فروری ۱۹۷۲ء کو دہلی سے شروع ہوا، دہلی سے ہوائی جہاز سے بینکاک، تھائی لینڈ گئے، وہاں سے ملیشیا، سنگاپور، برما جانا ہوا۔ اس سفر کے آغاز و اختتام دونوں کا شیخ کے روزنامچہ میں مختصر مختصر تذکرہ ہے۔ یکم محرم الحرام ۱۳۹۲ھ ۱۷/ فروری ۱۹۷۲ء کی یادداشت میں تحریر ہے:

> "مولوی انعام کا سفر برما بہت دن سے طے تھا مگر ویزا کی مشکلات کی وجہ سے انتظار رہا پھر بھی برما کا نہ ملا، تھائی لینڈ کا ملا۔ وہ ۱۷/ فروری کو صبح ۵/ بجے پالم کے اڈہ پر پہونچے کہ چھ بجے جہاز تھا، مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جہاز کا ٹائر پھٹ گیا اور چار گھنٹے لیٹ ہو کر دس بجے تھائی لینڈ روانہ ہوئے۔ بعد میں برما کا بھی ایک ہفتہ کا ویزا عین روانگی کے وقت مل گیا۔"

اس موقع پر روزنامچہ میں صرف یہی الفاظ لکھے ہیں تفصیلات شیخ نے اپنے دوسری بڑی بیاض (تاریخ کبیر) میں درج فرمائی ہیں۔ مناسب ہے کہ یہ اندراج بتمام وکمال یہاں نقل کردیا جائے، لکھا ہے:

"مولوی انعام الحسن سلمہ کا سفر برما بہت دن سے طے تھا مگر ویزا کی مشکلات کی وجہ سے انتظار رہا پھر بھی برما کا نہ ملا، تھائی لینڈ کا ملا، وہ ۱۷/ فروری کی صبح کو ۵/ بجے پالم کے ہوائی اڈہ پر پہونچے کہ جہاز ۶/ بجے تھا مگر وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ جہاز کا ٹائر پھٹ گیا اور ۴ گھنٹے لیٹ ہو کر دس بجے تھائی لینڈ روانہ ہوئے، بعد میں برما کا بھی ایک ہفتہ کا ویزا عین روانگی کے وقت مل گیا۔ ۱۷/ فروری کو پہنچ کر ۲۱ تک بینکاک میں قیام رہا۔ مختلف مساجد میں کام کیا، قیام مسجد دار الامان میں تھا۔ مسجد ہارون، مسجد انصار السنہ، مسجد العتیق، مسجد جامع الاسلام وغیرہ میں کام ہوا۔ اتوار کو شیخ الاسلام کی مجلس میں سینکڑوں ان کے معتقدین سے آدھے گھنٹہ بات ہوئی۔ مقامی احباب آنے شروع ہو گئے تھے، محمد صالح سورتی ترجمان اردو سے تھائی میں رہے، عربی سے تھائی میں شیخ عبد الرحمٰن ترجمان رہے۔ حضرت جی دامت برکاتہم کے ارشادات مختلف مجلسوں میں ہوئے۔ بنگلور، ناگپور، بمبئی، گجرات کی جماعتیں بھی یہاں پہونچ گئی تھیں۔ بینکاک سے ۲۱/ فروری ۷۲ء ۶/ محرم الحرام ۹۲ھ دوشنبہ کی شام کو ۳ بجکر چالیس منٹ پر بذریعہ ریل روانہ ہوئے۔ اگلے روز بروز منگل ساڑھے چار بجے تھائی لینڈ پار کر کے ملیشیا میں پینانگ پہنچ گئے۔ پینانگ شہر میں سمندر پار کر کے جانا پڑتا ہے تین میل سمندر کا عرض ہے۔ اسٹیشن سے موٹروں میں سوار ہو کر سمندر پر پہنچے، موٹریں بھی اسٹیمر میں سوار ہو گئیں اور سواریاں موٹروں میں

بیٹھی رہیں اور ۱۵ منٹ میں سمندر کو عبور کرلیا گیا خیریت سے پینانگ پہنچے۔ تعلیم، ذکر، تلاوت اور احباب سے بات کرنے میں وقت گذرا حضرت جی نے دعا فرمائی، مسجد میں ایک کمرہ میں قیام رہا، یہاں ویزا وغیرہ بہت سہولت سے مل گیا، ایک کارڈ دیا گیا تھا جس کو بھر کر دے دیا گیا اور کھڑے کھڑے ویزا ہو گیا۔ خروج کیلئے ریل ہی میں پاسپورٹ لے کر خروج کر دیا گیا۔ دو شب پینانگ میں قیام رہا، پانچ جماعتیں تیار ہوئیں ایک تین چلہ کی، ایک ایک چلہ کی، باقی دس بیس روز کی، ایک جماعت خاص ملیشیا والے حضرات کی ہمارے ساتھ سنگاپور آئی ہے ٹامل اور ملائی، الگ الگ دو مجمعوں میں دو ترجمانوں سے بات ہوئی۔ پہلا بیان مولانا محمد عمر صاحب کا ہوا، بعد میں مولانا انعام صاحب کی تشکیل خوب ہوئی۔

جمعرات ۶ / مارچ کو ۹ / بجے پینانگ سے روانہ ہو کر شام کو ۵ / بجے ملیشیا کے عاصمہ (دار الحکومت) کولالم پور پہنچ گئے، شام دس بجے ریل میں بیٹھ کر صبح کو آٹھ بجے سنگاپور پہونچے، ریل ہی میں ملیشیا سے خروج اور سنگاپور کا ویزا مل گیا، سنگاپور میں جمعہ کی صبح کو پہونچ کر جمعہ کے وقت مختلف مساجد میں جماعتوں کو بھیجا گیا۔ اور مغرب کے بعد اجتماع ہوا۔ مولوی محمد عمر اور پھر مولوی انعام نے بیان کیا تشکیل خوب ہوئی یہاں کے لوگ بہت بھولے بھالے ہیں۔"

برما سفر کی آخری منزل تھی، برما میں قیام کے بعد ۲۹ / محرم الحرام ۱۷ / مارچ کو برما سے بذریعہ ہوائی جہاز کلکتہ آئے اور کلکتہ سے ریل کے ذریعہ سیدھے سہارنپور پہونچے۔ حضرت شیخ نے لکھا ہے:

"آج دو پہر مولوی انعام الحسن ۱۰ / بجے کے قریب رنگون سے

چل کر ڈیڑھ گھنٹے میں کلکتہ پہنچے اور کلکتہ سے جمعہ اور شنبہ کی درمیانی شب میں سوا دس بجے دہرہ ایکسپریس سے کلکتہ سے چل کر، اتوار کی صبح کو ساڑھے آٹھ بجے سہارنپور پہنچے۔ بابوجی معہ اظہار وزیر وغیرہ کے شنبہ کی دوپہر کو گاڑی لے کر پہنچ گئے تھے۔ اتوار کی دوپہر کو حاجی عبدالحلیم، حاجی اسماعیل اپنی گاڑی میں اور بھائی انیس چاٹگامی دو دن دلی قیام کے بعد ایکسپریس سے سہارنپور پہنچے، عشا کے بعد حاجی شفیع اپنی کار میں مولوی انعام کے ساتھ، بھائی عبدالمغیث اور دس نفر کے ساتھ آئے۔ منگل کی صبح کو مولوی انعام صاحب کسی کی کار میں براہ میرٹھ دلی تشریف لے گئے اور ہارون بابوجی کا کار میں براہِ کاندھلہ حاجی عبدالحلیم صاحب کھانا کھانے کے بعد بارہ بجے براہِ دیوبند مراد آباد۔ حاجی شفیع ظہر کے بعد براہ میرٹھ دہلی روانہ ہوئے، یہ دونوں حضرات مدرسہ کے کام کی وجہ سے علی الصباح نہ جاسکے۔ بھائی انیس اول تنہا آئے تھے، پیر کی صبح کو ایک میواتی کی کار میں اپنے لڑکے کو بھیج کر اپنی اہلیہ کو بلایا جو منگل کے دن ایکسپریس سے لے کر واپس آیا اور بدھ کی شام کو ایکسپریس سے دہلی واپس گئے۔"

مختلف ملکوں کا ایک طویل سفر ۱۳۹۲ھ : جمادی الاول ۱۳۹۲ھ کے آخری ہفتہ میں ایک طویل غیر ملکی سفر ہوا جس میں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے تقریباً دس ملکوں میں جانا ہوا، اس سفر کی ابتداء ۲۳/ جمادی الاول ۶/ جولائی ۱۹۷۲ء کو دہلی سے کویت کے لئے پرواز سے تھی، کویت سے عراق، لبنان، شام، اردن کا سفر ہوا اس کے بعد لیبیا، مراکش، ترکی، برطانیہ، فرانس اور اسپین جانا ہوا۔ ہر جگہ چھوٹے بڑے اجتماعات اور تبلیغی کام کے لئے ضروری مشورے پہلے سے طے تھے جو مولانا انعام الحسن کی سربراہی میں حسب ترتیب انجام پائے۔ یہ سفر تبلیغی کام اور مولانا کے دورِ امارت کا اہم سفر تھا مگر

افسوس ہے اس کی تفصیل راقم سطور کو نہیں ملی حضرت شیخ نے روز نامچہ میں اس کا بہت مختصر حوالہ دیا ہے تحریر ہے۔

"ابتداء سفر مولوی انعام غیر ممالک، یورپ وغیرہ ___ تفصیل تاریخ کبیر میں ہے"

اگرچہ اس میں لکھا ہے کہ تفصیل تاریخ کبیر میں ہے، مگر تاریخ کبیر میں ۱۳۹۲ھ کے صفحہ پر برما وغیرہ کے سفر کا ذکر ہے، یورپ وافریقہ کے ان اجتماعات وسفر کا کچھ ذکر نہیں۔ بہر حال اس سفر کا اختتام سعودی عرب میں عمرہ کی تکمیل پر ہوا، عمرہ کے بعد ۲۰/ شعبان ۱۳۹۲ھ اور ۲۹/ ستمبر ۱۹۷۲ء کو جدہ سے بمبئی آئے، بمبئی سے دہلی روانگی پر سفر مکمل ہو گیا۔

سری لنکا کا سفر : رجب ۱۳۹۳ھ کے پہلے ہفتہ میں دہلی سے مدراس کے لئے روانہ ہوئے، مدراس سے سری لنکا (اسوقت سیلون کہا جاتا تھا۔) ۱۹/ رجب مطابق ۱۹/ اگست ۱۹۷۳ء مدراس سے بذریعہ ہوائی جہاز کولمبو پہنچے، یہ تقریباً ۱۸ دن کا سفر تھا اس میں متعدد اجتماعات اور تبلیغی مشورے ہوئے۔ اٹھارہ روزہ مصروفیات کے اختتام پر ۲۸/ رجب ۲۸/ اگست کو ہوائی جہاز سے واپسی کا سفر شروع ہوا، واپسی میں تریوندرم اترے اور بعافیت دہلی آگئے۔

خلیج عرب کی ریاستوں کا سفر : ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ دسمبر ۱۹۷۳ء میں بمبئی سے شارجہ، ابوظبی کا سفر ہوا، اسی سفر میں سفر حج بھی پہلے سے طے تھا، اس لئے ابوظبی سے جدہ پہنچے، ۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ کو مکہ مکرمہ آئے اور جدہ سے براہ ظہران روانہ ہو کر ۲۷/ کو بمبئی آئے اور ۱۲/ صفر (ہندی) ۶/ مارچ کو دہلی آگئے۔

اس سفر کی اطلاعات میں مولانا محمد عمر پالن پوری اور مولوی محمد شاہد صاحب کی یاد داشتوں میں کئی دنوں اور تاریخوں کا فرق ہے، درج بالا اطلاع مولوی شاہد صاحب کی تحریر

کی روشنی میں ہے مگر مولانا محمد عمر صاحب نے بمبئی آنے کی تاریخ ۴/صفر ۱۳۹۴ھ ۲۷/فروری ۱۹۷۴ء لکھی ہے۔

افریقی ملکوں کا سفر : ۱۳۹۵ھ میں افریقی ملکوں کا طویل سفر ہوا، اس سفر کی ابتداء ربیع الاول ۱۳۹۵ھ کی پہلی تاریخ کو ہوئی (مطابق ۱۵/مارچ ۱۹۷۵ء) مگر مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری کی یاد داشت میں اس سفر کے آغاز کی تاریخ ۴/ربیع الاول لکھی ہے، تحریر ہے کہ :

"۴/ربیع الاول ۱۳۹۵ھ ۱۸/مارچ ۱۹۷۵ء منگل کو بذریعہ طیارہ ماریشس پہنچے"

مولانا شاہد صاحب کے مضمون میں سفر ماریشس کا ذکر نہیں ہے۔

بہر طور ماریشس سے ساؤتھ افریقہ اور کئی ملکوں کا سفر کیا جس میں روڈیشیا، ملاوی، زامبیا، تنزانیا، کینیا بھی گئے، آخر میں ۶/مئی ۱۹۷۵ء کو سعودی عرب عمرہ کے لئے حاضر ہوئے، ۱۰/مئی کو مدینہ پاک حاضری کی سعادت میسر آئی۔ ۲۹/جمادی الاول، ۱۰/جون کو جدہ سے کراچی آئے، ۲۰/جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ ۱۳/جون کو جمعہ کے دن کراچی سے دہلی پہنچے۔

سفر سری لنکا : ۱۳۹۶ھ جمادی الثانیہ ۱۳۹۶ھ کی ابتدائی تاریخوں (۲/جون ۱۹۷۶ء) کو دہلی سے مدراس گئے، مدراس سے ۱۰/جمادی الاخری ۱۳۹۶ھ ۲۳/جون ۱۹۷۶ء کو کولمبو پہنچے، ۲۴۔ ۲۳ جون کو کولمبو سے مدراس واپسی ہوگئی اور مدراس سے دہلی۔ حضرت شیخ کے روزنامچہ میں ہے :

"آج دو جون کو مولوی انعام کا مدراس، سیلون کا پچیس دن کا سفر ہے"

سفر برطانیہ، فرانس، عمان اور سعودی عرب : ۱۳۹۸ھ یکم شعبان ۱۳۹۸ھ ۸/جولائی ۱۹۷۸ء کو دہلی سے ہوائی جہاز کے ذریعہ سے کراچی گئے۔ کراچی سے عمان

اردن اور پیرس (فرانس) کا سفر ہوا۔ ۲۵/ شعبان، یکم اگست کو دہلی واپسی ہو گئی۔

سفر سری لنکا : ۱۳۹۹ھ ۱۰/ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ فروری ۱۹۷۹ء کو جنوبی ہند اور سری لنکا کا ایک اور سفر شروع ہوا، چند دن جنوبی ہند کی مصروفیات میں گزرے۔ ۱۶/ ربیع الاول ۱۴/ فروری کو تریوندرم سے ہوائی جہاز کے ذریعہ سری لنکا کے دارالحکومت کولمبو پہنچے، سری لنکا کا پندرہ دن کا دورہ ہوا، تبلیغی اجتماعات میں شرکت ہوئی اور یکم ربیع الثانی یکم مارچ کو کولمبو سے مدراس واپس آگئے۔ اس کے بعد جنوبی ہند کا ایک اور طویل سفر ہوا، مختلف مقامات پر اجتماعات ہوئے اور متعدد چھوٹے بڑے پروگرام رو بہ عمل آئے۔

ماریشس اور افریقہ کے متعدد ملکوں کا سفر : ۱۳۹۹ھ افریقہ کے کئی ملکوں کا ایک طویل سفر ربیع الاول ۱۳۹۵ھ میں ہوا تھا، اس سفر کے مفید اثرات اور دینی ماحول کی ترقی اور بیداری کی وجہ سے ان ملکوں کے دینی احباب خصوصاً تبلیغی اصحاب نے ان علاقوں میں مولانا انعام الحسن کے ایک اور سفر کا اہتمام کیا۔ ۳۰/ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ ۳۰/ مارچ ۱۹۷۹ء کو دہلی سے بمبئی کا سفر ہوا۔ ایک دن بمبئی میں قیام کے بعد یکم اپریل ۲/ جمادی الاول کو بمبئی سے ماریشس پہنچے، وہاں سے ری یونین، جنوبی افریقہ، ملاوی، زامبیا، کینیا کے بعد تبلیغی پروگرام کا آخری مرحلہ سوڈان میں تھا۔ سوڈان کے اجتماعات کے اختتام پر جمادی الثانیہ ۱۳۹۹ھ ۳/ مئی کو سعودی عرب روانہ ہو گئے اور عمرہ کی سعادت حاصل کی۔ حضرت شیخ کے روزنامچہ میں ہے :

> "آج ظہر کے بعد حضرات نظام الدین مولانا انعام الحسن و مولوی محمد عمر و مولوی زبیر اور اہل رائے ونڈ بھائی بشیر، بھائی افضل وغیرہ سوڈان سے جدہ پہونچے۔"

۲۳/ جمادی الاخری ۱۳۹۹ھ ۱۹/ مئی کو مدینہ منورہ سے رخصت ہو گئے حضرت شیخ کے روزنامچہ میں اس کا بھی ذکر ہے، تحریر ہے :

"آج صبح کی نماز کے بعد مولانا انعام الحسن مع رفقاء ہندوپاکستان مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ طلحہ اور اس کی ماں کا جانا بھی ان کے ساتھ ہی طے تھا مگر چونکہ ان حضرات کا قیام مکہ میں دس دن ہے اس لئے طلحہ کے کہنے پر اور عبدالحفیظ کے وعدہ پر کہ وہ جمعرات کو ان کو پہنچادے گا۔ (ان کے ساتھ نہیں گئے) مفتی زین العابدین صاحب طیارہ سے گئے اور ۲۲/ مئی کو مکہ سے جدہ یہ حضرات اجتماع میں شرکت کیلئے گئے اور ۲۴ کی شب میں جدہ سے واپسی مکہ، اور ۲۷/ مئی کو پونے گیارہ بجے مکہ سے چل کر پونے بارہ بجے جدہ پہنچے۔ طلحہ اور اس کی ماں شجاع کے یہاں ٹھہرے اور بقیہ حضرات مسجد خلیل میں اور کل صبح کو عربی ساڑھے گیارہ بجے کراچی کیلئے جہاز ہے۔"

تین رجب ۱۳۹۹ھ ۳۰/ مئی ۱۹۷۹ء بدھ کے دن کراچی سے ہوائی جہاز سے دہلی آئے اور یہ دو مہینے کا سفر اختتام پذیر ہوا۔

برطانیہ، امریکہ اور کناڈا کا سفر ۱۴۰۰ھ ۱۴۰۰ھ تک حضرت مولانا انعام الحسن نے ہندوستان کے اکثر بڑے شہروں، تمام صوبوں اور سیکڑوں چھوٹے بڑے قصبوں اور دیہات کا سفر کیا، بیرون ہند میں پاکستان مغربی و مشرقی (بعد میں بنگلہ دیش) تقریباً ہر سال کے دوروں کے علاوہ یورپ و ایشیا کے بیس سے زائد ملکوں میں جانا ہوا، بعض ملکوں میں دو تین بار جانے کا موقع ملا مگر ابھی تک امریکہ اور متعلقہ ملکوں کا سفر نہیں ہوا تھا۔ شعبان ۱۴۰۰ھ میں امریکہ اور کناڈا کا پہلا سفر طے ہوا۔ ۳/ شعبان ۱۷/ جون ۱۹۸۰ء بدھ کی رات میں ۳ بجے دہلی سے لندن کے لئے پان امریکن طیارہ سے امریکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ طیارہ کی پہلی منزل بحرین میں ہوئی، ۳ گھنٹے بحرین میں ٹھہرنے کے بعد جہاز جرمنی کے لئے اُڑا، جرمنی سے لندن کے لئے اڑان بھری، دہلی سے چودہ گھنٹہ کی پرواز کے بعد لندن کے ہوائی اڈہ پر اترے۔ لندن ہوائی اڈہ پر مقامی تبلیغی احباب، نیز پاکستان اور

دوسرے ملکوں کے تبلیغی کام کے ذمہ دار پہلے سے استقبال کے لئے موجود تھے، ان سب سے ملاقاتیں ہوئیں اور قیام گاہ آگئے۔ لندن میں ایک ہفتہ کا پروگرام اور قیام طے تھا، اسی دوران ڈیوزبری میں تبلیغی اجتماع منعقد ہوا جو حاضرین کی شرکت اور کارگذاری کی وجہ سے بہت ہی کامیاب اجتماع تھا۔

اس اجتماع سے فراغت کے بعد ۲۶/جون (۱۲/شعبان) کو لندن سے امریکہ کے لئے روانگی ہوئی امریکہ میں ڈیرائٹ شہر میں اجتماع تھا اس میں شرکت کی، امریکہ کے اجتماعات و مصروفیات سے فراغت کے بعد کناڈا جانا ہوا۔ سفر کناڈا کی تفصیل راقم سطور کے علم میں نہیں ہے لیکن برطانیہ اور امریکہ کے سفر کی روداد حضرت مولانا انعام الحسن کے فرزند مولانا زبیر الحسن نے امریکہ سے حضرت شیخ کو لکھی تھی، اس خط کا ایک اقتباس اجتماع مظفر نگر کے تحت گزر گیا ہے، سفر امریکہ سے متعلق اطلاع درج ذیل ہے:

"۱۷/جون کی رات کو ۱۲ بجے نظام الدین سے حضرت جی مدظلہ کی زیر امارت قافلہ روانہ ہوا ۲ بجے پان امریکن طیارہ سے روانہ ہوئے، ساڑھے تین گھنٹے میں بخیریت بحرین کے مطار پر اترے۔ مطار کی مسجد میں نماز فجر ادا کی، ایک گھنٹہ بعد اسی طیارہ سے روانہ ہو کر سات گھنٹے میں جرمن کے مطار پر اترے، ایک گھنٹہ جہاز کھڑا رہا، وہاں سے ڈیڑھ گھنٹے کی پرواز کے بعد بخیریت لندن کے مطار پر اترے، وہاں قاضی (عبد القادر) صاحب، مفتی (زین العابدین) صاحب، بھائی عبد الوہاب، بھائی افضل، مولانا سعید خاں صاحب اور بہت سے احباب موجود تھے سب سے ملاقات اور دعا کے بعد مختلف کاروں میں مرکز کی مسجد میں اللہ پاک نے بخیریت پہنچادیا۔ دہلی سے لندن تک کا یہ سفر تقریباً ۱۴ گھنٹے کا رہا۔

۱۸/جون سے ۲۶/جون تک لندن میں قیام رہا، وہاں کا اجتماع اور

وہاں کا قیام الحمد للہ اچھا رہا۔ ڈیوزبری میں قیام رہا، اندازہ سے زیادہ مجمع آیا اور خوب افراد راہِ خدا میں نکلے۔ لندن کے اجتماع کے موقع پر ایک صاحب نے خواب دیکھا کہ مسجد کے اوپر صحن میں گنبد کے قریب حضرت نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے ہیں اور اجتماع کو دیکھ کر اور اس کے پنڈال کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہو رہے ہیں اور بہت ہی دعائیں دے رہے ہیں۔

۲۶/ جون کو صبح لندن سے بذریعہ طیارہ روانہ ہو کر ۳ گھنٹے نیو یارک کے اڈہ پر گذار کر، ظہر کی نماز پڑھ کر اسی طیارہ سے ایک گھنٹہ کی پرواز کے بعد اجتماع کی جگہ ڈیرائٹ پہنچے، یہاں بھی انتظام اور مجمع خوب ہے۔ کل ۳۰/ جون کو دعا اور جماعتوں کا مصافحہ ہوگا اسکے بعد چار جولائی کو کناڈا، ٹورنٹو اور وہاں سے پھر نیویارک، دو یوم قیام کے بعد ۸/ جولائی کو لندن اور ۹/ جولائی کو کراچی اور دس جولائی کو انشاء اللہ العزیز حضرت والا کے قدموں میں فیصل آباد حاضری کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالی خیریت وعافیت کے ساتھ حضرت کی زیارت اور ملاقات سے سرفراز فرمائے۔

یہاں کے اجتماع میں ہر چہار طرف اور تقریباً پندرہ بیس ملکوں کے پرانے اور اچھے ذمہ دار آئے ہوئے ہیں جس کی بنا پر یہاں کے دورہ کو حضرت جی مدظلہ نے ملتوی فرما کر یہ پورا ہفتہ اسی اجتماع کی جگہ قیام تجویز فرمایا، اللہ خیر فرمائے آسان فرمائے۔"

مولانا زبیر الحسن صاحب کے خط میں واپسی کا جو نظام سفر درج تھا اس کے مطابق واپسی ہوئی۔ نیویارک سے لندن آئے لندن سے کراچی کے لئے سیٹیں ریزرو نہیں، ۱۰/ جولائی ۱۹۸۰ء، ۲۵/ شعبان ۱۴۰۰ھ کو کراچی پہونچے، شیخ کے روزنامچہ میں ہے:

"آج مولوی انعام الحسن امریکہ لندن وغیرہ سے ہو کر پونے تین،
بجے فیصل آباد پہنچے ان کا جہاز کراچی میں چھ گھنٹے لیٹ پہنچا"

کراچی سے فیصل آباد (لائل پور) کا سفر پہلے سے طے اور ضروری تھا کیونکہ اس سال حضرت شیخ الحدیث نے اہل پاکستان کے اصرار پر رمضان المبارک فیصل آباد میں گذارنا منظور کر لیا تھا اور ۲۲/جولائی ۷/شعبان کو مدینہ پاک سے پاکستان آکر فیصل آباد میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔

مولانا انعام الحسن صاحب ایک رات فیصل آباد قیام کے بعد ۱۸/شعبان، ۱۲/جولائی کو سڑک کے راستہ سے ہندوستان واپس ہوئے۔ اور امر تسر سے انبالہ تک ریل میں آئے۔ ریل سے بذریعہ کار سہارنپور ہوتے ہوئے نظام الدین واپس پہنچے۔

سفر برطانیہ، فرانس، بیلجیم وغیرہ رجب ۱۴۰۲ھ، مئی ۱۹۸۲ء میں یورپ کے تین ملکوں کا ایک اور سفر ہوا، ۱۸/رجب، ۱۲/مئی کو دہلی سے لندن کے لئے پرواز ہوئی مانچسٹر میں تبلیغی اجتماع ہوا، برطانیہ کی مصروفیات سے فارغ ہو کر بلجیم گئے بلجیم سے فرانس کا سفر ہوا، اسی سفر کے دوران یہ المناک خبر ملی کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی (جو کئی مہینوں سے سخت بیمار چل رہے تھے) رحلت فرما گئے۔

مولانا انعام الحسن نے اس بڑے اور نہایت جاں گداز حادثہ کو صبر اور مؤمنانہ شان سے برداشت کیا اور سفر سے فراغت کے بعد براہِ عمان عمرہ کے لئے جدہ پہنچے اور تعزیت کے لئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، جہاں اس وقت حضرت شیخ کے صاحبزادہ مولانا محمد طلحہ، حضرت کی اہلیہ، دوسرے اعزہ نیز حضرت کے خاص خلفاء اور چند اہم متوسلین مقیم تھے۔ تعزیت عمرہ اور ہدیہ صلوۃ و سلام سے فارغ ہو کر ۲۵/شعبان ۱۴۰۲ھ ۱۸/جون کو جمعہ کو دہلی آگئے۔

تھائی لینڈ، ملائشیا، سنگاپور کا سفر : ۱۴۰۳ھ ۱۴۰۳ھ کے شروع میں ملائشیا

سنگاپور اور تھائی لینڈ کا سفر طے تھا مگر اس سفر کی ترتیب ان ملکوں بلکہ تقریباً تمام ہی غیر ملکی سفروں سے مختلف رہی۔ اس سفر کی ابتداء دہلی سے بذریعہ کار امرتسر کے سفر سے ہوئی، امرتسر سے پاکستان گئے، پاکستان میں رائے ونڈ کے اجتماع میں شرکت ہوئی، پھر حیدر آباد، آخر میں کراچی جانا ہوا۔ کراچی سے بذریعہ طیارہ ملائشیا کے مرکزی مقام کوالالم پور اترے، پھر سنگاپور گئے، آخر میں تھائی لینڈ کا سفر ہوا، تھائی لینڈ کے پروگرام سے فراغت کے بعد ڈھاکہ بنگلہ دیش آئے۔

اس سفر کے لئے ۱۵/ محرم ۱۴۰۳ھ ۳/ نومبر ۱۹۸۲ء کو دہلی سے روانہ ہوئے، ۱۷ سے ۱۹/ محرم تک رائے ونڈ کا اجتماع تھا، ۲۵/ محرم کو کوالالم پور کے لئے روانگی ہوئی، ۱۵/ صفر تک ان ملکوں کے پروگرام میں مشغولیت رہی، آخر میں ڈھاکہ آگئے تھے۔ ڈھاکہ سے ۱۵/ صفر، ۳/ دسمبر ۱۹۸۲ء کو واپس آئے۔

سری لنکا کا سفر : ۱۴۰۳ھ رجب ۱۴۰۳ھ کے آخری ہفتہ میں جنوبی ہند کا سفر کیا، وہاں سے سری لنکا جانا تھا۔ پروگرام کے مطابق ۲۸/ رجب ۱۴۰۳ھ ۱۲/ مئی ۱۹۸۳ء کو تریوندرم سے سری لنکا کیلئے پرواز کی، کولمبو پہنچے اور الولوگاما کے مقام پر تبلیغی اجتماع میں شرکت کی۔ ۱۳/ شعبان، ۲۷/ مئی کو سری لنکا سے مدراس واپسی ہوئی اور مدراس سے جنوبی ہند کے ضروری سفر اور مصروفیات کے بعد دہلی آگئے۔

جنوب مشرقی ایشیا کا سفر : ۱۴۰۴ھ وسط ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ جنوری ۱۹۸۴ء میں جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں کا سفر طے تھا اس کا آغاز بنگلہ دیش روانگی سے ہوا، بنگلہ دیش میں حسب معمول سالانہ اجتماع تھا۔ ۱۴/ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ ۱۹/ جنوری ۱۹۸۴ء کو جمعرات کے دن کلکتہ سے بذریعہ ہوائی جہاز ڈھاکہ گئے۔ ڈھاکہ کی مصروفیات سے فارغ ہو کر تھائی لینڈ پہنچے، جہاں کئی اجتماعات طے تھے، بنکاک بلاد وغیرہ میں، یہاں کے اجتماعات سے فارغ ہو کر سنگاپور گئے۔ سنگاپور سے جمادی الاول ۱۴۰۴ھ ۱۰/ فروری ۱۹۸۴ء جمعہ کے دن دہلی پہنچے۔

ہانگ کانگ اور یورپ، امریکہ کا ایک اور سفر : ۱۴۰۵ھ تیسرے سال حج کی ترتیب کے مطابق ۱۴۰۵ھ کے حج کے لئے حاضری ہونی تھی اور یورپ وامریکہ کا بھی ایک سفر طے تھا۔ دونوں سفروں کا نظام الاوقات اس طرح مرتب کیا گیا کہ یورپ وامریکہ کے اس سفر سے فراغت کے بعد اسی سفر کے ساتھ حج کی سعادت بھی حاصل ہو جائے۔ ۷/شوال ۱۴۰۵ھ ۲۶/جون ۱۹۸۵ء کو بدھ کے دن دہلی سے ہانگ کانگ کیلئے پرواز ہوئی ہانگ کانگ سے امریکہ اور کناڈا کا سفر ہوا، واپسی میں فرانس اور برطانیہ کے پروگرام عمل میں آئے اور ان مقامات سے فارغ ہو کر حجاز حاضر ہو گئے۔ حج کے بعد ۲۰/ذی الحجہ ۶/ستمبر ۱۹۸۵ء جمعہ کی صبح کو جدہ سے دہلی آمد پر یہ سفر اختتام پذیر ہوا۔

۱۴۰۶ھ سے ۱۴۱۴ھ تک؟ ۱۴۰۶ھ سے ۱۴۱۴ھ تک (۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۴ء) تک دس سال کے عرصہ میں جو سفر ہوئے انکی کوئی صحیح یادداشت واطلاع راقم سطور کو نہیں ملی اس لئے اس عرصہ کے سفروں کی روداد یہاں درج نہیں۔ تاہم حج اور پاکستان و بنگلہ دیش کے معمول کے سفروں کے علاوہ (حج تیسرے سال اور پاکستان بنگلہ دیش کا سفر ہر سال نومبر دسمبر میں ہوتا تھا) غالباً تین بڑے غیر ملکی سفر بھی ہوئے، ممکن ہے زیادہ ہوں مگر معلومات کے فقدان کی وجہ سے اس پورے دور کی کارگذاری تشنہ و ناتمام ہے۔

برطانیہ کا آخری سفر : ۱۴۱۵ھ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ کے دوسرے ہفتہ میں لندن میں بڑا عالمی اجتماع طے ہوا تھا، یہ اجتماع برطانیہ بلکہ یورپ کے سب سے بڑے تبلیغی مرکز ڈیوزبری میں ہونا تھا۔ اس اجتماع میں حضرت مولانا انعام الحسن کی شرکت اسوقت طے ہو گئی تھی، جب اہل برطانیہ اس اجتماع سے دو سال پہلے ۱۹۹۳ء میں ہندوستان آئے تھے۔ اسی پروگرام کے مطابق سفر ہوا۔ دس محرم الحرام ۱۴۱۵ھ ۲۱/جون ۱۹۹۴ء کو دہلی سے لندن کیلئے پرواز تھی، ۲۲/جون ۱۹۹۴ء کو (بدھ کے دن) دن میں دس بجے لندن کے ہیتھرو ہوائی اڈے پر اترے اور اسی وقت ڈیوزبری کیلئے روانہ ہو گئے، جو لندن سے تقریباً

دو سو میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ جمعرات کا دن تھا اگرچہ اجتماع ۲۴/ جون سے شروع ہونا تھا مگر ان حضرات سے ملاقات کیلئے کثیر تعداد میں تبلیغی احباب ڈیوز بری آگئے تھے اس لئے اسی دن جمعرات کی شام سے (جو ڈیوز بری کے تبلیغی مرکز میں ہفتہ واری اجتماع کا دن تھا) بڑے جلسہ کا پروگرام شروع ہو گیا۔ پروگرام چلتے رہے اسی میں اجتماع کا مقررہ وقت آگیا اور اجتماع پوری آب و تاب سے شروع ہو گیا، اتوار (۱۶/ محرم الحرام ۲۶/ جون ۱۹۹۴ء) کے دن آخری خطاب حضرت مولانا انعام الحسن کا ہوا، افتتاحی دعا میں تقریباً پچاس ہزار کا مجمع تھا اور جلسہ کے عمومی پروگراموں میں عموماً تقریباً چالیس ہزار افراد شریک رہے۔ یہ اجتماع اسوقت تک صرف تبلیغی جماعت کا نہیں بلکہ پورے یورپ کا سب سے بڑا اسلامی دینی اجتماع تھا۔ جس کے خاص اثرات ہوئے اور دور تک محسوس کئے گئے۔

اجتماع سے فراغت کے بعد جلد ہی واپسی کا پروگرام طے تھا کیونکہ مولانا انعام الحسن صاحب کی صحت خراب تھی۔ اور طبیعت کی خرابی کے باوجود مولانا نے خاص اہتمام سے یہ سفر کیا تھا جس کو اللہ تعالی نے خاص قبولیت سے نوازا۔ بہر حال اس اجتماع سے فراغت کے بعد فوراً دہلی واپسی ہو گئی۔ ۲۱/ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ ۲/ جولائی ۱۹۹۴ء ہفتہ کے دن لندن سے بخیر و عافیت دہلی پہنچ گئے۔ یہ حضرت مولانا کا آخری بڑا غیر ملکی سفر تھا یہ سفر اس وجہ سے بھی قابل ذکر ہے کہ اس قدر کم وقت کیلئے اتنا بڑا سفر کوئی اور نہیں ہوا تھا (لندن کے اس اجتماع کی مختصر روداد اور تأثر برطانیہ کے ایک پرانے اور اہم تبلیغی رکن جناب ابراہیم صدیقی صاحب نے قلم بند کیا ہے۔ جو احوال و آثار کی اسی اشاعت میں دوسرے موقع پر شامل ہے اس سفر کے بعد حج اور برصغیر ہند (بنگلہ دیش و پاکستان) کے سفروں کے علاوہ کوئی اور غیر ملکی سفر نہیں ہوا۔

حج اور عمرے

پہلا حج | مولانا محمد الیاس صاحب دینی دعوت کی جو آواز لگا رہے تھے۔ اس نے میوات اور مغربی یوپی کی سعید روحوں کو دین کا داعی، سنتوں کا خاص شیدائی بنادیا تھا اور ان میں سنت نبوی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے حاصل کرنے اور عام کرنے کی لہر دوڑادی تھی اس سے مولانا کو آئندہ غیر معمولی نتائج کی بر ملا توقع تھی۔

حضرت مولانا خوب جانتے تھے کہ یہ دین، یہ دعوت، یہ پیام دراصل عربوں کا تحفہ ہے انہیں کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے اور وہی اس کے اصل وارث و امین اور شایان شان قدر کرنے والے ہیں، اس لیے مولانا محمد الیاس کی دلی آرزو اور خاص تمنا یہ تھی کہ اس دعوت و پیام کو عموماً عرب و حجاز میں اور خاص طور پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں متعارف کرایا جائے وہاں اس کو عروج و فروغ ہوگا تو اس کی برکات بھی کچھ اور ہوں گی اور وہاں سے یہ آواز دنیائے اسلام کے کونے کونے تک پہنچ جائے گی، ہندوستان میں یہ آواز لاکھ طاقت ور ہو مگر یہاں حرمین کی برکات کہاں اور ویسا اثر و طاقت اور قوت نفوذ کہاں؟

اس لیے مولانا پر حرمین شریفین کی حاضری کا سخت تقاضہ تھا۔ اگرچہ اس سے پہلے تین مرتبہ زیارت حرمین کی سعادت حاصل کر چکے تھے مگر اس مقصد سے حرمین شریفین کی حاضری نہیں ہوئی تھی اور وہاں اس دینی دعوت کا مذاکرہ (عام طور پر) نہیں کیا گیا تھا، لہذا یہ تقاضہ بڑھتا گیا اور سنہ ۱۳۵۶ھ میں سفر حج کا ارادہ فرما لیا، اس سفر میں حضرت مولانا کے تبلیغی کام کے خاص مخلص تربیت یافتہ کارکنان، اہل خاندان اور اعزہ کے علاوہ مولانا محمد انعام الحسن بھی شامل تھے۔ یہ مولانا انعام

الحسن کا پہلا سفر حج، حج اسلام تھا۔

روانگی: یہ قافلہ جمعہ کی شب میں ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ ۲۱ جنوری ۱۹۳۸ء کو دہلی سے کراچی میل کے ذریعہ روانہ ہوا، پورا قافلہ چودہ افراد پر مشتمل تھا جس میں مولانا محمد یوسف، مولانا انعام الحسن اور مولانا احتشام الحسن کے علاوہ کاندھلہ کے خاندانی عزیزوں میں سے، مولانا ظہیر الحسن، ماسٹر محمود الحسن اور متولی طفیل احمد بھی شامل تھے، نیز مولانا ادریس احمد انبہٹوی، مولوی نور محمد ساکن نوح، (میوات) اور متولی طفیل کے ایک خادم ایوب راجپوت (جو اس وقت مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے طالب علم تھے) بھی اس قافلہ کے رفیق تھے (۱)

نوح کی ایک ساٹھ سالہ خاتون، رحیما کراچی ایکسپریس سے گرنے کی وجہ سے ہفتہ کی شب میں فوت ہو گئیں۔ شنبہ کی صبح ایکسپریس کراچی پہنچی، شروع میں بحری جہاز کا فی نفر ایک سو ستر روپئے کرایہ تھا۔ مگر قسمت سے حاجیوں کے جہاز چلانے والی کمپنیوں مغل لائن اور سندھیا میں زور دار مقابلہ شروع ہو گیا، ایک دوسرے کے مقابلہ پر کرایہ کم کرتے رہے ایک سو ستر سے سو ہوا، پھر ستر ہوا، پھر پچپن ہوا، پھر پچیس ہوا، آخر میں مفت ہو گیا تھا۔ حضرت مولانا کا قافلہ جس وقت کراچی پہنچا اس وقت کرایہ پچپن روپئے فی کس تھا، چند ساتھیوں کے ٹکٹ پچیس روپئے فی ٹکٹ کے حساب سے آئے۔ ۲۱ ذی قعدہ کی رات میں کراچی سے جہاز روانہ ہوا، اس سفر کی تفصیلات مولانا انعام الحسن اپنے والد ماجد مولانا اکرام الحسن کو لکھتے رہے۔ مولانا کا پہلا خط جس میں سفر کی ابتدائی تفصیلات ہوں گی ہماری نظر سے نہیں گذرا، دوسری خط کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جارہا ہے جس سے راستہ کی بعض کیفیات و احوال کا علم ہو گا، مولانا انعام الحسن نے تحریر فرمایا:

> اس سے پہلے ایک خط کامران سے ارسال کیا تھا جو غالباً
> موصول ہوا، کامران دس بجے جہاز پہنچا بارہ بجے کامران سے چلا،

۱۔ تفصیل از روز نامچہ حضرت شیخ، اسی سال مولانا جمیل احمد تھانوی بھی حج کے لیے گئے تھے مگر وہ مولانا محمد الیاس اور اس قافلہ کے ساتھ نہیں تھے اور نہ اس جہاز سے گئے۔

چلنے کے بعد بہت تیز ہوا چلنی شروع ہوئی جس کی وجہ سے جہاز
کو کافی حرکت رہی اور دوران سر وغیرہ شروع ہوگیا، مگر الحمد للہ
قے وغیرہ کچھ نہیں ہوئی۔ معمولی سا اثر ہوا جو دو ڈھائی گھنٹے
تک رہا پھر سکون ہو گیا۔ کامران سے جدہ تک ۲۵ گھنٹے کا راستہ
تھا مگر چونکہ اس حساب سے رات کو جہاز جدہ پہنچتا اس لیے جہاز
کی رفتار کم کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے چالیس گھنٹے میں
جدہ پہنچا کیوں کہ رات کو جہاز سے نہیں اترنے دیتے اس لیے
کہ جہاز سے جدہ گودی دور ہے جس پر کشتی سے عبور ہوتا ہے
اور پہاڑ کشتی تک کثیر ہیں جن سے کشتی ٹکرا جاتی ہے، اس
لیے دس گھنٹے کی تاخیر جدہ پہنچنے میں ہوئی(۱)

یہ جہاز ہندوستانی تاریخ کے مطابق ۲۹ ذی قعدہ (یکم فروری ۱۹۲۸) کو جدہ پہنچا جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچنے کی روداد بھی مولانا انعام الحسن کے قلم سے پڑھئے، لکھتے ہیں

"۲ فروری کو صبح چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر عرب کے تین
بجے موٹر کار آ گئی، چچا ظہیر الحسن اور ظفر یاب خاں صاحب اور دو
اور کارمین چلے، لیکن جدہ سے چلنے کے بعد کار خراب ہو گئی،
جس کی وجہ سے یہ لوگ کافی پریشان ہوئے نہ جدہ واپس آسکتے
تھے نہ مکہ مکرمہ پہنچ سکتے تھے، غرض بہت پریشانیوں کے بعد
رات کو مکہ مکرمہ پہنچے۔ ہم لوگ شام کو اونٹوں سے چلے، تمام
رات بڑی راحت سے چلے البتہ مجھے اور ماموں کو اونٹ پر نیند
نہیں آئی، صبح کو بحرہ پہنچے جو اونٹوں کی پہلی منزل ہے، عصر
کی نماز کے بعد بحرہ سے چلے، اگلے روز ۶ کو مکہ مکرمہ کی حدود
میں صبح کی نماز کے وقت داخل ہو گئے، صبح کی نماز مکہ سے تقریباً

۱۔ بنام مولانا اکرام الحسن صاحب۔ مکمل خط حصہ مکتوبات میں درج ہے، مکتوبہ ۶ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۶ھ (۷ فروری سنہ ۱۹۲۸ء)۔

ایک میل کے فاصلہ پر پڑھی ' یہاں سے ہم سب پیدل چلے ' ہندوستان کے تقریباً نو بجے جنت المعلیٰ میں کو ہوتے ہوئے حرم محرم شریف میں داخل ہوئے طواف وغیرہ سے فارغ ہو کر جمعہ کی نماز پڑھی ' حرم شریف میں ہی بھائی سلیم مل گئے تھے اس کے بعد مطوف کے مکان پر گئے اور اس کے یہاں کا کھانا بھائی سلیم کے پاس منگا کر کھایا ' بہت پر تکلیف دعوت تھی۔ رات کو چچا ظہیر الحسن اور بھائی ظفر یاب اور ماموں مولوی جی بھائی سلیم کے گھر سوئے اور ہم سب مطوف کے ہی مکان پر گئے ' اگلے روز مکان تلاش کیا ' الحمدللہ حرم کے قریب ہی ایک مکان مل گیا تیسری منزل ہے چڑھنا بہت پڑتا ہے البتہ حرم کا قرب ہزار نعمت ہے ۔ وہاں سامان وغیرہ پہنچایا گیا اور تمام دن اس گڑبڑ سر بڑ میں نکل گیا چچا ظہیر یاب خاں صاحب کا بھائی سلیم کے یہاں قیام ہے اور ماموں بڑی کشمکش میں ہیں ' جی تو مولوی جی کے ساتھ رہنے کو چاہتا ہے اور بھائی سلیم کا بھی خیال ہے ۔ اب تک اسی کشمکش میں ہے کچھ طے نہیں کیا ' اب تک بازار سے کھاتے رہے اب یہ بندوبست کیا ہے کہ سالن خود پکالیں اور روٹی بازار سے منگالی سامان ایک بوری میں تھا جس میں چائے وغیرہ کے برتن اور مسالے تھے لیکن وہ جہاز میں کھوگئی تھی اب نئے سرے سے یہاں پر انتظام کرنا پڑا ۔ اب دعا کی ضرورت ہے کہ خدائے پاک اس بیت عتیق کے فیوض سے مستفیض فرمادے"۔ (۱)

مولانا محمد الیاس صاحب نے حج کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام کیا اور حجاز میں

---

۱ ۔ مکتوبات بنام مولانا اکرام الحسن محرم ۶ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ ۔

تبلیغی کام کے پھیلانے اور ترقی دینے کے معاملات میں مشغول رہے (۱)۔ حضرت مولانا دوسرے ساتھیوں اور مولانا انعام الحسن کے کیا احوال تھے؟ کہاں قیام تھا کس طرح شب و روز گذر رہے تھے؟ اس کا مولانا انعام الحسن کے ایک خط سے اندازہ ہوتا ہے لکھا ہے

ماموں محمود الحسن اور چچا ظہیر الحسن ۲۷ مارچ کو مدینہ منورہ تشریف لے گئے ہیں وہاں سے تشریف لانے کے بعد پہلے جہاز سے وہ لوگ انشاء اللہ بخیر و عافیت ہندوستان کو روانہ ہوجائیں گے اور ان کا خیال اسلامی جہاز سے تھا مگر کل معلوم ہوا کہ اسلامی کل یعنی ۶ مارچ کو پہنچے گا اور شام ہی کو واپس چلا جائے گا کیوں کہ اسکے حجاج پورے ہوگئے اور مزید کی گنجائش نہیں لہٰذا اس سے جانا نہیں ہوسکتا اس کے ۲۔۴ روز بعد اکبر جائے گا اس سے غالباً تشریف بری ہو۔ حاجی عبدالرحمان بھی مکہ سے واپس ہندوستان کو ہو رہے ہیں وہ "المدینہ" سے واپس ہوں گے۔ تیسرے ہفتے بہت کثرت سے خطوط آئے مگر ان دو ہفتوں میں کہیں سے کوئی خبر نہیں جب سے بہت تشویش ہے اور خلجان ہے۔ آج ڈاک کے آنے کا دن ہے اور جانے کا بھی دن ہے اس لیے خط تو لکھنا شروع کر دیا۔ ڈاک نکلنے تک انتظار کرنے کے بعد ڈاک میں ڈالوں گا۔

پہلا مکان چونکہ مدت اس کی ختم ہوچکی ہے (یہاں پر کرایہ اخیر ذی الحجہ تک ہوتا ہے اس کے بعد از سر نو انتظام کرنا پڑتا ہے) تبدیل کر دیا جو پہلے سے بہت بہتر ہے اور حرم سے بالکل متصل ہے حتیٰ کہ ایک سمت کی کھڑکیاں حرم شریف میں ہی کھلتی ہیں اور سامنے بیت اللہ نظر آتا ہے، مکان کے دروازہ سے نکل کر سب سے قریب حرم ہی کا دروازہ ہے، خدا

۱۔ بعض تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۰۷، ۱۰۹۔

کے فضل سے اب تک بہت ہی راحت و آرام کے ساتھ بسر ہوئی
آج کی ڈاک بھی آچکی اس میں کاندھلہ اور سہارنپور کا کوئی خط
نہیں، البتہ بھائی قمر کا خط آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ڈپٹی
صاحب اپنے گھر والوں پر ایک بار گراں چھوڑ کر راہی دار البقا
ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون (ا)۔

اس سفر کے دوران خاص طور سے مکہ مکرمہ کے زمانہ قیام میں اپنے ساتھیوں کا کھانا پکانے کے لیے روزانہ ترتیب بنتی اور باری لگتی تھی، اس میں مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن بھی شامل تھے، کبھی مولانا محمد یوسف صاحب سب ساتھیوں کا کھانا تیار کرتے کبھی مولانا انعام الحسن صاحب، مولانا محمد یوسف کھانا پکانا خوب جانتے تھے اس لیے کوئی پریشانی نہیں تھی لیکن مولانا انعام الحسن صاحب کھانا بنانا بالکل نہیں جانتے تھے مگر غیبی امداد ان کے شامل حال رہی، اور وہ بغیر جانے بغیر سیکھے کھانا پکاتے رہے، ایک موقع پر مولانا انعام الحسن نے خود فرمایا

"جب ہم پہلے حج پر گئے تو کھانا پکانے کی باری سب کی لگتی
تھی مولوی یوسف صاحب تو کھانا پکانا جانتے تھے روٹی پکانا بھی
جانتے تھے میں نہیں جانتا تھا مگر میں یہ کرتا کہ سب چیزیں
دیگچی میں ڈال کر چولہے پر رکھ کر حرم شریف چلا جایا کرتا
واپسی پر (کھانا) پکا ہوا ملتا تھا"۔

حجاز کی تاریخ سے ۲۵ صفر (۲۷ اپریل) دو شنبہ کو مدینہ طیبہ حاضری کے لیے روانہ ہوئے، ۲۷ صفر جمعہ کو طیبہ کی زیارت سے سرفراز ہوئے، پندرہ دن مدینہ پاک میں قیام ہوا۔ وہاں بھی دعوت و تبلیغ کی توسیع اور اس کی تفصیلات پر غور ہوتا رہا، پندرہ دن کے بعد مکہ مکرمہ واپس آئے، اس وقت حضرت مولانا کا مکہ مکرمہ میں طویل قیام کا ارادہ تھا، مولانا ادریس انبہٹوی کو واپسی کا تقاضہ تھا، اسلیے انھوں

ا۔ مکتوبات محولہ بالا۔ محرم ۶ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ۔

نے اجازت چاہی اور یکم ربیع الاول کو ہندوستان روانہ ہو گئے۔ انکی واپسی کے ایک دن بعد مولانا محمد الیاس کی رائے بھی اچانک بدل گئی ہندوستان واپسی کا شدید تقاضہ ہوا اور جہانگیر جہاز سے بمبئی کے لیے روانہ ہو کر ۲۴ ربیع الاول (۲۵ مئی) کو بمبئی اتر گئے۔ دو دن بعد دہلی کے لیے روانہ ہوئے، ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ (۲۹ مئی ۱۹۳۸ء) کی صبح ۶ بجے دہلی اسٹیشن پہنچے، یہ تفصیلات حضرت شیخ نے اپنے روز نامچہ میں تحریر فرمائی ہیں، تحریر ہے

"شب درمیان جمعہ و شنبہ ایک بجے شیخ جی (شیخ رشید احمد دہلوی) کو تار ملا کہ ہم لوگ جہانگیر جہاز سے آرہے ہیں"۔

حضرت مولانا کے دہلی پہنچنے کا احوال حضرت شیخ نے روز نامچہ میں ان الفاظ میں درج کیا ہے

"وصول چچا جان و رفقاء دہلی از جی آئی پی ایکسپریس ۶ بجے صبح سامان بر اسٹیشن نظام الدین، و خود بر جنکشن"۔

حضرت مولانا محمد الیاس، مولانا ظہیر الحسن کا تار آنے کی وجہ سے اسی دن مظفرنگر گئے اور مولانا انعام الحسن صبح دس بجے کی گاڑی سے کاندھلہ کے لیے روانہ ہو گئے اس طرح یہ مبارک سفر پورا ہوا (۱)۔

یہ حج ایسا بابرکت اور مقبول حج ثابت ہوا کہ اس کے بعد حضرت مولانا یوسف اور مولانا انعام الحسن صاحب کے سفر حج اور عمرہ کا گویا راستہ کھل گیا مولانا محمد یوسف کی رفاقت میں دو حج اور کئے اس کے بعد سے وفات تک ہر تیسرے سال حج کے لیے حاضری ہوتی رہی۔ ان سفروں کی جملہ تفصیلات راقم سطور کی دسترس میں نہیں تاہم جو معلومات ہیں وہ یہاں درج کی جاتی ہیں۔

دوسرا حج | پہلے حج کے اٹھارہ سال بعد سنہ ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۵ء میں دوسرا حج ہوا۔ اس سفر کی بعض تفصیلات مولانا کے والد مولانا اکرام الحسن صاحب کے حالات

۱۔ بعض جزوی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۰۶، ۱۰۷۔ اور سوانح مولانا محمد یوسف ص ۱۶۴، ۱۷۳۔

میں گذر گئی ہیں ۔ کاندھلہ میں خاندان کے کئی اصحاب کئی سال سے حج کا ارادہ کر رہے تھے اور یہ بھی رائے تھی کہ ان سب کے ساتھ حضرت شیخ کی دختران اور خاندان کی چند مستورات بھی حاضر ہوں ۔ اسکے لئے بار بار مشورے ہوتے رہے، حضرت شیخ کے روز نامچہ میں اس مشورہ کی یاد داشتیں درج ہیں ' ۲۲ صفر ۱۳۶۹ھ (۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء) کی یاد داشت میں تحریر ہے

"آمد برادر محمود و صوفی افتخار از کاندھلہ بسلسلہ شوری سفر حج امسال بنات"۔

آئندہ موسم حج پر روانگی طے ہو گئی تھی راقم سطور کے والد ماجد اور ماسٹر محمود الحسن وغیرہ نے ٹیکے بھی لگوا لئے تھے اسکی تاریخ بھی شیخ نے تحریر فرمائی ہے، لکھا ہے

آج اہل کاندھلہ مولوی احتشام ' افتخار و برادر محمود وغیرہ ۱۰ نفر نے حج کے سلسلہ میں ٹیکے وغیرہ لگوائے بروایت مولوی اظہار و حکیم عین الحسن جو سہ شنبہ کو آکر صبح چہار شنبہ کو مظفر نگر گئے"۔

یہ قصہ ۱۵ شوال ۲۱ جولائی ۱۹۵۰ء کا ہے مگر اس کے بعد کچھ مشکلات ایسی پیش آئیں کہ یہ سفر نہ ہوسکا ' کوشش جاری تھی ' کئی سال اسی میں گذر گئے جب ۷۴ ۱۳ھ میں معلوم ہوا کہ حضرت مدنی بھی اس سال حج پر تشریف لے جا رہے ہیں اور حضرت شیخ کا بھی ارادہ ہے تو یہ شوق اور ارادہ اور پختہ ہو گیا اور یہ طے کر لیا گیا کہ اس سال حج کی سعادت ضرور حاصل کرنی ہے ۔ عورتوں نے اپنے اپنے زیورات کی قیمت آنکی ' مردوں نے اپنا علیحدہ انتظام کیا کچھ قرض لیا گیا ' اس طرح ایک بڑا قافلہ حج کے لیے تیار ہو گیا ۔ حضرت مولانا یوسف ' مولانا انعام الحسن اور اپنی بیٹیوں کے لیے اخراجات کا حضرت شیخ نے ادھر ادھر سے قرض لے کر انتظام کیا' اسکی نہایت دلچسپ روداد حضرت شیخ نے آپ بیتی میں قلم بند فرمائی ہے (۱)۔

اس قافلہ کے امیر مولانا محمد یوسف صاحب تھے ' ان کی سربراہی میں اہل خاندان کا ایک قافلہ جس میں گیارہ مرد گیارہ عورتیں اور گیارہ بچے شامل تھے روانہ ہوا۔ مولانا محمد ثانی حسنی نے اس سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے

---

۱ ۔ ص ۶۵ تا ص ۶۹ ، نمبر ۳ (طبع یحیوی سہارنپور بلاسنہ)۔

اس حج کی چند خصوصیات تھیں' اس حج میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ بھی مع اپنے گھر والوں کے تشریف لے گئے تھے اور بمبئی سے دونوں بزرگ مع اپنی مستورات کے ایک ہی جہاز پر سوار ہوئے' مولانا محمد یوسف صاحب اپنے خاص رفقاء کے ساتھ حج میں تشریف لے گئے جن میں ۱۱ مستورات تھیں ۱۱ بچے تھے ۱۱ ہی مرد تھے اور بارہویں مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی تھے۔

اس حج میں مختلف جہازوں سے ہند و پاک کے ایک ہزار تبلیغی احباب بھی گئے تھے' مولانا محمد یوسف صاحب کا چونکہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے بعد یہ پہلا حج تھا اور اس حج سے پہلے حجاز میں تبلیغی کام رواج پاچکا اور مقامی عرب اور غیر عرب باشندے اس کام میں لگ چکے تھے' مولانا کا شدت سے انتظار تھا اس لیے مولانا کے تشریف لے جانے سے جدہ' مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ میں بڑے بڑے اجتماعات ہوئے اور کام کا خوب استقبال ہوا' جماعتوں کی وسیع پیمانہ پر نقل و حرکت عمل میں آئی(۱)"

اوپر گذر چکا ہے کہ یہ قافلہ ۱۴ شوال ۱۳۷۴ھ' ۶ جون ۱۹۵۵ء کی شام کو بمبئی کے لیے روانہ ہوا بمبئی سے ۲۱ شوال کو محمدی جہاز سے جدہ کے لیے روانگی ہوئی۔ ۲۹ شوال کو جدہ اترے' جدہ میں تبلیغی اجتماعات اور نشستیں ہوئیں' جدہ کے اجتماعات سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ حاضر ہوئے' مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن صاحب ۲۲ ذی الحجہ تک مکہ مکرمہ میں فروکش رہے۔ بہت سرگرمی سے تبلیغی خدمات میں مشغول رہے مسلسل چھوٹے بڑے اجتماعات ہوتے رہے' منیٰ میں اور عرفات شریف میں دعوت و نصیحت کا عمل برابر جاری رہا۔ حج کے بعد بھی تقریباً دس دن مکہ معظمہ میں قیام کیا اور یہ اوقات اجتماعات' تقریروں' ملاقاتوں اور جماعتوں کی روانگی میں مصروف گذرتے تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی

۱۔ سوانح مولانا محمد یوسف ص ۵۷۵' ۵۷۶۔ (لکھنؤ رجب ۱۳۸۷ھ)۔

تشریف آوری کی وجہ سے ہندو پاکستان کے تقریباً ایک ہزار کارکن اس حج میں شریک تھے، ان کے اوقات بھی مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب کی ہدایات و مشوروں کے مطابق تبلیغی کاموں، گشتوں، ملاقاتوں کے علاوہ اجتماعی انفرادی خدمات میں بسر ہوتے تھے۔

۲۲ ذی الحجہ (۱۱۳ گست) کی شام کو مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ پاک کیلیے روانہ ہوئے، چالیس دن مدینہ منورہ میں قیام رہا، یہاں بھی اجتماعات و تقریریں ہوئیں اور دین و دنیا کی فلاح و کامرانی کے لیے جو مبارک آواز اس مبارک سرزمین سے اٹھی تھی اسکی تجدید و یاد دہانی ہوتی رہی۔

مدینہ منورہ سے ۴ صفر (۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء) کو جدہ سے ہندوستان واپسی کے لیے آٹھ دن کے سفر کے بعد جمعہ ۳۰ ستمبر کی صبح کو جہاز بمبئی کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا اور یہ قافلہ بسلامت اترا۔

بمبئی کے تبلیغی احباب نے مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کے اس سفر سے خوب فائدہ اٹھایا اور تین دن کا ایک اجتماع ان حضرات کی واپسی پر طے کر لیا تھا۔ ہفتہ اتوار پیر کو یہ اجتماع منعقد ہوا یہ حضرات اس میں تشریف فرما رہے، پیر کی شام کو بمبئی سے دہلی کے لیے روانہ ہو کر ۵ ا کتوبر بدھ کی صبح بخیریت دہلی آگئے۔ دہلی ریلوے اسٹیشن پر عزیزوں، اقرباء اور مولانا محمد یوسف کے متوسلین اور تبلیغی احباب کا بہت بڑا مجمع استقبال کے لیے چشم براہ تھا، مولانا محمد ثانی حسنی نے اس کا یوں تذکرہ کیا ہے

> "مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن (دہلی) جنکشن پر اترے اس لیے کہ وہاں ان بزرگوں کے استقبال کے لیے بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا اور سراپا شوق بن کر ان حضرات کی آمد کا منتظر تھا(۱)"

اس دن نظام الدین ٹھہر کر دوسرے دن جمعرات ۶ اکتوبر کو اس قافلہ کی کاندھلہ روانگی طے تھی مگر ان دنوں دہلی، کاندھلہ، سہارنپور اور اس نواح میں مسلسل طوفانی

۱۔ سوانح مولانا محمد یوسف صاحب ص ۵۷۹۔

بارشیں ہو رہی تھیں سڑک کا راستہ اور ریلیں دونوں بند تھیں اس لیے کاندھلہ روانگی دو دن کے لیے ملتوی کرنی پڑی، شنبہ ۲۰ صفر کو یہ قافلہ کاندھلہ پہنچا اور بخیر و عافیت یہ مبارک سفر اختتام پذیر ہوا۔ حضرت شیخ نے اس قافلہ کی بمبئی سے کاندھلہ واپس آنے تک اور کاندھلہ سے سہارنپور و رائے پور کے سفر کی مفصل روداد روز نامچہ میں قلم بند کی ہے، ملاحظہ ہو:

آج ۹ بجے صبح برادر اکرام کا تار مظفری جہاز سے ملا کہ جمعرات کو جدہ سے روانہ ہو گئے، ۳۰ ستمبر جمعہ کو صبح ۶ بجے جہاز گودی پر پہنچا۔ ۹ بجے اترنے کی اجازت ہوئی مولوی یوسف مولوی انعام مستورات سمیت ۱۲ بجے مستقر پر پہنچے بقیہ کسٹم سے نمٹ کر پہنچے، جمعہ بھی نہ ملا۔ اہل بمبئی نے اجتماع قرار دے رکھا تھا اس لیے ۲ دو شنبہ کی شام کو دہرہ اکسپریس سے چل کر ۵ کی صبح کو دہلی پہنچے، مستورات، سامان، حکیمن وغیرہ نظام الدین اتر گئیں مولوی یوسف، انعام جنکشن پر۔

زکریا مع اسرائیل، عاقل وغیرہ ۱۵ نفر ۴ منگل کی شام کو ۴ بجے چل کر (طوفان اور شدید بارش تمام راستہ کثرت سے رہی) ایک بجے شب کو دہلی مسجد قصاب پورہ میں صبح کو نئی دہلی کے اسٹیشن پر مولوی یوسف سے مل کر سیدھا نظام الدین۔ حکیم یامین کے اصرار پر حکیمن اسی دن ۵ کی شام کو ۲ بجے چل کر ۸ بجے سہارنپور، ارجنٹ تار دوسرے دن پہنچا اس لیے ان کو سواری نہ آدمی ملا۔ مستورات کا سب کا ۶ کو کاندھلہ جانا قرار پایا مگر موٹر کا راستہ شاہ درہ کا بند بوجہ بارش، اس لیے وہ سب شنبہ کو کاندھلہ گئیں۔

زکریا (۱) برادرم اکرام، زبیر، طلحہ، جمعہ، کی صبح کو

۱۔ روز نامچہ کے اقتباسات میں حضرت شیخ کا نام نامی بار بار آئے گا۔ چوں کہ یہ خود حضرت شیخ کی تحریرات ہیں اس لیے احتیاطاً جوں کا توں نقل کیا گیا ہے۔

سہارنپور برادر اکرام شام کو رائے پور، زکریا کی مع مولوی یوسف و اتوار کی شام مقرر تھی لیکن طوفان کی وجہ سے اس دن گاڑیوں کا نظم نہ رہ سکا۔ مولوی یوسف ۲ گھنٹہ ریل میں بیٹھ کر واپس چلے گئے، ارجنٹ تار دیا مگر وہ دو شنبہ کی شام کو ۸ بجے پہنچا۔ اس لیے اتوار کے دن مجمع ریل کا چکر لگاتا رہا، شاہ صاحب چودھری صاحب کی کار میں اتوار کو پہنچ گئے تھے پیر کو واپس چلے گئے۔

پیر ۱۰ اکتوبر سے ریلیں دہلی کی بند ہیں، صرف دہرا ایکسپریس براہ کرنال آتا جاتا ہے، حکیمن بھی ۱۲ کو کاندھلہ اپنی مستورات کو لینے گئی زکریا کے پرچہ پر مولوی اظہار کے ساتھ آئی اور والدہ طلحہ اور ذاکرہ ساتھ آئیں راشدہ کو مولوی احتشام نے روک لیا تھا، والدہ حسن اور چچی صاحبہ بھی نہیں آئیں۔ جمعرات کو ۵ بجے یہ پہنچے، جمعہ کی صبح کو مولوی اظہار واپس گئے، محمد بھی انکے ساتھ گیا۔

۲۷ شنبہ کو دہرہ ایکسپریس جو سیلاب کی وجہ سے براہ کرنال آرہی تھی ۴ بجے شام مولوی یوسف، مولوی انعام مولوی عبید اللہ حافظ مقبول ۸ نفر پہنچے۔ یکشنبہ کو صبح سات بجے دیوبند جا کر ۴ بجے شام کو واپس ہوئے۔ قبل مغرب چودھری کی کار میں مع زکریا و برادر اکرام رائے پور گئے، منگل کی صبح ۸ بجے کار سے واپس ہوئے مگر وہ بہٹ میں خراب ہو گئی۔ لاری سے ۱۲ بجے سہارنپور پہنچے اور دو بجے کاندھلہ کو سب روانہ ہوئے۔

جمعرات کی صبح کو مولوی یوسف، حافظ مقبول، ایاز، لونی کا ٹکٹ لے کر روانہ ہوئے زکریا، برادر اکرام، مولوی انعام، مولوی عبید اللہ سہارنپور آئے، اہلیہ مولوی یوسف، والدہ حسن بھی سہارنپور آگئیں اور دو شنبہ کو ۲ بجے مولوی انعام، مولوی

عبید اللہ سیدھے گاڑی سے دہلی گئے۔ ۲ ربیع الثانی کو پہنچی
واپس دہلی(۱)"

تیسرا حج

مولانا محمد یوسف صاحب کا عرب ممالک خصوصاً حجاز اور حرمین شریفین میں دعوت و تبلیغ کی آواز بلند تر کرنے کا جذبہ ہمیشہ شباب پر رہا، مولانا چاہتے تھے کہ مرکز اسلام میں دین و دعوت کی مسلسل آواز لگائی جائے' اس کے لیے بار بار مشورے ہوتے کہ کیا صورت ہو' کیا تدبیر عمل میں لائی جائے' کئی تجویزیں سامنے آئیں ان پر عمل بھی ہوا مگر مولانا محمد یوسف کی ہمت کا طائر بلند پرواز (مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہ کے الفاظ میں) کسی بلند سے بلند شاخ پر بھی آشیانہ بنانے کے لیے تیار نہ تھا۔

مولانا عرب ممالک اور اس کے ذریعہ سے پوری دنیا میں دینی احکامات و اعمال کو صحابہ کے طریقہ پر اور سو فیصد زندہ دیکھنا چاہتے تھے اور اس کی کوشش اور آواز لگانے کے لیے حرمین شریفین سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہوسکتی تھی اس لیے مولانا محمد یوسف نے ایک مرتبہ اور حج کا ارادہ فرمالیا۔

مولانا محمد یوسف کا پہلا حج مولانا محمد الیاس کی رفاقت و نگرانی میں ہوا تھا دوسرے سفر میں حضرت مولانا مدنی سرپرستی فرمارہے تھے اس لیے مولانا کی خواہش ہوئی کہ اس سفر میں حضرت شیخ ان کے ساتھ ہوں۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے شیخ سے گذارش کی مگر حضرت شیخ نے صاف انکار کر دیا مولانا محمد یوسف صاحب اصرار و تقاضہ کرتے رہے اور شیخ اس کے جواب میں دلائل دیتے رہے' بحث کسی طور ختم نہ ہوئی' آخر میں مولانا محمد یوسف صاحب نے صاف کہہ دیا:

"بھائی جی میرا جی چاہتا ہے کہ آپ میرے ساتھ چلیں (۲)"

اس پر حضرت شیخ نے بھی سر ڈالدی' شیخ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ میں نے کہا

۱۔ حضرت مولانا محمد یوسف نمبر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ص ۱۷ نیز پرانے چراغ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص ۷۲، حصہ ۲ (لکھنؤ : ۱۴۱۴ھ)

۲۔ سوانح مولانا محمد یوسف ص ۵۸۷۔ نیز آپ بیتی حضرت شیخ ص ۲۵۹۔ ۲

اس کا کوئی جواب میرے پاس نہیں - ادھر دہلی کے ایک صاحب نے حضرت شیخ کے خادم بھائی ابوالحسن سہارنپوری کے ذریعہ حضرت شیخ اور بھائی ابوالحسن کے لیے ہوائی جہاز کے ٹکٹ کی پیش کش کردی' اور بھی بعض معاملات ایسے ہوئے جن کو حضرت شیخ اور مولانا محمد یوسف نے تائید غیبی اور اس سفر کی تیاری کے لیے نیک فال سمجھا حضرت شیخ نے تحریر فرمایا ہے:

"مولوی یوسف صاحب کی باطنی قوت کچھ ایسی زور کر رہی تھی کہ ہر کام بلا سعی خود ہوتا جارہا تھا جس پر میں نے بھی یہ سمجھا:

"قدم یہ خود نہیں اٹھتے اٹھائے جاتے ہیں"

اور اس ناکارہ کا جانا بالآخر طے ہو ہی گیا(۱)

سفر حج کے لیے جانا طے ہوا تو حضرت شیخ اور حضرت مولانا محمد یوسف کے مشترک سفر کی خبر سے دینی حلقوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی ' سیکڑوں افراد کی ایک بڑی جمعیت حج میں ان حضرات کی رفاقت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے بے قرار ہو کر حج کی تیاریوں میں مشغول ہوگئی اور بے شمار افراد نے اپنے اپنے علاقوں میں ان حضرات کی زیارت 'معیت' ملاقات کی ترتیب بنائی۔

پرانے معمول کے مطابق اس سفر کی شروعات بھی کاندھلہ سے ہوئی (۶ ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ ' ۲۱ مارچ ۱۹۶۴ء) حضرت شیخ الحدیث سہارنپور سے مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نظام الدین دہلی سے کاندھلہ پہنچے۔ یہاں قیام فرمایا اور دہلی کے لیے روانہ ہوگئے۔

دہلی سے بدھ ۱۰ ذی قعدہ ' ۲۵ مارچ کی صبح کو یہ مبارک قافلہ فرنٹیر میل سے بمبئی کے لیے روانہ ہوگیا۔ دہلی سے بمبئی تک ایسے تمام اسٹیشنوں پر جہاں فرنٹیر ٹھہرتا ہے جشن کی کیفیت تھی ' سیکڑوں ہزاروں اشخاص ان بزرگوں کی زیارت کے لیے امنڈ آتے تھے 'حضرت شیخ کی زیارت کرتے مولانا محمد یوسف کے ارشادات سنتے دوسرے بزرگوں کی ملاقات کرتے دو اسٹیشنوں کے علاوہ تمام اسٹیشنوں پر

۱- سوانح مولانا محمد یوسف ص ۵۸۸-

یہی حال رہا۔ جمعرات کی صبح فرنٹیر میل بمبئی پہنچا وہاں بھی استقبال کرنے والوں کا بہت بڑا مجمع موجود تھا' اگرچہ بہت سے حضرات کی خواہش اور درخواست تھی کہ یہ حضرات ان کے یہاں قیام کریں مگر بعض سہولتوں کی وجہ سے حاجی دوست محمد صاحب کے یہاں قیام ہوا جن کا بمبئی میں بہت بڑا کاروبار ہے۔

حضرت شیخ مستقل طور پر حاجی دوست محمد کے یہاں قیام فرما رہے' مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کثرت سے بمبئی آتے جاتے رہے' جگہ جگہ تبلیغی اجتماعات ہو رہے تھے ان سب میں دونوں حضرات اہتمام سے شرکت فرماتے تھے' چار دن اسی مصروفیات میں گذرے۔

اتوار ۱۴ ذی قعدہ ' ۲۹ مارچ کو ان حضرات کی جدہ روانگی تھی' اصحاب نظام الدین اور تبلیغی رفقاء کی خاصی بڑی جماعت اس سفر میں ساتھ چل رہی تھی مگر بمبئی سے اس کے دو حصے ہوگئے تھے حضرت شیخ ' مولانا محمد یوسف ' اور مولانا انعام الحسن نیز چند اور صاحبان بمبئی سے ہوائی جہاز سے روانہ ہوئے۔ بحری جہاز سے ایک قافلہ پہلے جدہ جاچکا تھا جس میں مولانا محمد ہارون بھی شامل تھے۔ مولانا ہارون نے جدہ کے ہوائی اڈہ پر اپنے بزرگوں کا استقبال کیا' مغرب کے وقت جدہ سے چلے ' مولانا محمد یوسف ' ارشد صاحب (چیف انجینئر ٹیلی فون ' جدہ) کی گاڑی میں حضرت شیخ ' مولانا انعام الحسن مولانا ہارون بہ ہمراہ چند اصحاب مولانا تمیم صاحب عثمانی کیرانوی کی گاڑی میں مولانا محمد سلیم صاحب کے ساتھ مکہ مکرمہ حاضر ہوئے عشاء کی نماز حرم شریف میں پڑھی۔

اس سفر سے پہلے معلم سلیمان ہاشم کا انتقال ہو گیا تھا جو مولانا محمد یوسف صاحب کے پرانے معلم تھے' اس لیے سید مکی مرزوقی معلم طے ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ کی قدیم عمارت میں (جو حضرت حاجی امداد اللہ اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی قیام گاہ تھی) ٹھہرنا ہوا' مولانا محمد یوسف تبلیغی جلسوں ' مختلف ملاقاتوں اور نشستوں میں خطاب فرماتے اور ہر موقع پر مولانا انعام الحسن مولانا محمد یوسف کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

۸ ذی الحجہ ' ۲۰ اپریل کو منی روانگی ہوئی' حج سے فارغ ہو کر مدرسہ آگئے

اور سابقہ معمولات زور شور سے جاری ہو گئے۔

مکہ معظمہ کے تبلیغی احباب نے مسجد شہداء میں ہفتہ واری تبلیغی اجتماع کا نظام پہلے سے بنایا رکھا تھا مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن اس اجتماع میں برابر شریک رہتے تھے، رات میں اجتماع گاہ (مسجد شہداء) میں قیام فرماتے اور صبح کو اکثر عمرہ کا احرام باندھ کر واپس آتے تھے، اس سفر میں مولانا محمد یوسف پر خاص کیفیات کا نزول ہو رہا تھا، عجیب و غریب تقریریں فرماتے جن کے مضامین بھی نرالے ہوتے اور تاثیر بھی غیر معمولی، اگرچہ مولانا انعام الحسن اپنے اس وقت تک کے معمول کے پیش نظر تقریریں نہیں کرتے تھے لیکن بلا ناغہ ہر پروگرام میں شریک ہوتے اور مولانا محمد یوسف کے ہمراہ شانہ بشانہ ہر جگہ حاضر موجود رہتے تھے۔

مکہ معظمہ میں ایک ماہ تیرہ دن گذرنے کے بعد مدینہ پاک روانگی ہوئی ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ، ۹ مئی ۱۹۶۴ء کو صبح مکہ معظمہ سے جدہ گئے، وہاں سے مدینہ پاک کے لیے روانہ ہوئے راستہ میں مستورہ کے مقام پر معلم مکی مرزوقی صاحب نے اس کارواں کی زور دار دعوت کا انتظام کر رکھا تھا، حضرت مولانا محمد یوسف کا خیال تھا کہ کھانا کھا کر آرام کر کے ظہر پڑھ کر آگے چلیں، عصر بدر میں پڑھیں، مگر حضرت شیخ مستورہ میں ٹھہرنے کا ارادہ ملتوی کر کے بدر کے لئے چل دیئے جب دوسرے حضرات کو اس کا اندازہ ہوا تو وہ سب بھی مع مرزوقی صاحب کے سامان دعوت کے ساتھ بدر شریف آگئے، وہیں دعوت وصول کی وہیں ظہر پڑھی اور شب میں بھی وہیں قیام کیا، مسجد عریش میں مولانا محمد یوسف نے خطاب کیا۔ ۲۸ ذی الحجہ کی صبح مدینہ پاک حاضری کی سعادت میسر آئی، اس تمام سفر میں مولانا انعام الحسن بھی قدم بقدم ساتھ اور تمام مشاہد و مقابر کی زیارت میں شامل رہے۔

مدینہ پاک میں مسجد نبوی میں حاضری کے علاوہ مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کے تمام اوقات تبلیغی اجتماعات اور خدمات میں گذر جاتے تھے، حضرت شیخ الحدیث نے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نام ایک گرامی نامہ میں اس کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

"وہ حضرات مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام وغیرہ ہر وقت اپنے اجتماعات میں رہتے ہیں، اس وقت بھی اوپر بخاریوں کے اجتماع میں شریک ہیں (:)"

ایک مہینہ تین دن مدینہ پاک میں گنبد خضراء کے زیر سایہ (مدرسہ علوم شرعیہ) میں گذار کر واپسی کا قصد ہوا، یکم صفر ۱۳۸۴ھ، ۱۲ جون کی صبح فجر کے تقریباً دو گھنٹہ بعد مدینہ پاک سے روانہ ہوئے ظہر عصر جدہ میں پڑھی، مغرب حدیبیہ میں ادا کی اور عشاء مکہ معظمہ میں۔

مکہ مکرمہ واپسی سے پہلے طائف اور مکہ مکرمہ میں اجتماعات طے تھے، مکہ معظمہ کے اجتماع سے فارغ ہو کر ۲۰ جون کو طائف گئے، اس سفر میں بھی حضرت شیخ ساتھ رہے۔ طائف کے راستوں کی خرابی اور ناہمواری کی وجہ سے حضرت شیخ کے اس سفر میں جانے کی سب نے مخالفت کی مگر ان حضرات نے ہزار منع کرنے کے بعد بھی طائف کا سفر کیا اور حق تعالی نے ایسی مدد فرمائی اور ان حضرات کی توجہ اور کرامت کا ایسا ظہور ہوا کہ سب حیرت میں رہ گئے (۲)

۱۲ صفر ۱۳۸۴ھ، ۲۳ جون کو مکہ مکرمہ سے جدہ کے لیے روانہ ہوئے، یہ واپسی کا سفر تھا، مغرب حدیبیہ میں پڑھ کر عشاء کے قریب جدہ پہنچے ایک دن وہاں قیام رہا، اس قیام میں بھی شیخ کے الفاظ میں "بڑا زور دار اجتماع میمنوں کی مسجد میں ہوا" ۲۵ جون کو جدہ سے کراچی کے لیے پرواز کی، ۱۶ جولائی کو پاکستان سے دہلی واپس آئے، ۱۹ جولائی (۹ ربیع الاول) اتوار کی صبح کو دہلی سے چل کر کاندھلہ بس اڈہ پر متولی ریاض الاسلام کے باغ میں چائے پی اور (قصبہ کاندھلہ میں آئے بغیر، کیوں کہ یہاں سفر ختم ہوجاتا) نیرانہ اور دیوبند ہوتے ہوئے سہارنپور پہنچے۔

- سوانح مولانا محمد یوسف، مرتبہ مولانا محمد ثانی حسنی ص ۵۹۴۔

۲ - اس کی تفصیل حضرت شیخ نے آپ بیتی میں رقم فرمائی ہے اور اس میں طائف سے واپسی کے وقت ملاقات پر مولانا محمد سلیم کا یہ بے ساختہ فقرہ بھی لکھا۔ "بھائی جی کراماتوں سے لونا ہمارے بس کا نہیں" (آپ بیتی نمبر ۴ ص ۲۶۷)۔

سہارنپور سے گنگوہ اور رائے پور جانا ہوا۔ ۱۲ ربیع الاول ' ۲۲ جولائی بدھ کی صبح سہارنپور سے کاندھلہ پہنچے ' مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن بھی ساتھ تھے ایک روز کاندھلہ میں قیام ہوا ' جمعرات کو ظہر کے بعد واپسی طے تھی حضرت شیخ سہارنپور اور مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن نظام الدین کے لیے روانہ ہوئے حضرت شیخ نے تحریر فرمایا ہے:

الوداعی معانقہ کے وقت عزیز مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے (بہت روتے ہوئے آنسو پڑ رہے تھے ہچکی لگ رہی تھی) فرمایا' کہ چارہ ماہ کی ہر وقت کی رفاقت کے بعد آج جدائی ہو رہی ہے۔ رحمۃ اللہ!

اس سفر میں تبلیغی اجتماع اور تمام اطراف و جوانب کے ممالک کے مبلغین کا اجتماع اور جملہ حجاج کی گرویدگی دیکھ کر مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ اعلان اور قانون بنا کر آئے تھے کہ ہر تیسرے سال حج پر حاضری ہو گی اور شیخ الحدیث صاحب بھی ساتھ ہوا کریں گے اور اس اعلان کے مطابق ۱۳۸۵ھ کو جانا گویا طے شدہ تھا لیکن ۲۹ ذی قعدہ ۸۴ھ جمعہ کو مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لاہور میں حادثہ انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے سنہ ۸۵ کا حج ملتوی کرنا پڑا کہ نظام الدین کی ضروریات بہت بڑھ گئی تھیں اور بجائے اس کے ۸۶ھ میں مولانا انعام الحسن صاحب کی زیر قیادت چوتھا سفر حجاز ہوا (۱)"

چوتھا حج اوپر گذر گیا ہے کہ مولانا یوسف صاحب پر حجاز اور خصوصاً حرمین شریفین میں تبلیغی سلسلہ کو ترقی دینے اور اس کی مسلسل آواز بلند کرنے کا ہمیشہ بہت اشتیاق اور تقاضہ رہتا تھا ' ۱۳۸۲ھ کے سفر حج کے موقعہ پر حرمین شریفین کی برکات اور وہاں کے کام کے غیر معمولی منافع و ثمرات کا مشاہدہ فرمایا' اس لیے:

۱۔ آپ بیتی نمبر ۴ ص ۲۶۹ - ۲۷۰ -

طے کر دیا تھا کہ ہم ہر تیسرے سال حج کے لیے آئیں گے، حضرت شیخ نے مولانا محمد یوسف کی اس خواہش بلکہ فیصلہ کا کئی موقعوں پر ذکر کیا ہے، ایک اقتباس گزر گیا ہے اور آپ بیتی نمبر ۷ میں تحریر ہے:

"مولانا محمد یوسف صاحب کے شدید اصرار پر ۸۲ھ سے سفر حجاز کا سلسلہ شروع ہوا اور مولانا مرحوم اس سال حجاز والوں سے وعدہ کر گئے تھے کہ ہر تیسرے سال میں آؤں گا اور زکریا بھی میرے ساتھ آئے گا(۱)"

اس منصوبہ کے مطابق پہلا سفر حج ۱۳۸۵ھ میں متوقع تھا مگر اس کا وقت آنے سے پہلے ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ میں مولانا محمد یوسف صاحب اچانک رحلت فرمائے گئے۔ مولانا محمد یوسف کی رحلت کے بعد مولانا انعام الحسن دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تبلیغی کام کے ذمہ دار (امیر) منتخب کئے گئے۔ اس سال ۱۳۸۴ھ میں سفر حج متوقع پہلے سے متعین ہو چکا تھا لیکن مولانا محمد یوسف صاحب کے خلا کو پر کرنا اور عالمی تبلیغی نظام کو سنبھالنا آسان کام نہیں تھا نیز کچھ ایسے واقعات بھی پیش آئے جس میں انتشار کا خاصا خطرہ تھا اس لیے حضرت شیخ پوری طرح مرکز تبلیغ کی نگرانی فرماتے رہے اور مولانا انعام الحسن صاحب نے بھی وہاں سے غیر حاضر رہنا پسند نہیں کیا، زیادہ سے زیادہ وہیں وقت گذارنا ضروری سمجھا اور تبلیغی مرکز کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر ۱۳۸۵ھ میں متوقع سفر حج بھی ملتوی کر دیا گیا، ۱۳۸۶ھ میں سفر حج طے ہوا، چونکہ مولانا محمد یوسف کی وفات کے بعد یہ مولانا انعام الحسن صاحب کا پہلا سفر حج تھا اس لیے مولانا نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ اس سفر میں حضرت شیخ کی سرپرستی اور رفاقت کی سعادت حاصل ہو، حضرت شیخ نے لکھا ہے:

"مولانا انعام صاحب کے اصرار پر تو پہلے سے انکار کر رکھا تھا لیکن چونکہ مولانا یوسف صاحب کے بعد مولانا انعام کا

۱- آپ بیتی نمبر ۷، ص ۱۰۵۔

یہ پہلا حج تھا اس لیے مولانا موصوف اور پاکستانی احباب تبلیغ کا اصرار تھا کہ زکریا کو ضرور ساتھ لاویں' اہل بمبئی نے مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری کے پاس دہلی تا بمبئی کے دو ٹکٹ ہوائی جہاز کے میرے اور میرے رفیق سفر الحاج ابوالحسن کے بھیج کر تار اور ٹیلی فون سے شدید اصرار کر رکھا تھا کہ زکریا کو ضرور ساتھ لاویں اس لیے کہ اس کا بمبئی آنا بغیر سفر حج کے دشوار ہے' میں نے بمبئی کے ٹکٹ کو واپس کرنے کا بہت تقاضہ کیا مگر مولانا انعام الحسن نے اس کے واپس کرنے سے انکار کر دیا کہ اگر نہ جانا ہوا تو صرف اتنا ہی ہو گا کہ دو ٹکٹ ضائع ہو جائیں گے (۱)

مگر اس پر بھی حضرت شیخ نے سفر کا ارادہ نہیں کیا تھا صرف مولانا انعام الحسن اور مولانا ہارون کو رخصت کرنے کے خیال سے دہلی گئے تھے وہاں اچانک سفر کا نظام بن گیا اور اور ڈیڑھ دن میں پاسپورٹ اور کاغذات سفر بھی مکمل ہونے کا بدھ ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ / ۲۲ فروری ۶۷ء کی صبح دہلی سے بمبئی کے لیے پرواز کی' جمعرات ۱۱ ذی قعدہ کو بمبئی سے براہ کراچی ریاض' ظہران' جدہ کے لیے روانہ ہوئے' ظہر کے بعد جدہ پہنچ سفیر ہند متعین جدہ جناب مدحت کامل قدوائی کے مکان پر کھانا کھایا' ظہر پڑھی' حدیبہ میں عصر' اور مغرب کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ رات کو عمرہ سے فارغ ہوئے' شنبہ کی صبح مدرسہ صولتیہ میں حدیث و تفسیر کی کتابیں ختم کرائیں۔

حج کے بعد ۲۱ ذی الحجہ (۱۲ اپریل ۱۹۶۷ء) کو جدہ میں اجتماعات طے تھے جدہ کے تبلیغی مرکز "مسجد بن لادن" کے قریب حافظ رمضان کے مکان میں ٹھہرے' اجتماع پہلے دن حنفی مسجد میں دوسرے دن پٹنی مسجد میں ہوا' دو شنبہ کی شام کو

۱۔ آپ بیتی نمبر ۴ ص ۲۷۰' ۲۷۱۔

پٹنی مسجد میں عربوں کا بڑا اجتماع ہوا، اجتماعات کے اختتام پر جدہ سے مدینہ طیبہکے لیے روانہ ہوئے ایک شب بدر میں قیام کیا۔ ۵ اپریل ۲۴ ذی الحجہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے ۱۰ محرم ۱۳۸۷ھ ۲۲ اپریل تک مدینہ پاک میں حاضری کی سعادت حاصل رہی، وہاں تبلیغی معمولات میں مصروف اوقات گذرے۔

۱۱ محرم ۲۲ اپریل کی صبح کو مدینہ طیبہ سے جدہ کے لیے روانہ ہوئے مغرب کے بعد جدہ پہنچے، عشاء کے بعد عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ آئے، بدھ ۲۶ اپریل کی صبح مکہ سے واپسی کا سفر شروع ہوا، پہلے سے طے تھا کہ واپسی میں سفیر ہند (مدحت کامل) قدوائی صاحب کے یہاں قیام ہوگا، وہاں قیام کیا، مغرب کے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جہاز کراچی کے لیے روانہ ہوا رات میں ایک بجے کراچی پہنچے، جمعہ ۱۷ محرم ۱۳۸۷ھ / ۲۸ اپریل کو دس بجے صبح کراچی سے پرواز کی، دہلی ایرپورٹ سے نظام الدین پہنچے وہیں نماز جمعہ ادا کی (۱) اس سفر میں کل تریسٹھ دن صرف ہوئے۔

پانچواں سفر حج تیسرے سال حج کی ترتیب کے مطابق مولانا محمد انعام الحسن کا دوسرا اور مجموعی طور پر پانچواں حج ۱۳۸۸ھ میں ہوا ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ، یکم فروری ۱۹۶۹ء ہفتہ کو دہلی سے بمبئی روانگی کے لیے دہلی کے ہوائی اڈہ پر پہنچے، جس جہاز میں ان حضرات کو سوار ہونا تھا اس کے آنے میں کسی وجہ سے تین گھنٹہ کی تاخیر ہوئی، ان حضرات کو رخصت کرنے کے لیے بہت بڑا مجمع ہوائی اڈہ پر موجود تھا اس کو مشغول رکھنے اور وصول کرنے کے لیے مولانا محمد عمر پالن پوری نے تقریر کی، اس میں تشکیل ہوئی اور وہیں سے ایک جماعت پیدل کام کے لیے نکل گئی۔

---

۱ ۔ جملہ تفصیلات حضرت شیخ کی آپ بیتی سے لی گئی ہیں۔

دہلی سے بمبئی گئے تھے۔ بمبئی سے کراچی ہوتے ہوئے جدہ جانا تھا بمبئی کے قیام کی تاریخیں اور ان سب میں متعدد اجتماعات پہلے سے تھے منصوبہ کے مطابق وہ سب اجتماعات منعقد ہو' جس میں کثرت سے لوگ متوجہ رہے اور سابقہ تبلیغی جلسوں کی بہ نسبت بہت زیادہ مجمع شریک رہا اور اپنے اوقات اس کے لیے فارغ کئے۔ حضرت شیخ نے بیاض کبیر میں یادداشت قلم بند فرمائی ہے:

> عزیزان انعام وہارون و مولوی محمد عمر یکم فروری ۶۹ء کی طیارہ سے بمبئی (کے لیے روانگی) نو بجے تجویز تھی طیارہ کے آنے میں دیر ہوئی ۵ - ۱۱ پر چل کر عصر کے قریب بمبئی پہنچے اور نہایت اجتماعات رہے جو سابقہ سفروں سے بہت زیادہ ہو رہے تھے۔ منگل کو ۱۱ بجے چل کر مغرب کی اذان کے قریب جدہ پہنچے' زکریا کا بھی جانا تجویز تھا ٹکٹ وغیرہ بھی آچکا تھا مگر مولوی انعام نے زکریا کا سفر نظام الدین کی ضروریات کی وجہ سے ملتوی کر دیا' ناظم صاحب کو اصرار تھا کہ مفتی مظفر بھی امسال حج کو گئے تھے عزیزان کی روانگی کے وقت زکریا وہاں نہیں تھا' ۸ فروری کو نظام الدین گیا ۱۲ کو واپسی ہوئی۔
>
> دوبارہ ۸ مارچ کو چل کر ۱۲ کو واپس آیا' عزیزان کی ۲۴ ذی الحجہ جمعرات کو مدینہ پاک کی روانگی تجویز ہوئی ۲۰ تا ۲۴ جمعرات جمعہ شنبہ مدینہ پاک میں اجتماع قرار پایا۔ زکریا کے نہ جانے کی وجہ سے مولوی محمد عمر' ڈاکٹر محمد اسماعیل اور متعدد احباب نے زکریا کی طرف سے حج بدل کیا (۱)

منگل ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ ۴ فروری کو بمبئی سے کراچی جدہ کے لیے پرواز کی' بدھ کے دن سے اجتماعات شروع ہو گئے ترکوں' افریقیوں وغیرہ ہر ایک ملک کے علیحدہ اجتماعات ہوئے' حج تک عبادت و طواف کے علاوہ اکثر اوقات تبلیغی مشوروں اور اجتماعات اور ملاقاتوں میں صرف ہوتے تھے۔ ۱۲ مارچ کو مکہ

۱۔ بیاض کبیر ص ۸۰ ب۔

معظمہ سے مدینہ پاک کے لیے چلے رات میں بدر میں قیام ہوا اگلی صبح مدینہ منورہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، مدینہ منورہ میں ۲۲ دن قیام کا موقع ملا، مدینہ منورہ سے ۱۷ محرم ۱۳۸۹ھ، ۵ اپریل کو واپسی طے ہوئی، واپسی میں تین دن مکہ معظمہ میں ٹھہرے، مکہ سے جدہ آئے۔ یہاں دو دن قیام رہا۔ جدہ سے ۲۲ محرم ۱۱ اپریل کو کراچی کے لیے اڑان کی، یہ سفر سعودی جہاز سے ہوا تھا جو صرف کراچی تک آتا تھا، کراچی سے دوسرے طیارے سے ۲۶ محرم ۱۴ اپریل کو دلی کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ سفر تریسٹھ دنوں میں مکمل ہوا۔

اس سال کا ایک اہم واقعہ مکہ مکرمہ کی طوفانی بارش تھی جس کی قریب کے دور میں نظیر نہیں ملتی اس کی کچھ تفصیل حضرت شیخ نے آپ بیتی میں درج کی ہے، جو اس طرح ہے:

"۲ ذی قعدہ ۲۲ جنوری چہار شنبہ کی صبح کو مکہ مکرمہ پر نہایت شدید ابر مسلط تھا ظہر سے دو گھنٹے قبل اس زور کی بارش شروع ہوئی کہ راستے سب بند ہو گئے۔ موٹریں سیلاب میں پتوں کی طرح سے بہہ گئیں، کاریں اوپر تلے دھنس گئیں، حرم شریف میں باب کعبہ سے دو بالشت اوپر پانی پہنچ گیا اور حرم شریف کی مٹی اور کنکریوں کی وجہ سے پانی کے سب مخرج بند ہو گئے۔ سابق مقام ابراہیم کا صرف چاند نظر آرہا تھا، زمزم شریف کا کنواں بالکل اٹ گیا، بہت سی لاشیں اس میں گریں، زمزمیوں کے جو خلوے حرم جدید کے نیچے تھے لوگوں نے اس کے اندر کے دروازے بند کر رکھے تھے وہ سب انتقال کر گئے، تاریخ میں پہلی بار حرم شریف میں ظہر کی نہ عمومی نماز ہوئی نہ اذان۔ مغرب تک پانی اور بھر گیا، مکبرہ پر جو چند آدمی محبوس تھے انھوں نے ہی وہاں اذان کہی اور وہیں نماز پڑھی (۱)

۹۰ھ کا سفر حج پچھلے معمول کے مطابق ۱۳۹۰ھ میں سفر طے تھا اور اس مرتبہ مولانا

۱۔ آپ بیتی نمبر ۴ ص ۲۸۱، ۲۸۲۔

انعام الحسن صاحب نے حضرت شیخ کی رفاقت بھی طے کر رکھی تھی۔ پروگرام یہ طے ہوا تھا کہ ۲۵ ذی قعدہ، ۲۲ جنوری ۱۹۷۱ء کو حضرت شیخ سہارنپور سے روانہ ہوں گے۔ ۲۵ جنوری کو دہلی سے بمبئی کے لئے پرواز ہوگی اور ۲۷ کو بمبئی سے جدہ جائیں گے، مگر اچانک حاجی یعقوب صاحب بمبئی والوں کے خط سے اطلاع ملی کہ یہ سفر مقررہ پروگرام سے ایک ہفتہ پہلے ہونا مناسب ہے۔ حضرت شیخ اور اصحاب نظام الدین دونوں نے اس کے مطابق عمل کیا۔ ۲۰ ذی قعدہ ۱۸ جنوری کو صبح دس بجے دہلی سے بمبئی کے لیے روانہ ہوئے، خیال تھا کہ اسی دن شام کو بمبئی سے جدہ کے لیے روانگی ہوجائے گی، لیکن اس زمانہ میں ہندوستان کے چند مقامات پر ہیضہ کا زور تھا اس لیے سعودی حکومت نے بمبئی سے آنے جانے والے جہازوں پر پابندی لگادی تھی، نہ جدہ سے طیارہ آیا نہ بمبئی سے گیا۔ جمعرات ۲۱ جنوری کو ایک ایسے جہاز کی خبر ملی جو کراچی جاتے ہوئے سعودی عرب جا رہا تھا اس میں ٹکٹ کے لیے فوراً کوشش کی گئی اور اسی وقت ہوائی اڈہ کے لیے روانہ ہوگئے، دو بجے جہاز نے پرواز کی، عصر کی نماز پڑھ کر مکی مسجد (جو کراچی میں تبلیغ کا مرکز ہے) پہنچ گئے، جمعہ کو کراچی میں قیام ہوا، ہفتہ کی صبح ۱۰ بجے کراچی سے پرواز کی، ظہر کے ایک گھنٹہ بعد جدہ پہنچ گئے (۱) ۱۷ صفر ۱۳۹۱ھ، ۱۴ اپریل ۱۹۷۱ء کو جدہ سے بمبئی واپس ہوئے۔ اس سفر کی مزید تفصیلات مجھے نہیں ملیں۔

ساتواں حج ساتواں حج ۱۳۹۲ھ میں ہوا، اس کے لیے مولانا انعام الحسن صاحب ۸ ذی قعدہ ۴ دسمبر ۱۹۷۲ء کو دلی سے ہوائی جہاز سے بمبئی پہنچے اور بمبئی سے ۱۱ ذی قعدہ ۵ دسمبر کو دلی روانہ ہوئے، حضرت شیخ نے لکھا ہے:

> مولانا انعام الحسن صاحب بمبئی سے بذریعہ طیارہ ۱۰ ذی قعدہ ۴ دسمبر منگل کو دلی کے لیے روانہ ہوئے اور اسی دن عزیز زبیر، صوفی افتخار (۲)

۱۔ مستفاد از روزنامچہ حضرت شیخ، مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد سے واپسی تک اس سفر کے متعلق حضرت شیخ کے روزنامچہ میں کچھ تحریر نہیں۔

۲۔ راقم سطور کے والد ماجد حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی۔

ماسٹر محمود صاحب زبیر کی اہلیہ اور ہمشیرہ کو لے کر بحری جہاز سے
جدہ کے لیے روانہ ہوئے (۱)

دبئی سے ابوظبی شارجہ کا سفر ہوا' شارجہ سے دبئی واپس آکر ۹ دسمبر (۲) ۱۵ ذی قعدہ کو جدہ پرواز کی' اسوقت حضرت شیخ مدینہ منورہ میں مقیم تھے حضرت شیخ کا بیماری نیز بعض اعذار کی وجہ سے حج کا ارادہ نہیں تھا' مولانا انعام الحسن نے شیخ سے ملاقات اور عیادت کے لیے مدینہ پاک آنے کا ارادہ کیا' حضرت شیخ نے منع بھی فرمایا مگر مولانا مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ یک شنبہ ۲۲ ذی قعدہ ۱۶ دسمبر کو مدینہ منورہ روانہ ہوئے مولانا زبیر الحسن مولانا محمد عمر اور مولانا مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری (حال فیصل آباد) بھی ساتھ تھے' حضرت شیخ نے آپ بیتی میں لکھا ہے:

"مولانا محمد انعام الحسن صاحب کو مکہ پہنچ کر زکریا کی بیماری اور حج کو نہ جانا معلوم ہوا تو انھوں نے زکریا کی عیادت کے لیے مدینہ آنے کا ارادہ کیا' زکریا نے شدت سے اصرار سے بار بار منع کرایا مگر وہ ۲۲ ذی قعدہ یک شنبہ کو عصر کے بعد مدینہ پہنچ گئے۔ عزیز زبیر' مولوی محمد عمر اور مفتی زین العابدین صاحب بھی ہمراہ تھے' چونکہ مدرسہ میں قیام کی جگہ نہ تھی اس لیے یہ حضرات بعد عشاء کھانے کے بعد مسجد نور چلے گئے' پیر کی صبح کو پھر آئے اور بعد ظہر کھانے سے فراغ پر پھر مسجد نور گئے اور عصر کے بعد پھر آئے اور عشاء کے بعد گئے (۳)

دو دن کے بعد ۲۴ ذی قعدہ کو مدینہ پاک سے مکہ معظمہ واپس آئے اور حج کے بعد ۲۴ ذی الحجہ کو دوبارہ مدینہ حاضر ہو گئے۔ ۲۴ محرم ۱۳۹۴ھ ۱۶ فروری ۱۹۷۴ء کو مدینہ پاک سے واپسی کا سفر شروع ہوا' مدینہ پاک سے واپسی کے بعد ایک ہفتہ مکہ

۱۔ آپ بیتی نمبر ۷، ص ۲۴، ۲۵۔
۲۔ یہ تاریخ حضرت شیخ کے روزنامچے سے لی گئی ہے' جنتریوں میں ۹ دسمبر مطابق ۱۴ ذی قعدہ اور ۱۰ ذی قعدہ مطابق ۵ دسمبر ہے۔ اسی فرق کا لحاظ اگلی تاریخ میں بھی رہے گا۔
۳۔ آپ بیتی نمبر ۷، ص ۲۵، ۲۶۔

معظمہ میں قیام کا مزید موقع ملا۔ اس سفر میں مولانا انعام الحسن صاحب کا جدہ سے سوڈان جانے کا خیال تھا مگر ویزانہ ملنے کی وجہ سے سوڈان کا سفر نہ ہو سکا۔ ۴ صفر ۲۶ فروری کو ظہر ان کے راستہ سے بمبئی کے لیے روانہ ہو گئے، ۵ صفر ۲۷ فروری کو بمبئی آ گئے، چونکہ مولانا کے فرزند مولانا زبیر الحسن داماد مولانا شاہد صاحب اور ان کے اہل خانہ بھی اس حج میں شریک تھے اور وہ سب بحری جہاز سے بمبئی واپس آ رہے تھے، حضرت مولانا نے طے کیا کہ ان صاحبان کا جہاز آنے تک بمبئی میں قیام کریں گے اور ان سب کے ساتھ دہلی واپس ہوں گے ایسا ہی ہوا۔ چار دن بمبئی میں قیام کیا اور اطراف میں کئی جگہوں پر تبلیغی جلسے اور پروگرام ہوئے۔ اس بحری جہاز کے بمبئی پہنچنے کے بعد ۱۱ صفر کو بمبئی سے ریل کے ذریعہ دہلی روانہ ہوئے اور ۱۲ صفر کو نظام الدین پہنچ گئے۔

آٹھواں حج | ترتیب کے مطابق آٹھواں سفر حج ۱۳۹۵ھ میں ہوا، طے یہ ہوا تھا کہ پہلے پاکستان جانا ہے وہاں سے حجاز مقدس۔ سہارنپور سے امرتسر تک کا سفر سڑک کے ذریعہ طے ہوا تھا اور اس سفر کا آغاز کاندھلہ سے ہوا، حضرت شیخ سہارنپور سے تشریف لائے اور مولانا انعام الحسن نظام الدین دہلی سے، دونوں حضرات ۲۰ شوال ۱۳۹۵ھ، ۵ نومبر ۱۹۷۵ء بدھ کی صبح کو کاندھلہ پہنچے ایک رات کاندھلہ میں آبائی مکان (بڑے گھر) میں قیام کیا، جمعرات کی صبح سویرے کاندھلہ سے کیرانہ ہوتے ہوئے پانی پت اور وہاں سے سرھند کے لیے روانہ ہوئے، ایک شب سرھند میں قیام کیا (اس سفر کا تذکرہ اپنے موقع پر آئے گا) جمعہ ۷ نومبر کی صبح سرہند سے کاروں کے ذریعہ سے امرتسر کے لیے روانہ ہو گئے، وہاں سے سرحد پار کر کے پاکستان جانا تھا، دوپہر میں تقریباً ساڑھے بارہ بجے رائے ونڈ پہنچے (لاہور کا ویزا نہیں تھا) رائے ونڈ سے کراچی وغیرہ جانا ہوا۔ ۱۲ ذی قعدہ، ۱۸ نومبر جمعرات کو کراچی سے جدہ کے لیے اڑان ہوئی، پورے سفر میں حضرت شیخ کی رفاقت و برکت حاصل رہی۔ مکہ مکرمہ میں علیحدہ مصروفیات اور کاموں کی وجہ سے دونوں کے نظام اوقات بھی کسی قدر مختلف رہے۔ آپ بیتی میں لکھا ہے:

"مولوی انعام صاحب کی پہلی شب تو سعدی کے یہاں گذری اور جمعہ

کی نماز کے بعد صولتیہ میں عزیز شمیم کی کوٹھری میں، جو میرے دیوان کے سامنے ہی ہے قیام رہتا ہے۔ مولوی انعام نے چونکہ سعی اور طواف نہیں کیا تھا اس لیے جمعہ کے دن بعد مغرب کے طواف کیا اور عشاء کے بعد سعی اور دیوان میں کھانا کھا کر مسجد حفائر چلے گئے، یہی ان کا مستقل معمول رہا کہ عشاء کے بعد مسجد حفائر چلے جاتے اور صبح کو وہیں تبلیغی شوری ہوتا تھا اور ظہر حرم میں پڑھ کر مدرسہ صولتیہ آجاتے، عصر صولتیہ میں پڑھتے قبیل مغرب حرم چلے جاتے (۱)"

اس سفر خصوصاً قیام صبح کے شب و روز کی مفصل روداد حضرت شیخ نے آپ بیتی میں رقم فرمائی ہے، اس حج کا ایک افسوس ناک مگر قابل ذکر واقعہ منیٰ میں آگ لگنے اور اس کے وسیع نقصانات کا ہے۔

۲۰ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ سے مدینہ پاک کے لیے روانگی ہوئی اس وقت مدینہ شریف میں بے حد ہجوم تھا، حضرت شیخ بھی ہجوم کی کثرت اور راستوں کے ازدحام کی وجہ سے نمازیں مدرسہ شرعیہ کی چھت پر پڑھتے رہے، حرم شریف کی صفیں وہیں تک آجاتی تھیں، مولانا انعام الحسن ایک دو مرتبہ نماز سے ایک ایک گھنٹہ پہلے آئے مگر مسجد نبوی میں جگہ نہیں ملی اس لیے بعد کی نمازیں دوسری مسجد میں ادا کیں۔

۱۶ محرم الحرام ۹۶، ۱۷ جنوری ۷۶ء کو مولانا انعام الحسن صاحب مدینہ سے روانہ ہوئے مغرب سے پہلے مدرسہ صولتیہ پہنچے، جمعرات ۲۲ جنوری کو جدہ میں تبلیغی جلسہ تھا اس میں شرکت کے لیے جدہ گئے اور مکہ مکرمہ واپس آئے، جمعہ کے دن دوبارہ مکہ مکرمہ سے جدہ آئے اسی شام کو واپسی کا جہاز تھا جس سے کراچی جانا تھا، ہفتہ ۲۴ جنوری ۲۲ محرم کی دوپہر میں کراچی پہنچے۔ منگل ۲۷ جنوری کو بمبئی پہنچے ایک دن بمبئی میں قیام کیا، جمعرات ۲۸ محرم الحرام، ۲۹ جنوری کو بعافیت بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین میں داخل ہوئے۔

سہ ماہی احوال و آثار کاندھلہ۔ اپریل تا دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۷ء

نواں حج یہ سفر ۱۳۹۷ھ میں ہوا حضرت شیخ اس سفر میں سہارنپور سے کاندھلہ ہوتے ہوئے سرہند کے راستہ امرتسر پہنچے مگر مولانا انعام الحسن اس سفر میں شیخ کے ہمراہ نہیں تھے مولانا دہلی سے ریل کے ذریعہ براہ راست امرتسر پہنچے امرتسر سے مولانا انعام الحسن اور حضرت شیخ کی موٹریں ایک ساتھ روانہ ہوئیں اور ساتھ ہی رائے ونڈ پہنچیں۔ ۵ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۷ء کی صبح کو حضرت شیخ کا قافلہ سرہند سے روانہ ہوا اور اسی رات میں مولانا انعام الحسن دہلی سے امرتسر کے لیے دہلی سے سوار ہوئے تھے۔ ۱۲۶ کتوبر ۱۲ ذی قعدہ کو یہ دونوں لاہور سے کراچی گئے۔

مولانا انعام الحسن صاحب نے ۱۶ ذی قعدہ ۲۰ جنوری کی صبح دس بجے جہاز کراچی سے جدہ کے لیے اڑان بھری (سعودی وقت کے مطابق) ۲ بجے جدہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے دیگر تفصیلات حضرت شیخ کے روز نامچہ میں ان الفاظ میں درج ہیں:

> مولوی انعام ۲ بجے جدہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے راستہ میں سعدی کے مکان پر اس کے اہل و عیال سے ملتے ہوئے مدرسہ صولتیہ پہونچے، وہاں پیشاب وضو کر کے حرم میں گئے، اسی وقت طواف اور سعی سے فراغت ہوئی۔ مولوی انعام نے طواف تو پیدل کیا اور سعی گاڑی پر، ظہر کے بعد پھر صولتیہ گئے کھانا کھا کر سوگئے، ایسی گہری نیند سوئے کہ عصر کی اذان پر کسی کی آنکھ نہیں کھلی۔ ۱۱ بجے عصر پڑھی اور چائے پی کر حرم گئے اور عشاء کے بعد سعدی کی گاڑی میں حفائر گئے۔ بعد میں زبیر کے خط سے معلوم ہوا کہ مولوی انعام حفائر سے عربی ساڑھے پانچ بجے سیدھے حرم جاتے ہیں اور ظہر کی نماز پڑھ کر سات بجے صولتیہ وہاں کھانا کھا کر میرے دیوان میں آرام کرتے ہیں اور دس بجے اٹھ کر اپنی نماز عصر علیحدہ دیوان میں پڑھتے ہیں۔ خصوصی ملاقات اور شمیم بکری کا نہایت ٹھنڈا دودھ پلاتا ہے' سوا گیارہ بجے اٹھ کر پیشاب وضو کر کے حرم جاتے ہیں' مغرب

سے عشاء تک بیٹھ کر نوافل پڑھتے ہیں، بعد عشاء حرم سے سیدھے حفائر جاتے ہیں اور دوسرے دن ۵ بجے تک وہیں آرام کرتے ہیں ۔ رات کو کھانا نہیں کھاتے صبح کو فجر کے بعد ایک بجے تک آرام پھر ناشتہ اور پانچ بجے تک خصوصی ملاقات اور مشورے ۔

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ / ۴ دسمبر ۱۹۷۷ء کو مکہ مکرمہ سے کے لیے روانگی ہوئی اس سفر کی تفصیلات بھی حضرت شیخ کے الفاظ میں پڑھئے :

آج عصر کے بعد مولوی انعام مع اپنے رفقاء کے مکہ سے چلے رابغ والوں سے پہلے ایک شب کا وعدہ تھا مغرب مفرق پر پڑھی اور رات رابغ میں ٹھہرے، رات میں مولانا محمد عمر کا بیان ہوا، اس کے بعد کھانا ۔ فجر کے بعد فوراً چلے، بدر میں اول شہداء کی زیارت کی پھر مچھلی کھائی ۔ پونے چار بجے وہاں سے چل کر سوا پانچ بجے مسجد نور پہونچے، زکریا نے پہلے ہی پرچہ بھیج دیا تھا کہ میری ملاقات کے لیے آنے کی ضرورت نہیں، میں کل کو خود آؤں گا ۔ زیارت کے لیے سوا گیارہ بجے وقت اچھا ہے مگر مولوی انعام صاحب ظہر سے پہلے پہونچ گئے، ظہر کے بعد زکریا سے مل کر مسجد نور چلے گئے، زکریا منگل کی صبح کو مسجد نور گیا چائے پی اور کچھ باتیں ہوئی، ظہر کے بعد کھانا کھا کر چلا آیا ۔ مولوی سعید خاں نے اصرار کیا کہ یہیں آرام کرے مگر زکریا نے کہہ دیا کہ عصر کے وقت صفیں لگ جائیں گی تو دقت ہوگی، اس لیے ظہر کے بعد چلا آیا مفتی محمود بھی مسجد نور کی آمد و رفت میں ساتھ رہے ۔

ایک مہینہ تک مدینہ منورہ کے انوار و برکات سے فیضیاب ہوئے ایک ماہ مکمل ہونے کے بعد ۲۴ محرم ۹۸ھ، ۲ جنوری کو ۷۸ء کو مکہ مکرمہ کے لیے واپسی ہوئی حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں :

۲ جنوری ۱۹۷۸ء کو مولانا انعام صاحب مدینہ سے روانہ ہوئے صبح کی نماز سے پہلے سامان رکھ کر نماز کے بعد فوراً روانہ ہو گئے ۸ بجے مکہ پہنچے حفائر میں قیام رہا' زکریا کا ارادہ مولانا انعام الحسن صاحب کے ساتھ جانے کا تھا مگر ایک تو دائیں ہاتھ میں درد چل رہا تھا دوسرے علی میاں کے کئی خط آئے کہ مجھے تجھ سے ضروری باتیں کرنی ہیں اس لیے انتظار کیا۔ ۲ جنوری کی شب میں مدینہ پہنچے علی میاں اور قاضی صاحب کے ساتھ زکریا بھی مکہ چلا گیا' ۱۶ جنوری کو مولانا انعام صاحب کراچی کے لیے روانہ ہوئے اور ۱۸ کو کراچی سے دہلی زبیر اپنے اصرار سے ٹھہر گیا اور ساتھ ہی مدینہ واپس آگیا زکریا مکہ سے ۱۷ جنوری کی صبح کو مدینہ واپس آگیا (۱)

مکہ مکرمہ سے ۱۵ جنوری کو دبئی جاتے ہوئے کراچی آئے ۔ ۱۸ جنوری ۱۹۷۸ء ۹ صفر ۱۳۷۸ھ کی شام کو مغرب کے بعد کراچی سے دہلی کے لیے پرواز ہوئی اور بعافیت تمام اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔

دسواں حج | دسواں سفر حج ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں ہوا اس سفر کی شروعات دہلی سے رائے ونڈ کے اجتماع میں شرکت سے ہوئی' کراچی سے جدہ گئے اس سفر کی تفصیلات بدست نہیں' اس سال حضرت شیخ مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے بیماری کی وجہ سے حج کے لیے نہیں آئے ۔ حج کے بعد ذی الحجہ کی آخری تاریخوں میں مدینہ منورہ کے لیے جانا ہوا۔

اسی سال حرم مکی میں وہ افسوسناک سانحہ پیش آیا جس کی غالباً اس سے پہلے کوئی مثال نہیں یکم محرم ۱۴۰۰ھ' ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء کو چند لوگوں نے جہیمان کی سربراہی میں نہایت فتنہ و فساد برپا کیا ایک شخص کے مہدی ہونے کا دعوی کیا گیا' حرم شریف پر قبضہ کر لیا' حکومت سے مقابلہ شروع ہوا کہا جاتا ہے کہ آخر میں

۱۔ آپ بیتی نمبر ۷ ص ۲۲۸۔

غیر ملکی فوج آئی' اس نے سعودی فوج کے ساتھ مل کر حرم شریف کو ان فتنہ گروں سے پاک کیا' ان کے کچھ لوگ مارے گئے باقی گرفتار ہوئے جن کے بعد میں سر قلم کئے گئے۔ اس بغاوت کی وجہ سے ایک عرصہ تک دینی فکر و مزاج والے اصحاب اور جماعتوں کی سخت نگرانی اور تفتیش ہوتی رہی تبلیغی جماعت بھی اس کی زد میں آئی' اس کے ذمہ داروں اور ممتاز کارکنوں سے بھی پوچھ گچھ اور تحقیقات ہوتی رہی مگر اللہ کے فضل و کرم سے کوئی ایسی بات نہیں ہوئے جس سے جماعت کے ذمہ داروں کو شرمندگی ہوتی اور کام پر حرف آتا مولانا انعام الحسن صاحب اس فتنہ کے وقت مدینہ منورہ میں تھے۔

وہ ۱۲ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ ۲ دسمبر دوشنبہ کو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مسجد نور (مدینہ منورہ کے تبلیغی مرکز) سے ہوائی جہاز کے ذریعہ جدہ آئے' دوسرے دن ۱۴ محرم الحرام ۴ دسمبر کو جدہ سے بمبئی کے لیے پرواز کی۔

گیارہویں حج سے سترہویں حج تک حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نے اس کے بعد بھی سات حج کئے ان میں ایک دو کے علاوہ سفروں کی تفصیل ہمیں نہیں ملی' ان تفصیلات کی بھی یہاں گنجائش نہیں ہے' اس لیے یہاں صرف ان کے سنہ اور تاریخیں درج کی جا رہی ہیں:

گیارہواں حج پاکستان سے ہو کر شروع ہوا' ۱۶ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ ۱۶ ستمبر بدھ کو دہلی سے ہوائی جہار کے ذریعہ لاہور آئے۔ رائے ونڈ قلات کراچی دبئی ہو کر حجاز پہنچے ۱۵ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ ۱۳ ستمبر ۱۹۸۱ء کراچی آئے اور کراچی سے دہلی۔ ۱۴۰۲ھ میں حج متوقع تھا جو کسی وجہ سے ملتوی ہو گیا اس کے بعد پرانی ترتیب کے مطابق تیسرے سال سفر حج ہوتا رہا۔

۱۲۔ ۷ شوال ۱۴۰۵ھ' ۲۶ جون ۱۹۸۵ء کو یورپ و امریکہ کے طویل سفر پر روانہ ہوئے' اس سفر کا پہلا مرحلہ فرانس سے حجاز مقدس حج کے لیے روانگی پر ختم ہوا' حج کے بعد ۲۰ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ ۶ ستمبر کو جدہ سے دہلی واپس پر سفر اختتام پذیر ہوا۔

۱۳۔ ۲۷ شوال ۱۴۰۷ھ ۲۵ جون ۱۹۸۷ء کو تیرہویں حج کے لیے روانگی ہوئی ۱۸ ذی الحجہ ۱۴ اگست کو اس مبارک سفر سے دہلی واپس آئے۔

۱۴ - ۱۴۰۹ھ میں بھی معمول کے مطابق حج و زیارت کے لیے حاضر ہوئے۔ ۲۶ شوال یکم جون ۱۹۸۹ء کو دہلی سے جدہ کے لیے اڑان ہوئی، حج سے فراغت کے بعد یکم محرم ۱۴۱۰ھ ۱۴ اگست ۱۹۸۹ء کو دہلی پہنچے۔

۱۵ - ۲۲ شوال ۱۴۱۱ھ ۸ مئی ۱۹۹۱ء کو دہلی سے کراچی گئے، کراچی سے جدہ کے لیے روانگی ہوئی ۲۹ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ ۱۲ جولائی ۱۹۹۱ء کو دہلی واپس آئے۔

۱۶ - ۲۵ شوال ۱۴۱۲ھ ۱۷ اپریل ۱۹۹۲ کو ہوائی اڈہ پر پہنچے، ہوائی اڈہ پر جو ممتاز اصحاب رخصت کرنے آئے ان میں غلام نبی آزاد بھی شریک تھے۔ حضرت مولانا نے ریاض سے احرام باندھا۔ جدہ پہنچ کر ایک شب شیخ فاضل کے مکان پر قیام کیا ۲۶ شوال کی صبح مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ کے قیام میں حضرت مولانا کا روزانہ ایک طواف کا معمول رہا۔ ۲ ذی قعدہ کی صبح مکہ مکرمہ سے مدینہ پاک کے لیے چلے، مدینہ پاک میں روزانہ عصر سے عشاء تک اقدام عالیہ میں حاضر رہے، کئی روز تک طبیعت خراب رہی، بہت ضعف اور کمزوری ہوگئی تھی مگر تمام معمولات جاری رہے۔ ۶ ذی الحجہ کی صبح مدینہ پاک سے مکہ مکرمہ واپس آئے۔

آخری سفر حج ۱۴۱۵ھ میں ہوا۔ ۲۶ شوال ۱۴۱۵ھ / ۲۹ مارچ ۱۹۹۵ء کو دہلی سے روانہ ہوئے حج کے بعد جلد ہی واپسی کا ارادہ تھا اس لیے ایک مہینہ مدینہ پاک میں حج سے پہلے طویل قیام کیا۔ مکہ مکرمہ میں چند دن قیام کرنے کے بعد، ذی قعدہ ۸ اپریل کو مدینہ منورہ حاضر ہوئے، مدینہ پاک سے تقریباً ایک مہینہ قیام کے بعد ۵ ذی الحجہ ۶ مئی شنبہ کو مکہ معظمہ واپسی ہوئی، پچاس دن کے سفر کے بعد ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ ۱۹ مئی ۱۹۹۵ء کو دہلی واپس آئے، اس سفر سے واپسی کے صرف ۲۲ دن بعد فاطر السموات والارض کے حضور جا پہنچے اور یہی سفر آخری سفر حجاز ثابت ہوا، وکان امر اللہ قدرا مقدوراً۔

عمرے

حضرت مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن دونوں حضرات حج کے علاوہ عمرہ کے لئے بھی حرمین شریفین حاضر ہوئے، مولانا محمد یوسف صاحب نے پہلا عمرہ صفر ۱۳۷۹ھ میں کیا مگر اس وقت مولانا انعام الحسن صاحب بیماری کی وجہ سے اس مبارک سفر میں مولانا کے ساتھ نہیں تھے۔

پہلا عمرہ | مولانا انعام الحسن کا عمرے کے لئے پہلا مستقل سفر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی رفاقت میں ۱۳۸۰ھ میں ہوا، مولانا محمد ثانی حسنی نے حضرت شیخ کے حوالہ سے اس سفر کی یہ تفصیلات لکھی ہیں:

> "فسادات کی بہت کثرت ہو رہی تھی اور بارش کی کثرت کی وجہ سے راستے بالکل مسدود تھے مسلمان نہ ریل سے سفر کر سکتے تھے نہ کار وغیرہ سے اور مولانا یوسف صاحب کا سفر عمرہ قریب تھا اور ان کی عدم موجودگی میں مستورات کا نظام الدین چھوڑنا اور بھی مشکل تھا میرے بار بار منع کرنے کے باوجود مولانا یوسف صاحب ۲ / جمادی الاولی ۸۰ھ مطابق ۱۳ / اکتوبر ۶۱ء جمعہ کی صبح کو اللہ کا نام لے کر اپنی کار میں مع مستورات کے روانہ ہو گئے۔ جمعہ کے وقت کاندھلہ پہونچے اور چچی صاحبہ (اہلیہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) کو ان کی اور اہل کاندھلہ کی خواہش پر کاندھلہ چھوڑ کر بقیہ سب کو لیکر عصر کے وقت سہارنپور پہنچے اور اسی وقت مستورات کو سہارنپور چھوڑ کر مجھ کو لیکر رائے پور روانہ ہو گئے، چوں کہ عمرہ کا سفر بہت قریب تھا اس لئے دوسرے ہی دن رائے پور سے چل کر کاندھلہ تھوڑی دیر ٹھہرتے ہوئے منگل کی شام کو ان کا طیارہ سے براہ کراچی عمرہ کے لئے جانا طے ہو چکا تھا۔"

شعبان ۱۳۹۸ھ، ۸/جولائی ۱۹۷۸ء کو روانہ ہوئے، دہلی سے کراچی، کراچی سے برطانیہ، فرانس وغیرہ ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچے اور ۱۱/رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ، ۱۶/اگست کو نظام الدین واپس آگئے۔

عمرہ ۵ ۱۳۹۹ھ میں افریقی ملکوں کا ایک اور بڑا سفر ہوا، اس سفر کا اختتام بھی عمرہ پر طے کیا گیا تھا، ۳/جمادی الاول ۱۳۹۹ھ کیم اپریل ۱۹۷۹ء کو اتوار کے دن بمبئی سے ماریشش وغیرہ کے لئے روانہ ہوئے افریقہ کے مختلف اجتماعات اور وہاں کی تبلیغی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے متعدد تبلیغی اجتماعات میں شرکت کے بعد جمادی الاخریٰ کے آخر میں حجاز پہنچے، عمرہ ادا کیا اور ۳/رجب ۱۳۹۹ھ، ۳۰/مئی ۱۹۷۹ء کو یہ سفر کراچی سے دہلی پرواز کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

عمرہ : ۶ ۱۳۹۹ھ کے عمرہ کے بعد ۱۴۰۲ھ میں عمرہ کا ایک اور سفر ہوا۔ اس کی ترتیب بھی پچھلے عمرہ کے مطابق تھی۔ ۱۴۰۲ھ میں برطانیہ، فرانس، بلجیم کا سفر طے ہوا جس کی ابتداء ۱۸/رجب ۱۴۰۲ھ، ۱۲/مئی ۱۹۸۲ء کو ہوئی ترتیب کے مطابق سفر جاری تھا اسی کے دوران یہ المناک اطلاع ملی کہ حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی) مدینہ پاک میں رحلت کر گئے، یہ حادثہ پوری امت کے لئے عموماً اور مولانا انعام الحسن نیز تبلیغی جماعت کے لئے خصوصاً نہایت جانگداز اور المناک واقعہ تھا لیکن چونکہ مدینہ پاک حاضر ہو کر نماز جنازہ میں اور تدفین میں شرکت ممکن نہیں تھی اس لئے سفر اپنی ترتیب پر جاری رہا، سفر کے اختتام پر عمرہ کے لئے حجاز پہنچے اور مدینہ پاک حاضر ہو کر حضرت شیخ اور دیگر متعلقین سے تعزیت کی۔ تعزیت اور عمرہ سے فراغت کے بعد ۲۵/شعبان ۱۸/جون کو دہلی واپس آگئے تھے، اس کے بعد ممکن ہے کوئی اور عمرہ ہوا ہو لیکن مجھے اس کی تاریخ نہیں ملی۔

اس سفر میں مولانا انعام الحسن کے علاوہ دہلی کے وہ اصحاب بھی شریک تھے جو مولانا محمد یوسف اور تبلیغی سلسلہ کے پرانے معاون اور سرگرم رفیق تھے۔ حاجی محمد نسیم صاحب بٹن والے، حکیم محمد شریف صاحب، حافظ عبد العزیز صاحب، حاجی محمد شفیع صاحب، حاجی عزیز الرحمٰن صاحب۔ دہلی سے کراچی پرواز کی، چوبیس گھنٹہ کراچی میں قیام کے بعد ظہران کے لئے روانہ ہوئے، ظہران میں دو دن قیام رہا۔ ان حضرات کے سفر عمرہ کی وجہ سے تبلیغی احباب میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی اور ان بزرگوں کے ساتھ عمرہ کی سعادت کے لئے جوق در جوق اصحاب حجاز کے لئے روانہ ہو گئے۔ مولانا محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:

> "اس سفر میں مولانا کے سفر کی وجہ سے عمرہ کرنے والوں کی تعداد ۲۰۰ (دوسو) کے لگ بھگ ہو گئی۔"

عمرہ: ۲ اس کے بعد عمرہ کے لئے مستقل سفر نہیں ہوا، تاہم کئی سفروں کے درمیان موقع میسر آیا اور عمرہ ادا کیا، جمادی الاول ۱۳۹۲ھ جولائی ۱۹۷۲ء میں یورپ اور عرب ملکوں کا طویل سفر ہوا، اس کے اختتام پر شعبان ۱۳۹۲ھ ستمبر ۱۹۷۲ء میں حجاز حاضر ہونے کا موقع ملا، عمرہ سے فراغت کے بعد ۲۰/ شعبان، ۲۹/ ستمبر جمعہ کے دن جدہ سے بذریعہ طیارہ پرواز کر کے بمبئی اترے، وہاں سے دہلی آ گئے۔

عمرہ: ۳ ۱۳۹۵ھ، ۱۹۷۵ء یورپ کے ملکوں کی طرح افریقہ کے کئی ملکوں کا سفر کیا، جمادی الاولیٰ عمرہ کے لئے حاضر ہوئے۔ ۲/ جمادی الاخری، ۱۳/ جون جمعہ کو کراچی ہوتے ہوئے بمبئی آ گئے۔

عمرہ: ۴ افریقہ کے مذکورہ سفر کے تین سال بعد ۱۳۹۸ھ میں یورپ کا ایک اور سفر ہوا، اس سفر کا نظام اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ سفر پورا کر کے رمضان المبارک کے پہلے دس دن حرمین شریفین میں گذارنے کا موقع مل جائے، اس سفر کے لئے دہلی سے یکم

نکاح و اولاد

مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن دونوں کے رشتے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کی دو بڑی صاحبزادیوں سے طے ہو گئے تھے۔ مولانا محمد یوسف کی بات بہت کم سنی سے آپس کے تذکروں میں آنے لگی تھی۔ مولانا انعام الحسن کے رشتے کے لیے مولانا انعام الحسن کے دادا مولانا حکیم رضی الحسن نے (جو حضرت شیخ کے حقیقی پھوپا بھی تھے) نے تحریک کی تھی انھوں نے مولانا اکرام الحسن کو ہدایت کی کہ اس کے لیے مولوی زکریا کو خط لکھ دو۔ انھوں نے خط لکھا اور شیخ نے یہ رشتہ منظور فرما لیا۔ ان رشتوں اور نکاح کی تفصیلی روداد حضرت شیخ نے آپ بیتی میں درج کی ہے۔ مولانا انعام الحسن کے رشتے کی منظوری کے لیے لکھتے ہیں:

"ہمارے خاندان کا قدیم دستور اصولِ موضوعہ کے طور پر یہ طے شدہ تھا کہ جب کوئی لڑکی پیدا ہو تو اس کا اقرب ترین نامحرم گویا شادی کے لیے متعین تھا، یہی وہ واقعہ ہے جس کو مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مورخین نے گڑبڑ کر کے نقل کر دیا۔ ہوا یہ تھا کہ جب ہارون کی والدہ پیدا ہوئی تو دایہ نے اس بات کو کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے اس عنوان سے اعلان کیا تھا (میری چچی کو مخاطب کر کے) کہ آپا تمہیں مبارک باد دوں کہ اللہ نے تمہارے یوسف کو بہو دی، یہ منگنا ہو گیا تھا۔

والدہ زبیر کے متعلق ذہنوں میں تو سب کے مندرجہ بالا قاعدہ کے موافق طے شدہ تھا لیکن دو ایک سال بعد بھائی اکرام

صاحب کا ایک کارڈ آیا کہ والدہ صاحب کے تعمیل حکم میں لکھ رہا ہوں، تمہاری دوسری بچی سے عزیز انعام کے نکاح کی تجویز کو فرمایا ہے میں نے اس کے جواب میں لکھ دیا تھا کہ پھوپا میرے بھی بڑے ہیں اس کے بھی بڑے ہیں میرے سے کیا پوچھنا؟ یہ ہوا منگنا مولانا انعام الحسن صاحب کا" (۱)۔

یعنی مولانا انعام الحسن سے حضرت شیخ کی دختر کی نسبت یکم شوال ۱۳۵۰ھ (تاریخ وفات مولانا رضی الحسن) سے پہلے طے ہو گئی تھی اس وقت مولانا انعام الحسن کی عمر تقریبا چودہ سال تھی۔ (ولادت ۱۹۲۶ء) اور متوقع دلہن کی تقریبا بارہ سال (ولادت اواخر ۱۳۳۸ھ) بہر حال رشتہ طے ہو گیا اور سنہ ۱۳۵۲ھ میں جب مولانا انعام الحسن صاحب نظام الدین میں مشکوۃ شریف وغیرہ پڑھ رہے تھے نکاح طے ہوا۔

مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کے نکاح کی تاریخ اور ترتیب واقعات میں سخت غلطی

کہا جاتا ہے کہ مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کے نکاح کی تاریخ پہلے سے نہیں تھی مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر مولانا محمد الیاس کے فرمانے پر اچانک نکاح ہو گیا جس کی حضرت شیخ کے اہل خانہ تک کو خبر نہیں تھی۔ حضرت شیخ نے بھی آپ بیتی میں یہی لکھا ہے تحریر فرماتے ہیں :

"چچا جان نور اللہ مرقدہ ہر سال مدرسہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں شنبہ کی شام کو تشریف لایا کرتے تھے حسب معمول مورخہ ۲ محرم ۵۲ مغرب کے قریب تشریف لانے اور فرمایا کہ ہمارے یہاں میوات میں جلسوں میں نکاحوں کا دستور پڑ گیا کل کے جلسہ میں حضرت مدنی سے یوسف و انعام کا نکاح پڑھوادوں، میں نے کہا شوق سے ضرور پڑھوا دیجئے مجھ سے کیا پوچھنا۔ عشاء کی نماز کے کچھ دیر بعد میں نے اہلیہ مرحومہ اور دونوں بچیوں کے کام میں ڈال دیا کہ چچا جان کا ارادہ یہ ہے کہ کل کے جلسہ میں

۱۔ آپ بیتی نمبر ۲ ص ۱۲۸ (کتب خانہ یحیوی سہارنپور : بلاسنہ)۔

دونوں بچیوں کا نکاح پڑھوادیں۔ میری اہلیہ مرحومہ نے (اس کے لفظ مجھے خوب یاد ہیں) یہ کہا کہ تم دو چار دن پہلے کہتے تو میں ایک جوڑا تو ان کے لیے سلوادیتی۔ مجھے اپنا جواب بھی خوب یاد ہے اور میرے جواب پر مرحومہ کا سکوت بھی۔ اچھا مجھے خبر نہیں تھی یہ نگی پھر رہی ہیں، میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ کپڑے پہنے پھرتی ہیں۔ میرے جواب پر مرحومہ بالکل ساکت ہوگئی جامع مسجد آتے ہوئے حضرت مدنی سے میں نے عرض کردیا کہ یوسف انعام کا نکاح پڑھنے کے لیے چچا جان فرمارہے ہیں حضرت نے بہت ہی اظہار مسرت فرمایا کہا ضرور پڑھوں گا ضرور پڑھوں گا (۱)"

حضرت شیخ نے آپ بیتی میں ان دونوں نکاحوں اور اپنی ان دونوں بیٹیوں کی رخصت کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ حضرت مولانا محمد الیاس مدرسہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر تشریف لائے اس وقت اچانک ان نکاحوں کا ارادہ ہوا پہلے سے کچھ خیال نہیں تھا۔

۲۔ اس نکاح کی پہلے سے کسی کو بھی اطلاع نہیں تھی۔ یہاں تک کہ دونوں لڑکیاں (جن کا نکاح ہوا تھا) اور ان کی والدہ بھی اس سے لاعلم اور بے خبر تھیں۔

۳۔ اس وقت مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن مظاہر علوم میں پڑھتے تھے۔

۴۔ دونوں لڑکیوں کی شب عروسی شیخ کے مکان پر ہی ہوئی اور جب سال کے ختم پر دونوں صاحبان (مولانا یوسف، مولانا انعام) نظام الدین گئے اپنی اپنی بیویوں کو ساتھ لیتے گئے۔ مگر تاریخ نکاح کے علاوہ چاروں باتوں کی صداقت

۱۔ آپ بیتی نمبر ۲ ص ۳۸۔

محل نظر ہے۔ چوں کہ ان نکاحوں کی یہ تفصیل تقریباً اسی ترتیب سے حضرت مولانا محمد یوسف کے احوال و سوانحات اور متعدد مضامین و مولفات میں نقل ہو گئی ہے اس لیے اس کا کسی قدر مفصل تذکرہ مناسب ہے۔

ترتیب واقعات | الف: اس واقعہ کا اہل خاندان کو پہلے سے اور تفصیل سے علم تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر نکاح ہو گا۔ اس وقت خاندان کے بزرگ اور بڑے مولانا رؤف الحسن صاحب مظفر نگر میں مقیم تھے ان کو وہاں اطلاع دی گئی تھی۔ چنانچہ مولانا رؤف الحسن اس نکاح میں شرکت کے لیے مظفر نگر سے سہارنپور پہونچے اور تقریب نکاح میں شریک ہوئے۔ حضرت حضرت شیخ نے آپ بیتی میں اسکی صراحت فرمائی کہ مولانا رؤف الحسن وہاں موجود تھے، نیز مولانا محمد الیاس صاحب یکم محرم الحرام ۱۳۵۲ھ ۱۶ اپریل ۱۹۲۵ء کو ہفتہ کی رات میں نظام الدین دہلی سے کاندھلہ تشریف لائے۔ مولانا احتشام الحسن مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن ان کے ساتھ تھے۔ ہفتہ کے روز کاندھلہ سے سہارنپور کے لیے روانہ ہوئے۔ کاندھلہ سے مولانا اکرام الحسن، حاجی محمد محسن، حکیم قمر الحسن، حافظ بابو اعجاز الحسن بھی اس قافلہ میں شامل کئے گئے تھے۔ سہارنپور پہونچے اور نکاح ہوا۔ مولانا اکرام الحسن صاحب کے روز نامچہ میں ہفتہ یکم محرم ۱۳۵۲ھ کے اندراج میں تحریر ہے:

"در شب حضرت ماموں صاحب مع برادر احتشام و عزیزان یوسف و انعام آمدند۔ امروز مع موصوفین و برادران محسن و قمر و مصباح و اعجاز سہارنپور رفتم"۔

رات حضرت ماموں (مولانا محمد الیاس) صاحب بھائی احتشام اور عزیزان یوسف انعام کے ساتھ آئے اور آج میں ان دونوں اور بھائی محسن، بھائی قمر مصباح اور اعجاز الحسن کے ساتھ سہارنپور گیا۔

اتوار کی یاداشت میں درج ہے:

"جلسہ مدرسہ مظاہر علوم۔ و ہمونجا نکاح یوسف و انعام از زبان حضرت مدنی خواندہ شد"

مظاہر علوم کا جلسہ ہوا اور اسی جگہ یوسف اور انعام کا نکاح حضرت مدنی کی زبان سے پڑھا گیا۔

یعنی مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں (جو اس وقت جامع مسجد سہارنپور میں ہوا تھا) نکاح پڑھا گیا حضرت مدنی نے نکاح پڑھا۔ حضرت شیخ نے تحریر فرمایا ہے:

> "حضرت مدنی سے میں نے عرض کر دیا کہ یوسف انعام کا نکاح پڑھنے کے لیے چچا جان فرما رہے ہیں۔ (۱)"

حضرت مدنی نے بہت خوشی سے اس کو منظور کیا نیز جلسہ میں شرکت اور تقریب نکاح کے لیے جامع مسجد پہونچ گئے۔ حضرت مدنی کا یہ معمول تھا کہ وہ مہر فاطمی کے علاوہ مہر کی کسی اور رقم پر نکاح نہیں پڑھتے تھے اس لیے جامع مسجد جاتے ہوئے راستہ میں شیخ سے فرمایا "مہر کیا ہوگا؟" کاندھلہ میں خاندان کی عورتوں کا مہر مثل ڈھائی ہزار تھا اس لیے حضرت شیخ نے فرمایا، ڈھائی ہزار! شیخ تحریر فرماتے ہیں:

> "میں نے عرض کی ہمارے یہاں مہر مثل ڈھائی ہزار ہے حضرت جی کو غصہ آگیا فرمایا کہ میں مہر فاطمی سے زیادہ ہرگز نہیں پڑھوں گا۔ میں نے عرض کی کہ یہ تو شرعی چیز ہے فقہا کے نزدیک مہر مثل سے کم پر سکوت کافی نہیں بالصریح اجازت کی ضرورت ہے۔ تھوڑی دیر میرا اور حضرت کا جامع مسجد کے در میں بیٹھے بیٹھے مناظرہ ہوا۔ چچا جان نور اللہ مرقدہ اندر سے تو میرے ساتھ مگر حضرت جی کے غصہ کی وجہ سے چپ تھے۔ اور میں خوب ڈانٹیں سن رہا تھا۔ میری اہلیہ مرحومہ کے والد مولانا رؤف الحسن صاحب جو قریب ہی بیٹھے تھے انھوں نے مجھ سے فرمایا جیسے حضرت فرما رہے ہیں مان لو میں نے کہا یہ تو شرعی چیز ہے۔ میرے چچا جان نے فرمایا بچیوں میں سے کونسی انکار

۱۔ آپ بیتی نمبر ۲ ص ۱۴۸۔

کر دیگی اور یہ نکاح موقوف بن جائے گا اور جب تم گھر جا کر
اظہار کردو گے تو تکمیل ہو جائے گی (۱)"

ب : بعض قرائن و اشارات کی وجہ سے اس میں بھی شبہ ہے کہ حضرت شیخ کی اہلیہ محترمہ اور دختران کو اس موقع نکاح کا علم نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ سب سے پہلے مولانا رؤف الحسن صاحب سہارنپور آئے ان کو اس نکاح کا علم تھا اور جو باتیں متوقع تھیں ان سے بھی آگاہ ہوں گے اور انھوں نے اپنی بیٹی اہلیہ حضرت شیخ کو بھی ان سے ضرور آگاہ کر دیا ہوگا اور اس کے بعد جب حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلہ کے عزیزوں کے قافلہ کے ساتھ پہونچے ہوں گے ان کے اس سفر سے خود متوقع پیغام مل گیا ہوگا۔ نیز مولانا احتشام الحسن اور حکیم قمر الحسن صاحب حضرت شیخ کی اہلیہ کے حقیقی بھائی اور بابو اعجاز الحسن ان کے حقیقی بھتیجے اور حاجی محمد محسن پھوپی زاد بھائی تھے۔ اور یہ سب مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کے ساتھ آئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک پہلو سے ہر اک چہرے سے متوقع تقریب نکاح کا پیام عیاں تھا۔ اس لیے بظاہر حضرت شیخ کی اہلیہ نکاحوں کے منصوبہ سے یکسر ناواقف و بے خبر نہ ہوں گی۔

ج : اس وقت مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کا مظاہر علوم میں تعلیمی سلسلہ نہیں تھا مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کا دورہ حدیث میں شرکت کے لیے مظاہر علوم داخلہ نکاح کے تقریباً دس مہینہ بعد شوال ۱۳۵۴ھ (جنوری ۱۹۳۶ء) میں ہوا تھا۔ نکاح کے وقت یہ دونوں صاحبان نظام الدین میں پڑھتے تھے اور مدرسہ کاشف العلوم کے طالب علم تھے۔

مولانا اکرام الحسن کے روز نامچہ میں مولانا انعام الحسن کے نظام الدین سے کاندھلہ آنے جانے کی تاریخیں درج ہیں۔ تقریب نکاح سے پہلے وہ عید الاضحی میں چھٹیوں کے موقعہ پر ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ ۱۴ مارچ ۱۹۳۵ء کو کاندھلہ آئے تھے اور آٹھ دن کے بعد ۱۶ ذی الحجہ کو نظام الدین واپس گئے۔ تحریر ہے :

۱۔ آپ بیتی نمبر ۲ ص ۱۴۹۔

"عزیز انعام الحسن نظام الدین واپس شدہ"۔

نکاح میں شرکت کے لیے جو صاحبان سہارنپور پہونچے وہ نکاح کے بعد صبح کو اپنی اپنی منزلوں کے لیے روانہ ہوگئے حضرت مولانا محمد الیاس، مولانا احتشام الحسن، مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن سہارنپور سے راست نظام الدین چلے گئے، کاندھلہ کے اصحاب کاندھلہ واپس آگئے۔

حضرت ماموں صاحب مع احتشام، یوسف، انعام، نظام الدین
رفتند۔ قمر مصباح کاندھلہ آمدند، برادر محمود نیز امروز کاندھلہ آمدند۔

مولانا اکرام الحسن کو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کے ساتھ سفر میں جانا تھا وہ سہارنپور ٹھہرے اور حضرت کے ہمراہ انبالہ چلے گئے، اگلے دن کی یادداشت میں ہے:

"ہمراہ حضرت اقدس روانہ شدہ بوقت نیم روز انبالہ رسیدیم"

بعد میں جیسا کہ حضرت شیخ نے تحریر فرمایا ہے دونوں صاحبان کی بیویاں اپنے والد ماجد کے گھر میں رخصت ہوئیں، مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن دونوں نے شادی کی پہلی رات (شب عروسی) حضرت شیخ کے مکان میں گذاری مگر اور واقعات کی ترتیب وہ نہیں ہے جو آپ بیتی درج ہوئی ہے۔

رخصتی: نکاح کے سوا سال بعد ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ (جون ۱۹۳۶ء) میں مظاہر علوم سہارنپور کی مجلس شوری کا اجلاس طے ہوا، مولانا محمد الیاس جو اس مدرسہ کی شوری کے اہم رکن تھے اس اجلاس میں شرکت کے لیے سہارنپور تشریف لائے اور حضرت شیخ سے فرمایا:

"خیال یہ ہے کہ کل کو جاتے وقت یوسف و انعام کی بیویوں کو لے کر جاؤں"(۱)۔

شیخ نے کہا جیسی رائے عالی ہو مگر (میرا خیال ہے کہ) ان بیویوں کی رخصت یہیں ہوجانے مولانا محمد الیاس نے فرمایا بہت اچھا، حضرت شیخ کی ہدایت کے

۱۔ آپ بیتی نمبر ۲ ص ۱۵۳۔

مطابق دونوں دلہنوں کے کپڑے بدل دیئے گئے اور ۱۲ ربیع الثانی ۲ جون کی رات میں دونوں کی شب عروسی شیخ کے مکان میں ہوئی آپ بیتی میں ہے کہ :

"چونکہ عزیزان مولویان یوسف و انعام یہیں پڑھتے تھے اس وجہ سے لڑکیوں کے نظام الدین جانے کا سوال ہی نہ تھا میرے ہی گھر میں شب جمعہ کو دونوں کی چارپائیاں علیحدہ علیحدہ بچھوادی جاتیں جب سال کے ختم پر وہ حضرات نظام الدین گئے اپنی اپنی بیویوں کو بھی چچاجان کی معیت میں ساتھ لے گئے (۱)"۔

مگر اس تحریر میں بھی سہو ہوا ہے مذکورہ اقتباس کی دونوں اطلاعات درست نہیں مولانا محمد الیاس سفر سہارنپور کے ایک ہفتہ بعد مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کی دلہنیں آپا ذکیہ اور ذاکرہ اپنے والد ماجد (شیخ الحدیث مولانا زکریا) کے گھر سے ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ کو رخصت ہو کر کاندھلہ گئیں (۲)۔یہاں مولانا انعام الحسن صاحب کا اہتمام سے ولیمہ ہوا۔ مولانا محمد یوسف کے ولیمہ کی تفصیل معلوم نہیں۔

اس وقت نظام الدین جانے کا کوئی موقعہ نہیں تھا کیوں کہ حضرت مولانا محمد الیاس کی اہلیہ محترمہ کے والدین کا گھر کاندھلہ میں تھا اور یہیں مولانا محمد الیاس کے اعزہ و اقارب بھی تھے اس لیے اس طرح کی جملہ تقریبات اس وقت تک کاندھلہ میں ہوتی تھیں کاندھلہ قیام کے بعد جب اماں جی (اہلیہ مولانا محمد الیاس) نظام الدین گئیں اسوقت مولانا محمد یوسف صاحب کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔

نیز مولانا محمد یوسف کی بیماری کی وجہ سے مولانا انعام الحسن بھی سہارنپور میں دورۂ حدیث پورا نہیں کر سکے تھے اور دونوں صاحبان جمادی الاولی ۱۳۵۵ھ میں تعلیم درمیان میں چھوڑ کر نظام الدین واپس چلے گئے تھے (تفصیل مولانا انعام

---

۱ - آپ بیتی نمبر ۲ ص ۱۵۴۔

۲ - حضرت شیخ کی تین مرحومہ صاحبزادیاں ۔ مولانا محمد شاہد سہارنپوری ص ۲۱ میں یہ تاریخ ۲۰ ربیع الاول درج ہو گئی ہے جو بظاہر سہو قلم ہے ۔

الحسن کے تعلیمی احوال میں گذر گئی ہے) لہذا آخر سال تک رہنے کی اطلاع بھی محل نظر ہے۔

اہلیہ محترمہ | مولانا انعام الحسن کی اہلیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی دوسری بیٹی تھیں صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ اندازہ ہے کہ اواخر ۱۳۳۸ھ غالباً ذی الحجہ (اگست ستمبر ۱۹۲۰ء) میں ولادت ہوئی تقریباً سترہ سال کی عمر میں نکاح ہوا سنہ ۷۴-۱۳۷۵ھ میں خاندان کے ایک بڑے قافلہ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی آخر عمر میں کئی بیماریوں نے گھیر لیا تھا اختلاج قلب اور ذیابیطس نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ان دونوں نے جسم کو گھلا کر رکھ دیا تھا کمزوری بہت بڑھ گئی تھی گھٹنوں کے مستقل درد کی وجہ سے چلنے پھرنے میں بھی پریشانی ہونے لگی تھی زندگی کے آخری ایام میں معمولات اور ضروریات کے لیے حرکت بھی دشوار ہوگئی تھی مگر سخت تکلیفوں کے باوجود ہمیشہ صبر و ضبط کا ثبوت دیا ناشکری اور بے چینی و تکلیف زبان سے عموماً ظاہر نہیں کرتی تھیں اس کا صحیح اندازہ اس وقت ہوا جب وفات کے بعد غسل دینے والے مستورات نے ان کے بغل کے نیچے ایک گہرا زخم دیکھا جو ہڈی تک پہنچ گیا تھا اور ذیابیطس کی وجہ سے وہاں کا گوشت گویا ختم ہو گیا تھا مگر انھوں نے اس کو ایسے غیر معمولی حوصلہ اور صبر کے ساتھ برداشت کیا کہ گھر کے قریبی افراد اور اپنے بچوں کو بھی اس کی تکلیف اور شدت کا احساس نہ ہونے دیا۔

انہیں تکالیف میں مبتلا رہ کر ۵ شعبان ۱۴۰۸ھ ۲۳ مارچ ۱۹۸۸ء کو اس عالم فانی کو الوداع کہا اور مولانا انعام الحسن صاحب کی ترپن سالہ رفاقت چھوڑ کر عالم جاودانی کو رخصت ہو گئیں مرکز تبلیغ بستی حضرت نظام الدین کے گھریلو احاطۂ قبور میں دفن کی گئیں ـــ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

اولاد مولانا انعام الحسن کی اولادیں کمسنی میں زاد راہ آخرت ہوئیں مرحوم بچوں میں تین قابل ذکر ہیں:

۱۔ سب سے پہلی اولاد جو زندہ رہی انوار الحسن مرحوم تھا، ۲۲/جمادی الاول ۱۳۵۸ھ (۱۱/جولائی ۱۹۳۹ء) کو ولادت ہوئی اور صرف ایک سال اس خاکستان میں بسر کر کے ۱۹/جمادی الآخر ۱۳۵۹ھ، ۲۶ جولائی ۱۹۴۰ء کو آخرت کی راہ اختیار کی۔ انوار الحسن کی وفات پر مولانا انعام الحسن کے والد مولانا اکرام الحسن نے طویل مرثیہ کہا تھا جس کے چند شعر مولانا اکرام الحسن کے احوال میں گزر گئے ہیں۔

۲۔ معاذ الحسن، معاذ کی ۷/جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ، ۱۱/جون ۱۹۴۳ء کو ولادت ہوئی، سات سال عمر پائی، ۲۷/رجب ۱۳۶۹ھ، ۱۶/مئی ۱۹۵۰ء کو معمولی بیماری کے بعد اچانک انتقال ہو گیا۔

۳۔ خولہ، ۲۸/ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ (۱۰/مارچ ۱۹۴۸ء) کو تولد ہوئیں اور ۲۱/رجب ۱۳۷۱ھ، ۷/اپریل ۱۹۵۴ء میں وفات ہو گئی۔

دو بچے حیات رہے

۱۔ مولانا زبیر الحسن، ۱۰/جمادی الثانی ۱۳۶۹ھ (۳۰/مارچ ۱۹۵۰ء) کو ولادت ہوئی، حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری نے بسم اللہ (یعنی تعلیم کی ابتداء) کرائی، قرآن پاک حفظ کیا ابتدائی فارسی عربی درسیات گھر پر پڑھیں، ۱۵/شوال ۱۳۵۸ھ (۶/فروری ۱۹۶۶ء) کو مظاہر علوم میں متوسط کتابوں (شرح جامی وغیرہ) میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث تک تمام تعلیم مکمل کی، ۱۳۹۰ھ میں تعلیم سے فارغ ہوئے۔

تعلیم کے بعد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سے بیعت ہوئے، ۳/ربیع الاول ۱۳۹۸ھ، ۱۰/فروری ۱۹۷۸ء کو حضرت شیخ نے مدینہ منورہ میں اجازت وخلافت سے نوازا۔ حضرت مولانا انعام الحسن کے زیر سایہ مزید تربیت حاصل کی اور مولانا کی حیات میں

ہی مولانا کے متوسلین اور سلوک کے مسافروں کی نگرانی اور رہنمائی کرتے رہے۔ مولانا کی حیات ہی میں مدرسہ کاشف العلوم میں استاد مقرر ہوئے، اب ماشاء اللہ حدیث شریف کی اعلیٰ ترین کتابیں پڑھا رہے ہیں اور حضرت مولانا کی وفات کے بعد تبلیغی کام کی نگرانی کر رہے ہیں۔

۲۵ / شوال ۱۳۸۸ھ، ۱۵ / جنوری ۱۹۶۹ء کو شیخ الحدیثؒ کی نواسی مولوی حکیم محمد الیاس صاحب سہارنپوری کی دختر طاہرہ خاتون سے نکاح ہوا، ماشاء اللہ تین بیٹے زہیر، صہیب، خبیب اور تین بیٹیاں ہیں۔ بڑی بچی عاتکہ خاتون، مولانا محمد عاقل کے فرزند مولوی محمد جعفر سے منسوب ہیں۔

۲۔ صادقہ خاتون، یکم ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ (۱۹ / دسمبر ۱۹۵۲ء) کو ولادت ہوئی، مولانا محمد شاہد خلف حکیم محمد الیاس سے نکاح ہوا، دو بچے اور دو بچیاں ہیں۔

عکس تحریر مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی

۷۸۶

مخدوم معظم محترم زادت عنایاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، چودہ روز مسلسل موت
اور حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر آج ساڑھے گیارہ
بجے عزیزہ ۶ دن ہمیں رخصت ہو گئی انا للہ وانا الیہ راجعون
اور سب سے مغفرت کی دعا اور پسماندگان کیلئے صبر و سکون
اور نعم البدل کی فرمادیں رمضان المبارک کے اوقات مبارکہ
ادعیہ کا اہتمام فرمادیں حضرت شیخ کو تار کر دیا گیا

محمد انعام الحسن غفرلہ
جمعہ ۲۹ شعبان

وفات

مولانا انعام الحسن کی زندگی کے آخری تقریباً بیس سال مختلف بیماریوں میں گذرے، اس قدیم بیماری کا اثر علیحدہ تھا جو ۷۴۔ ۱۹۷۳ء میں شدت سے حملہ آور ہو چکی تھی جس کے اثرات سے پورے طور پر کبھی بھی شفاء نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ اور بھی مختلف امراض حملہ آور ہوتے رہے، جن سے شفاء اور علاج کی تمام ممکن تدبیریں پابندی اور اہتمام سے کی گئیں۔

حضرت مولانا علاج اور پرہیز کے سلسلہ میں بہت محتاط تھے، پابندی سے دوائیں استعمال کرتے اور صحت کے لئے پرہیز، آرام، مناسب چہل قدمی اور جو تدبیریں حکیم ڈاکٹر صاحبان تجویز کرتے تھے اس کا خاص خیال رکھتے تھے۔ خلاف معمول، مضر صحت غذائیں یا اور کوئی ایسی چیز استعمال کرنے کا سوال ہی نہیں تھا جس سے معالجین نے منع کیا ہو۔ بعض چیزوں کا معالجین کی ہدایت پر برسوں تک پورے اہتمام کے ساتھ استعمال کیا ، اسی طرح جن چیزوں سے طبّی طور پر ممانعت ہوتی یا ان سے کسی قسم کے نقصان کا ڈر ہوتا تھا ان سے بھی پوری احتیاط کرتے تھے۔ مرغن غذاؤں، مصالحوں، مرچوں اور اس طرح کی چیزوں سے پرہیز کا عام معمول تھا مگر اس کے باوجود صحت برابر گرتی، خراب ہوتی رہی، امراض کی شدت بھی بڑھتی رہی اور نئے نئے مرضوں کا بھی اضافہ ہوتا رہا اور اس پرانے مرض کے بھی (جو تقریباً پچاس سال سے پیچھا کئے ہوئے تھا) وقتاً فوقتاً اثرات ظاہر ہوتے رہتے تھے جس کی وجہ سے نیند اڑ جاتی تھی، بھوک ختم ہو جاتی تھی اور

کسی بھی چیز سے طبیعت کو دلچسپی باقی نہیں رہتی تھی، لوگوں سے وحشت ہوتی، تنہائی کا خیال بہت بڑھ جاتا تھا، لیکن اس کیفیت کے باوجود مولانا کے روزانہ کے معمولات میں بہت کم تغیر ہوتا تھا۔ تبلیغی مصروفیات، مشورے، ڈاک، عام خطابات، تبلیغ کے مقامی رفقاء اور باہر سے آنے والے ذمہ داروں سے ملاقاتیں، حسب ضرورت ہدایات اور رہنمائی، نیز روزانہ کی تقریر و دعا کے علاوہ جس وقت کے لئے جو کام متعین تھا اس کو اسی وقت پر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ بیماری کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور تمام مصروفیات بھی چلتی رہتی تھیں مگر جیسے جیسے وقت گذرتا گیا امراض کی شدت میں اضافہ ہوتا رہا، آخری آٹھ دس سالوں میں خاص طور سے ذیابیطس، اختلاج قلب، دوران خون کی زیادتی، نظام ہضم کی خرابی اور عام کمزوری کا مرض مولانا کو لاحق رہا اور ان سب سے بڑھ کر تکلیف دینے والی بیماری دل کی بیماری تھی، اس نے سات آٹھ سال تک ہر دم پریشان کیا اور بالآخر اسی کے حملہ سے وفات پائی۔

زندگی کے آخری چار سالوں میں دل کے دورے اور قلبی امراض کی وجہ سے کم از کم دو مرتبہ اسپتال میں داخل ہوئے کئی کئی دنوں وہاں رہنا ہوا دنیا بھر میں جو بہتر سے بہتر علاج ممکن تھا اور جو بھی اعلیٰ سے اعلیٰ ترین دوائیں دستیاب ہو سکتی تھیں مولانا کیلئے ان کا انتظام کیا گیا۔ عمدہ سے عمدہ ڈاکٹر اور نامور معالج ہمیشہ بلکہ روزانہ مولانا کو دیکھتے چیک کرتے رہے، جس میں ڈاکٹر محسن ولی (بجنوری، جو صدر جمہوریہ ہند کے خاص معالج ہیں) اور امراض قلب کے شہرۂ آفاق ماہر، ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب بطور خاص شامل ہیں۔

ان کے علاوہ یورپ، امریکہ، افریقہ اور ہندوستان کے مایۂ ناز ڈاکٹروں کا مشورہ شامل علاج رہتا تھا، اسی طرح سے پایہ کے طبیب، بہتر سے بہتر یونانی دواؤں اور اپنی نگرانی میں تیار نسخوں کا خاص دلچسپی سے استعمال کراتے اور مولانا کو ہر دوسرے تیسرے دن دیکھتے بھی رہتے تھے۔ بالخصوص ڈاکٹر محسن ولی کو مولانا سے ایسا غیر معمولی اور گہرا تعلق تھا کہ روزانہ بلاناغہ مولانا کو دیکھنے آتے اور مولانا کی صحت اور طبیعت کے تبدیلی کی پل پل کی خبر

رکھتے اور ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب بھی وقتاً فوقتاً مولانا کو دیکھنے کے لئے آتے تھے اور مولانا کی صحت کی رفتار اور دواؤں کے استعمال وغیرہ پر نظر رکھتے تھے مگر ہزار کوششوں، بے شمار اطباء اور ڈاکٹروں کے تجربات اور غیر معمولی دواؤں کے استعمال کے باوجود صحت خراب تر ہوتی رہی اور ان امراض سے نجات اور شفاء نصیب نہیں ہوئی، بلکہ :

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

کئی بار ایسا ہوا کہ نظام الدین کے قیام میں یا سفر کے دوران کسی مرض میں خاص اضافہ ہوا اور وقتی طور پر مزید تدبیر اور احتیاط کر لی گئی، کبھی ایسا بھی ہوا کہ مولانا کسی ضرورت کے لئے اٹھے کمزوری اور بیماری کی وجہ سے چکرا کر گرے اور بے ہوش ہو گئے، اس کمزوری کا کئی کئی دنوں بلکہ ہفتوں تک طبیعت پر اثر رہا، جس کی وجہ سے ڈاکٹروں کے حسب مشورہ کھانے، سونے اور آرام کے اوقات میں کچھ ترمیم اور نظر ثانی کی گئی۔

ادھر یہ سب بھی چلتا رہا اور ادھر تبلیغی مصروفیات اور سفر بھی نظام کے مطابق ہوتے رہے، بعض اوقات صحت کے زیادہ خراب ہونے اور خطرے کے پیش نظر معالجین اور کبھی کبھی رفقاء اور ذمہ دارانِ تبلیغ نے بھی سفر سے منع کیا، لیکن حضرت مولانا جہاں تک ہو سکتا، پہلے سے مقررہ پروگرام اور نظام اوقات مین تبدیلی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اسی حال میں سفر حج و زیارت کے لئے حاضری ہو جاتی، اسی میں ایشیاء یورپ کے دور دراز ملکوں کا سفر بھی ہوتا رہتا تھا، انھیں حالات میں آخری سفر حج بھی پیش آگیا۔

اس مبارک سفر سے ۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ، ۱۹/ مئی ۱۹۹۵ء جمعہ کی شام کو دہلی واپسی ہوئی، اس وقت بھی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، کئی سخت بیماریوں کا شدید حملہ تھا، اسی وجہ سے حج کے بعد کوئی بڑا سفر نہیں ہوا، حجاز سے واپسی کے انیس دن بعد ضلع مظفر نگر (یو پی) کے ایک گاؤں کسیروہ میں تبلیغی اجتماع اور اس میں مولانا کی شرکت طے تھی۔ سفر حج کے بعد اس اجتماع میں شرکت کے لئے پہلا قابل ذکر سفر ہوا ۶/ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ ۶/ جون ۱۹۹۵ء کو کسیروہ تشریف لائے، اگرچہ طبیعت مضمحل تھی لیکن بظاہر بشاش تھے

اور صحت میں کسی غیر معمولی تغیر کا احساس نہیں ہوتا تھا، تاہم کمزوری بہت زیادہ تھی، جس کو دیکھنے والے محسوس کر سکتے تھے۔ اسی حال میں اجتماع میں شرکت ہوئی، تقریر کی، دعا فرمائی اور اس کے بعد فوراً کاندھلہ تشریف لے آئے۔ کاندھلہ تقریباً گیارہ ساڑھے گیارہ بجے پہنچے، فوراً کھانے کا تقاضہ ہوا، کھانے کے بعد نماز پڑھی، آرام کیا، پھر رات میں مغرب کے بعد کھانے کے دستر خوان پر تشریف لائے اور شوق و دلچسپی سے وہاں بیٹھے رہے، محسوس ہو رہا تھا کہ مولانا کی طبیعت بشاش ہے اور وطن بلکہ گھر کی اس محفل میں مسرت محسوس کر رہے ہیں۔ شب میں کاندھلہ قیام ہوا، آٹھ محرم الحرام کی صبح سویرے نظام الدین کیلئے روانہ ہو گئے، یہ مولانا کا آخری سفر تھا، دینی تبلیغی اجتماع میں آخری شرکت اور اپنے گھر اور وطن سے آخری روانگی اور رخصت تھی۔

اس وقت تک نہ صحت کی خاص خرابی کا کوئی اثر تھا، نہ نظام اوقات اور معمولات میں کچھ تغیر ہوا۔ شب گذری دن آیا اور نو محرم الحرام کا پورا دن بھی اسی طرح اپنے پرانے اور مرتب معمول کے مطابق پورا ہوا۔ ۹/ محرم الحرام کو سورج غروب ہوا اور کسے معلوم تھا کہ دسویں محرم الحرام کے چاند کا طلوع ایک بڑے عالم کامل کی زندگی کے آفتاب غروب کی خبر لایا ہے۔

۹/ محرم کی شام تک سب کام اور مولانا کی مصروفیات روزانہ کے معمول کے مطابق ہوئے، عصر کے بعد مولانا کی نشست گاہ میں جو مجلس ہوتی تھی وہ بھی اپنے معمول کے مطابق ہوئی (جس میں کچھ خاص احباب ذکر و یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور کچھ مولانا سے عرض و معروض کیا کرتے کچھ اور آنے والے اس وقت خاموش بیٹھتے یا دور سے زیارت کر کے چلے جاتے تھے) ۹/ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ، ۹/ جون ۱۹۹۵ء جمعہ کی شام کو مغرب کی نماز پڑھی، نماز کے بعد دیر تک اوابین اور اپنے معمولات میں مشغول رہتے تھے، یہ عمل اس دن بھی روز کی طرح انجام پایا، اس کے بعد کھانا کھایا، کھانے سے فراغت پر اول وقت عشاء کی نماز ہوئی اور نماز کے کچھ دیر بعد (جیسا کہ معمول تھا کہ مولانا جلدی

آرام کرتے تھے) آرام کے لئے لیٹے، ابھی لیٹے ہی تھے، شاید ایک پان کھایا تھا کہ دل میں تکلیف محسوس ہوئی اور کچھ ہی دیر بعد خطرناک صورت اختیار کر گئی۔ اسی دوران ضروریات سے فراغت کے لئے خود گئے اور وہاں سے واپس آتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ مولانا کے پرانے معالج ڈاکٹر محسن ولی موجود تھے، انہوں نے دیکھا اور شاید کسی آنے والے خطرہ کو بھانپ گئے، ڈاکٹر محسن ولی نے ڈاکٹر خلیل اللہ کو فون کیا، ڈاکٹر خلیل اللہ اطلاع ملتے ہی فوراً آگئے۔ دونوں کی رائے یہ ہوئی کہ مولانا کو بلا تاخیر اسپتال لے جانا ضروری ہے، اسپتال فون کر دیا گیا، حافظ کرامت اللہ، حافظ نعمت اللہ صاحب اور ان کے بیٹے گاڑیاں لے کر آگئے۔ مگر یہ کام ایسے خاموشی سے انجام پائے کہ چند خاص لوگوں کے علاوہ عموماً یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ حضرت مولانا کی طبیعت ناساز ہے اور نازک کیفیت ہے۔ اور جن لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت جی کی طبیعت زیادہ خراب ہے، ان کو بھی (ذمہ داروں نے) یہ ہدایت کر دی تھی کہ اس بات کا چرچا نہ کریں۔

بنگلہ والی مسجد میں عشاء کی نماز ہو رہی تھی اس دوران حافظ کرامت اللہ صاحب نے اپنے بیٹے کو زور سے آواز دی، جس میں ڈاکٹر صاحب کے آنے اور حضرت جی کو لے جانے کا کچھ اشارہ تھا، اس وقت اکثر حاضرین مرکز کو اندازہ ہوا کہ حضرت مولانا کی طبیعت زیادہ ناساز ہے تقریباً ساڑھے دس بجے حضرت جی کو کرسی پر بٹھا کر اوپر کمرہ سے (جہاں حضرت مولانا کا قیام رہتا تھا) نیچے لائے، بعد میں دیکھنے والوں نے بتایا کہ اس وقت مولانا کی جس طرح نشست تھی اسی سے خطرہ ہو گیا تھا کہ شاید یہ آخری لمحات ہیں۔

نیچے لا کر حضرت مولانا کو کار میں پچھلی سیٹ پر لٹایا گیا، آکسیجن لگا ہوا تھا۔ سیٹ کے ساتھ مولوی عبد اللہ صاحب (خلف مولانا محمد سلیمان جھانجی گجراتی) اور حضرت مولانا کے نواسے (مولوی) محمد صالح سلمہ بیٹھے تھے ڈرائیور کی برابر کی سیٹ پر ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب تھے۔ کار نے ابھی زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ حضرت مولانا کے چہرے پر ایک تغیر نظر آیا، ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب نے (جو حضرت مولانا کے سانس کی کیفیت نیز آنکھوں

اور چہرے پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے) آنے والے لمحات کی سنگینی کا احساس کر لیا اور حضرت مولانا کے برابر میں بیٹھے ہوئے دونوں صاحبان کو آگے بھیج کر اور خود مولانا کے برابر میں آکر بیٹھ گئے، مولانا کے دل کو ہاتھوں سے کچھ حرکت دی اور منہ سے سانس دینے کی بھی کوشش کی مگر حالت کی نزاکت و سنگینی اسی طرح رہی۔

کیفیت ایسی تھی کہ قریب سے دیکھنے والوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ مولانا رحلت فرما گئے ہیں، اس لئے بعض بزرگوں کا خیال ہوا کہ اب مولانا کو اسپتال نہ لے جایا جائے، لیکن ڈاکٹر خلیل اللہ کی رائے تھے کہ ضرور لے جانا چاہیئے، وہ اپنی آخری کوشش اور طبی تدبیر کر کے دیکھ لیں۔ ڈاکٹر صاحبان کی رائے پر عمل ہوا، تیز رفتار سے ہسپتال پہنچے، وہاں ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب نے فون کر دیا تھا اس لئے پورا عملہ چوکس اور حضرت مولانا کے انتظار میں تھا، ہسپتال پہنچتے ہی حضرت مولانا کو ایمرجنسی میں لے گئے اور لمحوں میں تمام مشینیں اور سازو سامان وہیں آ گئے نیز قیمتی غیر معمولی دوائیں اور انجکشن پہلے ہی فراہم کر لئے گئے تھے، ڈاکٹر صاحبان نے فوراً ہی اپنی کوشش شروع کر دی۔ مشینیں لگا دی گئیں سینے میں دائیں طرف بہت بڑے بڑے پانچ انجکشن لگائے گئے۔ مصنوعی طور پر سانس دینے کی اور دل کی حرکت قائم اور جاری رکھنے کے لئے جو مشینیں اور انجکشن استعمال کئے گئے ان کے اثر سے تھوڑی دیر کے بعد ایک لمحہ کے لئے امید کی کرن سی چمکی تھی لیکن وہ جلد ہی ماند پڑ گئی اور ڈاکٹر صاحبان کی پوری کوشش اور ہر اک ممکن تدبیر کے باوجود مولانا کی حالت میں کچھ تغیر نہیں ہوا، مگر پھر بھی ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب اور ان کے معاون جدوجہد میں لگے رہے، لیکن جو حادثہ پیش آنا تھا وہ آچکا تھا، نہ دواؤں نے کچھ اثر کیا، نہ مشینیں کار آمد ہوئیں اور اذا جاء اجلہم فلایستقدمون ساعۃ و لا یستأخرون کا فرمان نافذ ہو کر رہا اور ہفتہ، عاشورہ محرم الحرام کی شب میں تقریباً ایک بجے (یا اس سے پہلے) حضرت مولانا سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون!

اس وقت جو افراد اسپتال میں یا آس پاس موجود تھے وہ دھڑکتے دلوں اور بے تاب

نگاہوں کے ساتھ بہتر خبر کی امید لگائے ہوئے تھے مگر ہر لمحہ اس امید کو ناامیدی میں بدل رہا تھا، بالآخر تقریباً ڈیڑھ بجے ڈاکٹر خلیل اللہ نے بھی مایوسی کا اظہار کر دیا۔ اسی وقت یہ خبر نظام الدین پہنچ گئی اور تھوڑی دیر بعد میت بھی یہاں پہنچ گئی۔ مرکز میں کہرام مچ گیا، ہر شخص غمگین پژمردہ اور حیران وششدر سا تھا، اس وقت ٹیلیفون کھڑکنے لگے اور آدھ پون گھنٹہ کے اندر دنیا کے اس کونے سے اس کونے تک سب جگہ کے ذمہ داران تبلیغ کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع پہنچ گئی۔ حادثہ کی خبر ملتے ہی سب سے پہلے بستی نظام الدین کے افراد اور اس کے تھوڑی دیر بعد دہلی کے مختلف علاقوں سے اہل تعلق بنگلہ والی مسجد آنے شروع ہو گئے۔

مولانا کی میت ہسپتال سے واپس آچکی تھی اور اسی کمرے میں جہاں مولانا چار گھنٹہ پہلے بیٹھے ہوئے تھے رکھ دی گئی، کمرے کا فرش اٹھادیا گیا اور غسل کی تیاری ہونے لگی۔ مولانا الیاس بارہ بنکوی، مولانا محمد سلیمان گجراتی اور ان کے فرزند مولوی عبد اللہ گجراتی، مولوی احمد مڑھی (میواتی) وغیرہ نے غسل دیا، مولانا اظہار الحسن صاحب بار بار آتے رہے، راقم سطور بھی وہیں موجود تھا۔ اسپتال میں جو انجکشن لگے تھے وہ اتنے گہرے تھے کہ غسل کے وقت بلکہ اس کے دو تین گھنٹہ بعد تک ان سے خون رس رہا تھا، حالانکہ ان زخموں پر روئی کے بڑے بڑے پھائے لگا کر ٹیپ لگادیا گیا تھا لیکن وہ پھائے بھی جو خون کے اثر سے رنگین ہو ہو جاتے تھے، دو مرتبہ تبدیل کئے گئے۔

صبح صادق سے پہلے کمرے کے سامنے مرکز کے ذمہ داروں اور متعلقہ اصحاب کی نشست ہوئی، جس میں یہ مشورہ ہوا کہ تدفین کہاں ہو؟، نماز کس وقت ہوگی، مختلف احباب کی تجویزیں اور خیالات سننے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے برابر میں تدفین ہو (موسم کی شدت اور آنے والوں کی وجہ سے) نماز عصر کے بعد نماز جنازہ کی تجویز ہوئی اور ہمایوں کے مقبرہ سے ملحق وسیع نرسری پارک میں نماز جنازہ کا اعلان واہتمام کیا گیا۔

فجر کی نماز کے تھوڑی دیر بعد جنازہ حضرت مولانا کے کمرے سے اٹھا کر باہر لایا گیا، گھر کی مستورات نے زیارت کی، پھر مرکز سے ملحق نئی عمارت کے زینہ کے پاس جہاں سے مولانا کی اپنے کمرہ میں آمد و رفت ہوتی تھی جنازہ رکھدیا گیا اور آخری زیارت کرنے والوں کی قطاریں لگ گئیں۔

ابھی فجر کی نماز نہیں ہوئی تھی کہ (وفات کی خبر پا کر) دہلی سے باہر کے اصحاب بھی آنے شروع ہو گئے، سوگوار اس بڑی تعداد میں آرہے تھے اور صبح آٹھ بجے سے ہی آنے والوں کا اسقدر ہجوم ہو گیا تھا کہ پولیس کو راستوں کا نظام تبدیل کرنا پڑا۔ بنگلہ والی مسجد سے کچھ دور، متھرا روڈ کے (ہمایوں کے مقبرہ کے راستہ کے سامنے چوراہہ پر) جو نا معلوم گنبد ہے آخری زیارت کرنے والوں کی قطاریں وہاں تک پہنچ کر لودھی روڈ کی طرف مڑ گئی تھیں اور یہ حال ہو گیا تھا کہ جو لوگ مسجد میں تھے ان کو مسجد سے نکلنا ہی نہیں، ہلنا جلنا بھی مشکل ہو گیا تھا اور جیسے جیسے وقت گذرتا رہا۔ آنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا بستی نظام الدین کے تمام گلی کوچے، مسجدیں اور بنگلہ والی مسجد کے آس پاس کی سب سڑکیں، راستے، چوراہے اور میدان آنے والوں سے بھر گئے۔ اور سخت گرمی اور تیز دھوپ کے باوجود لوگوں کا ہجوم بڑھتا ہی گیا اور آخری زیارت کا سلسلہ تقریباً چار بجے تک چلتا رہا، چار بجے کے بعد عمومی آخری دیدار کا وقت اختتام کو پہنچا اور جنازہ ہمایوں پارک لے جانے کا راستہ اور متعلقہ مشکلات پر دوبارہ غور کیا گیا۔ اس وقت عین ممکن تھا کہ تعزیت اور جنازہ میں شرکت کیلئے آنے والے لاکھوں اشخاص کو ضروریات اور وضو کیلئے پانی اور کھانے پینے کے سامان کی تنگی اور پریشانی ہوتی مگر دہلی کے پچاسوں احباب آنے والوں کی خدمت میں مصروف ہو گئے تھے، انھوں نے ان لوگوں کو ہر طرح کی سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کی۔

عصر کی نماز کے فوراً بعد جنازہ اٹھایا گیا، اس وقت سعودی عرب، عرب امارات، پاکستان، بنگلہ دیش اور دوسرے ملکوں سے خاص حضرات نظام الدین پہنچ گئے تھے۔ عصر

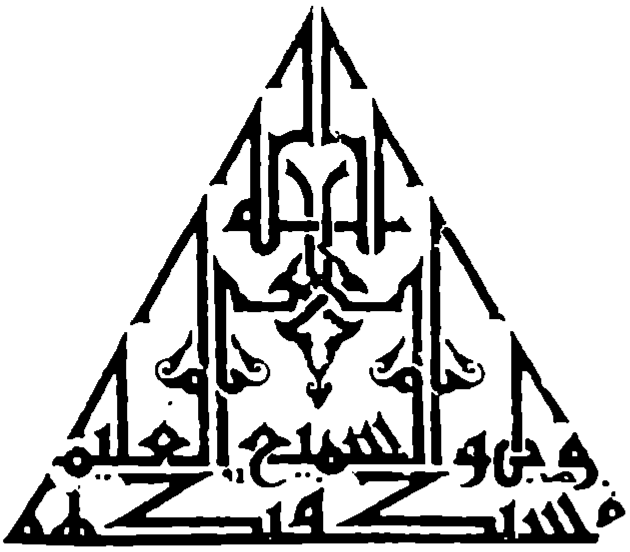
کے بعد جنازہ نیچے لایا گیا، پولیس کا معقول انتظام تھا اور دہلی پولیس کے بڑے افسران بذات خود موجود تھے، لیکن ہجوم اس قدر بے پناہ تھا اور جذبات ایسے تھے کہ تمام انتظامات اور سب رکاوٹیں دھری رہ گئیں۔ راقم سطور جو جنازے کے ہسپتال سے آنے سے اُس وقت تک جنازہ کے ساتھ تھا، ہزار کوشش کے باوجود جنازہ کے ساتھ نہ رہ سکا، ہجوم کے دباؤ اور بے پناہ بھیڑ کی وجہ سے جنازہ سے علیحدہ ہو کر ہمایوں پارک پہنچا اور وہاں جو ایک چھوٹا اسٹیج نما تخت بچھا ہوا تھا اس کے قریب جائے پناہ تلاش کی، ہمایوں پارک کا وسیع میدان سوگواروں سے بھرا ہوا تھا، محتاط سے محتاط اندازے کے مطابق دو ڈھائی لاکھ کا مجمع تھا، لیکن مرکز سے نکلنے کے بعد چونکہ جنازہ پر ذمہ داروں کا کنٹرول نہیں رہا تھا اس لئے مرکز سے ہمایوں نرسری پارک تک جنازہ آتے آتے خاصی بے ترتیبی ہو گئی تھی۔ جو لوگ پارک میں نماز کے انتظار میں بیٹھے تھے وہ اپنی جگہ بے چین اور منتظر تھے لیکن ایک بہت بڑا مجمع جو پارک میں نہیں آیا تھا باہر دور دور تک پھیلا ہوا تھا جنازہ ان کی تحویل میں رہا اور وقت پر وہاں نہیں پہنچ سکا جہاں نماز جنازہ ہونی تھی، جس کی وجہ سے مجمع میں سخت انتشار ہوا، اسی ہنگامہ اور بے ترتیبی میں جنازہ نرسری پارک کے سامنے سے واپس ہو گیا اور نہ معلوم کس طرح بنگلہ والی مسجد واپس پہنچ گیا، جسکی وجہ سے ذمہ داروں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی، اس وقت یہ انتظام کیا گیا کہ جنازہ پولس کی وین کی چھت پر رکھدیا جائے اور پولیس اس کی نگرانی کرے، اس انتظام کے مطابق پولس کی وین پر جنازہ دوبارہ ہمایوں پارک کے قریب لایا گیا، اس میں مغرب کا وقت ہو گیا تھا، اس وقت مولانا کے صاحبزادے مولانا زبیر الحسن صاحب نے جنازہ کی نماز پڑھائی، (راقم سطور بھی وہاں پہلی صف میں موجود تھا) لیکن افسوس اور نہایت افسوس ہوا کہ اس بد نظمی اور غیر متوقع انتشار کی وجہ سے بہت سے حاضرین نماز جنازہ سے محروم رہ گئے۔

نماز جنازہ کے بعد پولیس کی اسی وین پر جنازہ بنگلہ والی مسجد واپس آیا اور مسجد کے جنوب مغربی گوشہ میں جو مختصر سا احاطہ قبور ہے (جس میں مولانا محمد اسماعیل، مولانا محمد میاں،

مولانا محمد الیاس، مولانا محمد یوسف رحمہم اللہ کی قبریں ہیں) اس کی مغربی سمت میں مولانا یوسف صاحب کی قبر کے دائیں طرف دفن کیا گیا۔ ہجوم اس قدر بے پناہ تھا اور مرکز کی سڑکیں اور راستے مجمع کی کثرت سے اس طرح بھرے ہوئے تھے کہ تدفین کے وقت مرکز میں داخل ہونا جان جوکھوں کا کام تھا، یہاں تک کہ مولانا اظہار الحسن صاحب اور میرے والد ماجد بھی بڑی مشکلات سے اندر پہنچے، راقم سطور کا ، دوڈھائی گھنٹہ بعد اس وقت اندر پہنچنا ممکن ہوا جب تدفین سے فراغت ہو چکی تھی۔ معلوم ہوا کہ مولانا کو قبر میں اتارنے کی آخری خدمت انجام دینے والے یہ صاحبان تھے : مولوی محمد سعد، بھائی حلیم (خلف مولانا محمد شیم ناظم مدرسہ صولیتہ، مکہ مکرمہ) مولوی عبد اللہ (فرزند مولانا محمد بن سلیمان جھانجھی) شیخ غسان مدنی وغیرہ۔

سائبان مسجد بنگلہ میں جب — لاش حضرت قبر میں رکھی گئی
درد سے دل کروٹیں لینے لگا — بندھ گئی آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی
انتہائے درد میں بے ساختہ — آیا لب پر شعر خسرو دہلوی

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی



حضرت مولانا انعام الحسن کی وفات پر تین اہم ترین تعزیتی خط

حضرت مولانا انعام الحسن کی وفات کی خبر ابھی اخبارات میں نہیں آئی تھی ریڈیو اور ٹی وی پر بھی نشر نہیں ہوئی تھی مگر تعزیتی پیغامات خطوط فیکس اور فون آنے شروع ہوگئے تھے جو ہفتوں تک آتے رہے۔ ان سیکڑوں خطوط میں سے تین اہم ترین خط یہاں پیش کئے جارہے ہیں۔ جس میں پہلا خط دنیائے اسلام کے نامور عالم محدث اور محقق حضرت شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کا ہے دوسرا سعودیہ عرب کی ایک ممتاز مقتدر شخصیت شیخ رشید فارسی کا جو رابطۂ عالم اسلامی میں اہم ترین عہدوں پر فائز اور سعودی عرب میں ممتاز دینی خدمات سے وابستہ رہے ہیں اور ایک عرصہ تک تبلیغی کام میں بھی سرگرم رہے۔ تیسرا اس وقت کے ہندوستان کے وزیر اعظم نرسمہا راؤ کا ہے۔

ایک اور تعزیتی پیام جو ان سب میں اہم تھا امام حرم مکی شیخ عبداللہ بن سبّیل کا تھا، یہ ایک تفصیلی تار تھا مگر یہ تار مجھے دستیاب نہیں ہوا، اور افسوس ہے کہ وہ یہاں پیش نہیں کیا جارہا ہے۔ تینوں خطوط کے فوٹو اسٹیٹ مولانا زبیر الحسن کے شکریہ کے ساتھ یہاں پیش کئے جارہے ہیں۔ پہلے اصل خط ہے پھر اس کا ترجمہ۔

عکس مکتوب گرامی شیخ عبد الفتاح ابوغدہ

بسم الله الرحمن الرحيم

من: عبد الفتاح أبو غدة

الرياض في ١٢ / ١ / ١٤١٦

إلى الإخوة الأفاضل والدعاة الأماثل خلفاء الصالحين والسادة المتقين
حفظهم الله تعالى أجمعين وبارك لنا في أعمارهم في الصالحين:
مولانا الشيخ زبير الحسن ومولانا إظهار الحسن ومولانا طلحة نجل شيخنا الجليل
محمد زكريا الكاندهلوي وسائر مشايخنا وأحبائنا من جماعة التبليغ رفع الله قدرهم،
وأعظم لهم أجرهم، بالمصاب الجلل والحدث المحزن وهو انتقال شيخنا العلامة
الجليل والداعية الأمين النبيل مولانا إنعام الحسن أمير جماعة التبليغ إلى جوار الله
تعالى ورحمته وإحسانه أكرمه الله برضوانه العظيم، وجبر مصاب المسلمين
بفقده، وجعل من إخوانه ومحبيه خير خلف لخير سلف، وألهم
إخوانه ومحبيه وعارفي فضله الصبر والاحتساب عند الله تعالى،
وإنا يا شيخنا لفراقك لمحزونون، أكرمك الله بمقعد الصدق عنده
مع الأنبياء والمرسلين وعباده المتقين، وإنا لله وإنا إليه راجعون.

ولله

العبد الضعيف عبد الفتاح أبو غدة
ومعه ابنه سلمان أبو غدة

مکتوب گرامی محدث جلیل، علامہ شیخ عبد الفتاح ابوغدہ

عبد الفتاح ابو غدہ

فاضل برادران، قابل قدر داعیان، جانشین صلحاء سربراہان اتقیاء

اللہ تعالیٰ آپ سب کی حفاظت فرمائے اور آپ کی عمروں میں برکت نصیب فرمائے۔

مولانا زبیر صاحب، مولانا اظہار الحسن صاحب، مولانا طلحہ صاحب (صاحبزادہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی) اور تبلیغی جماعت کے ہمارے تمام تمام مشائخ کے نام، اللہ تعالیٰ ان کی قدر و منزلت بلند فرمائے اور عظیم سانحہ اور الم انگیز حادثہ پر ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ یعنی حضرت علامہ جلیل فاضل و مکرم داعی اللہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کا سانحہ ارتحال جو اس دار فانی سے رحمت الٰہی اور فضل و کرم ایزدی کے سایہ میں منتقل ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ان کو اپنی عظیم خوشنودی سے نوازے اور ان کے انتقال سانحہ کی تلافی فرمائے اور ان کے محبین و برادران کو بہترین اسلاف کا بہترین خلف بنائے محبین و منتسبین دینی بھائیوں اور قدردانوں کو صبر اور امید ثواب نصیب فرمائے۔

حضرت! ہم آپ کے فراق پر رنجیدہ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو انبیاء مرسلین اور اپنے متقی بندوں کے ساتھ مقام صدق عطا فرمائے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

بندۂ ناچیز عبد الفتاح ابوغدہ

اور (ان کا بیٹا) سلمان ابوغدہ

نہایت افسوس اور بیحد رنج و ملال ہے کہ اس گرامی نامہ کے لکھنے والے شہرۂ آفاق عالم جلیل، محقق، عارف، داعی اور فقیہ، مبلغ اور علامہ، محدث کبیر حضرت شیخ عبد الفتاح ابوغدہ نے ۸/ شوال ۱۴۱۷ھ ۱۶/ فروری ۱۹۹۷ء کی صبح ریاض میں رحلت فرمائی اور بقیع میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم الله الرحمن الرحيم

محمد رشيد فارسي   عکس مکتوب شیخ محمد رشید فارسی، مکہ مکرمہ

ص.ب : ٢٤٢٠ مكة المكرمة
العزيزية - خلف الرعاية الاجتماعية
تليفون { المنزل : ٥٥٦٤٨٥١
المكتب : ~~٥٧٤٩٦٣٩~~

التاريخ ١٢ / المحرم ١٤١٦ هـ

صاحب الفضيلة مولانا الشيخ محمد زبير الحسن حفظه الله

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته وبعد فقد علمت ببالغ الأسى والحزن بنبأ وفاة والدكم المرحوم مولانا إنعام الحسن وكان لهذا الخبر أثره العميق في نفسي لما تربطني بوالدكم من صداقة حميمة منذ أكثر من سبعة وثلاثين عامًا نعمت في خلالها من صحبته ومرافقته أيام وجودي في نظام الدعوة في سفر تبليغ متتابعين الدعوة عام ١٣٧٨ هـ وعام ١٣٨٠ هـ وما لمسته منه من دماثة خلقه وكريم سجاياه وعطفه عليّ في الغربة تبين لي على الماضي فيها والدعوة ... ما تحمله جميعا من معاناة في هذا السبيل هذا بالإضافة إلى الرتابة المتواصلة في التذكير بكل ما فيه [illegible] أعوانه أركان الدعوة والمجاهدين والعلماء تذكرون حضوري إليه ولفضيلتكم وجميع المشايخ الذين يأتون معكم وفي طليعتهم مولانا الشيخ زين العابدين

أكبر أسفي وحزني لهذا الشيخ الجليل راجيا من المولى أن يتغمده برحمته ورضوانه ويسكنه فسيح جناته وإنا لله وإنا إليه راجعون وفي هذا المصاب أخص بالتعزية جميع المشايخ وكافة أفراد الأسرة الكريمة راجيا لكم ولهم التوفيق والنجاح لاستمرارية هذه الدعوة المباركة والله ولي التوفيق

محبكم

[signature]

مکتوب شیخ رشید فارسی مکہ مکرمہ

صاحب الفضيلة مولانا الشيخ محمد زبير الحسن حفظه الله
السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

و بعد : فقد علمت ببالغ الأسى و الحزن نبأ وفاة والدكم المرحوم مولانا انعام الحسن ، و كان لهذا الخبر ألم عميق فى نفسى لما تربطنى بوالدكم من صداقة حميمة منذ أكثر من سبعة و ثلاثين عاما، نعمت فى خلالها من صحبته و مرافقته أيام وجودى فى نظام الدين، فى سفرتين متعاقبتين للدعوة عام۱۳۴۸ھ عام ۱۳۸۰ھ

و مالمسته منه من دماثة خلقه و كريم سجاياه و عطفه على فى الغربة تنشيطاً لى على المضى فيها و الصبر على ما نتحمله جميعا من معاناة فى هذا السبيل

هذا علاوة على اللقاء المتواصل به و المتكرر كل عامين عند قدومه للحج مع الاخوان اركان الدعوة والمجاهدين ، و أظنكم تذكرون حضورى اليه.

ولفضيلتكم و جميع المشائخ الذين يأتون فى معيتكم وفى طليعتهم مولانا الشيخ زين العابدين .

أكرر أسفى و حزنى لهذا الشيخ الجليل راجيا من الله أن يتغمّده برحمته و رضوانه و يسكنه فسيح جنانه ، و انا لله و انا اليه راجعون . فضلا بلغوا جميع المشائخ عزائى ، وكافة أفراد الأسرة الكريمة

. راجيا لكم و لهم التوفيق و النجاح لإستمراربه هذه الدعوة المباركة والله ولى و اليه التوفيق

محبكم

ترجمہ مکتوب شیخ رشید فارسی، مکہ مکرمہ

مولانا شیخ زبیرالحسن صاحب

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے آنجناب کے والد ماجد کی وفات کی خبر انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی اس اطلاع کا مجھے اس وجہ سے اور بھی ملال ہوا کہ میری ان سے تیس سال کی دوستی اور مراسم تھے، مجھے ان کی صحبتوں اور مجلسوں سے اس وقت لطف اندوز ہونے کا خاص موقع ملا جب میں نے ۱۳۴۸ھ اور ۱۳۸۰ھ میں تبلیغ و دعوت کیلئے نظام الدین (دہلی) کا سفر کیا، ان کے اعلیٰ اخلاق و اطوار کا مشاہدہ کیا اور ان کی عنایات سے بہت متاثر ہوا جو مجھ پر خاص طور سے اس لئے بھی تھیں کہ میرے لئے یہ سفر دشوار نہ ہو، اس کام کے لئے میری طبیعت کھل جائے اور اس راستہ کی مشکلات میرے لئے آسان ہو جائیں۔

اور ہر دو سال کے بعد جب وہ حج کے لئے آتے تھے مکہ مکرمہ میں ان سے ملاقات ہوتی تھی، وہ ان ملاقاتوں کے علاوہ ہے۔

میرا خیال ہے کہ آپ حضرات کو بھی میرا آپ کے اور آپ کے ساتھ آنے والے مشائخ خصوصاً مولانا زین العابدین کے پاس آنا اور ملاقات کرنا یاد ہوگا۔

میں دوبارہ حضرت مرحوم کے انتقال پر اس امید کے ساتھ رنج و غم کا اظہار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے، اپنی خوشنودی سے نوازے اور ان کو جنت الفردوس میں مقام نصیب فرمائے انا للہ وانا الیہ راجعون

میری طرف سے تمام اکابر خصوصاً خاندان والوں کو تعزیتی کلمات کہدیں میں آپ کے لئے اور ان کے لئے توفیق کی اور کامیابی کے ساتھ اس دعوت بابرکت پر جمے رہنے کی اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق کے اہل ہیں۔

خط مسٹر نرسمہاراؤ (P.V. Narsimha Rao) (اُس وقت) وزیر اعظم ہند

सत्यमेव जयते

PRIME MINISTER

New Delhi
June 10, 1995

Janab Maulana Zubair Hassan Sahib,

I learnt about the sad and untimely demise of your distinguished father Maulana Inam ul Hassan, Amir of Tabligh Jamaat, last night in Delhi, with sorrow and pain. In the death of Maulana Sahib, the nation has lost a great son of India, who always preached tolerance, harmony and moderation. Maulana Inam ul Hassan had great compassion for the poor and down-trodden and he always showed his deep concern for them.

Maulana Inam ul Hassan Sahib headed this distinguished institution of Tabligh Jamaat since 1965 and significantly contributed to its objectives of peace and harmony. He was an eminent scholar of Islam and a man of simplicity and erudition. In his death, the country has lost an outstanding man of religion.

I send my heartfelt condolences to you and other members of your family. May God give you the strength to bear this loss.

Yours sincerely,

P.V. Narasimha

(P.V. Narasimha Rao)

Janab Maulana Zubair Hassan
Tablighi Markaz
Hazrat Nizamuddin
New Delhi

وزیر اعظم

نئی دلی

۱۰/ جون ۱۹۹۵ء

جناب مولانا زبیر حسن صاحب

گذشتہ شب مجھے آپ کے والد محترم جناب مولانا انعام الحسن امیر تبلیغی جماعت کی قبل از وقت وفات کا علم ہوا، جو بے حد دکھ اور تکلیف کا باعث ہوا۔ مولانا کی وفات سے قوم ایک عظیم فرزند ہندوستان سے محروم ہو گئی، جس نے ہمیشہ تحمل صبر اور یکجہتی کا پیغام دیا، مولانا انعام صاحب مرحوم غریبوں اور پسماندہ طبقہ کیلئے جذبہ ہمدردی رکھتے تھے۔

مولانا انعام الحسن صاحب مرحوم اس عظیم ادارے کے سربراہ ۱۹۶۵ء سے رہے اور اس کے مقاصد امن وانسانیت میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ وہ ایک مشہور مسلم عالم فاضل تھے اور اس کے ساتھ ہی سادگی انکا ایک جوہر تھا، ان کی وفات سے ہندوستان ایک عظیم مذہبی شخصیت سے محروم ہو گیا۔

میں آپ کو اور خاندان کے متعلقین کو اپنی دلی تعزیت پیش کرتا ہوں، خدا آپ کو اس بار عظیم کو برداشت کرنے کی قوت بخشے۔

آپ کا مخلص

پی، وی نرسمہاراؤ

جناب مولانا زبیر حسن صاحب

تبلیغی مرکز

حضرت نظام الدین۔ نئی دہلی

(اردو ترجمہ: جناب نور محمد صاحب، اسارا، ضلع میرٹھ (استاد فارسی وانگریزی مدرسہ سلیمانیہ عیدگاہ، کاندھلہ)

(نوٹ) خط کے سرنامہ پر اور پتہ میں دونوں جگہ زبیر حسن لکھا ہوا ہے ترجمہ میں اس کا خیال رکھا گیا ہے، صحیح نام (مولانا) زبیر الحسن (ZUBERUL HASAN) ہے۔

وہ فقیرِ راہِ سلطانِ عرب

پروفیسر کلیم احمد عاجز

وہ شبِ عاشورہ کی پچھلی گھڑی　　چاند پژمردہ فسردہ چاندنی
جو امانت تھی زمیں کے دوش پر　　وہ امانت عالمِ بالا گئی

○

حضرت مولانا انعام الحسن　　وارثِ کیفیتِ پیغمبری
وہ فقیرِ راہِ سلطانِ عرب　　وہ امیرِ باطنی و ظاہری
وہ ہزاروں دل کے تنہا بادشاہ　　وہ کروڑوں دل کی تنہا روشنی
ایک حضرت جی سبھوں کے مدعا　　ایک حضرت جی کے سارے مدعی
ایک حضرت جی تمنائے جہاں　　ایک حضرت جی امیدِ عالمی
ایک حضرت جی ہی وجہ دردِ عشق　　اور وہی درمانِ دردِ عاشقی
وہ چراغِ عشق گو خاموش ہے　　باقی ہے سینوں میں اسکی شعلگی
اسکو یہ پونجی بہت کام آئے گی　　جسکو حضرت جی سے تھی وابستگی

○

کیا قبولِ عام تھی وہ شخصیت　　جب کہیں ہوتی تھی تشریف آوری
بیچ میں وہ صاحبِ روشن ضمیر　　دائیں بائیں صاحبانِ آگہی

سر سے پا تک فقر کا عالم مگر
فقر کا عالم میں بھی شاہنشہی

فقر کے شامل وجاہت کی نمود
نام جس مجموعے کا ہے سادگی

لوگ کھنچے آتے تھے پروانے کی طرح
دوست ہوں یا آشنا یا اجنبی

اضطراب دعوت و فکر و دعا
بس ان ہی چاروں میں گذری زندگی

آخر آخر تک رہا فیضان نور
بجھتے بجھتے شمع یہ جلتی رہی

○

آہ وہ بستی نظام الدین میں
عاشقوں کا عالم دیوانگی

آہ وہ لاکھوں دلوں میں موجزن
آخری دیدار کی وارفتگی

آخرش باہر جنازہ کیسے آئے
فوج دیوانوں کی ہے آگے کھڑی

دھوپ میں ہیں سب کے سب باندھے کھڑے
دیکھیں کب آئے زیارت کی گھڑی

بھوک ہے انکو نہ انکو پیاس ہے
عشق کی ہے بندگی بیچارگی

سارے دیوانے یہ کہتے ہیں کہ آج
اور نہیں ہے کچھ تمنائے دلی

ہم کو اس خاموش شمع عشق پر
ڈالنے دو اک نگاہ آخری

ہم اسی سرمائے کو دل سے لگائے
کاٹ دیں گے اپنی باقی زندگی

○

سائبان مسجد بنگلہ میں جب
لاش حضرت قبر میں رکھی گئی

درد سے دل کروٹیں لینے لگا
بندھ گئی آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی

انتہائے درد میں بے ساختہ
آیا لب پر شعر خسرو دہلوی

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

آہ حضرت جیؒ

(رئیس التبلیغ مولانا انعام الحسن کاندھلوی علیہ الرحمہ)

از مولانا ولی اللہ صاحب قاسمی
استاد جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر

ہوگئی ہے انجمن سونی، فضا ہے سوگوار
ہوگیا فق چہرۂ خورشید پُر جاہ و جلال
سن رہا چودہ سو سولہ دس محرم کی تھی رات
قائدِ جمعیتِ تبلیغ دیں جاتا رہا
جس کی صورت دیکھ کر اللہ کی آتی تھی یاد
ذکر ربانی غذا صلِّ علی تھا مشغلہ
باعث مہر و وفا تھے صاحب درد دروں
عصر نو میں ملت بیضا کا سچا پاسبان
وہ تھے تبلیغی جماعت کے امیرِ کارواں
زندگی بھر دعوت و تبلیغ وہ کرتے رہے
بن گئی بستی نظام الدین کی ماتم کدہ
چار سو دنیائے دوں میں ہے صفِ ماتم بچھی
ہوگئی انسانیت نوحہ کناں، غم سے نڈھال
جام کوثر کا ملے، ہو جنت الماوی نصیب
ان کی تربت پر برابر ہوں خدا کی رحمتیں

مرگ حضرت جیؒ پہ نوحہ خواں ہوئی فصل بہار
ہے رخِ مہتاب، چرخِ نیلگوں پر داغدار
ہوگئی وقتِ سحر موعود روح مستعار
جس کے دم سے تھی جہانِ دین میں قائم بہار
ہوگیا رخصت جہاں سے وہ ولیِ باوقار
متقیِ باصفا تھے، عابدِ شب زندہ دار
عارف حق، عاشق محبوب، فخر روز گار
عالم اسلام کا سرمایۂ صد افتخار
مجلسِ علمائے حقانی میں تھے وہ تاجدار
خدمتِ دین نبی کے واسطے تھی جاں نثار
ہر در و دیوار بلکہ ذرہ ذرہ اشکبار
محفلِ خنداں جہاں کی ہوگئی ہے گریہ زار
چشم عالم خوں چکاں ہے دامنِ دل تار تار
عرش کا سایہ ملے یارب انھیں روزِ شمار
یہ ولیؔ کی ہے دعاء اے مہرباں پروردگار

فقرات و قطعۂ تاریخ وفات

امیر تبلیغ، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ

آہ اشکہائے غم پاک باز

۱۴۱۶ھ

بر وفات حسرت آیات زاہد دہر

۱۹۹۵ء

دانائے ذی احترام

۱۴۱۶ھ

حضرت مولانا حاجی انعام الحسن کاندھلویؒ

۱۹۹۵ء

عاقبت بالخیر

۱۴۱۶ھ

طاب اللہ ثراہ و جعل اللہ الجنۃ مثواہ

۱۹۹۵ء

پیکر رشد و ہدایت مرکز تبلیغ حق ۔ عالم دیں، رہبر امت ، امیر کارواں
اسلم غمگیں بگفتا بہر تاریخ وفات ۔ رفت سوئے خلد انعام الحسن مہر جہاں

۱۹۹۵ء

از روشن قلم محمد حنیف اسلم قاسمی

۱۴۱۶ھ

ہمدم روحانی عالم مظفر نگر

۱۹۹۵ء

فقرات تاریخ وفات

(از:- مولانا مفتی حکیم احمد حسن صاحب ٹونکی ، جے پور)

خادم دین نبی بود آں مرد جلوہ افروز

۱۴۱۶ھ

اف انعام الحسن جامع فضل

۱۴۱۶ھ

کوکب اسلام انعام الحسن رحمتہ اللہ رحمۃً واسعۃ

۱۹۹۵ء

آہ۔ اب مولانا انعام الحسن خاموش ہوئے

۱۴۱۶ھ

حاکم ملک دیں مولانا انعام الحسن مغفور باد

۱۹۹۵ء

الحسن میں اگر الف کا عدد شمار نہ کیا جائے تو اس کے اعداد صحیح ہوں گے (۱۹۹۵ء) ان فقروں میں سے آخری تینوں فقروں کے عدد سنہ وفات کے مطابق نہیں تھے ، سنہ کی مطابقت کے لیے ان میں ایک آدھ حرف کی معمولی ترمیم کی گئی ہے۔ (نور)

قطعات تاریخ وفات

حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ

جناب عبدالرؤف خاں صاحب اودئی کلاں (راجستھان)

شیخ وقت

۱۴۱۶ھ

دلا ! مولانا انعام الحسن آج ہوئے دار فنا سے رخصت افسوس
کوئی پوچھے جب ان کا سال رحلت

تو کہہ : "حضرت ہوئے راہیِ فردوس"

۱۹۹۵ء

اے باغبان باغ شریعت بجان دل چوکردہ ای خرام سوئے روضۂ جناں
آواز داد وگفت سروش از سرالم

تاریخ در گذشت تو : راس المبلغاں
۱۴۱۶ھ

فقرات سنہ وفات

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی

مرتبہ نور الحسن راشد کاندھلوی

۱۔ کوکب زماں ، قائد پاک کا روان تبلیغ ۱۹۹۵ء
۲۔ عاشق واحد ، الحاج مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی رحمتہ اللہ علیہ ۱۹۹۵ء
۳۔ آہ وداع مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی نور اللہ مرقدہ ۱۴۱۶ھ
۴۔ زیب بزم خلد نشین شد ۔ ۱۴۱۶ھ
۵۔ قامع بنیاد باب بدعت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی ۱۴۱۶ء
۶۔ کم گو خادم بیدار مغز ۱۹۹۵ء
۷۔ قلوب آگاہ میر کارواں رخصت ہوا ۔ ۱۹۹۵ء

O

حضرت مولانا انعام الحسن کے حادثۂ وفات کی خبر

چند بڑے اخبارات میں

تراشے

مولانا انعام الحسن کی وفات کی خبر ہند پاکستان اور کئی ملکوں کے (چند) بڑے اخبارات میں نمایاں طور پر چھپی تھی ہند پاکستان کے چند اہم اخبارات اور سعودی عرب کے ممتاز اردو روزنامہ ''عرب نیوز'' کی خبروں کے تراشے آئندہ صفحات میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

تانخواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

عرب دنیا سے شائع ہونے والا پہلا ◆ اردو اخبار ◆

اردو نیوز

URDU NEWS

PUBLISHED BY ARAB NEWS

SUNDAY, JUNE 11, 1995

اتوار، 13 محرم الحرام 1416 ھ ۔ مطابق 11۔ جون 1995ء

تبلیغی جماعت کے امیر مولانا انعام الحسن کا دلی میں انتقال

ہزاروں سوگوار نظام الدین پہنچ گئے، جانشینی کے مسئلے پر اختلافات، تدفین نہ ہوسکی

نئی دہلی (نمائندہ اردو نیوز) ممتاز عالم دین اور تبلیغی جماعت کے امیر مولانا سید انعام الحسن کا رات ڈھائی بجے یہاں تبلیغی جماعت کے صدر دفتر نظام الدین میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہوگیا۔ وہ 74 برس کے تھے انہوں نے پسماندگان میں ایک بیٹا اور بیٹی چھوڑے ہیں۔ 1964 میں مولانا یوسف کے انتقال کے بعد انہوں نے تبلیغی جماعت کی قیادت سنبھالی تھی۔ وزیر اعظم نرسمہا راؤ، وزیر داخلہ ایس بی چوہان اور وزیر ... نے مولانا کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ وزیر اعظم نے اپنے تعزیتی پیغام میں مولانا کے انتقال کو ملک کا ناقابل تلافی نقصان بتایا اور جانی چارہ کیلئے ان کی تعلیم کی ستائش کی۔ انتقال کی خبر سن کر ہفتہ کو صبح سویرے سے ہزاروں لوگوں کا تانتا بندھا رہا۔ اس نمائندہ نے وہاں مسلسل ایک کلو میٹر طویل قطار دیکھی جو مولانا کے آخری دیدار کے لئے جمع تھی۔ ان کو تبلیغی جماعت کے دفتر کے احاطہ میں سپرد خاک کرنے کی تمام تیاریاں مکمل کرلی گئی تھیں۔ اچانک جانشینی کے مسئلہ پر ان کے جانشینوں میں اختلافات ابھر آئے۔ پہلے تو یہ خبر دی گئی کہ ان کو سپرد خاک کردیا گیا۔ مگر رات ساڑھے دس بجے تک جانشینی کا مسئلہ حل نہیں ہوسکا۔ اور مولانا کا جسد خاکی ان کے گھر میں رکھا رہا۔

مولانا انعام الحسن کی وفات پر تارکین وطن کا اظہار تعزیت

مرحوم کی تدفین میں تاخیر ہجوم کی وجہ سے ہوئی، بینظیر کا تعزیتی پیغام

مکہ مکرمہ (نمائندہ خصوصی) ہندوستان میں تبلیغی جماعت کے سربراہ مولانا انعام الحسن کی وفات پر سعودی عرب میں مقیم ہندوستانی، پاکستانی اور بنگلہ دیشی تارکین وطن نے گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے ان کے لئے مغفرت کی دعا کی ہے- مدرسہ صولتیہ کے نائب مسعود سلیم نے مولانا انعام الحسن کی جانشینی پر اختلافات کی خبر کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ مولانا مرحوم کی تدفین میں تاخیر کا سبب کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ سعودی عرب، پاکستان اور خود ہندوستان سے جماعت کے اعلیٰ ذمہ داران کی آمد کا انتظار کیا جا رہا تھا- انہوں نے مزید کہا کہ مولانا کو جمعہ کے روز عصر کے بعد چھ بجے سپرد خاک کر دیا گیا تھا- رات

باقی صفحہ آخر پر

مولانا ... رضوان ... سلطان صلاح الدین اویسی صدر کل ہند ... کانگریس (آئی) کے قائدین و سابق وزراء محمد ... نے تبلیغ اسلام کے لئے مولانا کی خدمات کو ناقابل فراموش قرار دیا- ان قائدین نے مولانا کے عالمی تبلیغی مشن کو جاری رکھنے کی ضرورت ظاہر کی- مولانا کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے حیدر آباد سے سیکڑوں معتقدین دہلی روانہ ہوگئے ہیں- ملک میں انڈین ایئرلائنز کی ہڑتال کے باوجود مولانا کے معتقدین خانگی طیاروں کو کرایہ پر حاصل کر کے دہلی گئے ہیں- اسلام آباد سے اے پی پی کے مطابق وزیر اعظم محترمہ بینظیر بھٹو نے تبلیغی جماعت کے مرکزی امیر مولانا انعام الحسن کاندھلوی کے انتقال پر اظہار تعزیت کیا ہے جن کا 10 جون کو نئی دہلی میں انتقال ہوا- وزیر اعظم نے مرحوم اور ان کے خاندان کی اسلام کیلئے خدمات کی تعریف کی

بقیہ- اظہار تعزیت

ساڑھے دس بجے تدفین ... بھی درست نہیں ہے- انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ جانشین کا فیصلہ ابھی نہیں ہوا کیونکہ تمام قائدین متفقہ طور پر جانشین نامزد کرینگے- دریں اثناء دہلی سے موصول ہونے والی مزید اطلاعات کے مطابق کثرت ہجوم کی وجہ سے نماز جنازہ مقررہ وقت چھ بجے نہیں ہوسکی بلکہ 8 بجے ہوئی اور تدفین ساڑھے آٹھ بجے ہوئی- علاوہ ازیں تبلیغی جماعت کا کوئی دفتر نہیں ہے بلکہ مسجد بنگلہ والی میں مرکز ہے- مولانا انعام الحسن مرحوم کے پیشرو مولانا محمد یوسف صاحب کا انتقال 2 اپریل 1965ء کو ہوا تھا- حیدر آباد، دکن سے نمائندہ اردو نیوز کے مطابق امیر تبلیغی جماعت مولانا انعام الحسن کے انتقال پر دکن کے مسلمانوں نے اظہار تعزیت کیا ہے- مولانا کی دعائے مغفرت کے لئے حیدر آباد کی کئی مساجد میں خصوصی اہتمام کیا گیا-

SUNDAY, JUNE 12, 1995

جانشینی پر کوئی اختلاف نہ تھا

11 جون کے شمارے میں تبلیغی جماعت کے امیر مولانا انعام الحسن صاحب کے انتقال کی خبر پڑھی- لیکن مولانا کے جانشینی کے مسئلے یا اختلاف کی وجہ سے تدفین میں تاخیر کی خبر بالکل غلط ہے- بات یہ تھی کہ دنیا کے مختلف ممالک سے لوگ چارٹر فلائٹ کے ذریعہ آرہے تھے اور حکومت ہند نے اس سلسلے میں اپنے سفارت خانوں کو احکام روانہ کردیئے تھے کہ ویزے ہنگامی بنیاد پر جاری کئے جائیں چنانچہ رات دیر گئے تک ویزے جاری کئے گئے جسکی وجہ سے تدفین میں تاخیر ہوئی- جانشینی کا مسئلہ بھی حضرت نے طے فرما دیا تھا اپنی زندگی میں جسکا اعلان حسب مشورہ ہوجائیگا- اس سلسلے میں جانشینی کے لئے تاخیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا- بہتر ہے کہ اسکی تصحیح فرمادیں تاکہ لوگوں میں غلط تاثر پیدا نہ ہو-

عبدالمعبود و غلام یزدانی

جدہ

منگل 15 محرم الحرام 1416ھ، مطابق 13 جون 1995ء

[illegible] New Delhi

Islamic scholar dead

NOTED SCHOLAR Amir Inamul Hasan died here on Saturday after a cardiac arrest. He was 74. He is survived by a son and a daughter. Erstwhile president of the Tablighi Jamaat and renowned scholar of Islamic theology, Inamul Hasan was Amir of the religious Jamaat since 1964. He had not been feeling well for the past few days and passed away after a heart attack at 1 am, the Jamaat officials said. Tablighi Jamaat is a century-old missionary organisation engaged in spreading the message of Islam through strict observance of religious practices. Inamul Hasan was associated with Tablighi Jamaat since his youth, they said.

June 11

THE DAILY JANG LAHORE

روزنامہ جنگ لاہور

بانی میر خلیل الرحمن

اتوار 12 محرم الحرام 1416ھ 11 جون 1995ء 29 جیٹھ 2052 بکرمی

SUNDAY, JUNE 11, 1995

جلد 16 — نمبر 230

تبلیغی جماعت کے مرکزی امیر مولانا انعام الحسن کاندھلوی انتقال کر گئے

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا کی عمر 74 سال تھی کچھ عرصے سے علیل تھے تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف تھے کہ رات 10 بجے دل کو تکلیف ہوئی فوری طور پر ہسپتال لے جایا گیا مگر ڈاکٹروں کی کوشش کے باوجود رات ایک بجکر 20 منٹ پر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی

بستی نظام الدین میں تبلیغی مرکز کی مسجد کے قریب [illegible]

کروڑوں فرزندان توحید غمزدہ ہو گئے، مولانا انعام الحسن کو حضرت جی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، 31 سال سے امیر جماعت کے منصب پر فائز تھے مولانا محمد عمر پالن پوری کو سربراہ بنائے جانے کا امکان، جماعت کے ذرائع

جمعیت العلماء [illegible] اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت [illegible]

[illegible]

بقیہ — مولانا انعام الحسن

راست مولانا محمد عمر پالن پوری کو سربراہ بنایا جائے گا۔ بتایا گیا ہے کہ مولانا حسب معمول تبلیغی سرگرمیوں میں مشغول تھے کہ رات دس بجے اچانک دل کی تکلیف محسوس ہوئی فوری طور پر ہسپتال لے جایا گیا

بعض ڈاکٹروں کی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ جانبر نہ ہو سکے رات ایک بجکر بیس منٹ پر مولانا انعام الحسن کے دل نے کام کرنا بند کر دیا اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ مولانا مرحوم کی وفات کی خبر راتوں رات پوری دنیا میں پھیل گئی اور کروڑوں فرزندان توحید جو دنیا کے کونے کونے میں تبلیغ دین میں مصروف تھے غمزدہ ہو گئے پاکستان، بنگلہ دیش، افریقہ، امریکہ، انگلینڈ کے تبلیغی ذمہ داروں کے ٹیلی فون آنا شروع ہو گئے کہ جنازہ میں اتنی تاخیر کی جائے کہ تمام ممالک کے ذمہ دار حضرات اپنے امیر کا آخری دیدار کر سکیں اور جنازہ میں شریک ہو سکیں جس کے پیش نظر تبلیغی مرکز بستی نظام الدین کے ذمہ داروں کے فیصلے کے مطابق بروز ہفتہ بعد نماز عصر جنازہ کا وقت مقرر کیا گیا صبح سے ہی اطراف اور ہندوستان کے مختلف علاقوں کے لوگ پہنچنا شروع ہو گئے مختلف ممالک سے بھی علماء کرام دہلی پہنچنا شروع ہو گئے۔

پاکستان سے علماء کرام نے کوشش کی لیکن وزارت خارجہ اور انڈین قونصلیٹ کی تعطیل کی وجہ سے پہنچنا ناممکن تھا امور خارجہ کمیٹی کے چیئرمین مولانا فضل الرحمن کی کوششوں سے وزارت خارجہ اور انڈین قونصلیٹ اسلام آباد کا آفس بارہ بجے کے بعد کھل گیا لیکن کراچی سے ویزہ نہ ہونے کی سہولت کی بنا پر اور بروقت اطلاع نہ ہونے کی بنا پر لوگ ویزہ حاصل نہ کر سکے اس لئے پاکستان سے علماء کرام جنازہ میں شرکت سے محروم رہ گئے۔ مولانا انعام الحسن کے والد کا اسم گرامی مولانا حافظ اکرام الحسن تھا ان کا کاندھلہ کے مشہور علمی گھرانہ سے تعلق تھا حفظ قرآن کریم کاندھلہ میں مکمل کیا بعد ازاں بستی نظام الدین میں مولانا محمد الیاس سے کتابوں کی تعلیم شروع کی 1351 ہجری میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ مولانا احتشام الحسن، مولانا عبدالرحمن کاملپوری، مولانا حافظ عبداللطیف، مولانا منظور احمد سے تعلیم مکمل کر کے دستار فضیلت و سند حاصل کی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد مولانا انعام الحسن نے مولانا الیاس بانی تبلیغی جماعت کی زیر تربیت اور مولانا محمد یوسف کی رفاقت میں تبلیغ دین اور تعلیم حدیث و قرآن کا سلسلہ بستی نظام الدین میں شروع کیا مولانا محمد یوسف جب مولانا محمد الیاس کی وفات کے بعد تبلیغی جماعت کے امیر مقرر ہوئے تو مولانا انعام الحسن آپ کے دست راست قرار پائے۔ تبلیغی اجتماعات کے سلسلہ میں ہندوستان پاکستان کے ایک ایک خطے کے دورے کئے دنیا کے تمام ممالک کے اہم مقامات پر اجتماعات سے خطاب کیا۔ 1355 ہجری میں مولانا انعام الحسن کی شادی مولانا محمد یوسف کی صاحبزادی سے ہوئی اس حوالہ سے آپ مولانا یوسف کے ہم زلف تھے مولانا محمد یوسف جب 29 ذوالقعدہ 1380 ہجری بمطابق 2 اپریل 1965ء کو رحلت فرما گئے مولانا محمد زکریا کے حکم سے مولانا ظفر الحسن استاد دارالعلوم دیوبند نے مولانا انعام الحسن کی امارت کا اعلان فرمایا مولانا انعام الحسن علمائے کرام کے اعتماد پر پورے اترے اور تبلیغ دین کے کام کو جس محنت جذبہ ولولہ اور محبت کی ضرورت تھی مولانا انعام الحسن نے اس کے مطابق جماعت کو چلایا۔ مولانا نے روس اور مسلم وسطی ایشیائی ریاستوں کی آزادی کے بعد ان علاقوں میں مراکز قائم کئے اس سال حج کے موقع پر عرب ممالک میں کام کی رفتار کا جائزہ لیا 1965ء سے 1995ء تک بحیثیت امیر اور اس سے قبل بحیثیت رکن آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تبلیغ دین کے لئے وقف تھا تقریباً اسی سال آپ کی عمر تھی۔

جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی امیر مولانا فضل الرحمن، سرپرستان، مولانا عبدالکریم نیر شریف، مولانا محمد اجمل خان، مولانا [illegible] حافظ حسین احمد، سینیٹر حافظ فضل احمد، رکن قومی اسمبلی قاضی فضل اللہ، مولانا امیر حسین گیلانی، مولانا رشید میاں، مولانا عبدالصمد، مولانا عطاء الرحمن درخواستی، ڈاکٹر خالد محمود سومرو، قاری شیر افضل، مولانا فضل الرحمن درخواستی، مولانا عبدالصمد، مولانا شیر محمد، مولانا عبدالکریم، مولانا محمد مراد، مولانا رشید احمد جالندھری، مولانا محمد [illegible] خالد [illegible] شریف اور دیگر علماء کرام نے مولانا تبلیغی مولانا انعام الحسن کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے [illegible]

روزنامہ جنگ لاہور
13 محرم الحرام 1416ھ 12 جون 1995ء

موت العالم ، موت العالم

تبلیغی جماعت کے مرکزی امیر مولانا انعام الحسن کاندھلوی ۱۰ جون کو نئی دہلی میں انتقال کر گئے انا للہ و انا الیہ راجعون وفات کے وقت ان کی عمر 74 سال تھی۔ حضرت جی کے لقب سے پکارے جاتے تھے اور گزشتہ ۳۱ سال سے تبلیغی جماعت کی امارت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مرحوم کا تعلق ممتاز و معروف دینی خاندان سے تھا۔ معروف عالم دین اور حضرت مولانا محمد زکریا مرحوم کے داماد تھے۔ مولانا محمد الیاس کاندھلوی نے تبلیغی جماعت کی بنیاد رکھی۔ ان کے فرزند مولانا محمد یوسف کے انتقال کے بعد انہیں جماعت کی امارت سونپی گئی اس طرح وہ تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر تھے۔ تبلیغی جماعت جس کی بنیاد اس صدی کے اوائل میں رکھی گئی اپنے قیام سے اب تک اپنے صاحب علم و عمل حضرات کی بدولت عالمی شہرت حاصل کر چکی ہے اور آج اس جماعت سے تعلق رکھنے والے بے شمار لوگ دنیا کے کونے کونے میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں۔ تبلیغی جماعت کا مرکز بستی نظام الدین اولیاء میں قائم کیا گیا اور یہ مرکز آج بھی اسی جگہ کام کر رہا ہے۔ مولانا انعام الحسن کا زیادہ وقت بھی اسی مرکز میں گزرا۔ تبلیغ اسلام اور تبلیغی جماعت کے ساتھ دنیا کے کئی ممالک میں گئے۔ پاکستان میں اس جماعت کا سب سے بڑا اجتماع ہر سال رائے ونڈ میں ہوتا ہے جہاں جماعت کے اکابرین اور مختلف ممالک کے علمائے کرام کے علاوہ عام لوگوں کی بڑی تعداد شریک ہوتی ہے۔
مولانا انعام الحسن کے دور امارت میں تبلیغی جماعت کی عالمی سرگرمیوں میں زبردست اضافہ ہوا جبکہ پہلے دو امراء کے دور میں جماعت کی سرگرمیاں زیادہ تر برصغیر تک محدود تھیں۔ مولانا انعام الحسن کو ان کی دینی خدمات کے حوالے سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ان کی موت ایک ایسے عالم دین کی موت ہے جن کا خلا مدتوں پُر نہ ہو سکے گا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان اور وابستگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

تبلیغی جماعت کے نئے امیر کا انتخاب ، مولانا عبدالوہاب اور مولانا زین العابدین پاکستان سے دہلی پہنچ گئے

دین کے اصولوں پر چلیں کراچی میں لوگوں کو مارنے والے خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے

حالات درست کرنا صدر ، وزیر اعظم ، فوج اور پولیس کے بس کی بات نہیں ، اعمال صحیح ہونے چاہئیں

لوگوں کو سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں ، قائم مقام امیر مولانا جمشید کی جنگ سے گفتگو

لاہور (خصوصی رپورٹر) تبلیغی جماعت کے امیر مولانا انعام الحسن کاندھلوی کے انتقال پر پاکستان میں جماعت کے امیر مولانا عبدالوہاب اور مولانا زین العابدین گزشتہ روز دہلی پہنچ گئے جہاں نئے امیر کا چناؤ عمل میں لایا جائیگا۔ تبلیغی جماعت کے مرکز رائیونڈ میں ہزاروں افراد موجود تھے جو مولانا انعام الحسن کیلئے قرآن خوانی کرتے رہے۔ گزشتہ روز قائم مقام امیر مولانا جمشید نے ایک ملاقات میں بتایا کہ ہماری کوئی جماعت نہیں، ہمارا کام دین کی تبلیغ ہے یہاں امیر کا چناؤ باقاعدہ انتخاب کے ذریعے نہیں ہوتا۔ مولانا انعام الحسن کے انتقال پر دنیا بھر سے ہمارے ذمہ داران وہاں پہنچ

باقی صفحہ 3 کالم 3 پر

بقیہ	مولانا جمشید

رہے ہیں جہاں مشورے کے بعد ایک بزرگ کو امیر یعنی ذمہ دار بنا دیا جائیگا۔ بزرگوں کے مشورے سے جس کو امیر بنایا گیا اس کو تمام قبول کر لیں گے۔ مولانا جمشید نے ملکی حالات کے بارے میں کہا کہ حالات ٹھیک کرنا صدر مملکت، وزیر اعظم بے نظیر بھٹو، فوج اور پولیس کے بس کی بات نہیں۔ اس کا ایک ہی حل ہے کہ لوگوں کو سیدھے راستے پر لایا جائے اور اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ حالات خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے

کیونکہ اس قوم کی حالت کبھی نہیں بدلتی جن کے اعمال ٹھیک نہ ہوں۔ انہوں نے کہا مسلمان اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں، مسجدیں بھر جائیں تو حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ دین کے اس راستے پر چلتے ہوئے دیکھ کر کراچی میں لوگوں کو مارنے والے بھی نیکی کی راہ پر آجائیں گے۔ ہمیں چاہئے کہ چور سے ڈر کر بھاگنے کے بجائے یہ راستہ اختیار کیا جائے کہ چور کے دل میں نیک کام کرنے کی لگن کس طرح پیدا کی جائے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا سیاست دان وغیرہ لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ سیاست دان ہوں یا علماء کرام ہمارے نزدیک تمام قابل احترام ہیں اور ایسا شرابی شخص بھی قابل احترام ہے جس کے دل میں ذرا سا بھی ایمان موجود ہے۔ ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ جو بھی گمراہی کے راستے پر چل رہا ہے اسے سیدھے راستے پر لائیں اور ہم یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ لوگوں کو وہ راستہ دکھائیں جس سے سب برائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

[redacted]

تبلیغی جماعت کے امیر حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کا انتقال پُر ملال

نماز جنازہ مقبرہ ہمایوں میں ادا کی گئی

نئی دہلی ۱۰ جون ( ) تبلیغی جماعت کے امیر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کا کل رات دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر ۷۴ برس تھی۔ پسماندگان میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی شامل ہے۔ تبلیغی حلقوں میں "حضرت جی" کے نام سے مشہور مولانا انعام الحسن کو کل رات تقریباً 9 بجے دل کا دورہ پڑا۔ پنت ہسپتال کے ڈائریکٹر اور نامور ماہر قلب ڈاکٹر خلیل اللہ کو فوراً ہی بلایا گیا اور ان کے مشورہ پر مولانا انعام الحسن کو پنت ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا جہاں ڈاکٹر خلیل اللہ کی نگرانی میں ماہر ڈاکٹروں کی ٹیم نے ان کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ڈھائی بجے رات کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ مولانا انعام الحسن نے ۱۹۶۵ء میں مولانا محمد یوسف امیر تبلیغی جماعت کے انتقال کے بعد جماعت کی قیادت سنبھالی تھی۔ بنڈلا حج کمیٹی کے چیئرمین اور تبلیغی جماعت کے سرگرم کارکن حاجی سلامت اللہ نے بتایا کہ آج شام چھ بجے مقبرہ ہمایوں میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ معتقدین اور تبلیغی جماعت کے ارکان نے شرکت کی۔ مولانا انعام الحسن اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے سلسلے میں امریکہ، برطانیہ، سعودی عرب، جنوبی افریقہ، سنگاپور، آسٹریلیا، انڈونیشیا، ملائیشیا، تھائی لینڈ اور پاکستان سمیت متعدد ممالک کا دورہ کر چکے تھے۔ حاجی سلامت اللہ کے مطابق دنیا کے کم و بیش تمام ممالک میں تبلیغی جماعت کی شاخیں ہیں اور دو کروڑ سے زائد مسلمان اس سے وابستہ ہیں۔

12.6.95

امیر تبلیغی جماعت مولانا انعام الحسن کا انتقال

وزیر اعظم سمیت متعدد قومی اور دینی رہنماؤں کا اظہار رنج و غم

نئی دہلی - ۱۱ جون ۔ تبلیغی جماعت کے امیر مولانا انعام الحسن کے جسد خاکی کو کل شام حضرت نظام الدین میں واقع تبلیغی مرکز میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ان کا دل کا دورہ پڑنے کے بعد کل صبح جی بی پنت ہسپتال میں انتقال ہو گیا تھا۔

نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لیے دہلی، ہریانہ، یوپی، راجستھان، پنجاب اور دیگر ریاستوں سے لاکھوں تبلیغی کارکنان شدید گرمی کے باوجود نظام الدین پہنچے۔

مولانا کے پسماندگان میں ایک بیٹا اور بیٹی ہے۔

بہت سے سماجی اور سیاسی لیڈروں نے مولانا کے انتقال پر رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ وزیر اعظم پی وی نرسمہا راؤ نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ مولانا کے سیکولر خیالات نے لوگوں کو قومی یکجہتی، اتحاد اور ہندوستان کی مخلوط اقدار کو مضبوط کرنے کے لیے کام کرنے کی تحریک دی۔

وزیر داخلہ ایس بی چوان نے اپنے ماتمی پیغام میں کہا کہ مولانا صاحب کی موت سے قوم، رواداری، بھائی چارے اور اعتدال پسندی کے ایک عظیم سلیقے سے محروم ہو گئی ہے۔ مولانا انعام الحسن کے دل میں غریبوں اور مجبوروں کے لیے بڑا رحم تھا۔

تبلیغی تحریک کا آغاز ۷۰ سال پہلے حضرت مولانا الیاس کاندھلوی نے کیا تھا جو مولانا مرحوم کے قریبی عزیز تھے۔ یہ تحریک اصلاح ملت کے لیے کام کرتی ہے اور اس کے سیکڑوں اجتماعات ہوتے رہتے ہیں جن میں لاکھوں لوگ حصہ لیتے ہیں۔ اس تحریک نے فتنہ ارتداد کا موثر توڑ کیا اور دور دراز علاقوں میں ناواقف مسلمانوں کو نماز روزے اور کلمہ سے واقف کرایا۔

مولانا انعام الحسن اس تنظیم کے تیسرے سربراہ تھے اور ۱۹۶۵ء میں دوسرے امیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے انتقال کے بعد امیر مقرر ہوئے۔ وہ ایک متواضع، خلیق اور منکسر المزاج شخصیت کے مالک تھے۔

نماز جنازہ میں شریک ہونے والے سرکردہ لوگوں میں جمعیۃ علمائے ہند کے صدر مولانا اسعد مدنی، [illegible] مولانا مرغوب الرحمٰن، دارالعلوم وقف کے مہتمم مولانا محمد سالم، درگاہ حضرت نظام الدین کے سجادہ نشین خواجہ حسن ثانی نظامی شامل ہے۔

تعزیتی پیغام میں کہا کہ مولانا انعام الحسن اس صدی کے ایک عظیم فلسفی اور اسلامی علوم کے ماہر تھے، جنھیں نہ صرف ان کی علمی اور دینی لیاقت کے لیے بلکہ ہندوستان اور بیرون ملک میں مذہبی رواداری کی ترویج کے لیے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

نامور عالم دین اور ندوۃ العلماء کے سرپرست اعلیٰ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا انعام الحسنؒ کاندھلوی کے سانحہ ارتحال پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے انھیں ایک ممتاز عالم دین قرار دیا۔ اپنے تعزیتی پیغام میں ان کی مغفرت اور رفع درجات کی دعا کرتے ہوئے مولانا ندوی نے کہا ہے کہ تفسیر و حدیث و فقہ کے علاوہ نصابی کتابوں اور دینی ماخذ پر مرحوم کی گہری نظر تھی اور ایک عرصہ تک وہ درس و تدریس میں مصروف رہے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا انعام الحسن اس وقت عالم اسلام کی سب سے وسیع، مقبول، موثر دعوتی تحریک کے امیر و قائد تھے۔

مرکزی جمعیۃ علمائے ہند کے جنرل سکریٹری مولانا فضیل احمد قاسمی نے مولانا انعام الحسن کی وفات کو امت کا عظیم سانحہ قرار دیا ہے اور ان کے بیٹے مولانا زبیر احمد اور دیگر پسماندگان سے تعزیت کرتے ہوئے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔

جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ کے مہتمم مولانا حکیم عبداللہ مغیثی نے بھی حضرت جی کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے حضرت جی کے انتقال کو ملت اسلامیہ کا نقصان عظیم بتایا۔

مجلہ احوال و آثار کے مدیر مولانا نور الحسن راشد نے مولانا کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولانا کی وفات سے ملت اپنے ایک عظیم غمگسار، مربی، محسن اور عالم دین سے محروم ہو گئی۔ انھوں نے کہا کہ مولانا مرحوم کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پُر ہونا آسان نہیں۔ انھوں نے مولانا کی وفات کو اپنا ذاتی نقصان بھی قرار دیا۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن نے کہا کہ مولانا کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ دارالعلوم سے جاری کردہ ایک ریلیز کے مطابق حضرت جی کے انتقال کی خبر ملنے پر دارالعلوم میں ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا جس میں تمام طلبا و اساتذہ اور کارکنان نے شرکت کی۔

وقف دارالعلوم دیوبند میں مولانا کی وفات کی اطلاع پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ تعزیتی جلسہ میں صدر المدرسین مولانا انظر شاہ کشمیری اور مولانا محمد سالم سمیت تمام اساتذہ و طلبا نے شرکت کی اور رفع درجات کے لیے دعا کی۔

آل انڈیا یونانی طبی کانگریس کے صدر ڈاکٹر اے یو اعظمی اور سکریٹری ایس اے خان نے بھی مولانا کی تعزیت کی ہے۔ کانگریس کے زیر اہتمام ایک تعزیتی جلسہ میں ان کی وفات پر رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔

ہریانہ کے وزیر اعلیٰ بھجن لال نے بھی حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی موت پر دکھ کا اظہار کیا ہے۔ اپنے تعزیتی پیغام میں مسٹر بھجن لال نے کہا ہے کہ حضرت مولانا انعام الحسن نامور عالم دین، مصلح نیز قومی یکتا اور مذہبی خیرسگالی کی علامت تھے۔ وہ زندگی بھر میوات کے لوگوں میں بیداری پیدا کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ ان کی موت سے ہم ایک عظیم ہستی سے محروم ہو گئے ہیں۔ ان کی موت سے مجھے ذاتی طور پر اور پورے میوات کے عوام کو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

قومی آواز

آثار و افادات

مکتوبات

افادات وارشادات

تقریریں اور خطابات

تقریر نکاح

کلمات بیعت

اور

دعائیں

وہ لوگ جن پر اللہ کی رحمت نازل ہوگی

مومن مرد اور مومن عورتیں
، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق
ہیں بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے
روکتے ہی ں۔ نماز قایم کرتے اور
ںکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے
رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں ۔ یہ وہ
لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل
ہو کر رہے گی ۔ یقیناً اللہ سب پر
غالب اور حکیم و دانا ہے ۔

(التوبہ : ۷۱)

مکتوبات

حضرت جی، مولانا انعام الحسن کاندھلوی

☆

(بنام شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمت اللہ علیہ)

از نظام الدین دہلی۔

مخدوم و مطاع قبلہ حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت فیوضکم

بعد اداء آداب ماوجب کے گذارش خدمت اقدس میں ہے کہ بندہ عریضہ حضرت مولوی صاحب مد ظلہ (۱) کے ارشاد سے تحریر کررہا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ بندہ کو یوسف وغیرہ کے ساتھ مسلم شریف و دیگر اسباق میں شریک کردوں، لیکن تنہا اپنی رائے سے میں شریک نہیں کرتا بلکہ جناب کی رائے کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتا ہوں اور یہاں سے کسی سے میں یوں نہیں کہتا کہ کوئی سننے والا نہیں۔ آج کل بندہ کے اسباق ہیں وہ حسب ذیل ہیں :

مطول، حماسہ، ملا حسن، حسامی، ھدایہ۔

آپ اپنی رائے سے بہت جلد مطلع فرمادیں آپ کے جواب کا انتظار ہے اور میرے لیے بہت دعا فرمادیں، دعا کی سخت ضرورت ہے۔ مولوی نصیر (۲) اور مولوی عقیل (۳) وغیرھما کو ماوجب۔

دعا کا محتاج : انعام الحسن کاندھلوی

(فوٹو اسٹیٹ :بشکریہ : مولانا محمد شاہد صاحب، سہارنپور)

(بنام مولانا اکرام الحسن کاندھلوی والد ماجد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب)

مکہ مکرمہ

۶/ذی الحجہ مطابق ۷ فروری (۱۹۳۸ء)

مخدوم ومکرم دام ظلکم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

گذارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ ہم الحمد اللہ سب خیریت سے ہیں امید ہے مزاج گرامی بھی بعافیت ہوں گے۔

اس سے پہلے ایک عریضہ کامران سے ارسال کیا تھا جو غالباً موصول ہوا ہوگا، کامران دس بجے جہاز پہنچا، بارہ بجے کامران سے چلا، چلنے کے بعد بہت تیز ہوا چلنی شروع ہوئی جس کی وجہ سے جہاز کو کافی حرکت رہی اور دوران سفر سر درد وغیرہ شروع ہوگیا مگر الحمد اللہ قے وغیرہ کچھ نہیں ہوئی معمولی سا اثر ہوا جو دوڈھائی گھنٹہ تک رہا پھر سکون ہوگیا۔

کامران سے جدہ تک ۳۵ گھنٹہ کا راستہ تھا مگر چونکہ اس حساب سے رات کو جہاز جدہ پہنچتا تھا، اس لیے جہاز کی رفتار کم کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے چالیس گھنٹہ میں جدہ پہونچا۔ کیوں کہ جہاز سے رات کو نہیں اترنے دیتے، اس لیے کہ جہاز سے جدہ گودی دور ہے جس پر کشتی سے عبور ہوتا ہے اور پہاڑ کشتی تک کثیر ہیں جس سے کشتی ٹکرا جاتی ہے۔ اس لیے دس گھنٹہ کی تاخیر جدہ پہونچنے میں ہوئی۔

۳۱/جنوری کو ظہر کے بعد احرام باندھا میقات سے ۲۰۔۲۵ میل پہلے، یکم فروری کو جہاز نے گیارہ بجے جہاز کے ٹائم سے جدہ میں لنگر ڈالا۔ سامان چونکہ حد سے زائد تھے اس لیے ایک بادبانی کشتی میں سامان کو اپنے تین ہمراہیوں اور عبد السلام ہاشم کے صاحبزادے سلیمان ہاشم (۴) جو ہمارے مطوف کے صاحبزادے ہیں بھیج دیا اور ہم سب موٹر لانچ انجن سے چلنے والی کشتی میں گودی پر خیریت سے آگئے۔ موٹر لانچ بہت تیز چلتی

ہے۔ جیسا کہ موٹر خشکی میں، یہ تری میں اتنی ہی تیز چلتی ہے، ۲۰ منٹ میں تین چار میل کا فاصلہ طے کر دیا۔ ہم لوگوں نے ظہر کی نماز گودی پر پڑھی اتنے دیر میں سامان کی کشتی بھی آگئی، اس کے تلاشی وغیرہ ہونے کے بعد ہم جدہ میں داخل ہوئے اور ایک مکان میں جو ہمارے مطوف کی جانب سے تھا، قیام کیا۔

۲ر فروری کو صبح چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر عرب کے ۳ بجے موٹر کار آگئی، چچا ظہیر الحسن (۵) اور ظفریاب خان صاحب اور دو اور کار میں چلے، لیکن جدہ سے چلنے کے بعد کار خراب ہوگئی، جس کی وجہ سے یہ لوگ کافی پریشان ہوئے، نہ جدہ واپس آسکتے تھے، نہ مکہ مکرمہ پہونچ سکتے تھے، غرض بہت پریشانیوں کے بعد رات کو مکہ مکرمہ پہونچے۔

ہم لوگ شام کو اونٹوں سے چلے، تمام رات بڑی راحت سے چلے، البتہ مجھے اور ماموں کو اونٹ پر نیند نہیں آئی۔ صبح کو بحرہ پہونچے، جو اونٹوں کی پہلی منزل ہے عصر کی نماز کے بعد بحرہ سے چلے، اگلے روز ٦ کو مکہ مکرمہ کی حدود میں صبح کی نماز کے وقت داخل ہوگئے، صبح کی نماز مکہ سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر پڑھی۔ یہاں سے ہم سب پیدل چلے، ہندوستان کے تقریباً نو بجے جنت المعلی میں ہوتے ہوئے حرم شریف میں داخل ہوئے۔ طواف وغیرہ سے فارغ ہو کر جمعہ کی نماز پڑھی، حرم شریف میں ہی بھائی سلیم (٦) مل گئے تھے، اس کے بعد مطوف کے مکان پر گئے اور اس کے یہاں کا کھانا بھائی سلیم کے پاس منگا کر کھایا، بہت پر تکلف دعوت تھی۔ رات کو چچا ظہیر الحسن اور بھائی ظفریاب اور ماموں جی، (۷) بھائی سلیم کے گھر سوئے اور ہم سب مطوف کے ہی مکان پر گئے۔

اگلے روز مکان تلاش کیا الحمد للہ حرم کے قریب ہی ایک مکان مل گیا، تیسری منزل ہے، چڑھنا بہت پڑتا ہے، البتہ حرم کا قرب ہزار نعمت ہے، وہاں سامان وغیرہ پہونچایا گیا اور تمام دن اس گڑبڑ سربڑ میں نکل گیا۔ چچا ظہیر اور ظفریاب خان صاحب کا بھائی سلیم کے یہاں قیام ہے اور ماموں بڑی کشمکش میں ہیں، جی تو مولوی جی (۸) کے ساتھ رہنے کو چاہتا ہے اور اور بھائی سلیم کا بھی خیال ہے، اب تک اسی کشمکش میں ہیں، کچھ طے

نہیں کیا۔ اب تک بازار سے کھاتے رہے، آج یہ بندوبست کیا ہے کہ سالن خود پکالیں اور روٹی بازار سے منگالیں، سامان ایک بوری میں تھا جس میں چائے وغیرہ کے برتن اور مسالے تھے لیکن وہ جہاز میں کھو گئی تھی، اب نئے سرے سے یہاں پر انتظام کرنا پڑا۔ اب دعا کی ضرورت ہے کہ خدائے پاک اس بیت عتیق کے فیوض سے مستفیض فرمادے۔

پرسوں نوذی الحجہ کو عرفات جانا ہے حج کو خدا مقبول فرمادے، آمین یارب العالمین!

یہاں پر جب سے میں آیا ہوں الحمد للہ روزانہ آب زمزم سے چاہ زمزم پر ہی جاکر نہاتا ہوں اور پینے کے لیے بھی پانی زمزم کا ہے، فالحمد للہ علی ذلک!

آج ۷ ر فروری کو حاجی عبدالرحمٰن (۹) اور مولوی جمیل الرحمٰن بھی بخیریت و عافیت پہونچ گئے۔ یہاں سب طرح خیریت ہے، ہندوستان کی خیریت کا ہر وقت انتظار رہتا ہے۔ خدا بخیر و عافیت رکھے۔

حضرت مولانا (۱۰) کی خدمت اقدس میں اور حضرت شیخ الحدیث دام ظلہما (۱۱) کی بارگاہ میں بعد سلام مسنون، مودبانہ گذارش دعا۔ نہ معلوم حسن (۱۲) کا کیا انتظام ہوا، نظام الدین ہے یا کہاں ہے اور کیا شروع کیا یسعید (۱۳) تکھی (۱۴) اور سب بڑوں کو حسب مراتب مادجب۔ خصوصاً والدہ صاحبہ (۱۵) کو میری جانب سے بہت بہت تسکین تسلی کہ مرے نصیب کہ مکہ میں میں پہنچوں۔ بحمد اللہ سب رفقاء خوش ہیں اور بڑے آرام سے ہیں۔ ماموں محمود الحسن میرا بہت خیال کرتے ہیں اور بہت ہی دلداری کررہے ہیں حد سے زائد۔

میں نے تمام گھر والوں کے لیے ایک ایک کا نام لے کر اور مجموعی طور سے بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر دعا کی ہے، خدا قبول فرمادیں، میں بھی ہر ایک سے دعا کا خواستگار ہوں۔

فقط والسلام

دعا کا محتاج، انعام الحسن کاندھلوی

☆

مکۃ المکرمہ

۶/مارچ ۱۹۳۸ء (۲/محرم ۱۳۵۷ھ)

مخدوم مطاع محترم ومکرم قبلہ ام دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش خدمت اقدس میں ہے کہ الحمد للہ ہم سب خیریت سے ہیں اور رب البیت سے دعا اور امید ہے کہ آں جناب بھی مع متعلقین بخیر وعافیت ہوں گے۔ اب تک کوئی خاص بات ناگوار پیش نہیں آئی۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ علی ذلک والشکر لہ!

ماموں محمود الحسن اور چچا ظہیر الحسن ۲۷ مارچ کو مدینہ منورہ تشریف لے گئے ہیں، وہاں سے تشریف لانے کے بعد پہلے جہاز سے وہ لوگ انشاء اللہ بخیر وعافیت ہندوستان کو روانہ ہو جاویں گے اور ان کا خیال اسلامی جہاز سے تھا، مگر کل معلوم ہوا کہ اسلامی کل یعنی ۶/مارچ کو پہنچے گا اور شام ہی کو واپس چلا جائے گا کیوں کہ اس کے حجاج پورے ہو گئے اور مزید کی گنجائش نہیں، لہٰذا اس سے جانا نہیں ہو سکتا اس کے ۳۔۴ روز بعد اکبر جائے گا، اس سے غالباً تشریف بری ہو۔ حاجی عبدالرحمٰن صاحب بھی مکہ ہی سے واپس ہندوستان کو ہو رہے ہیں "وہ المدینہ" سے واپس ہوں گے۔

تیسرے ہفتہ بہت کثرت سے خطوط آئے، مگر ان دو ہفتوں میں کہیں سے کوئی خیر وخبر نہیں، جب سے بہت تشویش ہے خلجان ہے۔ آج ڈاک کے آنے کا دن ہے اور جانے کا بھی دن ہے، اس لیے خط تو لکھنا شروع کر دیا ڈاک نکلنے تک انتظار کرنے کے بعد ڈاک میں ڈالوں گا۔

پہلا مکان چوں کہ مدت اس کی ختم ہو چکی ہے (یہاں پر کرایہ اخیر ذی الحجہ تک ہوتا ہے، اس کے بعد از سر نو انتظام کرنا پڑتا ہے) تبدیل کر دیا، جو پہلے سے بہت بہتر ہے اور حرم سے بالکل ہی متصل ہے حتی کہ ایک سمت کی کھڑکیاں حرم شریف میں ہی کھلتی

ہیں۔ اور سامنے بیت اللہ نظر آتا ہے۔ مکان کے دروازہ سے نکل کر سب سے قریب حرم ہی کا دروازہ ہے۔ خدا کے فضل سے اب تک بہت ہی راحت و آرام کے ساتھ بسر ہوئی آج کی ڈاک بھی آچکی اس میں کاندھلہ اور سہارنپور کا کوئی خط نہیں۔ البتہ بھائی قمر کا خط آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ڈپٹی (۱۷) صاحب اپنے گھر والوں پر ایک بار گراں چھوڑ کر راہی دار البقاء ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

کل مدینہ منورہ سے ماموں کا تار آیا تھا، خیریت سے ہیں تفصیل احوال نہیں معلوم ہو سکی، اس خط کے پہنچنے تک ماموں بھی غالباً پہونچ چکے ہوں گے۔ ماموں کی وجہ سے بہت وابستگی دل جمعی تھی، ماموں نے نہایت ہی دلداری فرمائی، اللہ جزائے خیر دے۔ آمین!

حاجی عبدالرحمٰن سلام کے بعد فرماتے ہیں، کہ آپ بہت یاد آتے ہیں، دعا اوروں کے لئے تو کہنے کے بعد بھی یاد نہیں رہتی اور آپ کے لیے ہر وقت یاد رہتی ہے، جب دعا کرتا ہوں تو آپ کی تصویر ہی آتی ہے اور طواف کرتے ہوئے بھی اکثر آپ کرسی پر بیٹھے ہوئے حقہ پیتے سامنے رہتے ہیں۔ سلام فرماتے ہیں اور یہ بات کئی مرتبہ فرمائی اور بھی فرماتے رہتے ہیں۔ وہ دو تین روز میں ہندوستان کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ مولوی جی بطلب واپس میوات کی وجہ سے بھیج رہے ہیں۔

برادرم حاجی محسن (۱۸) و بھائی مصباح الحسن (۱۹) سے بعد سلام مسنون گذارش ہے کہ میں واللہ! سچ کہتا ہوں کہ میں آپ حضرات کو مستقل ضرور خط لکھتا لیکن مجھے بالکل فرصت نہیں ہوتی، صبح سے شام تک مولوی جی کی ڈاک لکھتا رہتا ہوں۔ آٹھ روز لکھتے ہوئے گذر گئے آج ڈاک جانے کا دن اور ابھی ہنوز کئی خطوط کا جواب لکھنا باقی ہے۔ آٹھ دس خطوط کے جواب روزانہ چار چار پانچ پانچ صفحہ کے لکھنے پڑتے ہیں، اس وقت بھی مولوی جی کا اصرار ہے، حرم میں بلایا ہے، لیکن میں بے غیرتی سے اب تک نہیں گیا اور دعا میں انشاء اللہ ہر وقت آپ ساتھ رہتے ہیں۔ اس کے بعد اگر شکایت رہے، تو میں مستحق گلہ د

شکوہ ضرور ہوں۔

والدہ صاحبہ کی خدمت میں بہت بہت سلام کے بعد دعا کی گذارش ہے۔ باقی سب خیریت سے ہیں۔ ہمہ خورد وکلاں کو مردوں، عورتوں ، بچوں کو حسب مراتب بہت بہت سلام ودعاو پیار۔

بھائی احتشام الحسن (۲۰) سب کو حسب مراتب سلام ودعا فرماتے ہیں۔ مولوی جی فرماتے ہیں کہ آپ کو بہت بہت کچھ لکھ دوں جو چاہے جناب مولوی جی کی طرف سے تصور فرمالیں۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ مراخط تبلیغ کے علاوہ اور کسی وجہ سے نہیں پہونچ سکتا۔ سب کو مولوی جی کی طرف دعاءو پیار۔ ایوب سلام کے بعد کہتا ہے کہ میں نے آپ کے لیے دعا کی ہے، آپ بھی میرے لیے دعا کریں ۔

فقط والسلام

خاکسار دعا گو دعا جو

انعام الحسن کاندھلوی

(بشکریہ، مولانا احترام الحسن صاحب کاندھلوی)

●

(بنام: حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی)

مکرم محترم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اس وقت اس عریضہ کے تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اسارا کے جلسے کے متعلق جو رقم بچی ہوئی تھی جس کا آپ نے بھی تذکرہ کیا تھا وہ اس وقت بہت نزاعی مسئلہ اہل قریہ میں بنا ہوا ہے، جس کی خبریں برابر یہاں پر آرہی ہیں اور اس کے متعلق فیصلہ چاہتے ہیں۔

لہٰذا اب آپ کی خدمت میں گذارش یہ ہے کہ آپ حضرات کسی وقت جاکر اس مسئلے کو نمٹادیں، اگر آپ کی رائے میں مناسب ہو تو وہ رقم حجاز بھیج دی جائے، وہاں اس دینی جدو جہد میں لگادی جائے۔ بہر حال اس کا تصفیہ ہو جانا ضروری ہے۔

حضرت (شاہ عبدالقادر) رائے پوری کل یکشنبہ کو بخیریت پہنچ گئے، ایک آدھ روز

میں سہارنپور تشریف لے جائیں گے۔ سب حضرات کی خدمت میں سلام فرمادیں۔

والسلام

محمد انعام الحسن غفرلہ

(۱۴/ شوال ۱۳۷۱ء - ۸/ جولائی ۱۹۵۲ء)

●

(بنام حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی مدظلہ)

از انعام الحسن

بعد سلام مسنون: میاں جی محراب (۲۲) ابھی تک نہیں پہونچے وہ بمبئی سے حیدر آباد جماعت میں چلے گئے ہیں، ہفتہ عشرہ میں غالباً واپسی ہوگی۔ قاری عبدالرؤف کا بھی اسی وقت خط ملا جس میں پنج شنبہ کو دہلی پہونچنا لکھا ہے۔ گھڑی انھوں نے حافظ صدیق (۲۳) کی معرفت بھیجی تھی۔ میں نے مولوی اظہار صاحب (۲۴) کو دے دی تھی جو غالباً پہونچ گئی ہوگی۔ اس کا خالی ڈبہ قاری عبدالرؤف کے پاس ہے، کسٹم کی وجہ سے اس کو علیحدہ کر دیا تھا۔ باقی انھوں نے لکھا ہے کہ آکر امانتیں تقسیم کروں گا سب چھوٹوں اور بڑوں سے حسب مراتب دعوات وسلام والتماس دعا۔

☆

مکرم و محترم الحاج مولانا افتخار الحسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل جماعت کے ہمراہ آپ کا پرچہ اور آج اسی وقت ڈاک سے کارڈ موصول ہوا، عزیز راشد تو بندہ سے ملا بھی نہیں، وہ فقرہ تم تک کس نے پہنچا دیا وہ فاطمہ (۲۵) سے بندہ تفریحاً کہہ رہا تھا کہ تجھے تھوڑا ہی بلایا ہے وہ تو والدہ سعد کو بلایا ہے، تم سب ویسے ہی پر تول رہے ہو۔ یہ ایک تفریحی فقرہ تھا ورنہ ظاہر بات ہے کہ اس میں تو بلانے کی حاجت نہیں مگر

مقد رات۔

۲۸ر رمضان کو زیبا(۲۶) گری اور ہاتھ میں چوٹ آگئی ایک ڈاکٹرنی اپنے یہاں موجود تھی اس نے مرہم پٹی کیا، لیکن رات کو جب سکون نہ ہوا تو صبح کو اس ڈاکٹرنی نے ایکسرے لینے کو کہا، جس میں ہڈی ٹوٹی ہوئی اور ایک اپنی جگہ سے سرکی ہوئی تھی۔ پھر نرسنگ ہوم میں دکھایا گیا تو کہا کہ بے ہوش کر کے آپریشن کیا جاوے گا۔ چنانچہ کل عید کے بعد آپریشن ہوا اور رات تک بے ہوشی کی کیفیت رہی، ایسی صورت میں اس کا جانا تو ہے ہی نہیں، اور اس کو چھوڑ کر بقیہ کا جانا کسی طرح مناسب نہیں۔

بندہ کی حالت ایسی ہے ضعف شدید ہے، سفر کی ہمت بالکل نہیں نیند کا مسئلہ مستقل ہے اور قلب کا ضعف شدید ہے، چلنا بھی دشوار ہے۔ اس لیے اب تک باوجود ارادہ اور ہمت باندھنے کے بالکل ہمت نہیں۔ رقیہ (۲۷) کے تنہا ہونے کا بھی خیال ہے، لیکن مقدارت کے سامنے کیا کہا جاوے۔ دعاؤں میں انشاء اللہ دریغ نہیں۔ امید ہے مجبوری سامنے آکر معذور تصور کرو گے۔ بندہ بھی اپنے لیے دعاؤں کی درخواست کرتا ہے۔

والسلام

محمد انعام الحسن غفرلہ

۲ر شوال ۹۶ھ (۲۷ر ستمبر ۷۶ء)

●

(بنام مولانا محمد مسعود شمیم عثمانی ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ)

برادر محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ کل شنبہ کی صبح کو مسجد نور سے جماعتیں روانہ ہو گئیں۔ حضرت شیخ مدظلہ بھی تشریف فرما تھے اور مصافحہ بھی فرمایا، ۲۹ جماعتیں روانہ ہوئیں، اور ۲ جماعتیں اندرون ممالک کام کرنے کے لیے رخصت ہوئیں۔

مدینہ منورہ میں اس ہفتہ خوب سردی رہی، گاہے گاہے بوندیں بھی پڑتی رہیں،

آج بھی عشاء کے بعد کچھ بوندیں پڑی ہیں۔ میری طبیعت الحمد للہ یہاں پر ٹھیک ہے، اگرچہ بھوک بالکل بند ہے، ویسے کوئی تکلیف نہیں، بچیوں کو بچوں کو پچھلے ہفتہ خوب کھانسی زکام نزلہ رہا، صدیقہ کو کچھ نمونیہ کا بھی اثر ہو گیا تھا، اب الحمد للہ عاتکہ تو بالکل ٹھیک ہے صدیقہ بھی اچھی ہے لیکن حفصہ (۲۸) کو خوب کھانسی نزلہ ہو رہا ہے۔

مولوی محمد عمر (۲۹) کو تین چار روز ہوئے بخار ہو گیا تھا، پھر طبیعت سنبھل گئی تھی، لیکن آج پھر ان کے مزاج گڑبڑ ہو گئے ہیں ظہر کے بعد بخار ہو گیا، اس وقت رات کو ۵ بجے کچھ سکون ہے۔

بھائی ابا (۳۰) کی، اور پھوپھا (۳۱) کی خدمت میں سلام مسنون، عزیز سعدی (۳۲) سے بھی اکا قیصر (۳۲ ب) اور اپنے گھر میں والدہ سعدی (۳۳) اور اہلیہ (۳۴) سے بھی سلام مسنون کہہ دیں، صادقہ (۳۵) کو بھی کھانسی زکام ہو رہا ہے، مولوی افتخار (۳۶) بھی تین چار روز کھانسی زکام میں مبتلا رہے، اب الحمد للہ بخیر ہیں، عزیزان (۳۷) کو دعوات، ماموں (۳۸) کی خدمت میں سلام مسنون کہہ دیں۔

والسلام

محمد انعام الحسن غفرلہ

مسجد النور رباب العوالی

المدینہ المنورہ زادہا اللہ شرفاً (مئی ۱۹۷۸ء)

●

(بنام: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہم)

مخدوم مکرم و معظم زادت عنایاتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

چودہ روز مسلسل موت اور حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر آج ساڑھے گیارہ بجے لخت جگر عزیز ہارون (۳۹) ہم سے رخصت ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون! اس کے لیے مغفرت کی

دعا اور پسماندگان کے لیے صبر و سکون اور نعم البدل کی فرمادیں۔ رمضان المبارک کے اوقات مبارک میں ادعیہ کا اہتمام فرمادیں۔ حضرت شیخ کو تار کر دیا گیا۔

محمد انعام الحسن غفرلہ،

جمعہ ۲۹/ شعبان (۲۸/ ستمبر ۱۹۷۳ء)

☆

مخدوم مکرم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بمبئی پہنچنے کی خبر حاجی یعقوب (۴۰) صاحب کے خط سے معلوم ہوگئی تھی اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ جمعرات کو کسی طیارہ سے دہلی پہونچیں گے۔ بندہ جمعہ کو دس بجے دن کے میوات کے لیے روانہ ہوا، اتوار کی شام کو واپسی ہوئی واپس آکر جناب والا کے متعلق دریافت کیا تو کچھ پتہ نہ لگا، لیکن بلال منیار (۴۱) ملاقات کے لیے سورت سے آئے، ان سے یہ معلوم ہوا کہ جمعرات کو دہلی تشریف آوری ہوگئی، کل چہار شنبہ کو روانگی کے وقت ڈاک میں والا نامہ تھا، جس سے تفصیل معلوم ہوئی۔

بندہ تقریباً چار ہفتہ کے لیے سیلون کے سفر پر جارہا ہے، راستہ میں ٹرین ہی سے یہ عریضہ تحریر کیا جارہا ہے۔ صحت انتہائی ناساز ہے، ایک ہفتہ سے روٹی نہیں کھائی، دلیا اور شوربا ہی غذا ہے۔ ضعف بھی خوب ہے، اللہ جل شانہ ہی عافیت اور قوت نصیب فرمادے۔ دعا کی بھی خصوصی اہتمام کے ساتھ درخواست ہے۔

حضرت شیخ کی رجب کے پہلے ہفتہ میں آمد کی اطلاع حضرت شیخ ہی کے والا نامے سے ہوگئی تھی، وسط جمادی الثانیہ میں مکہ مکرمہ اور رجب کے پہلے ہفتہ میں جس پہلے جہاز سے جگہ مل جائے بمبئی ۔..... متعلقین اور حاضرین کی خدمات میں سلام مسنون۔ مراکش کے کچھ حالات وہاں کے خط سے معلوم ہوئے، اللہ جل شانہ جناب والا کو جزائے خیر عطا

فرمادے۔

یہ خط ٹرین میں لکھا تھا لیکن ڈالنے کی نوبت نہیں آئی، مدراس پہونچ کر شیخ کا خط ملا جس میں تیس جون کو بمبئی کی سیٹ کا ہو جانا تحریر فرمایا ہے۔

والسلام

محمد انعام الحسن غفرلہ،

۴ جمادی الثانیہ ۹۶ھ (۳ جون ۱۹۷۶ء)

از محمد عمر پالن پوری سلام مسنون و دعا کی درخواست ۔

☆

بندہ محمد انعام الحسن غفرلہ

نیو دہلی۔ ۷ جولائی ۱۹۷۷ء (۲۰ رجب ۱۳۹۷ھ)

مکرمی و محترمی زیدت معالیکم و مکارمکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا مکتوب گرامی کل کی ڈاک میں ۶ رجولائی کو موصول ہوا۔ آپ کا سلام و پیام مجھے مل گیا تھا اور سفر کی کامیابی اور سہولت اور مقاصد حسنہ میں کامیابی کی دعا بھی ہو گئی تھی، دوست و احباب سے آپ کی نظام الدین آوری اور علی گڑھ کی تشریف بری اور وہاں سے تشریف آوری اور پھر امریکہ کے لیے ہوائی جہاز سے روانگی کا علم ہو گیا تھا۔ کل کے گرامی نامے سے آپ کی دونوں نوعیتوں کی مشغولی معلوم ہوئی۔

اللہ محض اپنے فضل و کرم سے آپ کی تشریف بری کو دین متین کی جڑوں کے استحکام اور دعوت دین اور جہد دین کے شیوع اور وسیلہ کے طور پر قبول فرما کر عالم کے لیے عموماً اور وہاں کے لیے خصوصاً یہاں کے لیے اخص الخصوص خیر کا ذریعہ بنائے۔ وہاں کی مصروف زندگی کا اپنے احباب کے ذریعہ پہلے سے بھی (علم) تھا آپ کے گرامی نامہ سے آپ کی مصروفیت و مشغولیت معلوم ہو کر تصدیق ہوئی۔ آپ کا دونوں حصوں میں دورہ مبارک ہو اور بار آور اور مثمر خیرات ہو۔ مادیت کے سب بڑے مرکز کی پھمدانی اور ناچیزی

کے وہاں والوں پر خصوصاً اور پورے عالم پر عموماً آپ کی مساعی جمیلہ کے ذریعہ واضح اور منکشف ہونے کی غیب سے صورت ہو۔

کرنل صاحب (۴۲) کی ملاقات اور وہاں کے اجتماع میں خطاب معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھرپور جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کی ترقیات روحانی کے اسباب میں ارتقائے شان پیدا فرما کر بلند سے بلند درجات سے نوازے۔

اس سے بے حد مسرت ہوئی کہ جناب نے خالص دین کی دعوت اور دینی ذوق و فہم پیدا کرنے کی کوشش کی، حق تعالیٰ شانہ وہاں کے رنگ و طبقہ کے مسلمانوں کو دعوت کے عمل پر پڑنے اور دین قیم پر زندگی لانے کا شوق وذوق عطا فرما کر آپ کو اجر و ثواب سے مالا مال فرمائے۔

دعوت ایمان میں جس قدر قوت کی مقدار بڑھے گی جس قدر ایمانی قوت کے ساتھ وہاں کے مسلمان پیش کرنے کے عادی ہوں گے اسی قدر دین کے زندہ ہونے کی مکمل صورتیں غیب سے نمودار ہونگی، جس کا معاوضہ آخرت میں مالک کریم اپنی شایان شان عطا فرمائے گا۔

آپ نے کرنل امیر الدین صاحب سے ملاقات کا ذکر فرمایا تھا، آج وہ خود ہی مع ایک جماعت کے اور مع آپ کے گرامی نامہ کے تشریف لے آئے ہیں آپ کے پہلے گرامی نامہ سے آپریشن کے دواعی اور اسباب معلوم ہوئے اور دوسرے گرامی نامہ سے آپریشن کی کاروائی اور اس کی تفاصیل معلوم ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بصارت ظاہری اور بصیرت باطنی میں بے انتہا ترقیات سے نوازے اور آپ کو روحانی و جسمانی پوری صحتوں کی ترقیات فرما کر عافیت و سہولیت کے ساتھ واپس لائے، آپ کے فیوض و برکات کو اور آپ کے اثر و تاثیرات کو آپ کے بعد وہاں دیرپا بنائے۔

اگرچہ آپ کے دونوں خط یکم جولائی کے بعد ملے لیکن مولانا معین اللہ صاحب (۴۳) ندوی نے آپ کے آپریشن (۴۴) کے متعلق تحریر فرمادیا تھا، جو عین وقت پر پہونچ گیا تھا

اور بندہ نے اسی وقت اپنے احباب کو دعاء کے لیے عرض کر دیا تھا، سبھی دوست واحباب دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی اس آپریشن کو بہت کامیاب فرمائے اور آپ کو پوری عافیت کے ساتھ واپس لائے۔

عزیز مولوی محمد زبیر الحسن سلمہ الحمد للہ بخیر ہیں۔ اللہ تعالی نے محض اپنے فضل و کرم سے اس کی ایک آنکھ کا مرحلہ تقریباً پورا فرمادیا ہے اور نتیجہ بہتر سے بہتر برآمد ہوا ہے، انشاء اللہ پڑھنے لکھنے میں اب سہولت ہو گی۔

مولوی محمد رابع (۴۶) سلمہ سے میرا سلام مسنون کہیں ، اللہ تعالی ان کو اس سفر کی رفاقت کا بھرپور اجر عطا فرمائے۔ آپ کے دوسرے گرامی نامہ سے احباب حجاز وغیرہ کی ملاقات کی اطلاع ملی ، اللہ تعالی ان دوستوں کو پورا پورا اجر عیادت عطا فرمائے اور ان کی عیادت کو میری عیادت کا قائم مقام بنائے اور مولانا محمد عمر صاحب ، مولانا اظہار الحسن صاحب منشی بشیر صاحب (۴۷) اور محمد بن سلیمان (۴۸)، مولوی احمد الکادی اور عزیز مولوی محمد زبیر الحسن سلمہ ،اور مولانا عبید اللہ صاحب (۴۹) کی جانب سے اور دیگر احباب کی جانب سے سلام مسنون۔

مولانا معین اللہ صاحب ندوی نے حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں بھی آپ کے آپریشن کی بابت تحریر کرنے کو بھی لکھا تھا بندہ نے اسی وقت حضرت شیخ کو تحریر کر دیا تھا۔ حضرت اقدس شیخ نے تحریر فرمایا ہے کہ پی، آئی، اے کراچی سے دلی براہ راست ۲۰/ جولائی کو بوقت شام تشریف لا رہے ہیں اطلاعاً عرض ہے۔

بندہ محمد انعام الحسن غفرلہ (بقلم خادم)

(یہ ایروگرام دہلی سے وڈمیر ، نیویارک ،امریکہ بھیجا گیا تھا)

☆

حضرت نظام الدین، دہلی۔

مخدوم مکرم حضرة الحاج مولانا ابوالحسن علی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۲؍ جولائی کا تحریر فرمودہ والانامہ موصول ہوا تھا جس کو بندہ ہمراہ سہارنپور لے گیا تھا اور حضرت شیخ کو سنادیا گیا تھا، حضرت والا کی بخیر و کامیاب تشریف آوری پر ہدیہ تبریک پیش ہے اور بمبئی و دہلی کے درمیان طیارہ کے خطرہ کی کیفیت سے عافیت پر مزید خدا کا شکر ہے۔ دونوں سفر میں آمد و رفت میں ملاقات نہ ہونے کا قلق ہے، اللہ جل شانہ باحسن وجوہ خیریت کے ساتھ خوشی کے ساتھ مقدر فرمائے۔

ماہ مبارک سر پر آگیا اور اپنی ناکارگی اور فطری پستی اب ساٹھ کے سن پر پہونچ کر اپنے شباب پر ہے بجز مخلصین کی دعاؤں کے اور فضل خداوندی کے کوئی راہ نجات نہیں۔ دعاہائے خصوصی کی التجا ہے کہ بہت ہی پسماندہ اور درماندہ ہوں۔

والسلام

محمد انعام الحسن غفرلہ،

۲۴ شعبان ۹۷ھ (۱۰؍ اگست ۱۹۷۷ء)

رات ساڑھے بارہ بجے شاہد سلمہ کے ایک دختر تولد ہوئی، زچہ و بچہ کے لیے بھی دعا کی درخواست ہے۔

☆

حضرت نظام الدین دہلی۔

مکرم و محترم حضرت مولانا زاد مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آج ۲۲؍ مارچ کو گرامی نامہ نے مشرف فرمایا مزاج کی ناسازی تو اب ایسی لازمہ زندگی بن گئی ہے کہ سازگاری کی امیدیں ہی ختم ہو گئیں بندہ خود اپنی بیماری میں ایسا الجھا ہوا ہے کہ بس خدا ہی اپنا فضل فرمادے۔

گودھرا کا اجتماع محض خدائے پاک کے فضل سے بخیر خوبی انجام کو پہونچا، اللہ جل شانہ قبول فرمائے اور دین کی حیات کا ذریعہ فرمائے۔ بیرونی مہمانوں کی آمد بھی محض عربوں ہی کی سینکڑوں سے متجاوز تھی، امریکہ، یورپ، فجی، ویسٹ انڈیز وافریقہ کے بھی صدہا تک پہونچ گئے تھے، حالانکہ ان لوگوں کو دعوت نہیں دی گئی خدا ہی نے جمع فرمایا اور اسی نے کارسازی فرمائی۔ فلہ الحمد ولہ الشکر!

حضرت شیخ کا یکم مارچ کے بعد کوئی والا نامہ نہیں آیا یکم مارچ کو عزیز زبیر سلمہ، دہلی پہونچا، وہی لے کر آیا تھا اس کے بعد کوئی نہیں آیا۔ سہارنپور سے عزیزان طلحہ (۵۰) و شاہد (۵۱) و سلمان (۵۲) آئے تھے ان سے بھی معلوم کیا گیا، وہاں پر بھی کوئی خیر وخبر نہیں۔ ان تینوں ہفتوں میں کوئی خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ یکم اپریل سے بھائی عبدالمقیت (۵۳) کے یہاں اجتماع ہے وہاں اپنا جانا بھی طے شدہ ہے، لیکن امراض وضعف وپست ہمتی دامن گیر ہے، دعاہائے خصوصی کا ضرور اہتمام فرماویں۔

نقل روایات کے بارے میں جو جناب نے تحریر فرمایا وہ بالکل درست ہے، بندہ کو بھی اس کا تجربہ ہے، بغیر کسی بنیاد کی بھی روایات نقل کر دی جاتی ہیں۔ لیکن اس وقت جناب کے تحریر فرمانے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی، بندہ کے پاس نہ کوئی روایت جناب کی طرف سے حال میں پہونچی ہے اور نہ الحمد للہ کوئی خیال یا واہمہ کسی قسم کا اپنے اندر محسوس ہوتا ہے۔ الحمد للہ دل میں اہل بیت کی محبت کو ذخیرۂ آخرت اور نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے، اور اللہ جل شانہ آئندہ بھی ہر رذیلہ سے محفوظ فرماوے۔

ویسے بندہ ہر اعتبار سے انتہائی ضعیف اور نحیف ہے اللہ جل شانہ کے ہی فضل سے کشتی پار ہووے گی، جناب والا سے بھی لجاجت کے ساتھ دعا کی اپنے لیے اور متعلقین کے لیے نیز عزیز زبیر کے لیے استدعاء ہے، عزیز زبیر کی والدہ (۵۴)، اہلیہ (۵۵) ہمشیرہ (۵۶) تینوں بیمار ہیں۔ مولانا سعید خاں (۵۷) بھی تشریف لائے ہوئے ہیں، وہ بھی بھائی عبدالمقیت کے یہاں جارہے ہیں رفقاء و متعلقین کی خدمات میں سلام مسنون۔

والسلام

محمد انعام الحسن غفرلہ،

۲۲/ مارچ ۱۹۷۸ء (۱۱/ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ)

از محمد عمر پالن پوری : سلام قبول فرمائیں اور دعائیں کرتے رہیں اس سے ہمت بندھی رہتی ہے۔

●

(بنام : حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی)

مکرم محترم مولانا صدیق احمد صاحب ۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

گرامی نامہ باعث عزوافتخار ہوا بیماروں کی بیماری سے قلق ہوا۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ بیماروں کو صحت وعافیت قوت وہمت نصیب فرماکر جناب کے لیے سکون کا ذریعہ فرمائے۔

مفتی عبدالرزاق صاحب کے شائع کردہ نظام سے حضرت والا کی تشریف آوری کا مثردہ سنا تھا لیکن اللہ جل شانہ عم نوالہ کی تقدیر سب پر حاکم ہے۔

بندہ بھی دعاؤں کا خواستگار ہے بندہ کے لیے اور اس دعوت کے کام کے لیے دعا فرماتے رہیں کہ اللہ جل شانہ اس بندہ کو رذائل سے محفوظ فرماتے ہوئے عافیت کے ساتھ موت تک لگائے رکھے اور اس ناپاک کی گندگیوں سے اس مبارک کام کی حفاظت فرمائے۔

فقط والسلام

بندہ محمد انعام الحسن غفرلہ

(تاج المساجد بھوپال ۲۵ دسمبر ۱۹۹۳ء)

بقلم محمد شاہد سہارنپوری



ذیل میں حضرت قاری صدیق احمد صاحب کا حضرت مولانا کے نام وہ مختصر گرامی نامہ

درج کیا جاتا ہے جس کے جواب میں حضرت مولانا انعام الحسن نے درج بالا خط لکھا تھا۔

"باسمہ تعالیٰ

مخدومی حضرت اقدس دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خدا کرے حضرت والا بعافیت ہوں دو داماد اور ایک بھتیجے کی طبیعت خراب ہے یہاں علاج سے فائدہ نہیں لکھنو لے کر جانا ہے اس مجبوری کی وجہ سے بھوپال اجتماع میں حاضری نہ ہو سکی حضرت سے دعا کی درخواست ہے"۔

●

(بنام جناب افتخار احمد صاحب فریدی۔ مراد آباد، یوپی)

مکرم و محترم بندہ جناب فریدی صاحب مدفیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کے جانے کے بعد سے آپ کے فرمان کے مطابق خیال لگا رہا کہ ایک عریضہ تو فوراً تحریر کردوں پھر منشی بشیر (۵۹) اور منشی انیس (۶۰) سے درخواست کرتا رہوں گا، آپ کے جانے کے بعد یکشنبہ کو ٹانڈہ سے کچھ حضرات تشریف لائے، مولانا جمیل اور مولانا علیم اللہ صاحب بھی تشریف لائے ہیں، کل کو تین روز کے لیے میوات تشریف لے جارہے ہیں، مراد آبادی مستورات کے ہمراہ کل کو چار پانچ روز کے لیے دہلی کی مستورات اماں جی (۶۱) کی ہمراہی میں جارہی ہیں۔ میرٹھ سے اب تک کوئی نہیں آیا۔ آج جماعتوں کو جن میں دو میوات گئی ہیں اور دو یوپی کی طرف گئی ہیں، جن میں ایک حجاج کی ہے جو حج کے لیے جانے والے ہیں، وہ اپنے سفر میں حجاج ہی کو آمادہ کریں گی۔ بمبئی کے کام کے متعلق جمعہ کو دریافت کیا تھا اس وقت تو کچھ ذہن میں نہ آیا، اب چند امور ذہن میں ہیں وہ عرض کرتا ہوں کہ ان کی طرف متوجہ کرتے رہیں۔

۱۔ عورتوں میں دینی احساس کی جدوجہد کی طرف توجہ کی جائے، جب کہ پہلے شروع ہو چکا ہے اب تھوڑے متوجہ کرنے سے پھر اجرا ہو سکے تو جاری کرنے کی

کوشش کریں۔

۲۔ عرب لوگوں کو متوجہ کرنے کی صورتیں اختیار کی جائیں۔

۳۔ بمبئی کے کام کو جس نہج پر کیا جائے گا، وہی نہج اور جگہوں کے لیے اسوہ ہوگا، لہٰذا اس کے صحیح نہج پر ہونے کے لیے پوری کوشش فرمادیں۔ ابتداء میں جس کا صحیح نہج غربا اور ضعفا ہیں یہ ہی اصل زمین ہے، ممتاز اور سربر آوردہ اشخاص کو آمادہ فرما کر ان لوگوں میں گشت وغیرہ کیا جائے اور ان کے ساتھ عملی صورتیں زیادہ پیدا کی جائیں، دعاؤں میں کثرت سے یاد فرماتے رہیں، خصوصاً ماہ مبارک میں جب عملی صورتوں میں اشتغال کے وقت ضرور لحاظ رکھیں۔

حجاز جانے والوں کے متعلق تفصیلی معلومات سے اگر مطلع کردیں تو اچھا ہے، اور لوگوں نے کچھ بھی نہ لکھا کہ کیا صورتیں اور مراحل ان کے خرچ وغیرہ کی ہوئیں، اور کس مقدار کو تجویز کیا گیا۔ مولانا محمد یوسف صاحب سلام فرماتے ہیں، سب جاننے والوں سے سلام فرمادیں۔



والسلام

محمد انعام الحسن غفرلہ،

(مہر ڈاک خانہ ۲ر جون ۱۹۵۰ء)

☆

بستی حضرت نظام الدین، دہلی

مکرم و محترم فریدی صاحب اصلح اللہ بالکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ۱۶ر مارچ کا لکھا ہوا خط ۳۱ر مارچ کو ملا، آج یکم اپریل کو جواب لکھایا جارہا ہے، کل شنبہ ۲ر اپریل کو انشاء اللہ عید ہے۔ کارگزاری سے مسرت ہوئی، عام کارگزاری سے بہت زیادہ کہ یہ بڑی جگہ کے نام کی خبریں تھیں۔ پڑھے لکھے طبقے کو عوام میں پھرانا وجود میں آجائے، تو معاشرت کے عجائبات ظہور پذیر ہوں، احمد مرزوقی کے افاقہ سے خوشی

ہے، اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عاجلہ مستمر نصیب فرمائے، ان کو بھی اہلیہ محترمہ کو بھی۔

قاری محمد طیب (۶۱) صاحب اس بار بمبئی ہی سے منشرح ہیں، مگر ہماری اور احباب کی جانب سے غلط خبریں مضر ہو جاتی ہیں، حق تو انھیں حضرات کا ہے کہ کام کو سنبھالیں اور حقائق کو کھولیں، اللہ تعالیٰ اس انشراح میں دوام عطا فرمائے۔

حضرت شاہ امان اللہ صاحب (۶۲) پھلواری شریف کی نظام الدین اولیاء تشریف پر اگر کوئی انتظام اطلاع کا بھی ہو تو استفادہ کا موقعہ بہتر ہو۔

منور صاحب کی طرف کو اگر مناسب اور تسلی کے قابل جماعت بن جائے اور سب ساتھیوں کا مشورہ بھی ہو تو تشریف لے جائیے کچھ مضائقہ نہیں۔

محمد انعام الحسن صاحب (بقلم رحمت اللہ غفرلہ،)

(۹/ذی الحجہ ۱۳۸۶ء۔ جمعہ یکم اپریل ۱۹۶۶ء)

●

(بنام محمد نعیم صاحب جے پور)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

بنگلہ والی مسجد
۲۳/دسمبر ۱۹۸۹ء

مکرم بندہ محمد نعیم صاحب وفقنا اللہ وایاکم بما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کا خط ملا، حالات کا علم ہوا، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی محنتوں کوششوں اور قربانیوں کو قبول فرمائے، اخلاص اور استقامت نصیب فرمائے۔ کسی کی مخالفت کا خیال نہ کریں، نہ کسی سے بحث و مباحثہ میں پڑیں، بس اپنا کام کرتے رہیں اور اپنی بے بسی اور بے صلاحیتی اور کمزوریوں کو اللہ کے سامنے پیش کر کے اللہ پاک ہی سے مانگیں۔ ہدایت اسی کے ہاتھ میں ہے، لوگوں کے دل اسی کے قبضے میں ہیں، وہی دلوں کا پھیرنے والا ہے۔ ہمیں تو بس احسن طریقے سے اپنی ترتیب پر کام کرتے رہنا ہے۔ جب ہماری قربانیاں اللہ پاک کے

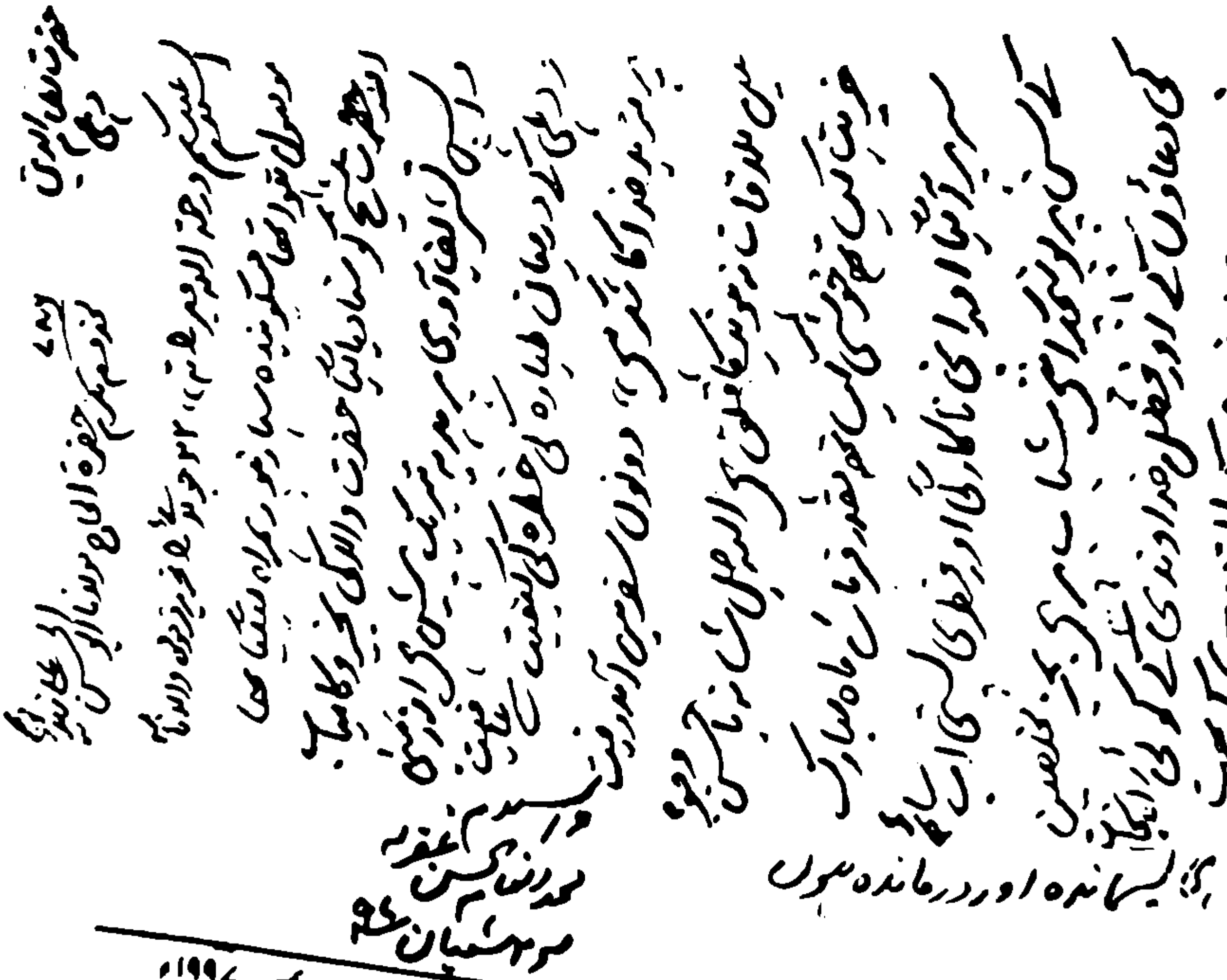
نزدیک قابل قبول ہوں تو پھر اللہ پاک اپنی قدرت سے دین کو پھیلائیں گے۔

کسی پر تنقید و تبصرہ نہ ہو، ہر ایک سے اکرام کے ساتھ پیش آئیں، جس کی جتنی ہو سکے مدد کریں۔ لوگوں کو مانوس کرنے کی کوشش کریں، جب لوگ آپ سے مانوس ہوں گے آپ کو اپنا ہمدرد سمجھیں گے تو پھر آپ کی دعوت پر دین سے بھی مانوس ہوں گے۔ اپنے علاقے کے پرانے کام کرنے والوں کے مشورہ سے کام کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔ آسان فرمائے، حالات سے بددل نہ ہوں، گھبرائیں نہیں، اپنی محنت اور طریقہ محنت پر بھرپور یقین کے ساتھ کام کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی محنتوں کو بار آور فرمائے۔

فقط والسلام

بندہ محمد انعام الحسن (بقلم محمد محسن)

(بشکریہ جناب عبدالرؤف خاں صاحب - حمیدیہ لائبریری، ادئی کلاں، گنگا پور سٹی، راجستھان)



حواشی مکتوبات مولانا انعام الحسن صاحب

(۱) حضرت مولانا محمد الیاس خلف مولانا محمد اسمٰعیل جھنجھانوی ثم کاندھلوی، کاندھلہ میں ۱۳۰۳ھ میں ولادت ہوئی، گنگوہ اور مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کی، ۱۳۲۸ھ سے ۱۳۳۲ھ تک مظاہر علوم میں ہی مدرس رہے، ۱۳۳۶ھ میں کاندھلہ سے نظام الدین منتقل ہوئے اور ۱۳۴۵ھ میں پہلے حج کے بعد تبلیغ کے کام کو وسیع کیا، پنجشنبہ ۲۲/رجب ۱۳۶۳ھ ۱۲/جولائی ۱۹۴۴ء کو دہلی میں وفات ہوئی۔ بنگلہ والی مسجد میں دفن کئے گئے۔

(۲) مولوی نصیر خلف محمد عبد اللہ موضع علے یار پور (المعروف بہ جلالیہ کلیہ نزد سنسار پور) ضلع سہارنپور، ۱۳۱۸ھ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے، ۱۳۳۰ھ میں بغرض تعلیم سہارنپور آئے اور پوری عمر یہیں گزار دی۔ جمادی الاول ۱۴۰۱ھ میں وفات ہوئی، سہارنپور کے قبرستان حاجی کمال شاہ میں دفن کئے گئے۔

(۳) مولوی عقیل کے حالات کا علم نہ ہو سکا، مولانا انعام الحسن کے الفاظ سے تاثر ملتا ہے کہ موصوف حضرت شیخ کے خادم تھے

(۴) سلیمان ہاشم مکہ مکرمہ کے مشہور معلم تھے، ان کے خاندان میں مطوفی کا سلسلہ جاری ہے۔ اس خاندان کے افراد آج بھی اس خدمت میں مشغول ہیں۔

(۵) مولانا ظہیر الحسن خلف مولانا علاء الحسن ۲۷/ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ ۱۴/ستمبر ۱۸۹۸ء میں کاندھلہ میں پیدا ہوئے، عربی اور انگریزی کے جید عالم تھے، ۲۳/ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ ۹/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو فرقہ پرست ہندوؤں کی سازش پر ایک ایسے غیر مسلم نے مولانا کو گولی مار کر شہید کر دیا جو پچھلے چوبیس برس سے ایک وقت کا کھانا انہیں کے ساتھ کھاتا تھا۔

(۶) مولانا محمد سلیم خلف مولانا محمد سعید عثمانی کیرانوی (ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ) ۶/صفر ۱۳۲۳ھ ۱۲/اپریل ۱۹۰۵ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، ۱۳۴۵ھ میں مدرسہ صولتیہ کے نگراں مقرر ہوئے، ۵۲ سال تک مدرسہ کے مہتمم رہنے کے بعد ۳۰/رجب ۱۳۹۷ھ ۱۸/جولائی ۱۹۷۷ء دوشنبہ کو انتقال ہوا، جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ میں دفن کئے گئے۔

(۷) ماسٹر محمود الحسن خلف مولانا حکیم عبد الحمید بڈولوی ثم کاندھلوی ۴/ربیع الاول ۱۳۱۳ھ ۲۵/اگست ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے، ۳۰/ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ ۳/جنوری ۱۹۷۶ء کو مکہ میں وفات پا کر جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔

(۸) مولوی جی، یعنی حضرت مولانا محمد الیاس، خاندان کے افراد مولانا کو مولوی جی یا بڑے مولوی جی کہتے تھے۔

(۹) حاجی عبد الرحمٰن اُٹاوڑ (میوات) کے باشندے اور ایک ہندو گھرانے کے فرد تھے، بچپن میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے ان کو مسلمان ہونے کا حکم دیا، موصوف نے تعمیل ارشاد میں اسلام قبول کیا، اور روحانیت کے بلند مراتب طے کرتے ہوئے مستجاب الدعوات اور صاحب تاثیر بزرگ ہوئے۔ معمولی پڑھے لکھے تھے مگر جید علماء اکے مواعظ میں شرکت کرتے اور استفادہ کرتے تھے، دوشنبہ کی شب میں ۹ بجے ۴/ربیع الثانی ۱۹/مارچ ۱۹۴۵ء کو وفات پائی۔

(۱۰) حضرت مولانا، شاہ عبد القادر رائے پوری خلف حافظ احمد، موضع ڈھڈیاں ضلع سرگودھا (پاکستان) کے مایہ ناز فرزند، تقریباً ۱۲۹۰ھ میں ولادت ہوئی حضرت شاہ عبد الرحیم سے بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے۔ ۱۴/ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ ۱۴/اگست ۱۹۶۲ء کو وفات پائی۔

(۱۱) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا خلف مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی، رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۸ء میں ولادت ہوئی ۱۳۳۶ھ میں مظاہر علوم میں استاد مقرر ہوئے، حدیث میں اعلیٰ درجہ کی کتابیں لامع الدراری علی جامع البخاری اور اوجز المسالک علی مؤطا امام مالک وغیرہ تصنیف فرمائیں۔ تقریباً ساٹھ سال تک حدیث شریف کی اعلیٰ کتابوں کا درس دیا۔

۲/ شعبان ۱۴۰۲ھ ۴/ مئی ۱۹۸۲ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی بقیع میں دفن کیے گئے۔

(۱۲) احمد حسن خلف حاجی محمد محسن بن محمد احسن کاندھلوی، ۱۷/ محرم ۱۳۴۲ھ ۲۰/ اگست ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ کاندھلہ، بھوپال اور دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان چلے گئے تھے وہیں چند سال پہلے انتقال ہوا۔

(۱۳) سعید الرحمٰن خلف مولانا لطیف الرحمٰن کاندھلوی، ۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۵ھ ۳/ دسمبر ۱۹۲۶ء میں ولادت ہوئی، شیخ الحدیث کی دختر راشدہ صاحبہ سے ۱۳۶۵ھ میں نکاح ہوا مگر عمر نے وفا نہ کی، عین جوانی میں ۱۹/ شوال ۱۳۶۶ھ ۴/ ستمبر ۱۹۴۷ء جمعہ کی شب میں وفات ہوئی۔

(۱۴) منھی، راقم سطور کی والدہ مرحومہ کی بچپن کی عرفیت ہے، نام رقیہ خاتون ہے، سعید الرحمٰن کی ہمشیرہ اور مولانا لطیف الرحمٰن کی دختر، ۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۳۶۵ھ ۲۱/ اپریل ۱۹۴۶ء کو حضرت مولانا افتخار الحسن مدظلہ سے نکاح ہوا، ۱۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ ۱۹/ ستمبر ۱۹۹۴ء کو رحلت کی، کاندھلہ میں دفن کی گئیں۔

(۱۵) امت العظیم (والدہ مولانا انعام الحسن) دختر مولانا حکیم عبد الحمید بڈولوی ثم کاندھلوی، تاریخ پیدائش معلوم نہیں، وفات ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ نومبر ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔

(۱۶) مولوی حکیم قمر الحسن خلف مولانا رؤف الحسن کاندھلوی، عمدہ ذہن تھا معالجات میں ممتاز تھے، دق میں مبتلا ہو کر ۷/ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو وفات ہوئی۔

(۱۷) ڈپٹی مظہر الحق خلف حافظ احسان الحق ابن منشی دوست علی کاندھلوی، ایم اے او کالج علی گڈھ میں تعلیم حاصل کی علی گڈھ تحریک کے ایک ممتاز رکن تھے طلبہ کی تحریکوں، کھیل نیز تعلیم میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ ۱۴/ فروری ۱۹۳۸ء کو وفات ہوئی، کاندھلہ میں دفن کیے گئے۔

(۱۸) حاجی محمد محسن خلف حاجی محمد احسن (از اخلاف حضرت مفتی الٰہی بخش) کاندھلوی، ۱۰/ صفر ۱۳۱۳ھ ۲/ اگست ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے، ذہن بہت مرتب اور اعلیٰ درجہ کا تھا، ۲۶/ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ ۶/ ستمبر ۱۹۵۳ء کو بھوپال سے کاندھلہ آتے وقت دہلی میں وفات پائی، نظام الدین کے قبرستان پنج پیران میں دفن کیے گئے۔

(۱۹) مولانا مصباح الحسن خلف مولانا حکیم نجم الحسن ابن مولانا رؤف الحسن کاندھلوی، ۲۰/ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ ۷/ مارچ ۱۹۱۵ء کو ولادت ہوئی، نظام الدین اور سہارنپور میں تعلیم پائی، یکم محرم الحرام ۱۳۹۵ھ ۱۵/ جنوری ۱۹۷۵ء کو علی گڈھ میں وفات ہوئی، کاندھلہ میں دفن کیے گئے۔

(۲۰) مولانا احتشام الحسن خلف مولوی رؤف الحسن کاندھلوی، ۱۶/ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ ۱۱/ مئی ۱۹۰۶ء کو ولادت ہوئی تبلیغی کام میں مولانا محمد الیاس کے مشیر اول رہے اور عرصۂ دراز تک مرکز تبلیغ نظام الدین میں قیام کیا، تبلیغی جماعت کے تعارف پر ابتدائی کتابیں مولانا موصوف کے ہی قلم سے لکھی گئیں۔ ۱۷/ شوال ۱۳۹۱ھ ۴/ دسمبر ۱۹۷۱ء کو وفات ہوئی، کاندھلہ میں مدفون ہوئے۔

(۲۱) ایوب، غالباً متولی عقیل کے خادم اور گھسولی کے باشندہ تھے

(۲۲) میاں جی محراب، تبلیغی جماعت کے ممتاز رکن اور حضرت مولانا الیاس کے خاص تربیت یافتہ ہیں، اور اب مرکز تبلیغ میں مولانا محمد الیاس کے فیض یافتہ آخری شخص ہیں۔

(۲۳) حافظ محمد صدیق نوح میوات کے باشندے تھے، مولانا محمد یوسف کے عہد امارت میں تبلیغی کارکن تھے۔ ۱۹۷۰ء کے قریب وفات پائی۔

(۲۴) مولانا اظہار الحسن خلف مولانا رؤف الحسن کاندھلوی ۷/ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ ۳/ستمبر ۱۹۱۹ء میں ولادت ہوئی۔ مولانا محمد یوسف کی وفات کے بعد مرکز کے تمام اندرونی کاموں کے نگراں اور ذمہ دار رہے۔ ۱۳/اگست ۱۹۹۶ء کو اچانک وفات پاگئے۔

(۲۵) فاطمہ، دختر مولانا محمد ہارون کاندھلوی ۱۲/ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ ۲۳/اگست ۱۹۶۳ء میں پیدا ہوئیں۔ مولانا محمد شمیم ناظم مدرسہ صولتیہ کے فرزند محمد حلیم سے نکاح ہوا، مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔

(۲۶) زیب النساء خالدہ، دختر مولانا اظہار الحسن، ولادت یکم ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ ۹/مئی ۱۹۴۰ء ہے، مولانا ہارون سے نکاح ہوا، نظام الدین میں مقیم ہیں۔

(۲۷) رقیہ، راقم سطور کی والدہ مرحومہ حاشیہ (۱۴) پر تعارف گزر چکا ہے۔

(۲۸) عاتکہ، صدیقہ اور حصہ، مولانا انعام الحسن کے فرزند مولانا زبیر کی بچیاں ہیں۔

(۲۹) مولانا محمد عمر پالنپوری، موضع گٹھامن ضلع پالن پور گجرات کے باشندے تھے مولانا محمد یوسف کے زمانہ میں مرکز تبلیغ سے وابستہ ہوئے اور اسی کے ہو رہے۔ مولانا دین کے بڑے داعی، بڑے مبلغ اور بہت بڑے مقرر تھے، ضبط اوقات اعلیٰ درجہ کا تھا ۱۳/محرم ۱۴۱۸ھ ۲۰/مئی ۱۹۹۷ء کو وفات پائی، پنج پیران نظام الدین دہلی میں دفن کئے گئے۔

(۳۰) بھائی ابا، یعنی مولانا محمد سلیم عثمانی ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ حاشیہ (۶) پر تذکرہ آگیا ہے۔

(۳۱) مولانا حکیم محمد یامین خلف حافظ محمد یونس کاندھلہ میں پیدا ہوئے، مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے، (غالباً) ۱۴۰۱ھ میں وہیں وفات پائی۔

(۳۲) سعدی، محمد سعید خلف حکیم محمد نعیم، مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، مکہ میں کاتب العدل کے عہدہ پر فائز رہے۔ ۴/ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ بروز جمعہ ۱۱/نومبر ۱۹۸۸ء کو اچانک انتقال ہو گیا۔

(۳۲ب) ذکیہ سلطانہ قیصر، دختر مولانا حکیم عبد الحمید بڈولوی، زوجہ مولانا محمد سلیم کی، مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا۔

(۳۳) والدہ سعدی، طاہرہ خاتون، دختر پروفیسر محمد عثمان کاندھلوی، شنبہ کی شب ۱۸/شوال ۱۴۱۶ھ ۹/مارچ ۱۹۹۶ء کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

(۳۴) اہلیہ سعدی، سلمیٰ خاتون، دختر مولانا مصباح الحسن صاحب کاندھلوی، شوال ۱۳۶۲ھ ستمبر ۱۹۴۳ء کو گنگوہ میں ولادت ہوئی، مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔

(۳۵) صادقہ، دختر قاری شجاع الدین عثمانی کیرانوی، زوجہ مولانا محمد شمیم عثمانی، مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔

(۳۶) مولانا افتخار الحسن خلف مولانا رؤف الحسن کاندھلوی، ولادت ۱۱/جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ ۱۰/جنوری ۱۹۲۲ء مظفرنگر اور سہارنپور میں تعلیم پائی، خلافت حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری سے ملی، ۱۹۴۸ء سے کاندھلہ میں درس قرآن کا سلسلہ جاری ہوا جس کے تین دور مکمل ہو چکے، چوتھا دور مسلسل بیماری اور کمزوری کی وجہ سے درمیان میں چھوڑنا پڑا، آپ علاقہ کے نامور مفتی، مرجع خلائق اور مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ (مد ظلہم العالی ودامت برکاتہم)

(۳۷) عزیزان، یعنی مولانا محمد شمیم عثمانی کیرانوی ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے فرزندان، جناب محمد حشم (ماجد سعید) محمد زمیم (احمد سعید) محمد حلیم ( ) اور محمد ندیم (یوسف سعید) صاحبان۔

(۳۸) ماموں، ماسٹر محمود الحسن خلف حکیم عبد الحمید کاندھلوی، حاشیہ (۷) میں تعارف گزر گیا ہے۔

(۳۹) مولانا محمد ہارون خلف مولانا محمد یوسف کاندھلوی، ۲۴/رمضان ۱۳۵۸ھ ۸/نومبر ۱۹۳۹ء کو پیدا ہوئے،

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے خلافت سے سرفراز فرمایا، مولانا یوسف کی وفات کے بعد تبلیغی کام میں نمایاں اور سرگرم رہے، عمر نے وفا نہ کی، چند روزہ بیماری کے بعد جمعہ ۲۹/ شعبان ۱۳۹۳ھ ۲۸/ ستمبر ۱۹۷۳ء رحلت فرماگئے۔

(۴۰) حاجی محمد یعقوب بمبئی کے رہنے والے، تاجر پیشہ اور دینی مزاج رکھنے والے نہایت مخلص شخص تھے ۱۹/ شوال ۱۴۰۲ھ ۱۰/ اگست ۱۹۸۲ء کو وفات ہوئی۔

(۴۱) بلال خیار، سورت گجرات کے ممتاز دینی اور تجارت پیشہ خیار خاندان سے وابستہ ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ ۱۹۷۷ء سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔

(۴۲) کرنل امیر الدین، ریاست بھوپال کی ایک مشہور سرگرم دینی تبلیغی شخصیت ہیں، برسوں امریکہ میں تبلیغ دین کی خدمت انجام دی۔

(۴۳) مولانا معین اللہ صاحب ندوی، اندور کے باشندہ اور صدیقی خاندان سے وابستہ، تقریباً ساٹھ سال سے ندوۃ العلماء لکھنؤ کی خدمت اور نگہداشت میں مشغول اور ندوہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نائب انتظامی (نائب ناظم) ہیں۔

(۴۴) آپریشن، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے آنکھ کے آپریشن کی طرف اشارہ ہے جو ۱۱/ رجب ۱۳۹۷ھ ۸/ جون ۱۹۷۷ء کو شکاگو (امریکہ) میں ہوا، یہ آپریشن بعض حیثیتوں سے بڑا اہم اور نازک تھا، اس لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، مولانا انعام الحسن وغیرہ اکابر اور بزرگ دین اس طرف متوجہ تھے، مولانا ندوی نے کاروانِ زندگی (آپ بیتی) جلد دوم میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(۴۵) مولوی زبیر الحسن، صاحبزادہ مولانا انعام الحسن ۱۰/ جمادی الثانی ۱۳۶۹ھ ۳۰/ مارچ ۱۹۵۰ء کو پیدا ہوئے، نظام الدین دہلی اور سہارنپور میں تعلیم حاصل کی، حضرت شیخ سے خلافت واجازت حاصل ہے اور عالمی تبلیغی مرکز بنگلہ والی مسجد میں تبلیغی خدمات میں معروف ہیں۔

(۴۶) مولانا محمد رابع ندوی خلف مولانا سید رشید احمد صاحب، مولانا عبد الحی حسنی رائے بریلوی کے نواسے اور مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کے بھانجے، نامور عالم ادیب اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم اور متعدد کتب کے مؤلف ہیں۔

(۴۷) منشی بشیر، فیروز پور جھرکہ (میوات) کے باشندے ہیں، مولانا محمد الیاس کے زمانہ سے ہی تبلیغی کام میں سرگرم رہے۔ ۱۳/ صفر ۱۴۱۲ھ ۲۴/ جولائی ۱۹۹۱ء کو وفات ہوئی۔

(۴۸) مولانا محمد بن سلیمان جھانجھی، گجرات کے باشندے ہیں، مولانا انعام الحسن کے دور امارت سے وفات تک سفر وحضر میں ساتھ رہے۔

(۴۹) مولانا عبید اللہ بلیاوی خلف مولانا عبد القدیر بن مولانا حبیب بلیاوی، ۲۶/ محرم ۱۳۳۹ھ ۱۰/ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے، غازی پور اور سہارنپور میں علم حاصل کیا، مولانا محمد الیاس کے زمانہ سے تبلیغی جدوجہد میں سرگرم رہے اور مولانا محمد یوسف کے معتمد ترین ساتھیوں میں سے تھے۔ مولانا یوسف کے بعد علمی حیثیت سے سب سے نمایاں اور ممتاز تھے، کئی کتابیں بھی لکھیں۔ ۱۷/ رجب ۱۴۰۹ھ ۲۲/ جنوری ۱۹۸۹ء کو نظام الدین میں وفات ہوئی۔

(۵۰) مولانا طلحہ، ۲/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ ۲۸/ مئی ۱۹۴۱ء کو ولادت ہوئی نظام الدین اور مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کی، کاندھلہ میں حضرت مولانا افتخار الحسن کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔ اپنے والد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سے

۱۳۹۳ھ میں خلافت و اجازت حاصل کی، سہارنپور میں مقیم ہیں۔

(۵۱) مولانا محمد شاہد خلف مولوی حکیم محمد الیاس سہارنپوری، ۷/ربیع الاول ۱۳۷۰ھ ۱۷/دسمبر ۱۹۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ مظاہر علوم میں تعلیم پائی، حضرت شیخ سے خلافت و اجازت ہے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور مظاہر علوم کے معاملات کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

(۵۲) مولانا محمد سلمان خلف مولانا مفتی محمد یحییٰ سہارنپور، ۱۳/ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ ۱۰/اکتوبر ۱۹۴۶ء کو پیدا ہوئے۔ مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کی، علمی کاموں میں حضرت شیخ کے معاون رہے۔ تعلیم کے بعد سے مظاہر علوم سے وابستہ، اور اب گذشتہ ۲ برس سے مظاہر علوم کے ناظم ہیں۔

(۵۳) بھائی عبدالمقیت، تبلیغی جماعت بنگلہ دیش کے امیر ہیں۔

(۵۴) والدہ زبیر، دختر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، غالباً ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ ماہ اگست، ستمبر ۱۹۳۰ء میں ولادت ہوئی، تقریباً ۱۷ برس کی عمر میں مولانا انعام الحسن سے نکاح ہوا، ۵/شعبان ۱۴۰۸ھ ۲۳/مارچ ۱۹۸۸ء کو وفات ہوئی۔

(۵۵) اہلیہ مولوی زبیر، طاہرہ خاتون مولوی حکیم محمد الیاس، ۱۴/ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ ۱۱/دسمبر ۱۹۵۴ء کو ولادت ہوئی۔ ۲۵/شوال ۱۳۸۸ھ ۱۵/جنوری ۱۹۶۹ء کو مولانا زبیر سے نکاح ہوا۔

(۵۶) ہمشیرہ مولوی زبیر، صادقہ دختر مولانا انعام الحسن، یکم ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ ۱۹/دسمبر ۱۹۵۲ء کو ولادت ہوئی، ۲۵/شوال ۱۳۸۸ھ کو مولانا محمد شاہد خلف حکیم مولوی محمد الیاس سہارنپوری سے نکاح ہوا۔

(۵۷) مولانا سعید خان صاحب مدظلہ خلف محمد علی ابن علی محمد۔ موضع کھیڑہ افغان ضلع سہارنپور کے باشندہ ہیں۔ ابتداء میں اسلامیہ اسکول سہارنپور میں تعلیم حاصل کی اور پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے خط و کتابت کے بعد مظاہر علوم میں داخلہ لیا، ۱۳۵۱ھ میں تعلیم مکمل کی، مولانا محمد الیاس کی خدمت میں وقت گزارا اور ۱۹۴۷ء سے بعد میں حجاز میں مقیم ہوگئے، پھر وہاں کا قیام ترک کرکے پاکستان میں قیام فرمایا، مولانا انعام الحسن کی وفات کے بعد مولانا کی ذات گرامی عالمی تبلیغی جماعت کی سب سے بڑی شخصیت ہے۔

(۵۸) مفتی عبدالرزاق، بھوپال مدھیہ پردیش کے عالم اور ایک بڑے مدرسہ کے بانی و مہتمم ہیں۔

(۵۹) منشی انیس احمد بلند شہر کے باشندے تھے، مولانا محمد الیاس کے آخری دور میں تبلیغ میں لگے اور مولانا محمد یوسف کے ابتدائی عہد میں کافی سرگرم تھے، بعد میں نظام الدین میں اشاعت دینیات کے نام سے ایک کتب خانہ قائم کیا اور شب و روز اسی میں مصروف ہوگئے۔

(۶۰) اماں جی، جویریہ خاتون دختر مولوی رؤف الحسن کاندھلوی، زوجہ مولانا محمد الیاس۔ ۶/ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ ۱۸/اکتوبر ۱۹۱۲ء کو مولانا محمد الیاس سے نکاح ہوا۔ ۲۸/ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ ۲۶/اگست ۱۹۶۵ء کو دہلی میں وفات ہوئی۔

(۶۱) مولانا قاری محمد طیب خلف حافظ احمد بن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے، دارالعلوم دیوبند میں علم حاصل کیا ۱۳۵۰ھ میں حضرت تھانوی نے خلافت سے سرفراز فرمایا، ۱۳۴۸ھ ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مقرر ہوئے، اونچے درجہ کے عالم، مقرر اور مصنف تھے آپ کے دوران اہتمام دارالعلوم نے گوناگوں ترقی کی، ۱۹۷۲ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر رہے۔ ۶/شوال ۱۴۰۳ھ ۱۷/جولائی ۱۹۸۳ء میں وفات پائی۔

(۶۲) شاہ امان اللہ پھلواروی، پھلواری کے سلسلۂ مشائخ کے اس دور کے آخری نامور بزرگ اور صاحب علم و فضل درویش صفت شخص تھے چند سال پہلے وفات ہوئی۔

افادات و ارشادات

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی

تقویٰ : جس طرح خار دار جھاڑیوں کے درمیان سے آدمی اپنا دامن بچا کر نکلتا ہے اس طرح ہر نامناسب کام سے بچتے ہوئے زندگی گذاری جارہی ہو۔

توکل : ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھنے کا نام نہیں ہے، بلکہ اپنی پوری کوشش کرنے کے بعد اللہ پر ہی بھروسہ کیا جائے، اور نتیجہ اور انجام کو اللہ پر ہی چھوڑ دیا جائے۔

اخلاص : ناگواریوں کو جھیلا جائے، برداشت کیا جائے، اللہ کی رضا کے لیے سب کو جھیلا جائے برداشت کیا جائے، یہ اخلاص ہے۔

(افادہ مکتوبہ بقلم خود حضرت مولانا)

O

تبلیغ : ایک آسان اور سادہ کام ہے۔ مگر اس میں ایک نزاکت ہے جسے دیکھنا

ہے اور اس کی رعایت کرنا ہے، وہ یہ کہ شیطان اس میں نفس کا میل ملا دیتا ہے اس سے بچنا ہے، اور اس کی فکر کرنی ہے، جتنا ہو رہا ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا ہے، اور محنت کرنی ہے، اور اللہ کے سامنے رونا ہے۔ محنت سے اور اللہ کے سامنے رونے سے فتنوں سے حفاظت ہوگی، اور ترقی ہوگی، کام سادہ ہے، اپنی تجویزوں اور ترکیبوں سے نہیں بلکہ سادگی سے کرنا ہے، اصل چیز جو ہے وہ استقامت ہے، استقامت کے ساتھ، سادگی کے ساتھ محنت کرتے رہیں گے تو کام بڑھے گا اللہ جل شانہ تمہیں شیطانی فریب اور جال کے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

O

ڈنڈیگل کے پرانوں کے اجتماع میں چند ارشادات

مستورات اور طالبات کا کام

دنیا کی ظاہری حیات مردوں اور عورتوں سے مل کر ہے، اللہ پاک نے دنیا مرد اور عورت دونوں کو ملا کر بسائی ہے، اولاد آدم کو ان دونوں سے ملا کر چلایا ہے اسی طرح باطنی حیات بھی دونوں سے ملا کر ہوگی، اگر ایک حصہ میں فساد رہا تو دوسرا باقی نہیں رہ سکتا۔

کام کیا ہے؟ عورتوں میں نماز، تعلیم، ذکر، تلاوت، ہر گھر میں یہ اعمال زندہ ہوں یہ ہے، لیکن یہ کیسے ہو؟ اس کے لیے مردوں کے مشورے سے ان کو جمع کر کے ترغیب دی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، شریعت نے جو قیود رکھی ہیں کام ان کے اندر ہو۔

بعض علاقے کے لوگوں نے مستورات کی جماعت اور اجازت چاہی، دلیل یہ دی کہ

عورتیں سینما جاتی ہیں اور کہاں کہاں جاتی ہیں ۔

میں نے کہا وہ تو اس سے بڑھ کر کرتی ہیں ' ہم بھی چھوڑ دیں ' تو پھر یہ دین کا کام نہیں رہے گا ' دینوی کام رہ جائے گا ۔ فقہا کا فیصلہ ہے کہ عورتوں کا اجتماع نقصان سے بہت کم خالی ہوتا ہے ۔ جو عورت فکر مند ہو وہ اپنے گھر پر عورتوں کو بلائے ' ان کو یہ باتیں سکھائے اور وہ اپنے اپنے ۔یہاں ان باتوں کو عورتوں کو بلا کر سکھائیں ۔ ۲ میل کے اندر بھی جماعت جائے تو محرم ساتھ ہو ' بلکہ ایک میل کے لیے بھی مردوں کے مشورے کے ساتھ محرم کے ساتھ جماعت میں جائیں ۔

کنواری لڑکیاں : ایسے محرم کہ ان کی حفاظت کر سکیں خیالات کی ' عادات کی ' اور ایسی عورتوں کے ساتھ جو اُن کی حفاظت کرسکتی ہوں ' ضرور جماعت میں جائیں ' مگر ان سب شرطوں کے ساتھ اور جن سے دین پر پڑ سکیں ۔

باطل کی نظریہ ہے کہ نوجوانوں میں دعوت کے مقابلے میں رعایت چلائی جائے ۔

O

طالبات میں کام

نماز کی ترتیب اور روزانہ کی تعلیم : ان عورتوں کی نگرانی میں ہو جو مردوں کے مشورے کے تحت کام کرسکتی ہوں ' اور ایک انچ اس سے نہ پلٹیں ۔ ابتدا یہ ہے کہ کسی ایک جگہ جمع ہو کر تعلیم کر لیا کریں ' اور آگے ۔یہاں تک پہنچنا ہے کہ ہر ہر کلاس میں الگ الگ تعلیم ہو ــــــ طبائع شورش پسند ' اور ہنگامہ پسند ہیں ' اور دین کا کام حکمت سکون اور ہدو آرام کے ساتھ ہوتا ہے ۔

شریعت میں تو ایک صبح اور ایک شام (پیدل) سفر بغیر محرم کے اجازت ہے ' مگر ہمارے کام میں ایک میل بھی محرم کے بغیر نہ جائے ۔

محرم میں اصلی چیز حفاظت، تقاہر اور اعتماد ہے، بعض اوقات کم عمر والوں میں یہ چیز ہوتی ہے، اور بعض بوڑھے ہوتے ہیں مگر اُن میں نہیں ہوتی۔

O

طلبا کا کام

جوانی دیوانی ہے، اور دیوانے پن کی کئی شاخیں ہیں، کم سے کم شہوت ہے۔ یہ تو ہمارا انحطاط ہے، تنزل ہے کہ اعداء دین نے انھیں بڑوں سے منقطع کر کے ان کی برکات سے محروم کر دیا اور بڑوں کو چھوٹوں کی شفقت سے محروم کردیا ـــــــ اپنا بڑا جتنا اپنا خیر خواہ اور ہمدرد ہوسکتا ہے اتنا دوسرا نہیں ہوسکتا۔ پچاس برس پہلے ہر چھوٹا اپنے بڑے کے وجود کو ایک نعمت سمجھتا تھا اور ان کی بات سے سرِمو انحراف نہیں کرتا تھا مگر آج بوڑھے کو دقیانوسی خیال کرتے ہیں ـــــــ اعداء دین نے آزاد خیالی کی زہریلی گولی کھلا کر چھوٹوں کو بڑوں کے تجربات سے محروم کر دیا ـــــــ اس لیے ان میں کام شروع کر کے انھیں اپنے بڑوں کے ساتھ جوڑنا ہے، عموم کے ساتھ انھیں جوڑنا ہے۔ مقامی طلباء اپنے محلے کی گشتوں میں ساتھ ہوں اور جو ہوسٹل میں ہیں ان کے کام کا نظام بنایا جائے، انھیں بھی بڑوں کے ساتھ جوڑنا ہے۔

طلبا کے کام میں دو چیزوں کی رعایت ہو: ۱۔ ان کے ادارے کے قانون کے خلاف نہ ہو۔ ۲۔ ان کی تعلیم میں حرج نہ ہو۔

ان دو چیزوں کی رعایت کے ساتھ ان کو عمومی کام میں جوڑنا ہے، اور اگر کوئی خصوصی کام ہو تو اسے ذریعہ بنانا ہے عمومی کام میں جوڑنے کا۔

مقامی کام: سہل اور آسان ہے وہ یہ کہ ہر شخص گشت کرنے والا بن جائے آٹھ دن میں دو گشت کرنے والا بنے، اور یہ گشت برائے گشت نہ ہو، بلکہ ہر شخص کے ذہن میں یہ ہو کہ محلہ کا ہر شخص نماز، ذکر، تلاوت، تعلیم میں جڑنے والا بنے، معاشرت و معاملات درست ہوں۔ ایک بے نمازی کی نحوست چالیس گھروں تک

جاتی ہے ۔ ہمیں اس کا فکر ہو کہ ہمارے ماحول میں ہی نہیں بلکہ پوری بستی میں کوئی بے نمازی نہ ہو ' اور یہ فکر ہو کہ ہر شخص روزانہ کی تعلیم ہفتہ کے دو گشت ' اور ہفتے کے تین دن دینے والا بنے ۔

فلاسفہ کی لائن یہ ہے کہ وہ ایک تھیوری پیش کرتے ہیں مگر زندگی اس سے مطابقت نہیں کرتی ' انبیاء علیہم اسلام کا طرز یہ ہے کہ وہ جو دعوت پیش کرتے ہیں ان کی زندگی اس کے مطابق ہوتی ہے ' یہی وجہ ہے کہ فلاسفہ کی لائن نہیں چلتی ' انبیاء علیہم السلام کی لائن چلتی ہے ۔ ہمارے مقتدا سید الاولین والآخرین ہیں ' ہمیں ان کی مطابقت کرنی ہے ۔

چند بنیادی ہدایات | جس چیز کی فکر لیے ہوئے کام ہو گا اس کے اثرات مرتب ہوں گے ۔ ایمان ہر آن کا عمل ہے ' نماز پانچ وقت کی ' ذکر ہر وقت کا کم از کم صبح و شام کا ۔ معاشرت میں ہر ایک کو اپنے سے بہتر سمجھ کر زندگی گذارنا (معاشرت کے نظام کی درستگی کا پہلا اصول ہے) ایک تو یہ کہ ہمارے قول اور عمل میں مطابقت ہو ۔ اجتماعات میں نفس کے بگاڑ کی زیادہ صورت ہے اور تین دن میں اصلاح کی زیادہ صورت ہے ' اور کام کرنے والوں کے لیے زیادہ ترقی کی شکل ہے ——— قلوب کی استعداد الگ الگ ہے ' اور ہر ایک کے لیے ہدایت کا وقت الگ ہے ' ہم ایک جگہ کو تجویز کر کے محنت کریں ' اور اس کا وقت خدا کی طرف سے نہ آیا ہو تو ہم مایوس ہو جائیں گے اس لیے کام عموم کے ساتھ ہو ۔

جب بارش برستی ہے کہیں گارا ہو جاتا ہے ' کہیں زمین پانی پی لیتی ہے ' اسی طرح دعوت عموم کے ساتھ دیتے رہیں ' کسی کے بارے میں ہم کہہ نہیں سکتے کہ یہ پہلے سمجھے گا یا دوسرا ———

یہ دعوت کیا ہے ؟ | ترغیب ہے تحریص ہے ' تربیت ہے ' تالیف ہے ' سمجھانا بجھانا ' آمادہ کرنا ' چوبیس گھنٹوں میں ڈھائی گھنٹے مسجد میں لگیں یعنی ہمارے روزانہ کے اعمال میں ڈھائی گھنٹہ مسجد کے ہوں ۔ اس میں تعلیم کریں یا گشت کریں ' تلاوت یا ذکر کریں ' یا نماز پڑھیں (اور درست کریں) اس سے مساجد آباد ہوں گی ' مساجد کا آباد ہونا وہاں کی بستیوں کا آباد ہونا ہے ۔

اور مساجد کا ویران ہونا بستیوں کا ویران ہونا ہے' اپنے محلہ کی مسجد میں وقت میں اور اسی طرح ہر ہر مسجد کو آباد کرنا ہے۔

دین سراپا تعدیہ ہے شریعت کا مزاج سادگی ہے' جس عمل میں جتنی زیادہ سادگی ہوگی وہ اتنا ہی شریعت کے زیادہ قریب ہوگا' دین اور شریعت کا مزاج سادگی ہے' اور سادگی زیادہ قریوں (دیہات) میں ہے۔ ایک دن پر اسے بیس دن کا ثواب ملے گا' تمہیں ترس کھانا چاہیے کہ اس کے بیس دن ایسے ہی جارہے ہیں۔

بیرون کی جماعتیں | باہر جانے والی جماعتیں ان ملکوں میں تبلیغ کا نمونہ ہیں۔ ان میں یہ صفات ہونی ضروری ہیں۔

۱۔ ملک دیکھنے کا جذبہ نہ ہو۔

۲۔ دوسری کوئی بنیاد نہ ڈالتے ہوں' قیام یا دوسرا کوئی جوڑ پیدا کرنے کی نہ سوچتے ہوں۔

۳۔ جمنے والے اور اوقات صحیح گذارنے والے ہوں۔

۴۔ وہاں والوں پر اچھا اثر چھوڑنے والے ہوں۔

۵۔ چھ نمبر کے اندر محصور رہتے ہیں۔

۶۔ مشورے کے پابند ہوں۔

۷۔ جانے والوں کی اپنی رغبت اور خواہش کسی خاص ملک کی نہ ہو۔

O

اللہ پاک جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں آدمیوں کے دل اور ان کی ضرورتیں اس کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں' اگر وہ اسے ٹھکراتا ہے تو یہ نعمت اللہ پاک سلب کر لیتے ہیں' وہ ان کی حوائج میں اور ضروریات میں لگا رہتا ہے تو اللہ پاک اعانت فرماتے ہیں اور لوگوں کے اندر اس کی مودت پیدا فرماتے ہیں' اور اگر وہ اکتاتا ہے تو اللہ پاک لوگوں کو دوسروں کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں' آدمی

جتنی ذمہ داریاں اوڑھتا ہے اللہ کی طرف سے اتنی ہی مدد آتی ہے، کام کرنے والے اسے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھیں اس لیے مختلف تقاضوں پر اپنے کام آنے پر اللہ کا شکر ادا کرو، اس پر گھبراؤ مت اور شوق سے اس میں اپنے کو لگاؤ، بقدر شوق اللہ تعالیٰ کی طرف سے دروازہ کھلے گا، اور اعانت ہوگی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اللہ پاک بعض لوگوں کو منتخب کرتا ہے لوگوں کی حوائج پوری کرنے کے لیے، اگر وہ شخص لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتا ہے تو اللہ پاک اور لوگوں کو متوجہ کرتے رہتے ہیں، اگر اکتائے تو اللہ پاک لوگوں کو کسی دوسرے کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں۔ اگر آدمی سمجھے کہ میرے اندر قوت اور صلاحیت نہیں ان کی حوائج کے پورے کرنے کی، یہ تو بھائی اللہ ہی پورا کرتے ہیں۔

تقاضوں کے متوجہ ہونے کو اللہ کی نعمت سمجھیں انھیں شوق سے پورا کریں کہ خدا کی رضا کا جذبہ موجیں مار رہا ہے، تو خدا کی طرف سے اتنے دروازے کھلیں گے کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر اخلاص کے اندر کوئی تار ہٹا ہوا ہے ریا، نفس کا کوئی شائبہ ہے تو پھر مشکل آتی ہے۔

اپنے ضعف کو پیش کر کے اللہ سے مدد مانگنا ہے، اور اپنے کو اس تقاضے میں لگا دینا ہی اللہ کی طرف سے مدد آنے کا ذریعہ ہے۔

کام بہت آسان ہے، بہت نازک ہے، نزاکت یہ ہے حب جاہ، حب مال اپنے کو ممتاز سمجھنا، بات کا منوانا، دوسروں سے اپنے کو بڑا سمجھنا، دین کے کام کو دنیا کی منفعت کا ذریعہ بنانا، یہ بہت سخت ہے حدیث میں اس کی بہت وعید آتی ہے، نو سو ننانوے پیشے دنیا حاصل کرنے کے لیے ہیں۔ اگر دین حاصل کرنا چاہیے تو خالص رہے خدائے پاک قلوب اور نیتوں کو دیکھتے ہیں، ظاہری اعمال کو نہیں، یہ ایک ایسا نکتہ ہے کہ بہت دیر میں آدمی کو بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ میں کہاں ٹھوکر کھا رہا ہوں۔

مرکزی نکتہ کام کرنے والوں کا یہ ہو کہ ہماری یہ ساری چلت پھرت محض اللہ کو راضی کرنے کے لیے ہو، کبھی مطمئن نہ ہوں۔ شیطان اس طرح ورغلاتا ہے

کہ ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا۔ اس کا حملہ یہ ہے کہ بڑی چیز سے ہٹا کر چھوٹی کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ تزکیہ اسی کا نام ہے کہ اپنے عیبوں کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کرنا' اس لیے کام کرے اور چیزوں سے اپنی حفاظت کریں نہ معلوم شیطان کہاں پھانس دے؟

اخلاص کے معنی | عمل کو خالص کرنا اللہ کے واسطے ' اور استخلاص اپنے کو خالص کرنا دوسرے عمل سے ' ورنہ پتہ نہیں شیطان سبز باغ دکھا کر ہمیں کہاں لے جائے گا۔ اللہ پاک اس امت کی اعانت فرماتا ہے ان کے کمزوروں کی' ان کے اخلاص کی' نمازوں اور دعاؤں کی وجہ سے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جنگ کے اندر اگر نیند آئے تو ایمان کی علامت ہے اور اگر نماز کے اندر نیند آئے تو نفاق کی علامت ہے۔ جو چیز شیروں کو بھی لومڑی بنا دیتی ہے وہ غرض کا آجانا ہے۔

مشورہ | ایک استشارہ ہے ایک استخارہ ہے ' استشارہ میں مختصر استخارہ بھی ہوسکتا ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ غرض سب کی ایک ہے ' اختلاف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وجوہ مختلف ہیں ' کسی کے سامنے کوئی وجہ ہے کسی کے سامنے کوئی دوسری وجہ ہے ' اس لیے اپنی رائے کو ایسا پاک نہ سمجھو کہ یہ وحی ہے ' اپنی رائے کو متہم سمجھتے رہو۔ صحیح بخاری میں ابوجندل کا واقعہ ہے حضرت عمر کا رائے کا اختلاف ____ دوسرے کی رائے پر ناگواری نہ ہو ' ہمارا ابتلاء یہ ہے کہ تالیف قلب اور کام کا تقاضہ دونوں کے درمیان ہم ابتلاء میں ہیں۔

تالیف قلب بھی ایک چیز ہے ' اس کی بھی ایک حیثیت ہے۔ کسی کے سامنے کوئی پہلو ہوتا ہے ' کسی کے سامنے کوئی دوسرا ' اپنی رائے پر اصرار اس میں نفسانیت کا شائبہ ہے۔ ہم تالیف قلب کے اس حد تک مامور ہیں کہ کوئی منکر نہ ہو ____ جو فیصلہ کا والی بنا دیا گیا وہ چھری سے ذبح کر دینے کے قابل بن گیا۔ حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے ہم تالیف قلب کے مامور ہیں ____ مساجد کی آبادی میں ایمان والوں کی آبادی ہے ' اور مساجد کی ویرانی میں ایمان والوں کی ویرانی ہے۔

جتنی محنت کرو گے اتنا ہی گردوغبار ہٹتا چلا جائے گا' اور لذت محسوس ہو گی۔ گردوغبار چھا گیا ہے جس کی وجہ سے ہم اعمال کی لذت سے محروم ہیں۔ حکومت چھوڑ کر لوگ اس طرف آئے ہیں' ایک بھی ایسا نہیں ملے گا' جو اس کو چھوڑ کر بادشاہت کی طرف گیا ہو۔ ظاہر کی لیپا پوتی کو ہم حقیقت سمجھے ہوئے ہیں۔

فضیل ابن عیاض سے ہارون رشید نے پوچھا کہ سب سے بڑا زاہد کون ہے؟ فرمایا آپ' پوچھا کیسے؟ فرمایا زاہد کہتے ہیں چھوٹی چیز اور (فائدہ پر) بڑی چیز بڑی کو چھوڑ کر قناعت کرنا' آپ سے بڑا زاہد کون ہو گا جس نے آخرت کی اتنی بڑی جنت چھوڑ کر دنیا اختیار کر رکھی ہے۔

دولت کسے کہتے ہیں؟ نمبر وار آنا۔ پہلے کسی کے پاس تھی' اب ہمارے پاس ہے' بعد کو کسی اور کے پاس چلی جائے گی۔

o

ایک تو یہ ہے کہ چلہ تین چلہ لگانا فارغ ہو آئے' ایک یہ ہے کہ موت تک کرتے رہنے کی نیت کر کے جاؤ' اور موت تک کرتے رہنے کی ترتیب یہ ہے کہ اپنے مشغلوں کے ساتھ جوڑ کر کرنے کی ترتیب بناؤ۔ بہت سے مشغول آدمی' انتہائی مشغول مگر بارات میں جا رہے ہیں' کہتے ہیں کہ کیا کریں' کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور اگر آدمی نہ کرنے کی چیز سمجھتا ہے تو فرصت کے وقت میں بھی کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اپنے مشغلوں اور دھندوں کے ساتھ جوڑ کر کرنا ہے۔

ہفتہ کے دو گشت' روزانہ کی تعلیم' ایک اجتماعی چیز ہے' اہتمام سے کرتے رہو۔ جونسا وقت مقرر کرو اسے پابندی کے ساتھ دوام کے ساتھ نباہ کر کرتے رہو۔ مہینے کے تین دن مقرر کرو' اور ان کو اور مشغلوں سے فارغ کرو' آگے پیچھے کر کے ترتیب بناؤ گے تو بنا سکو گے' ورنہ موت آجائے گی' اور وقت ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

o

جانوروں کے اندر یہ بات ہے کہ نہ بڑے کو بڑا سمجھتا ہے نہ چھوٹے کو چھوٹا۔ یہ جانور پنا ہے' بہیمیت ہے۔ اور اللہ کو ناراض کر کے ہم اپنے دھندے نہ

کرتے ہوں ۔ جو صحیح زندگی گذارنا چاہے، اس کے لیے آسان ہے ــــ ہمیں خدا پرست بننا ہے، احکامات ارکان سے لے کر مندوبات اور مرغوبات تک سب میں۔ آج انسان نفس کا بندہ بنا ہوا ہے ۔ کم سے کم حرام سے بچتے رہنا ہے مکروہات سے، فرائض سے تو ہے غافل، اور مستحبات پر جان چھڑک رہا ہو (یہ خطرناک ہے)۔

o

جانوروں کا جو حشر ہوگا، اس سے زیادہ سخت حشر ہوگا انسانوں کا آخرت میں، کہ بنایا تو تھا انسان، اور اپنے آپ کو جانور سے بدتر بنا کر لائے ۔

o

کوشش کرو کہ ہمارے گھر ایمان و اعمال سے آباد ہو رہے ہوں، اور ہماری مسجدیں چوبیس گھنٹہ ایمانی اعمال سے آباد ہو رہی ہوں، صحیح زندگی آرہی ہو، عمل کی شکل سے ۔ یہ نہ سوچو کہ کیسے ہوگا؟ قلوب اللہ کے ہاتھ میں ہیں ان عملوں کو کرتے رہو ۔

o

دعوت میں قوت آتی ہے بے غرض ہو کر کرنے سے، بناوٹ سے یا رسمیات سے دل پر اثر نہیں ہوتا۔

o

مسلمانوں میں کون اچھا؟ اور اسلام کی صفات میں سے کون سی اچھی؟ اس میں ایک کھانا کھلانا بھی ہے ۔

o

اللہ جل شانہ نے زندگی گذارنے کا جو طریقہ عطا فرمایا ہے وہ دین ہے اور وہ ایسا جامع طریقہ کہ زندگی کے ہر جز پر حاوی ہے، صحابہ کرام کے واقعات ہیں بھئی ان جیسا تو کون بن سکتا ہے، مگر کوشش کرتے رہیں گے تو اللہ پاک ان کے ساتھ شامل فرمادیں گے ۔ امام ابو یوسف کا قصہ ہے کہ اہل مجلس میں تذکرہ ہو رہا تھا اس حدیث کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو پسند تھا، ایک شخص نے کہا کہ

مجھے تو پسند نہیں' امام ابو یوسف نے تلوار سونت لی' اور فرمایا کہ یا تو تجدید ایمان کر' ورنہ قتل کردوں گا۔ امام ابو یوسف قاضی تھے۔

آج ہم ایک ہی رخ پر چلے جا رہے ہیں' دنیا طلبی کا اتنا زور ہم پر ہے کہ نہ خدا کے حکموں کا خیال ہے نہ اس کی کوئی پروا ہے' نہ ان کے معلوم کرنے کا کوئی فکر۔ عمل کرنا شروع کریں' پھر صفات کے ملنے کی کوشش کریں۔

o

جانتے بھی ہو کہ علم کیا ہے؟ امام مالک فرماتے ہیں کہ علم ایک نور ہے' اللہ تعالیٰ جس کے دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے۔ اس کے حصول کے لیے اتباع سنت' معاصی سے نفرت' علم اور علماء کا احترام۔

o

بار بار کہہ رہے ہوں اس پر عمل کر رہے ہوں' اور جس پر عمل کر رہے ہوں' اس کو سوچ رہے ہوں اور اس پر جمنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ گشت' تعلیم' تلاوت' ذکر' نماز' معاملات کی درستگی' انسان خدا کو راضی کرنے کی کوشش کر رہا ہو' اور مخلوق کو نفع پہنچانے کی کوشش کر رہا ہو۔ یہ دو لائن درست ہونا ہے۔

o

امارت کوئی عہدہ نہیں ہے' یہ فکر کے ساتھ بوجھ اوڑھنے کی چیز ہے۔ تبلیغ کے کام کی اتنی فکر ہے کہ شادی کو مقدم کر دیا۔ چاہے سیدھا سادھا بھولا بھالا ہو' مگر کام کا فکر ہو' ایسا نہیں کہ کوئی کام آئے تو یوں کہے کہ مجھے کام ہے' کام کو مقدم رکھتا ہے' اور یہ بات کہ عالم ہو۔ یہی تو کیا تھا حضرت عمر نے بہت سمجھا کر بھیجا تھا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شدت بیماری میں اٹھ کر آئے' اور فرمایا یہ بھی قابل ہے' اور اس کا باپ بھی قابل تھا' اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو مجھے بہت پسند ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پھر بھیجا گیا' دو مطالبے تھے' ایک یہ کہ امیر کو بدل دو' دوسرا یہ کہ جماعت روک لو۔ فرمایا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے' جسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امیر بنایا اسے میں بدل دوں؟ اور اسامہ سے کہا کہ مجھے عمر کی ضرورت

ہے' اگر تمہاری رائے ہو تو انھیں چھوڑ دو' چھوڑ دیا' تو پوچھا کہ خوشی سے بھی چھوڑ دیا یا نہیں؟ اور حضرت عمر کی عادت یہ کہ آخر عمر تک انھیں امیر صاحب کہتے رہے۔

o

کام کا فکر ہو' مولوی ہونا ضروری نہیں' جہاں امیر سیدھا سادھا ہو' وہاں کام اچھا چلتا ہے۔ کوئی امیر بنادیا جائے' اور وہ اسے عہدہ اور منصب سمجھنے لگے تو بالکل ناقابل ہے' اور اگر کوئی امیر نہ ہو' اور کام کی فکر کرتا ہو تو اسی پر اللہ کی طرف سے نواز دیا جاتا ہے۔

o

طبیعت پر تکبر' خودرائی' اپنے کو بڑا سمجھنا۔ دل کے منکرات بدن کے منکرات سے زیادہ سخت ہیں۔ دل کے منکرات ظاہر کے منکرات سے زیادہ سخت ہیں۔

o

آدمی اپنے بارے میں فیصلہ بہت جلد کرلیتا ہے' اخلاص کے بارے میں۔ سب سے آخر میں جو چیز نکلتی ہے وہ حب جاہ ہے۔ حب جاہ کے بھی درجات ہیں جاہ عندالخالق' جاہ عندالمخلوق۔ صوفیاء کے یہاں جاہ عندالخالق بھی محبوب نہیں۔ اپنے زعم میں مبتلا ہو کر خود ہی اپنا ایک مقام طے کرتے ہیں' اس لیے کوشش میں لگے رہنا ہے' دین کے بارے میں قناعت محمود نہیں ہے' دل کے' اور ظاہر کے منکرات سے بچنے کی کوشش کرو' موت تک بھی نکل جائے تو بہت ہے۔

o

وہ معصیت جس سے ندامت اور شکستگی پیدا ہوتی ہو وہ اس طاعت سے اچھی ہے' جس سے عجب پیدا ہوتا ہے۔ اول تو یہ کہ ہم کرتے نہیں ہیں اور اگر کرتے ہیں تو عجب اور بڑائی اپنے اندر پیدا ہوتی ہے' کام کرنے والے دونوں کا خیال رکھیں' ایک قربانی کی مقدار کو بڑھاتے رہیں' اور دوسرے اپنے کئے کو خدا کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لائق نہ سمجھ کر اس پر استغفار کرتے رہیں۔ اپنے

کئے کو ہنرمندی سمجھا جانے لگے تو خطرہ ہے۔

o

غرہ نہ کرو، اعجاب نہ آنے دو، ہنرمندی کا ثمرہ نہ سمجھو، عمل ایک تو عادت کے طور پر کرنا ہے، اور اگر خدا کا حکم سمجھ کر کرتا ہے تو اس کی حیثیت اور اس کا رتبہ بہت ہے۔

o

مسجدوں میں ہنسنا قبر میں اندھیری لاتا ہے۔

عبادات کیا ہیں؟ وہ اعمال جن سے عبدیت پیدا ہو مسجد میں رہو، اور مسجد والے عمل کرو، گشت بھی مسجد والا عمل ہے، اگر شرائط کے ساتھ ہو۔ عقل کے معنی ہیں باندھنے کے، جو پابند نہ ہو وہ جانور ہے۔

o

ہر سانس جو نکل گیا وہ عمر کے ایک حصہ کی لاش ہے، ایک سانس جو نکل گیا ساری دنیا اس کا بدل نہیں ہوسکتی اور ساری دنیا مل کر وہ سانس واپس نہیں لاسکتی۔

o

سونے کے وقت آخری کلام اللہ کا ذکر ہو، ذکر کرتے کرتے سوجائے شیطان کوشش کرتا ہے کہ آخری کلام انسان کی زبان سے غلط نکل جائے اور فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اس کا آخری کلام اچھا ہو۔

o

اکرام کے معنی ہیں حق سے زیادہ دینا، اگر حق دیا تو اس میں اکرام کیا ہوا، یہ تو اس کا حق ہے جو آپ نے دیا ہے۔

دو قسم کے آدمی ہیں، جن کا واسطہ لوگوں سے نہ پڑتا ہو وہ تو فکر کریں کہ لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

جس کا واسطہ لوگوں سے پڑتا ہے وہ کسی کی پرواہ نہ کرے کہ لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ لوگوں کی زبانوں کو کوئی بند نہیں کرسکتا۔

○

اپنا ایک ایک نقطہ غور کرنا پڑتا ہے جس پر چلیں اور وہ ہے اللہ اس کے رسول کے احکامات۔ بھلائی اور برائی ہم خود متعین نہیں کرسکتے۔ ایک ہی چیز ایک کے نزدیک بھلی ہے، وہی دوسرے کے نزدیک بری۔ بھلائی اور برائی وہ جو اللہ اور اس کے رسول نے بتلائی ہے۔ کسی کو ستانا، کسی کا حق مارنا، کسی کی غیبت کرنا، اس سے بچو۔

○

قربانی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی حقیقی۔ وہ اپنی خواہشات کو، اپنی عبادات کو خدا کے حکموں پر قربان کرتے تھے، اور ہم خدا کے حکموں کو قربان کرتے ہیں اپنی عادات پر، اور خواہشات پر۔ کلمہ ایک دعویٰ ہے، دل کا حال اس دعویٰ کی تصدیق کررہا ہو۔ ہم اپنے جذبات کو اللہ کے احکام کے تابع کرنے کے بجائے اللہ کے احکامات کو اپنے جذبات کے تابع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے جذبات اور خواہشات پر چلنے کا راستہ بہت خطرناک ہے، اس سے آدمی خدا کے حکموں کو بھی اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

ہماری صف اول حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں ہم ان کو سامنے رکھ کر اپنی کوشش (تیز اور زیادہ) کردیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی غصہ کے موقع پر کوئی قرآن کی آیت پڑھ دیتے، تو بالکل خاموش ہوجاتے تھے۔

○

آئندہ صفحہ سے جو ارشادات و افادات درج ہیں ان کا اکثر حصہ مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری کی ایک یادداشت سے لیا گیا ہے اور ان کے دلی شکریہ کے ساتھ یہاں پیش ہے۔

O

بڑے حضرت جی (مولانا محمد الیاس) کی حیات میں مولوی یوسف زیادہ تر تصنیف و تالیف میں لگے رہتے تھے میں اکثر و بیشتر حضرت کے ساتھ اسفار میں رہتا تھا مولوی یوسف بڑے حضرت جی کے انتقال کے بعد کام میں لگے۔

O

یہ ہمارا مدرسہ (کاشف العلوم، نظام الدین، دہلی) نمونہ ہے تمام مدارس کے لیے اس کی ابتداء ایسے ہوئی کہ مولانا محمد یوسف صاحب کا میزان کا دور تھا، حضرت مولانا الیاس کو لگا ہوا تبلیغ کا، چنانچہ جماعت بنا کر روانہ کردی راستہ میں تمام نے کبڈی کھیلی، ایک استاد نے شکایت کی، یہ تو کھیل کر کے آئے ہیں، چھوٹے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ یہ آج کھیل رہے ہیں، کل ان شاء اللہ یہ ہی تبلیغ کریں گے، اور شیطان سے مقابلہ کریں گے، چنانچہ حضرت جی یوسف نے دینا کو ہلا کر رکھ دیا۔

O

ہمارے شیخ مولانا الیاس کہتے تھے کہ یہ میرا کام تین حال سے خالی نہیں، یا تو آٹھ سو سال قبل زمانے کو لوٹا دے گا، یعنی جیسا کہ تاتاریوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا تھا ان کو مار کر پھر چھین لیا تھا، یعنی حق غالب ہوجائے گا، یا یہ کہ مہدی علیہ السلام اس کے معین اور مددگار ہوں گے، تیسرے اگر ان کو وہ زمانہ بھی حاصل نہ ہوا تو اللہ کے یہاں ان کی برات ہوجائے گی۔ حضرات دیوبند بہت منتظر ہیں اور مولانا الیاس بھی منتظر تھے بعض کہتے ہیں نکل کر چھپ گئے ہیں دوبارہ ظاہر ہوں گے۔

O

بھائی عارف ابن بھائی نعمت اللہ دہلوی ملنے آئے ان سے ان کی جماعت کے احوال معلوم کئے، کھانے کی ترتیب معلوم کی؟ اس پر سنایا کہ جب ہم پہلے حج پر گئے تو کھانا پکانے کی باری سب کی لگتی تھی مولوی یوسف صاحب تو کھانا پکانا جانتے تھے روٹی پکانا بھی جانتے تھے میں نہیں جانتا تھا میں یہ کرتا کہ سب چیزیں دیگچی میں ڈال کر چولہے پر رکھ کر حرم شریف چلا جایا کرتا واپسی پر پکا ہوا ملتا تھا۔

○

مولانا مفتی محمود (حسن گنگوہی) صاحب کے متعلق مولانا محمد سلیمان جھانجی گجرات نے خیر و عافیت معلوم کی تو احقر (مولانا محمد شاہد، مرتب) نے بتلایا کہ پلاسٹر دوبارہ لگا ہے، اس پر فرمایا کہ میں تو مفتی محمود صاحب مولانا ابرار الحق مولانا صدیق اور علی میاں چاروں (حضرات) کے لیے نام لے کر دعا کرتا ہوں کہ اب تو یہی بڑے رہ گئے۔

○

اجتماع گیا، بہار، (منعقدہ ۱۴، ۱۵، ۱۶ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ - ۲، ۳، ۴ اکتوبر ۱۹۹۲ء) کے موقع پر انتظامیہ کے افراد آتے رہے ڈی - ایم ایک خاتون تھیں حضرت جی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، اجازت دے دی گئی وہ آئی مگر سامنے نہیں بٹھایا، پشت کی طرف بٹھا کر بات کی اور آخرت کی دعوت دی، ڈی، ایم نے آخر میں کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ اس علاقہ کا نام (جہاں یہ اجتماع ہوا ہے) حضرت جی نگر رکھدوں! اس پر فرمایا نام سے کیا حاصل ہوگا، اصل تو کام ہے - اس پر کہا کہ کام ہوا ہے اسی وجہ سے تو نام رکھنا چاہتی ہوں، اس پر فرمایا کہ اگر رکھنا ہی ہے تو رحمت نگر یا ہدایت نگر رکھدو۔

○

فرمایا اجتماعی کام میں ہر قسم کے آدمی بھلے اور برے سب ہی ہوتے ہیں ان کے ساتھ ملکر نبھاتے ہوئے کام کیا جائے، حدیث میں بھلے برے کے ساتھ نماز پڑھنے کو کہا گیا ہے، یہ نہیں کہ جماعت سے ہی الگ ہوجائیں - جہاد کے لیے بھی ایسا ہی حکم ہے - سب سے پہلی ضرورت آپس کے اتفاق اتحاد کی ہے، ٹھان لو اتفاق رہے گا - اختلاف تو ہوتا ہی ہے بڑے بڑے صحابہ کرام میں ہوا لیکن خلاف نہیں ہوا - پہلے تو یہ بات جماؤ کہ شوریٰ والوں کو جوڑنا ہے اور دوسروں کو جوڑنا ہے۔

○

ایک عرب شیخ نے دریافت کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بوسینا اور کشمیر

کے مسلمانوں سے تبلیغ والوں کو کچھ ہمدردی نہیں، یہاں تک ان کے لیے دعاء بھی نہیں کرتے۔ فرمایا کہ: مَنْ لَمْ يَهْتَمَّ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ مِنَّا، ہم نام لے کر دعا نہیں کرتے، مظلومین کہہ کر دعا کرتے ہیں اور مظلومین میں سب داخل ہیں، ہم تو کافر کو بھی کافر نام سے نہیں تذکرہ کرتے کہ اس سے وہ بدکتے ہیں اور چڑتے ہیں، بلکہ ان کو بے ایمان سے تعبیر کرتے ہیں۔

O

مولانا یوسف صاحب نے شیخ حسن البنا کو مشورہ دیا تھا کہ اپنے کام کو سیاست سے علیحدہ کر کے کرو، حکومت سے بالکل مت ٹکرانا مگر انھوں نے مشورہ قبول نہیں کیا، اور شیخ ابراہیم عزت سے کہا تھا کہ ہمیشہ مثبت کام کرو منفی پہلو سامنے مت لاؤ، انھوں نے مشورہ مانا وہ بڑے خطیب تھے۔

O

(ٹونگی یکم شعبان ۱۴۱۴ھ - ۱۹۹۴ء ۱۵ جنوری شنبہ) آج ناشتہ کے بعد ہزارہ کے علماء آئے اور اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، ان میں ایک عالم نے کہا کہ دعا فرمائیں نماز میں خشوع پیدا ہوجائے! فرمایا خشوع کسے کہتے ہیں ان عالم نے فرمایا کہ اللہ کا دھیان۔

فرمایا بس اپنی کوشش اس کی کریں کہ اس کا دھیان رہے اور پھر بھی اگر دھیان نہ ہو اور دیگر چیزوں کا تصور ہونے لگے تو اس کی فکر نہ کریں۔

O

(ٹونگی بنگلہ دیش - یکم شعبان ۱۴۱۴ھ ۱۵ جنوری شنبہ)

بعد مغرب فرمایا کہ ڈاکٹر صحیح کہتے ہیں کہ بولنا نہیں، آج ضعف ہو گیا اور دماغ تھک گیا۔ نماز عشاء کے بعد افواج بنگلہ دیش کے جرنل صاحبان (مع چیف آف اسٹاف جرنل نور الدین) آگئے ان سے گفتگو شروع فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنھما بھی فوج کے جرنیل تھے لیکن دین کی کوشش میں متواتر مشغول رہتے تھے، آپ بھی کوشش کریں کہ آپ کے آدمی میں دین کی محنت ہو، نماز کا اہتمام ہو، مسلمان کی کامیابی ساز و

سامان کی کثرت سے نہیں، بلکہ اللہ کی مدد سے ہے اور اللہ کی مدد اعمال کے ساتھ ہے، اشخاص کے ساتھ نہیں ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں ۳۱۲ کو لے کر ایک ہزار سے مقابلہ کیا، سامان جتنا تھا، اس کو لے کر میدان میں نکلے ان کو صف بنا کر کھڑا کیا اور پھر اپنی چھپریا میں جا کر دعا فرمائی، اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ اور اتنا روئے کہ چادر مبارک گر گر جاتی، صدیق اکبر نے فرمایا بس بس۔

O

(اجتماع ٹونگی ۔ بنگلہ دیش ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۴ء)

لبنان والوں نے مشورہ کیا کہ احمد حداد رائے ونڈ سے حفظ کر کے طرابلس گئے ہیں، اب طرابلس کے احباب کی خواہش ہے کہ وہاں تحفیظ القرآن قائم ہو، مرکز کے اندر، اور یہ مرکز وہ ہے جہاں سات سو برس قبل مدرسہ تھا اور اس میں مذاہب اربعہ کی تعلیم ہوتی تھی اور اب بند ہے ۔ کیا مدرسہ تحفیظ القرآن قائم کریں؟ اس پر حضرت جی مدظلہ نے فرمایا کہ ضرور قائم کرو ۔ اس رائے پر بھائی عبدالوہاب صاحب نے کچھ جرح کی، حضرت نے قدرے سکوت کے بعد فرمایا کہ ہماری رائے میں تو ضرور قائم ہونا چاہیے۔

پھر اہل البنان نے اس معلم کے مراتب تنخواہ کے متعلق بھی سوال کیا، کہ مرکز والے ان کو تنخواہ بھی دینا چاہتے ہیں کیا دیں؟ اس پر فرمایا کہ ان کی ضرورت کا جائزہ لے کر متعین کر دیں۔

O

اہل لبنان نے دوسرا سوال کیا کہ جوان طبقہ جب جماعت میں جاتا ہے تو ان کو علم کا شوق ہوتا ہے، وہ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کے حصول علم کے لیے کیا کریں؟ فرمایا: کہ وہاں کے مقامی علماء کو کام سے جوڑا جائے اور جب وہ کام سے جڑ جائیں، تو ان جوانوں کو حصول علم کے لیے ان سے جوڑ دیں۔

O

مولوی کمال الدین لندن والوں نے کہا کہ حضرت فضائل کی جو تعلیم ہوتی ہے اس میں کتاب پڑھنے والے بہت غلطیاں کرتے ہیں، اگر علماء پڑھیں تو

سہ ماہی احوال و آثار کاندھلہ ۔ اپریل تا دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۷ء

بہتر رہے گا۔ فرمایا: اگر جماعت میں علماء ہوں، تو ان ہی کو پڑھنا چاہیے، لیکن بہت سی جماعتوں میں عالم نہیں ہوتے، تو ان میں جو احسن ہو وہ پڑھے اور اگر مقامی علماء میں سے کوئی موجود ہو تو ان کو چاہیے کہ ان غلطیوں کو تنہائی میں بتلائیں۔ انھوں نے پھر سوال کیا کہ پھر لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ عالم تبلیغ کے خلاف ہے۔ فرمایا: کہ اس کا حل یہ ہے کہ وہ عالم جماعت میں اتنا وقت لگائیں کہ یہ اعتراض غلط ہو جائے۔

ایک مرتبہ بڑے حضرت جی کے وصال کے بعد مولانا منظور نعمانی اور میں کاندھلہ سے ریل سے آرہے تھے، مولانا نعمانی نے کہا کہ ہماری جماعتیں لے کر چلنے والے علماء صاحبِ نسبت ہوں۔ میں نے کہا ہمیں کب انکار ہے، ایک جماعت حضرت رائے پوری لے کر چلیں اور ایک جماعت حضرت شیخ۔ بات یہ ہے کہ اتنے صاحب نسبت کہاں ہیں، بس احسن الوجوہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

o

(اجتماع ٹونگی بنگلہ دیش ۱۴۱۴ھ)

مسجد بیت المکرم ڈھاکہ کے خطیب مولانا عبدالحق اور دیگر علماء جیسے مولانا عزیز الحق صاحب، شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ ڈھاکہ وغیرہ تشریف لائے اور حضرت جی سے کہا کہ یہاں کے علماء قادیانیت کے خلاف تحریک چلا رہے ہیں، تاکہ ان کو مسلمان سے الگ تھلگ کیا جائے۔ جب ان کے کفر کی وضاحت کی جاتی ہے تو قادیانی کہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت تو ہمیں کافر نہیں کہتی، جو ملک کی سب سے بڑی جماعت ہے، لہذا اگر عمومی بیانات میں اس قسم کے الفاظ کثرت سے کر دئے جائیں جیسے اللہ کے آخری نبی، خاتم النبین نبوت ختم ہو چکی وغیرہ وغیرہ تو ہمیں بہت سہولت ہو اس پر فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے اور پھر ان کا کفر وغیرہ بھی بیان فرمایا۔

o

شیخ احمد خطابی مصری نے کوئی نصیحت چاہی تو فرمایا: اِتَّقِ اللّٰہَ وَ خَالِطِ النَّاسَ بِاَخْلَاقٍ حَسَنَۃٍ۔

O

(بموقع اجتماع ٹونگی، بنگلہ دیش ۱۴۱۴ء)

بعض احباب عرب سفارتوں میں گئے تو عرب سفراء نے تعجب سے کہا کہ یہاں مشہور یہ ہے کہ جو شخص تین مرتبہ ٹونگی کے اجتماع میں شرکت کرے، اس کو ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔ احباب نے واپسی پر اس کا تذکرہ حضرت جی سے کیا، جس پر حضرت نے کھانے پر مفتی صاحب وغیرہ سے تذکرہ کیا، اس پر طے ہوا کہ ہمارے نام سے تو نہیں، بلکہ کسی دوسرے کی جانب سے اس کی تردید مؤثر انداز سے کرادی جائے۔

آج بعد مغرب ایک فرانسیسی نے حضرت جی سے ذکر بارہ تسبیح معلوم کیا جو مولوی زبیر صاحب کے ذریعہ اس کو بتلادیا گیا۔

O

(بموقع اجتماع بھوپال ۱۱ رجب ۱۴۱۴ھ، ۲۶ دسمبر ۱۹۹۳ء)

وزیر اعلیٰ مدھیہ پردیش دِگ وجے سنگھ اپنے تین چار رفقاء کے ساتھ سادے لباس کرتے پائجامے میں آئے، عمامہ باندھ رکھا تھا ان سے یہ گفتگو فرمائی۔

یہ عہدہ اور منصب جو اللہ جل شانہ نے آپ کو مرحمت فرمایا ہے وہ خدمت خلق کے لیے ہے، اس میں کوشش کرو، جس قدر مخلوق کی خدمت کی جائے گی وہ اس زندگی میں بھی کام آئے گی اور دوسری زندگی میں بھی۔ دوسری زندگی مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے اور کبھی ختم نہیں ہوتی، وہی اصل زندگی ہے۔ یہ عہدہ و منصب جو اللہ جل شانہ نے آپ کو مرحمت فرمایا ہے خدمت کے لیے ہے، جتنی خدمت خلق ہوگی۔ اتنی ہی وہاں کامیابی ملے گی، بس اللہ شانہ، آپ کو ہدایت نصیب فرمائے۔

O

(بموقع اجتماع بھوپال ۱۲ رجب ۱۴۱۴ھ، ۲۷ دسمبر ۱۹۹۳ء)

عصر کے بعد رسول احمد صاحب صدیقی سابق وزیر آئے وہ اس مرتبہ الیکشن میں ہار گئے ہیں ان سے سلام و دعاء کے بعد یہ فرمایا:

یہ منسٹری اور وزارت مخلوق کی خدمت کے لیے تھی، لیکن اب لوگوں نے اس کو جاہ کا اور مال کمانے کا ذریعہ بنا لیا، خدمت کو چھوڑ کر جب اغراض پر آگئے تو آپس میں لڑائی شروع ہوگئی، کوشش کرو کہ اس عہدہ پر رہ کر زیادہ سے زیادہ خدمت ہو تو آخرت میں کام آئے۔

o

(بموقع اجتماع بھوپال ۱۲ رجب ۱۴۱۴ھ، ۲۸ دسمبر ۱۹۹۳ء)

ایک انڈونیشی نے ٹیکنیکل انجینیرنگ کے متعلق مشورہ کیا کہ میں اس کو چھوڑنا چاہتا ہوں، فرمایا نہیں بلکہ اس کی تکمیل کرو۔ اس نے کہا کہ تکمیل کے لیے انگلینڈ جانا ہوگا، فرمایا کوئی حرج نہیں چلے جاؤ مگر دعوت کے کام میں لگے رہنا۔

o

(بموقع اجتماع کوٹ ہرواڑی۔ میوات ۲۴، ۲۵، ۲۶ رجب ۱۴۱۴ھ، ۸، ۹، ۱۰ جنوری ۱۹۹۴ء)

فرمایا میوات میں بکثرت جلسے ہونے چاہئیں تاکہ فضا بنی رہے۔ بڑے حضرت جی فرمایا کرتے تھے کہ میوات ایسی جگہ ہے کہ کھودتے رہو اور کھاتے رہو۔

o

۲۷ رجب ۱۴۱۴ھ ۱۰ جنوری ۱۹۹۴ء کی شب میں عشاء کے بعد خدام کی مجلس میں متعدد واقعات سنائے۔

میاں جی موسی مستجاب الدعوات تھے، بڑے حضرت جی نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اگر اللہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا لائے ہو، تو میں میاں جی موسی کو پیش کر دوں گا۔

o

مولوی سلیمان جھانجی نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کے اور مولانا یوسف صاحب کے بارے میں ایسا ہی کہا تھا؟ اس پر فرمایا نہیں، ہمارے بارے میں یہ کہا تھا کہ حضرت حاجی امداد اللہ کے لیے جیسے مولانا قاسم و مولانا رشید احمد تھے ایسے ہی میرے لیے یہ یوسف اور انعام ہیں۔

○

ایک مرتبہ بڑے حضرت جی نے علماء کو جمع کر کے ان کے سامنے بات کی اور پھر ایک بڑی چھری ان کے درمیان ڈالی اور فرمایا کہ اگر یہ کام حق ہے تو میرا ساتھ دو ورنہ مجھے ذبح کردو۔ (یہ سنا کر خوب روئے)

○

افغانستان جماعت بھیجی حضرت مدنی کے وہاں شاگرد بہت تھے اس لیے حضرت (مولانا محمد الیاس) نے مولوی یوسف صاحب اور مجھے حضرت مدنی کے پاس دیوبند بھیجا کہ سفارشی خط لکھوا کر لائیں۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ کس طرح لکھوائیں بس ہم سیدھے سہارنپور چلے گئے اور حضرت شیخ سے حضرت مدنی کے نام خط لکھوا کر اسی وقت دیوبند روانہ ہوگئے دیوبند اسٹیشن پر پہنچے تو حضرت اسی ٹرین سے دلی تشریف لے جارہے تھے، انٹر کلاس میں تھے، ہم نے بھی انٹر کا ٹکٹ لے لیا اور گاڑی میں شیخ کا خط پہنچایا، حضرت نے اسی وقت اٹیچی کھولکر کاغذ نکالا اور خط تحریر فرما کر دیا، پھر دریافت فرمایا کہ لفافہ ہے، ہم نے انکار کیا تو اٹیچی میں سے لفافہ نکال کر اس پر پتہ لکھ کر ہم کو دیا۔

○

مفتی کفایت اللہ صاحب اکثر تشریف لاتے رہتے تھے حضرت ان سے بات کرتے تھے مگر ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ آخر یہ کام ہوگا کیسے؟ ایک مرتبہ حضرت جی نے ان کے پاس جماعت کو کارگذاری سنانے کو بھیجا مفتی صاحب نے سن کر فرمایا اب کوئی کیا کہے گا۔

○

ایک مرتبہ سنکار میں جلسہ تھا بڑے حضرت جی تشریف لے گئے وہاں ستورات کی بیعت تھی میں وہاں عورتوں کی چیخ چیخ سے گھبرا گیا، میں نے حضرت سے کہا کہ میں واپس جارہا ہوں فرمایا نہیں جی یہ کرنا ہی پڑے گا۔ نہیں بیٹھو کئی بار فرمایا کہ بچو! تمہیں کرنا تو ہے ہی میرے سامنے کرلو تو سہولت رہے گی۔

○

حضرت تھانوی نے کبھی کام کی مخالفت نہیں کی ' نہ ہی حضرت مدنی نے، البتہ حضرت رائے پوری مایوس تھے فرمایا کرتے تھے کہ ریت پر دیوار قائم کر رہے ہیں ۔ مگر حضرت جی کا اعتماد علی اللہ اتنا تھا کہ کبھی مایوس نہیں ہوئے ۔ تھانہ بھون جماعت بھیجی جس میں میاں جی داؤد بھی تھے ان سے فرمایا قرب و جوار میں کام کرنا قرب و جوار کی کارگذاری حضرت کو ملتی رہی مولانا ظفر احمد صاحب بھی احوال سنا دیا کرتے تھے حضرت تھانوی نے جماعت کو پانچ منٹ کا وقت ملاقات کا دیا مگر پورے آدھے گھنٹہ گفتگو فرمائی اور کارگذاری سنتے رہے بڑے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے حضرت تھانوی کو حکمت سے ہمنوا کیا اس کے بعد پھر حضرت تھانوی نے فرمایا تھا کہ "مولوی الیاس نے یاس کو آس سے بدل دیا"۔

○

بڑے حضرت جی میں اعتماد علی اللہ اور کام کی لگن اتنی تھی کہ ایسا بھی ہوا کہ جماعت میں بسترے لے کر لوگ آتے اور پھر حضرت سے جماعت میں جانا کہہ کر گھروں کو واپس بھی ہوجاتے ' بڑے حضرت جی کو معلوم بھی ہوجاتا تو فرماتے کچھ حرج نہیں ' یوں ہی آہستہ آہستہ چلنے اور نکلنے کے رخ پر آجائیں گے ۔

○

ایک مرتبہ میں اور مولانا یوسف میوات گئے ' اس سفر میں یہ طے تھا کہ جس گاؤں سے نقد جماعت نہیں ملے گی ہم وہاں کھانا نہیں کھائیں گے ۔ چنانچہ ایک گاؤں میں جماعت نہیں بنی ہم بغیر کھانا کھائے آگے بڑھ گئے ' گاؤں سے نکلے تو ہمارے پیچھے بیس آدمی اور ان کے ساتھ گن کر بیس بسترے تھے اور ہمارے لیے کھانا تھا ۔ گویا جماعت تیار ہو کر آگئی اب کھانا کھالیں ' ہم نے کھانا کھالیا ہمارے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ بیس اپنے بسترے لے کر اپنے گاؤں واپس لوٹ گئے ۔

○

حضرت تھانوی ہمارے زمانہ سے قبل ایک مرتبہ مرکز نظام الدین تشریف

لائے ہیں، ہماری موجودگی میں کبھی تشریف آوری نہیں ہوئی۔

o

(درج ذیل واقعات حضرت جی رحمت اللہ علیہ نے ٹونگی، بنگلہ دیش کے سالانہ تبلیغی اجتماع منعقدہ رجب ۱۴۱۴ھ کی مختلف مجلسوں میں سنائے تھے، اور یہ بھی مولانا شاہد صاحب نے قلم بند کئے تھے ان کے شکریہ کے ساتھ پیش ہیں)

ایک مرتبہ ترکی سے آرہے تھے۔ ۴۰۔ ۴۵ رفقاء ہمارے ساتھ جہاز میں تھے میرے برابر میں کچھ یہودی بھی تھے ان سے گفتگو کی اور کہا کہ سچ سچ بتلاؤ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی یہی زندگی تھی جو تم نے اختیار کر رکھی ہے اس پر وہ خاموش ہوگئے کچھ بولے نہیں۔

o

شیفیلڈ میں پوپ کا خط میرے نام آیا جس میں تحریر تھا کہ کیا اچھا ہو کہ ہم سب مل کر رہیں، اجتماعیت پیدا کر کے کام کریں۔ میں نے جواب دینے کا ارادہ کیا مگر اہل شوریٰ نے منع کر دیا۔ میرے ذہن میں یہ جواب تھا کہ ہم تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لو اجتماعیت پیدا ہوجائے گی۔

o

ایک مرتبہ سفر میں راجستھان جارہے تھے اس زمانہ میں آریوں کا بھی کوئی جلسہ تھا، ڈبہ میں ہمارا ساتھ ہوگیا، تو انھوں نے سب سے پہلے وحدت الوجود کے متعلق سوال کیا، میں (حضرت جی) نے اس کی وضاحت کی، اس کے بعد کہنے لگے کہ مسلمان گوشت کھاتے ہیں جس سے فساد پھیلتا ہے اگر گوشت خوری ختم ہوجائے تو فساد بھی ختم ہوجائے۔ میں نے کہا کہ یہ بات نہیں، ضروری نہیں کہ جو گوشت کھائے اس میں فساد بھی ہو، بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو گوشت کھاتے ہیں لیکن برائیاں نہیں کرتے۔ شیر گوشت کھاتا ہے خون پیتا ہے لیکن اپنی مادہ پر سال میں ایک مرتبہ جاتا ہے، بخلاف بیل کے کہ کبھی گوشت نہیں کھاتا گھاس پھونس کھاتا ہے لیکن ہر وقت گاؤ ماتا کے پیچھے پیچھے بھاگتا رہتا ہے۔

ان لوگوں میں سے ایک نوجوان بہت متاثر ہو رہا تھا۔ تو اس کے تاثر سے ڈر کر اس کی ماں نے اس کو واپس بلا لیا پھر انھوں نے کہا کہ ہمارا جلسہ ہے آپ آئیے میں نے کہا مجھے فرصت نہیں۔

o

ہریانہ میں میں اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا ایک ذمہ دار سیاسی لیڈر آئے اور کہنے لگے ہمارے یہاں تعلیم کی کمی ہے، اگر تعلیم عام ہوجائے تو جھگڑے بھی ختم ہوجائیں۔ میں نے یورپ کے ملکوں میں جو کچھ قتل و غارت گری ہو رہی ہے ان کو بتلا کر ان سے کہا کہ اصل، تعلیم کی کمی نہیں ہے اصل کمی انسانیت کی ہے، تعلیم یافتہ ملکوں میں ہم سے زیادہ فساد ہے۔ اس پر کہنے لگے واقعی پھر تو ہم ہی اچھے ہیں۔

o

مولوی شاہد سلمہ، نے دریافت کیا کہ مولانا یوسف صاحب عربی میں بھی تقریر کرتے تھے یا نہیں اس پر فرمایا ۱۹۶۲ء میں جب عمرے کے لیے گئے تو دمام اور ریاض کے راستے سے جدے گئے تھے، جہاز بھی اس زمانے بہت کم تھے اور چھوٹے چھوٹے تھے، ظہر ان میں ٹھہرے تو وہاں مولانا یوسف صاحب نے مسجد میں پہلی مرتبہ ایک گھنٹہ عربی میں تقریر کی۔

o

مولانا کمال الدین صاحب لندن نے سوال کیا کہ ہم آئندہ سال اپنے مدرسے میں دورۂ حدیث شروع کر رہے ہیں، کوئی نصیحت فرما دیجئے۔ اس پر فرمایا کہ حدیث پاک کا ادب بہت ضروری ہے، بغیر وضو کے نہ پڑھائیں اس پر انھوں نے گیس کے متعلق سوال کیا کہ وہ عذر ہے۔

نیز فرمایا کہ امام بخاری کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ ہر حدیث کے لیے وضو کرکے دو رکعت پڑھتے تھے، پھر حدیث لکھتے اسی لیے بخاری کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت عطا فرمائی انھوں نے سوال کیا کہ بخاری کی سب سے اچھی شرح کون سی ہے؟ فرمایا: کہ میرے نزدیک سب سے عمدہ شرح شیخ الاسلام کی ہے، جو فارسی میں

ہے اور تیسیر القاری کے حاشیہ پر ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے جب ندوے میں بخاری شریف شروع فرمائی تو میں نے یہی بات ان سے بھی کہی تھی بعد میں انھوں نے میری بات کی تائید کی۔

o

پھر مولانا کمال الدین نے سوال کیا کہ لامع کیسی شرح ہے اس پر فرمایا کہ وہ شرح نہیں ہے بلکہ وہ تو حضرت گنگوہی کے امالی ہیں۔ حضرت کی عادت تھی کہ پورا دورہ خود پڑھاتے تھے، جس میں بخاری سب سے آخر میں پڑھاتے تھے۔ میرے دادے نے بخاری حضرت سے پڑھی، ان کی بخاری پر شروع اور ختم کی تاریخ صرف ڈھائی ماہ لکھی ہے۔

حضرت کا معمول یہ تھا کہ پہلے ترمذی پڑھاتے، اس کا موضوع اختلاف مذاہب ہے۔ اس کے بعد ابوداؤد، اس کے بعد بخاری۔ بخاری میں مذاہب پر کلام نہیں فرماتے تھے، جس حدیث میں کسی کتاب پر بحث فرما دیتے، پھر اسی حدیث پر دوسری کتاب میں نہیں کرتے تھے۔

o

مولانا کمال الدین نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسباق انگریزی میں پڑھائیں، تاکہ طلبہ کے ذہن نشین ہو۔ فرمایا نہیں! اردو میں پڑھائیں اور پھر ضرورت ہو تو عربی میں۔

o

سوال: ہمارے یہاں مختلف ملکوں اور مختلف مسلکوں کے طلباء ہیں کیا ان کے لیے مسلک کے مطابق فقہ پڑھائی جائے؟ فرمایا: ہاں! ان کے اپنے مسلک کے مطابق پڑھایا جائے۔

سوال: ہم ان کو عربی کی مشق کرائیں؟ جواب نہیں: بلکہ ان کو سال بھر کے لیے جماعت میں بھیج دو، مولانا علی میاں فرماتے تھے کہ مجھے تقریر اسی وقت آئی تھی، وہ کہتے تھے ایک مرتبہ اعلان کرنے کھڑا ہوا تو پسینے آگئے میں زبیر صالح کو بھی کہتا رہتا ہوں کہ یہ عرب آئے ہوئے ہیں۔ ان سے عربی سیکھ لو۔

o

مجلس کے اختتام پر فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بھی مجلس ہوتی تھی جس میں مختلف واقعات اور تذکرے ہوتے تھے، ایام جاہلیت کے بھی تذکرے ہوتے تھے۔

o

(بموقع اجتماع سردھنہ ۔ ۱۸ شعبان ۱۴۱۴ھ، ۴ فروری ۱۹۹۴ء)

منگل یکم فروری ۱۹۹۴ء صبح نو بجے میرٹھ کے احباب کی گاڑیوں میں دلی سے روانہ ہو کر ۱۱ بجے سردھنہ اجتماع گاہ پہنچے، وہاں وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر مستورات کی بیعت کے لیے تشریف لے گئے وہاں مردوں عورتوں کا بڑا مجمع ہوگیا تھا۔ مردوں نے گاڑی آتے ہی نعرہ تکبیر اللہ اکبر بلند کیا۔ تو ناگواری کے ساتھ ان کو نعروں سے روکا اور فرمایا، نعروں کا وقت نہیں، کام کا وقت ہے، کام کرو۔ اس پر نعرے فوراً بند ہوگئے۔ بعد مغرب عمومی بیان مولانا احمد لاٹ کا ہوا انھوں نے دریافت کیا کہ کیا بیان کروں فرمایا، ایمان اور اعمال صالحہ کو بیان کرو۔

o

(بموقع اجتماع سردھنہ ۱۹ شعبان ۱۴۱۴ھ، ۲ فروری ۱۹۹۴ء)

آج فرمایا کہ میں نے بھائی عبدالوھاب سے کہا ہے کہ یہ استقبال کا دور ہے، جو کام اور کام کرنے والوں کے لیے بہت نازک مرحلہ ہے، اس میں اہتمام سے روکا جائے۔ پھر فرمایا کہ میں تو بڑے اہتمام سے چپکے چپکے دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہ، کام کی اور کام کرنے والوں کی حفاظت فرمائے مختلف اخبارات کے نمائندے اور مہمان آئے ان سے تفصیلی بات کی ان کے سوالات کے جوابات دے، اخبارات میں آج کل طلاق ثلاثہ کا مسئلہ خوب اچھالا جارہا ہے انھوں نے بھی سوال کیا اس پر فرمایا کچھ حقوق شوہروں کے بیویوں پر ہوتے ہیں اور کچھ حقوق بیویوں کے شوہروں پر ہوتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے حق ادا کرتے رہیں تو یہ نوبت ہی نہ آئے۔ جب ہر ایک اپنا حق لینا چاہے اور دوسرے کا حق ادا نہ کرے تب طلاق کی نوبت آتی ہے۔

○

(بموقع سفر جنوبی ہند ـ ۹ شوال ۱۴۱۴ھ ' ۲۲ مارچ ۱۹۹۴ء)

بدھ کو صبح دس بجے جنوب کا سفر شروع ہوا کیرالہ ایکس پریس سے دلی اسٹیشن سے روانگی ہوئی اسٹیشن پر پہیوں والی کرسی نہیں آسکی تھی اس لیے کار سے اتر کر رکشہ میں تشریف فرما ہوئے ' احقر بھی رکشہ میں سوار ہو کر پکڑ کر بیٹھا کافی مسافت رکشہ سے طے کی ' چلتے چلتے بھائی کرامت نے کہا حضرت تو بہت عرصہ بعد رکشہ میں بیٹھے ہوں گے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اور مولوی یوسف صاحب سہارنپور گئے ' ٹرین لیٹ تھی ' رات میں دیر سے سہارنپور گئے اس وقت رکشہ میں بیٹھے تھے پھر فرمایا اونٹ گاڑی ' گھوڑا گاڑی وغیرہ وغیرہ سب سواریوں میں سفر کیا مگر اسکوٹر پر کبھی نہیں بیٹھا۔

○

(بموقع اجتماع ہوجاتی آسام ـ ۵ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ ' ۱۷ اپریل ۱۹۹۴ء)

آسام کے وزیر اعلیٰ مسٹر ھتیشور سائیکیا مع اپنے بیٹے کے اور آسام اسمبلی کے اسپیکر وریش چکروری نیز وزیر انصاف ' وزیر تعلیم اور وزیر صحت وغیرہ سب تھے ـ ان سے بہت مفصل گفتگو کی ' فرمایا آئندہ اور دنیاوی مناصب دنیا کے فائدے اور مادیات کے لیے نہیں ہیں بلکہ خدمت خلق کے لیے ہیں ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ـ

پہلے زمانہ میں عہدہ اور منصب اس لیے قبول کیا جاتا تھا کہ اس کے ذریعہ سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچے کا اپنا فائدہ   نہیں تھا ـ یہی وجہ ہے کہ عین جہاد کے موقع پر فوج کے کمانڈر کو علیحدہ کیا گیا ہے تو انھوں نے فوراً اپنے لیے امیر اور کمانڈر کی اطاعت قبول کرلی ـ

○

دین کا رنگ اس وقت آئے گا جب دین پر براہ راست جان لگے گی، آدمی مدرسہ بنائے، ہزاروں روپے اس پر خرچ کرے، مگر قل ھو اللہ یاد نہیں ہو گا جب تک جان نہ لگائے۔ کوئی بھی شعبہ زندگی کا ہو، دین پر جان لگائی جائے، لوگ کہتے ہیں ہم تو نماز پڑھتے ہیں، اور کیا کہو ہو، بھائی! جو ہم اپنی طرف سے کہیں اسے چھوڑ دو، جو خدا اور رسول کی طرف سے کہیں اسے لے لو

پل صراط کو جو بال سے باریک کہیں ہیں وہ بھی جادۂ شریعت ہے۔

○

انفرادی غلطیوں سے کون پاک ہے، ہمدردی اس کے ساتھ یہ ہے کہ ایسی تدبیر اختیار کی جائے کہ اس کے اکرام میں بھی فرق نہ آئے، اور وہ غلطی بھی دور ہو جائے۔ اور مجمع کے سامنے بات آئے تو کسی کا نام لے کر ہرگز نہ کہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں یہ ہے کہ آپ یوں فرماتے تھے کہ قوم کو کیا ہو گیا کہ فلاں فلاں کام کرتے ہیں، یا کیوں فلاں فلاں برائیاں قوم میں پیدا ہو گئی ہیں، اس طرح کہیں کہ کوئی اشارہ سے نہ سمجھ سکے کہ کس کے بارے میں کہا ہے۔

○

دین کی بات یوں ہے کہ امیر تابع ہے اہل شوریٰ کے، اور عوام تابع ہیں امیر کے، اور اہل شوریٰ چپکے ہوئے ہیں امیر کے ساتھ۔ اگر یہ بات قابو میں آجائے تو جزئیات کا حل کرنا آسان ہے۔ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک میں آپس میں اختلاف ہو جاتا تھا، فرماتے کہ تو میرے خلاف کہہ رہا ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم دونوں ایک رائے پر جمع ہو جاؤ، تو میں اس کے خلاف نہ کروں ــــــ جوڑ ایک دوسرے پر اعتماد کی بنیاد پر ہے، آپس میں تیزم تازی بھی ہو جاتی ہے، مگر دل تک بات نہیں پہنچتی۔ حاجی اویس نے کہا کہ عوام قربانی میں آگے بڑھ رہے ہیں، اگر شوریٰ قربانی میں آگے نہ بڑھے تو عوام کی نگاہوں میں ان کی وقعت گھٹ جائے گی، ان کے اندر عمومی کام کیسے

آ ے شوری اعمال میں جڑے ۔

حضرت جی ! یہ چیز کیسے آئے تم خود مشورہ کر کے آپس میں بتلاؤ ۔

سیلون کے امیر نے کہا کہ شوری کی جماعت میں سے ہر ایک میں اتنی صلاحیت ہے کہ پوری دنیا میں جاسکتا ہے ' اور ملکوں میں کام کرسکتا ہے ۔

حضرت جی ! اور اتنی صلاحیت ہے کہ سال میں چلہ دے سکے ۔ الحمد للہ ! ملکوں میں جانے کی صلاحیت ہے ' مگر سال کا چلہ ' اور ماہ کے تین دن ' اور دو گشت پر بھی اپنے کو لاؤ ـــــ ہماری بات میں اتنا ہی وزن ہو گا جتنا ہم ان اعمال پر جڑیں گے ۔

o

اور جو اللہ کے نزدیک مبغوض ہو اس کی مبغوضیت بندوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے ۔ چاہے ظاہر کے اعتبار سے لوگ کتنی ہی چاپلوسی اس کے سامنے کرتے ہوں ۔

o

دین کے کام میں اگر کوئی دنیاوی غرض آجائے تو یہ کاروبار ہے ۔

o

کسی قوم کی مخالفت تمہیں اس پر آمادہ نہ کردے کہ تم ان کے ساتھ عدل سے باز آجاؤ ۔

o

حضرت عثمان تاریخ کے اکیلے آدمی ہیں کہ نبی علیہ السلام کی دو بیٹیاں ان کے نکاح میں آئیں پہلے دونوں خلیفہ کے نبی علیہ السلام داماد تھے ۔

o

محنت کے چھوٹنے پر اعمال زندگیوں میں سے نکلنے لگے ' یہاں تک کہ دو چار عمل کر کے انسان یوں سمجھنے لگا کہ میں اپنے مقصد کو پالیا ' حالانکہ اس کی ذمہ داری یہ تھی کہ زندگی کے تمام گوشوں میں دین پر چلتا اور اس پر محنت کرتا ۔

اچھائیاں انسان کرتا ہے تو اس کے اثرات پڑتے ہیں ' اور برائیاں کرتا ہے تو اس کے بھی اثرات پڑتے ہیں ۔

ں

بھلائیاں اور برائیاں دنیا میں انسانوں سے پھیلتی ہیں، آج بھلائی اور برائی کا امتیاز اور فرق بھی ختم ہو گیا — بھلائی اور برائی کیا ہے، جسے خدائے پاک بھلائی کہیں بھلائی ہے، اور جسے خدائے پاک برائی کہیں وہ برائی ہے۔

بڑی بھلائی کیا ہے؟ وہ توحید کا اقرار ہے، اسے اپنے دل میں جمانا ہے اور اس کے مطابق عمل اور اس کی محنت کرنی ہے۔

اللہ کو راضی کرنے کی کوشش میں لگا رہے گا، تو اللہ پاک مخلوق کے ساتھ بھی اس کے تعلق کو درست فرمائیں گے۔

جماعتوں میں اس لئے جانا ہے کہ اللہ کو راضی کرنے کی فکر کے ساتھ عمل ہو رہا ہو۔

ابتدا تو یہ ہے کہ احساس پیدا ہو اور انتہا یہ ہے کہ عمل ذوق و شوق اور رغبت کے ساتھ ہو۔

○

صفت اکرام یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کے حق کو حق سے زیادہ ادا کیا جائے۔ دن کو ان عملوں میں لگے رہے ہوں، اور راتوں کو اللہ سے دعائیں کر رہے ہوں۔

اپنی کمی، کوتاہی اور اب تک کی بے عنوانی سے اللہ پاک سے معافی مانگ رہے ہوں۔ نوازش یہ ہے کہ کم سے کم عذاب سے نجات مل جائے۔

○

ایمان کے اندر حلاوت بھی ہے، شیرینی بھی ہے، لیکن ہمارے ایمانی مزاج میں فتور آیا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ لذت ہمیں محسوس نہیں ہوتی۔ فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ ان ملک و مال والوں کو اگر اس دولت کا پتہ چل جائے جو ہمارے پاس ہے تو بجائے ملک و مال والوں کے ہم سے جنگ کرنے لگیں۔

اگر اعمال کی طرف رغبت نہ ہو تو سمجھو کہ اندرون کا کوئی مرض ہے۔ ہماری طبیعت پر زنگ یا ایسا غبار ہے جس کی وجہ سے ہمیں اس لذت کا پتہ نہیں۔

○

گفتگو چلی رائے ونڈ میں طلبہ کی تعداد بڑھانی چاہیئے مولوی احسان صاحب نے کہا اگر مشورہ والے مان جائیں تو بہت اچھا ہے۔ اس پر بھائی عبدالوہاب سے مشورہ کرنے کے لئے حضرت جی مدظلہ نے گفتگو کا آغاز کیا تو بھائی عبد الوہاب نے بڑے جوش سے کہا حضرت آپ اس میں دخل نہ دیں۔ حضرت جی مدظلہ نے بڑے تحمل سے فرمایا نا بھائی یہ بات نہیں بعض جگہوں کے لڑکوں کو تو بلا کر داخلہ دینا چاہیئے، جیسے یہ نئی روسی ریاستیں جو آزاد ہو رہی ہیں وہاں دین پہنچانے کیلئے ان کو علم دین پڑھانا ضروری ہے۔ باہر کے ممالک کے طلبہ کو انکار بالکل مناسب نہیں، اس بارے میں اللہ تعالی سے ڈرنا چاہیئے اگر وسائل نہیں ہیں جگہ کی تنگی ہے تو اضافہ کرو، جگہ بڑھاؤ یا مدرسے بڑھاؤ، اگر اپنے یہاں گنجائش نہیں ہے تو اپنے کسی دوسرے مدرسہ میں داخلہ کراؤ۔ اس پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ جب ان کو اپنے مدرسوں میں داخلہ نہیں ملتا تو وہ دوسرے لوگوں مودودیوں، بریلویوں کے مدرسہ میں چلے جاتے ہیں کیوں کہ انکو سر چھپانے اور ٹھکانے کی ضرورت ہوتی ہے، پھر وہ لوگ ان کے ذریعہ اپنی دعوت چلاتے ہیں۔ (رائے ونڈ۔ ۱۷/اکتوبر ۱۹۹۳ء)

○

ابھی حضرت جی نے عربوں کے ایک مجمع میں فرمایا ہے کہ: زیادہ جوش بھی ٹھیک نہیں اتنا زیادہ ہوش بھی ٹھیک نہیں، اتنا ہوش کس کام کا کہ زندگی بھر جو کام کرنا چاہئے تھا اس میں چار مہینے بھی نہیں لگاتے۔

اور اتنا جوش بھی نہ ہو کہ بیوی کو بیوہ خانے میں ڈالوں گا، بچوں کو یتیم خانے میں ڈالوں گا اور میں گھر کو بیچ دوں گا، نوکری کو چھوڑ دوں گا اور میں ہمیشہ کیلئے تیار ہوں یہ بھی ٹھیک نہیں۔

جوش کے معنی جو شریعت کی حدود کو چھوڑ کر ہو اور ہوش کے معنی جو شریعت کی حدود میں رہ کر ہو۔ (از ٹیپ تقریر مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری)

○

پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات کے مقابلہ میں صبر عفت کہلاتا ہے، مصائب پر صبر، صبر اور اسکی ضد کا نام جزع فزع ہے۔

ثروت ودولت کی بہتات میں صبر کا نام ضبط نفس اور ضد کو بطر چھچھورپن کہتے ہیں

میدان جنگ اور اس قسم کے مہلک حالات میں صبر کا نام شجاعت ہے اور ضد کا نام جبن (بزدلی) ہے۔

غیظ وغضب کے حالات میں صبر کو حلم کہتے ہیں اور اسکی ضد کا نام تذمر ہے، بے قابو ہونا۔

حوادثات زمانہ پر صبر کو وسعت صدر (کشادہ دلی، حوصلہ مندی) اور اسکی مخالف صفت کو ضجر، تنگ دلی اور بے صبری کہتے ہیں۔

دوسروں کے پوشیدہ رازوں پر صبر ہے تو اسکا نام کتمان، ستر، پردہ پوشی ہے، بقدر کفایت معیشت پر صبر ہے تو اسکو قناعت کہتے ہیں۔

ہر قسم کی عیش پسندی کے مقابلہ میں صبر کو زہد کہتے ہیں۔

۱۔ برادران یوسف کی ایذارسانیوں پر صبر

۲۔ آزاد ہونے کے باوجود غلام بن جانے اور ایسے ملک ایسی قوم کے ہاتھوں میں فروخت ہو جانے پر صبر جو معاشرت ومعیشت میں بھی مخالف اور دین وایمان میں بھی دشمن تھی۔

۳۔ عزیز مصر کی بیوی اور مصری عورتوں کی پُر فریب ترغیبات پر صبر۔

۴۔ قید خانہ کے مصائب پر صبر

۵۔ عزیز مصر کی تمام دولت کے وکیل بن جانے پر صبر یعنی اللہ کی شکر گزاری کا اظہار اور شیخی سے پرہیز ۔

۶۔ مملکت مصر کے حاکم مطلق ہونے پر صبر یعنی ظلم کبر اور شیخی سے پرہیز

۷۔ ہر دو حالتوں میں قناعت وزہد کی زندگی کو ترجیح۔

۸۔ ایذارساں بھائیوں کی ندامت کے وقت اختیار صبر یعنی وسعت قلب کا ثبوت۔

لاتثریب علیکم الیوم، یغفر اللہ لکم ۔

سنگاپور اور ملیشیا کے تبلیغی احباب سے گفتگو
نظام الدین، دہلی
فروری ۱۹۸۰ء

دین کسی کی میراث نہیں ہے، جو اس راستے میں قدم اٹھائے گا، اللہ پاک نے اسے دینے کا وعدہ کر رکھا ہے جتنی جو محنت کرے گا، اللہ پاک دونوں کو زندہ فرمائیں گے، اعمال کا بھی دروازہ کھلے گا، اور دل کا بھی یقین بڑھے گا۔ خدا کے اور اس کا مخلوق کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے، جو جیسے عمل کرتا ہے اس کے اعتبار سے اللہ پاک دروازہ کھولتے ہیں۔

o

انسان اپنی زندگی کے اعتبار سے ان اعمال کا پابند ہو جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں، اور دل کے اندر اس کا درد ہو ــــــــ کہ وہ اسی راستے پر آجائے، یہ چیز ہے جو انسان کو فرشتوں سے بھی زیادہ ممتاز کر دیتی ہے۔

o

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اللہ کے سامنے روتے تھے اور دن کو بندوں میں محنت کرتے تھے اور اس کے درمیان جو پیش آئے اسے برداشت کرتے یہ ترقی کا ذریعہ ہے ----- قید ہو کر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دینی شروع کردی، سمجھاتے رہے، حضرت عمر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ترس آیا کہ حضور یہ آدمی آپ کی بات نہیں مانتا اور سمجھا، اجازت دیجئے کہ گردن اڑادوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ نہیں کی، سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آیا اور سمجھا ــــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

سے فرمایا اگر تمہاری بات مان لیتا تو یہ آدمی جہنم میں چلا جاتا' اللہ نے اسے جنت کے راستے پر ڈال دیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر یہی تھی کہ لوگ اللہ کے راستے پر پڑ جائیں' اور آپ کو اس کا اتنا فکر تھا کہ اللہ پاک نے تسلی دی فلعلک باخع نفسک۔

اپنا کام دردمندی سے کرتے رہنا ہے' اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا ہے' اخلاص کے ساتھ' درجہ مندی کے ساتھ جب دین کی محنت کی جاتی ہے تو اللہ پاک دین کو زندہ فرماتے ہیں۔ جتنی سنت کے مطابق' اور حقیقت کے مطابق محنت ہوگی اتنا ہی اللہ پاک دین کو ظاہر فرمائیں گے' جو انسان دین کی حیات کا ذریعہ بنتا ہے وہ اللہ کا محبوب اور پیارا بندہ بنتا ہے' اللہ پاک ہمیں اپنی ذمہ داریوں کے سمجھنے کی' اپنے داعی کے مقام کو سمجھنے کی اور اللہ کے احکامات کے مطابق محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

o

کسی چیز کا خیر ہونا کافی نہیں' ترتیب کے ساتھ کرنا بھی ضروری ہے۔ ظاہری احوال چاہے کتنے ہی خراب ہوں' لیکن جب محنت ترتیب کے ساتھ ہوتی ہے تو اللہ پاک اس کے اثرات ظاہر فرماتے ہیں' اللہ کا کرم ہے کہ اس وقت عالم میں کام ہو رہا ہے' لوگ متوجہ ہو رہے ہیں' اس لیے کام کرنے والوں کو' دوستوں کو جمع کیا جاتا ہے کہ کام ترتیب سے ہو۔

قد افلح من زکاھا کامیاب ہے وہ آدمی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا' تزکیہ کیا ہے؟ اپنے کیے میں کمی تلاش کرنا اور اسے چھانٹ کر نکالنے کی محنت کرنا۔ کرنے والا اپنے آپ کو ہر وقت فکر کے ساتھ لگائے رکھے' اور طمانیت کا شائبہ نہ آنے دے' اسی لیے ہم جمع ہوئے ہیں کہ باہمی مشورے سے کام کریں' اور قدم اٹھائیں۔ جو اپنے آپ کو خدا کا بندہ اور رسول پاک کا امتی کہتا ہے اس پر امت کی ذمہ داری ہے۔ دین آسان ہے مگر محنت کو چاہتا ہے' اور محنت اتنی آسان ہے کہ ہر شخص کرسکتا ہے' مگر نزاکت یہ ہے کہ نفس کی آمیزش اور خواہشات کی طلب جب آجاتی ہے تو پھر مشکل ہوتی ہے۔ اپنے نفس کی

شرارتوں سے بچنے کے لیے باہمی مشورے سے' اور پابند ہو کر جانا چاہئے۔ کام میں لگنا تو آسان ہے مگر اس کی پابندیوں کو لیے ہوئے چلنا' ان نزاکتوں کی رعایت کرنا اس کے ہم مامور ہیں ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ ۔ حکمت انہیں نزاکتوں کا نام ہے کہ وہ نزاکتیں ہر کام کرنے والے کو پیش آتی ہیں' ان نزاکتوں سے گذرنا ہی اس کی ترقی ہے۔

O

نزاکتیں آدمی کی استعداد کے اعتبار سے آتی ہیں' اس لیے دین کا کام کرنے والا ڈرتا ہے کہ میرے قدم کہیں جل نہ جائیں' مجھ سے کہیں کوئی لغزش نہ ہو۔ اس لیے کرتا ہے' اور ڈرتا ہے' اور پریشانیوں میں خدا کی رحمتوں سے مایوس نہ ہونا ہے۔ اللہ کی رحمتوں سے امید ہو' اور اپنے نفس کی شرارتوں کا خوف اپنے کئے پر مطمئن ہو جانا یہ مومن کی شان نہیں ہے' اور مایوس ہونا یہ بھی مومن کی شان نہیں ہے' خدائے پاک کس وقت کے عمل کو قبول فرما کر اس کے نتائج کو دور دور تک پہنچا دے۔

O

سہ ماہی مشورے کی نوعیت کیا ہو؟ یہ سب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا آپس میں جمع ہو کر متفرق ہونا یہ دین کی نسبت پر ہو' یہ ہے سہ ماہی مشورے کی نوعیت۔ اس کی ترتیب یہ ہو کہ علاقے کے کام کرنے والے' فکر کرنے والے جمع ہو رہے ہوں' اپنے اپنے علاقے سے عمومی لوگوں کو لانے کے بجائے وقت دینے والوں کو ساتھ لے کر آئیں۔ عمومی دعوت کی بات بھی چلتی رہے اور اس کے ساتھ ساتھ کام کے دردمند کام کے بڑھانے کے اور فکر کے مشورے بھی کرتے رہیں۔ فکرمند حضرات مشورہ بھی کرتے رہیں' اس مشورے میں یہ فکر ہو رہی ہو کہ کون سے علاقے میں کام کس طرح چل رہا ہے اور کہاں کام کی ضرورت ہے' اور اس کا فکر کیا جا رہا ہو کہ کس علاقے میں کام کی نوعیت کیا ہے۔

O

تھائی لینڈ والوں کو بلایا جائے' تھوڑا سا شریک کیا جائے' اس کی وجہ:

بھی ہے کہ تھائی لینڈ میں ابھی بھی کام کی شکل نہیں ہے۔ ملیشیا والوں کو ان کی ہمت افزائی کی ضرورت ہے۔ تم ہمیں اطلاع دیتے رہو، ہم کوشش کرتے رہیں گے، خدا کرے کہ اس نوعیت کی جماعت مل جانے اور شریک ہوجائے۔ بیرون کے لیے بھی چھان بین کی ضرورت ہے، آس پاس ملکوں میں بھیجتے رہیں یہ مسئلہ ہے، اہم ہے اور ہر جگہ اس کی ضرورت ہے، اس لیے کہ کوئی فرد موجود نہیں ہے جو دین کی ہر شاخ پر نظر رکھتا ہو اور ہر وقت فارغ ہو، اس لیے ایک جماعت کی ضرورت ہے۔

O

پیدل جماعتوں کا فائدہ سواری کی جماعتوں سے زیادہ ہے، اس کے اندر محنت کرنے والے اخلاص کے ساتھ چلنے والے ہوں اور ان کی فکر کرنے والے ہوں کہ وہ صحیح چل رہے ہیں۔ اس کی اگر رعایت ہو تو ضرور چلائی جائے پیدل جماعت، اور ایسا ہو کہ جماعت روانہ کردی اور بھیجنے والوں کو اس کا کوئی خیال نہ ہو اور روانہ کر کے بےفکر ہوجائیں تو کبھی ایسی جماعت نہ چلائیں۔ نکلنے کے بعد نئی نئی صورتیں پیش آتی ہیں، نصرت کرنے سے اللہ پاک ان کے حل کی صورتیں نکالتے ہیں۔

O

کام کی نوبت اب اس درجہ پہنچ گئی ہے کہ اغراض والے بھی اپنے اغراض پورا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اور فساد والے بھی فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے اگر جماعت روانہ کی جائے، تو نظام بنا ہوا ہو اور ہر ہفتہ جا کر ان کی خبر لانا، نظام بتانا اور ہمت افزائی کرنا ایسی صورت ہو تو ضرور جماعت چلائیں، اللہ جل شانہ تمہاری اس محنت کو قبول فرمائے۔

O

ضرورت کے اعتبار سے ہم بھی محسوس کرتے ہیں ضرورت، مگر نزاکت کے اعتبار سے ابھی ہم حاضری مناسب نہیں سمجھتے ہیں۔ اس واسطے کہ تمہارے یہاں اوپر کے طبقے کی طرف غلط (طریقہ پر) نگرانی ہے۔ ایسے وقت پر ڈھیر سے

دھیرے کام کرنا یہ ہی مصلحت ہے، خدا کرے کہ غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ اس وقت ہنگامہ کی صورت مناسب نہیں ہے، ہمارا آنا ہی ہنگامہ ہے۔

تم حضرات کا فرمانا یہ بھی کام کی مصلحت سے ہے، اور ہم بھی کام ہی کی مصلحت سے تاخیر ضروری سمجھتے ہیں، منافع کو حاصل کرنے سے مضرتوں سے بچنا زیادہ ضروری ہے۔ کام کے اندر کیوں اور مشکلات کا موقع دیا جائے، اب بھی کام کرنے والوں کو کتنی دشواریوں کا سامنا ہے۔

ضرورت کا احساس ہمیں بھی ہے کہ حاضر ہونا ہوگا، لیکن مصلحت کا تقاضہ ہے کہ اس میں ابھی جلدی نہیں کرنی چاہیے، جہاں سے حاجی روانہ ہوتے ہیں، وہاں جماعت کام کرے، اور عمومی کام کے ساتھ انہیں اس پر آمادہ کیا جائے کہ اپنے اس سفر میں مکہ، مدینہ، منیٰ، عرفات، ہر جگہ کے حاجیوں کو ان کے علاقے میں جمع کر کے یہ بات سمجھائیں، کوشش کریں گے، خدا کرے کوئی جماعت ایسی مل جائے۔ یہ بات سب جگہ پیش آتی ہے، اپنے کام کرنے والے اخلاص کے ساتھ اور یکسوئی کے ساتھ لگے رہیں، ہم قوت کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہیں گے تو حفاظت بھی ہوگی، اور ان کے بھی سمجھ میں بات آئے گی۔ نہ ان کی تائید کرنی ہے نہ تردید کرنی ہے۔

o

تمہارے مطالبات میں اس کی کوشش کریں گے، کام کی نوعیت ایسی ہے کہ استقامت کے ساتھ جم کر کام کرنا یہ ذہن کو صاف کرتا ہے اور بحث و مباحثہ یہ ذہنوں کو الجھاتا ہے۔ بات کو صاف کرنے کا راستہ یہ ہے کہ استقامت کے ساتھ صحیح طریقہ پر محنت کرو۔

ہر ہر گھر کے اندر تعلیم ہو رہی ہو، ذکر تلاوت ہو، لیکن کیسے آئے۔ اس کے لیے کام کرنے والوں کے مشورے سے کا ہے کا ہے ان کو جمع کر کے ترغیب دی جائے، اس لیے کہ بھئی یہ دین کا کام ہے اور دین کا کام اسی وقت تک رہے گا جب تک دین کی مدد (سے صحیح واقفیت اور اس کی حفاظت) ہوگی۔

o

عورتوں کا مسئلہ نزاکت لیے ہوئے ہے، پردے کے ساتھ ہو، محرم کے ساتھ ہو، اگر مغرب سے پہلے مستورات واپس جاسکتی ہوں تو کوئی حرج نہیں، ضرور لیکن محرم کے ساتھ اہتمام کرو بھیجنے کا۔

o

ہم تو چاہتے ہیں کہ ہر علاقے کے کام کرنے والوں کا تسلسل ہو۔ کسی دوست کے گھر پر یا کوئی درخت ہو اس کے نیچے جمع کر کے بات کرو کہ ان کے اندر مسجد کی ضرورت کا احساس پیدا ہو۔ جب مسجد والے اعمال کو کریں گے تو مسجد بھی بنائیں گے۔ جماعت بھی نئے ملک میں جارہی ہوگی، ساتھی بھی نئے ہوں گے، وہاں جا کر کام کرے گی یا ساتھیوں کو سنبھالے گی۔ اس لیے بیرونی ملکوں میں نئے ساتھیوں کو نہ بھیجیں۔

دعوت یکسوئی کے ساتھ دے رہے ہوں، لیکن اگر مجبوری اور دشواری ہو تو چار ماہ تو جماعت میں ہوں، اور اس کے آخر میں حج کر لیا جائے، یہ بھی تمہاری مشکل کی بنا پر کہتے ہیں۔ ورنہ ہم کہتے ہیں کہ حج کا سفر الگ ہو، اور دعوت کا الگ ہو، یہ بھی نہیں کہتے، اور کسی کو نہ لیں (مضمون ناقص ہے) خدائے پاک اپنے فضل سے خود ہی اس کا انتظام فرمارہے ہیں، کام اتنا بڑھ رہا ہے کہ ہر جگہ مستورات کی جماعت کی ضرورت بڑھ رہی ہے۔

o

تم مشورے کی جماعت بناؤ تو امیر کا نام ہی نکال دو۔ کام کا تقاضہ خود اب اس بات کا ہے کہ ہر جگہ ایک جماعت ہو، جو کام کو سنبھالے اور صاف صاف کہہ دو کہ یہ امیر ایسا ہے کہ اسکا کوئی اختیار نہیں، یہ خادم ہے، قوم کا خدمت گار ہے۔

o

طلباء کا کام بھی وہی ہے جو فارغین کا، لیکن وہ چونکہ تعلیم میں مشغول رہتے ہیں، یہ تعلیم میں بھی ممتاز ہوں، ایسے کہ تبلیغ میں نہ لگے ہوئے طلباء سے یہ زیادہ ممتاز ہوں، یہ خیال غلط ہے کہ تعلیم میں نقصان ہوگا۔ اس کی وجہ سے ذہن

کی یکسوئی حاصل ہوتی ہے، اوقات کا ضبط حاصل ہوتا ہے تعلیم میں بھی عمدہ ہوتی ہے تعلیم کے اندر امتیازی درجہ حاصل کرنے کے ساتھ اتنا فکر ہو کہ ہم تعلیم سے فارغ ہو کر جب مختلف شعبوں میں جائیں گے تو دعوت کی اس فکر کے ساتھ جائیں گے، وہاں کی دین کی دعوت کو پہنچانا ہے۔ اس دعوت کی محنت یہ ہے کہ ہر شعبے والے اپنے کام کے ساتھ دین کی محنت میں لگیں۔ انھیں ان کے شعبے سے چھڑانا نہیں ہے، ہفتہ میں دو گشت اس طرح کریں کہ تعلیم میں حرج نہ آئے، ایسے وقت پر فضائل کی تعلیم کریں کہ اس سے اپنی تعلیم کا حرج نہ ہو۔

چھٹی کے اوقات میں جاتے رہیں۔ جماعت میں اپنے بڑوں کے مشورے سے کام کرتے رہیں، جس سے تعلیم میں بھی، اور اپنے کام میں بھی حرج نہ آئے

O

یہ ایک اہم اور نازک مسئلہ ہے، وہ ایک کام میں لگے ہوئے ہیں، اگر ہماری طرف متوجہ نہ ہوں تو ہمارے دل میں کوئی بات بیٹھ جائے، تو یہ بہت سخت ہے۔

ایک مفتی صاحب آئے، میں نے کہا آتے رہو، انہوں نے کہا یہاں میرا کیا کام ہے؟ میں نے کہا کہ دیکھو ہمارا کوئی کام شریعت کے خلاف تو نہیں ہے۔

ڈھیرے ڈھیرے الحمد للہ مدارس آرہے ہیں، کوئی بات ان کی طرف سے ہو تو ان کو جھیلو، زور دینے کا بالکل ارادہ نہ کریں، اکرام و احترام کا معاملہ ہو۔ صحیح بات بھی بے ڈھنگے طریقے سے کہی جاتی ہو تو وہی جھگڑے کا سبب بن جاتی ہے، اصلی تو ذہن بنانا ہے، جرمانے کی صورت نہیں۔ بعض مدارس والوں سے میں نے کہا کہ سال لگانے سے پہلے (عبارت ناتمام ہے)

O

جوانی کے معنی ہیں تیزی سے کسی کام کی طرف جاتا ہے، ادھر بھی تیزی ہوتی ہے اور ادھر آتا ہے ادھر بھی تیزی ہوتی ہے، مشورے کے ماتحت ہونے سے اعتدال آتا ہے۔

O

دنیا کے اندر ایسے بہت سے آدمی ہیں جو اخلاص کے ساتھ چاہتے ہیں کہ

کام کریں، مگر انھیں سہارا نہیں مل رہا ہے کرتے ہیں اور تھک کر بیٹھ جاتے ہیں اللہ نے تمہیں سہارا دے رکھا ہے۔

میں نے عربوں میں بیان کیا کہ اگر کہیں کام رک بھی جائے تو جہاں ہے وہاں رکا رہے گا۔ جو نمازی رہے وہ تو نمازی رہیں گے۔ بہت سے آگے کی فکر کر رہے ہیں، اور اگر درمیان میں رک گئے تو وہیں رہ جاتے ہیں۔ جتنا ہو رہا ہے اس پر شکر کرتے ہوئے، اور اللہ سے کوتاہیوں کی معافی مانگتے رہو، اور آگے کے ارادے کرتے رہو۔

عمل کے کرنے کا اتنا اہتمام ہو اس سے زیادہ اہتمام اس کے قبول کیے جانے کا کرو۔

اللہ پاک اخلاص والوں کے عمل کو زیادہ قبول کرتے ہیں دعا، عاؤں کا اہتمام ہو، اور رونے کا آنا اخلاص کے معنی خالص کرنے کے ہیں اور خالص کس کے لیے اللہ کے لیے۔ کام کے اندر نمایاں ہونے والے آدمی اشخاص بھی (اخلاص ویکسوئی سے کام) کر رہے ہوں۔

o

ساتواں نمبر یہ ہے کہ چھ نمبر کے علاوہ اور کچھ نہ کرنا۔

o

نیت صحیح ہو، عمل طریقے سے ہو، اور اپنے محل پر ہو۔ یہی کلمہ ان کا تھا کہ قلعوں کی دیواریں ہل جاتی تھیں، اور ہمارا کہ اپنا دل بھی نہیں ہلتا۔ ہر بستی کے گھر تک جماعت پہنچ کر محنت کرے۔

o

طریقہ یہ ہے کہ سادگی ہو، ہر طبقہ کے لوگ مل جل کر کریں، اور یہ نہیں کہ جو اصل کام کر سکتے ہوں انھیں انتظام میں جوڑ دو۔ جو اصل کام میں زیادہ وقت نہیں لگا سکتا، انھیں اس میں لگاؤ، ثانی کام میں۔ کیوں کہ یہ اس کی دل بستگی کی چیز ہے اور اسے ذریعہ بناؤ اصل کام میں لگنے کا۔

ایک جماعت مشورہ والی بناؤ، سارے کام اس جماعت کے مشورے سے ہو

رہے ہوں، مشورے والے ایسے ہوں کہ ان کے سامنے اصل کام ہو، سادگی ہو، اور سب کو جوڑ کرکے چلنے کی صفت ہو، کوئی آدمی اپنی رائے سے کوئی کام نہ کرے، مشورہ کے ماتحت ہو کر کرے۔ مشورے سے کریں تو اللہ پاک اپنے علاقوں کو بھی اٹھا رہے ہوں، اور ان کی بھی تسلی ہو رہی ہو۔

o

ہمارا کام دعوت ہے، دعوت کیا کہ لوگوں کو سمجھانا بجھانا، ذہن بنانا، رغبت پیدا کرنا جتنا اسکے اندر کوشش کروگے، اتنا ہی دعوت دینے والے کے اندر قوت پیدا ہوگی۔ مستورات کا کام بہت نازک ہے، اور دھیرے دھیرے ہی چلتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ عورتیں شیطان کے پھندے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جوش میں آکر ان حدود کو پھاند جائیں کہ جہاں شیطان (ہماری گھات میں ہے)۔

o

تعلیم و تربیت، نمازوں کا اہتمام گھروں میں ہو رہا ہو مردوں کے مشورے سے انھیں جوڑ کر بات کی جائے، ہر گھر کے اندر تعلیم ہو رہی ہو، نماز تسبیح، قرآن کی تلاوت کی جا رہی ہو۔ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جو عورت کو اپنا امیر بنائے، امارت تو نبوت کی شاخ ہے، خلافت، امارت، نبوت یہ تو سب ایک ہی لائن ہے، عورتوں کے لیے امارت، نبوت، خلافت اللہ ہی کی طرف سے نہیں۔

مرہم پٹی اور زخمیوں کے پانی پلانے کے بارے میں جو واقعات بتائے ہیں وہ تو احد کا قصہ ہے، اس وقت پردہ کا حکم ہی کہاں نازل ہوا تھا، اس کی گواہی آدمی، اسے فیصل کیسے بناؤ؟ شروع میں امیر کے معنی وہی سمجھے جاتے تھے جو مقصود تھے، جب کس مپرسی کا زمانہ تھا، اس وقت جو اس کے معنی تھے وہ ہی سمجھے جاتے تھے، اب جب استقبال کا زمانہ آگیا تو اسے منصب سمجھا جانے لگا۔ یہ ایک ذمہ داری ہے، کوئی عہدہ اور منصب نہیں ہے، وہ تو قربانیوں کا اور اللہ کے یہاں جواب دہی کا مقام ہے، جہاں امیر ہو وہاں دو چار کام کرنے والے ساتھ جوڑ دو۔

o

اذ ذکر اللہ و جلت قلوبھم ' یہ پرانوں کی صفات ہیں ' پرانا پن صفات کے ساتھ ہے ' مدت کے ساتھ نہیں ۔ مثنی ابن حارثہ کی جماعت کے لیے آدمی آیا ' حضرت ابو بکر کے انتقال کا دن تھا ' حضرت عمر کو بلایا اور فرمایا کہ صبح کو انتقال ہو تو شام کو ' اور شام کو انتقال ہو تو صبح کو جماعت روانہ کر دیں ' میرے انتقال کا صدمہ انھیں جماعت بھیجنے سے نہ روکے ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی نے تشکیل شروع کی تیسرے دن نام آیا ' تابعی کو امیر بنانے کا نمبر آیا تو ابو عبید ثقفی نے صحابہ کا اعتراض نقل کیا ' فرمایا کس نے سبقت کی ۔ اللہ کا خوف اللہ کا ڈر ' قربانی میں بڑھانا ' اعمال کی کوشش (عبارت ناتمام ہے)۔

حدیث میں آتا ہے کہ دو بھوکے بھیڑئے بکریوں کے گلے میں چھوڑ دے جائیں وہ اس گلے کو اتنا نہیں بگاڑتے جتنا جب جاہ انسان کو بگاڑتا ہے ۔ حب جاہ یہ وہ رزیلہ ہے جو سب آخر میں نکلتا ہے ۔

○

حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہر شخص خطاوار ہے اب کوئی یہ سمجھے کہ میرے اندر کوئی خطا نہیں ہے وہ تو دھوکے میں ہے ۔ ہر شخص اپنے بارے میں متفکر رہے ' مطمئن ہو جانا یہ ترقی کو روکنا ہے ۔ قیامت کے دن محاسبہ سے پہلے اپنا محاسبہ کرتے رہو ' اگر محاسبہ کرتے رہو گے تو اپنی بیماریاں سامنے آتی رہیں گی ' اگر محاسبہ نہ کرو گے تو بیماریاں سامنے نہ آئیں گی کہیں ایسا نہ ہو کہ خسر الدنیا والاخرۃ کا مصداق بن جائیں ' حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا ارشاد ہے حاسبوا قبل ان تحاسبوا ' ترقی کا معیار یہ ہے کہ قربانی میں بڑھتے چلے جائیں ' اور سنتوں کا اہتمام اور اتباع آتا رہے ۔

○

ہدایت کے پہلے ہم خود محتاج ہیں اور اللہ کی طرف سے ہدایت کا وعدہ محنت کرنے والوں کے لیے ہے ۔ اگر اپنی نیت نہیں کی اور دوسروں کی نیت کی تو جس کی نیت کی ہے اس کا وعدہ نہیں اور جس کا وعدہ ہے اس کی نیت نہیں '

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔

جو نیت ہے اور جو ارادہ ہے اس کو خدائے پاک اس دل والے سے زیادہ جانتے ہیں، انسان کے دل کا چور جلدی سے پکڑا نہیں جاتا، قیامت کے دن سب سامنے آجائے گا، انسان کی اپنی لغزش قیامت کے دن سامنے آئیں گی، وحصل مافی الصدور۔

o

کام آسان بھی ہے اور نازک بھی، اس نزاکت کی ہر وقت فکر کرتے رہنا چاہیے، ذرا سی بے پروائی سے بات جاتی رہتی ہے۔ اپنی کوتاہیوں کو سامنے رکھ کر دعائیں مانگتے رہیں، اور اپنی بساط بھر کوشش کرتے رہیں اللہ پاک سے امید ہے کہ مدد اور رہنمائی فرمائیں گے، موت تک اسکی کوشش کرتے رہنا ہے، موت تک بھی اگر نیت صحیح ہو جائے اور قبولیت حاصل ہو جائے تو ہم کامیاب ہیں۔ لگے رہنا ہے اور کوشش کرتے رہنا ہے، صحیح عمل کی بھی اور صحیح نیت کی بھی۔

o

اللہ تعالی نے انسانوں کے اندر مختلف استعدادیں رکھیں ہیں، مختلف صلاحیتوں والے مل کر دین کا کام کریں گے تو دین کی عمارت بھی کھڑی ہوجائے گی۔ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے دین کی مثال مکان سے دی ہے اور مکان کے بنانے میں ہر چیز استعمال ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر آدمی دین کے کام میں لگے گا تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ استعمال ہوگا، مکان کے بنانے میں بلور۔ ڈے، پتھر، ہر چیز استعمال ہوتی ہے۔ اور اگر یہ بکھرے رہے تو نہ تعمیر ہوگی اور الگ الگ یہ بھی بے کار ہوں گے۔ چار ماہ دے کر یہ دیکھو کہ میں اس مکان کے استعمال میں کس جگہ فٹ ہوسکتا ہوں۔ جو جس طبقہ کا ہے وہ اس مکان کا ایک حصہ ہے، آزاد نہیں ہے۔

o

موسی اور فرعون کا واقعہ، جو مارنے کے لیے چلے تھے وہ تو ختم ہو گئے اور جنھیں موت نظر آرہی تھی وہ بچ گئے۔ کھوڑے میں نخوت رہتی ہے، حضرت

جبریل گھوڑی لے کر آئے، فرعون کے گھوڑے نے دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔

تم اگر موت کو بھولتے ہو تو موت تمہیں نہیں بھولتی۔ جان بھی خدا کی اور مال بھی خدا کا، یہ دونوں خدا کے حکم پر خرچ کرنا آجائے، جو جان اور مال بچاتا ہے یہ راستہ دشوار ہوجاتا ہے۔ آدمی جتنا چاہے موت کو بھلائے مگر موت اسے نہیں بھلاتی، جب بچنا نہیں ہے تو بھئی اس کی تیاری کر لیں۔ آج ہماری بیماری یہ ہے کہ ہم جان بچاتے ہیں مال بچاتے ہیں۔ جماعت میں نکلو کہ جان مال لگانا آجائے (دو حکم ہیں، کلمہ ہر وقت کا اور نماز دن میں پانچ وقت کی اہتمام سے تمام عملوں میں شوق کے ساتھ رہنے کو بڑھائیں، جان کو لگانا سیکھنا ہے جان کو بچانا تو بہت آسان ہے۔

O

اگر کوئی نہ سمجھے تو یوں نہ کہو کہ نہیں مانتا تو جا جہنم میں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جہنم سے بچانے آئے تھے تو یوں کہو کہ بھائی ہم سمجھا نہیں سکے ضرورت سمجھ میں آتی تو یہ بھائی ضرورت جانتا۔

O

کرنے کے کاموں سے روکنے کا نسخہ یہ ہے کہ نہ کرنے کے کاموں میں لگادے، بچنے کا آسان نسخہ یہ ہے کہ کرنے کے کاموں میں اپنے کو لگائے رکھو، نہ کرنے کے کاموں سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ کرنے کے کاموں میں آدمی اپنے کو ہمیشہ لگائے رکھے۔

O

مال کے بڑھانے کا فکر چھوڑ دے، دین قناعت سکھاتا ہے، راحت و آرام کا فکر چھوڑ دے، اسلام مجاہدہ سکھاتا ہے۔ بڑا بن کر رہنے کا جذبہ چھوڑ دے اسلام تواضع سکھاتا ہے، (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) دنیا کے ہر کام میں انسان کا تمام بدن استعمال ہوتا ہے جب سارا بدن استعمال ہوتا ہے تو پھر کوئی کام ہوتا ہے، اسی طرح دین کے کام میں بہت استعمال ہو پھر دین کا کام ہوگا، اس لیے کہ تمام امت ایک جسم کی طرح ہے۔ (مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ)۔

بیان

تبلیغی مرکز، مسجد بنگلہ والی حضرت نظام الدین، دہلی

(۵/ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ - ۲۸/ جولائی ۱۹۷۱ء)

الحمد لله نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد!

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنه اسفل سافلین الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت فلهم اجر غیر ممنون فما یکذبک بعد بالدین الیس الله باحکم الحاکمین! وقال الله تبارک وتعالی لقد خلقنا الانسان فی کبد

دوستو! انسان کے اندر اللہ نے محنت کا جوہر رکھا ہے، آدمی جس چیز پر محنت کرتا ہے تو اس کو قیمتی بنا دیتا ہے، باہر باہر جو بنتا ہے وہ تو چیزیں بنتی ہیں اور اندر جو بنتا ہے اس کو صفات کہتے ہیں، تو بھائی سکرات کے وقت جو فیصلہ ہوگا اندرونی صفات پر ہے اگر انسان نے ان چیزوں پر محنت کی تو میرے محترم بزرگو! یہ محنت کا جوہر چاہے چیزوں پر لگا کر مر جائے چاہے اعمال پر لگائے، غرض بات یہ ہے ان الله لا یضیع اجر المؤمنین اللہ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتے ہیں، جب بدعملی کوئی آدمی کرتا ہے تو اللہ تعالی نے اسے

اپنے دین کی ولت دے رکھی ہے "جتنے کنکرا تنے پتھر" التاجر الصدوق الامین،
اگر کسی کی زمین دبالی تو ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

تو میرے محترم بزرگو! ایک بچہ یونیورسٹی میں پڑھتا ہے تو باپ کہتا ہے کہ فلاں چیز کی بھی فیس، فلاں چیز کی بھی فیس، تو باپ نے سوچا کہ میرا لڑکا اتنا پڑھا ہے کہ بہت ہی پڑھا ہوا، تو باپ نے کہا کہ بیٹا ایسا پڑھنا کہ پڑھا ناپڑھا برابر ہو، تو اس نے پہلے تو خوب محنت کر کے پڑھا، اور پھر اس کے بعد ناغہ کرنا شروع کر دیا تو جونسے سبق کو بھی پوچھیں تو کہتا ہے یہ تو شاید نہیں پڑھا، یا یہ تو سبق آیا بھی نہیں، تو باپ نے کہا کہ میرا بیٹا اب ایسا پڑھے کہ پڑھی اور بے پڑھی کتاب سب کو پڑھ لے، چاہے ستر ہزار کیوں نہ ہو۔

تو میرے محترم بزرگو! اور دوستو! ایسا طریقہ سیکھنا چاہئے جس کے ذریعہ دنیا تو ہے ہی آخرت بھی بن جائے، صرف دنیا ہی دنیا نہ ہو، آخرت کی فکر کرنی ہے اسی پر جان مال لگانا ہے۔

خطاب

مسجد بنگلہ والی حضرت نظام الدین، دہلی

(۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ ۳۱/ جولائی ۱۹۷۱ء)

بھائیو! دوستو بزرگو! اللہ نے دو گھر بنائے ہیں، ایک دنیا کا، ایک آخرت کا، اور ہر ایک کے پیچھے اولاد ہے جس کے راستے پر چلتے ہیں وہ اس کا بچہ ہوتا ہے، اور دنیا نام ہے اللہ کے حکموں سے غافل ہونے کا، سونے چاندی کا نام دنیا نہیں ہے، بلکہ اصل اللہ کے حکموں سے غافل ہونے کا نام دنیا ہے۔ اگر خدا کے حکم کو چھوڑ کر نماز پڑھو گے تو دنیا بن جائے گی، جب خدا کا حکم ان کے اندر نہیں ہوگا تو عبادات بھی دنیا بن جاتی ہیں۔ جب ایام تشریق میں روزہ رکھو گے تو گناہ ہوگا، عصر بعد نماز پڑھو گے تو گرفت ہوگی، اصل چیز خدا کے حکم کی بجاآوری ہے۔

یہ علم واسطہ ہے، اگر واسطہ صحیح ہو تو اس کی قیمت ہوتی ہے، اگر واسطہ درست نہ ہو تو گرفت بن جائیگا۔

یہ ہی سفر دین کے لئے چلے ثواب بن جائے گا، اگر چوری کے لئے نکلے یہ ہی گناہ بن جائے گا، اس لئے پناہ مانگی ہے، اس علم سے جو نفع نہ دے۔ اس کے لئے تمہیں ابھی سے کوشش کرنی ہے، اور خدا کے احکام کو سامنے رکھنا ہے ہر چیز کے اندر۔ اگر ہم ان امور میں چلیں گے تو پھر ہم کو فکر ہوگا کہ ہر چیز میں اللہ کا حکم پورا کیا جائے۔

بچپن میں ایک قصہ سنا تھا، ایک سلطانہ ڈاکو تھا، پکڑا گیا جب اس کو سولی دینے لگے اس کی ماں کو تمنا تھی کہ اس کو دیکھوں، لیکن سلطانہ ڈاکو ماں کو دیکھنا گوارا نہیں کرتا تھا، اس نے یہ کہا کہ یہ ماں کی بدولت ہے کہ آج میں سولی کے تختے پر ہوں۔ لہذا چھوٹی چھوٹی چیز ذریعہ بنتی ہے بڑی چیز کے لئے، جب ہم ان کے اندر بے پروائی برتیں گے تو ہمارا کیا انجام ہوگا، اس کو دیکھیں۔ بس یہ ذریعہ ہے اگر اچھا استعمال کروگے تو اچھا ہوگا، ذریعہ خود اچھا برا نہیں ہوتا بلکہ جیسا اس کو استعمال کریں گے ویسے بن جائے گا۔

اور ساری بزرگی کا خلاصہ یہ ہے کہ اتباع سنت پر زندگی آجائے، اور جتنی سنت کی اتباع ہوگی اتنا ہی اللہ کے یہاں کامیابی کا ذریعہ ہوگی۔

جتنے فرقے ہیں تمام قرآن سے استدلال کرتے ہیں، ۷۲ فرقے ہیں، لیکن آپؐ نے فرمایا کہ تمام جہنمی ہوں گے، علاوہ ایک فرقے کے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوں گے، بقیہ جہنم میں داخل ہوں گے۔

میرے پیارو! عزیزو! ہر چیز کے اندر اللہ کا حکم سامنے رکھو، اگر یہاں نہ سیکھا پھر گھر جاکر یہ دیکھو گے کہ اللہ کا حکم خطرے میں ہے۔ شاہ اسماعیل کے قبیلے میں شادی ہوئی اور نماز جماعت کی چھوٹ گئی، فرمایا کیا یہ سنت ہے، کہا کہ آج کے بعد غلطی نہیں ہوگی، اگر سنت کی اتباع ہے تو دیکھو بڑے بڑے اکابر تمہارے پیچھے ہوں گے۔

دوستو! ایسی ہوا چلی آرہی ہے کہ جس کے اندر اچھے اچھے بچھڑ جائیں گے، اگر خدا کو بھولو گے تو خدا بھی بھول جائے گا۔

ہمارے مدرسہ میں اصلی چھٹی نہیں ہے، البتہ رخصت ہے۔ چھ دن کی تعلیم کی مشغولی، جمعرات جمعہ کا دن تبلیغ کا، صحابہ کرام کے دور میں بھی چھٹی کا معمول نہیں تھا، اس لئے دنیا میں یہ ایک مدرسہ ایسا ہے جہاں چھٹی نہیں ہے، مرنے کے بعد پھر چھٹی ہی چھٹی تعلیم، روزہ، زکوۃ وغیرہ سے تمام سے دنیا و دین دونوں کی چھٹی ہوگی، یہاں تک کہ منہ بھی اپنا دھونے کی ضرورت نہیں، یہاں تک کہ استنجے کی بھی چھٹی ہے، یہ چند سال کی مشغولی

ہے، البتہ تھک جائے تو آرام کی اجازت دی جائے گی، تعلیم ہی کہتی ہے کہ تبلیغ کرو۔

میں نے ایک جگہ کہا کہ کون کہتا ہے کہ تبلیغ مقدم تعلیم مؤخر ہے، یہ کہا تمام خوش ہو گئے، لیکن تعلیم نے سب سے پہلے تعلیم دی تبلیغ کی، اقرأ باسم ربک الذی خلق اقرأ وربک الاکرم، دو جگہ اقرا کہہ دیا کہ پڑھ قرآن کو، لیکن کیا پڑھوایا یایہا المدثر قم فأنذر یہ پڑھوایا اس آیت پاک میں تبلیغ کا حکم دیا گیا کہ کرو اللہ کے رسول نے یہ انتظار نہیں کیا کہ پورا قرآن نازل ہو جائے، فوراً کھڑے ہو گئے، یہ پڑھوایا حکم کرنے کے بعد۔ میرے شیخ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ کا دن مشغولی کا دن ہے، جامع مسجد میں جانا، وغیرہ ذمہ داری بڑھادی گئی، تعلیم سے چھٹی ہو گئی، اس طرح شعبان کی چھٹی نہیں بلکہ مشغول کرنا ہے، دورہ والوں کو اپنی جمعرات کو بھی قضا کرنا ہوگا اب بولو کون تیار ہے، اگر تم ارادہ کرلو، سینکڑوں عرب کے بچے تعلیم حاصل کرنے کے لئے آنے والے ہیں۔

پیارے بچو! استنجے میں تین سنتیں ہیں، یہاں حرام کا پتہ بھی نہیں ہے، قبلہ کی طرف تھوکنا بھی درست نہیں، ایک یہ کہ ہمارا سفر ہے اور پرسوں سے شروع ہو رہا ہے، تمہارا سفر نہیں ہے تم نیکیوں کا ہمارے ساتھ جوڑ رکھو، جیسے افریقہ کے اندر بھی جاؤ، اور یہاں سے ایک جوڑ ہے، اور جو مہمان یہاں آتے ہیں کم از کم ان کو جوڑ کر بیٹھاؤ، اکرام کے ساتھ، احترام کے ساتھ سمجھاؤ، اور آنے والوں کو جوڑنے پر ہم اپنے کو لگا رہے ہوں، اگر تم سب متفکر ہو جاؤ تو ہمارے کام کرنے والے ہیں ان کے مددگار بنو، ایسا مت کرنا کہ کام میں معصیت بنادو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں تمام شرور سے محفوظ فرمائیں۔

خطاب

(بموقع اجتماع بروالا ضلع بلند شہر، یوپی)

یکم محرم ۱۳۹۲ھ ' ۵ فروری ۱۹۷۲ء

میرے محترم عزیزو! دوستو! آج ہمارے سامنے دنیا کا مرتبہ ہے اور اسی کی قدر ہے، اور اسی کی طرف رغبت ہے، شکار کی طرف جانے میں، اور سیاحت کے کرنے میں وقت خرچ کر رہے ہیں، خدائے پاک کے یہاں جس چیز کا مقام ہے وہ انبیاء کرام کا طریقہ ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ کے راستے میں نکلنا، ایک صبح اور شام کے لیے نکلنا پوری دنیا سے افضل ہے، لیکن آج ہمیں چار پیسے کی چیز کی قدر ہے، لیکن اللہ کے راستے میں نکلنے کی قدر نہیں ہے، اللہ کے سامنے اپنے راستے کی بہت قیمت ہے، یہاں تک کہ اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کا دھواں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتا، لیکن آج ہم جہنم کے دھوئیں سے ڈرتے بھی نہیں، ایک مرتبہ عبداللہ ابن المبارک ایک شہر میں آئے، اور شاگرد جمع ہوگئے اور ان کو چھینک آئی تمام نے جواب دیا، شور ہوگیا، پورے شہر میں تحقیق کی گئی، کیا ہوا؟ معلوم ہوا کہ چھینک کا جواب دیا ہے، ان کی عادت یہ تھی کہ اللہ کے راستے کا غبار اکٹھا کرتے رہتے تھے، جو لگ جاتا تھا اس کو اکٹھا کیا، تو چھ اینٹیں بنیں، اور یہ وصیت کی کہ میری قبر کے اوپر ان اینٹوں کو لگا دینا۔

میرے عزیزو! اللہ کے راستے میں جو نکل کر عمل کیا جاتا ہے، اس کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے، لیکن ہم کو نہ اس کا پتہ ہے نہ دھیان اس کا جما ہوا ہے،

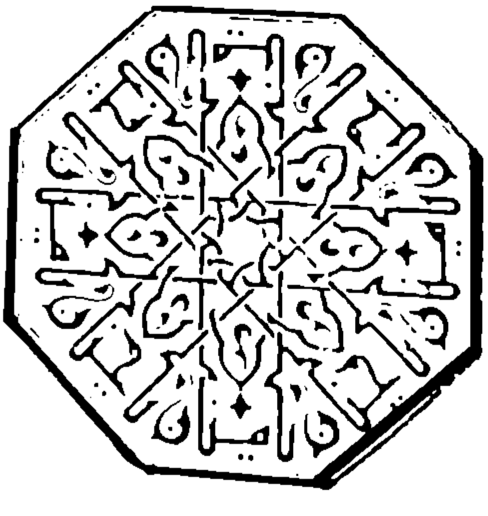
صحابہ کرام کو اس کا دھیان اور اس کا پتہ تھا' ایک مرتبہ ایک صحابی نماز پڑھ رہے تھے' اور ایک چڑیا اڑ رہی تھی' اس کو راستہ نہ مل سکا' اس کو دیکھ کر دھیان آ گیا' فوراً نماز کے بعد اس کو چھوڑ دیا' آج ہم دو رکعت تو کیا اس سے آگے بھی ہو تب بھی دنیا کی چیز کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں۔ آج ہم یہ سوچتے ہیں کہ اتنے عمل پر اتنا کیسے مل جائے گا' اس لیے کہ ہماری نظر دنیا پر ہے' اس بنا پر سمجھ میں نہیں آتا ہے' لیکن جب دینے والے کی حیثیت سمجھ لیں تو ہم کو شک نہیں ہوگا' اب جو وعدہ کرتا ہے اس کے مطابق چل کر دیکھیں' تب اس کا حال اور اس کی لذت حاصل ہوگی' خدا نے اس کے اندر وہ لذت رکھی ہے جو دوسری چیز کے اندر نہیں ہے' انسان جس طرف رخ کرتا ہے ادھر کی سب چیز نظر آتی چلی جاتی ہے' جہاں تک پہنچے گا آگے کی چیز نظر آتی جائے گی' آج ہم نے دنیا کی طرف دیکھنا شروع کر دیا اس بنا پر دنیا کی چیز نظر آتی چلی جا رہی ہے' جتنا ہم ان پر لگیں گے اتنا ہی منافع ہوتا چلا جائے گا' خدائے پاک نے ہم کو جو وقت دیا ہے یعنی زندگی' اس میں خدا کے حکموں کو پورا کریں' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر اپنی زندگی گذاریں' ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا آدھی میزان کو بھر دیتا ہے' ایسے ہی الحمد للہ کہنا میزان کو بھر دیتا ہے' لیکن ہم سے یہ نہیں ہوتا کہ خدا کی بتائی ہوئی نعمت کو حاصل کریں۔

موت آ رہی ہے' اور ہر ایک کی آ رہی ہے' ہمارے ساتھ وہ چیز جائے گی جو فائدہ پہنچائے گی جس کو قرآن پاک نے بار بار بتلایا ہے' جیسے کہ ان العاقبۃ للمتقین اعتبار انجام کا ہوا کرتا ہے' نہ کہ درمیان کا' وان الدار الاخرۃ ھی دار القرار جس وقت کے اندر ہم بہت محتاج ہوں گے اس وقت کے لیے ہم کو کوشش کرنی پڑے گی' اور اللہ کا وعدہ ہے کہ جو خدا کی نسبت پر محنت کرتا ہے خدا اس کو رائیگاں نہیں کرتا ہے' قرآن پڑھ رہے ہو' ہمارے دل میں یہ بات ہے کہ خدا ایک ایک حرف پر کیا عطا فرمائے گا اور سجدہ کی قیمت پوری دنیا سے افضل ہے اگر یہ معلوم ہو جائے تو ہم سجدہ کو ضائع نہیں کریں گے' انسان کے بگاڑ کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اپنی قیمت ہمارے سامنے نہیں ہے جتنے اخلاق و عادات

اسکے اندر ہوں گے اتنا ہی انسان خدا کے نزدیک قیمتی ہو گا ورنہ اگر ایسا نہیں کیا تو انسان بے قیمت ہے اور بات سمجھانے سے اور بار بار سمجھانے سے سمجھ میں آجانے گا اور حق بات کے اندر یہ خاصیت ہے کہ اثر ضرور کرتی ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ اثر نہ ہو۔ اگر نتیجہ ظاہر نہ ہو تو یہ سمجھو کہ ہم سے حق بات اچھی طرح نہیں سمجھائی گئی اگر فوراً نتیجہ ظاہر نہ ہو تو مایوس نہ ہوں جیسے کہ سردی گرمی کی مشقت برداشت کرتے ہیں اور اس کے اندر بھی اپنا ناج صاف کرتے رہتے ہیں۔

آج تو ہم دنیا کی چیزوں کے غلام بنے ہوئے ہیں خدا ہم کو اپنا بندہ بنا ے روپیہ کو تجوری کے اندر بند کئے ہوں تو جب تک اس کو دفع نہیں کرو گے اس وقت تک نفع نہیں ہو گا اب بتلاؤ جو چیز ایسی ہے کہ جب تک دفع نہ کیا جائے اس وقت تک فائدہ حاصل نہیں ہوتا اس کے پیچھے چلیں گے تو خدا کی نظر سے گرجائیں گے اللہ ہم کو اپنے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے مانگو اللہ سے اور ہمیں اپنے مشاغل میں پھنس کر اپنے خدا کو بھلانا نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ بتاؤ اگر پوری دنیا کا سونا اکٹھا کیا جائے کیا آسمان تک پہنچ جائے گا سب نے انکار کیا جواب دیا کہ قرآن پاک ہمارے پاس ایسا ہے کہ اس کا ایک کنارا یا سرا ہمارے پاس ہے اور دوسرا کنارا آسمان پر ہے اب مانگو

دعاء۔



خطاب

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب

(شنبہ یکم محرم الحرام ۱۳۹۳ھ، ۵ / فروری ۱۹۷۳ء)

الحمد للہ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم میرے عزیزو! اور دوستو! انسان دو طرح کی محنت کرتا ہے، ایک وہ ہے جس کا انجام جہنم ہوتا ہے اور ایک کا انجام جنت ہوتا ہے اور ہر ایک کا راستہ ہے اور اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے اور چلنے کے لئے دنیا کی زندگی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے جو ہم کو بتلایا ہے کہ جو اس راستے کو چلتا ہے وہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ اور جنت کیا ہے؟ وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کا ٹھکانا ہے، جس کے اندر تکلیف نہیں ہوگی، اور یہ دنیا کے اندر راحت میں بھی تکلیف ہوتی ہے، لیکن جنت کے اندر یہ بات نہیں ہے۔ بالکل یہ متفقہ بات ہے کہ آخرت میں اگر راحت ہے وہ بھی خالص ہے، اگر تکلیف ہے وہ بھی خالص ہے اور وہ راستہ ہم کو حدیث سے بتلایا گیا کہ خواہشات کا راستہ جہنم تک پہنچاتا ہے اور خواہشات کو چھوڑنے کا راستہ جنت تک پہنچاتا ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں ہے کہ جس کی چوبیس گھنٹے کی خواہش پوری ہو جاتی ہو، ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی کانٹا چبھا ہوا ہے اور ایسا بھی کوئی نہیں ہے کہ اس کو کسی بھی قسم کی کوئی ضرورت نہ ہو اور ایک

راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس میں یہ جما کر چلے کہ ہم کو یہاں نہیں رہنا ہے اس لئے اچھی کوشش کرلو اور اللہ کی رضامندی حاصل ہو جائے۔ اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ میرے کرنے سے ہو رہا ہے ایسا نہیں ہے، بلکہ ایک قدرت کا نظام ہے ورنہ پوری دنیا کے انسان پریشان نہ ہوتے۔ یہ خدا کا ایک غیبی نظام ہے انسان کتنی ہی محنت کرتا رہے لیکن اللہ نے جو فرشتہ کا نظام مقرر کر رکھا ہے وہ چلتا ہے اور جو انسان اللہ کے نظام کو اپنے موافق بنانے کی کوشش کرے گا تو خدا موافق بنادے گا، انسان زراعت کے اندر محنت کرتا ہے لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ پوری تدبیر کر کے نقصان ہوتا ہے، ایسے ہی کارخانوں کے اندر انسان کا محنت کرنا کامیاب ہونے کی علامت نہیں ہے بلکہ جتنا انسان خدا کے غیبی نظام کے قریب چلے گا اتنا ہی کامیاب ہوگا اور انسان جتنا دور ہوگا خدا کے حکموں سے اتنا ہی غیبی نظام دور ہوتا ہے اور مصیبت لاتا ہے۔

میرے عزیزو! وہ احکامات انسان کو ہی پورے کرنے ہیں اور انسان کو ہی اللہ نے عطا فرمائے ہیں۔ انسان کے لئے سب سے پہلی چیز خدا کے اوپر یقین کو مضبوط کرنا اور یقین جمانا ورنہ یقین کے درست نہ ہونے کی وجہ سے عمل خراب ہوتا رہتا ہے اور یہ انسان مصیبت کے اندر پڑ جاتا ہے اور تمام حالات خراب ہوتے چلے جائیں گے، ساری دنیا کے حالات بننے اور بگڑنے کا اعمال پر اور انسان کے یقین پر موقوف ہے اور یقین خراب ہوتا ہے تو اعمال بھی خراب ہوتے ہیں اور اعمال خراب ہونے کی وجہ سے دنیا کے اندر بھی بگاڑ آتا چلا جاتا ہے۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ حالات خراب ہوتے چلے جارہے ہیں اب ساری دنیا کے اندر بناؤ یا بگاڑ آئے گا پہلے انسان ہمارے جیسے تھے لیکن یقین راست تھا اور ہمارا یقین خراب ہے، اس بنا پر مصیبت ہے، ایمان اس کو کہتے ہیں کہ اپنے اندر ایک ...... تیار کرے اسی کے اوپر بناؤ اور بگاڑ ہے۔ کوئی چیز دنیا کی بھی بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتی تو وہ جو کہ ہمیشہ کے لئے فائدہ پہنچائے وہ کیسے بغیر محنت کے حاصل ہو سکتی ہے اور جب تک یہ محنت نہیں ہوگی تو انسانیت

ختم ہوتی چلی جائے گی اور آج پوری دنیا میں سب سے زائد محنت مادیت کی طرف لگی ہوئی ہے، چیزیں نئی نئی وجود میں آرہی ہیں لیکن انسان جانوروں کے طریقے کے اندر گھستا ہوا چلا جارہا ہے۔ انسان نام ہے ایمان کا، اخلاق کا، آداب کا، یقین کا، اگر انسان کھانے کا نام ہوتا تو بیل کا نام انسان ہوتا، اگر لباس کا نام انسان ہوتا تو جانور بہت اچھے اچھے اون والے ہیں، اخلاق ایمان اور آداب یہ چیزیں انسان کے اندر پائی جاتی ہیں، نہ یہ جانوروں میں، نہ درختوں کے اندر پائی جاتی ہیں جس کے اندر اعمال اور یقین کی درستگی ہوگی، خدا کے یہاں اس کی قیمت ہوگی۔ اگر انسان اپنے مکان اپنے کردار میں ننگا رہا تو وہ جانور سے بھی بدتر ہے، بلکہ ان سے بھی آگے انسان جو کرے گا خدا اس کا بدلہ دے گا اور اس کا ثواب یا سزا پائے گا اور جانور کو خدا مٹی بنادیں گے۔ یالیتنی کنت ترابا۔

میرے دوستو! وہ وقت آرہا ہے ایمان کو، یقین کو درست کرنے کے لئے وہاں جاکر ایمان کو مضبوط بنانا ہے نہ کہ پتھر پھوڑنے پڑیں۔ خدا نے یہ راستہ آسان فرمادیا ہے اور ظاہر کردیا ہے اور نکلنے والے اس بات کی رعایت کریں کہ ہمارا وقت ضائع نہ ہو اور شیطان ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے اور ہماری تلاش میں رہتا ہے کہ وقت ضائع ہو جائے اور یہ کرائے گا کہ پیسہ اور وقت خراب ہو جائے۔ جو واپس جارہے ہیں وہ بھی اپنے یہاں رہتے ہوئے اس بات کا فکر کریں کہ ہم کو یہاں رہ کر بھی ایمان کی محنت کرنی ہے اور آدمی جب راستہ پر چلتا ہے تو کبھی نہ کبھی وہ راستہ پالیتا ہے۔

میرے دوستو! جانے والے یہ ارادہ کر کے جائیں کہ ہم کو اپنی زندگی بنانی ہے اور جانور پنے سے نکلنا ہے اور جو انسان کرے گا وہ ہی پائے گا اور بنے گا اور جو نہیں جارہے ہیں وہ اس کو ضرور کرلیں کہ ہم کو کم از کم اور تعلیم اور گشت کے لئے ضرور فیصلہ کر کے جائیں اور آنسو بہاتے ہوئے اور فکر کرتے ہوئے گھر جاویں کہ ہم تو اللہ کے راستے سے محروم ہو گئے۔ ہم کو ندامت ہے ہم کو افسوس ہے نہ جانے پر اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر ایسے کہ بیٹھے اور لنگی جھاڑ کر چلا جائے بلکہ یہ ارادہ کر کے جاؤ کہ ہم کو یہ محنت کرنی ہے، اور ایسی زندگی بنانی ہے۔

خطاب

مرکز تبلیغ مسجد بنگلہ والی حضرت نظام الدین، دہلی

(۱۲/ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ ۱۶/ مئی ۱۹۷۳ء)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونصلي على رسوله الكريم ، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له أما بعد!

ظهر الفساد فی البر والبحر الخ میرے دوستو! بزرگو! آج دنیا کے اندر جتنا فساد آرہا ہے وہ انسان کی وجہ سے آرہا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بحر اور بر کے اندر فساد ہو گیا انسان کی بنا پر۔ اگر انسان کے اعمال درست ہوں تو دنیا کے اندر امن آتا ہے اگر دنیا کے اندر انسان خراب ہوتا ہے تو دنیا کے اندر بگاڑ ہوتا چلا جائے گا۔ آج انسان اپنے کو آزاد سمجھ کر اپنے کو بگاڑ کی طرف لے جارہا ہے، آج انسان نے اپنے اوپر سے پابندی اٹھادی، پوری دنیا کے اندر بگاڑ آگیا، اور انسانیت اور آدمیت سے بھی دور ہوتا جارہا ہے۔ انسان کی صورت ہے آدمیت سے خالی ہے، ایک مخلوق ہے، جتنا یہ انسان نما جانور بنتا چلا جائے گا اتنا ہی بگاڑ آتا چلا جائے گا، سب سے قبل یقین کا بننا ہے جو کہ یہ معنی نہیں ہے کہ دنیا کے اندر لگے بھی نہیں ہے جیسا کہ ہمارے دوست نے کشتی کی مثال دی تھی، اگر کشتی کے اندر پانی داخل ہو گیا تو غرق ہو جائے گی، اگر کشتی درست ہوئی تو چوڑا سمندر گھومنے کے لئے ہے، ایسے ہی دنیا ہے اگر ہمارا یقین ہے اللہ پر تو پوری دنیا ہمارے لئے ہے، ایک بزرگ

سے معلوم کیا کہ دنیا کیا ہے؟ کہا کہ جیب بھری ہوئی ہو لیکن دل میں نہ ہو، یہ دین ہے، بگاڑ کیا ہے؟

وظہر الفساد ، دل میں لمبی لمبی امیدیں کرنا، صحابہ کرام کے پاس دنیا تھی، لیکن ہر چیز کو اللہ کی مشیت پر قربان کرنے کو راحت سمجھتے تھے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ اگر جنت پوری زیب وزینت کے ساتھ میرے سامنے کردی جائے، میرے یقین کے اندر زیادتی نہیں ہوگی، یعنی آپ کی بات پر اتنا یقین ہے کہ دیکھنے سے زیادہ قوت نہیں ہوگی۔ یہی تمام کے حالات تھے، اسی بناپر سچے حقیقی آدمی تھے۔

ابن مقیلہ ایک سردار تھا، اس کی انٹی کے اندر تھیلی تھی، ایک غلام تھا، معلوم کیا صحابہؓ نے یہ کیا ہے؟ کہا کہ یہ زہر ہے یہ اس لئے ہے کہ اگر میں مغلوب ہو جاؤں تو اس وقت کھالوں۔ فوراً ایک صحابی نے ایک دعا پڑھی اور پورا کھالیا اور کہا کہ وقت سے قبل موت نہیں آتی۔ ایسے ہی حضرت علیؓ ایک مرتبہ بیمار ہوئے، قبیلہ وابق کے قریب یہ فرمایا کہ آپ مدینہ چلے جاؤ تاکہ وہاں وفات ہو، صحابہؓ آپ کو دفن کریں، تو حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ یہ داڑھی خون سے رنگی جائے گی، چنانچہ اتنا یقین تھا اس طرح یقین کے اندر پختہ تھے، کرتب دکھارہے تھے میدان میں، تو فرمایا کہ مجھکو پانی دو شہد کی لسی دی گئی، پیتے ہی فرمایا کہ مجھ کو سنبھالو آپؐ نے فرمایا تھا کہ اب میری موت قریب ہے ، یہ آپؐ نے فرمایا تھا۔ ایک صحابی انتقال پانے لگے، اور فرمایا کہ مجھکو فرمایا تھا کہ تم جنگل میں مروگے اور ایک جماعت کفن دے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایسے ہی ابو درداءؓ کو آکر کہا کہ آپ کے گھر آگ لگ گئی، چار آدمیوں نے برابر خبر دی، وہ انکار کرتے رہے، اور ایک نے انکار کیا کہ آگ نہیں لگی، فرمایا کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو اس دعا کو پڑھ لے بسم اللہ الذی لایضر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم، یہ یقین بننے کی پہلی سیڑھی ہے اور اسی کے اندر

آج ہمارے دل الجھے ہوئے ہیں، شیطان ہمارا دشمن ہے، وہ ہم کو راہ راست پر نہیں چلنے دیتا قرآن میں فرمایا ہے ربنا ما خلقت ہذا باطلا سبحنک۔

دوستو! جو سبب ہمارے یقین کو خراب کردے، یہ دیکھ لیں کہ جائز بھی ہے علماء نے لکھا ہے کہ جس چیز سے اسباب سے اتنا یقین ہو جائے کہ اس سے زندگی ہے، وہ جائز نہیں ہے۔ علماء نے یہ لکھا ہے کہ جن اسباب سے یقین کے اوپر اثر پڑے اس کا حاصل کرنا درست نہیں، جو انسان جس لائن کے اوپر محنت کرتا ہے اسی کا یقین بڑھتا ہے، جب تک انسان کا یقین درست نہیں ہوگا اس وقت تک پورا بگاڑ ختم نہیں ہوگا۔

سب سے پہلے یقین کی دولت ہے، وہ اللہ نے ہم کو عطا فرمائی ہے، دنیا کی پوری دولت ہمارے لئے ہے، لیکن ہمارا دل اللہ کے لئے ہے۔ ایک شیر راستہ روکے کھڑا تھا، ایک صحابی نے طمانچہ مارا اور کہا کہ راستہ چھوڑ، آپؐ نے فرمایا کہ ابن آدم پر وہی چیز مسلط کردی جاتی ہے، جس سے گھبراہٹ کرتا ہے ایک مرتبہ حضرت صفیہ کے ساتھی راستہ گم کرگئے، شیر لے کر چلا، اور راستہ بتا کر واپس لوٹا۔

شیخ سعدی سفر کررہے تھے، دیکھتے ہیں کہ ایک شخص چیتے پر سوار ہیں، فرمایا سعدی اس سے تعجب مت کر، تو خدا کے حکم سے گردن مت پھیر دنیا کی کوئی چیز تیرے حکم سے گردن نہیں پھیرے گی۔ ایسے ہی ایک صحابی سمندر کے سفر میں تھے، سوئی گرگئی، اور دعا کی تو تیرنے لگی۔ ایک مرتبہ سیلاب آیا دریا کے اندر، اور پوری جماعت گذر گئی۔

ایک مرتبہ تمیم داری کو حکم دیا کہ فلاں جگہ آگ نکلی ہے اس آگ کو دفع کرکے آؤ، اور حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ جاؤ تمیم داری نے دھکہ دینا شروع کیا، تو آگ واپس لوٹ گئی، جب انسان کے اندر سے یقین ختم ہو جاتا ہے تو یہ لوہے کی مشین کی طرح بن جاتا ہے، پھر اس کے ذریعہ چیزیں تو وجود میں آسکتی ہیں، لیکن دنیا کے اندر راحت و آرام کے اوپر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ آج ہماری پوری طاقت دنیا پر لگ رہی ہے اس واسطے آج اس کی ضرورت ہے کہ

ہم اپنے یقین کو صحیح بنائیں، اگر صحیح یقین بن گیا، تو پوری مایہ درست ہوگی۔

میرے عزیزو! دوستو! جماعت میں جانا اس لئے ہے کہ ہمارا یقین چیزوں سے ہٹ کر خدا پر جم جائے، اور جتنی محنت ہوگی اتنا ہی خدا کے یہاں مقام ہوگا، اگر یقین خراب ہوگا ایک دنیا نہیں بلکہ دس دنیا بھی جمع کرلے پھر بھی کامیاب نہیں ہوگا، اس کے لئے عرض کیا جاتا ہے کہ چیزوں سے نکل کر اپنے یقین کو مضبوط بناؤ، ورنہ انسان کے اندر یقین نہ ہو تو دنیا کے اندر پریشانی بڑھتی چلی جائے گی، اس لئے اس زمانے میں آسان سی صورت یہ ہے کہ کچھ وقت فارغ کر کے یقین کی محنت کرتا رہے، اور دنیا کے اندر لگے، لیکن ہمارے یقین کے اوپر زد نہ پڑے۔

دوستو! یہ اتنی سی بات ہے کہ اپنے یقین کو درست کرنا ہے، جب چالیس دن میں آدمی اپنا یقین درست کرلے تو بہت سستا سودا ہے، جب ہمت کرو گے تو بہت سستا سودا ہے اگر ہمت نہ کریں تو بربادی کے سوا کوئی چارہ نہیں، اب بتاؤ کہ ہم کو یقین کی ضرورت ہے کہ نہیں؟ آج ہمارے پاس یقین ہے وہ ایسا ہے کہ اس کو یقین کہنا بھی درست نہیں، اب بتلاؤ کون تیار ہے؟

سری لنکا (سیلون) کے ایک اجتماع سے خطاب کا خلاصہ

۱۱ جون ۱۹۷۶ء

اللہ جل شانہ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا فرمائے ہیں، اور یہ سب انسان کے تابع ہیں۔ دنیا ہی نہیں بلکہ جنت بھی انسان کے لئے بنائی ہے، اگر انسان کائنات کی پھیلی ہوئی چیزوں کو ہی اپنی محنت کا میدان بناتا ہے تو اپنے مقام کو گراتا ہے، اپنے کو خود ہی پستی کی طرف لے جاتا ہے۔ خدائے پاک نے جب انسان کو اتنا عالی مقام بنایا ہے تو اس کے بھیجنے کی غرض بھی بہت اعلی بنائی ہے ربنا ماخلقت هذا باطلا، کوئی بھی چیز بغیر غرض کے مہمل نہیں بنائی ہے۔ پھر خدائے پاک نے انسان کو کس غرض کے لئے پیدا کیا، اسے پہچاننا ہے، اور یہ دیکھنا ہے کہ ہم کس قدر اس غرض کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔ خدائے پاک نے انسان کی پیدائش کی غرض کو بتلایا ہے" انسان کی پیدائش کی غرض عبدیت ہے۔ عبدیت کیا ہے؟ اسے خدا نے ہمارے ذہنوں پر نہیں رکھا بلکہ اس کے لئے جو طریقہ تجویز فرمایا ہے اسی کا نام دین ہے اور ہمیں الیوم اکملت لکم دینکم کے تحفہ سے سرفراز فرمایا ہے۔ کوئی شعبہ کوئی لائن ایسی نہیں ہے جس کے گذارنے کے احکامات خدا نے نہ دئے ہوں۔ دین کیا ہے؟ ہر لائن میں خدا کے احکامات کو اپنانا، عمل بنانا، اور ان پر چلنا قرآن پاک نے زندگی گذارنے کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ چند عملوں کا نام نہیں ہے، بلکہ زندگی گذارنے کا راستہ یہ پانچ چیزیں ہیں، اس کا پہلا شعبہ ایمانیات ہے، دوسرا عبادات تیسرا معاشرت، چوتھا معاملات، پانچواں اخلاق۔

سیلون (سری لنکا) میں تبلیغ جماعت کے پرانوں کے اجتماع سے خطاب کے ضروری حصے

ہمیں تفرق سے ، تشدد سے ، آپس کے انتشار سے بچنا ہے ، شیطان ہمارا دشمن ہے وہ حق پر اتنا جماتا ہے کہ نہ معلوم کتنی اس میں بے عنوانیاں ہوجاتی ہیں ۔ جوڑ کو باقی رکھنا اور جذبات میں نہ بہنا ، ایسے موقعہ پر جوڑ کی خاطر حق کو چھوڑ دینا جو اللہ کا حکم ہے اور جس چیز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقہ بتلایا ہے ، اس میں تو مشورے کی گنجائش نہیں ۔ جس چیز کے بارے میں ہمارے پاس کوئی واضح بات اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے نہیں ہے اس میں مشورہ کیا جائے ، جذبات کی رو میں نہیں بہنا ہے ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں اختلاف تھا ، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا اصرار تھا کہ حضرت خالد کو اس منصب پر باقی نہ رکھا جائے ، حضرت ابو بکر فرماتے تھے کہ اس نے تاویل کی تاویل میں غلطی کی ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ بنے تو سب سے پہلا حکم حضرت خالد کی معزولی کا تھا ، حکم آیا تھا قاصد کے ذریعہ میدان کارزار میں ، اسی میں حضرت ابو بکر کی وفات کی خبر ، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کی اور حضرت خالد کی معزولی کا حکم ، حضرت خالد کے پہلے الفاظ احسنت تھے ۔ جنگ کے بعد ابو عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ کو خط دیا اور کہا کہ میرے کام میں اب کمی نہیں آئے گی ، بلکہ زیادہ کام کروں گا اس لئے کہ

امارت کا بوجھ ہٹ گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخری زمانے میں پشیمان تھے کہ اور کہتے تھے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے زیادہ پہچانتے تھے۔ آدمی کوئی اپنے امیر سے ناگوار بات دیکھے تو صبر کرے (بخاری) امیر اپنی اور مامورین اپنی ذمہ داریوں کو دیکھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : ظلم کرے تو صبر کرو، محروم کرے تو صبر کرو برا بھلا کہے تو صبر کرو، مگر دین کے بارے میں کہے تو کہہ دو کہ جان حاضر ہے ــــ ــــ ایمان کی شان یہ ہے کہ ہر ایک اپنی ذمہ داری کو معلوم کرے، اگر ہر ایک دوسرے کی ذمہ داری کو معلوم کرتا ہے تو اس میں نفسانیت ہے۔

حدیث : تمہارے ذمہ جو دوسرے کے حقوق ہیں انہیں ادا کرتے رہو، اور تمہارے جو حقوق ہیں انھیں اللہ سے مانگتے رہو۔

اپنی کمی کو دیکھتا رہے، جو دوسرے کی کمی کو دیکھتا رہتا ہے سمجھو کہ اپنی کمی پر اس کی نگاہ نہیں ہے۔ ــــ

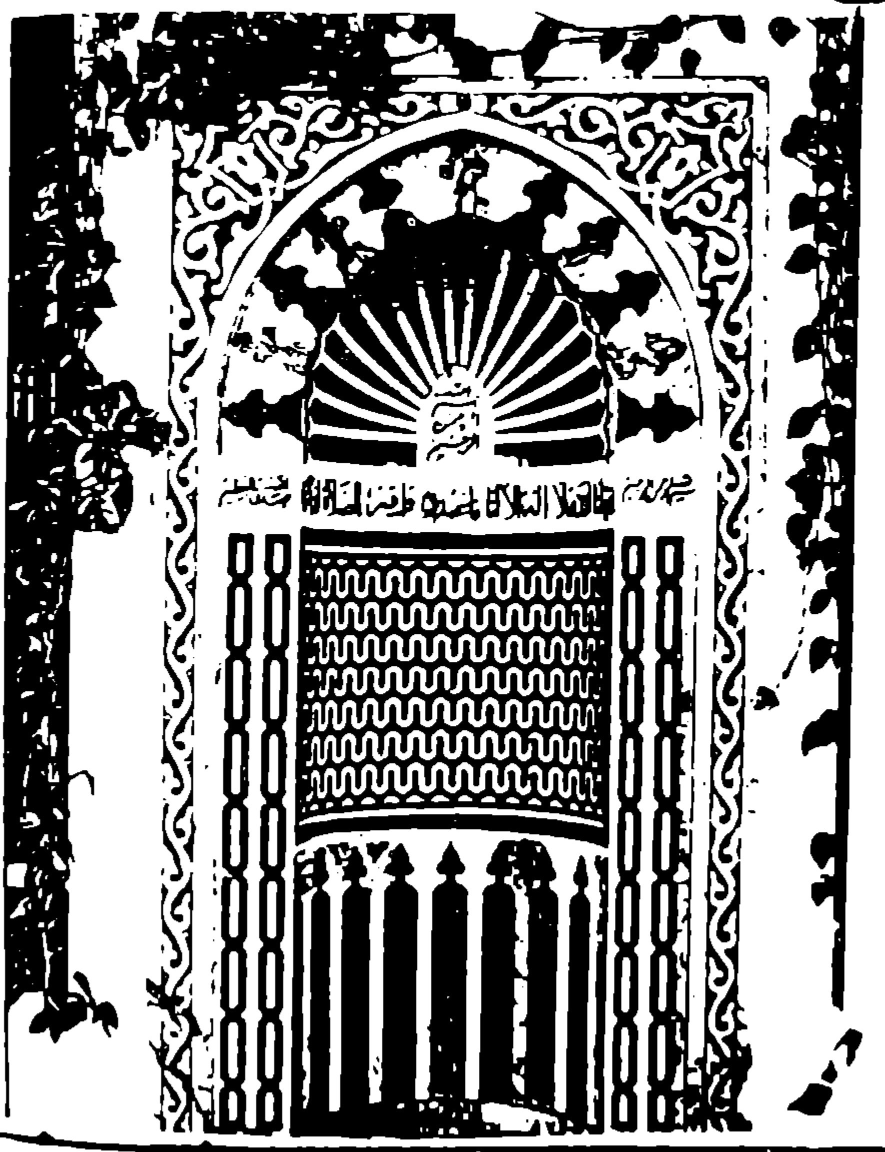
ہم اپنی رائے اخلاص کے ساتھ پیش کر دیں، پھر جو فیصلہ ہو اسی پر انشراح کے ساتھ قدم اٹھاؤ۔ مشورے والے وہ ہوں جو اخلاص والے ہوں، دین کے کام کو اپنا کام سمجھتے ہوں، اور اپنی بات پر اڑنے والے نہ ہوں ــــ سیرت میں یہ نہیں ہے کہ حضرت عمر یا حضرت ابو بکر نے ہر علاقے کے لوگوں کو مشورہ میں لکھا ہو مشورہ والے وہی رہے (جو تھے)۔

آدمی محنت کرتا رہتا ہے اور اللہ سے مدد مانگتا رہتا ہے، تو اللہ پاک کام لیتے رہتے ہیں اور جو اپنی استعداد، قابلیت، ہنر مندی کو دیکھتا رہتا ہے تو اللہ پاک سلب کر لیتے ہیں۔ دین اللہ کا پیغام ہے، اور امت اس کی پہنچانے والی ہے ــــ جو کچھ محنت ہوئی ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہیں، اور اپنی کوتاہیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اللہ سے معافی اور مدد مانگتے رہیں۔ قلوب کے متوجہ ہونے کو نعمت سمجھ کر کام میں لگانے کی فکر کرتے رہو۔ آدمی اپنی پوری قوت خرچ کر کے اللہ سے مدد مانگتا ہے تو اللہ پاک مدد فرماتا ہے۔

بیرون کے لئے الگ جماعت نہ بناؤ اصل کام مقامی اور علاقہ کا ہے اس کے ساتھ بیرون کا کام کریں ۔ بیرون جانے والوں کی صفات تین چلے دیئے ہوں ساتھیوں کے ساتھ جوڑ ہو مان کر چلے کام ہی کو مقصد بنا کر جانے ۔

فیاض حقیقی تو اللہ کی ذات ہے آدمی جتنی ذمہ داری اوڑھتا ہے اسی کے بقدر اللہ کی جانب سے اعانت ہوتی ہے دین کے اعتبار سے جتنی ذمہ داری ہم اوڑھتے چلے جائیں گے اسی کے اعتبار سے اللہ کی طرف سے اعانت کے دروازے کھلتے جائیں گے اور گھبرائیں گے تو اللہ پاک اس نعمت کو سلب کرلیں گے ۔

قلوب ایسے ہیں جیسے زمین جب بارش برستی ہے کہیں پانی جمع ہوتا ہے کہیں کھیتی ہوتی ہے کہیں کچھ بھی نہیں ہوتا کسی کے بارے میں کوئی فیصلہ اپنی طرف سے نہ کرو نہ معلوم اللہ نے کس کے لئے کب کہاں اور کیا فیصلہ کر رکھا ہے ۔



سیلون (سری لنکا) میں دوسرے ملکوں کو جانے والی جماعتوں سے خطاب' اہم پہلو۔

حدیث میں بھی یہ ہی حکم ہے کہ اللہ کے حدود کو قائم کرو قریب میں بھی بعید بھی۔

قتادہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے دین کے لئے جتنا دور جاتا ہے اتنا ہی اللہ کے قریب ہوتا ہے۔ جان جانے ہی کے لئے ہے اور مال خرچ ہونے ہی کے لئے ہے جو جان و مال اللہ کے راستے میں خرچ ہوگیا وہ اپنے محل پر خرچ ہوا جو جان اللہ کے راہ میں خرچ ہو گئی اللہ پاک فرماتے ہیں کہ انھیں جایا ہوا نہ سمجھو انھیں حیات جاودانی حاصل ہو گئی۔ جان خدا کا ایک حکم ہے خدا کا ایک حکم دوسرے حکموں پر خرچ ہوجائے تو اس میں ہم نے کیا تیر مارے' یہ اللہ ہی کا کرم ہے۔ نعم البدل وہ ہے کہ جو آخرت میں ملے گا دنیا کے بدل چھوٹ جانے والے ہیں۔

جان اور وقت مال سے بہت زیادہ قیمتی ہیں اللہ نے مال کے ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے جان اور وقت کی اضاعت سے ڈرتے رہنا چاہیے اسے صحیح گذارنے کی فکر کرتے رہنا چاہیے انسان جس چیز کی قدر کرتا ہے اللہ پاک اس میں برکت فرماتے ہیں اور ناقدری پر اللہ اسے چھین لیتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ تم میری اقتدار کرو دوسرے تمہاری اقتدا کریں گے۔

اپنا اپنا محاسبہ کرتے رہو اس سے پہلے کہ کل تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا جس دن خدا کے سامنے پیش کئے جاؤگے اور کوئی چیز چھپی ہوئی نہ ہوگی اس دن کے لئے مزین کرو اپنے کو۔

اصلاح کیا ہے؟ حضور اکرم صلی علیہ وسلم کی زندگی کا اپنے اندر آنا اللہ راضی نہ ہوں تو ایسی اصلاح پر تف ہے۔

عرب ملکوں کے کام کرنے والوں سے خطاب کا خلاصہ

بموقع اجتماع ٹونگی بنگلہ دیش

(۳۰/رجب ۱۴۱۴ھ - ۱۴/جنوری ۱۹۹۴ء)

آج صبح عربوں میں حضرت جی تشریف لے گئے اور حدیث شریف احبوا العرب مثلاث لأنني عربي ، والقرآن عربي ، وكلام اهل الجنة عربي پڑھ کر فرمایا کہ دعوت کا راستہ حضور اکرم ﷺ سے محبت پیدا ہونے کا راستہ ہے۔ پوری امت کو دعوت دینا ہے اور پورے دین کی دینا ہے، ہمارے اندر سختی نہ ہو، غصہ نہ ہو، تشدد نہ ہو بلکہ شفقت ہو، محبت ہو اور یہ کوشش ہو کہ اللہ کے بندوں تک دین پہونچ جائے۔ دین کیسے اللہ کے بندوں تک پہونچے اور کیسے ان کا تعلق اللہ کے ساتھ ہو، اس میں حضور اکرم ﷺ کے اسوہ کی ضرورت ہوگی اور پھر یہ ذریعہ ہوگا اللہ کے قرب کا کیوں کہ : المرء مع من احب ہمیں اسکی کوشش کرنی ہے۔

ابھی تو ہم اپنوں میں کوشش کر رہے ہیں کہ امت آپ کے طریقہ پر آجائے ، ورنہ ہمیں تو اللہ کی تمام مخلوق پر کوشش کرنا ہے، لیکن پہلے اپنے آپ کو درست کرنا ہے اور حضور کا سچا امتی بننا ہے۔ اگر اپنی اصلاح اور صحیح زندگی گذارے بغیر یہ کام شروع کر دیا گیا تو کہا جائے گا کہ اگر یہ مسلمان ہیں تو ہم میں ان میں کیا فرق ہے، اس لئے ہمیں ان سے ممتاز ہونا ضروری

ہے۔

نبی علیہ السلام کی زندگی اپنانے میں ایک سکون ہے، طمانینت ہے اور اس کے بغیر بے قرار اور بے سکون ہے اور آخرت میں اللہ ہی جانتا ہے کہ اس پر کیا گذرے گی۔ اس لئے ہمارے ذمہ ضروری ہے کہ ہم دعوت کو لے کر اٹھیں اور اس کے بجالانے میں اصول و قواعد کے پابند ہوں، آپؐ نے کتنی تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائی ہیں، مکہ والوں سے، مدینہ والوں سے، طائف والوں سے اور آخر تک مدینہ میں منافقین سے۔

داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جھیلنے والا، برداشت کرنے والا ہو: فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل جب آپ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو سب کی گردن اڑا سکتے تھے، لیکن دشمنوں نے کہا کہ آپ کریم ابن الکریم ہیں اس پر آپ نے فرمایا کہ لاتثریب علیکم الیوم اس لئے ہماری مسئولیت بہت بڑھ کر ہے۔ افسوس ہے کہ ہم نے اپنی مسئولیت کو بھلادیا۔ ہم کس منہ سے آپ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ اللہ جل شانہ ہم کو اس صفت دعوت سے متصف فرمائے تاکہ ہم قیامت میں آخرت کی مسئولیت سے محفوظ ہوں۔

(مولانا احمد لاٹ صاحب گجراتی جو ساتھ تھے اس کا عربی ترجمہ کیا تھا)

تقریر
تبلیغی اجتماع سردھنہ ضلع میرٹھ - یوپی
منعقدہ ۱۹ شعبان ۱۴۱۴ھ (۲ فروری ۱۹۹۴ء)

الحمد لله نحمده و نستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهدان لا اله الا الله وحده لاشريك له ۔ ونشهدان سيدنا و نبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه و بارك وسلم تسليما كثيراً كثيراً ۔

اما بعد ! فقد قال الله تبارك وتعالى اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا :

میرے دوستو ! بزرگو ! عزیزو ! اللہ جل شانہ و عم نوالہ کو اپنا دین جو ہے بہت پیارا ہے خدائے پاک نے اپنے بندوں کے لیے اپنی مخلوق کے لیے زندگی گذارنے کا ایک طریقہ بتلایا ہے خدائے پاک کے بتائے ہوئے طریقہ زندگی کا نام جو ہے وہ دین ہے ۔ انسان کو دنیا میں زندگی گذارنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور پوری زندگی کا طریقہ بتلایا گیا ہے زندگی کا کوئی گوشہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ جس کو خدائے پاک نے بتایا نہ ہو اور نبی پاک علیہ الصلوۃ السلام کے ذریعہ سے سکھایا نہ ہو ۔ کوئی شعبہ کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کو خدائے پاک نے بتلایا نہ ہو ۔ اس طریقہ زندگی پر چلنا اس کو اپنانا اس کو اختیار کرنا یہ دین ہے ۔

خدائے پاک کو اپنا دین بہت پیارا ہے اور دین کیا ہے؟ یہ بتلادیا کہ اللہ نے انسان کے لیے زندگی گذارنے کا جو طریقہ بتلایا تھا اس طریقہ خداوندی کو دین کہا جاتا ہے۔ جو انسان خدا کے پسندیدہ طریقہ پر چلتا ہے خدا کے بتائے ہوطریقے کو اپناتا ہے اپنی زندگی میں خدا کے حکموں کا پابند ہوتا ہے اللہ اس سے راضی ہوتے ہیں اللہ سے خوش ہوتے ہیں اور جو اپنے خدا کے بتائے طریقے سے اعراض کرتا ہے غفلت کرتا ہے اس سے بے پروائی کرتا ہے خدا اس سے راضی نہیں ہوتے۔

میرے عزیزو! اور دوستو! اور بزرگو! ہم سب ہمیشہ اس کا ارادہ کریں اس کی نیت کریں اس کا عزم کریں کہ ہم سب کے سب دین پر چلیں گے خدا کے حکموں پر اپنے آپ کو ڈالیں گے، خدا کے حکموں کے خلاف نہیں کریں گے۔ یہ تو ایک ایسی چیز ہے کہ اسے سب کو کرنا ہے ہر اک اپنے جی میں یہ طریق ٹھالے اپنے دل میں یہ ٹھان لے کہ ہمیں اپنی زندگی میں اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کرنا ہے اور زندگی کے اس طریق پر آنے کے لیے یہ چند عمل ہیں ان عملوں کو اگر اپناتا ہے ان عملوں کے اوپر اپنے آپ کو پابند بناتا ہے تو دین کا راستہ چلنا اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے اور یہ عمل کیا ہے؟۔یہی نماز ہے اللہ کا ذکر ہے خدا پاک کی کتاب یعنی قرآن پاک کی تلاوت ہے۔ یہ ایسے عمل ہیں کہ اگر ہمارے اندر رچ جاویں بس جاویں تو زندگی کا خدا کے طریقے پر ے چلنا آسان ہوجاتا ہے، مشکل نہیں ہوتا دشوار نہیں ہوتا۔ اس لیے میرے عزیز اور بزرگو! اور بھائیو! جو اس اجتماع میں شریک ہیں خالی اجتماع ہی کے لیے آئے ہیں ان کو اپنے دل میں یہ ٹھان لینا ہے یہ ٹھالینا ہے کہ ہمیں ہمیشہ نماز پڑھنی ہے نماز کو نہیں چھوڑنا اور اسی کے ساتھ ساتھ کم سے کم صبح و شام خدائے پاک کا ذکر کرنا ہے اس کا نام لینا ہے۔

خدائے پاک کا نام لینا یہ خدائے پاک کے ایسے آدمی کے نام لینے والے کے تذکرہ کو زندہ کرتا ہے جو آدمی خدا کا ذکر کرتا ہے خدائے پاک کے یہاں اس کا تذکرہ ہوتا ہے۔ خدائے پاک نے قرآن پاک میں اس کو فرمایا

ہے اس کا وعدہ فرمایا ہے ۔فرمایا ہے : واذکرونی اذکرکم تم میرا ذکر کرو میں تمہارا تذکرہ کروں گا ۔ انسان کی یہی شرافت کیا کم ہے کہ ان کا خدا کے یہاں ذکر ہو رہا ہو' اور حدیث میں اس کی تفسیر بھی بیان کی گئی ہے' کہ انسان خدا کا بندہ اگر اپنے میں یاد کرتا ہے تو خدائے پاک بھی اس کو جو ہے اپنی تنہائی میں اور خفیہ طور سے یاد کرتے ہیں' اور اگر جماعت میں یاد کرتا ہے تو خدائے پاک اس کا تذکرہ اس سے بہتر جماعت کے اندر کرتے ہیں ۔ یہ کیا تھوڑا شرف ہے کہ اس آدمی کا خدا کے یہاں تذکرہ ہو رہا ہو' خدا کے یہاں اس کا نام آرہا ہو کتنی بڑی شرافت ہے ۔

اس لیے کم سے کم اگر ہر وقت نہیں تو کم سے کم صبح و شام (جو ہے) خدا کا نام لیا جا رہا ہو' خدا کا ذکر کیا جا رہا ہو' خدا کو یاد کیا جا رہا ہو' خدا کے یاد کرنے سے آدمی کے دل کے اندر چین آتی ہے' سکون آتا ہے' طمانیت آتی ہے خدائے پاک نے اس کو بھی ارشاد فرمایا : الا بذکر اللہ تطمئن القلوب' کہ اللہ کے ذکر کرنے سے' اللہ کا نام لینے سے دلوں کے اندر قلوب کے اندر طمانیت آتی ہے' اس لیے میرے عزیزو ! دوستو ! اور بزرگو ! بھائیو! اس کا تو ہمیں ارادہ کرنا ہے' عزم کرنا ہے' مرد ہو یا عورت کہ ہمیں پانچ وقت کی نماز پڑھنی ہے' اور کم سے کم صبح شام خدا کا ذکر کرنا ہے' اگر ہم اتنا کریں گے اس کے اندر چلیں گے' تو ہمارے اندر احساس پیدا ہو گا' خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے کا' ہمارے اندر شعور زندہ ہو گا دین کا راستہ اختیار کرنے کا' اور خدا کے نزدیک دین پر چلنے والا ہے اسی کی پوچھ ہے اور اسی کی خدا کے یہاں مرتبت ہے' اور خدا کے یہاں اس کا درجہ ہے ۔

یہ تو دین ہے' اور ایک دین کی محنت کرنا ہے ۔ خدائے پاک کو دین کی محنت کرنا وہ بھی اتنا ہی پسند ہے' جتنا اس کو اپنا دین پسند ہے ۔ دین کی محنت کرنا' دین کی کوشش کرنا' دین کی راہ میں جان و مال لگانا' یہ خدائے پاک کو بہت پسند ہے' بہت محبوب ہے' بہت پیارا ہے ۔ ہماری جان ہماری جان نہیں ہے' ہمارا مال ہمارا مال نہیں ہے' یہ دونوں چیزیں ہمارے پاس خدا کی امانت ہے

ہمیں اپنی اس امانت میں خیانت نہیں کرنی ہے' جان بھی خدا کے لیے پل رہی ہو، اور مال بھی خدا کے لیے پل رہا ہو' بس اس کی محنت کرنے ہے' یہ محنت کرنے والا خدائے پاک کے یہاں بہت زیادہ محبوب بہت زیادہ پیارا ہے۔

نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خدا کے پیارے ہیں خدائے پاک کے لاڈلے ہیں' خدا کی مخلوق میں سب سے اونچا درجہ رکھتے ہیں' وہ بھی یوں فرماتے ہیں کہ میری تمنا یہ ہے کہ خدا کے راستے میں میں جان دوں اور پھر زندہ ہوں' پھر جان دوں' پھر زندہ ہوں۔ خدا کے راستے میں جان دینے کا خدا کے راستے میں محنت کرنے کا' خدا کے راستے میں مال لگانے کا' اللہ کے یہاں بڑا درجہ ہے' بڑا مرتبہ ہے۔ یہ ہی ایک چیز ہے جس کی انسان جنت میں جا کر بھی دنیا کی چیزوں میں سے تمنا کرے گا۔ جب انسان جنت میں پہنچ جاوے گا' وہاں کی نعمتیں' وہاں کی آرائشیں' وہاں کی آسائشیں' وہاں کی زیب و زینت' اسے سب کچھ حاصل ہوگی' اس وقت بھی اس سے پوچھا جاوے گا' کوئی اور تمنا ہے تو بتلا' وہ عرض کرے گا بارگاہ خداوندی میں کہ اے اللہ! ساری نعمتیں مجھ کو حاصل ہیں' ساری دولتیں میرے پاس موجود ہیں' اب کاہے کی تمنا کروں' پھر یہی ارشاد فرمایا جاوے گا' اور یہ بندہ پھر یہی جواب دے گا' پھر اس سے یہ ہی سوال کیا جاوئے گا' تو وہ اس وقت میں تمنا کرے گا کہ اے اللہ مجھے دنیا میں بھیجئے' تو میں تیرے دین پر پھر جان لگا کر آؤں۔ دنیا کی ایک ہی ایسی چیز ہے' جس کی جنت کے اندر (جو ہے) تمنا ہوگی' جنت کے اندر دنیا کی کسی چیز کی تمنا نہیں ہوگی' دنیا کی چیزوں میں سے اگر کسی چیز کی تمنا ہوتی ہے تو وہ اللہ کے دین پر جان دینے کی تمنا ہے۔ لیکن جنت میں یہ ہی چیز نہیں ہے' جنت میں ساری نعمتیں ہیں' جنت کے اندر ساری راحتیں ہیں' جنت کے اندر ساری آسائشیں ہیں' جنت کے اندر ساری زیب و زینت ہے' لیکن وہاں خدا کے دین پر خدا کے نام پر جان دینا نہیں' وہ دنیا ہی کے اندر ہے۔ اس لیے میرے عزیزو! دوستو! اور بزرگو! ہمیں محنت کرنی ہے' دین پر جان و مال لگانا ہے' جو لگائے گا خدائے پاک اس کے لگانے کو اپنے یہاں قبول فرماویں گے' اور اس کا

بہترین بدلہ نصیب فرماویں گے ' حالانکہ جان بھی اسی کی ہے اور مال بھی اسی کا ہے۔ اور خدائے پاک نے اس کی جان کو اس کے مال کو خرید لیا ہے ' ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنتہ جو اپنی جان کہتا ہے اور اپنی مال کہتا ہے ' حالانکہ وہ خدا کی جان ہے ' خدا کا مال ہے ' اللہ نے اگر ظاہر میں دے رکھا ہے تو اس کو بھی فرماتے ہیں کہ میں نے خرید لیا ہے ' اس کے بدلے میں ' میں تمھیں جنت دوں گا۔ تو یہ جان اور یہ مال ہماری خدا کے راستے میں خرچ ہو رہی ہو ' خدا کے دین پر لگ رہی ہو ' یہ اس کا صحیح مصرف ہے ' یہ اس کا اپنے محل پر خرچ ہونا ہے۔ اس لیے میرے عزیزو! اور دوستو! اور بزرگو! دین کی محنت کو اپنانا ہے ' جو اللہ کی بہت پیاری چیز ہے ' اور جیسے میں نے ابھی عرض کیا ' جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کی تمنا فرمائی ہے ' اور یہی تمنا ہر ایک جنتی کو جنت کے اندر ہوگی ' اور وہ اس کی قیمت جانتے تھے ' وہ اس کے اوپر اپنے آپ لگاتے تھے۔

عبدالرحمن ابن مبارک رحمتہ اللہ امیر المومنین فی الحدیث حدیث کے امیر المومنین ' بہت بڑے محدثین کے استاد ' حدیث کا درس بھی ایسا ہوتا تھا کہ ہزاروں آدمی ان کے درس میں شامل ہوتے تھے ' ایک مرتبہ بغداد کے اندر ایک شور ہوا ' ایک شور برپا ہوا ' ہارون رشید گھبرائے اور ہتھیار پہن کر باہر نکلے اور انھوں نے سمجھا کہ کوئی بغاوت ہوگئی ہے۔ دریافت کیا کہ یہ کیا شور و غوغہ ہے؟ اور یہ کیا آواز ہے؟ سب نے کہا امیر المومنین کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے ' عبداللہ ابن مبارک ہیں انھیں چھینک آئی تھی ' جس پر انھوں نے الحمد للہ کہا تھا ' تو ان کے شاگردوں نے اس کا جواب دیا ہے یرحمک اللہ یہ اس کی گونج ہے ' یعنی اتنے شاگرد تھے ' اتنے سامنے بیٹھنے والے تھے کہ ان کے جواب دینے سے بغداد وہ گونج گیا ' اور ایسا گونجا کہ امیر المومنین وہ گھبرا گئے کہ کوئی بغاوت تو نہیں ' لیکن معلوم ہوا کہ استاد صاحب نے چھینک ماری تھی ' اور (شاگردوں نے) اس کے اوپر الحمد للہ کہا تھا ' ان کے شاگردوں نے اس کا جواب دیا ' چنانچہ اس کے بعض

وزیروں نے کہا کہ امیر المومنین! یہ آدمی اس کی بادشاہت قلوب پر اور دلوں پر ہے اور تمہاری بادشاہت خالص جسموں پر ہے۔

عبداللہ ابن مبارک اتنے بڑے محدث اتنے بڑے جلیل الشان امام ان کی زندگی ایسی تھی کہ چھ مہینے خدا کے راستے میں گزرتے تھے اور چھ مہینے (جو ہے) حدیث کا درس دیتے تھے اور یہ درس کی شان تھی کہ ایک دفعہ ان کی مجلس کے اندر صرف قلم دوات گنے گئے ہیں تو نوے ہزار تھے یہ اتنے بڑے محدث اتنے بڑے جلیل الشان امام لیکن چھ مہینے خدا کے راستے میں گذارتے تھے اور چھ مہینے درس حدیث دیتے تھے اور اس کی قدر جانتے تھے خدا کے راستے میں جو گرد و غبار اڑتا تھا اسے اکٹھا کر کے رکھ لیتے تھے اور جب اس غبار کی اس خون کی مٹی کی جو راستے کے اندر لگی ہوتی ہے جب وہ اتنی ہوئی کہ جس سے اینٹ بن جاوے تو اس کی اینٹ بنا کر رکھ لیا کرلیتے تھے اور حدیث پاک لکھنے میں پہلے یہ فونٹن پین اور یہ قلم نہیں تھے وہی اپنے لکڑی کے قلم ہوا کرتے تھے انھیں تراش تراش کر انھیں سے لکھا جاتا تھا تو ان قلموں کا جو تراشا تھا اس کو جمع کر لیا جاتا تھا جب ان کا انتقال ہونے لگا تو یوں فرمایا کہ اس تراشے سے میرے غسل کا پانی گرم کرنا اور یہ اینٹیں جو خدا کے راستے کے غبار سے بنی ہوئی ہیں میری قبر میں ان کو رکھ دینا۔

وہ جانتے تھے کہ یہ ساری چیزیں اللہ کے یہاں ان کی قیمت ہے خدا کے یہاں ان کا درجہ ہے جو غبار اور جو دھول اللہ کے راستے میں لگتی ہے وہ خدائے پاک کے یہاں جنت کی ایک خاص خوشبو ہے اور حدیث پاک میں یوں فرمایا جس آدمی کے جس خدا کے بندے کے پاؤں غبار آلودہ ہوں اللہ کے راستے میں اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ خدا کو اس راہ کی محنت اتنی پیاری ہے اتنی محبوب ہے کہ اس کی ہر چیز پیاری ہے وہ خاک اور وہ دھول بھی پیاری ہے اور وہ روشنائی جو خدا کے راستے میں استعمال کی جاتی ہے اللہ کے یہاں اس کا بھی درجہ ہے اور وہ پیسہ جو خدا کے راستے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ بھی خدا کے یہاں پیارا ہے۔ اس کا بدلہ آخرت کے اندر ہزاروں گنا ہزاروں گنا ہو کر ملے گا اس

لیے میرے عزیزو! دوستو! اور بزرگو! ہمیں دین کی محنت کو اپنانا ہے اپنانا ہے کہ ہماری جان ہمارا مال اس پر لگ رہا ہو جس کو ہم اپنی لیتے ہیں حالانکہ وہ خدا ہی کی ہے جو آدمی یوں کہتا ہے میرا مال میرا مال وہ ظاہری طور پر اس کی ملکیت ہے حقیقت میں اس کا مالک وہ اللہ جل شانہ ہے اس لیے میرے عزیزو! دوستو! اور بزرگو! ہمیں دین پر چلنا ہے دین کی محنت کرنا ہے جو کرے گا اللہ کے یہاں سے پاوے گا نہیں کرے گا تو پچھتاوے گا قیامت کے دن انسان حسرت کرے گا اس بات پر کہ ہائے میں نے اور زیادہ کیوں نہیں کیا جب اس کو اپنی محنتوں کا اجر ملے گا۔ اس کو اپنی محنتوں کا بدلہ ملے گا خدا کے یہاں سے اس کا ثواب ملے گا تو اس کو اس پر حسرت ہوگی افسوس ہوگا کہ میں نے زیادہ کیوں نہیں کیا۔ اس لیے میرے عزیزو اور دوستو اور بزرگو اس دنیا کی زندگی کو اپنی جو ہے موقع سمجھو اور اللہ کے راستے میں اللہ کے دین پر جتنی جان و مال لگ سکے اتنی ہی لگاؤ وہ خرچ نہیں ہو رہی ہے وہ آخرت میں جمع ہو گئی۔ اللہ جل شانہ و عم نوالہ وہ شکور ہے قدر دان ہے خدا انصاف فرمانے والے ہیں کسی کی محنت کو ضائع نہیں جانے دیتے۔ لیکن خدا ایسا غیور ہے اس کو ہماری کسی محنت کی ہماری کسی طاعت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی نہیں کرتا ہے تو اپنا کھوتا ہے اپنا ہی بگاڑتا ہے اور کرتا ہے تو اپنا ہی بناتا ہے اللہ جل شانہ عم نوالہ وہ غنی ہے اسے نہ ہماری عبادت کی ضرورت ہے اور نہ ہماری طاعت کی ضرورت ہے نہ وہ ہماری کسی اپنی محنت کی ضرورت ہے یہ ساری ضرورتیں انسانوں کی اور خدا کے بندوں کی اپنی اپنی ہیں جو کرے گا وہ پائے گا نہیں کرے گا تو پچھتاوے گا۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ ہمیں اس کی سمجھ نصیب فرمائے اور اس کی قدر ہمارے اندر پیدا فرماوے۔ یہ کرنے کا زمانہ ہے موت تک کا زمانہ یہ انسان کے کرنے کا زمانہ ہے۔ اور موت کے بعد جو کچھ کیا ہے اس کے بدلے کا یا اس کی جزاء کا زمانہ ہے موت کے بعد عمل کرنے کا میدان ختم ہو جاتا ہے دنیا میں جو کچھ کیا ہے اس کا حساب کتاب ہوتا ہے اچھے کا نتیجہ اچھا ہوتا ہے اور برے کا نتیجہ برا ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ ہمیں دین کے لیے قبول فرمائے

اور اس کے اوپر جان و مال لگانے کے حوصلے اور جذبے ہمارے اندر پیدا فرماوے یہ جتنا کرلیں گے اتنا پالیں گے۔

خدائے پاک بہت کچھ دینے والے ہیں۔ اور خدا کے راستے میں نکل کر جو نماز پڑھی جاتی ہے، خدا کے راستے میں نکل کر جو ذکر کیا جاتا ہے، خدا کے راستے میں نکل کر جو روزہ رکھا جاتا ہے، اس کی قیمت کروڑوں بڑھ جاتی ہے۔ یہ تین چیزیں ہیں۔ آیت میں تین چیزوں ہی کا ذکر ہے، نماز ہے روزہ ہے اور خدا کا ذکر ہے اس کا حساب لگایا تھا روایات کو جوڑ کر تو ایک ایک نیکی کا بدلہ انچاس کروڑ ۴۹۰۰۰۰۰۰ ہو جاتا ہے۔

اپنی زندگی کے وقت کو غنیمت جانو، زندگی کے اندر کر لو جتنا کرنا ہے آخرت میں موت کے بعد اس کا اجر ملنا ہے اس کا بدلہ ملے گا، اس کا اجر ملے گا اس کا ثواب ملے گا، اس لیے یہ ہماری زندگی بڑے کانٹے کی زندگی ہے، بڑی (جو ہے) بدلہ کی زندگی ہے، کہ اس کے اندر آدمی یا برا کرتا ہے یا بھلا کرتا ہے اور موت کے بعد اپنے کئے کا نتیجہ اس کے سامنے آوے گا۔ برا کیا ہو گا تو اس کی پکڑ ہوگی، اس کی بازپرس ہوگی، اور بھلا کیا ہو گا تو خدا کے یہاں سے اس کا بدلہ ملے گا، خدائے پاک ہمیں بھلا کرنے کی ہمیں اپنی عبادت کرنے کی۔ خدائے پاک ہمیں اپنے راستے کی محنت کرنے کی دولت نصیب فرمادے، اور خدائے پاک اپنے کرم سے اس کو قبول فرمالے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا خدا کے راستے کی محنت کرنا خدا کے راستے کا گرد و غبار برداشت کرنا، خدا کے راستے میں پیسے خرچ کرنا، خدا کے راستے میں سواری کا استعمال کرنا، یہ ہر چیز جو ہے خدا کے نزدیک پیاری ہے، خدا کے نزدیک بہت محبت رکھنے والی ہے۔

یہ ہی عبداللہ ابن مبارک جن کا میں نے ابھی تذکرہ کیا، جو حدیث کے امام تھے، جو اپنے ہزاروں کے اور لاکھوں کے استاد تھے، ان کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، فضیل ابن عیاض وہ جو ہیں اپنے سلسلہ کے اندر بھی آتے ہیں بڑے بزرگ ہیں، وہ حرمین شریفین میں، مکہ اور مدینہ میں عبادت کے اندر منہمک رہتے

تھے، اس کے اندر مشغول رہتے تھے، عبداللہ ابن المبارک نے رحمۃ اللہ ان کو خط لکھا، اور اس خط کے اندر چند اشعار لکھے، پہلا شعر اس کے اندر یہ تھا:

یاعابد الحرمین لوابصرتنا

لعلمت افلک فی العبادۃ قلعب

او حرمین کے عبادت کرنے والے، مکہ اور مدینہ میں عبادت کرنے والے اگر تو ہم کو دیکھتا تو تجھے یقین ہو جانا کم تو اپنی عبادت میں ایک کھیل کر رہا ہے۔

وہ اپنے سلسلہ کے بزرگ ہیں بہت بڑے عالی مرتبت ہیں لیکن عبداللہ ابن المبارک ان کو یہ لکھ رہے ہیں اور تین چار شعر ہیں، ایک شعر کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری خوشبو وہ مشک ہے، اور ہماری خوشبو جو ہے وہ خدا کے راستے کے گھوڑوں کا غبار ہے، اور چار پانچ اشعار لکھے، اسی مطلب کے وہ جانتے تھے کہ اللہ کے راستے کی محنت، اللہ کے راستے کا غبار، اللہ کے راستے کی مشقت کیا چیز ہے، جس کی بنا پر وہ اپنے چھ مہینے درس حدیث کو روک کر خدا کے راستے میں جاتے تھے، محنت کرتے تھے، اللہ جل شانہ عم نوالہ ہمیں جو ہے اپنے راستے کی محنت کرنے کے لیے، اپنے دین کی کوشش کرنے کے لیے جان و مال لگانے کے حوصلے اور جذبے ہمارے اندر پیدا فرما، اللہ جل شانہ قبول فرما۔

ارشاد حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ

تقریر

تبلیغی اجتماع، ڈیوزبری۔ برطانیہ

محرم، ۱۴۱۵ھ (جون ۱۹۹۴ء)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوكل عليه ونعوذ با لله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهدى الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهدان لا الله الا الله وحده لا شريک له ونشهد ان سيدنا ونبينا و مولانا محمداً عبده ورسوله. صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارک وسلم تسليماً كثيراً كثيراً۔

اما بعد: فاعوذ با لله من الشيطن الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم۔ ما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم ويعفو عن كثير ۔ وقال الله تبارک و تعالى: ما اصاب من مصيبة الا باذن الله ومن يومن با الله يهد قلبه۔

وقال النبى صلى الله عليه وسلم فى حديث: الا ان فى الجسد مضغة اذاصلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسدالجسد كله الا وهى القلب۔ او كما قال عليه الصلوة والسلام۔

میرے عزیزو اور دوستو اور بزرگو! اللہ جل شانہ عم نوالہ نے یہ عالم، یہ تمام کائنات اور اس کے اندر جتنے احوال ہیں پورے انسان کے اعمال کے ساتھ وابستہ کر رکھے ہیں۔ جو دنیا کے اندر حالت طاری ہوتی ہے وہ انسان کے بدن سے نکلنے والے

اعمال کے مطابق طاری ہوتی' جاری ہوتی' صادر ہوتی ہے' ظاہر ہوتی ہے۔

انسان کے اعمال اگر اچھے ہیں' بھلے ہیں' تو عالم کے حالات اور بھی بھلے ہوتے ہیں۔ اچھے ہوتے ہیں۔ چین و سکون راحت و طمانیت اور عافیت امن و امان آتا ہے۔ حالات کا تعلق انسان کے اعمال کے ساتھ ہے' چیزوں کے ساتھ مال کے ساتھ دولت کے ساتھ نہیں۔ انسان کے اعمال اگر اچھے ہیں' دنیا کے حالات اچھے ہوتے ہیں' پورے عالم کے اندر امن و امان آتا ہے۔ پورے عالم کے اندر برکات ہوتی ہیں' خدا کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ انسان کی روح کو راحت حاصل ہوتی ہے' دل کو سکون حاصل ہوتا ہے اور اتنا ہی نہیں جو جانور اڑنے والے' زمین پر رہنے والے ہیں ان کے اندر انسان کے اعمال کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور جانور یہ جمادات' یہ زمین' یہ درخت یہ کھیتی باڑی' باغات یہ پھل پھول ان کے اوپر بھی انسان کے اعمال کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

انسان کے اگر اعمال اچھے ہوتے ہیں تو پیداوار میں برکت ہوتی ہے۔ انسان کے اعمال اگر اچھے ہوتے ہیں تو یہ سورج اور یہ چاند اور یہ بارش یہ ہوائیں' ان کے اندر بھی خدائے پاک عافیت' ان کے اندر بھی خدائے پاک سکون نازل کرتا ہے اور اگر انسان کے اعمال اچھے نہیں ہوتے تو اس عالم کے اندر بھی فساد آتا ہے' انسان کی زندگیاں بے چین رہتی ہیں' ان کے اندر سکون اور طمانیت نہیں ہوتا۔ ظاہر کے اعتبار سے جتنی چاہے چیزیں اس کو حاصل ہوں' مال کے اعتبار سے جتنی چاہے مالداری اس کو حاصل ہو' لیکن روح کو راحت اور دل کو سکون نہیں حاصل ہوتا۔

یہ ظاہر کی جتنی چیزیں آرام کی جتنی صورتیں ہیں اس سے بدن کو چاہے آرام حاصل ہوتا ہو' لیکن روح کو راحت اور دل کو اس سے طمانیت ہرگز حاصل نہیں ہوتی۔ ایک آدمی ہے ظاہر کے اعتبار سے اس کے پاس' موٹا گدا بھی ہے' نرم تکئے بھی ہیں' ظاہری ساری راحت کی صورتیں ہیں' لیکن باوجود ان ظاہری صورتوں کے حاصل ہونے کے اسے نیند نہیں آتی' تمام رات بے چین رہتا ہے' کروٹیں بدلتا ہے' حالانکہ جتنے اسباب راحت ہوسکتے ہیں وہ موجود ہیں۔ کمرہ بھی

گرم کیا ہوا ہے لحاف بھی موٹا ہے۔ گدا بھی موٹا، تکئے بھی نرم ہیں ظاہر کی جتنی صورتیں راحت کی ہوسکتی ہیں وہ موجود ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی روح تملا رہی ہے اس کا دل مضطرب ہے بے چین ہے، چونکہ ان چیزوں کے اندر روح کی طمانیت کی صورتیں نہیں ہیں۔ اور ایک آدمی وہ ہے جس کے اعمال اچھے ہیں جس کے بدن سے صادر ہونے والے اعمال خدا کو راضی کرنے والے ہیں جس کی نبی پاک علیہ السلام کے طریقے پر زندگی گذر رہی ہے اس سے ظاہر کے اعتبار سے چاہے بدن کو راحت اور بدن کے لیے آسائش کی ظاہری صورتیں نہ ہوں لیکن اس کی روح کو اور اس کے دل کو ایسا سکون حاصل ہوتا ہے کہ ظاہر کے سامان والوں کو اس کی ہوا بھی نہیں ہوتی۔

یہی وجہ ہے تاریخ عالم کے اندر، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کی تاریخ کے اندر کوئی شخص ایسا نہیں پایا جاتا کہ جس نے اپنی ایمانی زندگی چھوڑ کر دینی زندگی چھوڑ کر، اللہ کے احکامات والی زندگی کو چھوڑ کر ملک اور مالی زندگی کو اپنایا ہو۔ اور ایسے ہزاروں نہیں، لاکھوں نہیں، کروڑوں واقعات ہیں کہ جنھوں نے ملک و مال کو، دولت کو، حکومت کو چھوڑ کر ایمانی زندگی کو اختیار کیا ہے۔

ہارون رشید کے صاحبزادے مامون الرشید کا ایک لڑکا تھا جس کا نام تھا ابراہیم الرشید۔ ابراہیم مامون کا لڑکا تھا اور ایسا بچہ تھا کہ مامون اس کے ساتھ اتنا پیار کرتا تھا کہ بغیر اس کے کوئی وقت نہیں گذرتا تھا، چین نہیں پڑتی تھی، جو لاڈلے بچے ہوتے ہیں بغیر اس کے چین نہیں آتی۔ وہ اپنے کمرہ میں کھڑکی پر بیٹھے ہوئے دریا کی سیر کر رہا تھا، ابراہیم مامون کا لڑکا۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی ہے، جو دریا کو عبور کر کے آیا ہے، اس نے اپنے کندھے سے اپنا تھیلا اتارا اور اس میں سے سوکھے ہوئے روٹی کے ٹکڑے نکالے اور ایک پیالے کے اندر اس کو بھگویا اسے بھگو کر اس نے دریا میں وضو کی، وضو کر کے پھر اس نے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر پھر اس نے وہ سوکھے ہوئے ٹکڑے کھائے، جو بچے تھے اس کو اپنے تھیلے میں رکھ اور اللہ کا شکریہ کر کے وہیں دریا کے کنارے پڑ کر سو

گیا۔ مامون کا بچہ ابراہیم اس کو دیکھ رہا تھا ابراہیم کو اس کی یہ کیفیت اس کی یہ حالت ایسی پسند آئی کہ اس نے غلام کو بھیجا اور کہا کہ جا کر اس مزدور کو بلا کر لاؤ غلام اس کو بلانے کے لیے گیا اور جا کر اس نے کہا کہ آپ کو محل میں بلایا جا رہا ہے شاہی محل میں۔ اس نے عرض کیا کہ بھائی مجھے تو فرصت نہیں ہے۔ غلام نے جا کر ابراہیم سے اس کا عذر پیش کیا تو اس نے کہا نہیں! اس کو بلا کر لاؤ ــــ وہ پھر گیا اور جا کر اس کو بلا لایا تو اس مزدور نے پھر یہ کہا کہ تمہیں مزدور مل سکتا ہے مجھے اس وقت فرصت نہیں ہے اور اس وقت میری مزدوری کرنے کا وقت بھی نہیں ہے ــــ میں مزدوری نہیں کرنا چاہتا۔ میرے علاوہ تمہیں اور مزدور مل سکتا ہے میرے وقت کو ضائع نہ کرو مجھے چھوڑ دو۔ پھر جا کر غلام نے ابراہیم سے دوبارہ معذرت کی ابراہیم نے یہ کہا کہ جس صورت سے ہو سکے اس کو لے کر آؤ۔ یہ گیا اور جا کر اس مزدور کو کہا کہ صاحبزادے شاہزادے بلا رہے ہیں تمہیں، یہ تاکید کر رہے ہیں، تمہیں چلنا ہی پڑے گا خواہی نخواہی جی چاہتا ہو یا نہ چاہتا ہو تمہیں اسی وقت شاہی محل میں چلنا ہے کیوں کہ صاحبزادہ صاحب آپ کو طلب کر رہے ہیں۔ یہ مزدور بیچارہ گیا (طوعاً وکرھاً) اپنے جی پر جبر کر کے، طبعیت کے خلاف گیا اور جا کر اس کے پاس اپنا جھولا رکھ کر پوچھا کیا کام ہے؟ کیا ارشاد ہے، کیوں طلب کیا، کیوں بلایا ہے؟ صاحبزادے پر اس کی سادگی کا اور دل پر اس کے سکون کا، اس کے دل کی طمانیت کا اتنا اثر تھا کہ وہ زخمی تھا ــــ دریافت کرنے لگا کہ میں نے آپ کو تکلیف دی ہے اس واسطے کہ میں آپ کی حالت سمجھنا چاہتا ہوں، آپ کا مرتبہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کیا کرتے ہیں اور آپ کی زندگی کیسی گذرتی ہے ــــ اس اللہ کے بندے نے کہا کہ میں مزدور ہوں، آدھے دن مزدوری کرتا ہوں اور آدھے دن میں خدائے پاک جتنا دے دیتا ہے اس پر خدا کا شکر کرتا ہوں ــــ بقیہ آدھا دن اور باقی رات اللہ کی عبادت میں خدا کی بندگی میں، خدا کو راضی کرنے میں گذارتا ہوں اور اللہ کا شکر ہے کہ آدھے دن میں مجھے اتنا مل جاتا ہے کہ میری زندگی خیریت کے ساتھ بسر ہو رہی ہے۔ دریافت کیا کہ آپ کا اور کون ہے، تو اس مزدور نے یہ کہا کہ میری ایک

بہن ہے اور ایک میری ماں ہے ـــ مجھے آدھے دن میں اتنی مزدوری مل جاتی ہے کہ ہم تینوں کے لیے کافی ہوجاتی ہے ـــ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اللہ کا شکر ہے بڑے اطمینان، بڑے سکون بڑے چین کی زندگی گذر رہی ہے۔

دریافت کیا، کھانا کیا ہے؟ کہا کہ اللہ کا شکر ہے وہ کھانا مل جاتا ہے جس سے میری زندگی باقی رہتی ہے۔ اس سے اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور اس سے اللہ کے حکم بجالانے میں قوت حاصل کرتا ہوں اور روزی مجھے مل جاتی ہے۔ دریافت کیا کہ دو وقت کا کھانا ہوجاتا ہے؟ عرض کیا کہ اللہ کا شکر ہے اس وقت میں نے کھایا ہے اور رات کو اپنی بہن اور والدہ کے ساتھ کھاتا ہوں۔ دریافت کیا (ہارون کے بچے نے) مامون کے بچے نے کہ آپ نے اس وقت کھانا اپنی بہن اور اپنی ماں کے ساتھ کیوں نہیں کھایا؟ تو اس مزدور نے یہ کہا کہ میری ماں میری بہن دونوں روزہ رکھتی ہیں، اس واسطے دن کے کھانے میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتا ہوں، شام کو افطار جب کرتی ہیں ہم تینوں کے تینوں بیٹھ کر ساتھ کھانا کھاتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے چین کی بنسی بجاتے ہیں، روح کو ہمارے سکون ہے، دل کو ہمارے طمانیت ہے۔

دل سے بات کہہ رہا تھا۔ سیدھی سادھی کر رہا تھا حقیقت حال بیان کر رہا تھا ابراہیم پر رنگ ایک آتا تھا ایک جاتا تھا۔ اس کی پر سکون زندگی سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنے بارے میں یہ فیصلہ کرلیا کہ شہزادگی سے، اس لاڈو پیار کی زندگی سے، اور اس آرام و راحت کی زندگی سے، یہ زندگی مزدور کی صدہا بہتر ہے ـــ سینکڑوں درجہ بالاتر ہے۔ شام کو جب کھانے کا وقت ہوا، مامون جو بغیر اس کے کھانا نہیں کھاتا تھا، غلام کو بھیجا کہ صاحبزادے کو بلا کر لاؤ ـــ غلام گیا بلانے کے لیے، اس کے دل پر اس کی طبیعت پر اس کی ایمانی زندگی کا اتنا اثر تھا کہ وہ شاہی دستر خوان اس کے لیے کانٹے کا معلوم ہورہا تھا، دستر خوان پر جانے کے لئے تیار نہیں تھا ـــ اس نے معذرت کی کہ اس وقت طبیعت نہیں چاہتی ہے ابا جان سے بادشاہ سلامت سے جا کر میری طرف سے یہ عذر کر دو کہ اس وقت میں صاحبزادے کی طبیعت کھانے کی طرف رغبت نہیں رکھتی ہے اس وقت کھانے

کا ارادہ نہیں ہے۔ وہ مامون جس کو بغیر اس کے چین نہیں تھی اور قرار نہیں تھی اس نے دوبارہ آدمی بھیجا، صاحبزادے نے دوسری مرتبہ معذرت کردی اور اپنے سامنے پیش ہونے، اپنے اس دستر خوان پر آنے سے عذر کر دیا۔ لیکن بادشاہ نے تیسری مرتبہ بھیجا کہ صاحبزادے کو لے کر آؤ، جس حالت میں بھی ہو لے آؤ نہ کھائے میرے پاس بیٹھا رہے۔ جب بادشاہ کا حکم ہوا صاحبزادہ گیا لیکن تھوڑی دیر دستر خوان پر بیٹھ کر بد دلی کے ساتھ پھر اسی اپنے کمرہ میں آگیا اور اس نے بہت بے چینی کے ساتھ بہت کرب کے ساتھ وقت گذارا۔ جب آدھی رات ہوئی اپنے غلام کو ساتھ لیا اور ساتھ لے کر چل دیا اور اپنے ایک غلام کے علاوہ اور کسی کو اپنے ساتھ آنے سے منع کیا ـــــ اندھیری رات میں چل کر ایک جگہ پہنچ کر اپنا شاہی لباس تھا وہ اتارا اور وہی لباس جو اس مزدور کا دیکھا تھا، زیب تن کیا اور اپنا شاہی سامان اور اپنے کپڑے جتنی شاہی چیزیں تھیں وہ ساری غلام کو دیں اور اس کو اپنے ساتھ آگے چلنے سے منع کر دیا، رات کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

صبح ہوئی بادشاہ صاحب نے صاحبزادہ کو بلایا معلوم ہوا کہ صاحبزادہ غائب ہیں، وہ اپنی جگہ اپنے راحت گاہ پر موجود نہیں ـــــ تحقیق کیا گیا، تحقیق کراتے کراتے معلوم ہوا کہ فلاں وقت یہیں موجود تھے اور فلاں وقت یہاں سے گئے ہیں ـــ اپنے ساتھ جانے سے منع کر دیا ہے، صرف ایک غلام ساتھ گیا تھا اس غلام کو بلا کر اس سے دریافت کیا، تو اس غلام نے بتایا کہ فلاں راستہ پر فلاں جگہ تک فلاں مکان تک میں اس کے ساتھ گیا تھا، آگے جانے سے مجھے بھی منع کر دیا تھا اور تمام اپنے بدن کا لباس اور اپنی ساری شاہی چیزیں مجھے دے کر مجھے بھی واپس کر دیا، آگے کا حال مجھے معلوم نہیں۔

بادشاہ نے تمام اپنے علاقہ میں تمام اپنی مملکت کے اندر اطلاع کر دی کہ صاحبزادے غائب ہیں، جہاں بھی ملیں ان کو پہنچایا جاوے، انھیں حاضر کیا جاوے۔ تلاش و جستجو ہوئی کہیں بھی ان کا پتہ نہیں چلا اور وہ صاحبزادے وہاں سے سفر کر کے مکہ مکرمہ پہنچے اور مکہ مکرمہ میں دن کو طواف اور راتوں کو عبادت کرنے لگے، اس صورت سے انہوں نے زندگی گذارنی شروع کی۔ یہاں تک کہ ایک

روز طواف کر رہے تھے وہ مزدور جس کی زندگی سے یہ صاحبزادے متاثر ہوئے تھے دیکھا، وہ طواف کر رہا ہے۔ یہ شاہ زادہ اس کو لپٹ گیا کہ اللہ تجھے ہدایت دے تو نے حقیقت کی زندگی کی طرف رہبری کی، آج میری زندگی اصل زندگی بن گئی ہے۔ وہ انسانوں کی زندگی ہونی چاہیے وہ اللہ کے بندوں کی زندگی ہو چاہیئے، جو ایمان والوں کی زندگی ہونی چاہیئے۔

صاحبزادہ نے تو اس مزدور کو پہچان لیا کیوں کہ اصلی وہی حالت تھی جس حالت میں صاحبزادے نے دیکھا تھا، اس مزدور نے شاہزادے کو نہیں پہچانا کیوں کہ وہ شاہی لباس نہ تھا، جو رنگ روغن اس کی صورت پر تھا وہ اس وقت نہیں تھا۔ شہزادے کا رنگ روغن اس کی صورت مجاہدوں سے ریاضتوں سے متغیر ہوگئی تھی، لباس بھی شاہی نہیں تھا، لباس اب سیدھا سادھا تھا۔ اس نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ اسے ابراہیم نے بتلایا کہ مامون کا بیٹا ہوں، میں وہی شاہزادہ ہوں جس نے تمہیں دریا کے کنارے سے بلا کر بات چیت کی تھی۔ تمہاری باتوں سے میری زندگی کے اندر تغیر ہوا، تمہارے بات کرنے ہی سے مجھے سکون معلوم ہوتا تھا، روح کو راحت حاصل ہوتی تھی، دل کو اطمینان محسوس ہوتا تھا۔ میں نے یہ سوچا کہ جسکی زندگی کو دیکھ کر اور جس سے بات کر کے اتنا سکون اتنی طمانیت، اتنی راحت حاصل ہوتی ہے اس زندگی کے اختیار کرنے اور اس زندگی کی حقیقت کو اپنانے میں کیا راحت ہوگی، کیا قلبی سکون ہوگا، کیا جمعیت خاطر ہوگی۔ اسوقت سے میں نے اپنی زندگی وہ زندگی بنالی ہے جو تمہاری زندگی ہے، وہ زندگی بنالی ہے جو خدا کے سچے بندوں کی ہوتی ہے، وہ زندگی بنالی جو ایمان والے کی زندگی ہوتی ہے

یہ بات ہونے کے چند ہی دن گذرے تھے، یہ مزدور کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ چاروں طرف سے انسان امنڈے چلے آرہے ہیں اور ایک طرف بھاگے چلے جارہے ہیں، دریافت کیا کہ کیا بات ہے، تو ہر ایک کی زبان پر یہ تھا تمہیں معلوم نہیں کہ آج ایک اللہ کے ولی کا انتقال ہوگیا۔ یہ بھی گئے جا کر دیکھا تو مامون بادشاہ کا صاحبزادہ تھا، جس نے اپنی شاہزادگی کو چھوڑ کر، جس نے ایمانی زندگی کو جس نے خدائے پاک کے احکام والی زندگی کو اپنایا تھا، ہر شخص اسکے جنازے کے

اندر شریک ہونے کو، ہر شخص اس کی نماز میں شریک ہونے کو اپنی سعادت سمجھ رہا تھا۔ جب وہاں گئے تو اس مزدور نے بتلایا کہ جانتے ہو یہ اللہ کا بندہ کون ہے' یہ ماموں کا صاحبزادہ ہے۔ وہ صاحبزادہ ہے جو ماموں کا بہت لاڈلا تھا' بہت پیارا تھا' اس کی تلاش تھی مکہ کا جو حاکم تھا اس کو بھی تلاش تھی لیکن اس کی جو ہیئت تھی اس کی جو حالت تھی' اس حالت سے کوئی نہیں سمجھ سکا کہ شاہزادہ ہے' یا ماموں کا لڑکا ہے ——— جب اسے خبر ہوئی تو فوراً اسے بغداد بھیجا گیا اور وہاں پر اسکی ساری کیفیت بیان کی گئی' جب دفنانے لے گئے تو ماموں روتا ہوا اس کے ساتھ تھا' جب قبر میں اتارا جانے لگا' غلام ماموں کے چہرہ سے مٹی کی حفاظت کرنے کے لیے مورچھل اور رومال سے کرمٹی کو دور کرنے لگے' تو ماموں رونے لگا کہ اس کے ابراہیم کو تو خاک میں دفن کیا جا رہا ہے' سینکڑوں من مٹی کے نیچے دبا یا جا رہا ہے اور تم ماموں کے چہرہ سے غبار دور کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔

میرے عزیزو اور دوستو! عرض یہ کر رہا تھا کہ تاریخ عالم میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے کہ جس نے ایمانی زندگی' دینی زندگی، جس نے طمانیت والی زندگی چھوڑ کر اپنی دنیاداری کی، ملک داری کی، بادشاہی کی زندگی کو اپنایا ہو ——— ایسے کتنے ہی واقعات ہیں جنھوں نے شاہی زندگی کو چھوڑ کر وہ زندگی اختیار کی ہے جو حقیقی زندگی ہے' جس کے اندر راحت ہے' جس کے اندر سکون ہے' جس کے اندر قلب کی طمانیت ہے۔ اسی واسطے فضیل بن عیاض رحمہ اللہ جو بزرگان دین کے سلسلہ کے اندر بڑے اہم بزرگ ہیں' وہ یوں فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کو اس دولت کا پتہ نہیں ہے' جو ہم خدا کے بندوں کو حاصل ہے' اگر بادشاہوں کو اس دولت کا پتہ چل جاتا جو ہم مساکین کو اور ہم خدا کے بندوں کو حاصل ہے تو وہ بجائے ملک مال پر لشکر کشی کرنے کے وہ ہم لوگوں کے ساتھ لڑائی و قتال کرتے۔ یہ تو خدا کا شکر ہے کہ ان لوگوں کو اس دولت کا' اس سرمایہ کا پتہ ہی نہیں ہے جو خدائے پاک نے ہمیں دے رکھی ہے اور وہ دولت کیا ہے وہی دولت دل کا سکون' روح کی راحت ہے' جس کا تعلق ظاہری اسباب سے ہے باطنی وسائل سے نہیں۔ وہ خدا کی بندگی سے خدا کی فرمانبرداری سے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے رنگ میں رنگنے ہی سے حاصل ہوتی ہے ' وہ ظاہری چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی -

ایسے ہی میرے دوستو اور عزیزو اور بزرگو ! اگر انسان کے اعمال بگڑے ہوئے ہوتے ہیں اس سے عالم کے اندر حالات میں بگاڑ آتا ہے ' ظاہر کے اعتبار سے جتنی چاہے ان کے پاس دولت ہو ' ظاہر کے اعتبار سے جتنی چاہے بڑی حکومت ہو ' سلطنت ہو ' لیکن عالم کے حالات کے اندر فساد اور بگاڑ ہی آتا ہے - ہمدردیاں ختم ہوتی ہیں ' غمخواریوں کا جنازہ نکلتا ہے ' آپس کے اندر ایک دوسرے کی گردنیں ماری جاتی ہیں ' ایک دوسرے کا دشمن بنتا ہے ' عداوتیں پیدا ہوتی ہیں ' بغض آپس کے اندر زندہ ہوتا ہے ' ظاہر کے سامان ظاہری آرائش کی چیزیں بہت لیکن زندگی اجیرن بن جاتی ہے اور زندگی کے اندر آدمی کو وقت گذارنا مشکل ہوتا ہے ـــــ وہ اس کے اعمال کے ہی بنا پر ہے ' اس کے اعمال پر خدائے پاک ایسے حالات ڈال دیتا ہے ' انسان کے اعمال جب بگڑتے ہیں انسان خدا کے حکم کا پابند ہونے کے بجائے اپنے نفس کا پابند ہوتا ہے اپنی خواہش کا پابند ہوتا ہے پھر عالم کے تمام طبقات کے اندر ایک بگاڑ اور ایک فساد آتا ہے ـــ چاہے حاکم ہو چاہے محکوم ' چاہے مالدار ہو چاہے غریب ' چاہے مزدور ہو ' چاہے تاجر ـــــ کوئی سا طبقہ ہو جب زندگی کی راہ خواہش کو پورا کرنا ' جی چاہی پر چلنا بن جاتا ہے تو ہر ایک اپنی جی چاہی پورا کرنے کی فکر میں رہتا ہے - چاہے کسی کا حق مارا جاتا ہو ' چاہے کسی پر ظلم کیا جاتا ہو ' چاہے کسی کی گردن ماری جاتی ہو ' اس میں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی بس وہ اپنی جی چاہی کے پورا کرنے کی ہی فکر میں رہتا ہے ' جس سے عام زندگیوں میں بجائے امن و امان کے لڑائی جھگڑے ' حفظ امانت کے اس کے اندر خیانتیں ' بددیانتیں اور دوسرے کے حقوق کا مارنا ایک دوسرے کے اوپر ظلم کرنا یہ فضا ہوتی ہے - پوری انسانیت کے اندر ایک بگاڑ آجاتا ہے اور خطا معاف ! آج کی زندگی اس کا کھلا مشاہدہ ہے - ہر شخص دیکھ سکتا ہے گھر گھر جھگڑے ہیں ' در در کے اوپر فتنے ہیں ' باپ بیٹے کا ' بیٹا باپ کا ' بھائی بھائی کا ' بیوی خاوند کی ' خاوند بیوی کا ' دشمن بنے ہوئے ہیں - یہ ہمارے اعمال کی بنا پر

اور ہمارے خدائے پاک کے حکموں سے غافل ہونے کی بنا پر حالات طاری ہیں۔

پوری انسانیت اس میں مبتلا ہے۔ کسی خطہ کی خصوصیت نہیں ہے۔ چاہے مشرق ہو چاہے مغرب، چاہے جنوب، چاہے شمال، چاہے یورپ ہو چاہے افریقہ، چاہے امریکہ، چاہے ایشیاء، چاہے آسٹریلیا ہر جگہ پر یہی دور ہے۔ یہی زندگی کی ہوا ہے۔ آج چین و راحت، آرام دل کا ہمارا مفقود ہے، گم ہوا ہوا ہے ــــ وہ آج ہمارے ہاتھوں میں نہیں کیوں کہ آج انسانوں کے پاس اعمال کی اہمیت نہیں ہے جتنی چیزوں کی اہمیت ہوگئی ہے۔ امتوں کے بنانے کی، خدا کے حکموں پر چلنے کی اتنی فکر نہیں ہے جتنے اپنے نفس کی مان، اپنی جی چاہی کی پوری کرنے تمنا دنیا کے اندر ہے۔

میرے عزیزو دوستو! انسان کے اعمال ایسے ہوتے ہیں جیسا اس کے دل کا یقین ہوتا ہے۔ دل کے اندر جو چیز اتری ہوئی ہوتی ہے اسی کے مناسب انسان کے بدنی اعمال صادر ہوتے ہیں، جس کے دل کے اندر خدا کو راضی کرنا جس کے دل کے اندر خدائے پاک کے حکموں پر چلنا ، جن کے دل کے اندر خدا کے ناراض ہونے کا ڈر، جس کے دل کے اندر آخرت کی فکر ہوتی ہے وہ ہر چیز کے اندر اپنے آپ کو سنبھال کر چلتا ہے ــــ اپنا ہر قدم پھونک پھونک رکھتا ہے کہ کسی قدم اٹھانے پر خدا ناراض نہ ہوجائے۔ میرے کسی عمل کے اندر اللہ کی ناراضگی کا سامان نہ ہوجائے۔ وہ حکومت سے بھی ڈرتا ہے، وہ اپنی مالداری سے بھی ڈرتا ہے۔ ہر چیز کے اندر اسے یہی خوف لرزہ رہتا ہے کہ کہیں میرے سے کوئی ایسا عمل صادر نہ ہوجائے کہ جس سے اللہ ناراض ہوجاویں، حکومت اور منصب اور عہدہ داری سے بھی ڈرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا ایک علاقہ کا گورنر بنانے کے لیے، انھوں نے یہ عرض کیا کہ امیر المومنین مجھے فتنے میں مت ڈالئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں ارشاد فرمایا خدا کی قسم میں تم کو چھوڑوں گا نہیں، تمہیں امیر بنا کر تمہیں حاکم بناکر رہوں گا۔ یہ خلافت میری گردن میں ڈال کر تم سارے کے سارے بچ گئے ہو ایسا نہیں ہوگا، تمہیں

ضرور گورنر بناؤں گا۔ یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ بھی حکومت اپنی گردن کا بوجھ سمجھتے تھے اور جتنے افراد تھے وہ بھی اس کو ایک ذمہ داری سمجھتے تھے، وہ بھی سمجھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے اندر لگ کر اس کے اندر پھنس کر، ہمارے سے کوئی بے عنوانی ہو جائے۔ وہ لوگ ڈرتے تھے، آج اپنی امارت کو، آج اپنی حکومت کو اپنی خواہش کے پورا ہونے کا، اپنے چونچلے نکالنے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ اس کے اندر جتنا ظلم کیا جاسکتا ہے، جتنی بےعنوانی کی جاسکتی ہے، جتنے اعمال کو بگاڑا جاسکتا ہے، ان سب کے اندر ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی فکر میں ہے، وہاں ایسا نہیں تھا۔

میرے بھائیو اور دوستو اور عزیزو! یہ دل کا یقین جب بن جاتا ہے پھر انسان کی پوری زندگی بن جاتی ہے ـــــ خلافت اگر ہو، حکومت اگر ہو، جب بھی وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے۔ وہ اپنے اعمال کے بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ منورہ کے کنارے پر ایک بڑھیا تھی جو اپاہج تھی، وہاں رات کو جاتے تھے جا کر اس کی خدمت کرتے تھے، گھر کی ساری ضرورتوں کو پورا کرتے تھے، اور اس کی ساری ضروریات بجالاتے تھے، خدمت جا کر کرتے تھے ـــــ یہاں تک کہ بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ کیا بات ہے، یہ عمر اس گھر کے اندر جاتا ہے، جہاں تنہا عورت ہے، یہ تنہا عورت کے پاس کیوں جاتا ہے۔ اس عورت سے دریافت کیا کہ اے اللہ کی بندی یہ آدمی تیرے پاس کیوں آتا ہے، تو تن تنہا گھر میں رہنے والی ہے اور یہ اجنبی آدمی کیوں آتا ہے؟ اس بڑھیا نے دعائیں دیں کہ اللہ اس بندے پر رحم فرماوے، آتا ہے معلوم نہیں کون خدا کا بندہ ہے! آ کر میری ساری ضرورتیں پوری کر کے جاتا ہے، گھر کو بھی صاف کر کے چلا جاتا ہے۔ یہ کون تھا، امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، جس سے قیصر و کسریٰ لرزتے تھے۔ وہ ایک بڑھیا کے گھر جا کر اسکی خدمت کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اسکے گھر کے اندر جھاڑو بھی دیتے تھے۔ ایسے ہی عمر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انھیں حمص کا عامل بنایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک سال گذر گیا کوئی خیر خبر نہیں کہ یہ گورنر صاحب، حاکم

صاحب انھوں نے وہاں کیا کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خط لکھا، والا نامہ لکھا کہ یہ میرا خط ملتے ہی فوراً چلے آؤ اور جو کچھ سال بھر کے اندر تم نے حاصل کیا ہے جمع کیا ہے، وہ لے کر آؤ۔ وہ چل دیئے مدینہ منورہ پہنچے، سیدھے دربار کے اندر امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا ابھی آرہا ہوں سیدھا سیدھا آپ ہی کے پاس آرہا ہوں، فرمایا پیدل آرہا ہوں شام سے پیدل ہی آیا ہوں۔ دریافت فرمایا سواری نہیں تھی، عرض کیا سواری نہیں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بہت برے ہیں شام والے تمہیں سواری بھی نہیں دی۔ انھوں نے فرمایا اتق اللہ یا عمر! عمر اللہ سے ڈرو تم انھیں برا کہتے ہو، میں نے انھیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، تم انھیں برا کہہ رہے ہو ـــــ بات یہ ہے میں نے مانگی نہیں، انھوں نے دی نہیں، اس واسطے پیدل چلا آرہا ہوں۔

دریافت کیا کیسے مزاج ہیں، کہنے لگے دیکھتے نہیں ہو صحیح ہوں، تندرست ہوں، اللہ کا شکر ہے۔ فرمایا کیا لے کر آئے ہو، عرض کیا یہ تھیلا ہے پوری دنیا اس کے اندر ہے، اس کے اندر میرا پیالہ ہے جس کے اندر کھانا کھاتا ہوں، اس میں وہ پیالہ ہے جس کے اندر کپڑا دھوتا ہوں، اس کے اندر وہ پیالہ ہے جس سے وضو کرتا ہوں، دنیا کی ساری ضرورتیں وہ ساری اس کے اندر ہیں اور یہ میرا عصا ہے، جانور اگر ملتا ہے اسے دفع کرتا ہوں اور کوئی دشمن آتا ہے اس سے لڑتا ہوں، ساری دنیا میرے اس جھولے اور اس عصا کے ماتحت ہے۔

فرمایا یہ کیا لے آئے ہو کمایا کیا ہے؟ کہا اس طرح سوال کیا کرتے ہیں، آپ یہ سوال کیوں کرتے ہیں۔ امیر المومنین عمر بن الخطاب جو خلیفۃ المسلمین ہیں ان سے کہا سبحان اللہ۔ یعنی عمر کو اتنا بھی حق نہیں، سوال کرنے کا کہ سال بھر میں کتنا جمع کیا، کتنا لائے، فرمایا کہ یہ سوال سمجھ میں نہیں آیا۔ جو وہاں حاصل ہوا، جو وہاں پر آمدنی ہوئی، جو اس کے مصارف تھے جو اس کے خرچ کرنے کی جگہ تھی، جہاں پر اللہ نے اس کے خرچ کرنے کو فرمایا بس وہاں پر خرچ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اپنے ساتھ کچھ نہیں لائے ہو، عرض کیا کچھ نہیں! اللہ نے مصارف بتا رکھے ہیں خدائے پاک نے خرچ کرنے کی جگہ بتلا

رکھی ہے، بس جتنی آمدنی ہوئی ہے وہ ساری کی ساری اس کے مواقع پر اس کے مواضع پر خرچ کر کے آیا ہوں' اپنے ساتھ کچھ نہیں لایا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو خیال ہوا ہوسکتا ہے کہ اپنے گھر بھیج دیا ہو یہاں آکر اپنی بزرگی جتا رہا ہو، وہ چلے گئے اپنے گھر چلے گئے ! حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک آدمی بھیجا اور ایک ہزار دینار اس زمانے میں ایک ہزار دینار کی قیمت تھی' آج تو لاکھوں کی بھی قیمت نہیں ۔ آج تو پیسہ ہی بے قیمت ہو چکا ہے' انسان ہی بے قیمت نہیں پیسہ بھی بے قیمت ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی نے فرمایا لے جاؤ اور وہاں جا کر تحقیق کر کے آؤ اس کے مہمان بنو' اگر وہاں گھر کے اندر کچھ آسائش' گھر کے اندر کچھ فراخی دیکھو تو چلے آنا اور اگر تنگی دیکھو اور اس کے اندر ضرورت محسوس ہو تو یہ ایک ہزار دینار انھیں دے دو۔ مدینہ سے باہر قیام تھا' عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے فرستادہ تحقیق حال کرنے کے لیے جو گئے تھے پہنچے' السلام علیکم ! وعلیکم السلام کہا' کہاں سے آرہے ہو مدینے سے آرہا ہوں' امیر المومنین کا کیا حال ہے پوچھا خیریت سے ہیں' فرمایا ہاں' بہت خیریت ہیں' اللہ اسے جزائے خیر دے۔ بہت خدا کے حکم کا پابند ہے ۔میں نے سنا ہے کہ اپنے بچے کے اوپر اس نے حد قائم کی' یہ بات چیت ہوکر انھوں نے قیام فرمایا' دو دن تین دن تک قیام فرمایا اور وہ سوکھی روٹی لا کر رکھتے رہے' تین دن جب پورے ہوگئے انھوں نے کہا اللہ کے بندے مہمانی تین دن تک ہوتی ہے' بس جا اب سفر کر' یعنی جو کچھ تھا کھلا دیا' بھائی !

جب انھوں نے دیکھا کہ گھر میں کچھ نہیں ہے تو امیر المومنین نے جو ایک ہزار دینار دیئے تھے ان کی خدمت میں پیش کئے کہ امیر المومنین نے یہ بھیجے ہیں۔ ڈر گئے' ڈر گئے' اس سے گھبرا گئے کہ میرے سوا اور کوئی ملا ہی نہیں تھا۔ امیر المومنین کو' بیوی نے کہا کہ آپ گھبراتے کیوں ہیں ؟ ڈرتے کیوں ہیں اس کو لے کر تقسیم کر دیجئے گھر میں اتنا کوئی کپڑا بھی نہیں تھا جس کے اندر وہ دینار لے کر رکھ لیں' وہ جو شام کے عامل تھے شام کے گورنر تھے' جو سال بھر وہاں گورنری کر کے آئے تھے کیوں کہ ان کے دل کا یقین صحیح تھا' وہ جانتے تھے

کہ یہ حکومت نہیں ہے ایک ذمہ داری ہے جس کو پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ ہمیں ہر ہر چیز کا خدا کے سامنے جا کر جواب دینا ہے۔ ہمیں دنیا کے اندر اپنے چونچلے پورا کرنے کے لیے، ہمیں شیطان کی مان کر چلنے کے لیے، ہمیں اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ ہمیں خدا کے حکموں کو زندہ کرنے کے لیے خدا کا سچا بندہ بننے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ جونسی ذمہ داری بھی حوالے کی جاتی تھی اس کے اندر اپنی صفت کو وہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ بیوی نے اپنی اوڑھنی دی اس کے اندر لیا اور لے کر وہ ساری اسی مجلس کے اندر کہ فلاں بیوہ ہے، فلاں یتیم ہے، فلاں مسکین ہے اتنا اس کو دے دو اتنا اس کو دے دو۔ یہ سارا کا سارا اسی مجلس کے اندر تقسیم کر دیا۔

اس قاصد نے جا کر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پوری کیفیت بیان کی تو عمر نے پھر دوسرا آدمی بھیج کر ان کو طلب کیا اور بلایا یہ حاضر ہوئے امیر المومنین کی خدمت میں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا اس پیسہ کا کیا کیا۔ انھوں نے کہا آپ کے سوال کا کیا مطلب؟ کیا میں نے جو کچھ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے اور دینا چاہا تو اس کے لینے سے انکار کر دیا۔ غلہ دینا چاہا تو غلہ کو بھی انکار کر دیا اور فرمایا کہ میرے گھر میں تین صاع جو موجود ہے ابھی تین صاع (تقریباً دو دھڑی) کے قریب موجود ہے اور اتنے ختم ہو گا اتنے خدا اور دے دیں گے۔ لہذا مجھے غلہ کی ضرورت نہیں۔ کپڑا دینا چاہا تو کپڑا ضرور لے لیا، یوں فرمایا آتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک مسکینہ تھی ایک عورت تھی اس کے پاس کپڑا نہیں ہے اس واسطے یہ لیتا ہوں کہ جاتے ہوئے اس کو دیتا ہوا چلا جاؤں گا۔

یہ کون یہ جو حمص کے عامل تھے، یہ کون جنھیں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام پر گورنر بنایا تھا تشریف لے گئے چند دنوں کے بعد انتقال ہو گیا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں فرمایا بھائی تمنا کرو کہ خدا نے پاک مجھے دولت دے تو میں اتنے اتنے غلام آزاد کروں کسی نے تمنا کی خدا نے پاک مجھے ہمت دے تو حاجیوں کو زمزم پلاؤں کسی نے کچھ تمنا کی کسی نے کچھ تمنا کی

حضرت عمر رضی اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا میری تمنا تو یہ ہے کہ مجھے گھر بھر ایسے آدمی ملیں جیسے یہ اللہ کا بندہ تھا، کسی کو اس ملک میں بھیج دوں، کسی کو اس ملک میں بھیج دوں۔

"میرے عزیزو دوستو! جب آدمی کے اعمال بنتے ہیں تو اس سے دنیا کے اندر بھی اور زندگی کے اندر بھی امن و امان آتا ہے۔ چین سکون آتا ہے اور انسانوں کے اندر ہی نہیں ان ساری چیزوں پر ان کا اثر پڑتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے یہ انسان کے اعمال کا اثر جانوروں تک کے اوپر، جمادات تک کے اوپر، ان نباتات تک کے اوپر پڑتا ہے اور انسان کے یہ اعمال تابع ہیں۔ انسان کے دل کا یقین، اگر پیسے کا یقین دل کے اندر اگر ملک و مال کا یقین دل کے اندر بنا ہوا ہے تو ہر حالت میں ہر صورت سے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، چاہے بھلے طریقہ پر ملتا ہو، چاہے برے طریقہ پر ملتا ہو، چاہے خدا کی ناراضگی کا سبب بنتا ہو، چاہے کسی کا حق دبایا جاتا ہو، کیوں کہ اس کے اندر پیسے ہی کا یقین ہے۔

بھائیو اور دوستو اور عزیزو! یقین بنتا ہے کس سے، آدمی جس چیز کے اوپر محنت کرتا ہے، کوشش کرتا ہے، جس پر جان لگاتا ہے، جس پر مال لگاتا ہے۔ بس کی دن رات کی فکر جس کی دن رات کی کوشش دکان پر ہوتی ہے اس کے دل کے اندر دوکان ہی گھسی رہتی ہے اور جس کی محنت جس کی کوشش دفتر پر ہوتی ہے اس کے دل و دماغ کے اندر دفتر ہی گھسا رہتا ہے، اسے خواب میں بھی دفتر کی چیزیں نظر آتی ہیں۔

میرے عزیزو اور دوستو! انسان کا یقین ایسی چیز ہے کہ اس یقین کے مطابق ہی خدائے پاک کے یہاں معاملہ کیا جاوے گا۔ موت کے بعد دنیا کی زندگی کے اندر تو یہ حالات اس کے مطابق آتے ہیں اور آخرت کے اندر بھی خدائے پاک کے یہاں اس یقین ہی کے مطابق معاملہ کیا جاوے گا۔ مسلمان کا ایمان اور اس کا یقین کیا ہونا چاہیے وہ ہے "لا الہ الا اللہ" اسی کو کلمۃ الایمان اسی کو کلمۃ الیقین کہا جاتا ہے۔ جتنی اس کے اوپر کوشش کی جاوے گی اس کا یقین بنتا چلا جاوے گا، جتنا یقین اس کے مطابق بنتا چلا جاوے گا پوری زندگی

سدھرتی چلی جاوے گی اور یہ عادت کہ جب انسان کی پوری زندگی اس کلمہ کے مطابق بننی شروع ہوگی تو انسان بلند ہوتا چلا جاوے گا' خدائے پاک کے یہاں بھی اس کا مقام اونچا ہوتا چلا جاوے گا جسے تقوی کہا جاتا ہے' اسی واسطے اس کلمہ کو کلمہ تقوی بھی کہا جاتا ہے۔

میرے عزیزو اور دوستو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی یقین لے کر آئے ہیں اور اسی یقین کے اوپر آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کوشش کی ہے' جان لڑا دی ہے' یہاں تک کہ پوری محنت کرنے والی قوم اپنے اس یقین کے اعلی مقام پر پہونچی ہے۔ حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے اسی کی طرف انسانیت کو متوجہ فرمایا تھا کہ اپنے یقین کو صرف اس کلمہ کے اوپر مرکوز کر دیا جاوے' جوڑ دیا جاوے۔ "لا الہ الا اللہ" یہی ان کی دعوت تھی۔ یہی ان کی پکار تھی۔ جب یقین اس کے اوپر آتا ہے اللہ کی ذات کے ساتھ یقین جڑ جاتا ہے' اعمال اس کے مطابق ہوجاتے ہیں' پھر کائنات کی ساری چیزیں ایسے بندے کے فرمانبردار' تابع دار اور ایسے بندے کے کام آنے لگتی ہیں' ظاہر کے حالات کے خلاف اس کے لیے ایسی ایسی جگہ سے اللہ کی مدد ظاہر ہوتی ہے جہاں اس کا وہم بھی نہیں جاتا' جہاں اس کا گمان بھی نہیں جاتا۔ لیکن آج ہم دنیا بھر کی چیزوں پر کوشش کر رہے ہیں دنیا بھر کی چیزوں کے حاصل کرنے کی فکر میں پڑے ہوئے ہیں' لیکن اصلی جو سرمایہ تھا جو ہماری اصلی بلندی کا زینہ تھا وہ ہم نے چھوڑ دیا ہے' بھلا دیا ہے اور یہ بھلا دینا اور اس سے بعید ہو جانا یہ ہمیں بہت دکھ پہنچانے والا ہے۔ موت جب آئے گی ہر ایک کو اس کا اندازہ ہو جاوے گا اور موت ہر ایک کو آنی ہے چاہے جتنا مالدار ہو' جتنا چاہے عہدے دار ہو جتنا چاہے تونگر ہو اس کو موت ایک دن آنی ہے۔

میرے عزیزو دوستو! بس آج پوری انسانیت کی آج پوری آدمیت کی اصل ضرورت کیا ہے کہ وہ اپنے دل کے یقین کو صحیح کرے' جس سے اس کے اعمال صحیح ہوں' جس سے آدمیت زندہ ہو' جس سے انسانیت کا دور دورہ ہو' جس سے دنیا کی زندگی کے اندر بھی امن و امان چین و سکون آنے اور آخرت کی

زندگی بھی سدھر جائے ۔جس سے خدا راضی ہوجائے ' جس سے ہم انسان بن جائیں ۔ آج تو ہماری انسانیت کے بھی لالے پڑے ہوئے ہیں آج آدمیت کا بھی جنازہ نکلا ہوا ہے ۔

میرے عزیزو دوستو ! اس کے لیے اس کلمہ پر کوشش کرنی ہے جتنی ہماری کوشش اس کلمہ پر ہوگی اتنی ہی ہماری پوری زندگی صحیح رخ پر آتی چلی جائے گی ـــــ یہ کلمہ اتنا ہی نہیں ہے کہ لا الہ الا اللہ اتنے ہی الفاظ نہیں ہیں پوری زندگی اس کے اندر سموئی ہوئی ہے ۔ ہمارے اپنے معاملات میں اپنی معاشرت میں ' اپنے بودو باش میں اپنے رہنے سہنے میں ' اپنی عبادات میں اپنے اخلاق میں ' جو اس کلمہ کا تقاضہ ہے اس کے قائل ہو کر چلنے کا اس میں مطالبہ ہے ۔ اگر ہم حلال کو حلال نہیں سمجھتے ' حرام کو حرام نہیں سمجھتے تو ہم نے اس لا الہ الا اللہ کے تقاضے کو نہیں سمجھا اس کے مطالبے کو نہیں سمجھا ۔

حضرت پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے کلمہ کے اندر جب اس کی دعوت دی اور جو آپ کی اس دعوت پر ہاں کرتا تھا ' وہ بھی اسی کی دعوت میں لگ جاتا تھا ۔ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں اسی کلمہ پر کوشش کی گئی ہے ' تو کوشش کرنے والوں کے اندر وہ صلاحیت وہ استعداد پیدا ہوئی کہ جب مدینہ منورہ گئے بس خدائے پاک کی طرف سے جس چیز کو کرنے کو فرمایا گیا اس کا کرنا ' جس سے منع فرمایا گیا اس سے رکنا ' ان کے لیے آسان ہوگیا تھا ' اس کلمہ پر محنت کرتے کرتے ۔ آج بھی اگر اس کے اوپر محنت کی جاوے گی ' کوشش کی جاوے گی تو کوشش کرنے والوں کے اندر یہ استعداد پختہ ہوگی ' یہ صلاحیت چمکے گی ' اللہ کے حکم پر قدم اٹھانا ' اللہ کی ہر منع کی ہوئی چیز سے رکنا ' ان کے لیے آسان اور سہل ہوجاوے گا ۔ بھائی یہی ہے آدمیت اور یہی ہے عبدیت اور یہی ہے بندگی کہ انسان زندگی کے ہر شعبہ میں زندگی کی ہر لائن میں ' اللہ کے حکموں کا پابند ہو کر چل رہا ہو اور خدائے پاک کا ہر ہر حکم اپنے اندر ایک رحمت لیے ہوئے ہے ۔ خدائے پاک کے ہر ہر حکم کے اندر انسانوں کے لیے منفعت ہے ' فائدہ ہے ۔ جیسا کہ خدا کے ہر ہر حکم کے توڑنے کے اندر ایک نحوست ہے اور انسانوں کے

لیے ایک پریشانی ہے جتنی اس کے اوپر کوشش کی جاوے گی، جتنی اس پر محنت کی جاوے گی، جتنے احکامات خداوندیہ ہماری زندگیوں میں زندہ ہوں گے، انسانیت کی بلائیں اور آدمیت کی پریشانیاں اتنی ہی دور ہوں گی۔ دنیا کے اندر بھی اور آخرت کے اندر تو سارا مدار ہی ایمان والی زندگی اور کلمہ والی زندگی پر ہے۔

موت آتے ہی اوپر کے سارے بکھیڑے یہ اوپر کی ساری دھوکے کی چیزیں یہ سب ختم ہوجاتی ہیں، بس انسان اور اس کا دل اور اس کے دل کا یقین اسی کے اوپر سارا مدار ہے اور سارا معاملہ اسی پر ہوتا ہے۔ جب موت آتی ہے چاہے بادشاہ ہو، چاہے مالدار ہو، اور چاہے بھائی کوئی رئیس جمہوریہ ہو، اسے جب قبر میں چھوڑ کر چلے آتے ہیں وہ ساری دنیا کی چیزیں ایک طرف اور یہ تنہا ایک طرف۔ وہاں کوئی نہیں پوچھتا کہ کتنا مال چھوڑ کر آئے ہو، کتنا آپ کا عہدہ تھا، کتنے آپ کے رشتہ دار تھے، کتنے آپ کے ماننے والے تھے وہاں تو یہ سوال ہوگا کہ آپ کا یقین کیا ہے، اور اعمال کیا ہیں۔ آدمی کو جب قبر میں اتارا جاتا ہے دفنانے والے دفن کر کے آتے ہیں، ابھی قبرستان سے باہر نہیں آئے کہ فرشتے آجاتے ہیں اور آکر تین سوال کرتے ہیں، بتلاؤ تمہارا پالنے والا کون ہے، کیا تمہارا طریقہ زندگی تھا، اور اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو (یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے! دنیا کی زندگی جس کی خدائے پاک کے ساتھ صحیح یقین میں گذری ہوگی دنیا کی زندگی جتنی خدا کے حکموں کے مطابق گذری ہوگی، دنیا کے اندر زندگی میں جتنی نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی سنتوں کو اپنایا ہوگا اتنا اس کا جواب صحیح ہوگا، تینوں باتوں کا صحیح صحیح جواب دے گا۔ صحیح جواب ہونے پر قبر کے اندر جنت کی کھڑکی کھول دی جاوے گی، جس سے اسے جنت کی خوشبو جنت کی ہوائیں آئیں گی اور وہ سوتا رہے گا قیامت کے دن تک۔ اگر خدانخواستہ جوابوں کے اندر کچھ گڑبڑ ہوئی، جوابوں کے اندر کچھ لکنت ہوئی جواب دینے کے اندر زبان لڑکھڑائی، تو وہیں سے دوسرا دروازہ کھول دیا جائے گا، جہنم کی کھڑکی کھول دی جاوے گی، اس سے آگ کی لپٹیں جس سے بدبوئیں آویں گی اور قیامت تک اس کو برابر سزا دی جاتی رہے گی۔ یہ تھوڑی سی دنیا کی زندگی کے اندر اپنی بے

عنوانی کی بناپر ہوگا۔

میرے عزیزو اور دوستو اور بزرگو! سارا مدار ہمارے اس دل کے یقین کے اوپر ہے۔ یقین کا کلمہ بس یہ لا الہ الا اللہ، دنیا بھر کی چیزیں ایک طرف ہوجائیں ہمارے اس کلمہ کے اوپر کوئی شائبہ نہ آئے، یہ ہے یقین کی دولت ــــ یہ ہے یقین کا سرمایہ، کیوں کہ اس کے اندر خدا کی خدائی اور خدائے پاک کا کرتا دھرتا اور خدائے پاک کا قادر مطلق ہونا، یہ سب اس کلمے کے اندر ہے۔ جب آدمی کے دل کے اندر یقین ہوتا ہے تو ساری دنیا ایک طرف ہوا سے ایک شائبہ بھی کھٹکے کا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ جانتا ہے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے، اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ آج ہم سب اس بیماری کے اندر ہم سب اس کمزوری کے اندر مبتلا ہیں۔ آج ہمارا خدا پر اتنا یقین نہیں ہے جتنا ہمیں اپنے ہونے پر، جتنا ہمیں جیب کے پیسہ پر، جتنا ہمیں اپنی دکان پر یقین ہے، ہمیں خدا پر اتنا یقین نہیں ہے۔ یہ ہماری بیماری ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہماری ساری محنت جن چیزوں پر لگی ہوئی ہے، یقین اسی کا بنا ہوا ہے، اگر ہماری محنتوں کا رخ کلمے کی طرف ہوجاوے، اس کلمے کے ساتھ محنت جڑ جاوے، تھوڑی محنت کرتے رہیں گے اسی کے مطابق یقین ہمارا بنتا رہے گا اور اس یقین کے مطابق اعمال بنتے رہیں گے اور اعمال کے بننے کے مطابق اللہ جل شانہ دنیا کے احوال بناتا رہے گا اور آخرت کے احوال بھی درست فرماویں گے۔ ہمارا جو یہ مرض ہے، ہماری جو یہ بیماری ہے یقین کی کمزوری، جتنی ہماری محنت ہوگی جتنی ہماری کوشش ہوگی جتنے ہمارے رغبات جذبات، ہماری خواہشیں اس کلمہ کی محنت پر قربان کی جاویں گی جتنا اس کے ساتھ تعلق ہوگا، جتنا اس کے ساتھ یقین ہوگا، اتنا ہی ہمارے اعمال کے اندر درستگی آوے گی، اتنا ہی خدا کی بندگی کھل کر ظاہر ہوگی۔

آج ہم مسلمان ہیں، کہتے ہیں کہ خدا کے بندے ہیں، لیکن حقیقت کے اعتبار سے ہم نفس کے بندے اور خواہش کے بندے ہیں، ہم روپے پیسے کے بندے ہیں، جن کے اوپر حدیث پاک میں لعنت آئی ہے "لعن عبدالدنیا ولعن عبدالدرھم" جو انسان خدا کا بندہ ہونے کا اعلان کرتے ہیں اور حقیقت میں

اپنے نفس کا بندہ، روپیہ پیسے کا بندہ بنے ہوئے ہیں اس کے لیے یہ ساری کوششیں اس کے لیے یہ ساری چلت پھرت ہے، اس کے لیے ساری نقل وحرکت ہے۔ جو ہم عذر کرتے ہیں یہی ہماری بیماری ہے، ہم عذر کیا کرتے ہیں ہماری دکان ہے، ہماری مزدوری ہے، ہماری ملازمت ہے، ارے بھائی اس کو ہم نے اصل قرار دے لیا ہے اور ہم نے خدا کی قدرت سے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا ہے، ہم نے خدا کے اوپر کے یقین کو کمزور کر دیا یہی ہماری بیماری ہے ـــــ اس میں نکلو گے اس کے ساتھ ہمارا یقین جڑے گا اس واسطے نکل رہے ہیں، ہم انھیں اعذار سمجھتے ہیں حالانکہ وہی ہماری بیماریاں ہیں۔

میرے عزیزو اور دوستو اور بزرگو! ارادہ کرو اپنے خدا کا بندہ بننے کا، اپنے اس مرض کے علاج کرنے کے لیے اپنے ان جھمیلوں میں سے نکل کر۔ کلمے والے یقین کو اپنانے کے لیے اور اس حقیقی یقین کو حاصل کرنے کے لیے اپنے ان جھمیلوں میں سے نکلنا پڑے گا۔ جو جتنی خواہش کرے گا، وہ اپنے اس اصلی سرمایہ میں سے اتنا حصہ پائے گا اور کوئی مشکل نہیں۔

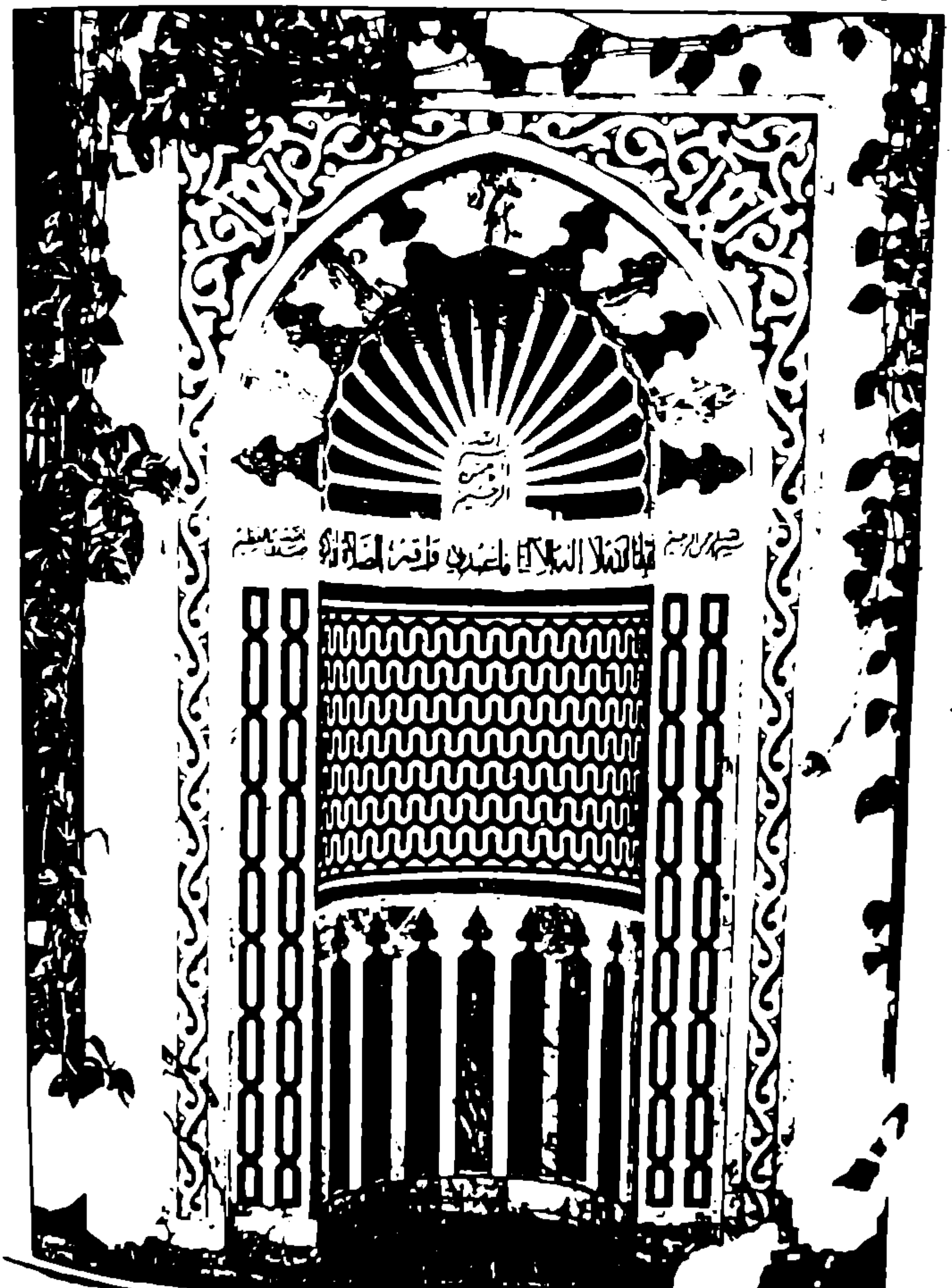
آج یہ جو ترتیب بتلائی جارہی ہے کتنی آسان، کتنی سہل، کہ جو شخص کرنا چاہے وہ کرسکتا ہے۔ ہر شخص کرسکتا ہے، چاہے ملازم ہو، چاہے تاجر ہو اور چاہے مزدور ہو، اور چاہے بھائی وہ کاشتکار ہو، زمیندار ہو، سال میں چار مہینے اللہ کے راستے میں نکل کر اس کلمہ کی دعوت دے رہا ہو، اس کلمے کو سوچ رہا ہو، اس کے مطابق چوبیس گھنٹہ گذار رہا ہو، اور اس کے تقاضوں کے خلاف جتنی چیزیں ہیں اس سے اپنی حفاظت کر رہا ہو، چار چار مہینے ہر سال میں اس طریقہ سے اگر کر رہا ہوگا تو اس کی اس بیماری کا علاج دھیرے دھیرے ہوتا رہے گا۔ اور آٹھ مہینے اپنے گھر پر رہتے ہوئے اپنے دھندوں میں رہتے ہوئے چوبیس گھنٹہ اسکے مطابق گزار رہا ہو۔ آسان سی ترکیب ہے لیکن مشکل اس لیے ہے کہ ہم اپنے اپنے انجام سے بے خبر ہیں، اپنی موت کو بھلائے ہوئے ہیں، جو اپنے خدائے پاک سے

آنکھ بند کئے ہوئے غافل ہوئے ہوئے چل رہے ہیں۔ لیکن اس کو اور زیادہ توبہ کی، علاج کی ضرورت ہے، کیوں کہ اس کی بیماری زیادہ سیریس ہے۔ خدائے پاک نے قرآن پاک میں بھی فرمایا۔ "یعلمون ظاھراً من الحیوۃ الدنیا و ھم عن الآخرۃ ھم غافلون دنیا کی زندگی کی اوپر اوپر کی چیزوں کو جانتے ہیں اور آخرت سے بے خبر ہیں۔ حالانکہ آخرت کی زندگی باقی زندگی ہے اور دنیا کی زندگی فانی ہے، ختم ہونے والی ہے، ختم ہو کر ہی رہے گی۔ کوئی اس کو باقی رکھنا چاہے کوئی دنیا سے نہ جانا چاہے تو بھائی اس کی یہ ساری کوششیں سب جانتے ہیں کہ یہ بیکار جاتی ہیں۔ آج تک کوئی نہیں باقی رہا ہے اور آئندہ بھی کوئی باقی نہیں رہے گا۔ "کل من علیھا فان" سمجھداری کی بات عقلمندی کی بات یہ ہے جو چیز جاتی ہے اس کی تیاری کرنی ہے۔ ہم ذرا سا سفر کرتے ہیں کتنی تیاری کرتے ہیں، وہ اگلا سفر ہمارے سامنے ہے اور معلوم نہیں کس کو کس دن جانا پڑ جائے یہ بھی کسی کو معلوم نہیں۔ سمجھداری کی بات یہ ہے کہ آدمی اس کے لیے تیار رہے، اس کا سامان محفوظ رکھے اور اس کا سامان یہ ایمان، یہ یقین یہ اعمال ہی ہیں ____ اسے پیچھے ڈالنا اپنے دنیا کے جھمیلوں کو آگے رکھنا یہ ہماری ناسمجھی اور عاقبت نااندیشی کی بنا پر ہے۔

اسلیے میرے عزیزو اور دوستو اور بزرگو! وہ آسان سی ترکیب ہے سال میں چار مہینے اور آٹھ مہینوں میں اپنے مشغلوں کے ساتھ مقام پر رہتے ہوئے عمل کرتے رہیں۔ دنیا کی زندگی میں خدائے پاک عافیت نصیب فرماویں گے، آخرت کا سامان وہ بھی ہمارے ذخیرہ میں جمع ہوتا رہے گا۔ اب فرماؤ اسکے لئے کون تیار ہے۔ ہمت کی بات ہے اور کچھ کرنے والی ذات صرف خدائے پاک ہے۔ اللہ نے اپنی ____ وہاں پر کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ یہی اپنا سرمایہ ہوگا۔ یہی اپنا ذخیرہ ہوگا۔ جتنا ہم کریں گے اور جسے ہم ذخیرہ سمجھے ہوئے ہیں اسے سب چھوڑ کر چلے جاویں گے۔ سب چھوڑ کر، چاہے دوکانیں ہوں، چاہے دفتر ہو، غلط یقین کو صحیح

یقین سے مبدل فرماوے، خدائے پاک یقین کی صحیح دولت نصیب فرماوے، خدائے پاک حیات کا صحیح مزہ نصیب فرماوے۔ اللہ جل شانہ کا وعدہ ہے "حیوۃ طیباً" مزے دار زندگی ہے۔ زندگیوں کے مزے نہیں، زندگی آج ہوئی ہے۔ اجیرن بنی ہوئی ہے حیات کی لذت اس کا پتہ ہی نہیں۔ بھائی ایک بات یہ ہے کہ جن بھائیوں نے ارادے فرمائے ہیں اور نام لکھائے ہیں اللہ ان نیک ارادوں کو قبول فرماوے۔

(ٹیپ: بشکریہ مولانا مفتی فاروق صاحب، جامعہ محمودیہ، میرٹھ)



امریکہ اور کنیڈا کے تبلیغی احباب کے اجتماع سے خطاب

(منعقدہ ۲۵ رجب ۱۴۱۵ھ ۲۹ دسمبر ۱۹۹۴ء)

عزیزو ! دوستو ! ہمارا کام سیدھا سادھا ہے اور آسان ہے ۔ اللہ کی سنت ہے کہ چیز جتنی اہم اور ضروری ہوتی ہے اتنا ہی اسے آسان فرماتے ہیں ۔ انسان کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز ہوا ہے اللہ نے آسانی سے عطا فرمائی ہے ۔ اسی طرح پانی ہے ' اسی طرح اللہ نے اس کلمہ کو آسان فرمایا ہے ' ایک دو سال کا بچہ بھی اس کو بڑی سہولت سے یاد کر سکتا ہے ' اسی طرح سے اللہ نے دین کو بنایا ہے اور آسان کیا ہے ۔ یہ کام بہت آسان ہے ' مگر محنت چاہتا ہے ۔ اس میں اگر دشواری آتی ہے تو ہماری نفسانیت کیوجہ سے ہوتی ہے ' ہم جب کام میں اپنے نفس کو ملاتے ہیں ' اس لئے ہمیں کوشش کرنی ہے کہ ہمارے اندر اخلاص آرہا ہو ' توکل آرہا ہو ' تقوی اور تواضع آرہی ہو ۔

جب آدمی محنت کرے گا تو اس کی صفات ابھریں گی ورنہ اس کے اندر اغراض آتے ہیں ' خواہشات پیدا ہوتی ہیں ' کبر آتا ہے ۔ جس طرح زمین پر محنت نہ ہو تو زمین برباد ہوتی ہے ' اس کے اندر جھاڑیاں اگیں گی اور کانٹے نکلیں گے ۔ اس لئے محنت کرنے والوں کو احتیاط سے چلنا ہے ۔

دین کو جو ذریعہ بناتے ہیں دنیا کے کمانے کا یہ زیادہ خطرناک ہے ' اس سے جو دنیا سے دنیا کماتے ہیں ' اپنی بڑائی حاصل کرنے کے لئے اگر دین کو

استعمال کریں گے اور یہ زیادہ خطرناک ہے اس سے جو لوگ دنیا سے دنیا حاصل کر رہے ہیں۔

یہی کلمہ ہے جو کلمہ توحید بھی ہے اور کلمہ تقوی بھی ہے اس کے ذریعہ سے جو ترقی حاصل ہوتی ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ایسے ہی نماز ہے جس کی نماز جاندار اور حقیقی ہوگی وہ ایسی ترقی کرتا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ بجائے لوگوں کو برائی سے روکنے کے ہم اگر محنت کر کے نماز کی طرف لائیں تو وہ ان سے خود بخود برائی کو چھڑا دے گی۔ ایسا ہی خدا کا ذکر ہے' اللہ کے راستہ میں نکل کر محنت کے ساتھ ذکر کرنے کا اثر بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ ہم جب بچے تھے میں اور مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہا کرتے تھے' حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نظام الدین تشریف لائے ہم دونوں کو دیکھ کر فرمایا ان دونوں بچوں کو کچھ نہیں دیتے۔ پھر دوسری مرتبہ تشریف لائے ! ہم دونوں کو دیکھ کر فرمایا کہ خدمت کیا کرو۔ پھر تیسری مرتبہ تشریف لائے' پھر فرمایا کہ تمھیں دیکھ کر دل خوش ہوجاتا ہے۔ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ہم دونوں حضرت رائے پوری کے پاس گئے تو دیکھ کر فرمایا کہ تم دونوں نے خوب ترقی کر لی۔ سب نے ہم سے پوچھا کہ تم کیا کرتے تھے' ہم نے کہا کہ کوئی خاص عمل نہیں۔ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیں دو باتیں کرنے کو فرماتے تھے ایک خدمت اور دوسرے جو عمل کرو اس کے کرنے سے پہلے اس کا استحضار کر لو۔

ذکر کے ساتھ فضائل کی تعلیم بھی ہو تا کہ اعمال کی قیمت کا احساس پیدا ہو جائے اور ہمارے دلوں میں ان کی اہمیت پیدا ہو۔ دعوت دیتے ہوئے ذکر کے ساتھ اعمال کے فضائل بھی معلوم کریں اس سے عمل کی لذت محسوس ہوگی' اسی طرح اکرام ہے' ہر ایک کا اکرام کیا جارہا ہو۔ اپنی فکر زیادہ ہو' اپنے آپ کو کم سمجھا جا رہا ہو' حقارت اور ذلالت اپنی دل میں ہو' دوسروں کی اصلاح کی فکر نہ ہو' اپنی اصلاح کی فکر ہو۔

دوسرے کی غلطی پر عار دلانا نہ ہو' حدیث میں آتا ہے جو کسی کی برائی

پر عار دلاتا ہے تو اللہ اس کو بھی اسی برائی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

بس بھائیو دوستو! یہ آسان آسان سے نمبر ہیں جو اس سے محنت کرتا چلا جائے گا، وہ ایسی ترقی کرے گا جس کا اندازہ اور تصور نہیں کیا جاسکتا اس لئے میرے عزیز دوستو! یہ نمبر آسان ہیں اور اس کی سادگی باقی رکھتے ہوئے محنت کریں گے تو ترقی ہوگی، اگر نئے طریقہ ہم نے شامل کر لئے تو یہ نئے فتنوں کا دروازہ کھولیں گے۔ نئے خیالات اور طریقے سمجھ میں آئیں گے۔ مگر ہمیں اپنے بڑوں کے طریقہ پر چلنا ہے۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ایک بزرگ حافظ فخر الدین صاحب نظام الدین آئے اور لمبی تقریر کی پھر فرمایا کہ کام بہت اچھا ہے مگر اس میں دو باتیں اور شامل کر لیں۔ حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور میں وہاں تھے میں نے ان سے کہا ہم تو لکیر کے فقیر ہیں ہمارے حضرت نے ہمیں ایک کام دیا ہے اور اس کا طریقہ دیا ہے، ہم اس پر جمے رہیں گے، حتی کہ ہماری موت آجائے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے ہمیں نہ کچھ گھٹانا ہے نہ کچھ بڑھانا ہے۔ نئے نئے طریقہ آئیں گے مگر ہم اپنے بڑوں کے طریقوں پر جمے رہیں گے۔ بعض دفع نفع کی چیزیں آگے جا کر نقصان کی بن جاتی ہیں، ان سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ہے۔

اس طرح ایک نئی چیز آئی تھی یعنی مذاکرے کی جماعت جس کے منافع بتائے گئے، مگر غور کرنے پر اس میں کچھ نقصانات ہمارے سامنے آئے آگے جا کر ہوسکتا ہے کچھ اور نقصانات ہوتے۔ اس بات کی کوئی حقیقت نہیں کوئی حیثیت نہیں، اس لئے ہم نے اس کو ختم کر دیا۔ ہمیں تو مسجد وار جماعت بنانے کی محنت کرنا ہے ہفتہ کے دو گشت ہوں، دو تعلیم ہوں، ماہانہ تین دن ہوں روزانہ ڈھائی گھنٹہ کی ترتیب قائم ہو رہی ہو اس کے بارے میں سوچا جا رہا ہو۔ بس اللہ ہماری اور تمہاری حفاظت فرمائے اور استقامت نصیب فرمائے اور صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آخری تقریر

(اجتماع سالانہ رائے ونڈ، پاکستان)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له ____ ونشهدان لا اله الا الله وحده لاشريك له، ونشهدان سيدنا ونبينا محمد اًعبده ورسوله __ صلى الله تعالى عليه وعلى اله وصحبه وبارك وسلم تسليما كثيراً۔

قال الله تبارك و تعالى وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الِاسْلَامِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنه وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْن۔

مرے عزیزو دوستو بزرگو! اللہ جل شانہ نے اس آیت مبارکہ میں اپنا قانون بتلایا ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہونے کے لیے یہ دین دیا ہے، دین کے علاوہ جو کوئی اور راستہ تلاش کرے گا کوئی دوسری راہ اختیار کرے گا وہ کوئی راہ اس سے قبول نہیں کی جائے گی اور آخرت جو اصل زندگی کا وقت ہے جہاں پر اصل زندگی ہے وہاں پر وہ خسارہ والوں میں سے وہ گمراہ والوں میں سے ہوگا ____ اللہ پاک کے یہاں قبول ہونے کا نجات پانے کا ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ کہ اس کے دین کو اختیار کیا جائے اس کے اوپر چلا جاوے۔

اور دین کیا ہے دین یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے بندوں کو اپنی مخلوق کو، دنیا میں زندگی گذارنے کا ایک طریقہ بتلایا ہے، جو اس طریقہ کے

مطابق زندگی گذارتا ہے اور خدائے پاک نے جو طریقۂ حیات دیا ہے وہ ایسا دیا ہے کہ انسان کے ہر شعبہ کو شامل ہے' انسان کی زندگی کا کوئی شعبہ اس سے خالی نہیں' اس سے فارغ نہیں ہے' اللہ جل شانہ نے ہر ہر چیز کے لیے ایک طریقہ بتلایا ہے' اس طریقہ پر زندگی گذاری جاوے گی تو یہ دینداری ہے' یہ خدائے پاک کے یہاں مقبول راستہ ہے۔ دین چند عملوں کا نام نہیں ہے کہ ان کو کرلیا اور اپنی باقی زندگی کے اندر اپنے آپ کو آزاد سمجھ لیا اور یہ سمجھ لیا کہ ہم دیندار ہیں۔ چند عملوں کے کرنے کی وجہ سے ایسا نہیں ہے' بلکہ زندگی کی جتنی شاخیں ہیں زندگی کے جتنے شعبے ہیں زندگی کے جتنے گوشے ہیں ہر گوشہ میں ہر شعبہ میں خدا کے حکموں کے مطابق چلنا ہے' نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے طریقوں کو اپنانا ہے' یہی دین ہے' یہی خدائے پاک کے یہاں کا مقبول طریقہ ہے' مقبول راستہ ہے' کامیابی کا راستہ ہے' اور یہ راستہ ایسا نہیں ہے جو انسانوں کی طاقت سے باہر ہو انسانوں کی سمجھ سے باہر ہو ـــــ خدائے پاک نے جو طریقہ بتلایا ہے وہ ایسا طریقہ ہے کہ ہر انسان اس کو کرسکتا ہے' اس کے اوپر چل سکتا ہے' اس کے اوپر جم سکتا ہے اور اس کو اپنی اصلی زندگی کے اندر میں لاسکتا ہے۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ نے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی ہے جو انسان کے بس سے باہر ہو' انسان کی سمجھ سے باہر ہو: لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا : کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسانوں کے بس سے باہر ہو' جس کو انسان نہ کرسکتا ہو ـــ خدائے پاک جانتے ہیں انسان کے ضعف کو' انسان کی کمزوری کو' انسان کس قدر ضعیف ہے۔ خلق الانسان ضعیفا' خود خدائے پاک کا ارشاد گرامی ہے ــــ اس نے اس کو ضعیف سمجھ کر اور ضعیف جان کر ہی یہ طریقہ بتلایا ہے' ایسا طریقہ کہ جس پر چل کر ہر انسان دیندار بن سکتا ہے' ہر انسان اس کے حکموں پر چل سکتا ہے' ہر انسان اس طریقے کو اختیار کرنا چاہے اور جو اس طریق کو اختیار کرنا نہ چاہے تو اس کے لیے وہ دشوار معلوم ہوتا ہے' اس کے لیے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بھاری معلوم ہوتا ہے ـــ یہ آدمی خود دنیا کی زندگی میں بھی دیکھ سکتا ہے' کہ اگر کسی طرف کا راستہ سہل ہو آسان ہو اور اس کا رخ دوسری طرف ہو اور وہ آسان راستہ پر نہیں چل

رہا ہو اور دوسری طرف چلے گا جتنا چلے گا اتنا وہ اپنی منزل سے دور ہو گا اتنا وہ دشواریوں میں پھنسے گا، اتنا ہی پریشانیوں میں مبتلا ہو گا۔

اس لیے میرے عزیزو دوستو بزرگو ! ہمیں اس کو دیکھنا ہے کہ ہماری زندگی کی راہ کہیں ہٹی ہوئی نہ ہو، ہمیں اپنی زندگی کو اس طریقہ پر لانا ہے، جو اللہ جل شانہ نے ہمیں دیا ہے اور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے اوپر چل کر ہم کو بتلایا ہے ـــــ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے وہ ایک بشر تھے، ایک انسان تھے، کھاتے تھے، پیتے تھے، شادی بیاہ کرتے تھے، جتنی انسانی چیزیں ہیں ادا کرتے تھے، اور اللہ جل شانہ نے اسی واسطے انسان کو رسول بنایا ہے کہ اگر فرشتوں کو بنا دیتے تو ہمارے لیے یہ حیلہ ہوجاتا کہ وہ فرشتہ ہے، نہ ان کو کھانے کی ضرورت ہے، نہ پینے کی ضرورت ہے۔ لیکن رسول پاک علیہ الصلوٰۃ و السلام کو انسان ہی بنا کر بھیجا، بشر ہی بنا کر بھیجا، ساری ضرورتیں اور بشری حاجتیں تھیں ان کے اندر، وہ ساری، ان سب کو پورا کرتے تھے اور اسکے ساتھ ساتھ اپنی پوری زندگی خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر خدائے پاک کے پسندکردہ راہ پر گذاری ہے اور اپنے مابعد والوں کو دکھلایا، خود خدائے پاک نے فرمایا ہے : "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ" لیکن یہ اس کے لیے ہے :"لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر" یہ اس کے لیے ہے جو اللہ سے امید رکھے اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اس کا یقین رکھتا ہو اور اس کا دھیان رکھتا ہو ـــ تو اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اندر نمونہ ہے ان کی زندگی کے اندر رہنمائی ہے رہبری ہے۔ لیکن اگر اس راستہ کو اختیار ہی نہ کیا جاوے اس طرف رخ ہی نہ کیا جاوے اس پر نہ چلا جاوے تو پھر خدائے پاک جو صمد ہے، جو بے نیاز ہے، جن کو ہماری فرمانبرداری کی ہماری اطاعت کی ضرورت نہیں کوئی حاجت نہیں، یہ اللہ جل شانہ عم نوالہ نے جو طریقہ بتلایا ہے یہ انسان کے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہے اس سے خدائے پاک کا کوئی فائدہ نہیں ہے ـــ ساری دنیا کے انسان اگر سب متقی پرہیزگار ہو جاویں اچھے سے اچھے قلب پر جمع ہوجائیں، تو اس سے خدا کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسے ہی اگر

سارے کے سارے بدترین جمع ہو جاویں، سارے کے سارے انسان شقی ہوجاویں، تو خدائے پاک کی خدائی میں اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے۔
خدائے پاک نے جو طریقہ دیا ہے وہ انسانوں ہی کے فائدے کے لیے، انسانوں ہی کے کامیاب ہونے کے لیے دیا ہے، اس لیے میرے عزیزو دوستو بزرگو! انسان کے لیے آسان اور صحیح اور سہل اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ وہ اپنے خدائی طریقے کو مضبوط پکڑیں اور وہ طریقہ معلوم ہوگا جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ذریعہ سے ــ کسی کی اپنی خواہش سے کسی کی اپنی من مانی سے، کسی کی اپنی جی چاہی سے حاصل نہیں ہوتا ــ جو غیرِ خدا کی ہدایت کے مطابق یا اپنی خواہشات پر چلتا ہے، اپنی جی چاہی پر چلتا ہے، وہ بہت گمراہ ہے۔"ومن اضل ممن اتبع هواه بغير هدى من الله" اللہ ہی کی طرف سے جو کچھ ہدایت ہے اس سے اپنی سیدھی راہ چل سکتا ہے اس کو چھوڑ کر آدمی کو جتنا چاہے مناوے، جتنا چاہے کچھ کرے، لیکن اس راستہ پر چلنے والا ہمیشہ ناکام ہی ہوتا ہے، خسارہ ہی میں رہتا ہے۔ اس لیے میرے عزیزو دوستو بزرگو! نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے اور وہ طریقے بتلا دیئے اور اس طریقہ کو زندگی میں لانے کے لیے ایک محنت بھی بتلائی، وہ بھی اپنی امت کو سکھلائی اور وہ محنت کیا ہے؟ وہ محنت دعوت ہے، اور دعوت کسے کہتے ہیں، دعوت تبلیغ وعظ یہ سارے سارے ہم معنی ہیں ہر ایک کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانے کی محنت کی جائے، اس کے اوپر کوشش کی جائے اس کی کوشش کی جاتی ہے تو اللہ جل شانہ کا قانون ہے کہ جس چیز کی کوشش کی جاتی ہے اس کو وجود مرحمت فرماتے ہیں۔
اس کو دنیا میں زندہ فرماتے ہیں، تو نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام طریقہ زندگی بھی بتلا کر گئے ہیں اور اس کی زندگی میں آنے کا طریقہ بھی بتلا کر گئے ہیں، جس کو بھی بتلا کر گئے ہیں اور اس کے زندگی میں آنے کا طریقہ بھی بتلا کر گئے ہیں، جس کو دعوت کہا جاتا ہے جس کو (دیباچہ) یا تمہید کہا جاتا ہے۔
میرے عزیزو دوستو، بزرگو! جب تک ہمارے اندر محنت رہی، جب تک ہمارے اندر یہ دعوت رہی جب تک ہمارے اندر یہ تبلیغ باقی رہی اس وقت تک یہ

انسان اپنے طریقہ، زندگی پر رہا اور جب یہ محنت نکل گئی تو انسان کے اندر سے وہ طریقہ بھی نکلتا چلا گیا اور مٹتا چلا گیا اور خدائے پاک کا جو وعدہ اس زندگی پر تھا اس سے بھی یہ انسان بعید ہوتا چلا گیا، دور ہوتا چلا گیا اور خدائی رحمتوں سے دور ہوتا چلا گیا، نا آشنا ہوتا چلا گیا، اور اس سے محروم ہوتا چلا گیا، خدائے پاک کی رحمتیں، خدائے پاک کی برکتیں، خدائے پاک کی نصرتیں، وہ اپنے طریقے کے ساتھ ہیں وہ کسی شخص کے ساتھ نہیں۔ اس لیے میرے عزیزو دوستو بزرگو! ہمارے ذمہ ہے کہ ہم محنت کریں۔ اس طریقے کے اپنی زندگی میں آنے کی جو اللہ جل شانہ، نے اپنے بندوں کے لیے تجویز فرمائی ہے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اس کے سوا خدائے پاک کو کوئی اور راستہ پسند نہیں ہے۔"ورضیت لکم الاسلام دینا" کہ زندگی گذارنے کے لیے میں نے تمہارے لیے اسلام پسند فرمایا ہے۔

اور اسلام کیا ہے؟ اسلام کے معنی یہ ہیں کہ خدائے پاک کے حکموں کے سامنے بے چون و چرا گردن جھکا دینا، یہ اسلام کے معنی ہیں۔ ہم اپنی پوری زندگی کے اندر بجائے اپنی خواہش کے اوپر چلنے کے، بجائے اپنی جی چاہی پر چلنے کے، خدا کے حکموں پر چلنے والے بن جائیں۔ خدا کے حکم زندہ ہوں گے تو خدا کے حکم کے ساتھ جو برکتیں ہیں، جو رحمتیں ہیں، وہ بھی ہمیں ملیں گی، وہ بھی ہمیں حاصل ہوں گی، جو خدا کے حکموں کو چھوڑ کر کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اللہ جل شانہ کی رحمت اور خدائے پاک کی نصرت اور مدد اپنے حیلے بہانوں سے ترکیب سے حاصل نہیں ہوسکتی، وہ تو خدا کے بتائے ہوئے طریقے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اس لیے میرے عزیزو دوستو بزرگو! ہمیں کوشش کرنی ہے، ہمیں محنت کرنی ہے کہ ہماری زندگیوں میں، اور اللہ کے بندوں میں اللہ والا طریقہ آجاوے۔

اس کے لیے محنت کرنی ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ ہر چیز سیکھنے سے آتی ہے بغیر سیکھے نہیں آتی —— یہ معمولی چیزیں جو روز مرہ کی ہیں، جیسے تجارت ہے، زراعت ہے، یہ چیزیں بھی اپنے سیکھنے سے ہی آتی ہیں۔ یہ خالی سوچنے سے نہیں آتیں، ویسے ہی میرے عزیزو دوستو بزرگو! اس کو بھی سیکھنا پڑے گا

۔ اور سیکھنے کے لیے جو اصل بات سیکھنی ہے ' وہ یہ ہے کہ ہم کسی کے اوپر احسان نہیں کر رہے ہیں ' کسی کے اوپر حاوی نہیں ہو رہے ہیں ' بلکہ اپنی محنت کو پورا کرنے کے لیے اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے کے لیے یہ کوشش کر رہے ہیں اور حقارت نہ ہو ' اس کی اہانت نہ ہو ۔ نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام جو اولین و آخرین میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک کریم ہیں ' ان کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جس کو خدا کا پیام پہنچاتے تھے اس کو حقیر نہیں سمجھتے تھے ' شیطان اول عمل نہیں کرنے دیتا ہے اور آدمی جب عمل پر آتا ہے اور سمجھتا ہے کہ (اللہ جل شانہ اپنی من مانی سے اور اپنی خواہشات پر چلنے سے اللہ ہماری حفاظت فرمائے) محنت کرنے کے اندر ایک جز ہے اپنے گھروں کو چھوڑنا اور اپنے گھروں کو کیا ' اپنی جی چاہی کو چھوڑنا ہے اور خدائے پاک عزوجل نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان کو چھوڑنا ہے اور اس کو اصل مہاجر فرمایا گیا ہے ۔

اصلی مہاجر وہ ہے اصل ہجرت کرنے والا وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن کو خدائے پاک نے منع فرمایا ہے ' تو ہم اپنی خواہشات اور اپنی جی چاہی کو چھوڑ رہے ہوں اللہ کے حکموں کے سامنے ۔ اور ایسے ہی ہمیں اپنے گھر سے محبت ہے ' اپنے وطن سے محبت ہے ' اس کو چھوڑ رہے ہوں ۔ کس کے لیے اللہ کے دین کے لیے ' اللہ کے دین کی محنت کے لیے ' دین کی دعوت کے لیے ۔ یہ ہجرت ہے کہ ہم اپنی بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر نکلے ہیں ان نکلنے والوں کے ساتھ مل جل کر ان کے کام میں ہاتھ بٹانا ہے ' معمولی معمولی چیزیں گھریلو فکر کرنا یہ بھی نصرت کا ایک درجہ ہے ۔ لیکن اصلی نصرت یہ ہے کہ اس کام کے اندر ہاتھ بٹایا جائے جس کام کے لیے انھوں نے اپنے بیوی بچوں کو اپنے گھر بار کو چھوڑا ہے یہ دو چیزیں ہوں گی ہجرت اور نصرت ' یہ ہوگی تو یہ دعوت کی محنت پروان چڑھے گی ' آگے بڑھے گی اور جتنی دعوت آگے بڑھے گی ' دعوت چلے گی اتنے ہمارے زندگی کے شعبے صحیح ہوتے جائیں گے ۔

آج زندگی کا ہر شعبہ اپنی راہ سے بہت دور جا پڑا ہے ہماری پوری زندگی ہماری زندگی کے تمام شعبے اپنے اپنے طریقے پر آجاویں ' اپنی راہ پر آجاویں ' اس

کے لیے یہ محنت ہے ۔ یہ نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام دے کر گئے ہیں، ہر آدمی جو نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کا نام لیوا ہے اور ان کے اوپر جان دینے والا ہے اس کے ذمہ ہے اس محنت کا کرنا اس کے اندر کوشش کرنا ، اس کے اندر اپنے آپ کو لگانا ۔ ہر امتی کی یہ ذمہ داری ہے ، ہر ایک کے کندھوں پر یہ ذمہ داری رکھی ہوتی ہے ہر شخص کو کرنا ہے ، ہر شخص کو اس کی محنت کرنی ہے دعوت کے اندر کسی کی تحقیر نہیں ، کسی کی توہین نہیں ، کسی کے اوپر زبردستی نہیں ، بلکہ سمجھانا ہے ، بھانا ہے ، شوق دلانا ہے ، رغبت دلانا ہے ، اس کے اوپر زبردستی نہیں کرنا ، یہ امر نہیں ہے ، کہ امر جو ہے بڑے کا چھوٹے کے اوپر چلتا ہے ، ہماری اس تبلیغ میں اس دعوت میں نہیں ہے ، یہ غرض ہے یہ خدا کے بندوں کے سامنے پیش کرنا ہے ، یہ حکم نہیں ہے جس کو کہا ہے " امر بالمعروف و نہی عن المنکر " یہ ان لوگوں کے لیے ہے جن کے پاس مرتبہ ہو ، جن کی بات میں طاقت ہو ، ہمارے پاس یہ نہیں ہے ، ہم اس کے مکلف نہیں ہیں ـــــ ہمارے لیے تو دعوت ہے ، دعوت کے اندر عرض ہوتی ہے عرض الدعوۃ ، دعوت کا پیش کرنا عرض ہوتا ہے چھوٹا بن کر کسی بات کو پیش کرنا ، جیسا کہ ہمارے محاورہ میں بھی مشہور ہے ، عرض پیش کی میں نے ۔ تو یہ دعوت ہے ، دعوت کے اندر عرض ہے اس کے اندر امر نہیں ہے ۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ ہمیں اپنی زندگی میں صحیح چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس کی محنت کرنے کے لیے خدائے پاک ہم کو قبول فرمائے ۔

نوٹ : ۔ اس تقریر کی ہمیں صرف ایک نقل ملی وہ بھی بہت معتبر اور مستند نہیں تھی اس لیے ممکن ہے کہ اس تقریر کے الفاظ میں کہیں کچھ کمی بیشی یا نقل میں غلطی ہو گئی ہو ۔ نور

بشکریہ ، مولوی محمد جعفر صاحب خلف حضرت مولانا محمد عاقل صاحب سہارنپور

تبلیغ کے پرانے کام کرنے والوں سے آخری خطاب

(بنگلہ والی مسجد' نظام الدین' دہلی)

۱۴۱۵ھ بروز 'اتوار' پیر ' ۱۹۹۴ء

میرے عزیزو دوستو بزرگو ! اللہ جل شانہ و عم نوالہ کا یہ دستور یہ سنت ہے کہ چیز جتنی اہم اور ضروری ہوتی ہے اتنا ہی اس کو آسان فرمادیتے ہیں ۔ مادی چیزوں میں انسان کے لیے سب سے زیادہ جو چیزیں ضروری ہے وہ پانی ہے اور ہوا ہے' اللہ جل شانہ نے اس کو ایسا آسان فرمایا ہے کہ اس کو کہیں سے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہیں اس کے لیے درخواست دینے کی ضرورت نہیں جہاں آدمی ہوتا ہے وہاں ہوا اس کو میسر ہوجاتی ہے' کیوں کہ انسان کی زندگی میں سب سے زیادہ ضروری چیز جو ہے وہ اس کا سانس لینا ہے' جو ہوا سے متعلق ہوا انسان کی ظاہری زندگی کے لیے بہت ضروری چیز ہے' اللہ جل شانہ' نے اس کو کیا آسان اور عام فرمایا ہے ۔

ایسے ہی پانی ہے جو دوسری ضرورت ہے' پانی کو بھی خدا نے پاک نے عام فرمایا ہے' اور سہل فرمایا ہے ایسے ہی دینی زندگی کے لیے اور روحانی زندگی کے لیے بھی اللہ جل شانہ نے جو چیز جتنی ضروری جتنی اہم تھی' اس کو آسان فرمایا ہے اور اس کے اندر سب سے اہم اور سب سے زیادہ ضروری جس کے بغیر دین کی گاڑی چل ہی نہیں سکتی وہ کلمہ ہے ۔ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ ہے' یہ سب سے زیادہ ضروری سب سے زیادہ اہم ہے ۔ اسی واسطے اللہ جل شانہ نے اس کو ایسا آسان فرمایا کہ چھوٹا سا بچہ جس کی زبان بھی پوری نہیں کھلتی' وہ

بھی اس کو پڑھ لیتا ہے۔ لیکن یہ کلمہ اپنے اندر ایسی حقیقت رکھتا ہے کہ آدمی جتنی اس پر محنت کرتا ہے جتنی کوشش کرتا ہے اس کے مدارج کو اس کے مراتب کو حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کے اندر یقین کی قوت بڑھتی چلی جاتی ہے اس کی طاقت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ یہ بچپن سے بڑھاپے تک، بڑھاپے سے موت تک محنت کو چاہتا ہے۔ جتنی اس پر محنت کی جاوے گی اتنی اس کے اندر کی قوت، اس کے اندر کی طاقت، اس کے اندر کا یقین، حاصل اور بنتا چلا جاوے گا۔ اس لیے میرے عزیز و دوستو بزرگو! اللہ کی سنت ہے خدا کا دستور ہے چیز جتنی اہم جتنی ضروری ہوتی ہے اتنی اس کو آسان فرمادیتے ہیں، اتنا ہی اس کو سہل فرماتے ہیں۔ یہی خدائے پاک نے ارشاد فرمایا ہے۔ "ماجعل الله علیکم فی الدین من حرج" خدا نے دین کے اندر کوئی تنگی نہیں رکھی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "الدین یسر" یہ دین جو ہے آسان ہے، اللہ کا اور اللہ کے رسول کا ارشاد جو ہے سر آنکھوں پر، اس کی سہولت یقینی ہے۔ لیکن آسان ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس کو علم میں نہ لایا جاوے، اس کے اوپر کوشش نہ کی جاوے اس کے اوپر محنت نہ کی جاوے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اوپر ہر ایک کو کوشش کرنی ہے ہر ایک کو محنت کرنی ہے اور ہر شخص محنت کے بقدر، کوشش کے بقدر اس کے اندر ترقی کرتا چلا جاوے گا۔ اس لیے کہ یہ ایسا راستہ ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں، آدمی جتنا کرتا ہے اتنی اپنے اندر اس کی ترقی پاتا ہے اوپر جاتا ہے۔

یہی کلمہ ہے کہ بچپن سے لے کر اور اس شخص سے لے کر جو آج ہی اسلام کے اندر داخل ہوا ہے اس کو لا الہ الا اللہ پڑھایا جاتا ہے، تو آخر تک اس کے اندر ترقی کرنے کی گنجائش ہے۔ حضرت موسی علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اللہ مجھے کوئی ایسی چیز بتلادیجئے جس سے میں آپ کو یاد کروں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوا لا الہ الا اللہ، عرض کیا کہ اے اللہ میں تو کوئی خاص چیز چاہتا ہوں یہ چیز تو ایسی ہے کہ ہر شخص اس کو پڑھتا ہے، اللہ جل شانہ عم نوالہ نے فرمایا کہ یہ کلمہ ایسا ہے کہ اگر ایک پلے میں یہ کلمہ رکھ دیا جائے اور دوسرے پلے میں

ساری چیزیں رکھ دی جاویں تو یہ کلمہ والا پلہ بھاری ہوجائے گا ۔یعنی مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر ترقی کا اتنا میدان ہے کہ آدمی جتنی ترقی کرتا چلا جاتا ہے اتنا ہی اس کے درجات اس کے مراتب حاصل کرتا چلاجاتا ہے ۔

میرے عزیزو دوستو ' بزرگو ! ہمیں یہ دین کی محنت کرنا ہے اور یہ بہت آسان بہت سہل ہے لیکن آسان اور سہل ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ بے حیثیت ہے ' بے قیمت ہے ' اسکا کوئی درجہ نہیں ' نہیں تو یہ کہئے کہ میرے سے کیا ہوتا ہے ' بڑا سخت جملہ ہے ' بڑا سخت جملہ ہے ' کلمہ جو جنت کی کنجی ہے ' نماز جو جنت کی کنجی ہے اسے ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے کیا ہوجاتا ہے ۔میرے بھائی ! اس سے جنت کی کنجی ملتی ہے ' اس سے خدا کی طرف کا راستہ ملتا ہے ' کلمہ اور نماز کو لے کر ہمیں کوشش کرنی ہے ' کوشش کرتے کرتے ہمیں ترقی کرنا ہے ۔
کوشش کرنے سے اللہ جل شانہ کوشش کرنے والے کے اندر استعداد پیدا فرماتے ہیں ' اور ایک صلاحیت پیدا فرماتے ہیں ' محنت کرنے والا کوشش کرنے والا اسکے اندر یہ استعداد پیدا ہوتی ہے ۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ ایک زمین ہے جو تیار ہورہی ہے اسکے اوپر ہمیں ایمانی پودے لگانے ہیں ' اعمال کو لگانا ہے ' ایمانی صفات کو لانا ہے ۔ اگر زمین کے اندر پودے لگائے جائیں تو وہ پھلتے پھولتے ہیں اور سائے دار درخت بنتے ہیں اور اگر اسکو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے ' ویسے ہی اسکو چھوڑ دیا جاتا ہے تو وہ بنجر بن جاتی ہے ' اسکے اندر خاردار جھاڑیاں پیدا ہوجاتی ہیں اسکے اندر کانٹے پیدا ہوجاتے ہیں ' جو آدمی کے لیے تکلیف کا ذریعہ بن جاتے ہیں ۔

ایسے ہی اس کی محنت کرنے سے اس کی کوشش کرنے سے ہماری زمین تیار ہوتی ہے اس کے اندر ایمانی اعمال کو جمانا ہے ' ایمانی صفات کو لانا ہے جو اپنی کوشش کرتے ہوئے ایمانی اعمال کی کوشش کرے گا ' ایمانی صفات لاوے گا تو انشاء اللہ اس کی زندگی وہ عظیم زندگی ہوگی ایسی زندگی ہوگی جس سے خدا راضی ہوگا ۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ نے اس حقیقت کو قرآن پاک میں بھی ارشاد فرمایا ہے : "الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمة طیبة کشجرة طیبه اصلها ثابت و فرعها فی السماء الخ" ۔

خدائے پاک نے اس کی مثال دی ہے ایک درخت کی' اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک درخت ہے کہ زمین کے اندر اس کی جڑ ہے اور آسمان تک اس کی شاخیں ہیں' یہ کلمہ طیبہ' یہ ایمانی زندگی یہ ایسا ہی ایک درخت ہے کہ اس کی ایک جڑ ہے' وہ ہے لا الہ الا اللہ اور اس کے جتنے اعمال ہیں اس کی جتنی صفات ہیں وہ اس کی شاخیں ہیں' وہ اس کے پھول پتے ہیں' جتنی دیر محنت کی جاوے گی اتنی ہی جڑ مضبوط ہو گی' اتنی اس کی شاخیں ہری ہوں گی' تازہ ہوں گی' اس کے پتے سرسبز ہوں گے اور اس کے اندر پھل پھول آئیں گے' اس لیے ہمیں محنت کرنا ہے' محنت کرتے رہنا ہے' اپنی اس محنت کو آسان ہونے کی بنا پر معمولی نہیں سمجھنا ہے' اس کو زمین کی تیاری سمجھنا ہے اپنے آپ کو اس پر آمادہ کرنا ہے کہ ہم ایمانی اعمال کی' ایمانی صفات کی کوشش کریں گے' یہی معنی ہیں اس کے کہ یہ کوشش اپنی اس راہ کے لیے اور اپنے ہی لیے ہے۔ اس محنت کرنے سے استعداد پیدا ہوتی ہے اور صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

اسکے اوپر ہمیں ایمانی اعمال کے پودے کو لگانا ہے' اسکے اندر ایمانی صفات کو لانا ہے' ہر شخص اپنے لیے یہ کوشش کرتا رہے اور یہ محنت کرتا رہے کہ ہمارے اندر یہ صفات پیدا ہوں جو ایمانی صفات ہیں۔ جسکے اندر سب سے پہلی صفت جو ہے وہ اعتماد علی اللہ اور یقین کی دولت ہے۔ یہی لا الہ الا اللہ کا مطلب ہے کہ ہمارا یقین ساری چیزوں سے ہٹ کر ساری چیزوں سے یکسو ہو کر صرف ایک خدا کے ساتھ جڑ جاوے' اسکے اوپر جم جاوے' لیکن یہ یقین' اسکے اندر بھی درجات ہیں' اسکے اندر بھی مراتب ہیں اور اسکے مراتب کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

اس کا ایک درجہ حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام کا کلمہ تھا' حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کا کلمہ تھا۔ یہ کلمہ جو ہے محنت کرنے والوں کے لیے اپنی ترقیات کا اتنا بڑا ذریعہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے درجہ تک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ تک پہنچنے کے لیے اور وہاں تک جانے کے لیے اس کا راستہ چلا ہوا ہے۔ ہم بھی یہی کلمہ پڑھتے ہیں مگر ہمارا کلمہ وہ نہیں ہے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کا (کلمہ) تھا۔ ان کا کلمہ اپنی حقیقت کے اعتبار

ہے ایسا تھا کہ سارے کلمے بھی اس کے مطابق نہیں ہو سکتے اور کلمہ کیا ہے وہ اس کے اندر کی حقیقت و قوت ہے، اس کے اندر کا یقین ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے سے نماز اور روزے میں زیادہ نہیں تھے لیکن یقین کی قوت ایسی تھی کہ وہ اس کے اندر ہمارے سے ممتاز تھے۔

تو میرے عزیزو دوستو بزرگو! یہ ہماری دعوت جو ہے یہ کلمہ اور نماز کی محنت ہے، لیکن یہ محنت ایسی ہے کہ اس کے اندر جتنی کوشش کرتے رہیں گے اتنے ہی ترقی کرتے چلے جائیں گے۔ اتنے بلند ہوتے چلے جائیں گے۔

اس کی آسانی سے یہ شبہ ہوتا جاتا ہے کہ یہ جو ہے قیمتی چیز نہیں ہے، لیکن جیسے میں نے عرض کیا کہ خدائے پاک کا دستور یہی ہے جس چیز کی جتنی اہم ضرورت ہوتی ہے اتنی ہی وہ آسان ہوتی ہے، اللہ جل شانہ عم نوالہ نے اس ضرورت کو ہمارے لیے کتنا آسان فرمایا ہے۔ لیکن آسانی کے معنی یہ ہیں کہ اسکو عمل میں لایا جاوے، آسان کے معنی یہ نہیں کہ اس کو چھوڑ دیا جاوے، اس لیے ہمیں کوشش کرنی ہے، ہمیں محنت کرنا ہے، ہمیں اپنی اس دعوت میں لگے ہوئے اپنے اعمال کو، اپنی صفات کو پیدا کرنا ہے، اجاگر کرنا اس کو جمانا ہے، اس کو اپنی زندگی میں لانا ہے، اس کے اعمال ظاہری ہیں اس کو بھی کرنا ہے اور اس کے اعمال باطنی ہیں اس کو بھی حاصل کرنا ہے۔ ظاہری اعمال جو ہیں وہ نماز ہے روزہ ہے، زکوۃ ہے، حج ہے، اور اسکے ساتھ ساتھ ایمانی صفات ہیں۔ وہ یقین ہے، توکل ہے، صبر ہے، شکر ہے تقویٰ ہے اور رضا بالقضا ہے۔ یہ چیزیں ایمان کی صفات ہیں ایمانی اعمال کو کرتے ہوئے اسکو اپنے اندر لاتے ہوئے ان صفات کو اپنے اندر لانا ہے۔ یہ ہر شخص کی اپنی اپنی کوشش ہے، اپنی اپنی محنت ہے، اس واسطے ہر ایک کا مقام خدائے پاک کے یہاں الگ الگ ہے، بزرگوں کا مقولہ ہے۔ "اعداد الوصول الی اللّٰہ بقدر انفاس الخلائق"۔ کہ اللہ تک رسائی کے عدد وہ انسان کے سانسوں کے بقدر ہیں، ہر شخص کا اپنا اپنا معاملہ ہے۔ ہر شخص کے ساتھ خدائے پاک وہ کریں گے جیسے اس آدمی کا طور جیسے اس زندگی

گذارنے والے کی اپنی محنت اور کوشش ہوگی ' ویسا خدا کا اسکے ساتھ معاملہ ہوگا ہر ایک کا معاملہ الگ الگ ہے ۔ جو جتنا کرے گا جتنا اس پر جمے گا ' جو جتنی کوشش کرے گا ' جتنی ان صفات کو لائے گا اور ان اعمال کو لائے گا ' جتنے ایمانی اعمال زندہ ہوں گے ' جتنی ایمانی صفات ہمارے اندر آویں گی ' اتنا قیامت کے دن اس آدمی کا وزن ہوگا ۔ بڑا وزن جو ہے وہ ان صفات اور اعمال اور قوت یقین ہی کا وزن ہوتا ہے ۔ وہاں ظاہری چیزوں کا وزن نہیں ۔ یہی کلمہ ہے یہ کسی کا اتنا بھاری ہوگا کہ جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اور یہی کلمہ ایسا ہوگا کہ جس کا ہلکا ہوگا تو اس کے یقین کے اعتبار سے اسکا اللہ کے یہاں درجہ ہے ' اور اس یقین کی کوئی حد نہیں ہے آدمی جتنی کوشش کرتا ہے اتنا ہی اسکے اندر یہ یقین آتا ہے ۔

ایسے ہی نماز ہے ' نماز جو ہے ظاہری تو یہ ہے کہ بھائی ! چند الفاظ ادا کر لیے تو نماز ہوگئی ' فقیہ کے نزدیک ۔ لیکن ایک اس کی جان ' ایک اس کی حقیقت ہے ۔ وہ جو ہے آدمی جتنی کوشش کرتا رہے گا اتنا اس کے اندر ترقی کرتا چلا جاوے گا ' یہاں تک کہ اس کی نماز ایسی نماز ہو جاوے گی ۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۔ نبی پاک علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے "صلوا کمارا یتمونی اصلی" جیسے اعمال کے پابند ہونے کو بتلا رہے ہیں ایسے ان کے اقرار کو بھی بتلا رہے ہیں ۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یہ تو اس کا اللہ کے یہاں درجہ ہے فقہا ظاہری اعمال کر لینے کے لیے بھی یوں کہتے ہیں کہ نماز ہوجاتی ہے ۔ لیکن اس کی حقیقت دوسری جو اس کے اندر ترقی کرنے کی اس کے اندر بلند ہونے کی راہ کھلی ہوتی ہے ' ہر شخص اپنی کوشش اپنی اپنی محنت کے بقدر اس کے اندر ترقی کرے گا ۔ اس لیے میرے عزیزو بزرگو ایسے ہی اللہ کا ذکر ہے ایسے قرآن پاک کی تلاوت ہے ۔ نبی پاک علیہ السلام راتوں کو قرآن پڑھتے تھے اور اتنا پڑھتے تھے کہ اقدام مبارک پر ورم آجاتا تھا ' یہاں تک کہ خدائے پاک نے نازل فرمایا ۔ "ما انزلنا علیک القرآن لتشقی" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جتنی تلاوت فرماتے تھے جتنا پڑھتے تھے اخیر میں یہ لگتے تھے کہ اس کے عجائبات تو ختم ہی نہیں ہوتے ' یہاں تک کہ اس کے ساتھ

دوسرے بزرگوں نے یہ لکھا ہے کہ مشک کی یہ خاصیت ہے جتنا اس کو رگڑا جاتا ہے اتنا ہی اس کی خوشبو پھیلتی ہے ایسے یہ قرآن پاک ہے کہ جتنی اس کی تلاوت کی جاوے گی، جتنی اس پر محنت کی جاوے گی اتنے اس کے عجائبات پھوٹتے چلے جاویں گے۔ غرض یہ اعمال جو ہیں ظاہر میں بہت آسان ہیں لیکن اپنے حقائق کے اعتبار سے اپنے درجات کے اعتبار سے ان کی کوئی حد نہیں ہے کوئی ان کی انتہا نہیں ہے۔ آدمی جتنی پڑھتا ہے جتنی کوشش کرتا ہے اتنا اپنی کوششوں کے بقدر پالیتا ہے۔

اس لیے میرے عزیزو بزرگو، دوستو، کام ہمارا سیدھا سادا ہے لیکن اللہ کے یہاں بہت اونچا ہے، بہت بلند ہے، اس سیدھے سادے کام کرنے کے اندر لگے رہیں، یہ گشتوں کا کرنا، یہ تعلیم کا کرنا، یہ مہینہ میں تین دن کا نکلنا یہ سال میں چلہ تین چلے دینا ظاہر کے اندر جو ہے یہ بہت آسان ہے، لیکن اسکی قیمت اور اسکی وقعت اللہ جانتا ہے اسکے آسان ہونے کی وجہ سے ہماری نگاہ اس پر نہیں جاتی ہے، اسلیے میرے عزیزو دوستو بزرگو ہمیں اس سیدھے سادے طریقے کو اپنانا ہے اسکے اندر ترقی کرنا ہے اور اسکی حقیقت تک پہنچنے کی نیت کر کے کوشش میں لگے رہنا ہے اور اللہ جل شانہ عم نوالہ کا یہ بھی دستور ہے کہ اپنے راہ کی محنت کرنے والوں کو اپنے راستہ میں جان مال لگانے والوں کو اللہ جل شانہ، دنیا کی چیزیں بھی سامنے لاتے ہیں، جیسے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم، آپکے سامنے مال و دولت پیش کیے گئے، آپکے سامنے عورتیں پیش کی گئیں، آپکے سامنے عہدے اور منصب پیش کیا گیا، یہ جو ہے ان چیزوں کے کرنے والوں کے لیے یہ چیزیں آتی ہیں، لیکن اخلاص کی بات یہ ہے کہ ان میں الجھے بغیر، انکی طرف التفات کیے بغیر اپنے کام میں سیدھا سادا لگا رہے اور ان میں آگے چلتا رہے۔ جیسا کہ حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام، ابتداء میں کوئی بات سننے والا نہیں کوئی ماننے والا نہیں، سارے اذیت دینے والے، مصیبت دینے والے لیکن آپ اسوقت میں فرماتے ہیں کہ جب قیصر و کسری کے خزانے تمہارے ہاتھ میں اور کسری کی داسیاں تمہاری باندیاں ہوں گی تو تم یہ بھی پڑھ لیا کرو گے: سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر

یعنی ابتداء میں کوئی سنتا نہیں کوئی مانتا نہیں، سارے آزار اور تکلیفیں پہنچانے کے(؟) لیکن اسوقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں، کیوں کہ خدا کا دستور معلوم تھا اللہ کے رسول کو کہ جو خدا کے راستہ کی محنت کرتا ہے یہ چیزیں اسکے قدموں میں آکر پڑتی ہیں۔ لیکن اس آدمی کی اپنی حفاظت اپنی ترقی کا راستہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی طرف التفات نہ کرے، ان چیزوں کی طرف توجہ نہ کرے ان چیزوں میں الجھے نہیں، یہ چیزیں آتی ہیں، مال آتا ہے عہدے آتے ہیں اگر ان میں الجھ گیا ان میں پھنس گیا تو آگے کی ترقی رک جاتی ہے۔

حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ میری امت کا فتنہ مال ہے خدائے پاک فرماتا ہے۔ انما اموالکم و اولادکم فتنہ کہ مال و اولاد یہ فتنہ ہے۔ فتنہ کے کیا معنیٰ یہ جو ہیں اپنے اندر الجھانے والی چیزیں ہیں۔ اخلاص کی اور استخلاص کی کیفیت یہ ہے کہ آدمی انھیں میں الجھے بغیر ان چیزوں میں اپنے آپ کو لگائے بغیر اپنی اس سیدھی سادی کوشش کو بڑھاتا رہے، اس محنت میں چلتا رہے تو انشاء اللہ وہ ترقی کرتا چلا جائے گا۔ اور یہ چیزیں آویں تو یہ ڈرنے کی چیز ہے، رونے کی چیز ہے یہ ہنسنے کی چیز نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جو فتوحات کی کثرت شروع ہوئی اور مال کثرت سے آنے لگا تو لوگوں نے (امیر المومنین) کو سمجھانا شروع کیا کہ اے امیر المومنین یہ فتوحات ہیں، یہ چیزیں ہیں، یہ آمد ہے یوں فرمایا کہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ کبھی نہیں جان سکتا کہ یہ چیزیں خیر ہیں اگر یہ چیزیں خیر ہوتیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے ملتیں وہ اس سے آزاد گئے ہیں، یہ چیزیں ان کو نہیں ملیں اور عمر کو مل رہی ہیں، تو یہ عمر نہیں کہتا کہ یہ چیزیں بہترین ہیں، یہ چیزیں بہترین ہوتیں تو انھیں ملتیں، خدا کے یہاں ان کا درجہ ان کا مقام عالی ہے، یہ چیزیں بہترین ہوتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے صحابہ کو ملتیں لوگ ان کو تسلی دیتے، ان کو سمجھانا چاہتے تھے، لیکن وہ کہتے کہ عمر ماننے کو تیار نہیں۔ یہ چیزیں اگر بہتر اور خیر ہوتیں تو اللہ کے رسول کو اور ان کے ساتھی کو ملتیں، اس لیے میرے عزیزو دوستو بزرگو ا کرنے والے کے لیے یہ چیزیں آتی

ہیں ' ان چیزوں کی طرف اگر منتقل ہو گیا اور ان کی طرف متوجہ ہو گیا تو آگے کی ترقی رک جاتی ہے اور اس کے اندر پھنس کر رہ جاتا ہے ۔ اس لیے کام کرنے والے اس کام کو لے کر چلنے والے وہ اس کی بہت فکر کریں کہ کہیں ہمارے دل اس کی طرف التفات نہ کریں اور یہ خدا کا دستور ہے کہ کرنے والے کے لیے دنیا پیروں میں آ کر پڑتی ہے ۔ لیکن اس کے اندر الجھنے سے اس کے اندر پھنسنے سے اپنے آپ کو بچاتا رہے گا اور اس سے اپنی حفاظت کرتا رہے گا تو وہ اپنے کام میں ترقیات کرتا چلا جاوے گا آخرت کے اندر پھر اس کو پورا پورا اجر ملے گا ' ایسے ہی حدیث پاک میں آتا ہے کہ کوئی نمازی اپنے مال غنیمت کو لے کر آتا ہے تو اپنے اجر کا وہ حصہ وصول کر لیا ۔ دنیا میں جو ملتا ہے آخرت میں اسکے اتنی ہی کمی ہو جاتی ہے ' بس ہمیں ہی کرنا ہے یہ سارا کام ہے ' اس کو کرتے رہنا ہے ' اس کے اندر طعنہ تشنیع دیں گے کہ میاں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ؟ اور یہ کلمہ اور نماز ہی کو لیے پھرتے ہیں ' حالانکہ کلمہ اور نماز ہی ہمارے لیے آسمانوں کی اور زمینوں کی اور جنت کی کنجی ہے حدیث پاک میں آتا ہے ۔ مفاتیح الجنة انہیں معلوم نہیں کہ کیا چیز ہے ' جو اپنے اس کو پہچانتے نہیں وہ ایسے جملے کہتے ہیں ۔

میرے عزیزو دوستو بزرگو ! بس اپنا یہ سیدھا سادا کام ہے جو بتلایا ہے جو معلوم ہے ' مشہور ہے ' گشتیں ہیں ' تعلیم ہے ' جماعتوں کا نکلنا ہے ' لیکن اسکے اندر خدشات اور خطرات آتے ہیں کہ ہر جگہ دنیا کی چیزیں اپنی طرف کھینچتی ہیں اس سے بچتے ہوئے اس سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے جاویں ' نہ اپنی بڑائی کا خیال ہو ' نہ اپنی بات منوانے کا خیال ہو ' بس اللہ کے لیے خیال ہو ' اللہ ہی کے لیے کیا جا رہا ہو ' اللہ جل شانہ ' ہمیں نصیب فرماوے ۔ لیکن کام کرنے والے میں اپنے میں غلط فہمی ہو جاتی ہے ' وہ کام کی بڑائی کو اپنی بڑائی سمجھنے لگتا ہے ' بھائی ایسے ہی حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام کا ایک عامل آیا گورنر جسے کہتے ہیں ' جو وصول ہوتا تھا لا کر اسے پیش کرتے تھے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور آنے کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو آپکا ہے یہ میرا ہے ۔ فرمایا اس مال کو اپنے گھر میں بیٹھ کر

دیکھنا کہ تیرے پاس آتا ہے یا نہیں۔

اس لیے میرے عزیزو دوستو بزرگو! اس کے اندر یہ شبہ ہوجاتا ہے، اس کام کی بڑائی کی وجہ سے ہمیں اپنی بڑائی کا وہم اور خیال ہوجاتا ہے۔ کام انتہائی بڑا ہے لیکن کام میں اس سے بچنا ہے اس سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور کام میں اور جتنا ہوسکے اپنے آپ کو بڑھانا ہے اور جتنی چیزیں سامنے پیش آویں ان سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ بچاتے بچاتے چلتے رہیں گے، جس دن ملنے کا وقت آئے گا پورا پورا ملے گا اور اگر بھائی دنیا میں لے لیا تو بھائی دنیا کے اندر اس کی قیمت ساری دنیا بھی نہیں ہوسکتی۔ لیکن ہم تھوڑی سی چیز کے اوپر اپنی اس آمدنی کو، اس قیمت کو قربان کر دیتے ہیں۔ اس میں جاہ کی محبت آتی ہے، مال کی محبت آجاتی ہے، دوسروں پر اپنی بڑائی کا تصور ہونے لگتا ہے، یہ ہماری آخرت کی قیمت کو کھونے والی چیزیں ہیں۔ اس لیے میرے عزیزو دوستو اور بزرگو! سادگی کے ساتھ اپنے اس کام کو کرتے رہو اور اپنی ناکارگی کو اپنے ہیچ ہونے کو تصور کرتے رہو اور کام کی عظمت بٹھاتے رہو، کام کو اپنے ایسا ہی سمجھو اور یہ سمجھو میں ہی نالائق ہوں، کام تو ایسا نہیں۔ اپنی نالائقی کا اپنی ناکارگی کا تصور ہو اور کام کے اندر اپنے ترقی کرتے رہو تو اللہ جل شانہ، عم نوالہ دنیا کے اندر بھی اس کے فائدے نصیب فرمائیں گے۔

دنیا کا فائدہ، یہ مزے کی زندگی گذرے گی یا نہیں حکومت اور سلطنت مل جاوے گی، حکومت اور سلطنت تو خدا کے یہاں کوئی درجہ ہی نہیں رکھتی کوئی حیثیت نہیں رکھتی، ساری دنیا مل کر ساری چیزیں مل کر بھی خدائے پاک کے یہاں ایک مچھر کے پر کے برابر نہیں۔ آخرت کے درجے آخرت کے رتبے وہ چیزیں ہیں جو اصلی قیمت ہے ان اعمال کی۔ لیکن اگر ہم دنیا میں ہی قیمت لے لیتے ہیں تو ہم نے اپنا بہت کھویا، بے قیمت چیز پر راضی ہوگئے۔

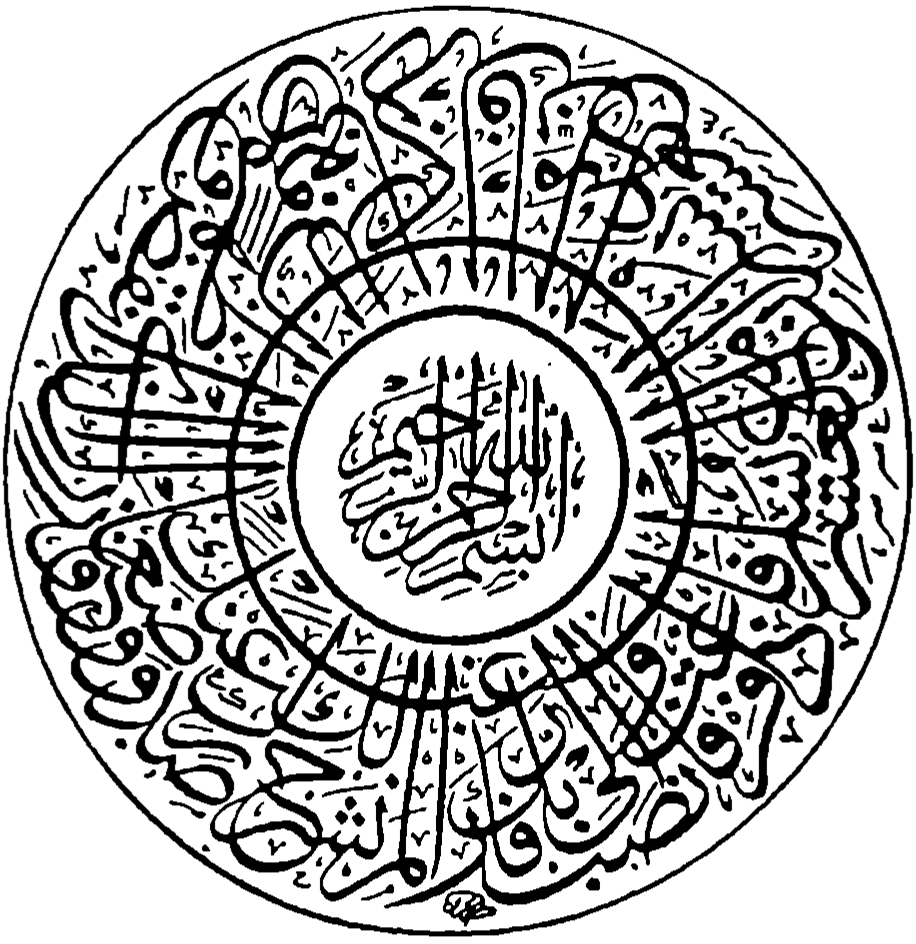
میرے بھائیو بزرگو دوستو! آخرت کی قیمت کا ہم یہاں اندازہ نہیں

کر سکتے دنیا کی معمولی چیزوں پر اگر ہم نے قناعت کر لی تو بھائی آخرت کی وہ قیمتی چیزیں ہمارے سے رہ جاویں گی' ہمارا سارا عمل ہماری ساری کوشش ہماری ساری محنت' وہ صرف خدا کو راضی کرنے کے لیے اور خدائے پاک کے سامنے سرخرو ہو کر جانے کے لیے ہو۔ نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی منہ دکھانا ہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ منہ سیاہ نہ کرا دیجیو۔ اس لیے میرے بھائی اور عزیزو بہت ڈرتے رہنے کی ضرورت ہے' کام کرنا ہے لیکن جھاڑیوں سے کانٹوں سے اپنی حفاظت کرنی ہے' جو جتنی حفاظت کرے گا وہ اتنی ہی اس کی پوری قیمت پاوے گا۔ نہیں کرے گا تو بھائی کسی کا کچھ نہیں جاتا اپنی جو دولت تھی وہی کھودی' اللہ ہماری حفاظت فرماوے۔ اللہ ہی ہماری حفاظت فرماوے۔

لیکن یہ کام جو ہے بہت ہوشیاری کا' بہت احتیاط کا اور بہت ذمہ داری کا ہے' کیونکہ چاروں طرف سے الجھنیں ہیں' چاروں طرف خار ہیں' چاروں طرف سے اپنی طرف کھینچتے جا رہے ہیں' ہم اس سے بچ کر چلیں' یہ ذرا ہمت کا کام ہے۔ فارسی کے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ : دریا میں ڈال کر یوں کہتے ہیں کہ اس میں بھیگیو مت۔ ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لائن کھینچی اور اس کے دائیں بائیں چھوٹی چھوٹی لائنیں کھینچی اور یوں فرمایا کہ یہ سیدھی راہ جو ہے یہ تو میری راہ ہے اور یہ ادھر ادھر کی جو ہیں یہ خواہشات ہیں' انسان کی نفسانیت ہیں' ان کی طرف اگر جھکے گا تو سیدھی راہ سے بھٹک جاوے گا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لائن اخیر تک کھینچی یعنی موت تک ——— موت تک یہ خصلتیں رہیں گی' موت تک ان سے بچنے کی کوشش رکھنی ہے' کسی وقت میں کسی مقام پر جا کر اس سے مطمئن نہیں ہو جانا۔ کیوں کہ شیطان جو ہے موت تک الجھانے کی' پھسلانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے' موت کے وقت بھی یوں کہتے ہیں کہ شیطان آتا ہے کہ قبر میں جب تجھ سے پوچھا جاوے گا من ربک تو

میرا نام لو، تو وہ وہاں تک بھی پیچھا کرتا ہے۔ اس لیے ہمیں ڈرتے رہنا ہے اس سے ہمیں اپنی حفاظت کرنا ہے، اپنی کوششوں میں بڑھتے رہنا ہے اور اللہ جل شانہ سے اپنی حفاظت مانگتے رہنا ہے۔ اور اللہ کی قدرت پر نظر کرتے ہوئے اپنے کام میں آگے بڑھتے رہنا ہے۔ اللہ مجھے بھی نصیب فرماوے، اور تمہیں بھی نصیب فرماوے۔

نوٹ :۔ اس تقریر کی ہمیں صرف ایک نقل ملی وہ بہت معتبر اور صحیح نہیں تھی اس لیے ممکن ہے کہ اس تقریر کے الفاظ میں کہیں کچھ کمی بیشی یا نقل میں غلطی ہو گئی ہو۔ (نور)



وفات سے دو دن پہلے

زندگی کے آخری تبلیغی اجتماع میں آخری تقریر

بموقع اجتماع کسیروہ، ضلع مظفر نگر یوپی

(صبح ٦ / محرم الحرام ۱۴۱٦ھ، ٦ / جون ۱۹۹۵ء)

الحمد لله نحمده ونستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه . و نعوذ بالله من شرور انفسنا ، ومن سيئات اعمالنا . من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادي له . ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له و نشهد ان سيدنا و نبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله ، صلى الله عليه وعلى آله و اصحابه وبارك وسلم تسليما كثيرا .

اما بعد : فقد قال الله تبارك و تعالىٰ : اليوم اكملت لكم دينكم و اَتْمَمْتُ عليكم نعمتي ورضيتُ لكُم الاسلامَ دِينا .

میرے دوستو بزرگو عزیزو! اللہ جل شانہ وعم نوالہ کو اپنا دین جو ہے بہت پیارا ہے، خدائے پاک نے اپنے بندوں کے لئے اپنی مخلوق کے لئے زندگی گذارنے کا ایک طریقہ بتلایا ہے، خدائے پاک کے بتائے ہوئے طریقہ زندگی کا کام (جو ہے) وہ دین ہے۔ انسان کو دنیا میں زندگی گذارنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور پوری زندگی کا طریقہ بتلایا گیا ہے، زندگی کا کوئی گوشہ، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ جس کو خدائے پاک نے بتایا نہ ہو، نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے سکھایا گیا ہے، کوئی شعبہ کوئی لائن کوئی

گوشہ ایسا نہیں ہے، جس کو خدائے پاک نے بتلایا نہ ہو، اس طریقہ زندگی پر چلنا، اس کو اپنانا، اسکو اختیار کرنا، یہ دین ہے۔

خدائے پاک کو اپنا دین بہت پیارا ہے اور دین کیا ہے یہ میں نے بتلادیا کہ اللہ نے انسان کے لئے زندگی گذارنے کا جو طریقہ بتلایا تھا اس طریقۂ خداوندی کو دین کہا جاتا ہے۔ جو انسان خدا کے پسندیدہ طریقہ پر چلتا ہے، خدا کے بتائے ہوئے طریقہ کو اپناتا ہے، اپنی زندگی میں خدا کے حکموں کا پابند ہوتا ہے، اللہ اس سے راضی ہوتے ہیں، اللہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور جو اپنے خدا کے بتائے ہوئے طریقے سے اعراض کرتا ہے، غفلت کرتا ہے، اس سے بے پروائی کرتا ہے، خدا اس سے راضی نہیں ہوتے۔

میرے عزیز دوستو بزرگو! ہم سب (اپنے) اس کا ارادہ کریں، اس کی نیت کریں، اس کا عزم کریں کہ ہم سب کے سب دین پر چلیں گے، خدا کے حکموں پر اپنے آپ کو ڈالیں گے، خدا کے حکموں کے خلاف نہیں کریں گے۔ یہ تو ایک ایسی چیز ہے کہ جسے سب کو کرنا ہے، ہر ایک اپنے دل میں یہ بٹھالے، اپنے جی میں یہ اتار لے کہ ہمیں اپنی زندگی میں اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کرنا ہے اور زندگی اس طریقہ پر آنے کے لئے یہ چند عمل ہیں

ان عملوں کو اگر اپناتا ہے، ان عملوں کے اوپر اپنے آپ کو پابند بناتا ہے تو دین کا راستہ چلنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے اور وہ عمل کیا ہے؟ یہی نماز ہے اللہ کا ذکر ہے، خدائے پاک کی کتاب یعنی قرآن پاک کی تلاوت ہے، یہ ایسے عمل ہیں یہ اگر ہمارے اندر رچ جاویں بس جاویں تو زندگی کا خدا کے طریقہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے مشکل نہیں ہوتا، دشوار نہیں ہوتا۔ اس لئے میرے عزیزو اور بزرگو! بھائیو! جو اس اجتماع میں شریک ہوئے ہوئے ہیں وہ خالی اجتماع ہی کے لئے آئے ہیں، ان کو اپنے جی میں یہ اتار لینا ہے یہ بٹھالینا ہے کہ ہمیں ہمیشہ نماز پڑھنی ہے، نماز کو نہیں چھوڑنا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ کم سے کم صبح شام خدائے پاک کا ذکر کرنا ہے، اسکا نام لینا ہے۔ خدائے پاک کا نام لینا یہ خدائے پاک کے یہاں اس آدمی کے، نام لینے والے کے، تذکرہ کو زندہ کرتا ہے جو آدمی

خدا کاذکر کرتا ہے خدائے پاک کے یہاں اسکا تذکرہ ہوتا ہے، خدائے پاک نے قرآن پاک میں اس کو فرمایا ہے، اس کا وعدہ فرمایا ہے، فرمایا: "فاذکرونی اذکرکم" تم میرا ذکر کرو میں تمہارا تذکرہ کروں گا۔

انسان کی یہی شرافت کیا کم ہے کہ اس کا خدا کے یہاں ذکر ہو رہا ہو، خدا کے یہاں تذکرہ ہو رہا ہو اور حدیث پاک میں اس کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے کہ انسان خدا کا بندہ اگر اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو خدائے پاک بھی اس کو (جو ہے) اپنی تنہائی میں اور خفیہ طور سے یاد کرتے ہیں اور اگر جماعت میں یاد کرتا ہے تو خدائے پاک اُس کا تذکرہ اس سے بہتر جماعت کے اندر کرتے ہیں، یہ کیا تھوڑا شرف ہے کہ اس آدمی کا خدا کے یہاں تذکرہ ہو رہا ہو، خدا کے یہاں اس کا نام آرہا ہو، یہ کتنی بڑی شرافت ہے۔ اس لئے کم سے کم اگر ہر وقت نہیں تو کم سے کم صبح و شام (جو ہے) خدا کا نام لیا جارہا ہو، خدا کا ذکر کیا جارہا ہو، خدا کو یاد کیا جارہا ہو۔

خدا کے یاد کرنے سے آدمی کے دل کے اندر چین آتی ہے، سکون آتا ہے، طمانیت آتی ہے، خدائے پاک نے اس کو بھی ارشاد فرمایا "الا بذکر اللہ تطمئنُ القلوب" کہ اللہ کے ذکر کرنے سے، اللہ کا نام لینے سے دلوں کے اندر، قلوب کے اندر طمانیت آتی ہے۔ اس لئے میرے عزیزو دوستو! اور بزرگو! بھائیو! اسکا تو ہمیں ارادہ کرنا ہے، عزم کرنا ہے، مرد ہو یا عورت کہ ہمیں پانچ وقت کی نماز پڑھنی ہے اور کم سے کم صبح شام خدا کا ذکر کرنا ہے۔ اگر ہم اتنا کریں گے، اس کے اوپر جمیں گے تو ہمارے اندر احساس پیدا ہو گا، خدا کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلنے کا، ہمارے اندر شعور زندہ ہو گا دین کا راستہ اختیار کرنے پر اور خدا کے نزدیک دین پر چلنے والا، اسی کی پوچھ ہے اور اسی کی خدا کے یہاں مرتبت ہے اور خدا کے یہاں اس کا درجہ ہے، یہ تو دین ہے۔

اور ایک دین کی محنت کرنا ہے، خدائے پاک کو دین کی محنت کرنا وہ بھی اتنا ہی پسند ہے، جتنا اس کو اپنا دین پسند ہے۔ دین کی محنت کرنا، دین کی کوشش کرنا، دین میں جان و مال لگانا یہ خدائے پاک کو بہت پسند ہے، بہت محبوب ہے، بہت پیارا ہے، ہماری جان، ہماری جان

نہیں، ہمارا مال ہمارا مال نہیں ہے۔ یہ دونوں چیزیں ہمارے پاس خدا کی امانت ہیں، ہمیں اپنی اس امانت میں خیانت نہیں کرنی ہے، جان بھی خدا کے دین پر لگ رہی ہو اور مال بھی خدا کے دین پر لگ رہا ہو بس اس کی محنت کرنی ہے، یہ محنت کرنے والا خدائے پاک کے یہاں بہت زیادہ محبوب بہت زیادہ پیارا ہے۔ نبیٔ پاک علیہ الصلوۃ والسلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خدا کے پیارے ہیں، خدائے پاک کے لاڈلے ہیں، خدا کی مخلوق میں سب سے اونچا درجہ رکھتے ہیں وہ بھی یوں فرماتے ہیں کہ میری تمنا یہ ہے کہ خدا کے راستہ میں، میں جان دوں اور پھر زندہ ہوں، پھر جان دوں پھر زندہ ہوں، پھر جان دوں۔ خدا کے راستہ میں جان دینے کا، خدا کے راستہ میں محنت کرنے کا، خدا کے راستہ میں مال لگانے کا اللہ کے یہاں بڑا درجہ ہے، بڑا رتبہ ہے۔

یہی ایک چیز ہے جو انسان جنت میں جاکر بھی دنیا کی چیزوں میں سے تمنا کرے گا، جب انسان جنت میں پہنچ جاوے گا وہاں کی نعمتیں، وہاں کی آرائشیں، وہاں کی آسائشیں، وہاں کی زیب و زینت اسے سب کچھ حاصل ہو گی، اس وقت میں اس سے پوچھا جاوے گا کوئی اور تمنا ہے تو بتلاؤ، وہ عرض کریگا بارگاہ خداوندی میں کہ اے اللہ ساری نعمتیں مجھ کو حاصل ہیں، ساری دولتیں میرے پاس موجود ہیں، اب کاہے کی تمنا کروں؟ پھر یہی ارشاد فرمایا جاوے گا یہ بندہ پھر یہی جواب دیگا۔ پھر اس سے یہی سوال کیا جاوے گا تو وہ اس وقت میں تمنا کرے گا کہ اے اللہ مجھے دنیا میں بھیج دے تو میں تیرے دین پر پھر جان لگا کر آؤں۔

دنیا کی ایک ہی ایسی چیز ہے جس کی جنت کے اندر (جو ہے) تمنا ہو گی، جنت کے اندر دنیا کی کسی چیز کی تمنا نہیں ہو گی، دنیا کی چیزوں میں سے اگر کسی چیز کی تمنا ہو گی تو (وہ جو ہے) اللہ کے دین پر جان دینے کی تمنا ہو گی، لیکن جنت میں یہی چیز نہیں ہے۔ جنت میں ساری نعمتیں ہیں، جنت کے اندر ساری راحتیں ہیں، جنت کے اندر ساری آسائشیں ہیں۔ جنت کے اندر ساری زیب و زینت ہے لیکن وہاں خدا کے دین پر، خدا کے نام پر جان دینا نہیں، وہ دنیا ہی کے اندر ہے۔

لگاتا ہے، جو ن لگائے گا خدائے پاک اس کے لگانے کو اپنے یہاں قبول فرمادیں گے اور اس کا (جو ہے) بہترین بدلہ نصیب فرمادیں گے، حالانکہ جان بھی اسی کی ہے اور مال بھی اسی کا ہے اور خدائے پاک نے اس بندے کی جان کو اور اسکے مال کو خرید لیا ہے: ''ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ'' جو اپنی جان کہتا ہے جو اپنا مال کہتا ہے حالانکہ وہ خدا کی جان ہے، خدا کا مال ہے۔ اللہ نے اگر ظاہر میں دے رکھا ہے تو اسکو بھی فرماتے ہیں کہ میں نے خرید لیا ہے اس کے بدلے میں، میں تمہیں جنت دوں گا۔ تو یہ جان اور یہ مال ہماری خدا کے راستے میں خرچ ہو رہی ہو، خدا کے دین پر لگ رہی ہو یہ اسکا صحیح مصرف ہے، یہ اسکا اپنے محل پر خرچ ہونا ہے۔ اس لئے میرے عزیزو! دوستو! اور بزرگو! دین کی محنت کو اپنانا ہے یہ اللہ کی بہت پیاری چیز ہے، اور جیسے میں نے ابھی عرض کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے بھی اسی کی تمنا فرمائی ہے اور یہی تمنا جنتی کو جنت کے اندر ہوگی اور وہ اسکی قیمت جانتے تھے وہ اس کے اوپر اپنے آپ کو لگاتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک (رحمہم اللہ، امیر المؤمنین فی الحدیث) حدیث کے امیر المؤمنین بڑے بڑے محدثین کے استاذ ہیں، حدیث کا درس بھی ایسا ہوتا تھا کہ ہزاروں آدمی ان کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ بغداد کے اندر ایک شور ہوا، ایک شور برپا ہوا، ہارون رشید (جو ہے) گھبرا گیا اور ہتھیار پہن کر وہ سامنے باہر نکلا اور وہ یہ سمجھا کہ کوئی بغاوت ہو گئی۔ دریافت کیا کہ یہ کیا شور و غوغا ہے اور یہ کیا آواز ہے، سب نے کہا امیر المؤمنین کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے، عبداللہ بن مبارک، انہیں چھینک آئی تھی جس سے انہوں نے الحمد للہ کہا تھا تو ان کے شاگردوں نے اس کا جواب دیا ہے ''یرحمک اللہ'' یہ اس کی گونج ہے۔

یعنی اتنے شاگرد تھے، اتنے سامنے بیٹھنے والے تھے کہ ان کے جواب دینے سے بغداد (جو ہے) وہ گونج گیا اور ایسا گونجا کہ امیر المؤمنین (جو ہے) وہ گھبرا گیا کہ کوئی بغاوت تو نہیں لیکن معلوم ہوا یہ استاد صاحب نے چھینک ماری تھی اور اس کے اوپر الحمد للہ کہا تھا، ان کے

شاگردوں نے اس کا جواب دیا۔ چنانچہ اس کے بعد عورتوں نے کہا کہ امیر المؤمنین پادشاہت یہ ہے، یہ آدمی، اسکی پادشاہت قلوب پر اور دلوں پر ہے اور تمہاری پادشاہت خالی جسموں کے اوپر ہے۔ یہ تھے عبداللہ بن مبارک، اتنے بڑے محدث، اتنے بڑے جلیل الشان امام، ان کی زندگی ایسی تھی کہ چھ مہینے خدائی راستہ میں محنت کرتے تھے تو چھ مہینہ حدیث کا درس دیتے تھے اور یہ درس کی شان تھی کہ ہزاروں......... ایک دفعہ ان کی مجلس کے اندر صرف قلم دوات گنے گئے ہیں تو نوے ہزار تھے۔

یہ اتنے بڑے محدث اتنے بڑے جلیل الشان امام، لیکن چھ مہینے خدا کے راستے میں گذارتے تھے اور چھ مہینے درس حدیث دیتے تھے اور اسکی قدر جانتے تھے، خدا کے راستے میں جو گردو غبار ہوتا تھا اسے اکٹھا کر کے رکھ لیتے تھے اور جب اس غُبار کی، اس دھول کی، اس مٹی کی جو راستہ کے اندر انہیں لگی ہوتی ہے، وہ اتنی ہو جاتی کہ جس سے اینٹ بن جاوے تو اس کی اینٹ بنا کر رکھ لیا کرتے تھے اور حدیث پاک لکھنے میں پہلے یہ فاؤنٹین اور یہ (جو ہے) نہیں تھے وہی اپنے کلک کے قلم ہوا کرتے تھے، انہیں تراش تراش کر انہیں سے (اپنے) لکھا جاتا تھا، ان قلموں کا جو تراشہ تھا اسکو جمع کر لیا جاتا تھا اور وہ جب انتقال ہونے لگا تو وہ فرمایا کہ اس تراشے سے میرے غسل کا پانی گرم کرنا اور یہ اینٹیں جو خدا کے راستہ کے غبار سے بنی ہوئی ہیں میری قبر میں ان کو رکھنا، اسکو پاٹنے کے لئے اس کے لئے وہ اینٹیں تھیں جو اللہ کے راستہ کے غبار سے بنائی گئی تھیں کیوں؟ وہ جانتے تھے کہ یہ ساری چیزیں اللہ کے یہاں ان کی قیمت ہے، خدا کے یہاں ان کا درجہ ہے۔ جو غبار اور جو دھول اللہ کے راستے میں لگتی ہے وہ خدائے پاک کے یہاں جنت کی خاص خوشبو ہے اور حدیث پاک میں یہ فرمایا، جس آدمی کے جس خدا کے بندے کے پاؤں غُبار آلود ہوں اللہ کے راستے میں، اسکو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔

خدا کو یہ محنت اتنی پیاری ہے، اتنی محبوب ہے کہ اس کی ہر ہر چیز پیاری ہے۔ وہ خاک اور وہ دھول وہ بھی پیاری ہے اور وہ وہ سواری جو خدا کے راستے میں استعمال کی جاتی ہے اللہ

کے یہاں اس کا بھی درجہ ہے، اور وہ پیسہ جو خدا کے راستہ میں خرچ کیا جاتا ہے وہ بھی خدا کے یہاں پیارا ہے، اس کا بدلہ آخرت کے اندر ہزاروں گنا ہزاروں گنا ہو کر ملے گا۔ اسلئے میرے عزیزو! اور دوستو بزرگو! ہمیں دین کی محنت کو اپنانا ایسا اپنانا ہے کہ ہماری جان ہمارا مال اس پر لگ رہا ہو جس کو ہم اپنی کہتے ہیں حالانکہ وہ خدا کی ہی ہے۔ جو آدمی یوں کہتا ہے میرا مال میرا مال وہ (جو ہے) اپنے ظاہری اس کی (جو ہے) ملکیت ہے، حقیقت میں اس کا مالک (جو ہے) وہ اللہ جل شانہ ہے بس!

اسلئے میرے عزیزو اور دوستو اور بزرگو! ہمیں دین پر چلنا ہے، دین کی محنت کرنا ہے، جو کرے گا اللہ کے یہاں سے پاوے گا، نہیں کرے گا تو پھر پچھتاوے گا۔ قیامت کے دن انسان حسرت کرے گا اس بات پر کہ ہائے میں نے اور زیادہ کیوں نہیں کیا۔ جب اس کو اپنی محنتوں کا اجر ملے گا، اسکو اپنی محنتوں کا بدلہ ملے گا، خدا کے یہاں سے اس کا ثواب ملے گا تو اس کو اس کے اوپر حسرت ہوگی، افسوس ہوگا کہ میں نے زیادہ کیوں نہیں کیا۔ اسلئے میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! اس دنیا کی زندگی کو اپنا (جو ہے) موقع سمجھو اور اللہ کے راستہ میں اللہ کے دین پر جتنی جان اور مال لگ سکے اتنی لگاؤ، وہ خرچ نہیں ہو رہی ہے وہ آخرت میں جمع ہو رہی ہے۔

اللہ جل شانہ عم نوالہ بہت شکور ہے، قدر دان ہے، قدر فرمانے والے ہیں کسی کی محنت کو ضائع نہیں جانے دیتے لیکن خدائے پاک غیور ہیں ان کو ہماری کسی محنت ہماری کسی طاعت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی نہیں کرتا ہے تو اپنا ہی کھوتا ہے، اپنا ہی بگاڑتا ہے اور کرتا ہے تو اپنا ہی بناتا ہے اللہ جل شانہ عم نوالہ وہ غنی ہے انہیں نہ ہماری عبادت کی ضرورت ہے نہ انہیں ہماری اطاعت کی ضرورت ہے، نہ انہیں ہماری کسی (اپنی) محنت کی ضرورت ہے ساری ضرورتیں انسان کی اور خدا کے بندوں کی اپنی اپنی ہیں، جو کرے گا وہ پاوے گا نہیں کرے گا تو پچھتاوے گا۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ ہمیں اس کی سمجھ نصیب فرماوے اور اس کی قدر ہمارے اندر پیدا فرماوے۔ یہ کرنے کا زمانہ ہے موت تک کا زمانہ انسان کے کرنے کا زمانہ ہے اور موت کے بعد جو کچھ کیا ہے اس کے ملنے کا، یا اس کی پکڑ کا

زمانہ ہے، موت کے بعد عمل کرنے کا میدان ختم ہو جاتا ہے دنیا میں جو کچھ ہوا ہے اس کا حساب وکتاب ہو تا ہے، اچھے کا نتیجہ اچھا ہو تا ہے اور بُرے کا نتیجہ بُرا ہو تا ہے۔

اللہ جل شانہ عم نوالہ ہمیں دین کے لئے قبول فرماوے اور اس پر جان ومال لگانے کے حوصلہ اور جذبہ ہمارے اندر پیدا فرماوے۔ یہ جتنا کریں گے اتنا پاویں گے خدائے پاک بہت کچھ دینے والے ہیں اور خدا کے راستے میں نکل کر جو نماز پڑھی جاتی ہے، خدا کے راستہ میں نکل کر جو ذکر کیا جاتا ہے اور خدا کے راستہ میں نکل کر جو روزہ رکھا جاتا ہے، اس کی قیمت کروڑوں بڑھ جاتی ہے، روایت میں یہ تین چیزوں ہی کا ذکر ہے، نماز ہے، روزہ ہے اور خدا کا ذکر ہے اس کا حساب لگایا تھا روایات کو جوڑ کر، تو ایک ایک نیکی کا بدلہ انچاس کروڑ ہو جاتا ہے۔

اپنی زندگی کے وقت کو غنیمت جانو اس زندگی کے اندر کر لے جتنا کرنا ہے، وہ آخرت میں موت کے بعد اس کا اجر ملنا ہے، اس کا بدلہ ملے گا اس کا اجر ملے گا اس کا ثواب ملے گا، اس لئے یہ ہماری زندگی بڑی کانٹے کی زندگی ہے، بڑی (جو ہے) مدار کی زندگی ہے کہ اس کے اندر آدمی یا برا کرتا ہے یا بھلا کرتا ہے اور موت کے بعد اپنے کئے کا نتیجہ اس کے سامنے آوے گا، بُرا کیا ہو گا تو اس کی پکڑ ہو گی اس کی سزا ہو گی اور بھلا کیا ہو گا تو خدا کے یہاں سے اس کا بدلہ ملے گا۔ خدائے پاک ہمیں بھلا کرنے کی ہمیں (جو ہے) اپنی اطاعت کرنے کی، خدائے پاک ہمیں اپنے راستہ کی محنت کرنے کی دولت نصیب فرماوے اور خدائے پاک اپنے کرم سے اس کو قبول فرماوے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا خدا کے راستہ کی محنت کرنا، خدا کے راستہ کا گردو غبار برداشت کرنا، خدا کے راستہ میں پیسے خرچ کرنا، خدا کے راستہ میں سواری کا استعمال کرنا یہ ہر چیز (جو ہے) خدا کے نزدیک پیاری ہے، خدا کے نزدیک بہت محبت رکھنے والی ہے۔

یہی عبد اللہ بن مبارک جن کا میں نے ابھی تذکرہ کیا جو حدیث کے امام تھے جو (اپنے) ہزاروں کے لاکھوں کے استاد تھے، ان کے زمانہ میں ایک بزرگ تھے فضیل بن عیاض رحمہ اللہ وہ (جو ہے) اپنے سلسلے کے اندر بھی آتے ہیں بڑے بزرگ، وہ حرمین

شریفین میں مکہ اور مدینہ میں عبادت کے اندر منہمک رہتے تھے، اس کے اندر مشغول رہتے تھے، عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے ان کو خط لکھا اور اس خط کے اندر چند اشعار لکھے،(۱) پہلا شعر اس کے اندر یہ تھا: شعر

یا عابدَ الحرَمینِ لو اَبصرتنا   لَعَلِمتَ انک فی العبادۃِ تَلعَبُ

او حرمین کے عبادت کرنے والے، مکہ مدینے میں عبادت کرنے والے، اگر تو ہم کو دیکھتا تو تجھے یقین ہو جاتا کہ تو ایک کھیل کر رہا ہے۔

وہ اپنے سلسلے کے بزرگ ہیں، بہت بڑے عالی مرتبت ہیں لیکن عبداللہ بن مبارک ان کو یہ لکھ رہے ہیں اور تین چار شعر ہیں، ایک شعر کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری خوشبو، تمہاری طیب (جو ہے) وہ (اپنے) عنبر اور مُشک ہے اور ہماری خوشبو (جو ہے) وہ خدا کے راستے کے گھوڑوں کے غبار ہیں۔(۲) چار پانچ اشعار لکھے اسی مطلب کے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ کے راستے کی محنت، اللہ کے راستے کا غبار اللہ کے راستے کی مشقت کیا چیز ہے، جس کی بنا پر وہ (اپنے) چھ مہینے درس حدیث کو روک کر خدا کے راستے میں (اپنے) جاتے تھے محنت کرتے تھے اللہ جل شانہ عم نوالہ ہمیں (جو ہے) اپنے راستے کی محنت کرنے کے لئے، اپنے دین کی کوشش کرنے کے لئے، جان و مال لگانے کے حوصلے اور جذبے ہمارے اندر پیدا فرماوے، اللہ جل شانہ قبول فرماوے۔

(نوٹ) حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کا تقریروں اور طویل گفتگو میں "جو ہے" "یا" اپنے" تکیہ کلام تھا، اس تقریر میں یہ کلمات آخری یادگار کے طور پر جوں کے توں باقی رکھے گئے ہیں۔ (نور)

(۱) یہ کل سات شعر ہیں، اس میں سے دو تین شعر مولانا انعام الحسن صاحب اپنی تقریروں میں اکثر پڑھا کرتے تھے، یہ اشعار حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ (وفات ۱۸۱ھ، ۷۹۷ء) نے محمد ابن ابراہیم ابن ابی سکینہ کو ۱۷۰ھ (۷۹۳ء) میں املاء کرائے تھے اور انہیں کے ذریعہ طرطوس سے حضرت فضیل ابن عیاض (وفات ۱۸۷ھ ۸۰۳ء) کو مکہ مکرمہ بھیجے تھے۔ یہ اشعار علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں نقل فرمائے ہیں ص ۴۱۲ ج ۸ (بیروت: ۱۴۰۲ھ)

(۲) وہ شعر یہ ہے

ریح العبیر لکم و نحن عبیرُنا   رهجُ السنابک و الغبارُ الاطیب

انسانوں میں جوڑ کس طرح پیدا ہو؟

طریقہ اور راستہ

از حضرت مولانا انعام الحسن رحمہ اللہ تعالی

انسان اصل ہے، اور زمین و آسمان چاند سورج وغیرہ کو اللہ تعالی نے انسان کے لیے بنایا ہے اسی لیے اللہ پاک زمین و آسمان کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیں گے اور انسان ہمیشہ باقی رہے گا۔ اگر یہ انسان اندر سے بنا ہوا ہے تو اللہ پاک جنت دیں گے اور اگر بگڑا ہوا ہے تو جہنم کا فیصلہ ہو گا۔ دنیا انسان کے نفع کے لیے اللہ نے پیدا فرمائی، اگر انسانوں میں جوڑ ہو گا تو اللہ پاک اس دنیا سے انسانوں کو نفع پہنچائیں گے۔

اللہ پاک نے انسان کے بدن کے اعضاء کا جوڑ روح ڈال کر دیا ہے روح نکل جائے تو اعضاء کا جوڑ ختم ہو جائے گا۔ بدن کے اعضاء ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک کا کام دوسرا نہیں کرسکتا۔ کان کا کام الگ، ناک کا، آنکھ کا، عقل کا، ہر عضو کا کام الگ ہے۔ بدن کے اعضا کو ترتیب سے اللہ پاک نے روح کے ذریعہ جوڑا، کسی ایک حصۂ بدن کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا بدن متاثر ہوتا ہے۔

جس طرح اللہ پاک نے بدن کو مختلف اعضاء سے بنایا، اسی طرح انسانوں کو اللہ پاک نے مختلف طبقات میں بنایا، کوئی غریب ہے، کوئی امیر، کوئی کالا

کوئی گورا' اور ان سب کی کامیابی اللہ نے جوڑ میں رکھی' اگر انسانوں میں جوڑ ہو گا تو یہ کامیاب ہوں گے اور اگر توڑ ہو گا تو ناکام ہوں گے مگر جوڑ بھی ترتیب کے ساتھ ہو۔ گھڑی کے پرزے ترتیب کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں تو فائدہ ہو گا' اگر یہ پرزے بغیر ترتیب کے جوڑ دیئے جائیں تو وقت صحیح نہیں مل سکتا۔

آج بھی لوگ اسی طرح رنگ و نسل قومیت کی بنیاد پر جڑے ہوئے ہیں' آج ہر ایک چاہتا ہے کہ جوڑ ہو جائے' ہر آدمی اتفاق و اتحاد کو اچھا کہتا ہے' سب کہتے ہیں لیکن غور کر کے دیکھو تو باپ بیٹے میں' بھائی بھائی میں' محلہ والوں میں' امیر میں غریب میں' ملک ملک میں جوڑ نہیں اور اگر کسی غرض کے تحت لوگ جڑ گئے تو اس وقت تک جڑے رہیں گے جب تک غرض پوری نہ ہو' اگر غرض پوری ہو گئی تو جوڑ ختم ہو جائے گا بعد میں اگر یہ محسوس ہوا کہ غرض پوری نہیں ہو گی تو بھی جوڑ ختم ہو جائے گا۔

کیا وجہ ہے کہ جوڑ نہیں ہوتا' ایک آدمی ایک اسکیم تیار کرتا ہے' اور چاہتا ہے کہ سب میرے کہنے پر جڑ جائیں' دوسرے بھی رائے رکھتے ہیں' وہ چاہتے ہیں کہ ان کے کہنے پر سب جڑ جائیں' تو ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کی رائے پر سب جڑ جائیں' یہ ہو نہیں سکتا۔ اس لیے کہ انسان مختلف طبقات میں ہیں' اور ہر ایک کی غرض مختلف ہے' اگر امیر امیر جڑ جائیں' تو یہ کہیں گے کہ کام زیادہ کرو' تنخواہ کم لو' غریب کہیں گے کہ کام کم کریں گے' تنخواہ زیادہ لیں گے۔ اسی طرح اگر ہر ایک اپنے جذبات پر چلنا چاہے تو جوڑ نہیں ہو سکتا' جوڑ کا صرف ایک راستہ ہے' جوڑ کا ایک ہی راستہ ہے' اللہ پر سب جڑ جائیں۔

انسانوں پر جڑنا مشکل ہے' اس لئے کہ جذبات مختلف ہیں' اور ہر ایک فائدہ لینا چاہتا ہے' اللہ کو فائدہ کسی سے لینا نہیں ہے' اللہ تو سب کو فائدہ پہنچانے والے ہیں۔ اللہ سب کے ہیں' اور دینے والے پر سب جڑ سکتے ہیں' اس لیے اللہ جو دیں گے اس میں سب کا نفع ہو گا۔ اللہ اکبر کی آواز لگا کر سب کو مسجد میں لے آئے' اللہ پر جوڑا' اور اللہ پر جوڑ کر سب کو آپس میں جوڑ دیا۔ محلہ میں سارے محلہ والوں کا جوڑ' جمعہ میں سارے محلہ والوں کا جوڑ' اور حج میں ساری دنیا کا

جوڑ، سب کا جوڑ اللہ پر، اور اللہ پر اگر جڑ گئے تو آپس میں جوڑ ہو جائے گا۔ مسجد میں جڑے، تعلیم کے حلقہ میں جذبہ صحیح ہوا، نمازوں کے ذریعہ اللہ سے تعلق پیدا ہوا، ذکر کے ذریعہ اللہ کی یاد پیدا ہوئی، یقین پیدا ہو گیا کہ کامیابی ناکامی اللہ کے ہاتھ میں ہے، اب مسجد سے باہر جائے گا تو اللہ کے حکم کے مطابق کاروبار کرے گا یقین خدا سے پرورش پر جڑ جائے گا۔ حدیث میں سنا کہ قیامت میں حضور یتیموں کے سرپرستوں کے ساتھ ہوں گے، ایک سرپرست اٹھ گیا، سینکڑوں سرپرست پیدا ہو گئے، واعتصموا بحبل الله جميعاً، پہلے اپنے جڑے معاملات پر، اخلاق پر غیر جڑیں گے، ان سے کہا جائے گا کہ پورے جوڑ کے لیے مسجد میں جا کر اعمال دیکھو۔

اللہ پر جڑیں، اللہ نظر نہیں آتے کیسے جڑیں؟ اللہ سے جڑنے کے لیے بنیاد اعمال ہیں جو دین کے لیے ہیں، ان پر جڑ جائیں۔ کتاب کی تعلیم گھر میں چالو کر دو، جوڑ ہو جائے گا۔ مسجد میں مردوں کا جوڑ ہو، اور گھروں میں عورتوں کا جوڑ ہو، رنگ، قوم، علاقے پر عالمی جوڑ پیدا نہیں ہو سکتا، یہ غیر اختیاری جوڑ ہے، آپ مثلاً کالے ہیں کالے جہاں ہیں آپ کو ان سے جڑنا پڑے گا، اس لیے آپ گوروں سے تو جڑ نہیں سکتے۔ اعمال کے ذریعہ جو جوڑ ہو گا، وہ ہر قوم، ہر جذبے والے کا جوڑ ہو گا۔ کپڑے کا کپڑے سے سوئی تاگے سے جوڑ، لوہے کا لوہے سے ویلڈنگ کے ذریعہ جوڑ، ربڑ سے ربڑ کا سلوشن کے ذریعہ جوڑ اور اگر انسان کو انسان سے جوڑنا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقے پر لانا پڑے گا، دعوت کے ذریعہ ہر ایک کے جوڑنے کے طریقے جدا ہیں، اس مسجد میں مختلف قوموں، خاندانوں کے لوگ جڑے ہوئے ہیں کس چیز نے جوڑا؟ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی روحانیت والی دعوت نے جوڑا، اس طرح مسجد نبوی میں جوڑا۔ اس لیے شروع میں ہجرت فرض تھی، اس کی وجہ یہ کہ ہر ملک والا ہر قبیلہ والا مدینہ آئے، اور اپنے طریقے کو چھوڑ کر حضور والے روحانی طریقے اختیار کرے۔

امام مالک فرماتے ہیں مدینہ طیبہ کا نام دارالہجرت ہے ہجرت کے معنی ہیں چھوڑنا، چھوڑنا اپنے طریقے کو، اور سنت کے معنی ہیں حضرت کے طریقے کو اختیار

کرنا اس کے بعد محبوبیت کے مقام پر آدمی اتباع کے ذریعہ پہنچتا ہے۔

ایک طریقہ ملک و قوم کا ہے۔ ہم مسلمان ہیں ہم قومی طریقے دیکھیں گے؟ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے بھی دیکھیں گے اس طریقے پر آئیں گے تو ساری قوم مخالف ہوگی' اس لیے کہ آپ نے دعوت کے ذریعہ نہیں بتایا' اس لیے جو کریں گے' ہم جہاں بھی جائیں گے دعوت اپنے قومی طریقے کی نہیں دیں گے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے اعمال اور طریقے کی طرف دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے امام ہیں اور ہم ہر لائن میں ان کا طریقہ دیکھیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ میں جوڑ ہے' کامیابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ میں ہے۔ قیامت میں دیکھا جائے گا کہ زندگی اس نمونہ پر بنائی یا نہیں۔

سنہ ۸ ھ میں مکہ فتح ہوگیا تو ہجرت منسوخ ہوگئی' فرضیت ختم ہوگئی' استحباب ابھی باقی ہے' جہاد باقی رہے گا۔ ہجرتِ مدینہ کی طرف ان کی فرضیت ختم ہوگئی' مگر صحابہ کا جماعتیں بنا بنا کر ملکوں میں جانا باقی ہے۔ جہاں جہاں حضرات صحابہ گئے' وہاں لوگ اس زندگی پر جڑتے چلے گئے۔ آج حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والے طریقہ پر جوڑ نہیں' اس لیے ہماری' مسلمانوں کی دنیا میں کوئی اہمیت نہیں۔ یا تو کسریٰ کے تاج ہمارے قدموں پر تھے' یا آج ہم' سب کے قدموں پر ہیں' (یہاں حضرت جی نے بیل کا اور بچے کا قصہ سنایا) جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جوڑا تھا اس پر امت کو جوڑ دو' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کو مسجد میں جوڑا تھا' ان کے بازار ان کی مسجدوں کے تابع تھے' جب تک امت دعوت والی تھی' اس پر کسی کی دعوت نہیں چلی' کفر و شرک کی فضاؤں میں اگر امت کے دو چار آدمی چلے گئے تو پورے ملک پر اسلامی رنگ چھا گیا' اس وقت امت ایک تھی آج سینکڑوں میں بٹ گئی' کالوں کی الگ' گوروں کی الگ' تاجروں کی الگ

(پہلے جو مسلمان تھے وہ) جہاں جاتے تھے وہاں کے طریقے نہیں لیتے تھے' بلکہ اس ملک کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر لاتے تھے آج ساری

دنیا میں مسلمان اُس ملک کے طرز پر ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز میں نہیں ہیں یورپ' امریکہ' جاپان ہر جگہ کا مسلمان اس ملک کے طرز پر ہے اس رواج کو بدلنے کا طریقہ کیا ہے۔ جماعتیں جائیں ، مسجد میں لا کر جوڑیں۔ جماعتوں میں نکلاکریں۔یقین پیدا ہو گا' اب جوڑ ہو گا' اب جاؤ اپنے مشغلوں میں اور ان مشغلوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر لانے کی کوشش کرو، اندر کا فکر کام کراتا ہے۔

ملیشیا کے تبلیغی احباب کو تحریری ہدایات

بموقع اجتماع بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین دہلی ۱۹۹۲ء

ڈھائی گھنٹے یا اس سے زیادہ روزانہ وقت دینے والے احباب جو ترتیب وقت گذارنے کی اس وقت لکھ کر دی جارہی ہے اس کے مطابق وقت گزاریں۔

ہر پرانا اپنی مسجد کی جماعت کیساتھ اپنے محلے کا گشت کرے اگر کوئی تقاضہ پیش آئے تو اپنی مسجد کے گشت کو مقدم رکھے۔ اس تقاضہ کیلئے اوروں کو تیار کرے ہر گشت کے بعد مجمع کو تین چلہ، چلہ، ماہانہ تین یوم اور روزانہ آٹھ گھنٹے اور کم از کم ڈھائی گھنٹہ کیلئے تیار کرے۔ روزانہ کا یہ وقت مقامی کام ہی کا ایک جزو بنے الگ چیز نہیں بنے۔ اصل مقصد دعوت کو زندہ کرنا ہے، قرون اولی والی قربانیوں سے دعوت زندہ ہوگی تب دعوت والے اعمال سے مسجدیں آباد ہوں گی۔

مسجد کی آبادی سے مراد "مسجد نبویؐ کے نہج پر مسجد کی آبادی ہے جس میں ایمان کی دعوت، فضائل کے حلقے، جماعتوں کی اندرون ملک اور بیرونِ ملک روانگی اور آمد تھی، علم و ذکر تھا، آنیوالوں کی تعلیم اور تربیت اور مہمان نوازی تھی۔ روزانہ وقت دینے کیلئے جو ساتھی تیار ہو جائیں وہ آپس میں مشورہ کر کے دعوت والے اعمال میں لگیں، دعوت دیتے ہوئے اپنے معمولات کو پورا کریں۔ اگر اکیلے ہوں تو اپنے ساتھیوں کو لانے کی کوشش کی جائے، دو تین ہو جائیں تو گھروں میں جاکر ملاقات کریں اور انہیں ترغیب دیکر مسجد

میں آنے کیلئے تیار فرمادیں اور مسجد میں جو اعمال دعوت ہورہے ہیں ان میں انہیں شریک کریں اور پھر انہیں کام سمجھا کر اور ترغیب دیکر مسجد کے اعمال کیلئے وقت کو فارغ کروائیں۔ زیادہ سے زیادہ جتنا بھی وقت دے، آٹھ گھنٹے یا کم از کم ڈھائی گھنٹے کیلئے آمادہ کریں دعوت دیں تین چلہ، چلہ کی بات کریں، مقامی کام کی ترغیب دیکر مقامی کام کیلئے آمادہ کریں۔ گھروں میں سو فیصد اعمال کی فضا بنے اور پاکیزہ ماحول بنے اس کیلئے ایمان ویقین کے حلقے، فضائل کی تعلیم، نماز، ذکر وتلاوت کی ترغیب دیں، گھر کے ہر فرد کو دین کا داعی بننے پر آمادہ کرنا ہے، دعوت کیساتھ اعمال کو چلانا ہے۔ دعوت دیتے ہوئے ان اعمال کو کرینگے تو پھر صحابہؓ کے طریقہ پر علم وذکر کا نقشہ بنے گا۔ علم وذکر جب صحابہؓ کے طریقہ پر آئیگا تو پھر سو فیصد مسلمانوں میں علم وذکر زندہ ہوگا۔ کوئی بے نمازی ہو تو نماز کی دعوت دیں، شفقت پیار سے نماز ادا کرنے کی دعوت دیں، تھوڑی سی وعید بھی بتلادیں اتنی نہیں کہ وہ مایوس ہو جائے، نماز پڑھوانے کی کوشش کریں۔ اس میں باہر سے آنیوالی جماعتوں کی نصرت، ان کی تعلیم میں شامل ہونا، انہیں گشت کروانا، بیماروں کی عیادت کرنا، اللہ کے راستے میں نکلے ہوئے ساتھیوں کی خیر خبر بھی شامل ہے۔

مسجد وار جماعت کے اُمور

۱۔ ہفتہ کے دو گشت ہر گشت سے نقد جماعت نکالنے کی کوشش اور دوسرے گشت کے ذریعہ شہر کی تمام مساجد میں مقامی جماعتیں بنا کر کام کو اٹھانے کی کوشش کیجائے۔

۲۔ روزانہ مسجد اور گھر کی تعلیم مسجد کی تعلیم کے علاوہ گھر میں روزانہ تعلیم ہو تاکہ اعمال کا شوق بڑھے اور پھر مستورات اپنے مردوں کے ذریعے علماء سے مسائل پوچھ کر گھر کی ۲۴ گھنٹے کی زندگی دین کے مطابق گزارنے کی کوشش کریں۔

۳۔ مہینہ سے تین دن ہر ساتھی مہینہ میں تین دن پابندی کیساتھ لگائے، پرانے

احباب اپنے ساتھ محلہ کے نئے ساتھیوں کو لیکر نکلنے کی کوشش کریں۔ سہ روزہ اپنی بستی کے مضافات کی ہر ہر بستی کی تمام مساجد میں جماعتیں بنا کر کام اٹھانے کی کوشش کی جائے۔

۴۔ روزانہ ڈھائی گھنٹے کی محنت اعمال دعوت کو زندہ کرنے کی گھر گھر محنت کرتے ہوئے ان اعمال میں لگنا۔ ڈھائی گھنٹہ کم از کم ہیں، زیادہ کیلئے بھی کہا جائے اور جو زیادہ دے اسے قبول کیا جائے۔ جو زیادہ نہ دے ڈھائی گھنٹے دے اسے حقیر نہ سمجھا جائے اسکی قدر کی جائے تاکہ مسجد ۲۴ گھنٹے مسجد نبوی کے نہج پر آباد رہے، جس میں ایمان کی دعوت، فضائل کے حلقے، جماعتوں کی بیرون اور اندرون ملک روانگی اور آمد، علم و ذکر، آنیوالوں کی تعلیم و تربیت اور مہمان نوازی سب شامل ہے۔ ساتھیوں کا کھانا اور سونا گھروں میں ہو۔

۵۔ روزانہ مشورہ کیلئے بیٹھنا محلہ میں پاکیزہ اعمال کو زندہ کرنے کیلئے فکر کیلئے بیٹھنا فکر کیلئے یہ جڑنا ایسے وقت میں ہو جو سب کی سہولت کا ہو۔ پچھلے دن کی محنت کی کار گزاری سن لیں آج کے دن کی محنت کا مشورہ کرلیں یہ مشورہ زیادہ لمبا نہ ہو۔ سارے عالم میں نماز، تلاوت، ذکر و دعا، عبادت اور حسن اخلاق کو سو فیصد زندہ کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ ہر مسلمان کی زندگی اللہ کے حکموں اور حضور ﷺ کے طریقوں پر آجائے۔

> نوٹ:۔ ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ نومبر ۹۴ء کو اجتماع کے بعد اجتماع کی جگہ پر ہی عشا کے بعد پاکستانی، ہندوستانی، بنگلہ دیشی اور مشورہ والوں کو الگ کرکے فرمایا کہ ہمارے پاس ملکوں اور علاقوں سے خطوط آتے ہیں کہ یہ مذاکرہ کی جماعت کیا چیز ہے؟ ہم نے ان سے یہی کہا کہ مشورہ کرکے رائے دینگے میں جواب دینگے، اپنے بتلاؤ کیا رائے ہے؟ تو احباب نے کہا جو آپ کا فیصلہ ہوگا وہی ہوگا۔ اس پر حضرت جی مدظلہ نے فرمایا: ہمارے ہاں مذاکرہ والی کوئی جماعت نہیں ہے۔ حسب سابق مسجد وار جماعت کے طور پر محنت کرو۔
>
> ۱۴/ نومبر بعد عشاء نظام الدین کو سامنے رکھ کر اور حضرت جی مدظلہ سے پوچھ کر اسے کاغذ نمبر ۲ پر عربی میں لکھا گیا یہ ۱۵/ نومبر تھا پھر ۲۴، ۲۵/ نومبر کو رائے ونڈ مشورہ میں مسجد وار کام کو کاغذ نمبر ۱ اور کاغذ نمبر ۲ اور کاغذ نمبر ۳ جو ملیشیا والوں کو ۱۹۹۳ء میں حضرت جی مدظلہ نے نظام الدین میں لکھوایا تھا کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ یہ کاغذ نمبر ۴ حضرت والا کا منظور کردہ ہے۔

شمالی امریکہ میں کام کرنے والوں کو ہدایات

آخر دسمبر ۱۹۹۴ء میں بستی نظام الدین دہلی میں شمالی امریکہ والوں کے جوڑ کے موقعہ پر ڈیسٹرائٹ والوں نے اپنے ہاں کی روزانہ کی ترتیب سنائی، بھائی شریف عبدالعزیز صاحب انگریزی میں کہتے رہے، اور بھائی عبدالرحمن خاں صاحب نیوارلنیز والے اردو میں ترجمہ کر کے حضرت جی کو سناتے رہے۔ ان کی معروضات اور حضرت جی کی جانب سے جواب درج ذیل ہے۔

"ڈیسٹرائٹ کے احباب مندرجہ ذیل طریقہ سے کام کر رہے ہیں، اگر یہ ہمارے بزرگوں کے منشاء کے مطابق ہے، تو براہ کرم دعاؤں سے ہماری رہبری فرمائیں اور اگر ہم کوئی چیز غلط کر رہے ہیں تو براہ کرم ہماری رہبری فرمائیں اور تصحیح فرمائیں کہ کیا ہم اس ترتیب سے کام کرتے رہیں یا روک دیں؟ روزانہ شام سات بجے سے ہماری یہ ترتیب ہے۔

پیر کے دن : ڈیسٹرائٹ شہر اور مضافات سے متعلقہ امور مثلاً :

۱۔ چار ماہ۔ چالیس یوم کی جماعتیں،
۲۔ مختلف مساجد سے آنے والی جماعتوں کے متعلقہ امور
۳۔ ہفتہ کے آخری دن دو روز کی جماعتوں کے متعلقہ امور اور کارگذاری،
۴۔ مستورات کا بیان،
۵۔ طلباء کا پروگرام، پیر کے دن یہ سارے امور طے کئے جاتے ہیں۔

منگل کے دن : شوری والے سارے ساتھی اپنی اپنی مساجد میں مقامی گشت کرتے ہیں۔

بدھ کے دن : مختلف مساجد کو بلانے اور ان کے احوال لینے کا ذکر کرتے ہیں اور

جو کام پیر کے دن رہ جائے اس کو بھی مکمل کرتے ہیں۔
جمعرات کے دن : مختلف مساجد کو ایک ایک کر کے بلاتے ہیں اور ان کی کار گزاری سنتے ہیں اور مختلف تقاضے پورے کرنے کے متعلق سوچتے ہیں۔
جمعہ کے دن : شب گزاری کرتے ہیں اور بیان تشکیل وغیرہ کرتے ہیں۔
ہفتہ کے دن : فجر کے بیان کے بعد اللہ کے راستہ میں جانے والی جماعتوں کو ہدایات دی جاتی ہیں اور اسکے بعد اگر کچھ امور ہوں تو ان کا مشورہ کیا جاتا ہے۔
اتوار کے دن : پیر کے روز ہونے والے مشورے کے لیے فکر کرتے ہیں، مختلف تقاضے سوچتے ہیں کہ کس طرح سارے عالم میں پورے کا پورا دین آجائے۔

نوٹ : "ہر مشورہ سے پہلے شوری کے ساتھیوں میں سے دو تین ساتھی بلکہ چار تک اللہ پاک کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کے متعلق ترغیب دیتے ہیں ـــــ حضرت جی نے یہ سن کر ان کے پوچھنے پر فرمایا ٹھیک ہے کرتے رہو۔

ڈیٹرائٹ امریکہ میں تبلیغی احباب کو کام کے متعلق ہدایات اور مشورے

آخر دسمبر ۹۴ء میں بستی حضرت نظام الدینؒ دہلی میں شمالی امریکہ والوں کے جوڑ کے موقعہ پر ڈیٹرائٹ والوں نے اپنے ہاں کی روزانہ کی ترتیب سنائی، بھائی شریف عبد العزیز صاحب انگریزی میں کہتے رہے اور بھائی عبدالرحمٰن خانصاحب نیو آرلینز والے اردو میں ترجمہ کر کے حضرت جی مدظلہ العالی کو سناتے رہے، ان کی معروضات اور حضرت جی مدظلہ العالی کی جانب سے جواب درج ذیل ہے۔

"ڈیٹرائٹ کے احباب مندرجہ ذیل طریقہ سے کام کر رہے ہیں اگر یہ ہمارے بزرگوں کے منشا کے مطابق ہے تو براہِ کرم دعاؤں سے ہماری رہبری فرمائیں اور اگر ہم کوئی چیز غلط کر رہے ہیں تو براہ کرم ہماری رہنمائی فرمائیں اور تصحیح فرمائیں کہ کیا ہم اس ترتیب سے کام کرتے رہیں یا روک دیں؟ روزانہ شام سات بجے سے ہماری یہ ترتیب ہے:

پیر کے دن: ڈیٹرائٹ شہر اور مضافات سے متعلقہ امور مثلاً (۱) چار ماہ، چالیس یوم کی جماعتیں (۲) اور مختلف مساجد سے آنیوالی جماعتوں کے متعلقہ امور (۳) ہفتہ کے آخری دن دو روز کی جماعتوں کے متعلقہ امور اور کارگزاری (۴) مستورات کا بیان (۵) طلباء کا پروگرام پیر کے دن یہ سارے امور طے کئے جاتے ہیں۔

منگل کے دن ۔ شوریٰ والے سارے ساتھی اپنی اپنی مساجد میں مقامی گشت کرتے ہیں۔

بدھ کے دن۔ مختلف مساجد کو بلانے اور ان کے احوال لینے کا فکر کرتے ہیں۔ اور جو کام پیر کے دن رہ جائے اس کو بھی مکمل کرتے ہیں۔

جمعرات کے دن۔ مختلف مساجد کو ایک ایک کر کے بلاتے ہیں اور ان کی کارگزاری سنتے ہیں اور مختلف تقاضے پورے کرنے کے متعلق سوچتے ہیں۔

جمعہ کے دن۔ شب جمعہ (اجتماعی طور پر مسجد میں) کرتے ہیں اور بیان تشکیل وغیرہ اعمال کرتے ہیں۔

ہفتہ کے دن۔ فجر کے بیان کے بعد اللہ کے راستے میں جانیوالی جماعتوں کو ہدایات دی جاتی ہیں۔ اور اس کے بعد اگر کچھ امور ہوں تو ان کا مشورہ کیا جاتا ہے۔

اتوار کے دن۔ پیر کے روز ہونیوالے مشورے کیلئے فکر کرتے ہیں۔ مختلف تقاضے سوچتے ہیں کہ کس طرح سارے عالم میں پورے کا پورا دین آجائے۔

(نوٹ) ”ہر مشورہ سے پہلے شوریٰ کے ساتھیوں میں سے دو تین ساتھی بلکہ چار تک اللہ پاک کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی محنت کے متعلق ترغیب دیتے ہیں“ حضرت جی مدظلہ العالی نے یہ سنکر ان کے پوچھنے پر فرمایا: ٹھیک ہے کرتے رہو۔

تقریر ختم صحیح بخاری شریف
مدرسہ کاشف العلوم، نظام الدین - دہلی

۱۴۱۵ھ

ختم بخاری شریف کے موقعہ پر اساتذہ مدرسہ کاشف العلوم نے اجازت حدیث شریف کی درخواست کی تو اس پر اجازت مرحمت فرمانے سے پہلے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حجاز مقدس حاضر ہوا تو وہاں کے ایک بڑے عالم جن کا نام محمد علوی ہے مجھ سے اجازت حدیث چاہی، مگر میں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ میں اس کا اہل نہیں۔ مگر پھر اساتذہ کرام کی درخواست پر ارشاد فرمایا کہ بھائی یہ اجازت جو ہے یہ بڑی اہم ذمہ داری ہے، دینے والے کی بھی اور قبول کرنے والے کی بھی ___

ارشاد فرمایا کہ بس اس شرط کے ساتھ تو اجازت ہے کہ دین کے اوپر قائم رہو، اس پر ثابت رہو، اجازت تو اسی شرط پر ہے (یہ لفظ فرماتے ہوئے آواز بہت بھرّا گئی) اور باقی جتنے علوم پڑھے گئے ہیں، جو پڑھ لیا گیا ہے، جو حدیث میں پڑھا ہے وہ سارا قرآن پاک کے اندر ہے اس کی تفسیر ہے۔

احادیث جتنی ہیں وہ ساری کی ساری قرآن پاک کی تفسیر ہیں اور فقہ جو ہے وہ ان احادیث کی شرح ہے اور اس سب کے پڑھنے پڑھانے کا مطلب جو ہے وہ اس پر عمل کرنا ہے۔

علوم جو ہیں یہ سارے کے سارے واسطہ ہیں، وسیلہ ہیں، اصل جو ہے وہ عمل ہے اور یہ علوم اس لیے ہیں کہ اس پر عمل کیا جاوے اور اگر عمل نہ کیا

جاوے تو ایسے علوم سے حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے پناہ مانگی ہے : اعوذ باللہ من علم لا ینفع، وہ علم جو نفع نہ پہنچاوے اس سے میں پناہ مانگتا ہوں۔

میرے بھائیو، دوستو، بزرگو! یہ جو رسوم ہیں اور یہ جس چیز کی رسوم ہیں ان کی حقیقتیں الگ الگ ہیں۔ یہ ایمان ہے پڑھنے کے اندر تو ایک لفظ ہے اورکتاب الایمان ہے، تین ورقی (بخاری شریف کے شروع میں کتاب الایمان دوتین ورقی ہے اس کی طرف اشارہ فرمایا) لیکن یہ ایمان ایک ایسی حقیقت ہے اس پر جتنی محنت کی جاوے گی جتنی کوشش کی جاوے گی جتنی جان لگائی جاوے گی اتنا ایمان حاصل ہو گا۔ ایسے یہ ساری چیزیں جو ہیں یہ ایسی ہیں کہ اس پر جب محنت کی جاوے گی تو اس کی حقیقت حاصل ہو گی، ورنہ یہ خالی رسوم ہو کر رہ جاوے گی۔ اور رسوم جو ایسے ہیں کہ اگر ان کے اوپر عمل نہ کیا جاوے تو حدیث پاک میں یوں بھی آتا ہے : ان من اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ عالم لم ینتفع بعلمہ، کہ قیامت کے دن سخت عذاب والوں میں سے ہے وہ عالم جو اپنے علم پر عمل نہ کرتا ہو اور اگر عمل کرتا ہو تو اس کے مطابق زندگی گذارتا ہو۔ تو بھائی انکا درجہ بھی ان کی منقبت بھی یہ ہے جس نے علم اس لیے پڑھا ہو کہ اس کے ساتھ دین کو زندہ کریں گے، دین کے زندہ کرنے کی نیت سے اس کو سیکھا ہے، اس حال میں اس کی موت آجاتی ہے، اس کے درمیان اور نبیوں کے درمیان ایک درجہ کا فرق رہ جاتا ہے۔ محنت کرتا ہے تو اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور نہیں کرتا ہے تو یہ عمل ہمارے اوپر حجت ہوتا ہے، اللہ بچاوے۔ اسکے اوپر جان لگانے کی، اسکے اوپر محنت کرنے کوشش کرنا، آخر وقت تک موت تک جس پر لگے رہنا اور موت تک طالب علم ہی رہنا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندگی گذارتے تھے، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ زندگی گذاری، پھر اپنی خلافت کے زمانے میں اخیر زمانے میں کہنے لگے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ ان کا مجھے علم نہیں ہے کاش میں انہیں مرنے سے پہلے جان لیتا، پھر پوچھا گیا کہ ان تین باتوں سے کیا مطلب ہے کہ باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل

کرنے کے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست راست ہونے کے اور خود امیر المومنین ہونے کے باوجود وہ طالب علم رہے، یہ علم کی طلب موت تک رہے۔

آدمی جو ہے کسی وقت کے اندر اس کی کہیں کوئی حد نہیں ہے کہ جتنی طلب کرے گا جتنی محنت کرے گا اللہ پاک کے یہاں سے اتنا علم اس کو حاصل ہو گا' ایک روایت میں ہے۔ من عمل بما علم اورثه الله مالم يعلم جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ ان چیزوں کا اس کو علم دیتے ہیں جن کو وہ جانتا بھی نہیں۔ بہر حال یہ جو ہے تمہاری کتابوں کا ختم ہو جانا یہ علم کا ختم ہو جانا نہیں' یہ زندگی گذارنے کی ایک راہ ہے' چلنے کا ایک طریقہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا یہ تو اپنا طریقہ بتلاتا ہے' انہوں نے حقائق بتائے ہیں کہ یہ ایمان ہے' توکل ہے تقوی ہے' صبر یہ ہے' شکر یہ ہے' اور نماز زکوٰۃ یہ ساری چیزیں ہیں جتنا ان کے لیے اپنی محنت کی جاوے گی کوشش کی جاوے گی اتنی اس کی حقیقت حاصل ہو گی ورنہ تو یہ رسوم ہیں' ظاہری الفاظ ہیں' اور اگر زندگی ان سے ہٹی تو بھائی یہ ہمارے لیے سخت خسارے کی بات ہے' یہ ہمارے اوپر حجت ہوں گے۔ اس لیے موت تک اس کی محنت کرنا' اسکی کوشش کرنا' اس دین کے زندہ کرنے کے اندر لگنا۔ لیحیبی به الاسلام ہے۔

وہ جو میں نے روایت کا ترجمہ کیا کہ علم کی طلب اس واسطے ہوتا کہ وہ دین کو زندہ کرے تو اس کے درمیان اور نبیوں کے درمیان ایک ہی درجہ ہے' بس! حقیقت دو ہیں وہ محنت کرنے سے قربانی سے آجاتی ہیں۔

دنیا کی چیزوں میں بھی یہی ایک ہے جیسے کہ جو پڑھے کاغذ پر لکھ دو' لفظ موثر کچھ بھی نہیں' بچہ بیس دفعہ لکھ دے' لیکن ایک اس کی حقیقت ہے کہ اس کے حاصل ہونے سیکھنے کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں' اس کی اجازت لینی پڑتی ہے' اس کے لیے رقم جمع کرنی پڑتی ہے' اس کے بعد پھر وہ موثر حاصل ہوتی ہے باقی موثر کا لفظ جو ہے بغیر کچھ کیے حاصل ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی بھائی یہ سارے کے سارے علوم ہیں اگر ان میں محنت کریں گے تو ان کی حقیقت ملے گی۔ تو پھر اللہ جل شانہ کے یہاں ان کی منقبت ہے اور اگر نہیں تو بھائی یہی چیز

ہمارے لیے پکڑ کا اور خدا کے یہاں ہمارے اوپر حجت ہونے کا ذریعہ ہے ۔ ہم محنت کریں گے کوشش کریں گے تو پھر یہی : العلماء ورثة الانبیاء، علماء جو ہیں انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں' اور وارث کا کیا مطلب ہے' یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی نبوت کے اندر سے کچھ مل گیا' نہیں ۔ جو ذمہ داری انبیاء کرام علیہم السلام کی تھیں وہی ذمہ داریاں ہمارے اوپر آگئیں ۔ وارث کے ذمہ وہ ساری ذمہ داریاں ہوتی ہیں جو مورث کے ذمہ ہوتی ہیں' اس لیے میرے بھائیو دوستو اور عزیزو اور بزرگو ! یہ نیت کرو یہ ارادہ کرو کہ موت تک اپنی زندگی جب تک باقی ہے ان علوم پر ہم محنت کرتے رہیں گے کوشش کرتے رہیں گے اور قربانی دیتے رہیں گے' جتنی قربانی دو گے اتنی اس کی حقیقت حاصل ہوگی اللہ مجھے بھی نصیب فرماوے ۔ آمین ۔

نوٹ :۔ اس تقریر کی بھی ہمیں صرف ایک نقل ملی وہ بھی بہت معتبر اور صحیح نہیں تھی اس لیے ممکن ہے کہ اس تقریر کے اصل الفاظ میں کہیں کچھ کمی بیشی یا نقل میں غلطی ہو گئی ہو۔ نور

طلباء سے خطاب

مدرسہ کاشف العلوم، مسجد بنگلہ والی

حضرت نظام الدین، دہلی

(۵/جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ - ۲۸/جولائی ۱۹۷۱ء)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد!

بھائی بچو! دیکھو انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی آمد وہ تبلیغ اور دعوت کے لئے ہے، جتنے بھی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام آئے ہیں ان کا کام صرف تبلیغ ہے، تبلیغ اس پیغام کی، اس صداقت کی، جو ان کو خدا کی طرف سے ملا ہے، اور اس راہ کے اندر جو دشواریاں پیش آئیں انھوں نے برداشت کیا سب کو برگ گل، پھول کی پتیاں سمجھا۔ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے آنے کا مقصد یہ تھا، وہ پیام، وہ صداقت، وہ علم جو لے کر آئے ان کو لوگوں کے اندر پہنچائیں، اور اسی کا نام العلماء ورثۃ الانبیاء ہے۔

ہم اگر علم حاصل کر رہے ہیں، اس غرض کے لئے جو اس کی اصل غرض ہے اور اس کا اصل مقصد ہے، تو پھر ہم علم کے حاصل کرنے میں پوری پوری کوشش کریں گے ہمارے علم حاصل کرنے کا مطلب اس کا دوسروں تک پہنچا دینا ہے یہ بات ہے عالم ربانی کی عالم ربانی وہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتیں انھیں بتلادے، یعنی ان کی سمجھ کے مطابق۔

بہر حال انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو اس مقصد کے بجالانے میں جو کچھ پیش آتا رہا اس کو برداشت کرتے تھے، ناگواریاں، دشواریاں، اپنوں کی، اوپروں کی (یعنی دوسروں کی) سب کی سہتے تھے، اور اللہ کو خوش کرنا مقصد ہوتا ہے اس لئے حضور اکرم ﷺ اس کا ڈنکا بجاتے تھے، جو علم کے اندر مشغول ہے علم بھی وہ جو خدا کی ذات میں سے چلا ہوا ہے، وہ ورثۃ الانبیاء ہے، کوئی ہمارا مقصد نہ ہو سوائے اللہ کے راضی کرنے کے، اگر وہ دل کے اندر ہو تو صحیح ہے۔

علم حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ آدمی اپنی نفسانیت کو قربان نہ کردے، اپنے نفس کو نہ کچلے، اس کو نہ دبائے، جب تک یہ حاصل نہیں ہوتا بخاری شریف کا علم حاصل نہیں کرسکتا، ایک تو وہ جس کو شرم ہو، اور ایک وہ جو تکبر کرتا ہو، "میں" جس کے اندر ہوگی خودی ہوگی، علم اس کے اندر نہیں آسکتا اس کا گمان چاہے حاصل ہو جائے، علم کی حقیقت حاصل نہیں ہوسکتی، لفظ بھی چاہے حاصل ہو جائے، لیکن جب نفس کو کچلا العلم لایعطیک بعضہ حتی لاتعطیہ کلّہ آج کل کی ہوا تو یہ ہے اپنے جی چاہیں پورا کریں اور پھر اپنے کو طالب علم کہتے ہیں، علم کی طلب کا راستہ یہ نہیں۔ علم کی طلب کا راستہ نفس کو کچلنا ہے، جتنے گذر چکے ہیں ان کے واقعات سے پتہ چلے گا۔ انھوں نے اس کی مشق کی تھی کہ ہر ایک سے اپنے کو کمتر سمجھیں، جس کو دیکھیں ہر ایک کو اپنے سے بہتر سمجھیں، ایک مرتبہ جارہے تھے ایک حبشی غلام بیٹھا ہوا تھا اور ایک عورت ہے کہ وہ دونوں پانی پی رہے ہیں پلارہے ہیں، اتنے میں سامنے سے ایک کشتی آرہی تھی، جس کے اندر ساز وسامان تھا، تو وہ کشتی غرق ہونے لگی تو سات آدمی تھے تو اس غلام نے چھ آدمیوں کو نکال لایا اور حضرت حسن بصریؒ کو کہا کہ اس ایک کو آپ نکال لائیے، تو یہ ڈر گئے کہ میرے لئے دعا کرو کہ یہ اس بات پر نادم رہے۔ اس لئے تواضع حاصل کرنا ہے، تواضع نفس کو کچلنا ہے، اگر یہ بات ہوگی تو تب کچھ ورثۃ الانبیاء کی وراثت ملے گی۔

دوستو! اور عزیزو! صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کرو، حضور ﷺ کے سامنے ایک آدمی نے اپنی کمان پیش کی، حضور یہ کمان ہے، میں نے ایک آدمی کو سورۂ فاتحہ سکھائی تھی کہ یہ اس کی کمان ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ آگ کی کمان ہے۔ ہم حقیقی وارث بنیں گے وراثت کے پہنچانے میں تب ہم قدم بڑھا سکیں گے، اگر یہ صفات ہمارے پاس ہوں گی۔ اسلاف ان چیزوں کو خدا کے لئے کرتے تھے اور معاش زندگی اپنے سے کیا کرتے تھے، ان میں سے کوئی قناد ہے، کوئی صباغ۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے دو مفسر ہیں کہ وہ قرآن کی تفسیر پر بات کرتے چلے جا رہے ہیں۔ کتنے بڑے تھے، امام ابو حنیفہؒ بزاز تھے، یہ بھی کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے، اس کی دکان تھی، کپڑا نکال کر اس کے اندر عیب ہو اس کو بتلا کر بیچنا، تو ان کے پڑوس میں سے ایک مرتبہ بکری چوری ہو گئی تھی تو نو سال تک (یا کئی سالوں تک) بکری کا گوشت نہیں کھایا، یہ تو نبوت کا ایک عکس ہے، وہ اصل علم جس سے اللہ اور اسکے رسول کی بات کا مطلب سمجھ میں آتا ہے۔

عیاش بن ربیعہ مکہ سے ہجرت کر کے آگئے تھی، دھوکہ سے ان کو بلا لیا تھا، یہ مدینہ سے مکہ ہجرت کر کے تشریف لائے، تو ان کے چلے آنے کے بعد پتہ چلا کہ تیری ماں نہ کھاوے نہ سووے! کہ جب تک نا آئیں گے تو میں نہ کھاؤں گی نہ سوؤں گی۔ ادھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر اس کو بھوک لگے گی خود کھائے گی، تو پھر انھوں نے کہا کہ قسم پوری کر کے آجاؤں گا، تو یہ مقولہ مشہور ہے کہ جو گھر گیا وہ گھر گیا۔ اس کے بعد آیت نازل ہوئی، قل یا عبادی الذین اسرفوا الخ تو حضرت عمرؓ نے آیت لکھ کر بھیجی تو کہا کہ جب یہ آیت میرے پاس پہنچی تو کہا کہ میں اس کا مطلب نہیں سمجھا تھا، تو یہ بات نہیں کہ وہ کوئی لغت نہیں سمجھتے تھے کہ وہ تو اہل زبان تھے، وہ مطلب نہیں سمجھے، تو ایک مرتبہ جنگل میں روتے جاتے تھے تو پھر کہا اللھم فھمنیھا تو یہ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ چلے آئے۔

جب علم کی صفات ہمارے اندر ہوں گی جب وہ آتا ہے۔ خالی ترجمہ یہ علم کی حقیقت

نہیں ہے اس واسطے یہاں پر اس کی آواز لگ رہی ہے، اس قول پر عمل کرو گے تمہارے اندر یہ صفات پیدا ہوں گی، تو پھر اس وراثت کا حق ادا کر سکو گے اور اس کی بنیاد یہی ہو گی کہ ان خواہشات اور اپنے نفس کو کچلنا ہو گا، خدا کی مخلوق سے کچھ لینے کا جذبہ نہ ہو بلکہ صرف خدا سے لینے کا جذبہ ہو۔

الا ان شر الشرار شرار العلماء یعنی بدترینوں میں بدترین بدترین علماء ہیں، وہ بدترین یہ ہے کہ جو صفت ان میں اللہ نے رکھی تھی اس کے آداب کی رعایت نہ کرتے ہوئے ہم نے شرارت کے راستے پر اس کو ڈالا، یہ جان کر بھی اس کو نہیں کر رہا ہے۔

آدمی جتنے اونچے سے گرتا ہے اتنی ہی چوٹ لگتی ہے، اونچے مقام والا جب بے عنوانی کرتا ہے تو اس کی پکڑ ہو گی، باقی ہماری بات یہ ہے کہ ہمیں ان چیزوں کا خیال بھی نہیں، بس یہ بات ہو گی اس وقت میں کہ ہمیں فکر ہوتی ان صفات کی اپنے اندر پیدا ہونے کی، اگر چھٹی ملی تو چاہے جو کرو، یہ تو دنیوی علوم کے چلنے والوں کا راستہ ہے، بس اللہ تعالی آپ کو ہمیں ان پر چلنے کی، سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور صحیح طالب علم بننے کی کوشش کرنے میں ہمیں طالب علم بنائے، یعنی بے ڈھنگے طالب علم نہ بنائے، یہ معنی ہیں طالب علم کے۔

اگر ایسا کرو گے تو چمکو گے، ورنہ کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا۔ ہم کو اپنا فیشن نہیں بنانا ہے، ہم اگر اس پر چلیں گے تو بھائی ہم پیچھے رہ جائیں گے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کم عمر بچے ہیں لیکن رئیس القراء والمفسرین کہا جاتا ہے، ان کی حالت یہ تھی کہ حضرت زید کے پاس جاتے اور ان کے دروازے پر بیٹھے رہتے، اور کہا کہ جگا کیوں نہیں دیا، تو کہا کہ میں طالب علم بن کر آیا ہوں حضرت عباسؓ حضورؐ کے زمانے میں چھوٹے ہی تھے اس وقت جس وقت حضورؐ دنیا سے تشریف لے گئے، تو ان کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ ابن عباس کو بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، تو سوال کیا کہ اذا جاء نصر اللہ میں کیا ہے؟ تو کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ اور کہا، تو پھر اب

عباس سے پوچھا تو جواب دیا مجھے حضورؐ کا اس دنیا سے رخصت ہونا نظر آتا ہے، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں بھی اس بچہ سے زیادہ نہیں جانتا، اس لئے معلوم ہوا کہ عقل عمر کے ساتھ نہیں، بلکہ چھوٹے کو بھی عقل صحیح ہو سکتی ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جو میں نے ابن عباس کے گھر دیکھا وہ کہیں نہیں دیکھا کوئی قرآن کے بارے میں سوال کرتے تھے، اس کے بعد اعلان ہوتا تھا کہ تجوید کے بارے میں، پھر سارا گھر بھر جاتا تھا۔ پھر اعلان ہوتا تھا کہ تفسیر کے بارے میں پھر حدیث کے بارے میں اعلان ہوتا تھا، پھر غزوات کے بارے میں، پھر تاریخ کے بارے میں، پھر ایام عرب کے بارے میں پھر مجمع (متفرق امور) کے بارے میں، پھر ہر ایک کا جواب دیتے تھے، جو کمائی کا زمانہ ہوتا ہے تو اگر اس وقت میں محنت کرتے ہیں تو پھر پھل کے وقت اندر کا پھل آتا ہے، اگر سستی کرتے ہیں تو پھل نہیں آتا۔ بس اب دیکھو ہمیں کیسے چلنا ہے، دیکھو یہ بچے ہی تو تھے، کرو گے تو کچھ حاصل ہوگا، نہیں کرو گے وقت گذر جائے گا نشستند، گفتند و بر خواستند۔

نقل بشکریہ، مولوی محمد یوسف صاحب میرٹھی

سفر جنوبی ہند اور سری لنکا (سیلون) کے موقع پر طلبائے مدرسہ کاشف العلوم سے خطاب

(رجب ۱۳۹۳ھ، اگست ۱۹۷۳ء)

میرے دوستو! اور پیارے بچو! اللہ تعالیٰ نے اس مدرسہ میں ایک فضا بنادی ہے جس کے ذریعہ دینی ماحول بن سکتا ہے، کوئی ذکر کررہا ہے، کوئی قرآن میں مشغول ہے، یہاں کا ہر ایک گھنٹہ کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتا ہے، یہاں تک کہ رات کو اگر دروازہ کھلے گا تو معلوم ہوگا کہ کوئی جماعت آتی ہے، یہاں بڑا اشریر بھی آئے گا، تو اس جگہ کو اجنبی دیکھے گا لیکن دریا میں رہنے والا اپنے کو یہ محسوس نہیں کرتا کہ میں دریا میں رہتا ہوں، باہر نکلنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح بیت اللہ کے اندر جب داخل ہوتا ہے تو ایک انوکھا نور معلوم ہوتا ہے، اس کے اندر رہتے رہتے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ بھی دوسری طرح ہے، لیکن جب سمندر میں سے نکل کر باہر جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کیسی جگہ ہے۔ جب گھروں میں جاتے ہیں تو وہ ماحول نہیں ملتا، لیکن انسان کو شعوری غیر شعوری محسوس نہیں ہوتا، لیکن یہ آتا ہے کہ ہر سال کا دور بقیہ آنے والے دور سے گھٹیا ہوگا۔

مولانا الیاسؒ فرماتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ انسان کے ارادہ کے درمیان اللہ کا قصد بھی حائل ہو جاتا ہے، اس لئے انسان اگر گھر گیا، ارادہ خیر کا کیا، لیکن اس کام کو کر نہیں سکا، اس بناپر قبل وقت لگا کر جاؤ، ایک مرتبہ آپؒ کے قلب اطہر میں تھا کہ میں کعبہ کی طرف

قبلہ بنا کر نماز ادا کروں، سولہ یا سترہ مہینے آپ کو بے چینی رہی، آپ کبھی کبھی نماز میں بھی منہ اٹھا کر دیکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا قد نری تقلب وجھک فی السماء ارشاد ہوتا ہے کہ آپ غمگین نہ ہو جیئے ہم عنقریب ادھر کو منہ پھیر دیں گے جدھر کی تمنا ہے، چنانچہ آپؐ خطبہ دے رہے تھے، فوراً ایک صحابی اٹھے .اور چپکے سے دو رکعت ادا کرلی، اس وجہ سے کہ انتقال میرا نہ ہو جائے، بعد میں حکم نازل ہوا یایھا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول الخ اے ایمان والو! جب اپنے نبی کریم ﷺ کے پاس آیا کرو تو آنے سے قبل فقیر کو صدقہ دے کر آیا کرو، یہ حکم ہو گیا، چنانچہ یہ بہت سخت حکم تھا، لیکن صحابہ سمجھ گئے کہ عنقریب یہ حکم منسوخ ہوگا، لیکن صحابہؓ اٹھے اور فوراً عمل کیا، لیکن یہ متعین نہیں تھا کہ کتنا صدقہ کریں۔

حضرت علی نے اپنی زرہ گروی رکھدی اور فوراً صدقہ کیا اور فوراً جا کر سلام کیا۔(جیسا کہ حضرات صحابہؓ کا خیال تھا) یہ حکم اتنی جلدی بدلا کہ بعض صحابہ کو یہ حکم معلوم بھی نہ ہو سکا اور فوراً یہ حکم منسوخ ہو گیا۔أ شفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم صدقت الخ اللہ نے یہ حکم نازل کیا کہ کیا تم ڈر گئے صدقہ دینے سے، یہ منسوخ کر دیا۔

احادیث کے اندر آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی زندگی بھر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر نہیں ملتی تھی، صحابہ کرام کو آپؐ کچھ نہیں دیتے تھے، لیکن اتنی محبت تھی کہ ایک حکم نازل ہوا، فوراً عمل کیا، کھانے پینے کا کوئی انتظار نہیں تھا۔ یہ مدرسہ کی مہربانی ہے کہ دو وقت کھانا تیار مل جاتا ہے، مگر اس کی وجہ سے دو سنتیں چھوڑنی پڑتی ہے، ایک یہ کہ تمام اصحاب صفہ دس دن تک مسجد نبوی کے اندر دین حاصل کیا کرتے تھے اور چالیس دن کے لئے باہر روانہ کرتے تھے، ایک صاحب صفہ بھی ایسے نہیں ہیں جو پورے سال ایک جگہ رہے ہوں، یہ بالکل نہیں مل سکتا۔

ایک مرتبہ مولانا الیاس صاحبؒ نے جو کی روٹی کھائی قبض ہو گیا تو فرمایا کہ ہمارے معدے بھی اس قابل نہیں رہے کہ سنت کو بھی برداشت کر سکیں۔ ہم ایک سنت ادا کر رہے ہیں کہ کبھی وقت بے وقت پر کھانا مل جاتا ہے، اور کچھ تاخیر سے ہو جاتی ہے۔

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے طلبہ سے مختصر خطاب

(بموقع اجتماع بروالا، ضلع بلند شہر یوپی)

۳۰ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ ۴ فروری ۱۹۷۳ء

میرے عزیزو! مچھلی کو باہر نکال کر کتنا ہی بہتر کھانا کھلائیے وہ خوش نہیں ہوگی، اسی طرح دل کو باہر کی چیز کتنی دو لیکن سکون نہیں ہوگا، جب تک کہ اس کا تعلق صحیح نہ ہو جائے، اور اس کا تعلق اس وقت جڑے گا کہ اللہ کے رسول کے طریقے کو لے کر چلے گا، اتنا ہی سکون ہوگا، بدمعاشی وغیرہ سے چاہتے ہیں کہ دل بہل جائے، لیکن عاجز ہو گئے کرتے کرتے پھر بھی پریشان، جیسے کہ یورپ کے سفر میں جا کر دیکھا، ایک مرتبہ اسپین کے ہوائی اڈے پر نماز پڑھی تعجب سے لوگ دیکھتے تھے، ایک مرتبہ استنبول کے اندر ایک شخص ملا، اس نے کہا کہ دین سے کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا صرف یہ ہوتا ہے کہ دل کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک طرف بول ہو ایک طرف حقیقت ہو تو حقیقت غالب آجاتی ہے، روح کو جتنی فرحت عمل کے ذریعہ ہوتی ہے، جیسے کہ حدیث میں ہے کہ اگر آدمی رات کو اٹھتا ہے تو طبیعت میں نشاط ہوتا ہے، اگر رات کو نہ اٹھا تو طبیعت مکدر ہوتی ہے، یہ تجربہ کر کے دیکھو، جیسے کہ مولانا نے فرمایا کہ لوگ چیزوں کے تلاش کرنے میں لندن امریکہ جاتے ہیں، ہماری زندگی کامیاب ہو جائے، اسلام کے اندر ممتاز ہو جائے۔ اس وقت کامیابی ہے۔

تقریر نکاح بموقع اجتماع ' برطانیہ

میرے عزیزو اور دوستو اور بزرگو ! خدائے پاک نے اس آیت مبارکہ میں بتلایا کہ میں اپنے بندوں کے ساتھ تخفیف چاہتا ہوں ' ہلکی پھلکی صورت چاہتا ہوں اس واسطے کہ انسان خلقتاً ضعیف ہے ' انسان خلقتاً کمزور ہے ' اپنے بارے میں یہ جو چاہے گمان رکھتا رہے ' خدائے پاک عزاسمہ نے اس انسان کو بتلایا ہے کہ یہ خلقتاً ضعیف ہے کمزور ہے ' اگرچہ یہ اپنے بارے میں کیا کیا خیال ' کیا کیا گمان کرتا ہے لیکن بیچارہ ضعیف ہے اور ضعف سب دیکھتے ہیں ۔ تھوڑی سی تیز ہوا ہو جائے تو یہ بیچارہ بے بس ہو جاتا ہے ' تھوڑا سا پانی زیادہ ہو جائے تو بے بس ہو جاتا ہے ۔ زمین تھوڑی سی ہل جائے ' زلزلہ آجائے تو بے بس ہو جاتا ہے ۔ چاروں طرف سے بے بسی اس کی ظاہر ہے ' خدائے پاک نے اس کے ضعف کو بیان فرمایا ہے ' انسان جو چاہے اپنے بارے میں گمان رکھتا ہو ' جو چاہے خیال رکھتا ہو لیکن بہت ضعیف اور کمزور سی مخلوق ہے ۔

اللہ نے اس کی دنیا آخرت کے اندر حفاظت کا اور صیانت کا اور آفات سے بچنے کا ایک راستہ دیا ہوا ہے ' جو خدائے پاک عزاسمہ کے نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام لے کر آئے ' وہ اعمال و الا راستہ ایمان والا راستہ ہے یہ انسان اگر اپنے راستے سے ہٹ کر خدا کی تجویز کی ہوئی راہ پر جمتا ہے اللہ جل شانہ اس کی مدد فرماتا ہے ' اس کی تائید فرماتا ہے اور اللہ کی تائید یہ ہے اور اس کی قوت یہ ہے. اس کی حفاظت یہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے لگے ہوئے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں ' اگر وہ اس کی حفاظت چھوڑ دیں تو جنات اس کو اچک کر لے جائیں اس کا بچنا مشکل ہو جائے ۔ اس واسطے کہ اس تھوڑے سے عرصے میں دنیا کی

زندگی کے اندر اپنی اس راہ پر جم کر خدا کا بندہ بن کر اپنی زندگی کے اندر خدائی احکامات کو پورا کرکے جائے تو اللہ جل شانہ موت کے بعد کی زندگی میں اس کو جو اصل زندگی ہے کامیاب بنادے۔ تھوڑے سے وقت کے لیے خدائے پاک نے بھیجا ہے اور یہی دیکھنے کے لیے کہ یہ اپنے تجویز شدہ راستے پر جمتا ہے یا اس سے ہٹتا ہے' بس یہ تھوڑا سا اختیار دیا ہے دنیا کی زندگی میں جس کے اوپر اچھلتا ہے' کودتا ہے' ناچتا ہے' تھوڑا سا اختیار خدائے پاک نے اس کو دیا ہے' نہ مجبور محض ہے نہ مختار کل ہے ـــ خدائے پاک نے اس زندگی کے اندر تھوڑا سا اس کو اختیار دیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ انسان کو کتنا اختیار ہے اور کتنا یہ مجبور ہے' یوں فرمایا کہ پاؤں اٹھاؤ اس نے ایک پاؤں اٹھالیا' یوں فرمایا دوسرا اٹھاؤ یہاں مجبور ہے ـــ فرمایا بس اتنا ہی اختیار ہے اور اتنا ہی مجبور ہے۔ ایک پاؤں کے اٹھانے کی اس کے اندر سکت ہے' قوت طاقت ہے' اختیار ہے اور دوسرا پاؤں اس کے بس کا نہیں ـــ اللہ نے تھوڑا سا اختیار دیا ہے' تھوڑا سے اختیار کے حکم میں اسے جانچنا ہے' اس کا امتحان کرنا ہے کہ آیا اس اختیار کو خدا کی ماننے پر صرف کرتا ہے یا اس کے اندر خدائے پاک کو بھول کر اپنی من مانی پر اپنی جی چاہی پر صرف کرتا ہے۔

انسان کو پیدا اسی واسطے کیا گیا ہے کہ اس تھوڑے سے اختیار میں یہ اللہ کے حکموں پر جم کر ہی نہیں اللہ کے حکموں کو خدا کی مخلوق کے اندر زندہ کرنے کی کوشش کرکے جائے تو اللہ بھی اس سے راضی اور خدا کی مخلوق بھی اس سے راضی' لیکن یہ انسان ہے

انسان کے اندر خدائے پاک نے کچھ ضرورتیں رکھی ہیں' کچھ حاجتیں رکھی ہیں' یہ خدا ہی کی رکھی ہوئی ہیں' انسان کھاتا ہے' پیتا ہے' سوتا ہے' جاگتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بیاہ شادی ہوتی ہے اس کا بھی محتاج ہے اور انسان اپنے آرام کرنے کے اندر ٹھکانے کا اور چھپانے کی جگہ کا بھی محتاج ہے۔ خدائے پاک ہی نے انسان کے اندر یہ ضرورتیں یہ حاجتیں رکھی ہیں' جتنا چاہے

آدمی طاقتور قوت والا ہو' چار پانچ دن نہ کھائے تو دیکھیں کیا حال ہوتا ہے' آدمی دو چار دن رات نہ سوئے' نیند نہ آئے تو اس کی کیا حالت ہو جاتی ہے' کیا حشر ہو جاتا ہے' خدائے پاک ہی نے یہ حاجتیں انسان کے اندر رکھی ہیں۔ ضعف یہی ہے ان حاجات کو پورا کرنے کو خدائے پاک نے فرمایا ہے' ایسا نہیں کہ ان ضرورتوں کو پورا کرنے سے خدا نے منع کیا ہے' لیکن یہ بات نہیں کہ ان ضرورتوں کو انسان اپنا مقصد بنا کر پوری قوت پوری طاقت پوری عمر اسی کے اندر صرف کر دے' خدائے پاک کے یہاں پسندیدہ نہیں' اس سے خدا راضی نہیں۔

کھانے کی ضرورت ہے بس ساری عمر کمانا اور کھانا اسی کے اندر اپنے اوقات عزیزہ کو' اسی کے اندر اپنی عمر گراں مایہ کو' اسی کے اندر خرچ کر دے آ انسانیت سے نکلی ہوئی بات ہے۔ اتنا کام تو جانور بھی کرتا ہے' جتنے جانور ہیں د کھاتے ہیں اور خوب کھاتے ہیں' اگر انسان نے اپنی زندگی کا یہی مقصد بنایا ہے تو وہ بھی ایک قسم کا جانور ہے' وہ انسانیت سے دور ہے' آدمیت سے خالی ہے۔

انسانیت نام ہے اپنے خدا کو پہچاننے کا' خدا کو جاننے کا' خدا کو راضی کرنے کا' خدا کی ناراضگی سے ڈرنے کا۔ اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے میں بھی وہ آزاد نہیں ہے ضرورتوں کو پورا کرنے میں بھی اللہ کو راضی کرنے کی' خدائے پاک کی ناراضگی سے بچ کر چلنے کی ضرورت ہے ــ جب انسان اپنی ضرورتوں کو خدائی طریقے پر پورا کرتا ہے اللہ اس سے راضی ہوتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ اپنے اس بندے سے راضی ہوتے ہیں جو کھانا کھاتا ہے ہر لقمہ پر بسم اللہ پڑھتا ہے اور کھا کر الحمد للہ پڑھتا ہے اور ہر گھونٹ پر جس کو وہ پیتا ہے پینے سے پہلے اللہ کا نام لیتا ہے اور پانی پی کر اللہ کی حمد کرتا ہے' اس کھانے کے لقمہ سے اور اس پانی کی گھونٹ سے خدا راضی ہوتا ہے۔ لیکن وہ کھانا نہیں کہ جس کے اندر نہ حلال کی تمیز' نہ حرام کی تمیز ہے نہ کھانے میں نبی کے طریقے کا اتباع ہے' شیطانی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے' اس سے خدا تو راضی کیا ہو' اس سے تو خدا ناراض ہوں گے' شیطان راضی ہوتا ہے۔ ایسے ہی ہر ضرورت پورا کرنے میں جب کہ آدمی بندہ بن کر خدا کی مان کر خدا کے حکموں کا تابع ہو کر نبی پاک علیہ

الصلوٰۃ والسلام کے طریقے پر پابند ہو کر چلتا ہے تو ان ضرورتوں کے پورا کرنے میں خدا بندے سے راضی ہوتے ہیں ۔ لیکن جب بندہ خدا کو بھول جاتا ہے تو خدائے پاک اپنی نگاہ کرم اس سے ہٹا لیتے ہیں ' پھر کہتے ہیں کہ یے تھوڑے سے دن کی زندگی ہے پھر نتیجہ آنے والا ہے ۔ بہتر نتیجہ انہیں لوگوں کا ہے جو اللہ تعالی کی مان کر اللہ سے ڈر کر چلتے ہیں ۔ ان العاقبة للمتقين ۔

میرے عزیزو اور بزرگو ! انھیں ضرورتوں میں سے یہ شادی بیاہ ہے یہ بھی خدائے پاک نے رکھی ہے انسان کے اندر اور ایسی کہ جب سے آدمی کا وجود ہے جب سے یہ ضرورت چلی آرہی ہے ' حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی نکاح ہوا ہے ' حضرت حوا رضی اللہ تعالی عنھا سے ' جب سے آدمیت پائی جارہی ہے جب سے یہ ضرورت بھی موجود ہے ' اس کو پورا کیا جارہا ہے اور جب تک آدمی رہے گا جب تک یہ ضرورت قائم رہے گی اور دنیا کے اندر ہی نہیں جنت کے اندر بھی جاکر نکاح ہوگا ـــــ یہ سنت ایسی ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر جاری ہے دنیا میں بھی باقی رہے گی اور دنیا سے جب جائیں گے تو جنت کے اندر یہ سنت باقی ہے اور قائم ہے ۔ لیکن اس کے پورا کرنے میں آدمی اپنے ہاتھ کو اگر آزاد سمجھتا ہے اس کے پورا کرنے میں خدائی احکامات سے غفلت برتتا ہے تو پھر یہی چیز اس کے لیے سوہان روح بن جاتی ہے ـــــ خدائے پاک نے انسان کے ضعف پر نظر فرما کر بہت آسان ترکیب بتلائی ہے ' بہت آسان ہے اس میں دیکھنے کی چیز کیا ہے ؟ اس میں دیکھنے کی چیز جو اللہ کے رسول نے ہمیں بتلائی ہے وہ یہ کہ لڑکا اور لڑکی کے اندر دیکھو دینداری کو ۔ لڑکی بھی دین دار ہو لڑکا بھی دیندار ہو ۔ حدیث پاک میں یوں آتا ہے کہ جب ایسے لڑکے کا پیام آئے جس کی عادات سے اور جس کی دینداری سے تم راضی ہو تو اس سے شادی کرو ' اگر آپ نہیں کروگے تو بڑا فتنہ فساد ہوگا : "اذا خطب اليكم من ترضون دينه و خلقه فز وجوه الا تفعلوه تكن فتنه في الارض وفساد عريض" لڑکا دیندار ہو عادات اچھی ہوں ' اس کو اختیار کرلیا جاوے ' نہیں تو بڑا فتنہ فساد ہوگا ۔ اور لڑکی کے اختیار کرنے میں لڑکی کے پسند کرنے میں مختلف قوموں

کے مختلف نظریے ہیں۔ بعض قوموں کا نظریہ تو حسن و جمال کا دیکھنا ہے، دیکھو بھائی: کون خوبصورت ہے، کون زیادہ سیمیں بدن ہے۔ کون زیادہ دولت مند ہے، بعض بس دولت مند کو دیکھتے ہیں، جاہلیت کے اندر خاندانی شرافت کا اعتبار کیا جاتا تھا۔ کہ کون زیادہ اونچے خاندان کی لڑکی ہے۔ نبی پاک علیہ الصلوۃ و السلام نے فرمایا کہ تم دیکھو اس بات کو کہ دینداری کس کے اندر ہے، کس کے اندر زیادہ دین ہے۔ پس دیندار لڑکی کو دیکھ لو۔ اس واسطے کہ دینداری ایسی چیز ہے کہ جس سے آدمی اپنے حقوق کے ادا کرنے کے اندر کوتاہی نہیں کرتا ہے، جو خدا کے حقوق ادا کرتا ہے وہ بندوں کے حقوق بھی ادا کرتا ہے لیکن جو خدا کے ہی حقوق کو نہیں ادا کرے گا، پھر بندوں کے حقوق ادا کرنے میں وہ اس سے زیادہ کوتاہ ہوگا۔ یہ دل کے چونچلے یہ جو چند روز کے ہوتے ہیں، یہ تعلق موت تک باقی رہنے والا ہے، ایک دوسرے کو نبھانا پڑتا ہے، دینداری جتنی ہوتی ہے، اتنا نبھاؤ اتنا تعلق زیادہ ہوتا ہے اتنی گھریلو زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔

(ٹیپ، بشکریہ: مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھ)

بیعت کے کلمات

بیعت سے پہلے چند باتیں دوستو! بیعت ہونا کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ ہم کو اپنی زندگی پیارے رسولؐ کی ترتیب پر بنانی ہے۔ اللہ نے آپ کو نمونہ بنا کر روانہ کیا ہے، جو شخص نمونہ کے جس قدر قریب ہوگا اتنا ہی اللہ کے یہاں محبوب ہوگا اور ہم کو اپنی موت تک اس کوشش میں لگنا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے حکموں کے مطابق زندگی گذارنی ہے، جیسے رات ہو یا دن ہو، جاگنا ہو یا سونا ہو، کھانا ہو یا پینا ہو ہم کو آپ کے مطابق زندگی گذارنی ہے اور یہ خلاصہ ہے بیعت کا، یہ نہیں ہے کہ پلہ پکڑ لیا بلکہ ہم کو عہد کرنا ہے کہ گناہ سے اللہ تعالیٰ ہم کو نفس و شیطان کے طریقے پر چلنے سے حفاظت فرمادیں اور اللہ سے معافی مانگنا یہ گناہ کو معاف کرانا ہے۔

الفاظ بیعت الحمدلله نحمده ونصلى على رسوله الكريم اما بعد!

لااله الا الله محمد رسول الله ۔ کوئی عبادت کرنے کے قابل نہیں، کوئی جی لگانے کے قابل نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے پاک بندے ہیں۔ ایمان لائے ہم اللہ پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر، ایمان لائے ہم اللہ پر جیسے کہ وہ اپنی عالی ذات میں ہے۔ اور قبول کیا ہم نے تمام حکموں کو اور توبہ کی ہم نے پرایا مال کھانے سے، چوری سے، زنا سے، جھوٹ سے

، بہتان سے، دین پھیلانے میں کمی کرنے سے اور ہر چھوٹے بڑے گناہ سے۔ شرک نہیں کریں گے، کفر نہیں کریں گے، اے اللہ! توبہ ہماری قبول فرما۔ اور بیعت کی ہم نے مولانا محمد الیاس صاحب سے، انعام کے واسطے سے۔

بیعت کے بعد بس بھائی اب یہ نیت کرو کہ ہر ایک چیز کے اندر سنت کی پابندی کرنی ہے اور نمازوں کی اور چار وقتوں کی نفلوں میں۔ اول نماز۔ دوسرے تسبیح کی پابندی۔ ایک تسبیح درود شریف، ایک استغفار کی، ایک تیسرے کلمہ کی۔ تیسری چیز جو قرآن پڑھے ہوئے ہیں قرآن بطور وظیفہ کے پڑھتے رہیں اور جو پڑھے ہوئے نہیں ہیں وہ سیکھتے رہیں اور امام صاحب سے فضائل کی کتاب اور اپنے امام صاحب سے اس کے متعلق مسائل سیکھتے رہیں۔ اور ایک ہفتہ میں دو گشت کرنا خوشامند کر کے جانا اور عاجزی کے ساتھ مسجد کے اندر لانا اور سال بھر میں چلہ میں جانا جتنی طاقت ہو اور مہینہ میں تین دن، روزانہ کی تعلیم۔ اب دعا مانگوا ے کریم کرم فرما!

دعاء

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اجتماع سردھنہ (میرٹھ، یوپی)

(شعبان ۱۴۱۴ھ / فروری ۱۹۹۴ء)

اللھم صلی علی سید نا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد، کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید،

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین، رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت الاعز الاکرم

اللھم اغفر لنا وللمومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات۔ ربنا اغفرلنا ولإخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاّ للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم ۔ ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین۔

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔ ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا، واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکفرین۔

اللھم اشرح صدورنا للاسلام ۔ وزینه فی قلوبنا ۔ وکره الینا الکفر والفسوق والعصیان ۔ اللھم اجعلنا من الراشدین ۔ اللھم اجعلنا من الراشدین۔ اللھم اجعلنا من الراشدین۔

اللهم الهمنا مراشد امورنا ، واَعِذنامن شرور نفوسنا، واعذنامن شرور نفوسنا، واعذنا من شرور نفوسنا ۔ اللهم اشرح صدورنا للاسلام ، اللهم حبب الینا الایمان ، وزینه فی قلوبنا ، وکره الینا الکفر و الفسوق والعصیان ، اللهم اجعلنا من الراشدین ، اللهم الهمنا مراشد امورنا واعذنا من شرور نفوسنا ۔

یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک ، یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک ، یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک، یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک ۔ یا مصرف القلوب صرف قلوبنا علی دینک ، صرف قلوبنا علی طاعتک ۔

اللهم ان قلوبنا ونواصینا ، وجوار حنا بیدک لم تملکنا منها شیئاً فاذا فعلت ذالک بنا فکن انت ولینا واهدنا الی سواء السبیل ، اللهم اهدنا الی سواء السبیل ، اللهم اهدنا الی سواء السبیل ، اللهم انا نسئلک العلی والتقی والعفاف والغنی ۔

اللهم اهدنا و اهد بنا ، اللهم اهدنا واهد بنا ، اللهم اهدنا واهدبنا ۔ اللهم اهدالناس جمیعا ۔ اللهم افتح ابواب هدایتک ، اللهم افتح ابواب هدایتک ، اللهم فتح ابواب هدایتک ۔

اللهم انا ضعفاء فقوّ فی رضاک ضعفنا وخذ الی الخیر بنوا صینا ، واجعل الاسلام منتهی رضانا ۔ اللهم خدبنا فی تیسیر کل عسیر فان کل عسیر علیک یسیر ۔ ونسئلک الیسر ۔ نسئلک الیسر و المعافاة فی الدنیا والآخرة ۔ و المعافات فی الدنیا والاخره ۔ نسئلک الیسر والمعافات فی الدنیا والاخره ۔

اللهم انا نسئلک العفو والعافیه والفوز بالجنة والنجاة من النار ۔

اللهم احی الدین کله فی العالم کله ، اللهم احی الدین کله فی العالم کله ، اللهم احی الدین کله فی العالم کله ۔

اللهم اجعلنا دعاة الیک والی رسولک اللهم اجعلنا دعاة الیک

والی رسولک ، اللهم جعلنا دعاة الیک والی رسولک ۔ اللهم جعلنا من الذین یجاهدون فی سبیلک حقا ۔

اللهم لاسهل الا ما جعلته سهلاً ، وانت تجعل الحز ن سهلا اذاشئت ۔

لا اله الا الله الحلیم الکریم ، سبحان الله رب العرش العظیم ، الحمد الحمد لله رب العلمین ، نسئلک موجبات رحمتک و عزائم مغفرتک ، والغنیمة من کل بر والسلامة من کل اثم ، لا تجعلنا ذنبا الا غفرته ، ولا هماً الا نفسته ، ولا کربا الا فرجته ، ولا ضرا الا کشفته ، ولا مرضا الا شفیته ، ولابلاء الا دفعته ولا حاجة هی لک رضا الا قضیتها یا ارحم الراحمن یا ارحم الراحمین ۔ یا ارحم الراحمین ۔

الیک رب فحببنا ، وفی انفسنا لك ربِّ فذللنا ، وفي اعین الناس فعظمنا ، ومن سیئی الا خلاق فجنبنا و علی صالح الا خلاق فقومنا و علی الصراط المستقیم فثبتنا ، وعلی الا عداء اعدا ئک اعداء الاسلام فانصرنا ۔

اللهم انصرنا ولا تنصر علینا ، وزدنا ولا تنقصنا ، واکرمنا ولا تهنا ، وآسرنا ولا تعسر علینا واعزنا ولا تحرمنا ، واعطنا ولا تحرمنا ، وامکرلنا ولاتمکر علینا ، اللهم ارحمنا ولا تسلط علینا من لایرحمنا ۔

اللهم انا نسئلک من خیرما سئلک منه نبیک سید نا محمد صلی الله علیه وسلم ، ونعوذبک من شرما استعاذک منه نبیک سیدنا محمد صلی الله علیه وسلم ۔

اللهم انا نسئلک الجنة وماقرب الیها من قول اوعمل ، ونعوذبک من جهنم وما قرب الیها من قول اوعمل ۔ اللهم انا نسئلک رضاک والجنة ونعوذبک من غضبک والنار ، ونعوذبک من غضبک والنار ۔

اللهم انا نسئلک حبک وحب رسولک ، وحب من ینفعنا حبک ، والعمل الذی یبلغنا حبک ۔ اللهم اجعل حبک احب الاشیاء الینا ، واجعل

خشیتک اخوف الاشیاء عندنا ۔ واعف عنا هنافی الدینا با الشوق الی لقائک ، من ضراء مضرة ۔ ولا فتنة مضلة ۔ وقنا السیات ومن تق السیئات یومئذٍ فقد رحمته ، وذالک هو الفوز العظیم ۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار ۔
یا حیّ یا قیوم برحمتک نستغیث ، اصلح لنا شأ ننا کله ، ولا تکلنا انفسنا طرفة عین ۔ اللهم لا تکلنا الی انفسنا طرفة عین ۔ اللهم لا تکلنا الی انفسنا طرفة عین ، فانک ان تکلنا الی انفسنا تکلنا الی ضعف وعورة و ذنب و خطیئه ، وانا لا نثق الا برحمتک یا ارحم الرحمین ، یا ارحم الراحمین ، یا ارحم الرحمین ۔

اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما ' اے اللہ ! ہماری خطاؤں سے درگذر فرما ۔ اے اللہ ہماری سیات کو حسنات سے مبدل فرما ' اے اللہ ہم نے اپنی زندگی میں بار بار تیرے احکامات کو توڑا ہے ' اور اے اللہ تیرے نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی سنتوں کی چھوڑا ہے ' اے اللہ ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرما ' اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما ' اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما ۔

اے اللہ سنت والی زندگی ہم کو نصیب فرما ' اے اللہ سنتوں کا شوق ہمارے اندر پیدا فرما ' اے اللہ توحید و سنت کی ہوائیں چلادے ' اے اللہ توحید و سنت کی ہوائیں چلادے ' اے اللہ توحید و سنت کی ہوائیں چلادے ۔ اے اللہ شقاق و نفاق کو ختم فرمادے ۔ اے اللہ اتحاد و اتفاق کو زندہ فرمادے ' اے اللہ اتحاد و اتفاق کو زندہ فرمادے

اے اللہ اپنے حبیب پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی امت پر رحم فرمادے ' اے اللہ کرم فرمادے ' اے اللہ بے کس ہیں بے بس ہیں ' اے اللہ تیرے سوا کوئی سہارا نہیں ہے اے اللہ تو بھی اپنا سہارا نہ چھوڑ دے ' اے اللہ اپنے حبیب کی امت پر رحم فرمادے ' اے اللہ خصوصی رحم فرمادے ' اے اللہ کرم فرمادے ' اے اللہ بے یار و مددگار نہ چھوڑ دے ' اے اللہ پوری پوری دستگیری فرما ' اے اللہ بھرپور نصرت اور مدد فرما ' اے اللہ غیبی تائید شامل حال فرما ' اے اللہ اپنے والے

طریقے کو یا اللہ پورے عالم میں زندہ فرما۔ اے اللہ عرب میں اور عجم میں یا اللہ یورپ میں ایشیاء میں' اے اللہ افریقہ میں امریکہ میں' اے اللہ اسٹریلیا میں غرض ہر ہر براعظم میں اے اللہ ایمانی زندگی کو زندہ فرما' اے اللہ بے ایمانی کو ختم فرما۔ اے اللہ بے ایمانی کو ختم فرما' اے اللہ بے ایمانی کو ختم فرما' اے اللہ ایمان کی ہوائیں چلادے' اے اللہ ایمان کی ہوائیں چلادے' اے اللہ ایمان کی ہوائیں چلا دے' اے اللہ بے ایمانی کو مٹادے' یا اللہ بے ایمانی کو مٹادے' اے اللہ بے ایمانی کو مٹادے' اے اللہ! ایمانی اعمال کا شوق ہمارے اندر پیدا فرمادے' اے اللہ! ایمانی اخلاق ہم کو نصیب فرمادے' اے اللہ ایمانی معاشرت ہم کو نصیب فرمادے' اے اللہ! ایمانی معاملات ہمارے درست فرمادے' اے اللہ! ہمارے معاملات کو یا اللہ پاک و صاف فرمادے' اے اللہ! اے اللہ پاک وصاف فرمادے' اے اللہ ہماری معاشرت کو یا اللہ پاکیزہ فرمادے' اے اللہ! ہمارے اخلاق کو یا اللہ بلند تر فرمادے' اے اللہ! پوری انسانیت پر رحم فرما۔

اے اللہ! پوری انسانیت پر رحم فرما' اے اللہ تیری یہ ساری مخلوق اے اللہ یہ انسان' یہ حیوانی زندگی گذارہا ہے' اور اے اللہ! بے ایمانی کی زندگی بسر کر رہا ہے' اے اللہ! اس پر رحم فرما کر' یا اللہ! اس کو صحیح انسانی زندگی گذارنے والا بنادے' اے اللہ! اسے سچا اور پکا انسان بنادے' اے اللہ! انسانیت کو زندہ فرما دے' اے اللہ حیوانیت کو مردہ فرمادے' اے اللہ شیطنت کو ختم فرمادے' اے اللہ! ظلم و تعدی کو ختم فرمادے' اے اللہ! عدل و انصاف کو زندہ فرمادے' اے اللہ عدل و انصاف کو زندہ فرمادے' اے اللہ! رحمت کی ہوائیں چلادے' اے اللہ ہدایت عامہ کے فیصلے فرمادے' اے اللہ! اقوام عالم کو ہدایت نصیب فرمادے' اے اللہ! پورے عالم کی' یا اللہ! قوموں کو یا اللہ! صحیح راہ پر چلنے والا بنادے اے اللہ! غلط راہوں میں رکاوٹیں پیدا فرمادے' اے اللہ! غلط راہوں میں رکاوٹیں پیدا فرمادے' اے اللہ! صحیح انسانی زندگی کو زندہ فرمادے' اے اللہ! صحیح انسانی زندگی کو زندہ فرمادے۔

اے اللہ! آج تیری یہ مخلوق' اے اللہ! جو جانوروں سے بھی اور حیوانات

سے بھی بدتر ہوگئی ہے' اے اللہ! اس کو نواز دے' اے اللہ! اس کو انسانیت مرحمت فرمادے' اے اللہ آخرت کا فکر نصیب فرمادے' اے اللہ! موت کے بعد کی زندگی کی یا اللہ تیاری کرنے کی توفیق نصیب فرمادے' اے اللہ! یہ دنیا کی زندگی یا اللہ! جو ختم ہی ہونے کے لیے ہے اے اللہ! باقی رہنے کے لیے نہیں ہے' اے اللہ! اسی میں الجھ کر' اے اللہ! اس میں پھنس کر اے اللہ! ہمیں اپنی آخرت بگاڑنے والا نہ بنا' اے اللہ! اپنی آخرت سدھارنے والا بنا دے' اے اللہ! موت کے بعد کی زندگی کو یا اللہ کامیاب فرمادے' اے اللہ! اس میں نجات مقدر فرمادے' اے اللہ! دنیا کی زندگی میں امن و عافیت نصیب فرمادے' اے اللہ! دنیا اور آخرت کی عافیت مقدر فرمادے' اے اللہ! دنیا اور آخرت کی عافیت مقدر فرمادے' اے اللہ! دنیا اور آخرت کی آفات سے حفاظت فرمادے' اے اللہ! دنیا اور آخرت کی آفات سے حفاظت فرمادے' اے اللہ! تمام امور میں ہمارے انجام کو خیر فرما اے اللہ! تمام احوال کو درست فرما۔

اے اللہ! مظلومین کی حمایت فرما' اے اللہ! مظلومین کی حمایت فرما' اے اللہ! مظلومین کی حمایت فرما' اے اللہ! جن بھائیوں نے یا اللہ دعاؤں کے لیے کہا ہے' یا اللہ! یا ہمیں لکھا ہے اور یا اللہ! یا ہم سے متوقع ہیں' اور کہہ نہیں پائے ہیں' اے اللہ! تو ان کی حاجات کو یا اللہ! ان سے زیادہ جانتا ہے' اے اللہ ان کی جائز حاجات کو پورا فرما' اے اللہ ان کی پریشانیوں کو دور فرما' اے اللہ! ان کی دشواریوں کو ختم فرما' اے اللہ! جو مقروض ہیں ان کے قرضوں کے ادا ہونے کی غیب سے صورتیں پیدا فرما' اے اللہ! جو بیمار ہیں یا اللہ! ان کو شفا نصیب فرما' اے اللہ! جس کی جو حاجت ہے اے اللہ! اپنے کرم سے یا اللہ! اپنے فضل سے' یا اللہ! اس کو پوری فرما دے' اے اللہ! امت کی پوری پوری مدد فرما' اے اللہ! بھرپور تائید فرما۔

اے اللہ! ہماری اور اے اللہ! ہمارے ساتھیوں کی اور اے اللہ! ہمارے سے تعلق و محبت رکھنے والوں کی اور اے اللہ ہمیں یا اللہ بھلی نگاہوں سے دیکھنے والوں کی' پوری پوری حفاظت فرما' اے اللہ! پوری پوری حفاظت فرما' اے اللہ

! پوری پوری حفاظت فرما' اے اللہ ! ہر طرح سے ہماری حفاظت فرما' اے اللہ ! ہمارے اس کام کی' اور اے اللہ ! کام کرنے والوں کی یا اللہ ! ہر طرف سے حفاظت فرما' اے اللہ تشتت سے تفرق سے یا اللہ ! انتشار سے' خلفشار سے' اے اللہ ! حفاظت فرما' اے اللہ ! اخلاص اور للّٰہیت نصیب فرما' اے اللہ ! اَہواء سے پاک فرما' اے اللہ ! حبّ جاہ سے یا اللہ ! حبّ مال سے' اور اے اللہ ! حبّ دنیا سے' اور اے اللہ ! ہر ہر رذیلہ سے عافیت کے ساتھ پاک فرما' اے اللہ ! خصائل سے آراستہ و پیراستہ فرما۔

اے اللہ ! ہمارے اس اجتماع کو قبول فرما' اے اللہ ! اس کی محنت کرنے والوں کو قبول فرما' اے اللہ ! اس میں شرکت کرنے والوں کو قبول فرما' اے اللہ ! اس اجتماع سے' یا اللہ اپنی راہ میں جانے والوں کو قبول فرما' اے اللہ ! ان کی جان میں مال میں' یا اللہ ! کل میں اعمال میں یا اللہ ! برکت نصیب فرما' اے اللہ ! ان کی اور ہم سب کی یا اللہ ! بہترین تربیت فرما' اے اللہ ! تو ہی مربی حقیقی ہے' اے اللہ ! تیری ہی تربیت حقیقی تربیت ہے' اے اللہ ! ہم سب کی بہترین تربیت فرما' اے اللہ بہترین تربیت فرما۔

اے اللہ اس اجتماع کو قبول فرما' اے اللہ ! اس کو یا اللہ پورے عالم میں یا اللہ ! ہدایت کے آنے کا ذریعہ فرما' اے اللہ ! انسانیت کے زندہ ہونے کا ذریعہ فرما' اے اللہ بہیمیت کے اور اے اللہ ! حیوانیت کے ختم ہونے کا ذریعہ فرما۔

اے اللہ ! جتنے مدارس عربیہ ہیں اور اے اللہ جتنے مکاتب قرآنیہ ہیں اور اے اللہ ! جتنے مراکز دینیہ ہیں اے اللہ ! ان سب کی حفاظت فرما۔ اے اللہ ! پوری پوری حفاظت فرما' اے اللہ ! پوری پوری حفاظت فرما' اے اللہ ! شریر کی شرارت سے' اور اے اللہ فتین کے فتنہ سے' اور اے اللہ ! بدخواہ کی بدخواہی سے' یا اللہ پوری پوری حفاظت فرما۔

اے اللہ ! پوری انسانیت کو' یا اللہ ! صحیح سمجھ نصیب فرما کر اے اللہ سیدھی راہ پر چلنے کے لیے قبول فرما' اے اللہ ! اپنی نادانی سے' یا اللہ اپنی تباہی کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں' اے اللہ ان کو سمجھ نصیب فرما کر' اے اللہ ! صحیح

راستے پر چلنے والا بنا دے' اے اللہ! اپنی ضعیف مخلوق کو یا اللہ! جہنم کے راستے پر چلنے کے بجائے جنت کے راستے پر چلنے والا بنا دے۔

اے اللہ! ہمارے اس اجتماع میں یا اللہ جتنی ہم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں یا اللہ جتنی تقصیرات ہوئی ہیں' اے اللہ! اپنے کرم سے معاف فرما' اے اللہ! اپنے کرم سے معاف فرما' اے اللہ! اے اللہ! ہم مقصر ہیں' اے اللہ ہم کوتاہ ہیں' اے اللہ! ہمیں یا اللہ اپنے قصور کا اعتراف ہے' اور اے اللہ! تیرے یہاں جو اپنے قصور کا اعتراف کر کے آتا ہے' اے اللہ! تو معاف فرما دیتا ہے' اے اللہ! ہمیں یا اللہ! اعتراف ہے' اے اللہ! اپنے قصوروں کا اقرار ہے' لیکن تو عفو ہے' اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے اور اے اللہ معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے' اے اللہ! تو کوتاہیوں کو معاف فرما' اے اللہ ان بے عنوانیوں کو معاف فرما' اور اے اللہ! جو تیرے کرم سے ذرۂ خیر وجود میں آگیا ہو' اے اللہ! اس کو قبول فرمالے' اے اللہ! اس کو آبیاری نصیب فرما دے' اے اللہ اس کو بار آور فرما دے۔

اے اللہ! قلوب تیرے قبضے میں ہیں' اے اللہ! تو ہی دلوں کا پھیرنے والا ہے' اے اللہ! تو ہی دلوں کا موڑنے والا ہے اے اللہ تو ہی انسانیت کے راستوں کو یا اللہ! خیر کی طرف موڑ دے' اے اللہ! شر کی طرف سے ہٹا دے' اے اللہ! خیر کے فیصلے فرما دے' اے اللہ! خیر کے فیصلے فرما دے' اے اللہ! خیر کے فیصلے فرما دے' اے اللہ پوری انسانیت میں یا اللہ صحیح راہ پر چلنے کے جذبے پیدا فرما دے' اے اللہ! صحیح راستے پر چلنے والا بنا دے۔

اے اللہ! امت کے تمام طبقات میں اے اللہ دینی فکر پیدا فرما دے اے اللہ! اس کی محنت کے جذبے پیدا فرما دے' اے اللہ! اس پر جان و مال لگانے کے حوصلے پیدا فرما دے' اے اللہ! تو ہی قبول فرمانے والا ہے' اے اللہ! تو ہی کرم فرمانے والا ہے۔

اے اللہ! ہمارے ساتھ یا اللہ! اپنے کرم کا معاملہ فرما' اے اللہ! ہمارے ساتھ استحقاق کا معاملہ نہ فرما' اے اللہ! اگر استحقاق پر معاملہ رکھا تو اے اللہ! خسارہ ہی خسارہ ہے' اے اللہ! تو تباہی ہی تباہی ہے' اے اللہ! تو کریم ہے اپنے کرم

کا معاملہ فرما' اے اللہ فضل کا معاملہ فرما' اے اللہ! اپنی یا اللہ رحمت عامہ سے یا اللہ! پوری انسانیت کو نواز دے۔

اے اللہ! ہدایت عامہ کے فیصلے فرما دے اے اللہ! ہدایت عامہ کے فیصلے فرما دے' اے اللہ! تمام عالم کو ہدایت نصیب فرما دے' اے اللہ! ہدایت کی ہوائیں چلادے' اے اللہ! ہمارے سفر کو ہمارے حضر کو قبول فرما' اے اللہ! عافیت اور سہولت کا معاملہ فرما' اے اللہ! اخلاص اور للہیت نصیب فرما' اے اللہ! اغراض سے اور اے اللہ! اے اللہ! حب دنیا سے اور اے اللہ حب جاہ سے اے اللہ حب مال سے' یا اللہ! ہماری سب کی حفاظت فرمادے۔

اے اللہ! اپنے راضی کرنے کے جذبے کے ساتھ قدم بڑھانے والا بنادے' اے اللہ! قدم اٹھانے والا بنا دے' اے اللہ! قدموں کے پیچھے ہٹنے سے' اور اے اللہ! قدموں کے یا اللہ! ڈگمگا جانے سے اور اے اللہ! قدموں کے یا اللہ غلط اٹھانے سے یا اللہ! ہماری حفاظت فرما' اے اللہ! تو ہی حفیظ ہے' اے اللہ! تو ہی نصیر ہے' اے اللہ! تو نے اگر مدد فرمائی' تو اے اللہ! بال بیکا نہیں ہوسکتا' اور اے اللہ! تو نے اگر اپنی مدد ہٹالی تو اے اللہ! کوئی ناصر و مددگار نہیں ہے' اے اللہ بھرپور مدد فرما' اے اللہ بھرپور مدد فرما' اے اللہ پوری پوری مدد فرما اے اللہ! غیبی تائید شامل حال فرما۔

اے اللہ! ہمارے ان دوستوں کو' اور اے اللہ! اس اجتماع میں شرکت کرنے والوں کو اے اللہ! اس میں کہنے سننے والوں کو' اور اے اللہ! جو جس نیت سے آیا ہو' اے اللہ اس کے آنے کو قبول فرما کر اے اللہ! سیدھی راہ پر چلنے کے فیصلے فرما' اے اللہ سیدھی راہ پر چلنے کے فیصلے فرما۔

اے اللہ! ہمارے گھروں کو' اور اے اللہ ہماری بستیوں کو' اے اللہ ہمارے علاقوں کو یا اللہ ایمانی اعمال سے عافیت کے ساتھ آباد فرما دے اے اللہ! ایمانی اعمال سے آباد فرما دے' اے اللہ ایمانی اعمال سے عافیت کے ساتھ آباد فرما دے' اے اللہ! شیطانی اثرات سے پاک فرمادے' اے اللہ! شیطانی اثرات سے پاک فرمادے' اے اللہ!

اے اللہ ! بیماروں کو شفا نصیب فرما' اے اللہ ! ہمیں اور اے اللہ ! ہماری اولادوں کو اے اللہ قیامت تک آنے والی اولادوں کو یا اللہ دین کی خدمت کے لیے قبول فرما' اے اللہ ! اے اللہ ! اخلاص کے ساتھ اس پر لگے رہنے کی' اور اے اللہ ! اس پر رکے رہنے کی توفیق نصیب فرما۔ اے اللہ ! ضروریات کا تکفل فرما' اے اللہ ! اپنے ماسوا کی محتاجگی سے یا اللہ ! پوری پوری حفاظت فرما۔

اے اللہ اپنی ذات پر نگاہیں جمانے کی توفیق نصیب فرما' اے اللہ ! اپنی ذات پر اعتماد و یقین کی دولت نصیب فرما' اے اللہ ! اپنی ذات پر اعتماد و یقین کی دولت نصیب فرما' اے اللہ ! اپنی ذات پر یقین کرنے والا بنا دے' اپنی ذات پر اعتماد و یقین کی دولت نصیب فرما' اے اللہ ! اس پر اعتماد کی حقیقت نصیب فرما دے' اے اللہ ! اپنی ذات پر اعتماد و یقین کی دولت نصیب فرما' اے اللہ ! ہمیں یا اللہ اپنی ذات پر یقین کرنے والا بنا دے۔ اے اللہ ! ہمارے یقینوں کو اے اللہ ! خالص یقین فرما دے' اے اللہ یقینوں میں اے اللہ ! قوت پیدا فرما دے' اے اللہ ! ہمارے یقین جو آج منتشر ہوئے ہیں' اے اللہ عالم کی چیزوں میں بکھرے ہوئے ہیں یا اللہ ان یقینوں کو اپنی ذات کی طرف جوڑ دے' یا اللہ اپنی ذات کی طرف موڑ دے۔ اے اللہ ! اپنی ذات کی طرف جوڑ دے۔

اے اللہ ! اپنا تعلق نصیب فرما دے' اے اللہ اپنا تعلق نصیب فرما دے اے اللہ اپنا تعلق نصیب فرما دے' اے اللہ ! اپنی رضا کی دولت سے مالا مال فرما دے' اے اللہ اپنی رضا کی دولت سے مالا مال فرما دے' اے اللہ اپنی رضا کی دولت سے مالا مال فرمادے' اے اللہ ! اپنی رضا والے کاموں میں یا اللہ ! لگنے والا بنا دے' اے اللہ ! اپنی ناراضگی والے کاموں سے یا اللہ ! ہماری حفاظت فرما دے۔

اے اللہ ! موت اور مابعد الموت میں ہمارے لیے برکت مقدر فرما' اے اللہ ! شدائد موت اور غمراتِ موت پر ہماری اعانت فرمادے اے اللہ ! قبر کے عذاب سے اور جہنم کے عذاب سے ہماری حفاظت فرما' اے اللہ ! جنت الفردوس کا ہمارے لیے فیصلہ فرما' اے اللہ ! اپنے اپنے وقت پر یا اللہ ! حسن خاتمہ مقدر فرما' اے اللہ !

سوء خاتمہ سے یا اللہ اپنی پناہ میں لے لے' اے اللہ ! اے اللہ ! ہم سب کی جو اصل ضرورت ہے اے اللہ ! وہ حسن خاتمہ ہے' اے اللہ ! اس کا ہم سب کے لیے فیصلہ فرما۔

اے اللہ ! رحم کا معاملہ فرما' اے اللہ ! کرم کا معاملہ فرما' اے اللہ فضل کا معاملہ فرما' اے اللہ ! پوری پوری دستگیری فرما' اے اللہ بھر پور رحم فرما' اے اللہ ! پورا پورا فضل فرما۔

اے اللہ ! اے اللہ ! اس اجتماع کو یا اللہ ! پورے عالم میں یا اللہ ! ہدایت کے آنے کا ذریعہ فرما' اے اللہ ! ایمانی زندگی کے زندہ ہونے کا ذریعہ فرما' اے اللہ ! شیطانی زندگی کے یا اللہ ! ختم ہونے کا ذریعہ فرما' اے اللہ ! کرنے والی تیری ہی ذات ہے' اے اللہ ! تو ہی حقیقی کرنے والا ہے' اے اللہ یہ دنیا میں یا اللہ تو نے اسباب بنائے ہیں یا اللہ ! ان اسباب کو یا اللہ ! ساز گار بنانا بھی یا اللہ تیری ہی قدرت میں ہے' اے اللہ ان اسباب کو یا اللہ اپنی مرضی کے مطابق اختیار کرنے کی توفیق نصیب فرما' اے اللہ ! اے اللہ ! اپنی نافرمانی سے اور اے اللہ ! اپنے حقوق کی خلاف ورزی سے یا اللہ ہم سب کی حفاظت فرما۔ اے اللہ ! شیطان جو ہمارا دشمن ہے' اور ہر آن ہر سانس ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے' اے اللہ ہماری اس سے حفاظت فرما۔ آمین۔

ٹیپ بشکریہ، مولوی محمد عثمان صاحب خلف مولانا محمد سلمان صاحب سہارنپور

دعاء

اجتماع سالانہ رائے ونڈ، پاکستان، نومبر ۱۹۹۴ء

اللھم صلّ علی سیدنا و مولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد کما صلیت علی ابراھیم انک حمید مجید۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ۔ رب اغفرو تجاوز عما تعلم انک انت الاعز الاکرم۔

اللھم اغفرلنا وللمومنین والمومنات، والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات۔ ربنا اغفرلنا ولإ خواننا الذین سبقونا بالایمان، ولاتجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا، ربنا انک رؤف رحیم ــــ اللھم اغفر لامة سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ماتقدم من ذنبھا وتاخر، وما اسرت وماعلنت ۔ اللھم حبب الینا الایمان وزینہ فی قلوبنا، وکرہ الینا الکفر والفسوق والعصیان۔

اللھم اجعلنا من الراشدین ــــ اللھم الھمنا مراشد امورنا واعذنا من شرور انفسنا ۔ یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک یا مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک ۔

اللھم ان قلوبنا ونواصینا وجوارحنا بیدک لم تملکنا منھا شیئاً، فازا فعلت ذلک بنا فکن انت ولینا واھدنا الی سواء السبیل ــــ اللھم اھدنا الی سواء السبیل ــــ اللھم اھدنا الی سواء السبیل ــــ اللھم

اشرح صدورنا للاسلام ۔ اللهم اشرح صدورنا للاسلام ۔ اللهم اشرح صدورنا للاسلام ۔

اللهم انا نسئلک ایماناً کاملا ۔ ویقیناً صادقاً ۔ وهدی قیماً ۔ وخلقاً مستقیماً ۔ ـــــ اللهم اهدنا بالعلم ۔ وزینا بالعلم ۔ وحللنا بالعافیة واکرمنا بالتقوی ۔

اللهم انا نسئلک العفو والعافیة والمعافات الدائمة فی الدین والدنیا والآخرة ۔ اللهم احی الدین کله فی العالم ۔ اللهم احیی الدین کله فی العالم ۔ ــــ اللهم احی الدین کله فی العالم ۔

اللهم اهدالناس جمیعاً ۔ اللهم اهدالناس جمیعاً ــــ اللهم اهدالناس جمیعاً ــــ اللهم لاسهل الا ماجعلته سهلاً ۔ وانت تجعل الحزن سهلاً اذاشئت ۔

لا اله الا الله الحلیم الکریم سبحان الله رب العرش العظیم ،الحمد لله رب العالمین ۔ نسئلک موجبات رحمتک ، وعزائم مغفرتک والغنیمة من کل بر والسلامة من کل إثم ۔ لا تدع لنا ذنبا الا غفرته ، ولاهماً الا نفسته ، ولا کرباً الا فرجته ، ولا ضراً الا کشفته ، ولا حاجةمن حوائج الدنیا والاخرة الا قضیتها یا ارحم الراحمین ــــ الیک رب فحببنا وفی انفسنا لک رب فذللنا ، وفی اعین الناس فعظمنا ۔ ومن سیئی الا خلاق فجنبنا وفی صالح الا خلاق و علی الصراط المستقیم فثبتنا وعلی الا عداء اعدائک و اعداء الاسلام فانصرنا ــــ اللهم انصرنا ولا تنصر علینا وزدنا ولا تنقصنا وا کرمنا ولا تهننا واثرنا ولاتو اثر علینا واعطنا ولاتحرمنا ــــ

اللهم فانصرنا ولاتمکر علینا ۔ اللهم انی اسئلک من خیر ما سئلک منه نبیک سیدنا محمد صلی الله علیه وسلم ۔

اللهم انا نسئلک رضاک والجنة ، ونعوذبک من غضبک والنار ۔ اللهم ارحمنی بترک المعاصی ما ابقیتنا ۔

اللهم انا نسئلک من خیر کله عاجله واجله ما علمنا منه و مالم

نعلم ونعوذبک من شر کله عاجله واجله ماعلمنا منه و مالم نعلم۔
ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار ۔

اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما ' اے اللہ ہماری خطاؤں کو در گذر فرما ! اے اللہ ہمارے سیات کو حسنات سے مبدل فرما ——— اے اللہ ! ترے دین کے بارے میں اور اے اللہ ترے احکامات کے بارے میں اور اے اللہ ! ترے نبی پاک علیہ السلام کی سنتوں کے بارے میں یا اللہ ! جتنی ہم سے کوتاہی ہوئی ہے اے اللہ ! جتنی تقصیرات ہوئی ہیں اپنے کرم سے معاف فرما ۔ اپنے کرم سے معاف فرما ۔ اپنے کرم سے معاف فرما ———

اے اللہ ! ہمیں اپنی تقصیر کا اعتراف ہے ' اے اللہ ! اپنی کوتاہیوں کا اقرار ہے ' اے اللہ ! ترے سامنے تیرا جو بندہ اعتراف قصور کرتا ہے اے اللہ ! تو معاف فرما دیتا ہے ' اے اللہ ! تو ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرما ———

اے اللہ سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق نصیب فرما اے اللہ سنتوں والی زندگی کو اپنانے کی رغبت ہمارے اندر پیدا فرما ' اے اللہ ! سنتوں کا شوق ہمیں نصیب فرما ' اے اللہ ! سنتوں کی برکتوں سے ہم کو مالا مال فرما ' اے اللہ ! سنت والی زندگی پر تیری مددیں ہوتی ہیں ' اے اللہ ! پوری پوری دستگیری فرما ۔ اے اللہ ! بھرپور نصرت اور مدد فرما —— اے اللہ غیبی تائید شامل حال فرما —— اے اللہ پورے عالم میں مشارق میں مغارب میں اپنے دین کو زندہ فرما —— اے اللہ ! دینی ہوائیں چلادے —— اے اللہ ! ایمانی زندگی کو زندہ فرمادے —— اے اللہ اعداء دین و مسلمین کو ناکام فرمادے ' اے اللہ ! ان کے اپنے حیلوں میں ناکام فرمادے —— اے اللہ دین کی ہوائیں چلادے —— اے اللہ ! دین کی فضائیں قائم فرمادے —— اے اللہ ! امت کی پریشانیوں کو دور فرمادے —— اے اللہ ! دشواریوں کو ختم فرمادے —— اے اللہ ! بیماروں کو شفا نصیب فرما —— اے اللہ ! جو جس پریشانی میں مبتلا ہے اے اللہ اس کی پریشانی کو دور فرما ۔

اے اللہ جتنے مدارس دینیہ ہیں اور مکاتیب قرآنیہ ہیں اور اے اللہ ! مراکز

دینیہ ہیں اے اللہ ! ان کی پوری پوری حفاظت فرما ــــ دن دونی رات چوگنی ترقی نصیب فرما ــــ اے اللہ ! دین کے زندہ ہونے کا ذریعہ فرما ــــ اے اللہ ! دینی فضاؤں کے قائم ہونے کا ذریعہ فرما ــــ اے اللہ ! دینی فضاؤں کے قائم ہونے کا ذریعہ فرما ــــ

اے اللہ اس دعوت والے کام کی ہر ہر جہت سے حفاظت فرما ــــ اے اللہ ! ہر قسم کی آفات سے حفاظت فرما ــــ اے اللہ ! ہر قسم کی آفات سے حفاظت فرما ــــ اے اللہ ! تو ہی حفیظ ہے، تو ہی وکیل ہے، تو ہی نصیر ہے، اے اللہ ! تیری مدد سے گاڑی چلے گی، اے اللہ ! اپنی بھرپور مدد فرما ــــ اے اللہ ! بھرپور مدد فرما ــــ اے اللہ ! بھرپور مدد فرما ــــ

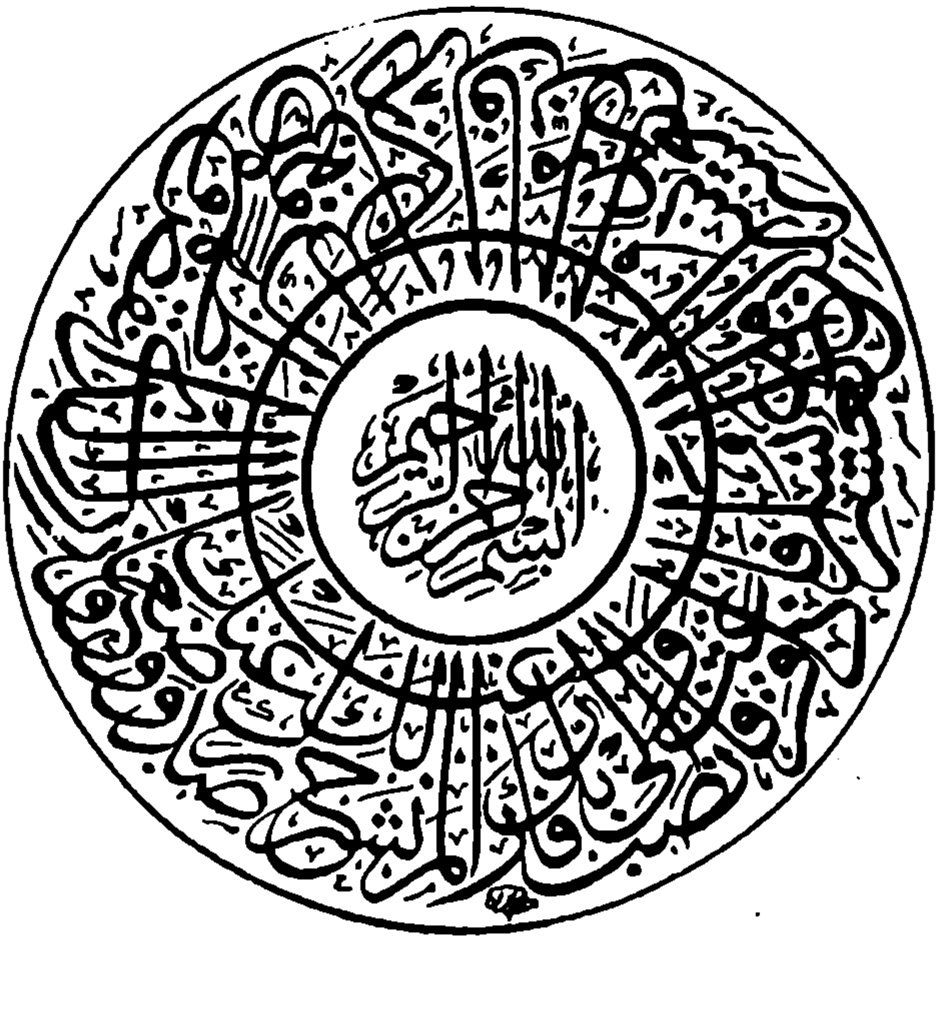
اے اللہ ہر قسم کے رذائل سے عافیت کے ساتھ پاک فرما ــــ اے اللہ ہر قسم کے فضائل سے اور شمائل سے عافیت کے ساتھ آراستہ فرما ــــ اے اللہ اخلاصِ نیت اور اتباعِ سنت کی دولت نصیب فرما ــــ اے اللہ اخلاص نیت اور اتباع سنت کی دولت نصیب فرما ــــ اے اللہ تمام امور میں ہمارے انجام کو خیر فرما، اے اللہ ! تمام احوال کو درست فرما ــــ اے اللہ ! عفو کا، عافیت کا سہولت کا اور اے اللہ کرم کا، رحم کا، معاملہ فرما۔

اے اللہ ! تمام بلاد اسلامیہ کی اور اے اللہ ! اسلام و مسلمین کی بھرپور حفاظت فرما ــــ اے اللہ ! اغیار کے نرغے میں پڑنے سے ہم سب کی حفاظت فرما ــــ اے اللہ ! اے اللہ ان کی چالوں سے ہماری حفاظت فرما ــــ اے اللہ ! صحیح دین والے معاشرے کے زندہ ہونے کی صورتیں پیدا فرما ــــ اے اللہ ! سادہ اور پاک پاکیزہ معاشرہ زندہ فرما ــــ اے اللہ ! زندگی کی سادگی نصیب فرما ــــ اے اللہ ! زندگی کی سادگی نصیب فرما ــــ اے اللہ پوری پوری دستگیری فرما ــــ اے اللہ ! جن بھائیوں نے دعاؤں کے لیے کہا ہے یا لکھا ہے اے اللہ، ان کے مقاصد کو تو خوب جانتا ہے، اے اللہ ! ان کو عافیت کے ساتھ پورا فرما۔

اے اللہ پریشانیوں کو دور فرما ــــ اے اللہ امت میں اتفاق و اتحاد پیدا فرما ــــ اے اللہ اتفاق و اتحاد پیدا فرما ــــ اے اللہ امت میں اتفاق و اتحاد پیدا فرما۔

— اے اللہ اتفاق و اتحاد پیدا فرما — اے اللہ! باہمی ہمدردی اور ایثار کو زندہ فرما — اے اللہ کرم کا معاملہ فرما — اے اللہ! رحم کا معاملہ فرما — اے اللہ ہمارے اس اجتماع کو قبول فرما — اے اللہ اس کی محنت کرنے والوں کو قبول فرما — اے اللہ! اس میں شرکت کرنے والوں کو قبول فرما — اے اللہ! اس میں کہنے سننے والوں کو قبول فرما، اے اللہ! اس کی آمد کو بہانہ فرما کر، اے اللہ دین کی دعوت کے لیے قبول فرما — اے اللہ! دین پر استقامت کی دولت نصیب فرما — اے اللہ! دین پر استقامت کی دولت نصیب فرما — اے اللہ اپنے فضل و کرم سے ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔

نوٹ :۔ اس دعاء کی ہمیں صرف ایک نقل ملی وہ بھی بہت معتبر اور صحیح نہیں تھی اس لیے ممکن ہے کہ اس دعاء کے الفاظ میں کہیں کچھ کمی بیشی یا نقل میں غلطی ہو گئی ہو۔ (نور)



زندگی کے آخری تبلیغی اجتماع میں

آخری دعا

بموقع اجتماع کسیروہ ضلع مظفر نگر یوپی

(۶/محرم الحرام ۱۴۱۶ھ، ۶/جون ۱۹۹۵ء صبح دس بجے)

اللھم صل علی محمد و علی آلِ سیدنا و مولانا محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین۔ رب اغفر وارحم و تجاوز عما تعلم، انک انت الاعز الاکرم۔

اللھم اغفرلنا و للمومنین و المومنات و المسلمین والمسلمات، الاحیاء منھم و الاموات۔ ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان و لاتجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رّحیم۔

ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکٰفرین۔ ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا، ربنا ولاتحمل علینا اِصراً کما حَملته علی الذین مِنْ قبلنا، ربّنا

وَلَا تحملنا مالا طاقة لنا به ، واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصُرنا على القوم الكٰفرين ۔ اللهم اشرح صدورنا للاسلام و زينه فى قلوبنا ، وكره الينا الكفر و الفسوق والعصيان۔ اللهم اجعلنا من الراشدين ، اللهم اجعلنا من الراشدين، اللهم اجعلنا من الراشدينِ ۔ اللهم الهمنا مراشد امورنا و اعذنا من شرور نفوسنا ، واعِذنا من شرور نفوسِنا ، واعذنا من شرورِ نفوسنا۔

اللهم اشرح صدورنا للاسلام ۔ اللهم حبب الينا الايمان، وزينه فى قلوبنا ، وكره الينا الكفرَ و الفسوقَ و العصيان۔ اللهم اجعلنا من الراشدين ۔ اللهم الهمنا مراشدَ أُمورنا ، واعذنا من شرور نفوسنا ۔

يا مقلب القلوب ثبت قُلوبنا على دينك ، يا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علٰى دينك ، يا مقلب القلوب ثبت قُلوبنا على دينك۔ يا مُصرّفَ القلوب صرِّف قلوبنا علٰى طاعَتِك۔

اللهم ان قلوبنا و نواصِيَنا و جوارِحَنا بيدك ، لم تملكنا منها شيئا ، فاذا فعلت ذٰلك بنا فكنْ اَنْتَ وليَنَا و اهْدِنا اِلٰى سواء السَّبيل ۔ اللهم اهدنا الٰى سواء السبيل ، اللهم اهدنا الٰى سواء السبيل ۔

اللهم انا نسئلك الهُدى والتقٰى و العفافَ و الغِنٰى ۔ اللهم اهدناواهدبنا ، اللهم اهدنا واهدبنا، اللهم اهدنا واهدبنا ۔اللهم اهد الناس جميعا۔ اللهم افتح ابواب هدايتك ، اللهم افتح ابواب هدايتك ، اللهم افتح ابواب هدايتك ۔ اللهم انا ضعفاء فقو فى رضاك ضعفنا ، وخذ

الی الخیرِ بنواصینا واجعل الاسلام منتھی رضائنا۔

اللھم انفس بنا فی تیسیر کل عسیر فان تیسیر کل عسیر علیک یسیر، ونسئلک الیسر و المعافاتَ فی الدنیا و الآخرة، ونسئلک الیُسر و المعافاتَ فی الدنیا و الآخرة، ونسئلک الیُسر و المعافات فی الدنیا و الآخرة۔

اللھم انا نسئلک العَفوَ و العافیه والفوز بالجنة و النجاة من النار۔

اللھم احی الدین کلّه فی العالم کُلهٗ، اللھم احی الدین کله فی العالم کله، اللھم احی الدین کلّهٗ فی العالم کله۔

اللھم اجعلنا دُعاةً الیکِ و الی رسولک، اللھم اجعلنا دُعاةً الیک و الی رسولک، اللھم اجعلنا دُعاةً الیک و الی رسولک۔ اللھم اجعلنا من الذین یجاھدون فی سبیلک حقا۔

اللھم لاسھل الا ما جعلتَه سھلا وانت تجعل الحزن سھلا اذا شئت۔ لااله الا الله الحلیم الکریم، سبحانَ الله ربِ العرش العظیم، الحمد للهِ ربِ العالمین، نسئلکَ موجباتِ رحمتک، وعزائم مغفرتک و الغنیمةَ مِن کلِ برِ، والسلامة من کل اثم۔

لاتدع لنا ذنبا الا غفرته، ولاھماً الا نفسته، ولا کربا الا فرجته، ولا ضُرًا الا کشفته، ولامرضاً الا شفیته، ولا بلاءَ الا رفعته ولا حاجةَ ھیَ لک رِضاً الا قضیتھا یا ارحم الراحمین، یا ارحم الراحمین، یا ارحم الراحمین۔

الیک رب فحببنا، وفی انفُسِنا لک ربِ فذللنا، وفی أعیُنِ الناس فعظمنا، ومن سیئی الاخلاق فجنبنا، وعلی

صالح الاخلاق فقومنا وعلى الصراط المستقيم فثبتنا، وعلى الاعداءِ اعدائک اعداء الاسلام فانصُرنا۔

اللهم انصرنا ولا تنصر علينا وزدنا ولا تنقُصنا و اكرِمْنا ولا تُهنا، وايسرنا ،ولاتعسر علينا ، واعطنا ولا تحرِمنا ، واعطنا ولا تحرمنا ، واعطنا ولاتحرمنا و امكر بنا ولاتمكر علينا ، اللهم ارحمنا ولا تسلط علينا من لايرحمنا۔

اللهم انا نسئلک من خير ما سئلک منه نبيک سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم ، ونعوذبک من شر ما استعاذك منه نبيک سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم۔

اللهم انا نسئلک الجنة وما قَرَّبَ اليها من قولٍ او عمل ، ونعوذ بک من جهنم و ماقرب اليها من قولٍ او عمل۔ اللّٰهم نسئلک رضاك و الجنة ، ونعوذ بک من غضبک والنار ، ونعوذبک من غضبک والنار۔

اللهم انا نسئلک حُبک و حب رسولک ، وحب من ينفعنا حبک ، والعمل الذى يبلغنا حبک ۔ اللهم اجعل حبک احب الاشياءِ الينا ، واجعل خشيتک اخوف الاشياء عندنا ۔ وقضى عنا حاجات الدنيا بالشوق الى لقائک من غير ضراء مضرة ولا فتنة مُضلة وقنا السيئات ومن تق السيئات يومَئذٍ فقد رحمته وذلک هو الفوز العظيم۔

ربنا آتنا فى الدُنيا حسنة ، وفى الآخرة حسنةً وقنا عذاب النار۔

يا حى يا قيوم برحمتک نستغيث ، اصلح لنا شأننا كله ولاتكلنا الى انفسنا طرفة عين ، اللهم لا تكلنا الى انفسنا طرفة عين ،

اللھم لاتکلنا الی انفسنا طرفۃ عین ، فانک ان تکلنا الی انفسناتکلنا الی ضعف و عورۃ و ذنب و خطیۃ و انا لانسق الا برحمتک ۔ یا ارحم الرّحمین یا ارحم الرّحمین یا ارحم الرّحمین۔

اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما، یا اللہ ہماری خطاؤں سے درگذر فرما، اے اللہ ہماری سیئات کو حسنات سے مبدل فرما، اے اللہ ہم نے یا اللہ اپنی زندگی میں، یا اللہ تیرے احکامات کو توڑا ہے اور اے اللہ تیرے نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی سنتوں کو چھوڑا ہے، اے اللہ ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرما، اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما، اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما۔

اے اللہ سنت والی زندگی ہم کو نصیب فرما، اے اللہ سنتوں کا شوق ہمارے اندر پیدا فرما، اے اللہ توحید وسنت کی ہوائیں چلادے، اے اللہ توحید وسنت کی ہوائیں چلادے، اے اللہ توحید وسنت کی ہوائیں چلادے۔ اے اللہ شقاق ونفاق کو ختم فرمادے، اے اللہ اتفاق واتحاد کو زندہ فرمادے، اے اللہ اتفاق واتحاد کو زندہ فرمادے۔

اے اللہ اپنے حبیب پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی امت پر رحم فرمادے، اے اللہ کرم فرمادے۔ اے اللہ بے کسی ہے بے بسی ہے اے اللہ ترے سوا کوئی سہارا نہیں ہے، اے اللہ تو ہمیں بے سہارا نہ چھوڑدے۔ اے اللہ اپنے حبیب کی امت پر رحم فرمادے، اے اللہ خصوصی رحم فرمادے، اے اللہ کرم فرمادے، اے اللہ بے یارو مددگار نہ چھوڑدے، اے اللہ پوری پوری دستگیری فرما، اے اللہ بھرپور نصرت اور مدد فرما، اے اللہ غیبی تائید شامل حال فرما۔

اے اللہ اپنے والے طریقے کو یا اللہ پورے عالم میں زندہ فرما، اے اللہ عرب میں اور عجم میں، یا اللہ یورپ میں ایشیا میں، اے اللہ افریقہ، امریکہ میں اے اللہ آسٹریلیا میں غرض ہر براعظم میں ہر ہر برّاعظم میں اے اللہ ایمانی زندگی کو زندہ فرما، اے اللہ بے ایمانی کو ختم فرما، اے اللہ بے ایمانی کو ختم فرما، اے اللہ بے ایمانی کو ختم فرما۔ اے اللہ ایمان کی ہوائیں

چلادے، اے اللہ ایمان کی ہوائیں چلادے، اے اللہ ایمان کی ہوائیں چلادے۔ اے اللہ بے ایمانی کو مٹادے، اے اللہ بے ایمانی کو مٹادے، اے اللہ بے ایمانی کو مٹادے، اے اللہ ایمانی اعمال کا شوق ہمارے اندر پیدا فرمادے، اے اللہ ایمانی اخلاق ہم کو نصیب فرمادے، اے اللہ ایمانی معاشرت ہم کو نصیب فرمادے، اے اللہ ایمانی معاملات ہمارے فرمادے، اے اللہ ہمارے معاملات کو یااللہ پاک اور صاف فرمادے، اے اللہ، اے اللہ پاک اور صاف فرمادے، اے اللہ ہماری معاشرت کو یااللہ پاکیزہ فرمادے، اے اللہ ہمارے اخلاق کو یااللہ بلند تر فرمادے۔

اے اللہ پوری انسانیت پر رحم فرما، اے اللہ پوری انسانیت پر رحم فرما، اے اللہ تیری یہ ضعیف مخلوق اے اللہ یہ انسان جو حیوانی زندگی گذار رہا ہے اور اے اللہ بے ایمانی کی زندگی بسر کر رہا ہے اے اللہ اس پر رحم فرماکر یااللہ اسکو صحیح انسانی زندگی گذارنے والا بنادے، اے اللہ اسے سچا اور پکا انسان بنادے۔

اے اللہ انسانیت کو زندہ فرمادے، اے اللہ حیوانیت کو مردہ فرمادے، اے اللہ شیطنت کو ختم فرمادے، اے اللہ ظلم و تعدی کو ختم فرمادے، اے اللہ عدل وانصاف کو زندہ فرمادے، اے اللہ عدل وانصاف کو زندہ فرمادے، اے اللہ رحمت کی ہوائیں چلادے اے اللہ ہدایت عامہ کے فیصلے فرمادے۔ اے اللہ تمام عالم کو ہدایت نصیب فرمادے، اے اللہ پورے عالم کی یا اللہ قوموں کو یا اللہ صحیح راہ پر چلنے والا بنادے، اے اللہ غلط راہوں میں رکاوٹیں پیدا فرمادے، اے اللہ غلط راہوں میں روکاوٹیں پیدا فرمادے۔

اے اللہ صحیح انسانی زندگی کو زندہ فرمادے، اے اللہ صحیح انسانی زندگی کو زندہ فرمادے۔ اے اللہ آج تیری مخلوق اے اللہ جو جانوروں سے اور حیوانات سے بھی بدتر ہوگئی ہے اے اللہ اسکو تو نوازدے، اے اللہ اس کو انسانیت مرحمت فرمادے، اے اللہ آخرت کی فکر نصیب فرمادے۔

اے اللہ موت کے بعد کی زندگی کی یا اللہ، تیاری کرنے کی یا اللہ توفیق نصیب فرمادے۔ اے اللہ یہ دنیا کی زندگی یااللہ جو ختم ہی ہونے کے لئے ہے اے اللہ باقی رہنے

کے لئے نہیں ہے، اے اللہ اسی میں الجھ کر اور اے اللہ اسی میں پھنس کر اے اللہ ہمیں اپنی آخرت بگاڑنے والا نہ بنا، اے اللہ اپنی آخرت سدھارنے والا بنادے۔ اے اللہ موت کے بعد کی زندگی کو یا اللہ کامیاب فرمادے، اے اللہ اس میں نجات مقدر فرمادے۔

اے اللہ دنیا کی زندگی بھی میں عافیت نصیب فرمادے۔ اے اللہ دنیا اور آخرت کی عافیت مقدر فرمادے، اے اللہ دنیا اور آخرت کی عافیت مقدر فرمادے، اے اللہ دنیا و آخرت کی آفات سے حفاظت فرمالے، اے اللہ دنیا و آخرت کی آفات سے حفاظت فرمادے، اے اللہ تمام امور میں ہمارے انجام کو خیر فرما، اے اللہ تمام احوال کو درست فرما۔ اے اللہ مظلومین کی حمایت فرما۔ اے اللہ محرومین کی حمایت فرما، اے اللہ محرومین کی حمایت فرما۔

اے اللہ جن بھائیوں نے یا اللہ دعاؤں کیلئے کہا ہے یا اللہ یا ہمیں لکھا ہے اور اے اللہ ہم سے متوقع ہیں اور کہہ نہیں پائے ہیں، اے اللہ ان کی حاجات کو اے اللہ ان سے زیادہ جانتا ہے اے اللہ ان کی جائز حاجات کو پورا فرما، اے اللہ ان کی پریشانیوں کو دور فرما، اے اللہ ان کی دشواریوں کو ختم فرما، اے اللہ جو مقروض ہیں ان کے قرضوں کے ادا ہونے کی غیب سے صورتیں پیدا فرما۔ اے اللہ جو بیمار ہیں یا اللہ ان کو شفا نصیب فرما، اے اللہ جس کی جو حاجت ہے اے اللہ اپنے کرم سے، یا اللہ اپنے فضل سے، یا اللہ اسکو پوری فرمادے۔ اے اللہ امت کی پوری مدد فرما، اے اللہ بھرپور تائید فرما۔

اے اللہ ہماری اور ہمارے ساتھیوں کی اور اے اللہ ہمارے سے تعلق اور محبت رکھنے والوں کی اور اے اللہ ہمیں بھلی نگاہوں سے دیکھنے والوں کی پوری پوری حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما۔ اے اللہ ہر شر سے حفاظت فرما۔

اے اللہ ہمارے اس کام کی اے اللہ کام کرنے والوں کی، یا اللہ ہر طرح سے حفاظت فرما، اے اللہ تشتت سے تفرق سے، یا اللہ انتشار سے خلفشار سے اے اللہ حفاظت فرما۔ اے اللہ اخلاص اور للہیت نصیب فرما، اے اللہ اغراض سے پاک فرما۔ اے اللہ حب جاہ سے یا اللہ

حب مال سے اور اے اللہ حب دنیا سے اور اے اللہ ہر رزیلہ عافیت کے ساتھ پاک فرما، اے اللہ خصائل سے آراستہ اور پیراستہ فرما۔

اے اللہ ہمارے اس اجتماع کو قبول فرما، اے اللہ اسکی محنت کرنے والوں کو قبول فرما، اے اللہ اس میں شرکت کرنے والوں کو قبول فرما، اے اللہ اس اجتماع سے یا اللہ اپنی راہ میں جانے والوں کو قبول فرما، اے اللہ ان کی جان میں مال میں یا اللہ آل میں اعمال میں یا اللہ برکت نصیب فرما۔

اے اللہ ان کی ہم سب کی یا اللہ بہترین تربیت فرما، اے اللہ تو ہی مربی حقیقی ہے اے اللہ تیری ہی تربیت حقیقی تربیت ہے، اے اللہ ہم سب کی بہترین تربیت فرما، اے اللہ بہترین تربیت فرما۔ اے اللہ اس اجتماع کو قبول فرما، اے اللہ اسکو پورے عالم میں اے اللہ ہدایت کے آنے کا ذریعہ فرما، اے اللہ انسانیت کے زندہ ہونے کا ذریعہ فرما، اے اللہ بہیمیت کے اور اے اللہ حیوانیت کے ختم ہونے کا ذریعہ فرما۔

اے اللہ جتنے مدارس عربیہ ہیں اور اے اللہ جتنے مکاتب قرآنیہ ہیں اور اے اللہ جتنے مراکز دینیہ ہیں، اے اللہ ان سب کی حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما۔ اے اللہ شریر کی شرارت سے اور اے اللہ فتین کے فتنے سے اور اے اللہ بد خواہ کی بد خواہی سے یا اللہ پوری پوری حفاظت فرما۔

اے اللہ پوری انسانیت کو یا اللہ صحیح سمجھ نصیب فرما کر اے اللہ سیدھی راہ پر چلنے کیلئے قبول فرما۔ اے اللہ اپنی نادانی سے یا اللہ جو اپنی تباہی کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں اے اللہ ان کو سمجھ نصیب فرما کر اے اللہ صحیح راستے پر چلنے والا بنادے۔ اے اللہ اپنی ضعیف مخلوق کو یا اللہ جہنم کے راستہ پر چلنے کے بجائے جنت کے راستہ پر چلنے والا بنادے۔

اے اللہ ہمارے اس اجتماع میں یا اللہ جتنی ہم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں اے اللہ جتنی تقصیرات ہوئی ہیں اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما، اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما، اے اللہ ہم مقصر ہیں، اے اللہ کوتاہ ہیں، یا اللہ ہمیں اے اللہ اپنے قصور کا اعتراف ہے

اور اے اللہ ترے یہاں جو اپنے قصور کا اعتراف کر کے آتا ہے اے اللہ تو معاف فرمادیتا ہے ،اے اللہ ہمیں یا اللہ اعتراف ہے اے اللہ اپنے قصوروں کا اقرار ہے لیکن تو عفو ہے اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور اے اللہ معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے ،اے اللہ ان کو تاہیوں کو معاف فرما،اے اللہ ان بے عنوانیوں کو معاف فرما،اور اے اللہ جو تیرے ہی کرم سے ذرۂ خیر وجود میں آگیا ہو اے اللہ اس کو قبول فرمالے۔اے اللہ اسکو آب یاری نصیب فرمادے،یا اللہ اسکو بار آور فرمادے۔

اے اللہ قلوب ترے قبضے میں ہے اے اللہ تو ہی دلوں کا پھیرنے والا ہے اے اللہ تو ہی دلوں کا موڑنے والا ہے اے اللہ پوری انسانیت کے یا اللہ دلوں کو یا اللہ خیر کی طرف موڑدے اے اللہ شر کی طرف سے ہٹادے۔اے اللہ خیر کے فیصلے فرمادے،اے اللہ خیر کے فیصلے فرمادے،اے اللہ خیر کے فیصلے فرمادے،اے اللہ پوری انسانیت میں یا اللہ صحیح راہ پر چلنے کے جذبے پیدا فرمادے،اے اللہ صحیح راستہ پر چلنے والا بنادے،اے اللہ امت کے تمام طبقات میں یا اللہ دینی فکر پیدا فرمادے،اے اللہ اسکی محنت کے جذبے پیدا فرمادے،اے اللہ اس پر جان ومال لگانے کے حوصلے پیدا فرمادے۔

اے اللہ تو ہی قبول فرمانے والا ہے،اے اللہ تو ہی کرم فرمانے والا ہے،اے اللہ ہماری ساتھ یا اللہ اپنے کرم کا معاملہ فرما،اے اللہ ہماری ساتھ استحقاق پر معاملہ نہ فرما، اے اللہ اگر استحقاق پر معاملہ رکھا تو اے اللہ خسارہ ہی خسارہ ہے، اے اللہ تباہی ہی تباہی ہے۔اے اللہ تو کریم ہے اے اللہ کرم کا معاملہ فرما،اے اللہ فضل کا معاملہ فرما،اے اللہ اپنی یا اللہ رحمت عامہ سے یا اللہ پوری انسانیت کو نواز دے،اے اللہ ہدایت عامہ کے فیصلے فرمادے،اے اللہ ہدایت عامہ کے فیصلے فرمادے،اے اللہ اقوام عالم کو ہدایت نصیب فرمادے،اے اللہ ہدایت کی ہوائیں چلادے۔

اے اللہ ہمارے سفر کو ہمارے حضر کو قبول فرما،اے اللہ عافیت اور سہولت کا معاملہ فرما اے اللہ اخلاص اور للّٰہیت نصیب فرما،اے اللہ اغراض سے اور اے اللہ،

اے اللہ حب دنیا سے اور اے اللہ حب جاہ سے اے اللہ حب مال سے یااللہ ہماری سب کی حفاظت فرمادے۔

یااللہ اپنے راضی کرنے کے جذبہ کے ساتھ قدم بڑھانے والا بنادے، اے اللہ قدم اٹھانے والا بنادے، اے اللہ قدموں کے پیچھے ہٹنے سے اور اے اللہ قدموں کے یااللہ ڈگمگا جانے سے اے اللہ قدموں کے اے اللہ غلط اٹھانے سے ہماری حفاظت فرما۔

اے اللہ توہی حفیظ ہے، اے اللہ توہی نصیر ہے، اے اللہ تونے اگر مدد فرمائی تو اے اللہ بال بیکا نہیں ہوسکتا ہے اور اے اللہ تونے اگر اپنی نظر ہٹالی تو اے اللہ کوئی ناصر ومددگار نہیں ہے۔ اے اللہ بھرپور مدد فرما، اے اللہ بھرپور مدد فرما، اے اللہ پوری پوری مدد فرما، اے اللہ غیبی تائید شامل حال فرما۔

اے اللہ ہمارے ان دوستوں کو اور اے اللہ اس اجتماع میں شرکت کرنے والوں کو، اے اللہ اس میں کہنے سننے والوں کو، اور اے اللہ جو جس نیت سے آیا ہو اے اللہ اس کے آنے کو قبول فرماکر اے اللہ اس راہ پر چلنے کے فیصلے فرما، اے اللہ سیدھی راہ پر چلنے کے فیصلے فرما۔

اے اللہ ہمارے گھروں کو اور اے اللہ ہماری بستیوں کو، اے اللہ ہمارے علاقوں کو یااللہ ایمانی اعمال سے عافیت کے ساتھ آباد فرمادے، اے اللہ ایمانی اعمال سے آباد فرمادے، اے اللہ ایمانی اعمال سے عافیت کے ساتھ آباد فرمادے، اے اللہ شیطانی اثرات سے پاک فرمادے، اے اللہ شیطانی اثرات سے پاک فرمادے۔

اے اللہ بیماروں کو شفا نصیب فرما، اے اللہ ہمیں اور ہماری اولادوں کو اے اللہ قیامت تک آنے والی اولادوں کو یااللہ دین کی خدمت کیلئے قبول فرما، اے اللہ اے اللہ اخلاص کے ساتھ اُس پر لگے رہنے کی اس پر جمے رہنے کی توفیق نصیب فرما اور اے اللہ ضروریات کا متکفل فرما، اے اللہ ماسوا کی محتاجگی سے یااللہ پوری پوری حفاظت فرما۔

اے اللہ اپنی ذات پر یااللہ نگاہیں جمانے کی توفیق نصیب فرما، اے اللہ اپنی ذات پر

اعتماد و یقین کی دولت نصیب فرما، اے اللہ اپنی ذات پر اعتماد و یقین کی دولت نصیب فرما، اے اللہ اپنی ذات پر اعتماد و یقین کی دولت نصیب فرما۔ اے اللہ ہمیں یا اللہ اپنی ذات پر یقین کرنے والا بنادے، اے اللہ اُس پر اعتماد کی حقیقت نصیب فرمادے یا اللہ ہمارے یقیوں کو اے اللہ خالص یقین فرمادے، اے اللہ یقیوں میں یا اللہ قوت فرمادے، اے اللہ ہمارے یقین جو آج منتشر ہوئے ہوئے ہیں اے اللہ، اے اللہ عالم کی چیزوں میں بکھرے ہوئے ہیں، یا اللہ ان یقیوں کو اپنی ذات کی طرف جوڑدے، اے اللہ اپنی ذات کی طرف جوڑدے، اے اللہ اپنی ذات کی طرف جوڑدے۔

اے اللہ اپنا تعلق نصیب فرمادے، اے اللہ اپنا تعلق نصیب فرمادے، اے اللہ اپنا تعلق نصیب فرمادے، اے اللہ اپنی رضا کی دولت سے مالامال فرمادے، اے اللہ اپنی رضا کی دولت سے مالامال فرمادے، اے اللہ اپنی رضا کی دولت سے مالامال فرمادے۔ اے اللہ اپنی رضا والے کاموں میں یا اللہ لگنے والا بنادے، اے اللہ اپنے ناراضگی والے کاموں سے یا اللہ ہماری حفاظت فرمادے۔

اے اللہ موت اور مابعد الموت میں ہمارے لئے برکت مقدر فرما، اے اللہ شدائد موت اور غمرات موت پر ہماری اعانت فرما، اے اللہ قبر کے عذاب سے اور جہنم کے عذاب سے ہماری حفاظت فرما، اے اللہ جنت الفردوس کا ہمارے لئے فیصلہ فرما، اے اللہ اپنے اپنے وقت پر یا اللہ حسن خاتمہ مقدر فرما، اے اللہ سوئے خاتمہ سے یا اللہ اپنی پناہ میں لے لے۔ اے اللہ ہم سب کی جو اصلی ضرورت ہے اے اللہ وہ حسن خاتمہ ہے اے اللہ اس کا ہم سب کے لئے فیصلہ فرما، اے اللہ رحم کا معاملہ فرما۔

(ٹیپ یہیں ختم ہو گیا ہے غالباً دعا کے چند کلمات اور تھے)

(ٹیپ بشکریہ: ماسٹر منصب علی صاحب، کسیروہ)

حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی
چند نقوش و تاثرات

جناب محمد شاہد صاحب، علی گڑھ

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ، کو اللہ تعالیٰ نے نہایت اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا۔ درحقیقت ان کی حیات مبارکہ کی سب سے بڑی کرامت یہی تھی کہ وہ اس عالی مقام پر فائز ہونے کے باوصف کبھی اپنی اس حیثیت و مقام کو نظر میں نہیں لائے۔ حضرت جی تبلیغی جماعت کے ساری دنیا کے امیر تھے اور ان کے ایک اشارے پر مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کے آخری کناروں تک آناً فاناً اہل ایمان حرکت میں آجاتے تھے اور ان کے ایک ادنی اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہتے۔

بے شمار لوگ پچاس پچاس ہزار روپے اور اس سے بھی زائد رقم خرچ کر کے مرکز نظام الدین آتے حضرت کی زیارت کرتے اور ان سے دینی اصلاحی امور میں مشورہ حاصل کرتے تھے۔ حضرت جی جدھر سے گذرتے (ٹرین یا کار کے ذریعے) لوگ ہر مقام پر ایک ایک اسٹیشن پر کافی تعداد میں جمع ہوجاتے۔ وہاں اگر مصافحہ کا موقعہ نہیں ہے تو دعا کی درخواست ہوتی اور اگر دعا کا بھی موقعہ نہیں تو صرف زیارت پر ہی اکتفا کر لیتے۔ اگر ہوائی سفر ہے تو ہوائی اڈوں پر بھی زبردست ہجوم ہوجاتا یہاں تک کہ انتظامیہ اور غیر ملکی لوگ حیرت زدہ رہ جاتے، سوچتے اور دوسروں سے پوچھتے کہ یہ کون ہستی ہے جن کے استقبال کے لیے اس قدر بے شمار لوگ جمع ہوگئے؟ حضرت جی کا استقبال کرنے والوں میں بھی ہر طبقہ کے

لوگ یہاں تک کے امراء وزراء بھی شامل ہوتے۔

کتب تاریخ میں اکابر اولیاء کے عجیب و غریب واقعات اور ان کی کرامتوں کا ذکر ملتا ہے ان واقعات کا حضرت جی رحمت اللہ علیہ کی ذات سے موازنہ کریں تو صوفیائے متقدمین و اکابرو مشائخ کی کرامات اور محبوبیت کے واقعات کی تصدیق ہوتی ہے اور ان کے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ بلاشک و شبہ حضرت جی نور اللہ مرقدہ دور حاضر کی ایک ایسی ہستی تھے کہ جن سے بیعت کا تعلق رکھنے والوں کی تعداد یقیناً لاکھوں کی تھی' (صحیح تعداد کا علم اللہ ہی کو ہے) جب کہ انسانوں کے علاوہ مسلم جنات کی بیعت کے بھی واقعات سننے میں آئے ہیں اور انکی تعداد کا ہم اندازہ بھی نہیں کرسکتے' جنات کے بیعت ہونے کے متعدد واقعات ہیں۔

حضرت شیخ نے ایک واقعہ رائے ونڈ کے اجتماع کے موقع پر بیان فرمایا کہ "جنات کی ایک جماعت نے اجتماع میں شرکت کی اور مجھ سے بیعت کی درخواست کی لیکن میں نے یہی کہہ دیا کہ میں تو چراغ سحری ہوں' مولانا انعام الحسن سے بیعت ہو جاؤ"۔

دنیا کے کسی بھی مقام پر اجتماع طے ہوجاتا تو اس میں حضرت کی دعاؤں و مشورہ اور توجہ سے چار چاند لگ جاتے اور جس اجتماع میں خود شرکت فرماتے اس اجتماع کی رونق دیکھ کر دشمنوں کے دل دہل جاتے تھے اور اہل ایمان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوجاتا تھا۔ اہل بدعت کی ریشہ دوانیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے کہ ان مبارک اجتماعات کی برکت سے بدعات کی کافی کچھ بیخ کنی ہوچکی ہے۔ نیز ان اجتماعات کی برکت سے حکومتوں کے ایوانوں میں بھی ارتعاش پیدا ہوتے دیکھا ہے' بعض ذریعوں سے اہل حکومت و اقتدار نے حضرت جی پر اثر ڈالنے کی بھی کوشش کی مگر حضرت جی کی شان استغنا کہ اس دباؤ کا کوئی اثر نہیں لیا اور اپنے مشن میں معمولی ترمیم کرنے سے بھی انکار فرمادیا اور یہ بھی کوشش کی کہ اہل سیاست اور برسر اقتدار طبقہ اس کام میں کسی طرح بھی اثر انداز نہ ہو۔ نہ خود ان سے تعلق رکھا اور نہ ان سے تبلیغ والوں کے روابط کو اچھا سمجھا۔

تبلیغ کی محنت کی برکت سے بس اسٹینڈ' ریلوے اسٹیشن' اور ہوائی اڈوں

پر ہی نہیں بلکہ چلتی ٹرینوں بحری جہازوں اور فضا میں اڑتے ہوئی جہازوں میں مسلمانوں کا نماز پڑھنا آسان ہوگیا اور اس طرح علی الاعلان اور وقت کی پابندی کے ساتھ ہر حال میں نماز پڑھنا اور دوسرے دینی اعمال کو برملا کر کے دنیا کو اسلام کی عملی دعوت دیتے رہے اور اس کے دور رس و حوصلہ افزا نتائج بر آمد ہو رہے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ یورپ، امریکہ اور دیگر ممالک میں جہاں مذہب سے بیزاری کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔

نظر کیمیا اثر کی اس سے بڑی کیا خوبی ہوسکتی ہے کہ ایک شخص پچاس سال تک نافرمانی میں مشغول رہا اور پچاسویں سال وہ شخص کسی اجتماع میں شریک ہوا، حضرت جی کی خدمت میں مرکز میں حاضر ہوا، تائب ہو کر تہجد گذار بن گیا۔ لوگوں کے حقوق غصب کرنے والا ان کے حقوق کا پاسدار بن گیا۔ فرائض و واجبات سے لاپرواہ ان کا خوگر بن گیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ داعئ اسلام بن گیا، یہاں تک کہ دوسرے نافرمان لوگ بھی اس کے قول و فعل سے متاثر ہو کر تائب ہوئے ہیں۔

حضرت جی کی ایک اہم خصوصیت حضرت جی نے دعوت و تبلیغ کے امیر کی حیثیت سے تیس سال کا طویل عرصہ گذارا، ان تیس سالوں میں یہ کام سارے عالم کے کروڑوں لوگوں میں متعارف ہوگیا، گویا کہ ساری دنیا کے کروڑوں لوگوں کی حمایت حضرت جی کو حاصل ہو گئی تھی۔ دوسری جانب ان تیس برسوں میں دنیا کے مختلف حصوں میں غیر اسلامی طاقتوں کی مسلمانوں کے خلاف پلاننگ بھی جاری رہی، مسلمانوں کو نیست و نابود کیا جاتا رہا۔ خود ہمارے ملک میں نامساعد اور ہنگامہ خیز دور کئی بار آئے، جن سے امت مسلمہ لرزہ براندام ہوئی جاتی تھی مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنے کے بھی سلسلے چلتے رہے، غرض مسلمانوں کی بربادی کے لیے جو نہ ہونا تھا وہ سب ہوا۔ لیکن حضرت جی نے عالم اسلام کے کروڑوں لوگوں کی حمایت کے باوجود صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور ایسی کوئی بات نہیں کہی جس سے ہندوستان یا دنیا کے مسلمان مزید مقابلے پر اتر آتے یا کسی اور راہ پر نکل جاتے۔ حضرت جی نے جذبات کی رو میں بہہ کر کبھی کوئی

تقریر تو درکنار، بلکہ اپنی بے شمار تقاریر میں سے کسی تقریر میں ایک جملہ تک ایسا نہ کہا جو شدت جذبات کا ترجمان ہوتا۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان قصوں کے انجام سے باخبر تھے اور شاید جانتے تھے کہ یہ قتل و غارتگری عارضی ہے، چند روز بعد پھر صلح و آشتی کا دور آنے کا اس لیے ایسا کوئی قدم جو مسلمانوں اور ان کے دینی کاموں کو بحیثیت مجموعی نقصان پہنچائے، صحیح نہ ہوگا۔

ایک اجتماع اور حضرت جی کی دعا کی برکتیں | تقریباً پندرہ سال پہلے سلطان پور مشرق یوپی سے آگے بہریٹرہ میں ایک عالمی اجتماع ہوا تھا، جس میں حضرت جی نے بھی شرکت کی، عالم اسلام کے لاکھوں مسلمان شریک ہوئے علی گڑھ سے دو بسوں کے قافلے کے ساتھ میں بھی شریک ہوا۔ اجتماع کے دوران بھیانک طوفان آگیا، سارا پنڈال اکھڑ گیا موسلا دھار بارش برسنے لگی، ترائی کا علاقہ تھا خوف ہونے لگا کہ اوپر سے بارش برس رہی ہے نیچے سے زمین پانی اگلے گی تو سب لوگ فنا ہوجائیں گے۔ دور دور تک یہی منظر تھا، بھاگ کر جان بچانے کی بھی کوئی صورت نہ تھی۔ اسی حال میں عشاء سے قبل ہی حضرت جی نے دعا شروع کی سارا مجمع دہاڑیں مار مار کر رونے لگا، حضرت جی بھی رو رہے تھے۔ اور اللہ سے رحمت برکت، عافیت اور مغفرت کا سوال کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اسی منٹ میں دعا قبول فرمائی۔

پہلی برکت تو یہ ہوئی کہ طوفان تھم گیا، بارش رک گئی اور فوراً ہی چاند اور ستارے نکل آئے، ایسا منظر ہو گیا جیسے کوئی بارش اور طوفان آیا ہی نہ تھا۔

دوسری برکت یہ ہوئی کہ اس طوفان میں بڑے بڑے درخت اکھڑ گئے، سب بلیاں اور شامیانے گر گئے، اس کے باوجود کسی کو کوئی چوٹ نہیں آئی۔

اب تیسری برکت سن لیجئے! جس وقت حضرت جی دعا کر رہے تھے اور مجمع رو رہا تھا اس وقت کیفیت کچھ ایسی تھی کہ اب زندگی چند منٹ کی باقی ہے ایسے وقت میں جو توبہ و استغفار ہوتی ہے اس کے قبول ہونے میں کیا تردد ہوسکتا ہے، اس وقت میرے دل میں یہ بات آئی کہ اسی رونے دھونے کی برکت سے اور

حضرت جی کی دعا کی برکت سے سارے مجمع کی مغفرت ہوجائے گی' یا یہ کہ اللہ نے اس سارے مجمع کی مغفرت فرمانے کے لیے ہی طوفان بھیجا تھا۔ غرض اجتماع سے واپسی کے بعد یہ بات آئی گئی ہو گی۔ لیکن کچھ دن بعد علی گڑھ میں ایک شخص کا انتقال ہوا جو اجتماع میں ہمارے ساتھ شریک تھا' اجتماع کی شرکت کے بعد اس میں آخرت کی فکر پیدا ہوگئی اس سے پہلے وہ دین سے بظاہر دور تھا' لیکن انتقال نہایت اچھی حالت میں ہوا اور چہرہ پر نور تھا۔

اس کے بعد ایک شخص کا اور انتقال ہوا وہ جامع مسجد میں وضو کے بعد ذکر کرتے ہوئے اللہ کو پیارے ہوئے' وہ بھی اس اجتماع میں شریک تھے۔ ایک تیسرے صاحب نے بھی حالت نماز میں اپنے رب کریم سے ملاقات کا شرف حاصل کیا' ان کے علاوہ متعدد حضرات جو شریک اجتماع تھے اپنے مالک حقیقی سے مل چکے ہیں' سب ہی اچھے احوال میں اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔

حضرت جی قطب الارشاد تھے | میرے آقا مرشدی' مولائی عارف باللہ حضرت اقدس مولانا مفتی افتخار الحسن دامت برکاتہم نے حضرت جی کی حیات مبارکہ میں (حضرت شیخ کے وصال کے بعد) فرمایا کہ اب حضرت جی قطب الارشاد کے مقام پر فائز ہیں اور فرمایا کہ قطب الارشاد پورے زمانے مین ایک ہوتا ہے اور اسکو سارے عالم کی ہدایت و رہنمائی کی خدمت سپرد فرمائی جاتی ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قطب الارشاد کا مقام و مرتبہ قطب ابدال وغیرہ سے بہت اعلیٰ ہوتا ہے' مثلاً قطب و ابدال کا مقام یہ ہے جیسے کسی بادشاہ کے مقرر کردہ کسی شہر کے ڈپٹی کلکٹر وغیرہ اور قطب الارشاد کا مقام ایسا ہے کہ جیسا بادشاہ کا کوئی خاص دوست ہو' اس کا رازداں ہو' یا اسکی بیوی ہو' یا وزیر ہو' ظاہر ہے کہ قطب ابدال جو ڈپٹی کلکٹر کے مانند ہیں وہ بادشاہ کے دوست' راز داں یا بیوی اور وزیر کے درجے کو کہاں پہنچ سکتے ہیں۔

حضرت جی کی پر جلال شخصیت | سولہ سترہ سال پہلے کی بات ہے جب مرکز کی کی نئی عمارت نہیں بنی تھی اس وقت پنجاب کے دو سکھ وزیر حضرت جی سے ملنے کے لیے سادگی سے آئے' دسترخوان لگ چکا تھا' کھانے کے لیے حضرت جی بھی آگئے تھے' حضرت نے ان کو بھی کھانے پر اپنے سامنے بٹھالیا' دونوں نہایت

ادب سے بیٹھ گئے اور روٹی کے ٹکڑے پر تھوڑے سے چاول رکھ کر ادب و احترام سے کھانا شروع کر دیا۔ میں غور سے دیکھ رہا تھا کہ وہ حضرت جی کی مرعوبیت کی وجہ سے جھکے جارہے تھے، انھوں نے سوال کیا کہ آپ کا اتنا بڑا خرچ کس طرح پورا ہوتا ہے؟ حضرت جی نے شان بے نیازی سے نہایت پر جلال انداز میں فرمایا کہ یہ کام اس مالک کا ہے وہی مالک اپنے فضل سے چلارہا ہے، اس کے کام میں کسی کو دخل دینے کی گنجائش نہیں!

حضرت جی اور میرے حضرت اقدس کا ایک دوسرے سے تعلق و محبت | حضرت اقدس مولانا افتخار الحسن صاحب دامت برکاتہم کو حضرت جی سے بے انتہا تعلق اور محبت تھی، حضرت جی جب بھی کسی دور دراز سفر پر تشریف لے جاتے یا کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو حضرت اقدس کاندھلہ سے مرکز نظام الدین دہلی ایک دن قبل ہی تشریف لے آتے اور ہوائی اڈے پر بھی تشریف لے جاتے۔ اکثر بندہ کو بھی حکم فرماتے کہ حضرت جی فلاں تاریخ میں فلاں جگہ آرہے ہیں یا تشریف لے جارہے ہیں۔ تو بھی نظام الدین آجائیو۔

اسکے علاوہ حضرت اقدس، خاندان کے شادی و بیاہ اور دوسرے اہم امور میں حضرت جی کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے، حضرت جی کو بھی حضرت اقدس سے بے پناہ محبت تھی، حضرت اقدس کے قیام کے دوران حضرت جی انکے بغیر کھانا نوش نہ فرماتے اور ہر طرح سے ان کا اکرام فرماتے تھے۔

حضرت جی سے حضرت اقدس کے مختلف طرح کے روابط تھے اور اگرچہ حضرت جی حضرت اقدس سے عمر میں تین برس بڑے تھے لیکن خاندانی رشتے میں چھوٹے ہوتے تھے، ایک رشتہ یہ تھا حضرت جی کی حقیقی پھوپھی زاد بہن حضرت اقدس کے نکاح میں تھیں۔ اختلافی مسائل میں حضرت جی حضرت اقدس سے رجوع فرماتے تھے۔ حضرت جی اپنے وطن کاندھلہ میں جب تشریف لاتے تو حضرت اقدس کے کمرے میں ان ہی کے بستر پر آرام فرماتے۔ اپنے انتقال سے چند یوم قبل کاندھلہ تشریف لے گئے تھے اس وقت بے حد خوش تھے، حضرت اقدس قرب و جوار کے اجتماعات میں شرکت فرماتے خاص طور پر دہلی کے سالانہ اجتماع

میں اکثر تشریف لے جاتے تو حضرت جی کی خواہش ہوتی کہ حضرت اقدس ایک بیان فرماویں، چنانچہ حضرت اقدس کا ایک بیان ان اجتماعات میں کبھی کبھی ہوجاتا۔

حضرت جی کے وصال سے کچھ دنوں پہلے ایک اجتماع عید گاہ دہلی میں منعقد ہوا تھا اس کا ایک دل فریب منظر آنکھوں میں گھوم رہا ہے عید گاہ کے بڑے دروازہ میں داخل ہونے پر بائیں ہاتھ پر بڑا سا پنڈال بنا کر مرکز کے اکابر کے قیام کے لیے انتظام کیا جاتا ہے۔ اس بڑے پنڈال میں ایک طرف مسند پر یعنی گدے پر تکیہ لگائے حضرت جی تشریف فرما ہیں۔ تھوڑے فاصلے پر حضرت اقدس مولانا اظہار الحسن صاحب اسی انداز میں تشریف فرما ہیں۔ اور ان سے تھوڑے فاصلے پر حضرت اقدس مولانا افتخار الحسن صاحب دامت برکاتہم اسی انداز میں تشریف فرما تھے۔ یہ حضرات ایک قطار میں تشریف فرما ہیں اور ہر ایک کے سامنے احباب اور خدام حلقہ بنائے بیٹھے ہیں۔ یہ ایک ایسا پر کیف منظر تھا جو مجھے بار بار یاد آتا ہے۔

ایک واقعہ ۱۰۔ ۱۲ سال پہلے کا یاد آیا، حضرت اقدس عمرہ سے فراغ پا کر دہلی مرکز نظام الدین رمضان میں تشریف لائے تو حضرت اقدس کے متعلقین کو (جو خاصی تعداد میں تھے) حضرت جی نے حضرت اقدس کے ساتھ سب کو اپنے حجرہ میں افطار کے لیے بلایا، کسی نے اس وقت میں کہہ دیا کہ شاہد باہر ہے تو آواز لگی، اس پکار پر ایک اور صاحب شاہد نام کے وہ بھی حضرت اقدس کے تعلق والے تھے، اندر داخل ہوگئے۔ پھر کسی نے کہا تو پھر حضرت جی نے شاہد علی گڑھی کو بلایا بندے نے اپنے بیٹے کے ساتھ افطار میں شرکت کی۔

<u>حضرت جی کو خضر علیہ السلام کا ہدیہ اور دعاؤں کی کثرت کی تاکید</u> یہ اس وقت کی بات ہے جب صوفی عثمان صاحب جو حضرت جی کے لیے کھانا پکانے کے ذمہ دار تھے اور مرکز میں راتوں کو نگرانی فرماتے تھے۔

ایک رات انھوں نے دیکھا کہ تمام دروازے بند ہیں اور چھت پر سے ایک بزرگ برآمد ہوئے انھوں نے صوفی عثمان کو مخاطب کر کے فرمایا لو یہ تھیلی حضرت جی کی خدمت میں پیش کر دینا اور حضرت جی سے کہنا کہ دعائیں خوب

کثرت سے مانگیں ۔جب وہ بزرگ جانے لگے تو صوفی جی نے کہا، مجھے بھی کچھ عنایت فرمائیے، تو ان کو بھی کچھ عطا فرمایا ۔ صبح کو صوفی جی حضرت جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری بات سنائی، حضرت شیخ اس وقت حیات تھے فوراً سہارن پور شیخ کی خدمت بابرکت میں یہ واقعہ پیش کیا گیا تب حضرت شیخ نے فرمایا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے ۔

تبلیغی اکابر کی اور بنگلہ والی مسجد یعنی مرکز کی برکات یہ بات کم و بیش آٹھ برس پہلے کی ہے میں اپنے حضرت اقدس کے ساتھ مرکز نظام الدین پہنچا، عشاء کی نماز میں میرے قریب حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب مدظلہ بھی جماعت میں شریک تھے جو مستقل طور پر مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہتے ہیں، مرکز تبلیغ آئے ہوئے تھے، ان کی زیارت کے بعد میرے دل میں ایک غم اور فکر سا پیدا ہوا، سونے سے پہلے یہ خیال بھی آیا کہ یہاں مرکز میں بھی تو بہت سے اہل اللہ، حضرت جی، حضرت اقدس، اور حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب مدظلہ کے ساتھ موجود ہیں اگر مولانا سعید احمد خاں صاحب بھی یہیں مستقل قیام پذیر ہوں تو کیا حرج ہے اسی خیال میں میری آنکھ لگ گئی، خواب میں دیکھا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے، یہاں اللہ ہی نہیں، خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہیں، اس صدا کو سن کر میں مسجد کے اندر حصے میں گیا تو وہاں بیچوں بیچ جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم رونق افروز تھے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تبلیغ کے مخالفین کی طرف سے بے چین ہونا یہ بات کم و بیش پندرہ سال پرانی ہے ایک مفتی صاحب نے تبلیغی جماعت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ "قیامت سے پہلے کچھ لوگ ہوں گے جن کے ڈاڑھی لمبی ہوگی وہ لوگ کرتے لمبے پہنتے ہوں گے، ان کے سر منڈے ہوئے ہوں گے اور وہ لوگ دوزخ میں جائیں گے" ۔

یہ بات میرے علم جب آئی تو بڑی خلش، ہوئی کاندھلہ جا کر حضرت اقدس سے ساری بات نقل کردی حضرت اقدس اس بات کو سن کر بے حد مغموم ہوئے ۔ چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہوگیا اور نہایت دکھ کے ساتھ فرمایا "ان کا

ہمارے بارے میں یہ خیال ہے؟" مجھے بھی افسوس ہوا کاش میں یہ بات حضرت اقدس سے عرض نہ کرتا۔

اسی دن، حضرت اقدس کو نظام الدین جانا تھا میں بھی ساتھ ہو لیا۔ شب میں میں نے مرکز میں ہی قیام کیا۔ خواب میں دیکھا کہ مسجد نبوی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم تشریف فرما ہیں اور حضرات صحابہ کرام حلقہ بنائے جھکے بیٹھے ہیں' میں بھی انھیں میں ہوں۔ نہایت ہی متفکرانہ انداز مجلس پر چھایا ہوا ہے' اچانک ایک صحابی رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اللہ کے رسول" صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ تبلیغ کی مخالفت کر رہے ہیں ان کی گرفت کیوں نہیں فرماتے: "جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت دکھ کے ساتھ فرمایا! تم نہیں جانتے کہ گرفت کتنی سخت چیز ہے"۔ خواب کا مفہوم تو ظاہر ہے کہ جو لوگ تبلیغ کی مخالفت کر رہے ہیں اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو سخت تکلیف ہے اور جہاں تک گرفت کا سوال ہے' تو کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر رحمۃ اللہ للعالمین ہے وہ کب یہ گوارہ فرمائیں گے کہ انتقامی کار روائی اور گرفت کی جائے۔جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانی دشمنوں کو بھی معاف فرمایا دیا تھا' اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ مخالفین تبلیغ کو نرمی کے ساتھ قریب کیا جائے۔

حضرت جی کا ایک نہایت اہم کمال یہاں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص وصف کا ذکر کرتا ہوں' جس میں وہ امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے نقش قدم پر چلے حضرت عمر کی طرح کسی کو جانشین مقرر نہیں فرمایا اور جس طرح حضرت عمر نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی ایک شوری مقرر فرمائی تھی کہ یہ حضرات جس کو منتخب فرماویں اسی کو امیر بنا دیا جائے اسی طرح حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا، کہ ایک عظیم کام کے ذمہ دار کو اپنی مرضی سے منتخب نہ فرما کر دس حضرات کو مقرر فرما دیا کہ یہ حضرات جو بھی فیصلہ کریں وہ قابل قبول ہو گا۔

یہاں اس سنت کا بھی اتباع ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کو امیر بنایا اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو امیر بنایا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے دس حضرات صحابہ رضی اللہ تعالی کی شوری مقرر فرمائی۔ٹھیک اسی طرح دعوت وتبلیغ کے کام کو اللہ تعالی نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر کھولا وہ رئیس التبلیغ کہلائے' ان کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف کو امیر منتخب کیا گیا' کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی نماز کی امامت کا تاج حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے سر پر رکھ دیا تھا' گویا کہ یہ تائید ہے امیر ہونے کی' اسی طرح مولانا محمد الیاس صاحب نے زندگی کے آخری ایام میں مولانا محمد یوسف صاحب کی امارت کا فیصلہ فرمایا اور مولانا محمد یوسف کے وصال کے بعد جو حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کو امیر بنایا گیا' وہ دراصل مولانا محمد یوسف کا ہی فیصلہ سمجھا جائے گا کیوں کہ ان کی حیات میں اس مبارک کام کی ذمہ داریوں میں مولانا یوسف صاحب کے بعد وہی سب سے پیش پیش تھے' گویا مولانا انعام صاحب کا انتخاب مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے منشاء کے عین مطابق تھا یہ بات ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی کا انتخاب فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی نے کسی کا انتخاب نہ کرکے شوری کے فیصلے کو مقدم فرمایا۔ٹھیک اسی طرح حضرت جی نے کیا کہ اپنے انتقال پر ملال سے پہلے ہی شوری کے کاندھوں پر اس فیصلے کو ڈال کر حضرت عمر رضی اللہ تعالی کے اتباع کی سعادت عظمی حاصل فرمائی۔

عالمی تبلیغی جماعت کے امیر حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کا انتقال پر ملال

از ۔ مولانا بشیر احمد دیوان صاحب لاجپوری حال مقیم صوا ۔ فیجی ۔

ملت اسلامیہ، تبلیغی جماعت کے امیر حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہ کل نفس ذائقہ الموت ۔ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے دنیا کا کوئی باشعور عقلمند آدمی انکار نہیں کرتا، اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کے وجود کا انکار کر دیتے ہیں ۔ سامنے کی حقیقت کو جھٹلا دیتے ہیں، لیکن موت کو جھٹلا دینا کسی کے لیے ممکن نہیں ہے ۔ موت کو ٹالنے کی کوشش ضرور کی جاسکتی ہے اس کو بھلانے کی کوششیں بھی کی جاسکتی ہے، لیکن اس کے وجود کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی حضرت جی رحمۃ اللہ کے انتقال کے تصور سے دل تڑپ اٹھتا ہے ۔

عالم انسان میں یوں تو آنے جانے کا سلسلہ قائم ہے اور جو آیا ہے اس کو جانا ہے، لیکن انسانوں میں ایسی بعض ہستیاں بھی ہوتی ہیں جن کے چلے جانے پر پوری دنیا میں اداسی چھا جاتی ہے اور ساری دنیا غم میں ڈوب جاتی ہے "موت العالِم موت العالَم" ایک سچے عالم کی موت پوری دنیا کی موت ہے ۔ یہ بات اپنی جگہ بالکل حق ہے کہ حضرت جی کوئی معمولی عالم نہیں تھے وہ تو خاص الخاص علماء میں سے تھے حضرت جی رحمۃ اللہ آفتاب عالمتاب تھے انھوں نے ساری کائنات کو روشن کر دیا ۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کا تعلق کاندھلہ ضلع مظفر نگر یو۔ پی کے ایک دینی و علمی خانوادے سے تھا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ کے خاندان میں بڑے بزرگ اور علماء و اہل اللہ پیدا ہوئے ہیں حضرت مولانا محمد یحیٰی صاحب، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے قریبی رشتہ تھا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی صاحبزادی کا نکاح حضرت مولانا انعام الحسن صاحب سے ہوا تھا۔ آپ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے داماد ہوتے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے آپ کا نکاح پڑھایا تھا۔

مولانا انعام الحسن صاحب کی ولادت ۱۹۱۸ء میں کاندھلہ میں ہوئی، والد محترم کا نام مولانا اکرام الحسن تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی تھی۔ تقریبا نو برس کی عمر میں مولانا انعام الحسن صاحب کو مولانا محمد الیاس صاحب اپنے ساتھ دہلی لے آئے، بنگلہ والی مسجد میں (جہاں تبلیغی مرکز ہے) کچھ تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ مظاہر علوم میں رہ کر تفسیر و حدیث کی تعلیم حاصل کی، تبلیغی جماعت کے سب سے بڑے اور پہلے امیر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی زیر تربیت طویل مدت تک رہے، درس و تدریس کا سلسلہ بھی قائم رہا، حضرت جی کی علمی استعداد بہت اچھی تھی، حافظہ غضب کا تھا جو کچھ پڑھتے وہ حافظہ میں محفوظ رہتا، ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب تبلیغی جماعت کے امیر مقرر ہوئے اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب تبلیغی کام میں ان کے ساتھ پورے انہماک کے ساتھ خاموشی سے لگے رہے یہ کہا جاتا تھا کہ مولانا محمد یوسف صاحب اگر تبلیغ کے اس کام میں ایک لرزتے ہوئے دل کا مقام رکھتے ہیں تو مولانا انعام الحسن صاحب اس کے دماغ ہیں۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کو اللہ رب العزت نے دو بہترین صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں، مردم شناسی و موقع شناسی خوب عطا فرمائی تھی، ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق استعمال کرنا بخوبی جانتے تھے۔ مزاج میں تواضع اور

انکساری، دوسرے کی بات کو توجہ سے سننا اور ہر معاملہ کو نرمی و حکمت سے سلجھانا یہ ایسی خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے ان کے دورِ امارت میں جو تقریباً تیس برس ہیں تبلیغی کام نے بے انتہا ترقی کی۔

امیر جماعت حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے بعد ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ مطابق اپریل ۱۹۶۵ء میں مرکزی ذمہ داروں کے مشورہ کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کو تبلیغی جماعت کا امیر مقرر کیا۔ حضرت جی رحمہ اللہ نے امیر بنتے ہی تبلیغ دین کے اس مبارک کام کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔ آپ نے اپنے تیس سالہ دور امارت میں تبلیغی جماعت کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں معروف کرایا، دعوت کے اس مبارک کام کے ذریعہ کفر الحاد لادینی اور جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ہدایت و دین داری کی روشنی کے منارے قائم کر دئیے جہاں اسلام کو مٹانے کے نقشے تیار کئے جاتے تھے وہاں سے "اللہ اکبر" کی صدائے بلند ہونے لگیں، گرجائیں مسجدوں میں تبدیل ہونے لگیں اللہ کا پاک کلمہ بلند ہونے لگا۔

ہندوستان (انڈیا) سے باہر پاکستان، بنگلہ دیش، انگلینڈ، امریکہ، کینیڈا، عرب ممالک، جنوبی افریقہ، فرانس، روس، جرمنی، سنگاپور، انڈونیشیا، ملیشیا، تھائی لینڈ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، فیجی پے سیفک کے چھوٹے چھوٹے جزیرے وغیرہ سینکڑوں چھوٹے بڑے ملکوں میں تبلیغ دین کی عالی محنتوں کو پہنچایا۔ مذہب سے بے زار لوگوں کو مسجدوں میں لاکر کھڑا ہی نہیں کیا بلکہ انھیں دوسروں کو مسجدوں میں لانے والا بنا دیا، جہاں جہاں بھی پہنچے ایک خاموش انقلاب برپا کر دیا۔ روزانہ سینکڑوں جماعتیں نکلتی ہیں، ملکوں ملکوں میں اللہ کا پاک نام لے کر پھرتی ہیں اور ہزاروں لوگ اپنے گھر بار اور کاروبار چھوڑ کر اپنی نمازوں کو درست کرنے، اللہ کا پاک دین اپنی زندگیوں میں لانے کے لیے اور دوسروں کو اس عالی و مبارک محنت میں لگانے کے لیے دور دراز ملکوں کا سفر کرتے ہیں، اس کے لیے اپنی جان و مال خرچ کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس قدر اخلاص وللہیت کے ساتھ اور جتنی بڑی تعداد میں

اللہ کے بندے اس مبارک کام میں مشغول ہیں اور کل ستر برس (۷۰) کی مختصر سی مدت میں جس قدر یہ مبارک کام پھیلا ہے وہ غیر معمولی اور حیرت انگیز ہے۔

اللہ رب العزت نے حضرت جی رحمۃ اللہ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی تھی تبلیغی کام کے سلسلہ میں آپ نے بے شمار دور دراز ملکوں کے سفر کئے، جہاں بھی گئے لاکھوں کا مجمع ان کے استقبال کے لیے تیار رہتا تھا، حضرت جی رحمۃ اللہ کے مقبول عند اللہ ہونے کا اندازہ بلکہ یقین اس سے بھی ہوتا ہے کہ جب آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے اور آپ کی وفات کی خبر آناً فاناً دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی، عالم اسلام (رنج و غم میں ڈوب گیا) دنیا بھر سے ہزاروں افراد جنازہ میں شرکت کے لیے مرکز نظام الدین دہلی پہونچ گئے۔ دنیا بھر کے ہندوستانی سفارت خانوں نے یوم عاشوراء کی چھٹی کے باوجود اپنے دفتروں کو کھول دیا تاکہ جو لوگ حضرت جی رحمۃ اللہ کے جنازہ میں شرکت کرنا چاہتے تھے ان کو فوری طور پر ویزا دے دیئے جائیں، ہندوستان کے علاوہ بنگلہ دیش، پاکستان، مکہ معظمہ، سعودی عرب، افریقہ، انگلینڈ، اور دیگر عرب ممالک وغیرہ دور دراز ملکوں سے کئی ہزار افراد خصوصی ہوائی جہازوں کے ذریعہ پہونچ گئے۔ جن میں قطر کے ولی عہد بھی شامل تھے چند گھنٹوں میں لاکھوں افراد جنازہ میں شرکت کے لیے پہونچ گئے۔ دہلی نظام الدین کی سڑکیں حد نظر تک انسانوں سے بھری پڑی تھیں ہر آدمی رنج و غم میں ڈوبا ہوا تھا، ہر شخص کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھ رہے تھے، عصر کی نماز کے بعد شاہ ہند ہمایوں کے مقبرہ کے قریب نرسری پارک کے ایک بہت بڑے وسیع میدان میں (اندازاً) پانچ لاکھ کے مجمع نے اپنے محترم مقتداء و امیر کی جنازہ ادا کی، حضرت جی رحمۃ اللہ کے صاحبزادے مولانا زبیر الحسن صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد نماز مغرب تبلیغی جماعت کے مرکز "بنگلہ والی مسجد" میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے پہلو میں جماعت کے تیسرے امیر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو دفن کیا گیا "اللھم اغفر لہ و ارحمہ واعف عنہ، واکرم نزلہ، و وسع مدخلہ، و تقبل حسناتہ، و تجاوز عن سیئاتہ۔

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نے ستتر (۷۷) سال کی عمر میں داعی

اجل کو لبیک کہا، انہیں رات نو (۹) بجے دل کا دورہ پڑا مشہور ماہر امراض قلب ڈاکٹر خلیل اللہ کے مشورہ سے دہلی کے پنت اسپتال میں داخل کیا گیا۔ جہاں ڈاکٹر خلیل اللہ کی نگرانی میں ماہر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے حضرت جی رحمۃ اللہ کے علاج و معالجہ کے لیے اپنی تمام تر کوششیں کیں مگر کامیاب نہ ہوسکیں وقت موعود آپہنچا اور ملت کا یہ عظیم بزرگ، غمگسار، دین کا مخلص خادم رات کو ڈیڑھ بجے اللہ کے حضور پہونچ گیا اور ابدی نیند سو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تبلیغی جماعت فیجی میں

الحمد للہ! حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نے اپنے دور امارت میں فیجی کے چند دینی فکر رکھنے والے حضرات کی درخواست پر ۱۹۶۸ء میں "زاہبیا" کی ایک جماعت پانچ افراد کی بھیجی یہ پہلی جماعت تھی جو فیجی تشریف لائی تھی، مرکز نظام الدین کے بزرگوں کی دعائیں لے کر یہ جماعت پہنچی تھی اس جماعت نے خاص اصولوں کے مطابق بڑی محنت سے دعوت کا مبارک کام کیا، اللہ رب العزت نے بڑا فضل و کرم کیا اور تبلیغ کا مبارک کام پورے جزیرہ میں پھیل گیا۔ ایک دینی انقلاب آگیا مسجدیں آباد ہونے لگیں، جگہ جگہ نئی مسجدیں اور دینی مراکز بننے لگے، اکابرین کے مشوروں سے پھر مسلسل جماعتیں پہنچنے لگیں، جماعتیں ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، افریقہ، انگلینڈ، سری لنکا، ملیشیاء، امریکہ، کینڈا، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، سنگاپور، اور پے سیفک کے تمام جزیروں میں پہنچ چکی ہیں اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

فیجی کی جماعتیں سال کے لیے، چار مہینوں کے لیے، چلوں کے لیے اور کم و بیش وقتوں کے لیے، اندرون ملک اور بیرون ملکوں میں مسلسل چل رہی ہیں اللہ تعالی کے فضل و کرم سے اور اکابرین کی دعاؤں کی برکت سے تبلیغ دین کا یہ مبارک کام پورے جزیرہ میں چل رہا ہے۔ مردوں، عورتوں، جوانوں بوڑھوں اور

ہر طبقہ کے لوگوں نے اس کام میں بڑا حصہ لیا ہے اور لے رہے ہیں اللہ کے بندے دعوت کے اس مبارک کام سے بڑے متاثر ہیں ۔ لوگ خوشی خوشی اپنی جان و مال دین کی اس عالی محنت میں لگا رہے ہیں ' اللہ کا پاک دین زندگیوں میں آجائے ' اس کی سب فکر کر رہے ہیں ' ستائیس (٢٧) سال میں یہ مبارک کام پورے پے سیفک میں پھیل گیا لوگوں نے خود بھی دین کا مبارک علم حاصل کرنا شروع کیا ' اپنی اولادوں کو دین کا علم دینے کی فکر کرنے لگے ۔ ایک طرف مدارس و مکاتب کے ذریعہ بچوں کو دین کی تعلیم دی جارہی ہے اور دوسری طرف اپنے بچوں کو حافظ قرآن اور عالم دین بنانے کے لیے ہندوستان پاکستان وغیرہ بیرون ممالک میں بھیج رہے ہیں ۔ یہ رب کریم کا بڑا شکر و احسان ہے کہ اس نے تبلیغ دین کے اس مبارک کام کو اس جزیرہ میں پہنچادیا ۔ الحمد لله حمداً کثیر اطیبا مبارکا فیہ ۔

اللہ کی نظر میں قابلِ قدر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اللہ تمہارے مال و دولت اور شکل و صورت کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے ۔ (مسلم)

منجانب : امین فٹ وئیر
احمد آباد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لوگو، خیرات کیا کرو ، صدقہ دیا کرو اور یاد رکھو کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے ۔ پہلے ماں باپ ، بہن بھائی پھر قریبی رشتہ دار ۔ اس ترتیب کے ساتھ اپنے عزیزوں سے حسن سلوک کیا کرو ۔

روداد اجتماع ڈیوزبری انگلینڈ

(محرم الحرام ۱۴۱۵ھ جون ۱۹۹۴ء)

مرتبہ جناب ابراہیم صدیقی صاحب لندن

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

یہ بات تو جناب کے علم میں ہوگی کہ ہر دوسرے سال انگلینڈ کے ذمہ داروں کو نظام الدین دس یوم کے لیے حاضری دینی ہوتی تھی اور یہ سلسلہ الحمد للہ حضرت جی مرحوم کے انتقال کے بعد بھی جاری ہے اور جاری رہے گا۔ اس طرح ۱۹۹۳ء میں جب انگلینڈ کے احباب نظام الدین آئے تھے تو یہ عالمی اجتماع طے ہوا تھا، اجتماع کی تاریخیں ۲۴، ۲۵، ۲۶ جون ۱۹۹۴ء مطابق ۱۵، ۱۶، ۱۷ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ جمعہ، ہفتہ، اور اتوار طے ہوئی تھیں۔ یہ چیز بھی مشروط تھی کہ اگر حضرت جی مرحوم کی طبیعت ٹھیک ہوتی تو حضرت کا سفر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے حضرت جی مرحوم کا یہ سفر (جو انگلستان والوں کے لیے آخری سفر ہوگیا)، مقدر فرمایا ہوا تھا۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ حضرت جی کی بیماری اور امراض کی شدت سے یہ سفر قریب قریب ناممکن ہی سمجھا جا رہا تھا۔

انگلستان میں بہت بڑے بڑے مشہور شہر موجود ہیں مگر معلوم نہیں اللہ تبارک تعالیٰ کو حافظ پٹیل صاحب (اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھیں) کی کون سی ادا پسند آئی تھی کہ ڈیوزبری جیسے ایک چھوٹے سے شہر کو

جہاں وہ مقیم تھے ۔ اپنے دین کی اعلی محنت دعوت و تبلیغ کے لیے پسند فرما کر مرکز قائم کرنے کے اسباب پیدا فرما دیئے ۔

الحمد اللہ ! وسعت کے اعتبار سے اس وقت پورے انگلستان میں ڈیوزبری کی دعوت و تبلیغ کی یہ مرکزی مسجد سب سے بڑی مسجد سمجھی جاتی ہے اور فن تعمیر کا بھی اعلی نمونہ ہے ۔ اس مسجد کے اوپر کے ہال میں جو بغیر کسی ستونوں کے بنا ہے تقریباً پانچ ہزار آدمی بیٹھ جاتے ہیں ۔ مگر اس عالمی عظیم الشان اجتماع کے لیے جس میں زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار مسلمانوں کی شرکت متوقع تھی ، مرکز سے متصل میدان میں دو بہت بڑے اور چار چھوٹے پنڈال لگائے گئے تھے ۔ دونوں پنڈال اجتماع اور نمازوں کے لیے تھے باقی پنڈال اردو کے علاوہ دوسری زبانوں کے ترجموں تشکیل اور طعام کے لیے تھے ۔ اللہ تعالی ان کا انتظام کرنے والوں کو دین و دنیا کی کامیابی و کامرانی عطا فرمائیں کہ اجتماع سے ایک مہینہ قبل سے دن رات کی انتھک محنت اور جدوجہد کے بعد نہایت عمدگی سے موسم کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ بنائے گئے تھے ۔ مرکز اور اجتماع گاہ کے اطراف موٹروں کی پارکنگ بالکل ممنوع تھی ۔ بلکہ ایک بہت بڑے شاپنگ سنٹر کے پارکنگ میدان کو اجتماع کی موٹروں اور کوچوں کے لیے کرایہ پر لیا گیا تھا ، جہاں باقاعدہ موٹروں کی حفاظت اور چوکیداری کا انتظام کیا گیا تھا ۔

پورے انگلستان میں اس اجتماع کی جب سے آواز لگی تھی لوگ اس کے انتظار میں پہلے مہینے ، پھر ہفتے اور پھر دن گنتے نظر آرہے تھے کہ اللہ کے کرم سے بزرگوں یعنی حضرت مولانا انعام الحسن صاحب (حضرت جی مرحوم) کی آمد کی تاریخ ۲۲ جون آگئی ۔ بہت سے بزرگ ایک دو دن قبل پہنچ چکے تھے ، حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب مدظلہ اور ان کی جماعت تو ۱۶ جون کو لندن پہنچ گئی تھی ۔ بھائی عبدالوھاب صاحب مدظلہ ، اور ان کی جماعت ۲۱ جون کو لندن پہنچی ۔ اس جماعت میں قابل ذکر مفتی زین العابدین صاحب مدظلہ ، مولانا حبیب اللہ صاحب ، مولانا طارق جمیل صاحب ، بھائی افضل صاحب ، بھائی یامین کے علاوہ دس بزرگ تھے ۔ ۲۲ جون ۱۹۹۴ء کو ۲ بجے دن لندن کے ہوائی اڈے ہیتھرو پر حضرت جی کا

قافلہ جب باہر تشریف لایا تو انگلستان کے مختلف شہروں کے ذمہ دار اور عوام نے پر جوش باوقار بغیر کسی شور و غل اور نعروں کے استقبال کیا۔ فوری اجتماعی دعا ہوئی تمام حاضرین پر عجیب کیفیت تھی' دعامیں پوری امت اور انسانیت کی ہدایت کے لیے دعا کی گئی ۔ ہوائی اڈے پر دعا کا یہ منظر تمام غیر مسلموں کے لیے ایک خاموش دعوت و تبلیغ تھی۔

یہاں کے ذمہ داروں نے پہلے یہ سوچا تھا کہ ڈیوزبری جاتے ہوئے آدھے راستہ پر حضرت جی کو چند گھنٹہ آرام کروا کر ڈیوزبری لے جائیں گے' مگر بعد میں خود حضرت جی کے مشورہ سے پورا قافلہ راست ڈیوزبری جس کا فاصلہ لندن سے دو سو میل ہے روانہ ہوا اور الحمد للہ ۶ بجے شام بخیریت سب لوگ ڈیوزبری مرکز پہنچ گئے۔ اگرچہ یہ کہ اجتماع کا ۲۴ جون سے اعلان ہوا تھا مگر ۲۲ جون کو جمعرات تھی اس لئے جمعرات کی صبح کو حضرت جی مرحوم کی قیام گاہ میں جو کہ ڈیوزبری مرکز کا ہی حصہ ہے مشورہ ہوا' اور یہی طے ہوا کہ جمعرات کے اجتماع سے اجتماع گاہ میں بیان شروع ہوجائے۔ ادھر دیکھا گیا کہ جمعرات کی صبح ہی سے جماعتوں اور لوگوں کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا اور شام ہونے سے پہلے پہلے آدھا پنڈال بھر گیا تھا۔ عصر کے بعد پہلا بیان حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری مدظلہ کا ہوا۔ حضرت نے اپنے مخصوص انداز میں توحید اور دعوت و تبلیغ کو ڈیڑھ گھنٹہ بیان فرمایا۔مغرب کی نماز میں پنڈال تقریباً بھر چکا تھا۔مغرب کے بعد کھانا کھلایا گیا۔ اور الحمد اللہ مجمع نے بغیر کسی شور وغل' اطمینان سے کھانے سے فراغت کے بعد نماز عشاء کی تیاری کی ۔ اتنے بڑے اجتماع کا لحاظ رکھتے ہوئے وضو' طہارت' بیت الخلاء' غسل خانوں کا عارضی بہت معقول انتظام کیا گیا تھا کہ الحمد للہ تین دن کی تمام نمازوں میں لوگ آسانی سے ضروریات سے فارغ ہو کر جماعت سے نمازیں ادا کرتے رہے اور کسی قسم کی شکایت نہیں ہوئی۔ اس عظیم الشان عالمی اجتماع میں پانچ براعظموں کے مسلمانوں نے شرکت کی' یورپ کے پورے ملکوں سے الحمد للہ مسلمانوں نے شرکت کی حتی کہ یورپ میں جو ملک پہلے کمیونسٹ ملک تھے وہاں کے مسلمانوں نے بھی شرکت کی۔

انگلستان میں جون جولائی کے مہینوں کی راتیں چھوٹی اور دن بڑے ہوتے ہیں ۔ اس کا اندازہ اسطرح ہوسکتا ہے کہ عشاء کی نماز گیارہ بجے ہو رہی تھی تو فجر کی نماز چار بجے تھی ' مگر اتنی چھوٹی رات ہونے کے باوجود مجمع میں لا تعداد لوگ تہجد بھی ادا کرتے نظر آئے ۔

اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کا صحیح طریقہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ تعالی اجمعین سے چلا آرہا ہے وہ یہی ہے کہ دن کو اللہ کی مخلوق پر محنت کی جائے اور رات کو اللہ تعالی کے حضور دعا کے ذریعہ منوالیا جائے ۔

چند گھنٹوں کے مختصر آرام کے بعد فجر کی نماز کے بعد پاکستان کے بھائی عبدالوھاب صاحب مدظلہ کا بیان ہوا ' اس کے بعد دس بجے تک مجمع کو آرام کا وقت دیا گیا دس بجے سب سے پہلے حضرت مولانا عمر صاحب پالن پوری مدظلہ ' نے تعلیم کا مذاکرہ کیا اور مختصر تعلیمی حلقے لگے اور طعام و جمعہ کی نماز کی تیاری کا موقعہ دیا گیا ' مرکز کی مسجد میں مفتی زین العابدین صاحب مدظلہ نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی ۔ جب کہ اجتماع گاہ میں مولانا زبیر الحسن صاحب مدظلہ نے خطبہ دیا اور اور نماز پڑھائی ۔ نماز جمعہ کے بعد مولانا احمد لاٹ صاحب مدظلہ کا بیان ہوا جو دو گھنٹہ جاری رہا ' پھر عصر بعد حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب مدظلہ کا بیان ہوا ' مغرب بعد کھانا ہوا پھر عشاء بعد آرام کیا ۔

دوسرے دن سنیچر کی صبح بعد فجر' پھر بھائی عبدالوھاب صاحب مدظلہ کا بیان ہوا ۔ بیان کے بعد دس بجے تک آرام کا وقت دیا گیا' دس بجے مختلف زبانوں کے تعلیمی حلقے لگے ' ۱۱ بجے پرانوں کو الگ کر کے حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب نے بیان فرمایا اور عربوں میں جن کی بھی بڑی تعداد تھی مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری نے بیان فرمایا ۔ پھر ظہر سے پہلے کھانا ہوا اور اندازہ ہے کہ ظہر کی نماز میں چالیس ہزار کا مجمع تھا ۔ پورے پنڈالوں کے علاوہ باہر میدانوں کی خالی جگہوں اور سڑکوں پر بھی نماز کی صفیں لگیں ۔ ظہر بعد پہلے حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری مدظلہ کا بیان ہوا ' اس کے بعد حضرت جی مدظلہ تشریف لائے اور

یہ حضرت کا عوام میں پہلا خطاب تھا۔

تبلیغی اجتماعات میں عموماً سیدھے سادھے سنت طریقہ پر نکاحوں کا رواج الحمد للہ پڑ گیا ہے اس اجتماع میں بھی تقریباً سو (۱۰۰) نکاح ہوئے، حضرت جی مدظلہ نے مختصر بیان کے بعد نکاح پڑھا اور مولانا زبیر صاحب نے ایجاب قبول کروایا اور دعا بھی کروائی۔ حضرت جی مدظلہ کی صحت کی خرابی کا لحاظ رکھتے ہوئے اتنے بڑے مجمع میں ایسا انتظام کیا گیا تھا کہ حضرت جی مدظلہ کو موٹر سے تخت تک لے جایا گیا تھا، حضرت جی مدظلہ جس وقت بیان فرما رہے تھے پورے مجمع پر ایک غیر معمولی کیفیت تھی اور بلا کسی انتشار کے صبر و سکون سے چالیس ہزار کا مجمع حضرت کے بیان کو سن رہا تھا، الحمد للہ سنیچر کا پروگرام بھی مغرب بعد طعام اور پھر نماز عشاء پر ختم ہوا۔

چونکہ اتوار کو اجتماع کا آخری دن تھا رات جو کہ بالکل مختصر ہی تھی، مگر لاتعداد لوگ ذکر و تلاوت اور تہجد میں اٹھے ہوئے تھے، اتوار کے دن صبح فجر بعد مولانا طارق جمیل صاحب (جو کہ بھائی عبدالوہاب صاحب مدظلہ کی جماعت میں سب سے کم عمر، عجیب و غریب صلاحیتوں کے مالک ہیں) عالم دین کا بیان ہوا۔ اللہ تعالی نے اس نوجوان عالم دین کو بے پناہ حافظہ عطا فرمایا ہے، مولانا طارق جمیل صاحب کو بلا مبالغہ ہزاروں چھوٹی اور بڑی احادیث یاد ہیں اور بیان کا انداز بھی جادو کا اثر رکھتا ہے، اس صبح کے بیان کا تمام زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ آج آخری دن ۱۱ بجے پروفیشنل حضرات (یعنی ڈاکٹرس، انجینرس، اکاؤنٹینس، پروفیسرس ٹیچرس اور سرکاری عہدے دار جو ماشاء اللہ کافی تعداد میں شریک ہوئے تھے) کو علیحدہ ایک پنڈال میں جوڑا گیا تھا اور ان میں حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری نے بہت خصوصی پر اثر بیان فرمایا۔ اسی دوران عربوں میں حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب نے عربی میں بیان فرمایا۔

ظہر سے قبل اس اجتماع کا آخری کھانا کھلایا گیا، ظہر بعد حضرت مولانا پالن پوری نے ہدایت دیں ادھر مولانا کی ہدایات پوری ہوئیں کہ حضرت جی مدظلہ تخت پر تشریف لے آئے، اس وقت آخری دعا کے وقت مجمع ضرور پچاس ہزار کا

تھا۔ حضرت جی مدظلہ نے پہلے مختصر بیان فرمایا اور پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ مجمع میں سے لوگوں کے رونے کی آواز آنے لگی، بیس منٹ کی دعا میں عجیب و غریب کیفیات تھیں، جو بیان نہیں کی جاسکتیں خود حضرت جی پر جو رقت کی کیفیت تھی یعنی کہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت پر اور سارے مجمع پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش ہو رہی ہے اور لوگ ہچکیاں مار مار کر رو رہے تھے اور دعا مانگ رہے تھے اللہ تبارک و تعالیٰ سے جو جو مانگا گیا اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں۔ دعا پر یہ بابرکت اجتماع ختم ہوا۔

دعا ختم ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے شہروں کو واپس ہونا شروع ہوئے تو ہر طرف انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، کئی گھنٹوں تک ڈیوزبری کی تمام سڑکیں عجیب و غریب منظر پیش کر رہی تھیں۔ پولس کا محکمہ بالکل معطل ہو گیا تھا۔

محکمہ پولیس نے اپنی تحقیقات کی بنا پر بتلایا کہ جملہ مجمع اسی (۸۰) ہزار کا تھا۔ یہاں کے قانون کے مطابق ایسے عوامی اجتماع میں اجتماع کے اندرونی حصہ میں پولیس کا بھی ایک علیحدہ کیمپ قائم ہوتا ہے، اس طرح ہم کو بھی ایک مخصوص پنڈال ان کو دینا پڑا تھا۔ جہاں تین دن تک پولس موجود تھی۔ چوبیس گھنٹے کے تمام اعمال دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوئے، پولیس کے ایک بڑے افسر کے یہ تاثرات تھے کہ "واقعی خدا کی ذات آپ لوگوں کے ساتھ ہے کہ تین دن موسم اچھا رہا اور اتنے بڑے مجمع میں سے کسی دو انسانوں کی نہ لڑائی ہوئی، نہ مار پیٹ ہوئی، نہ گالی گلوچ"۔ پولیس کے پنڈال کے بازو گری پڑی (Lost Property) اشیاء کا کیمپ تھا اس سے بھی پولیس والے بے حد متاثر ہوئے، کہ لوگ معمولی اور قیمتی ہر قسم کی چیزیں لا لا کر داخل کر رہے تھے اور جس کو جو چیز ملی خود لے کر غائب نہیں ہو رہا تھا، اس ملک والوں کے لیے سچائی اور ایمانداری کا یہ عمومی منظر متاثر کن تھا۔

الحمد للہ پورے اجتماع کے تمام انتظام میں ہر طرح خیر و برکت رہی اور کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ جس جس کے ذمہ انفرادی یا اجتماعی ذمہ داری

لگائی گئی تھی ہر ایک نے اپنی ذمہ داری کو اہمیت کے ساتھ مستعدی اور فرض شناسی کے ساتھ ادا کیا اور سب اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا کے لیے کیا جا رہا تھا۔
اجتماع میں ہر طبقہ کے حضرات خواص اور عوام شریک تھے: ہر رنگ اور زبان کو بولنے والے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اہل حدیث اس اجتماع میں شریک ہو کر اس بات کا ثبوت دے رہے تھے کہ دین اسلام وہ عالمگیر دین ہے، جس میں نہ رنگ و نسل کا کوئی جھگڑا ہے۔ نہ قوم و وطن کا کوئی تعصب۔ حضرت آدم علیہ السلام کی یہ اولاد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امت بس ایک رشتہ میں جڑی ہوئی ہے اور وہ رشتہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرما دیا ہے کہ تم سب بھائی بھائی ہو۔

الحمد للہ! انگلستان میں حضرت جی مدظلہ کی سرپرستی میں سب سے پہلا اجتماع (شیفیلڈ) میں ۱۹۷۲ء میں ہوا تھا۔ بائیس سال کے عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے اس ملک کی کایا پلٹ دی، اس وقت پورے ملک میں بارہ سو مساجد ہیں اور پانچ دارالعلوم لڑکوں اور دو لڑکیوں کے قائم ہو چکے ہیں، ہر دارالعلوم میں الحمد للہ دو دو تین تین سو طلباء و طالبات مقیم ہیں۔ اور حافظ اور عالم بن رہے ہیں، ایک زمانہ تھا کہ انگلستان کی مساجد میں تراویح کے لیے ہندوستان پاکستان سے حفاظ کو بلانا پڑتا تھا اور اب یہ حال ہے کہ ہر مسجد میں دو حافظ تو قرآن پڑھتے ہیں اور کم سے کم دو پیچھے سامع ہوتے ہیں اور امریکہ کینیڈا اور پورے یورپ میں یہاں سے حفاظ رمضان میں تراویح پڑھانے جاتے ہیں۔

یہ بات بڑی اہم تو میں بتلانا بھول گیا کہ الحمد للہ اس عالمی عظیم الشان اجتماع سے چار سو جماعتیں اللہ کے راستہ میں پوری دنیا کے ممالک کے لیے نکلیں جس میں سے ایکسو پچیس (۱۲۵) جماعتیں عربوں کی تھیں، جو یہاں اور یورپ میں مقیم ہیں۔

یوں تو عمومی طور پر ہزاروں مسلمانوں نے اعمال بد سے توبہ کی اور دینداری کی زندگی اختیار کی، مگر اس اجتماع کے بعد جو غیر معمولی اور گہرے اثرات اگر کسی پر پڑے تو وہ یہاں کے نوجوانوں اور طلباء پر پڑے، یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلباء اس اجتماع کے بعد آنے والی بڑی چھٹیوں میں تقریباً سات

ہزار طلباء اللہ کے راستہ میں جماعتوں میں نکلے اور جماعتوں سے واپس آنے کے بعد یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلباء کو اسلامی لباس اور خوبصورت نورانی ڈاڑھیوں کے ساتھ دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی کسی دارالعلوم یا دینی مدرسہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اللہ تعالی کا بڑا کرم اوراحسان ہے کہ جہاں نوجوانوں میں کام بڑھا ساتھ کے ساتھ مستورات کا بھی کام اس اجتماع کے بعد سے دس گنا زیادہ ہو گیا ہے، ماشاء اللہ! اب مستورات کی بھی جماعتیں چلہ اور چار ماہ کے لیے نکل رہی ہیں۔

الحمد للہ! عمومی طور پر مسلمان مردوں عورتوں اور نوجوانوں کی سمجھ میں یہ بات آرہی ہے کہ دعوت و تبلیغ کا کام ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ اور اگر پورے عالم میں دین پھیل سکتا ہے اور سر سبز اور ہرا بھرا ہوسکتا ہے تو صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہی دعوت و تبلیغ کا طریقہ ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے فرمایا تھا کہ تکمیل ایمان کے لیے دعوت و تبلیغ ضروری ہے اور اللہ کے راستہ میں نکلنا کیوں ضروری ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح کلمہ طیبہ کے بغیر ایمان نہیں بنتا، نماز کے بغیر اللہ تعالی کی طاعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نصیب نہیں ہوسکتی، علم کے بغیر دین حق کی معلومات اور دین کا راستہ نہیں مل سکتا، ذکر کے بغیر دل میں نورانیت نہیں آسکتی، اکرام، اخلاق حسنہ ایثار اور حقوق کی ادائیگی کے بغیر حسن معاشرت اور انسانیت کا شرف حاصل نہیں ہوسکتا اور اخلاص کے بغیر اعمال میں قبولیت اور قوت پرواز پیدا نہیں ہوسکتی اس طرح اللہ کے راستہ میں دعوت و تبلیغ کے لیے نکلنے کے بغیر یہ ساری صفات بھی پیدا نہیں ہوسکتی ہیں۔

باغ ہے موجود لیکن باغباں جاتا رہا

ایسے ہی لوگ راست رو ہیں

☆

اور ہم ضرور تمہیں کسی قدر خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں "ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔" انہیں خوش خبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی۔ اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔

(البقرہ : ۱۵۵۔۱۵۷)

ایک غلام ملت بندۂ خدا۔

روح رواں

حضرت مولانا اظہار الحسن صاحبؒ

اے عشق مل سکیں گے نہ ہم جیسے سر پھرے
برسوں چراغ لے کے زمانہ اگر پھرے

☆

کہے گا کون غم کی داستاں جب ہم نہیں ہوں گے
محبت کس کو روئے گی یہاں ، جب ہم نہیں ہوں گے

ہمارے ساتھ ہی اٹھ جائے گی رسم وفا کوشی
رہیں گے آپ کس سے سرگراں ، جب ہم نہیں ہوں گے

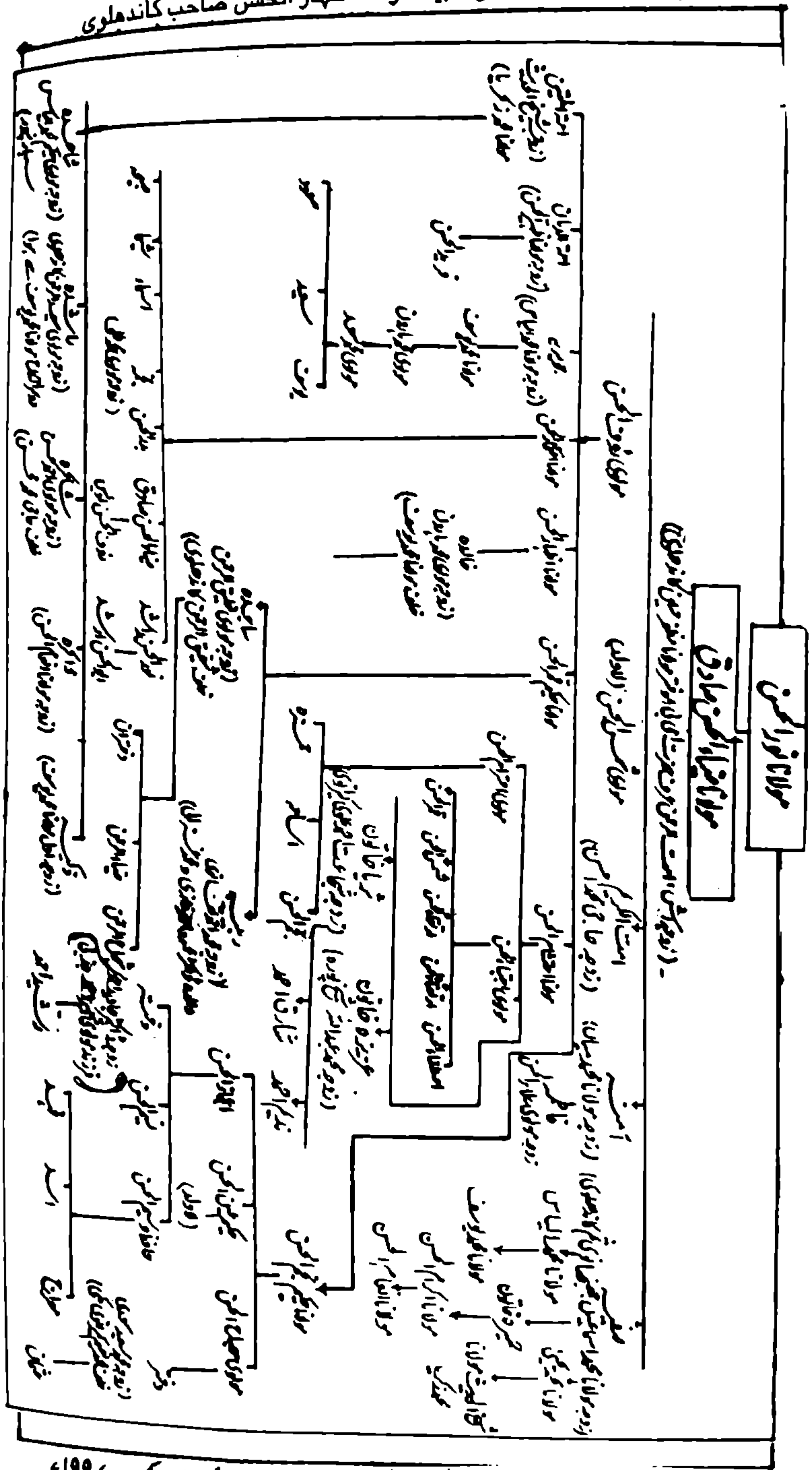
ہمارے بعد پھر کانٹوں پہ کس کو نیند آئے گی
وفا ہوگی نہ اس کا امتحاں جب ہم نہیں ہوں گے

ہمارے بعد نغموں کی صدائیں ڈوب جائیں گی
بہت ڈھونڈے گا ہم کو باغباں جب ہم نہیں ہوں گے

ہمارے بعد کوئی آبلہ پا ، پھر نہ آئے گا
رہے گی خشک کانٹوں کی زباں جب ہم نہیں ہوں گے

o

مخمور دہلوی



حضرت مولانا اظہار الحسن کاندھلوی

(مختصر تعارف)

اجداد حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے پوتے مولانا نور الحسن کے چار فرزند تھے جس میں سب سے بڑے مولانا ضیاء الحسن محمد صادق تھے[1] انکے دو بیٹے تھے، مولوی شمس الحسن اور مولوی رؤف الحسن مولانا رؤف الحسن کے مختصر احوال یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

والد ماجد مولوی رؤف الحسن ۱۱/ شوال ۱۲۸۳ھ ۱۷/ فروری ۱۸۶۷ء کو پیدا ہوئے۔ قرآن شریف حفظ کیا، جو محنت سے پڑھا تھا اور ایسا یاد تھا کہ تاحیات اس میں کمی نہیں آئی۔ جس کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ رمضان المبارک میں مظفر نگر سے ملاقات کے لئے کاندھلہ آئے تھے، ایک دن افطار کے وقت مولانا کی والدہ محترمہ (حضرت امی بی) نے فرمایا، رؤف الحسن تم نے بہت دن سے قرآن نہیں سنایا، کہا آج سناؤں گا، عشاء کی نماز پڑھ کر آئے اور تراویح کی نیت باندھ کر تلاوت کا آغاز کیا، سورہ فاتحہ سے آخری پارہ تک ایک رکعت میں نہایت رواں اور صاف سنادیا، دوسری رکعت میں قرآن شریف پورا کر کے سلام پھیرا اور کہا، دو رکعتیں میں نے پڑھادی ہیں باقی اٹھارہ رکعتیں کسی اور

(۱) (دوسرے مولانا حکیم ظہور الحسن محمد ابراہیم تھے جو مولانا انعام الحسن صاحب کے دادا تھے)

کے پیچھے مکمل کرلیں۔ قرآن شریف کی تعلیم کے بعد ابتدائی درسیات شروع کیں مگر طبیعت کو مناسبت نہ ہوئی، اس لئے تعلیم ترک کرکے اپنے والد صاحب کے ایک دوست کے پاس مظفر نگر چلے گئے مظفر نگر میں رہ کر وکالت کا اردو نصاب پڑھا، وکالت کے کام میں مہارت حاصل کی، امتحان میں کامیاب ہوئے اور وہیں وکالت (مختاری) شروع کردی اور اس میں خوب کامیاب رہے، مگر جب انگریز افسران کی طرف سے ایسے قواعد نافذ کئے گئے جن کی پابندی عدالت میں جانے کیلئے ضروری تھی اور ان کی پابندی کرنا خود اپنی غیرت اور ضمیر کے لئے ایک سوالیہ نشان تھا، تو مختاری ترک کرکے ملازمت اختیار کرلی اور ملازمت کو حسن انتظام، بہت دیانتداری اور خیر وخوبی کے ساتھ نبھایا۔ نہایت فراخ دلی عالی حوصلہ، مہمان نواز شخص تھے خالی ہاتھ اور بالکل بے سروسامانی کے عالم میں بھی بڑے بڑے کاموں کا ارادہ کرلیتے اور ان کو پورا کر ڈالتے تھے۔

خدمت خلق خدمت خلق کا بھی بہت جذبہ تھا اور ایسا ایسا کام سرانجام دے لیتے تھے جس کی ہر شخص ہمت نہیں کرسکتا۔ ۱۳۰۹ھ میں کاندھلہ میں نہایت خوفناک طاعون آیا تھا جس نے ایک ہفتہ کے اندر اس بستی کو ویرانہ بنادیا تھا۔ اس طاعون کے موقع پر جس میں کئی کئی سو آدمی روزانہ جاں بحق ہورہے تھے مولانا رؤف الحسن اور مولانا محمد یحیٰ صاحب نے خود کو اہل قصبہ کی خدمت کے لئے وقف کردیا تھا، اس وقت طاعون کے شکار لوگوں کی مزاج پرسی اور مرحومین کو قبرستان پہنچانا جان جوکھوں کا کام تھا، کیوں کہ کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں طاعون کے مریض نہ ہوں اور دو چار آدمی انتقال نہ کرگئے ہوں۔ کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ ایک گھر کے سب افراد انتقال کرگئے تو اس مکان کا دروازہ بند کردیا گیا، نہ کوئی دوا علاج کی خبر لینے والا تھا، نہ کفن دفن کا انتظام کرنے والا۔ اس دوران مولوی رؤف الحسن اور مولانا محمد یحیٰ کی ایک ہی مصروفیت تھی کہ جس شخص کے طاعون میں مبتلا ہونے کی خبر ملتی اس کی مزاج پرسی کرتے اور جو اللہ کو

پیارا ہو گیا ہو اس کو غسل دیتے، کفن کا انتظام کرتے اور اسکو قبرستان تک پہنچادیتے۔ قبرستان سے واپس آنے سے پہلے کسی اور کی موت کی خبر مل جاتی تو وہاں چلے جاتے، اس طرح شب و روز خدمت خلق میں مشغول رہے۔

وسعت دسترخوان مولانا کو دعوتیں کرنے کا بہت شوق تھا جس میں اہل خاندان، اہل شہر کی تخصیص نہیں تھی بلکہ صلائے عام ہوتی تھی۔ حالانکہ خاندانی آبائی جائداد بہت بڑی تھی اور خود بھی بہت جائدادیں خریدی تھیں جن سے معقول آمدنی تھی مگر ہمیشہ مقروض رہتے تھے، آخر تک نہ حوصلہ میں کمی آئی، نہ خرچ کم ہوا، نہ قرض کے بار سے نجات نصیب ہوئی۔

مہمان نوازی مولانا نے مظفر نگر میں عالی شان مکان بنالیا تھا، عموماً وہیں رہتے تھے، ہر وقت مہمانوں کا تانتا لگا رہتا تھا، مولانا احتشام الحسن صاحب کے الفاظ ہیں:

"ان کا گھر گویا ایک مستقل سرائے تھی جس میں آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔" (۱)

بیس بیس، تیس تیس، مہمان مستقل رہتے جن کی نہایت کشادہ پیشانی اور فیاضی سے مہمان نوازی کرتے تھے۔ چند احباب اور خاص کرم فرما ایسے بھی تھے جو اپنے ملازمین و متعلقین کی پوری جماعت کے ساتھ آتے اور ہفتوں مہینوں قیام کرتے۔ جس میں مولوی طفیل احمد منگلوری (مؤلف روشن مستقبل) اور مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی (نواب صدر یار جنگ) اور کنور عنایت علی خاں (لوئی ضلع مظفر نگر) سر فہرست تھے، یہ لوگ اپنے ساتھیوں، دوستوں اور ملازموں کے قافلوں کے ساتھ آتے اور ہفتوں اور اطمینان سے رہتے تھے۔

مولانا رؤف الحسن حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری سے بیعت ہوئے اور ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی، مولانا محمد الیاس اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے ہمراہ حج کی سعادت حاصل کی۔

---

(۱) حالات مشائخ کاندھلہ

نکاح اور اولاد مولوی رؤف الحسن کے دو نکاح ہوئے، پہلا اپنے چچا مولانا فیض الحسن محمد اکبر کی دختر حفصہ خاتون سے ہوا، ان سے چھ اولادیں حیات رہیں، تین بیٹے: مولانا حکیم نجم الحسن، مولانا احتشام الحسن اور مولوی حکیم قمر الحسن اور تین بیٹیاں:

۱۔ جویریہ خاتون (زوجہ حضرت مولانا محمد الیاس)

۲۔ امۃ الدیان (زوجہ مولانا ظہیر الحسن کاندھلوی)

۳۔ امۃ المتین (زوجہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا)

پہلی زوجہ (حفصہ خاتون) کے انتقال (جمادی الاول ۱۳۲۸ھ مئی ۱۹۱۰ء) کے بعد دوسرا نکاح نیازی بیگم (دختر پیر جی حمید اللہ جھنجھانوی) سے ہوا، ان سے صرف دو فرزند تولد ہوئے:

۱۔ حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب (رحمۃ اللہ علیہ)

۲۔ حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب مدظلہ العالی

علالت اور وفات مولانا رؤف الحسن مظفر نگر کی ملازمت ترک کرنے کے بعد کاندھلہ آگئے تھے، کاندھلہ میں بیمار ہوئے اور شعبان ۱۳۶۴ھ جولائی ۱۹۴۵ء میں علاج کے لئے مظفر نگر لے جائے گئے، مگر وقت موعود آچکا تھا کوئی علاج و تدبیر کام نہ آئی، اور ۳/ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ ۱۲/ اگست ۱۹۴۵ء کو مظفر نگر میں وفات ہوگئی اور وہیں سروٹ گیٹ پر قبرستان مستان شاہ کے غربی گوشہ میں سڑک کے قریب دفن کئے گئے۔ بعد میں مولانا رؤف الحسن کی قبر کے بائیں جانب ایک مسجد بن گئی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) ۱۳۸۴ھ میں جب مولانا محمد شمیم صاحب عثمانی ناظم مدرسہ صولیتہ مکہ معظمہ ہندوستان آئے تھے، میرے والد ماجد نے ان کو اپنے والد صاحب کا یہ واقعہ سنایا تھا جس کو مولانا شمیم صاحب نے یاد رکھا اور بعد میں حضرت شیخ کو لکھ کر حضرت کی آپ بیتی میں اس کا اضافہ کرایا۔ مگر غالباً مولانا شمیم صاحب کو مولانا رؤف الحسن کا نام اور اس خدمت میں مسلسل شرکت یاد نہیں رہی حالانکہ اصل واقعہ انہی کے حالات کے تذکرہ میں سنایا تھا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

مولانا اظہار الحسن صاحب

مولانا اظہار الحسن مولانا رؤف الحسن کے چوتھے فرزند ۷/ذی الحجہ ۷ ۱۳۳ھ ۳/ستمبر ۱۹۱۹ء کو بدھ کے دن مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔

خاندان کے معمول کے مطابق قرآن پاک سے تعلیم کی ابتدا ہوئی اس وقت مظفر نگر میں انصاری روڈ پر کرایہ کے مکان میں ایک چھوٹا سا مدرسہ احیاء العلوم کے نام سے جاری تھا جس میں دیوبند کے حافظ سعادت خاں صاحب نابینا قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے اور دو استاد اردو اور انگریزی پڑھانے کیلئے مقرر تھے اس مدرسہ میں حافظ سعادت صاحب کے سامنے قرآن پاک کی تعلیم کا آغاز ہوا بارہ سال کی عمر میں حفظ قرآن اور دور مکمل کرلیا، رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ (جنوری فروری ۱۹۳۲ء) میں کاندھلہ میں پہلی محراب سنائی جس کے اختتام پر مولانا کے والد ماجد (مولوی رؤف الحسن صاحب) نے حسب عادت لمبی چوڑی دعوت کا اہتمام کیا جس میں اور صاحبان کے علاوہ خاص طور سے حافظ سعادت خاں صاحب کو مدعو کیا گیا، وہ تشریف لائے اور ان کو چاندی کے پچاس روپے پیش کئے گئے۔

اس زمانہ میں انگریزی کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں انگریزی پڑھانے کیلئے مدرسہ احیاء العلوم سے ماسٹر مقصود گھر پر آیا کرتے تھے۔

ابتدائی مدرسہ اور اس کے استاد اس وقت مظفر نگر شہر میں انصاری روڈ پر ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا جو کرایہ کے مکان میں چل رہا تھا جس کا نام مدرسہ احیاء العلوم تھا اس میں قرآن شریف کی تعلیم کا مکتب اور اردو، ہندی، انگریزی کی ابتدائی تعلیم کا انتظام تھا قرآن پاک کے استاد حافظ سعادت خاں صاحب دیوبندی نابینا عمر رسیدہ شخص تھے، فرماتے تھے کہ میں نے ابتدائی تعلیم جلالین تک مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) دیوبند میں

حاصل کی، علامہ انور شاہ کشمیری میرے ہم سبق اور کمرہ کے ساتھی تھے۔ حافظ سعادت خاں صاحب کسی وجہ سے تعلیم مکمل نہیں کر سکے تھے تعلیم کے بعد تمام زندگی قرآن شریف کی خدمت و تدریس میں گذری۔

حافظ سعادت خاں صاحب نہایت مستعد، جفاکش اور سیر سیاحت کے دل دادہ تھے مسلسل بالاولیہ کی سند قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی سے حاصل کی۔ عملیات کے بے حد شوقین تھے، بڑے بڑے عاملین و کاملین کے پاس پہنچے، ان کے مجربات و عملیات حاصل کئے اور نہایت محنت و کوشش سے ان کا تجربہ کیا اور اپنے شاگردوں کو سکھایا، یہ شوق اس حد تک تھا کہ بینائی سے معذوری کے باوجود ایک بڑے عالم اور عامل کے خاص عملیات سیکھنے کے شوق میں مظفرنگر سے کشمیر تک پیدل سفر کیا چار مہینے میں یہ سفر مکمل ہوا اور غالباً دو مہینے ان صاحب کی خدمت میں گذارے زندگی کے آخری دنوں تک قرآن پاک کی تعلیم کا مشغلہ رہا، ۱۳۵۹ھ میں دیوبند میں وفات پائی۔

مدرسہ احیاء العلوم میں ہندی اردو پڑھانے کیلئے بھی دو مدرس مقرر تھے ان میں سے ایک ماسٹر مقصود حسن مظفرنگری تھے جن سے مولانا اظہار الحسن نے انگریزی کا قاعدہ اور پہلی دوسری کلاس کی ریڈریں پڑھیں۔

مدرسہ مرادیہ کے اساتذہ مدرسہ مرادیہ حضرت مولانا محمد قاسم کے چمنستان علم کا ایک بڑا اور متعارف پودا ہے اس کی ابتداء حضرت مولانا کے خاص شاگرد مولانا ملا محمد مراد فاروقی پاک پٹنی (وفات ۱۳۳۲ھ) کے ذریعہ سے ہوئی، مولانا کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ مولانا محمد یوسف فاروقی نے اس کو سنبھالا اور ترقی دی، مولانا اظہار الحسن کے زمانہ طالب علمی میں وہی نگراں تھے اور چند سبق بھی پڑھاتے تھے، جب کبھی مولانا کے داماد مولانا عبدالعزیز کھجاوری (جو شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالی کے برادر نسبتی بھی تھے) مظفرنگر آجاتے تو وہ بھی درس دیتے تھے، لیکن مدرسہ کی اصل رونق اور علمی وقعت مولانا عبدالرؤف کرسوی سے تھی، (جو موضع انواری، ڈاک خانہ

کرسی، ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے) بہت فاضل، محنتی، مستعد اور بالکل نوجوان عالم تھے، وہ نہایت شوق، دلچسپی اور توجہ سے پڑھاتے تھے۔ مولانا اظہار الحسن کی اعلیٰ استعداد و صلاحیت میں مولانا عبد الرؤف صاحب کے تلمذ اور مولانا کی محنت و توجہ کا بہت بڑا حصہ تھا، مولانا عبد الرؤف مدرسہ مرادیہ میں علمی خدمت میں مشغول تھے کہ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ (مارچ ۱۹۳۶ء) میں عید الاضحیٰ کی چھٹیوں میں گھر گئے، وہیں ہیضہ میں مبتلا ہو کر وفات ہو گئی۔

اس وقت مدرسہ مرادیہ میں شرح جامی تک ہی تعلیم تھی، اس لئے مزید تعلیم کے لئے مدرسہ کاشف العلوم جانا طے ہوا، اس انتخاب میں حضرت مولانا محمد الیاس کی رائے اور مشورہ بھی شامل تھا۔

مدرسہ کاشف العلوم، نظام الدین دہلی میں داخلہ

۱۳۵۳ھ میں مظفر نگر سے مدرسہ کاشف العلوم، نظام الدین دہلی کا سفر ہوا، حضرت مولانا محمد الیاس کے حسن توجہ سے مدرسہ کاشف العلوم میں تعلیم کا بہت اچھا انتظام تھا، دوسرے لوگوں کے علاوہ کاندھلہ سے بھی خاندان کے کئی نوجوان تعلیم کے لئے وہاں گئے ہوئے تھے، مولانا اظہار الحسن کے بڑے بھائی مولانا احتشام الحسن پہلے سے نظام الدین میں مقیم تھے، جو حضرت مولانا محمد الیاس کے دست و بازو اور تبلیغ کے روح رواں تھے اور معاش کے لئے کتابوں کی تجارت کرتے تھے۔

مولانا رؤف الحسن نے مولانا اظہار الحسن صاحب کو نظام الدین تعلیم کے لئے بھیجتے وقت ہدایت و نصیحت کی تھی کہ "اپنے کھانے یا کسی ضرورت کا بار مولوی الیاس پر مت ڈالنا ان کی ایسی گنجائش نہیں ہے" اس لئے مولانا اظہار الحسن کا کھانا مولانا احتشام الحسن کے ساتھ ہوتا تھا، ایک عورت دو روپے ماہوار پر مولانا احتشام الحسن کا کھانا پکاتی تھی اس میں مولانا اظہار بھی شریک ہو گئے تھے۔ مولانا اظہار الحسن اور بعد میں ان دونوں کے چھوٹے بھائی (اور راقم سطور کے والد ماجد) حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کے کھانے، ناشتہ اور

ضروری مصارف کیلئے مولانا رؤف الحسن چار روپے ماہوار نظام الدین بھیجتے تھے، جس میں دونوں کے تمام ضروری خرچ آسانی سے پورے ہو جاتے تھے۔

مدرسہ کاشف العلوم میں مختصر المعانی وغیرہ سے اسباق شروع ہوئے، اس وقت مولانا محمد الیاس بھی پڑھاتے تھے، حضرت مولانا کے علاوہ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی، مولانا منیر الدین میواتی، مولانا بہاری (یہ بزرگ سال کے بارہ مہینے چادر اوڑھے رہتے اور عموماً بالکل خاموش رہتے تھے، مگر بہت ذی استعداد فاضل استاد تھے، خصوصاً فقہ ادب اور معقولات میں ان کو دسترس تھی، مولانا محمد الیاس بھی ان کا بہت احترام کرتے تھے، افسوس کہ ان کا نام کسی کو یاد نہیں) اور حافظ مقبول حسن گنگوہی درس دیتے تھے۔ ان علماء کی مجالس درس میں مختلف کتابیں پڑھیں، حضرت مولانا محمد الیاس نیز اور استادوں سے کیا کیا کتابیں کس سال میں پڑھیں اس کا علم نہیں، لیکن مولانا احتشام الحسن صاحب سے درج ذیل کتابیں پڑھیں: مقامات، متنبی، دیوان حماسہ اور جلالین کا کچھ حصہ۔

مولانا محمد الیاس کی توجہ اور شفقت و کرم

مولانا محمد الیاس مولانا کی تربیت تعلیم کی اہتمام سے نگرانی فرماتے تھے، مولانا اظہار الحسن کے علمی شوق، محنت اور عمدہ استعداد کی وجہ سے توجہ اور بڑھ گئی تھی۔ حضرت مولانا نے مولانا اظہار الحسن کے نظام الدین آنے کے کچھ دنوں کے بعد بنگلہ والی مسجد کی امامت مولانا اظہار الحسن کے سپرد فرمادی تھی، مولانا اظہار الحسن نے کئی بار فرمایا کہ اس زمانہ میں تقریباً تین سال تک نماز اکثر میں ہی پڑھایا کرتا تھا، نیز مولانا اظہار الحسن صاحب کبھی کبھی حضرت مولانا محمد الیاس کی ڈاک بھی لکھتے تھے۔ (۱) مولانا محمد الیاس کا مولانا اظہار الحسن اور حکیم عین الحسن صاحب سے جو شفقت و کرم اور عنایت کا معاملہ تھا اس کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ

(۱) مثلاً حاجی محمد نسیم بٹن والے دہلی والوں کے نام حضرت مولانا محمد الیاس کا ایک خط جو آخری سفر حج ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ (فروری ۱۹۳۸ء) سے غالباً ایک ڈیڑھ مہینے پہلے کا لکھا ہوا ہے، مولانا اظہار الحسن نے تحریر کیا تھا یہ خط اکابر کے خطوط مرتبہ مولانا محمد شاہد صاحب (سہارنپور ۱۳۹۵ھ) ص ۸۵، ۸۶ پر درج ہے۔

وہ اپنی مصروفیات خصوصاً تبلیغی کام میں استغراق اور خود فراموشی کی حد تک مشغول رہنے کے باوجود ان کو یاد فرماتے رہتے تھے، مدینہ پاک سے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے نام خط میں تحریر ہے:

"اظہار و عین (الحسن) کو سلام فرمادیں" (۱)

قیام گاہ نظام الدین کے زمانہ تعلیم میں عموماً اس کمرہ میں قیام رہا جو قدیم بنگلہ والی مسجد کے جنوب مغربی گوشہ میں نیا نیا بنا تھا، اس میں کاندھلہ کے عزیزوں اور تقریباً ہم عمر احباب میں مولانا انعام الحسن، مولانا انعام الحسن کے ماموں اور دوست حکیم عبد الرشید ذوقی، مولوی حکیم عین الحسن وغیرہ بھی اس کمرہ میں مقیم، دن رات تعلیمی اور علمی مصروفیات میں مشغول رہتے تھے۔ کھانے کا سب کا اپنا اپنا علیحدہ انتظام تھا، مگر اہم اور قابل ذکر بات یہ تھی کہ جو طلبہ مدرسہ کا کھانا نہیں کھاتے تھے وہ بھی اور طلبہ کی طرح مدرسہ کی جانب سے مقررہ ڈیوٹی اور ذمہ داری میں برابر کے شریک رہتے تھے۔ مثلاً طلباء کو اپنی اور بنگلہ والی مسجد کے تبلیغی مہمانوں کی روٹی خود پکانی ہوتی تھی، کبھی کبھی اس کے لئے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا، نیز مہمانوں کو کھانا کھلانا، مدرسہ کے حوض کا بھرنا اور صفائی وغیرہ خدمات انجام دینی ضروری تھیں، جس میں حضرت مولانا محمد الیاس کے یہ عزیز اور اہل خاندان بھی اسی طرح شامل تھے جس طرح اور طلباء، کسی کی خصوصیت اور رعایت نہیں تھی۔

مدرسہ میں ایک بہت بڑا توا تھا جس پر دس بارہ روٹیاں ایک ساتھ لگ جاتی تھیں، تنور اس وقت نہیں لگا تھا، روٹی دونوں وقت طلبہ پکاتے تھے اور ان کی ایک ایک ہفتہ کی باری

(۱) مولانا شاہد صاحب نے "اکابر کے خطوط" میں مولانا محمد الیاس صاحب کا یہ گرامی نامہ نقل کیا ہے ص نمبر ۵۶ اور اس کی تاریخ کتابت ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ لکھی ہے، جو صحیح نہیں۔ یہ خط حضرت مولانا محمد الیاس نے اپنے آخری سفر حج میں واپسی کے چند دن پہلے مکہ مکرمہ سے لکھا ہے، جیسا کہ اس کی ابتدائی سطور سے اندازہ ہوتا ہے اور اس خط میں ایک دن پہلے جس جہاز کی روانگی کا حکم ہے وہ جہانگیر جہاز ہے جو یکم ربیع الاول ۱۳۵۶ھ کو جدہ سے روانہ ہوا تھا، لہذا اس خط کی صحیح تاریخ تحریر ۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ہے، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ بہر صورت غلط ہے۔

لگتی تھی، یہ توا اور طلبہ کے اس طرح روٹی پکانے کا معمول مولانا محمد یوسف کے آخری دور (۱۳۸۵) تک جاری تھا، بعد میں بھی برسوں وہ توا وہیں رکھا رہا مگر اب شاید نہیں ہے۔

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ کا مشورہ

ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ (فروری ۱۹۳۸) میں مولانا محمد الیاس نے اچانک حج کا ارادہ کر لیا تھا اور چوں کہ تبلیغی کام کے عربوں میں تعارف اور اس کو دور دراز علاقوں تک پہنچانے کے لئے حرمین شریفین میں طویل قیام کا خیال تھا، اس لئے مولانا محمد الیاس کی رائے ہوئی کہ مولانا اظہار الحسن اور خاندان کے وہ نوجوان عزیز جو مدرسہ کاشف العلوم میں پڑھ رہے تھے اپنا داخلہ مظاہر علوم میں یا کسی اور مدرسہ میں کرالیں، تاکہ مولانا محمد الیاس ان کی طرف سے مطمئن اور بے فکر رہیں اور ان کی تعلیم و تربیت کے نظام میں بھی بے ترتیبی اور خلل واقع نہ ہو۔ اس ہدایت و مشورہ کی وجہ سے مولانا اظہار الحسن اور حکیم مولوی عین الحسن کا مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ ہوا، حکیم عبدالرشید، طبیہ کالج (قرول باغ) دہلی میں پہنچ گئے۔

مظاہر علوم میں بغیر پڑھے موقوف علیہ کا امتحان اور اس میں اعلیٰ کامیابی

مولانا اظہار الحسن صاحب جو مدرسہ کاشف العلوم سے مختصر المعانی، ہدایہ آخرین، مقامات حریری، حماسہ، دیوان متنبی اور تفسیر جلالین وغیرہ کا کچھ حصہ پڑھ کر آئے تھے، ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ (جنوری ۱۹۳۸) کے دوسرے ہفتہ میں مدرسہ مظاہر علوم میں داخلہ لینے کیلئے سہارنپور پہنچ گئے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کو سفر کا مقصد معلوم ہوا تو فرمایا کہ مدرسہ میں مولانا منظور احمد خان اور مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری سخت امتحان لیتے ہیں اور اکثر طلباء کی ایک سال کی کتابیں لوٹا دیتے ہیں لہذا تم ان کتابوں کا (ہدایہ مختصر معانی وغیرہ) کا امتحان نہ دو جو پڑھ کر آئے ہو بلکہ ان کتابوں کا امتحان دو جو پڑھنا چاہتے ہو (یعنی مشکوۃ المصابیح جلالین اور در مختار وغیرہ کا) کہ اگر مولانا منظور خاں صاحب کے یہاں امتحان جائے اور وہ کتابیں لوٹا دیں تو وہی کتابیں مل جائیں جو پڑھنا چاہتے ہو، اگر ان کتابوں کا امتحان نہ

دیا اور انہی کتابوں کا دیا جو پڑھ کر آئے ہو تو ایک دو سال کی کتابیں دوبارہ پڑھنی ہوں گی۔ مولانا اظہار الحسن صاحب نے حضرت شیخ کے اس مشورہ کو دل وجان سے قبول کیا اور دو تین دن تک بہت توجہ اور انہماک سے مشکوۃ، جلالین وغیرہ اور متعلقہ تمام کتابوں کو اجمالی نظر سے دیکھ لیا اور ۱۳/ ذی قعدہ (۱۶/ جنوری ۱۹۳۸ء) کو مدرسہ مظاہر علوم میں داخلہ کے لئے حاضر ہو گئے۔

داخلہ کا امتحان مولانا منظور احمد خاں صاحب کے پاس ہی گیا جو بلا دورعایت نہایت سخت امتحان لینے کے لئے مشہور تھے، مولانا اظہار الحسن صاحب نے کچھ تیاری کرلی تھی اس لئے بلا تأمل مولانا منظور خاں کی خدمت میں امتحان کے لئے پہنچے اور ان کتابوں کا امتحان دیا جن کو انہوں نے پڑھا ہی نہیں تھا، مولانا منظور احمد نے اپنے معمول کے مطابق بلکہ کچھ اور احتیاط کے ساتھ امتحان لیا، مولانا اظہار الحسن صاحب نے پورے اعتماد کے ساتھ سوالات کے جوابات دئے بلکہ ایک سوال کے جواب پر مولانا سے مباحثہ اور ردو قدح بھی ہوئی، مولانا اظہار الحسن نے ممتحن صاحب کے ایک قول یا رائے سے اختلاف کیا اور اس کے دلائل پیش کئے، مولانا منظور احمد خاں صاحب نے بھی ہر پہلو سے خاصے سوالات کئے، مولانا اظہار الحسن تمام کتابوں کے امتحان مین پوری طرح کامیاب وسرفراز رہے، مولانا منظور احمد خاں صاحب نے لکھا کہ اظہار الحسن کو دورہ حدیث میں بلا تکلف داخلہ دے دیا جائے، ہر طرح کامیاب ہیں۔ مولانا اظہار الحسن صاحب نے مولانا کی وہ رائے دیکھی اور حضرت شیخ سے جاکر عرض کر دیا کہ مولانا نے دورۂ حدیث تجویز کر دیا میں نے ابھی مشکوۃ شریف بھی نہیں پڑھی اور جلالین بھی مکمل نہیں ہوئی میں اپنی کتابوں کو مکمل کرنا چاہتا ہوں، بعد میں دورۂ حدیث پڑھوں گا۔ اس پر حضرت شیخ نے اہل مدرسہ سے رجوع کیا، اس وقت تمام مدرسین اور منتظمین کو صحیح صورت حال اور مولانا اظہار الحسن کی اعلیٰ علمی استعداد کا علم ہوا اور شیخ کے مشورہ کے مطابق دورۂ حدیث قلم زد کر کے موقوف علیہ (مشکوۃ وغیرہ) کی جماعت میں نام درج ہوا۔

داخلہ کے بعد حضرت شیخ سے ایک دلچسپ مذاکرہ اور قیام وطعام کا انتظام

امتحان اور کتابوں کی تبدیلی کی منزل سے کامیابی سے گذرنے کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا، کھانے کا کیا ہو گا؟ مولانا اظہار الحسن نے جواب دیا مدرسہ سے مقرر کرالوں گا، فرمایا نہیں! کہا، آپ کے یہاں کھاؤں گا، بے تکلفی سے فرمایا، میں کیوں کھلاؤں؟ اس پر مولانا نے عرض کیا ہوٹل یا بازار سے قیمتاً مقرر کرلوں گا، فرمایا: ہاں، یہ صحیح ہے۔

اس کے بعد قیام کا ذکر کیا، فرمایا کہاں رہو گے، مدرسہ میں، فرمایا: نہیں۔ عرض کیا آپ کے گھر پر، فرمایا: میرے گھر میں ایسی گنجائش کہاں، پھر عرض کیا، کمرہ کرائے پر لے کر رہوں گا۔ فرمایا: یہ ٹھیک ہے۔ بعد ازاں کتابوں کے انتظام کا تذکرہ آیا، فرمایا کتابوں کا کیا ہو گا؟ عرض کیا سب طلبہ کی طرح مدرسہ سے لے لوں گا، فرمایا: نہیں عرض کیا، خرید لوں گا، فرمایا یہی صحیح ہے، علم اسی طرح آتا ہے۔ چنانچہ مولانا اظہار الحسن اور ان کے کاندھلوی رفقاء نے حضرت شیخ کے مکان (جو کچے گھر سے موسوم ہے) سے چند گز کے فاصلے پر ایک صاف ستھرا کمرہ کرائے پر لے لیا، اپنے کھانے ناشتہ وغیرہ کا اپنے طور پر اہتمام کیا اور اپنی کسی ضرورت کے لئے اہل مدرسہ سے رجوع نہیں ہوئے۔

علمی انہماک اسباق کی تقسیم ہوئی اور مولانا اظہار الحسن حسب معمول یکسوئی اور محنت کے ساتھ مطالعہ اور تعلیم میں مصروف ہو گئے، اسباق میں شرکت کا بہت اہتمام کرتے، ہمیشہ سبق شروع ہونے سے پہلے درسگاہ میں حاضر ہو جاتے تھے، بہت کم کبھی کبھی ایسا ہوا ہو گا کہ مولانا نے استاد کے تشریف لانے کے بعد درسگاہ میں قدم رکھا ہو، سب سے پہلے پہنچتے اور پہلی صف میں بیٹھ کر قرأت کرتے، اکثر کتابوں میں قرأت وہی کرتے تھے۔ اسباق میں شرکت کے اہتمام کے علاوہ زیادہ وقت مطالعہ، حواشی اور شروحات کے دیکھنے میں مشغول رہتے، رات میں عموماً ایک بجے تک مطالعہ کا دستور تھا اور دن میں بھی اسی میں منہمک رہتے تھے۔ ان اوقات میں بھی جن میں طلبہ اور مدرسین بھی ٹہلنے کے لئے

نکل جاتے تھے، خصوصاً عصر کے بعد، مگر مولانا اظہار الحسن صاحب اس وقت بھی کتاب میں آنکھیں گڑوئے مطالعہ میں مگن رہتے تھے۔ مولانا اظہار الحسن کے ایک ہم سبق اور دوست، مولانا حکیم محمد شفیع اللہ صاحب الہ آبادی نے ایک خط میں لکھا ہے کہ:

"مولانا کا زمانہ طالب علمی انتہائی قابل رشک ہے، نظام الاوقات کے انتہائی پابند، ہمہ وقت حوائج طبعیہ کے علاوہ بس کتب بینی ہی مشغلہ تھا، مستقل طور پر ایک بجے شب تک مطالعہ کتب کا معمول تھا۔ ہم لوگ بعد عصر مغرب تک میدان کی طرف تفریحاً نکل جاتے تھے، وہ بندۂ خدا بعد عصر بھی قیام گاہ کے چھجہ پر بیٹھ کر کتب بینی کرتے رہتے تھے۔ حاضری اسباق کا اس قدر اہتمام تھا کہ وقت سے چند منٹ پہلے درسگاہ پہنچ جاتے تھے اور اکثر قرأت بھی خود کرتے تھے" (۱)

چند شرارتیں مولانا اظہار الحسن صاحب حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری کے خاص خدام اور مستفیدین میں تھے، مطالعہ کے علاوہ زیادہ تر اوقات حضرت مولانا کی صحبت و خدمت میں گزارتے اور استفادہ میں مشغول رہتے، حضرت مولانا بھی مولانا پر عنایت کی نظر رکھتے تھے اور ان کی تعلیم و تربیت پر گہری توجہ فرماتے تھے، مگر ذہانت و طباعی اور شرارت لازم و ملزوم ہیں، مولانا تعلیمی مصروفیات کے ساتھ طالب علمانہ شرارتوں اور کار وائیوں میں بھی آگے آگے رہتے تھے مظاہر علوم کے استادوں میں اس وقت ممتاز ترین فاضل اور محدث حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری تھے مگر مولانا کبھی کبھی ان کو بھی چھیڑتے تھے اور سبق سے پہلے ساتھیوں سے طے کر لیتے تھے کہ آج مولانا سے سوال و جواب کرنے ہیں، سبق شروع ہوتے ہی خود مولانا اظہار الحسن اور ساتھیوں کی طرف سے طرح طرح کے اعتراضات اور سوالات شروع ہو جاتے، کبھی تو حضرت مولانا کامل پوری اس شرارت سے لطف اندوز ہوتے اور ارے مولوی صاحب! کہہ کر ہنس کر چپ ہو جاتے

(۱) مکتوب بنام راقم سطور، محررہ

اور جب جوابات کا ارادہ فرماتے تو گویا دریا کا بند کھل جاتا اور علم کا ایک بحر بیکراں موجیں لینے لگتا، ایک ایک سوال کے بیس بیس جوابات اور ہر جواب کیلئے دلائل و آثار کے ڈھیر لگا دیتے۔ مولانا اظہار الحسن کے رفیق درس مولانا حکیم شفیع اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

"حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری صدر مدرس و خلیفہ ارشد حضرت تھانوی ترمذی شریف پڑھایا کرتے تھے اور طبعاً بہت خاموش رہتے تھے۔

برادر محترم (مولانا اظہار الحسن) کبھی کبھی باہمی مشورہ سے چند ساتھیوں کو اس پر آمادہ کرتے تھے کہ آج مولانا کو چھیڑا جاوے، اس لئے استفہامی سوال یکے بعد دیگرے شروع ہوتے تو مولانا سنبھل کر بیٹھ جاتے اور بولنا شروع کرتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حقائق ودقائق وبصائر کا دریا امنڈ پڑا۔"

اگرچہ حضرت شیخ کو مولانا کی صلاحیت کا خوب علم تھا اور تعلیمی محنت اور انہماک کا حال بھی معلوم تھا مگر حضرت کا مزاج یہ تھا کہ وہ اپنے بچوں اور خاص طلباء کی نگرانی بہت سختی اور اہتمام سے فرماتے تھے، اس لئے مولانا اظہار پر بھی کڑی نظر رکھتے تھے۔ مولانا کا کمرہ حضرت شیخ کے مکان سے چند گز کے فاصلہ پر سڑک کے دوسرے کنارے پر ایسی جگہ تھا کہ حضرت شیخ اپنے کمرے پر سے وہاں کا ہر وقت جائزہ لیتے رہتے تھے، شیخ کو خصوصاً اس کا بہت اہتمام تھا کہ ذی استعداد طلباء رات میں گھومنے پھرنے کے لئے یا مشاعروں میں نہ جائیں، مولانا اظہار صاحب کو مشاعروں میں جانے کا بہت شوق تھا اور رات میں کبھی کبھی ٹہلنے بھی جاتے تھے، حضرت شیخ کو اس کا علم ہو جاتا یا دیکھ لیتے تو ناراض ہوتے، اس لئے مولانا اور ان کے ساتھیوں نے یہ تدبیر کر رکھی تھی کہ ایک دو چھوٹے بڑے تکیے اس طرح کے بنا رکھے تھے کہ ان کو رکھ کر سامنے تپائی پر لیمپ اور ان تکیوں کے سامنے کوئی کتاب رکھ دیتے تو دور سے دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ بیٹھے ہوئے پڑھ رہے ہیں، کبھی گاؤ تکیوں کو بستر پر لمبا ڈال کر چادر اڑھا دیتے، برابر میں لیمپ جلتا رہتا تھا، اس میں بھی یہی تاثر ہوتا کہ لیٹے ہوئے کتاب دیکھ رہے ہیں۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت شیخ نے کئی مرتبہ

اسی طرح محسوس کیا تو بہت خوش ہوئے کہ بچے بہت محنت سے جی لگا کر پڑھ رہے ہیں ایک دو مرتبہ اس پر داد بھی دی۔ اس طرح کی شرارتیں بھی جاری رہتیں اور تعلیمی مشاغل بھی، چونکہ تعلیم میں بہت تیز اور اپنی جماعت میں فائق تھے اس لئے دوسرے مدرسین اس طرح کی شرارتوں اور تفریحات پر زیادہ روک ٹوک نہیں کرتے تھے۔

تعلیم کی کیفیت اور امتحانات کے عمدہ نتائج

مظاہر علوم میں داخلہ کے بعد جب مدرسہ میں پہلا سہ ماہی امتحان ہوا، اس میں مولانا اظہار الحسن کے جوابات کے پرچے بہت عمدہ تھے، جس سے سب کو خوشی ہوئی، مگر جب ششماہی امتحان پر جوابات کی نوعیت اور عمدہ زیادہ واضح اور مدلل ہوئی تو بعض استادوں کو شبہ ہوا کہ یہ جوابات یاد داشت وذہانت سے نہیں، بلکہ نقل کیوجہ سے ہیں، اس شبہ کیوجہ سے سالانہ امتحان میں استادوں کو جو امتحان کی نگرانی کرتے تھے خاص طور سے متوجہ اور متنبہ کیا گیا کہ مولانا کی سختی سے نگرانی کریں، ان کو نقل کا موقع نہ ملے مگر اللہ تعالیٰ نے ایسی مدد فرمائی کہ سالانہ جوابات کے پرچے پہلے امتحانات سے بھی عمدہ ہوئے، اس پر اور شبہ ہوا اور دورۂ حدیث شریف کے امتحانات کے موقعہ پر اہل مدرسہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک ممتاز استاد خاص طور پر مولانا اظہار الحسن کی نگرانی پر مامور ہوں اور وہ ان کی لحہ لحہ کی نگرانی کریں۔ حضرت شیخ نے جو اس رائے کے اصل محرک تھے خود نگرانی کا فیصلہ فرمایا اور امتحان میں مولانا اظہار کے سامنے جم کر بیٹھ گئے، مولانا نے حسب سابق، اسی انداز سے بلکہ بلکہ اس سے بھی کچھ بہتر جوابات لکھے۔

صحیح مسلم کے ایک امتحان کے جوابات ایسے عمدہ کتابوں کے صفحات مفصل حوالوں سے لکھے تھے کہ استادوں کو بھی تعجب ہوا اور صحیح مسلم کے جواب کے پرچہ پر ممتحن صاحب (مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری) نے لکھا کہ ایسے جوابات اچھا مشتاق مدرس بھی کم ہی لکھ سکتا ہے اور جوابات کے پرچے لیکر مولانا منظور احمد خانصاحب کے پاس آئے (جو صحیح مسلم پڑھاتے تھے) مولانا منظور احمد خاں نے وہ پرچے حضرت شیخ کو دکھائے۔

بڑے مدرسوں میں معمول تھا کہ درجہ اول کے طلبہ کے امتحانات کے خاص اور غیر معمولی جوابات مدرسہ کے دفتر میں محفوظ رکھے جاتے تھے، اس معمول کے مطابق مولانا اظہار الحسن کے جوابات بھی مظاہر علوم کے محافظ خانہ میں جمع کرائے گئے تھے۔

دورۂ حدیث میں خصوصی امتیاز مولانا نے شعبان ۱۳۵۹ھ میں دورۂ حدیث کا امتحان دیا اور جماعت میں اول آئے، امتحان کے نتائج حسب ذیل ہیں:

بخاری شریف	۲۰ ½	ترمذی شریف	۲۱
نسائی شریف	۲۰	ابوداؤد شریف	۲۰
مسلم شریف	۲۰	طحاوی شریف	۱۵ ½
شمائل ترمذی	۲۰ ½	مؤطا امام محمد	۲۱
مؤطا امام مالک	۱۸	ابن ماجہ شریف	۱۹ (۱)

سالانہ امتحان میں اول (۲) آنے پر مدرسہ کے معمول کے مطابق خصوصی انعام ملا، جس میں کتابوں کے علاوہ دس روپیہ نقد دیئے جاتے تھے، اس وقت دس روپیہ کی بڑی حیثیت تھی، مدرسہ کے بلکہ بعض سرکاری ملازمین کی ماہانہ تنخواہ بھی اس سے کم ہوتی تھی۔ ایک مختصر تقریب میں مدرسہ کی جانب سے مولانا اظہار الحسن کو اس انعام سے نوازا گیا اور مدرسہ کے معمول کے مطابق چند کتابیں بھی انعام میں ملیں مدرسہ کی سالانہ روداد (۱۳۵۸ھ) میں اس انعام کی یہ تفصیل تحریر ہے:

"جمع الفوائد کامل، دُرِّ مکنون، تذکرۃ الخلیل، یادگارِ غالب، شرح دیوانِ غالب، حفظ الایمان، ترجمان القرآن، تشکیل سندات البخاری، تنویر البصائر۔ نقد دس روپیہ انعام، نمبر اول دورۂ حدیث شریف" (۳)

(۱) روداد مظاہر علوم سہارنپور (۲) مولانا کے بعد جماعت میں امتیازی نمبر مولانا حکیم شفیع اللہ آبادی کے تھے (موصوف کے ایک خط کے اقتباسات اوپر گزر گئے ہیں) وہ دورۂ حدیث میں دوسرے نمبر پر آئے، اس کے بعد طب پڑھی، جس میں پوری یو پی میں ممتاز رہے۔ جید فاضل اور نامور طبیب ہیں اور طویل سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنے وطن میں مقیم ہیں۔ (۳) روداد بحوالہ مذکور

امتحان کے بعد حضرت مدنی کی سہارنپور تشریف آوری اور دعوت کا مطالبہ

مدرسہ کی طرف سے انعام ملنے کے دوسرے یا تیسرے دن حضرت (مولانا سید حسین احمد) مدنی حضرت شیخ کے یہاں تشریف لائے، حضرت شیخ نے مولانا اظہار الحسن کی امتحان میں کامیابی، امتیاز اور خصوصی انعام ملنے کا حضرت سے تذکرہ کیا، مولانا اظہار صاحب بھی معمول کے مطابق حضرت مدنی کی تشریف آوری کی خبر ملتے ہی حضرت کی زیارت اور ملاقات کیلئے شیخ کے یہاں پہنچے۔ حضرت مدنی مولانا اظہار الحسن صاحب پر نہایت شفیق و مہربان تھے اور (حضرت شیخ سے مولانا کی نہایت قربت اور رشتہ داری کی وجہ سے مولانا اظہار الحسن سے بھی) بے تکلفی کا معاملہ تھا، حضرت نے فوراً اپنی خاص بھاری آواز میں فرمایا "سنا ہے آپ سالانہ امتحان میں کامیاب ہوئے ہیں" عرض کیا جی! فرمایا: کیا انعام ملا ہے؟ عرض کیا "دس روپیہ نقد" فرمایا: "ان روپوں کا آپ نے کیا کیا" ؟ گزارش کی "بکس میں رکھے ہیں!" فرمایا: "کیا وہ روپے صندوق میں رکھنے کیلئے ہوتے ہیں؟ وہ تو اسلئے دیئے جاتے ہیں کہ دوستوں کو مٹھائی کھلائی جائے، دعوت کی جائے، جایئے وہ روپے لیکر آیئے" مولانا وہ روپے لیکر حاضر ہو گئے، تب حضرت مدنی نے ایک لحہ کے بعد فرمایا: "آپ نے ہماری دعوت کیوں نہیں کی؟" حضرت شیخ نے اشارہ کیا اور مولانا نے جلدی سے عرض کیا آج شام کو کھانے کی دعوت ہے فرمایا: "شام کا کھانا ہمارا فلاں جگہ ہے" حضرت شیخ نے مزید یہ فرمایا کہ شام کو حضرت کو جلسہ میں شرکت کرنی ہے وہاں سے معلوم نہیں کس وقت واپسی ہو گی، اسلئے شام کی دعوت مناسب نہیں، دوبارہ گزارش کی کل صبح ناشتہ کی دعوت ہے، فرمایا "بہت اچھا، بہت اچھا" مگر میں تنہا نہیں ہوں گا، اور (حضرت شیخ کی طرف دیکھ کر بے تکلفی سے فرمایا) ناشتہ ایسا نہ ہو جیسا کہ ان (حضرت شیخ) کے یہاں ہوتا ہے، شاندار ہونا چاہیئے، اور آم بھی ہونے چاہئیں، عرض کیا بہتر ہے، اس گفتگو کے بعد صبح کا ناشتہ طے ہو گیا۔

مولانا اظہار صاحب اپنے دوستوں کے ساتھ بازار گئے، عمدہ قسم کے آم کے تین ٹوکرے، ڈیڑھ سو کچوریاں (ایک ٹوکرا بھرا ہوا) ایک بڑے برتن میں کچوریوں کی سبزی، کئی طرح کی عمدہ مٹھائی اور جو مناسب سامان ملا، سب لیکر آئے، صبح کو کچے گھر (حضرت شیخ کے مکان کو کچا گھر کہا جاتا ہے) میں حضرت شیخ کے دستر خوان پر حضرت مدنی کی دعوت ہوئی۔ حضرت بائیس تئیس احباب کے ساتھ تشریف لائے، نہایت مسرت اور بے تکلفی سے ساتھ ناشتہ میں شرکت فرمائی۔ دعوت کے بعد رخصت کیوقت حضرت مدنی نے مولانا کو بیس روپے انعام عطا فرمائے مولانا اظہار الحسن صاحب نے فرمایا کہ اس پر تکلف وسیع دعوت پر صرف ساڑھے چار روپے خرچ ہوئے تھے۔ دس دس آنے کے آموں کے ٹوکرے آئے تھے، ایک پیسے کی چار بڑی کچوریاں آتی تھیں، سبزی مفت ملتی تھی اور بہت عمدہ قسم کی مٹھائی چھے آنے سیر تھی۔

مشق افتاء اور اعلیٰ کتابوں میں شرکت

دورۂ حدیث مکمل کرنے کے بعد مولانا نے مظاہر علوم میں ایک سال اور گزارا افتاء کی مشق کی اور فنون کی کتابیں پڑھیں اور یہ تمام حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری کی صحبت و خدمت میں گزرا، حضرت کامل پوری اسباق پڑھاتے تھے، وہی مشق افتاء کراتے، میرے والد ماجد فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا کا معمول یہ تھا کہ فتاوی اور سوالات جدا لکھنے کیلئے طلبہ کے سپرد فرماتے اور ان کو بتادیا کہ بحر الرائق کا فلاں باب، شامی کا فلاں صفحہ اور فلاں فلاں کتاب دیکھو اور فرماتے میں ذرا سو جاؤں تم کام کرلو، تھوڑی دیر آرام فرماتے اور جوابات ملاحظہ کرتے، مولانا کو تمام کتابیں از بر اور ایک ایک حوالہ محفوظ یاد تھا فرماتے، یہ تم نے کیا نقل کردیا کتاب میں تو یوں ہے فتوے میں تصحیح کم فرماتے تھے، ترتیب اور مشق کیلئے پورا فتویٰ دوبارہ لکھواتے تھے۔

تعلیم کے بعد

مولانا اظہار الحسن کی اعلیٰ استعداد اور علمی ذوق کیوجہ سے حضرت شیخ اور مولانا کے استادوں کی رائے یہ تھی کہ مولانا مدرسہ مظاہر علوم میں تعلیم و تدریس کی خدمت

دیں اور اپنی علمی صلاحیتوں سے فائدہ پہنچائیں مگر مولانا کا ارادہ مولوی، فاضل وغیرہ کے امتحانات کے امتحان دینے کا تھا اور غالباً کچھ گھریلو ضرورتیں اور مصروفیات بھی رکاوٹ بنیں اور مولانا اظہار الحسن کو دلی خواہش کے باوجود اس خدمت کے انجام دینے کا موقع نہیں ملا۔

مولوی فاضل وغیرہ کے امتحانات

مظاہر علوم میں تعلیم کے آخری سال میں مولانا اظہار الحسن صاحب نے مولوی فاضل کے امتحانات کی تیاری شروع کردی تھی۔ مظاہر سے فراغت کے بعد یہ امتحانات دیئے اور اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوئے۔ اور قرآن پاک کی تعلیم کے زمانہ میں انگریزی کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھی تھیں اس تعلیم میں بھی کچھ اضافہ ہوتا رہا، مظاہر علوم سے فارغ ہونے کے بعد انگریزی تعلیم کو باقاعدہ آگے بڑھانے کا ارادہ کیا اور تھوڑی سی تیاری کے بعد پہلے ہائی اسکول کا، پھر انٹر کا امتحان دیا اور ان میں بھی کامیاب ہوئے۔

مولانا کا ارادہ تھا کہ ایم۔اے کریں گے مگر جب دسویں کے کامیاب امتحان کے بعد الف اے کے فارم پُر کئے اور امتحان میں بیٹھنے کیلئے حضرت شیخ سے اجازت طلب کی، مگر حضرت شیخ نے اس امتحان میں بیٹھنے سے صاف منع کیا اور اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اس لئے مولانا اظہار الحسن نے انگریزی پڑھنے کا منصوبہ بالکل ہی ختم کردیا، حضرت شیخ کے اس ہدایت کے بعد نہ امتحان میں بیٹھے، نہ ہی انگریزی تعلیم پر اور توجہ کی۔

وطن کی مصروفیات

تعلیم کے بعد اگرچہ مولانا کی خواہش تعلیمی خدمت میں مشغول ہونے کی تھی مگر ایک کے بعد ایک ایسے حالات بنتے گئے کہ مولانا اپنے اس خیال کو عمل میں لانے سے قاصر رہے، کسی دینی تعلیمی ادارہ سے وابستہ ہوکر باقاعدہ درس وافادہ کا مستقل سلسلہ قائم نہیں ہوا، ہوا تو وہ وقتی اور عارضی قسم کا تھا۔ تاہم مولانا نے اپنے طور پر طلباء کو مختلف کتابوں کے سبق پڑھانے شروع کئے۔ مختلف اوقات میں طلباء آتے تھے اور مولانا انھیں اپنی ترتیب کے مطابق سبق پڑھاتے تھے، مظفر نگر، کاندھلہ دونوں میں چند برسوں تک یہ سلسلہ اور متفرق سبق جاری رہے کاندھلہ اور

اطراف کاندھلہ کے طلباء نے مولانا سے استفادہ کو غنیمت اور نعمت سمجھا خصوصاً ان طلبہ نے جو جامع مسجد کاندھلہ کے مدرسہ میں پڑھتے تھے، انھوں نے مولانا سے باقاعدہ تعلیم شروع کی، جس میں چند طلبہ ایسے بھی تھے جنھوں نے صرف اسی وجہ سے کاندھلہ میں قیام کیا تھا کہ مولانا سے استفادہ کریں۔ مولانا ایسے طلباء کا خاص خیال رکھتے تھے اور تعلیم کے لئے ان کی درخواست کو رد نہیں کرتے تھے اور طلبہ کی ضرورت و استعداد کے مطابق ابتدائی کتابوں سے اعلیٰ ترین کتابوں تک سب ہی کتابوں کے سبق پڑھاتے تھے۔

درس و تعلیم کی جزوی اور وقتی مصروفیات کے علاوہ اپنی اور اہلِ خاندان کی خیر و خبر ان کی جائیدادوں اور قانونی معاملات کی دیکھ بھال میں وقت گزرتا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد خصوصاً خاتمہ زمینداری کے بعد اس طرح کی مصروفیات میں بہت اضافہ ہو گیا تھا، کیوں کہ اہل خانہ کی تقریباً جائیدادوں اور ان سے متعلق معاملات و تنازعات کی نگرانی اور پیروکاری جس شخص کے سپرد تھی وہ اچانک بلا اطلاع پاکستان چلے گئے تھے، اس خاندان میں قدیم زمانہ سے یہ دستور تھا کہ خاندان کی سب جائیدادوں کی دستاویزیں، نقشے اور تحریرات اور سندیں فائلوں میں مرتب و محفوظ ایک چھوٹے سے علیحدہ کمرہ میں دفتری ترتیب سے رکھی رہتی تھیں اور اس کی نگرانی اور سب معاملات کی دیکھ بھال اور عدالتی کاغذی کارروائی کے کے لئے ایک یا دو شخص مستقل ملازم رہتے تھے اور یہ پورا دفتر اور محافظ خانہ انکی نگرانی اور تحویل میں رہتا تھا ۱۹۴۷ء میں بھی ایک صاحب (جو کاندھلہ ہی کے رہنے والے تھے) اس دفتر کے نگراں اور تمام اہل خاندان کے مشترکہ کارکن تھے، اچانک بلا اطلاع کے پاکستان چلے گئے۔ ان کے اس طرح پاکستان چلے جانے سے یہ تمام نظام درہم برہم ہو گیا اور چونکہ بعض اہل جائیداد کو خود بھی اپنے تمام معاملات اور اراضی کی پوری تحقیق اور تفصیلی معلومات نہیں تھیں ان کو خاص طور سے بہت پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا ہوا۔ ایک طرف ۱۹۴۷ء کے حوادث کے اثرات، (جس میں خاندان کی سب سے مقتدر اور باا‌ثر شخصیت مولانا ظہیر الحسن کی شہادت بھی شامل ہے) کارکن جائیداد کے

اچانک فرار اور متعدد پریشان کن واقعات کی وجہ سے اہل خاندان سراسیمہ اور آزردہ خاطر ہو گئے تھے، اس وقت مولانا اظہار الحسن نے ان پیچیدہ معاملات کو ایک حد تک سنبھالا اور امکان بھر انکو صحیح کرنے کی کوشش کی جس سے تمام اہل خاندان کی ڈھارس بندھی اور مولانا اظہار الحسن کے ممنون ہوئے۔

ان کاموں سے فرصت نہیں ہوئی تھی کہ یوپی میں خاتمہ زمینداری کا اعلان ہو گیا۔ خاتمہ زمینداری کے بعد زمین کے مالکوں کو ان کی زمینوں کے (برائے نام) معاوضے ملے تھے، مگر سرکاری دفتروں سے ان معاوضوں کی تفصیلات حاصل کرنے اور اپنی زمینوں کی حدود اور ان کی ملکیت کے کاغذات پیش کرنے کے لئے ایک ایک دفتر اور افسر کے سامنے دس دس، بیس بیس مرتبہ حاضری اور جدوجہد کے بعد معاوضہ کا فیصلہ ہوتا تھا، مگر اس کے بعد بھی یہ حقیر رقم یا اس کے بونڈ حاصل کر لینا آسان کام نہیں تھا، مولانا اظہار الحسن صاحب نے اس سخت مرحلہ کو نہایت تندہی اور جانفشانی سے انجام تک پہنچایا ایک ایک زمین کی معلومات کیں، اگر اس کا معاوضہ ملا تو اس کی تفصیلات اور کاغذ فراہم کئے، اگر نہیں ملا تو اس کے لئے ضروری قانونی کارروائی کی، اس افتاد سے چھٹکارا نہیں ہوا تھا کہ اس علاقہ میں اصلاحات اراضی کا تازہ قانون نافذ ہوا، زمینوں کی نئی حد بندی کا اعلان ہو گیا اور پہلی چک بندی شروع ہو گئی۔ اس موقعہ پر اپنی اور اہل خاندان کی ان جائیدادوں کی فکر ضروری تھی جن پر خاتمہ زمینداری کے قوانین نافذ نہیں ہوئے تھے، اس موقع پر بھی ہر قسم کی جدوجہد میں مولانا پیش پیش رہے یعنی ۱۹۴۷ء سے چک بندی کے خاتمہ تک مولانا کی زندگی کے تقریباً دس گیارہ برس انہی الجھنوں اور بھاگ دوڑ میں گزر گئے۔

مولانا کا ہمیشہ یہ مزاج اور معمول رہا کہ وہ ہر کام کو پوری توجہ اور اہتمام سے انجام دیتے تھے یہ معاملات بھی اسی حسن توجہ سے انجام دیئے، مولانا زمینوں کے کاغذات فراہم کرتے، ان کی مثلیں فائلیں تیار کرتے، ان کے مفید اور مضر پہلوؤں پر نظر کرتے، ان کے متعلق وکیلوں اور اہل تجربہ سے مشورہ کرتے، اس دفتر سے اس دفتر میں جاتے، مظفر نگر، بڈھانہ،

کیرانہ کی عدالتوں میں تقریباً روزانہ حاضری دیتے اور اہل معاملہ کی نمائندگی کرتے تھے کئی سال تک عموماً ہفتہ کا ایک دن بھی سفر اور مقدموں کی فکر سے خالی نہیں گزرا۔ خدا خدا کرکے یہ معاملات انجام کو پہنچے اور مولانا کو آرام کا اور یکسوئی کا موقعہ ملا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان مقدمات و معاملات کے طے ہونے کے بعد مولانا کو سرکاری دفاتر اور عدالتوں، کچہریوں سے کچھ بھی دلچسپی اور وابستگی باقی نہیں رہی تھی اور آخر میں تو یہ حال ہو گیا تھا کہ اس قسم کی گفتگو سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ متعدد معاملات پیش آئے جس میں مولانا کے بیانات یاد ستخطوں کی ضرورت تھی لیکن مولانا ان سے بھی بالکل یکسو اور لاتعلق سے رہے۔ یہاں تک کہ جو بعض قضیے اور مقدمات مولانا کی توجہ سے حل یا فیصل ہوئے تھے اس آخری دور میں جب مولانا سے ان کے متعلق دریافت کیا گیا تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کو یہ بات گراں گزری ہے اب وہ درس و تبلیغ کے علاوہ کسی اور کام سے تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔ خود کہتے تھے کہ:

ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الّا حدیث یار کہ تکرار کردہ ایم

حضرت مولانا محمد الیاس کی مولانا پر شفقت وکرم کی خاص نظر اور غیر معمولی اعتماد

حضرت مولانا محمد الیاس مولانا پر خاص شفقت وکرم کی نگاہ رکھتے تھے، مولانا کے نظام الدین کے قیام کے زمانہ میں بنگلہ والی مسجد کی امامت کیلئے مولانا کا انتخاب مولانا کی خاص عنایت کا مظہر تھا، اس وقت مولانا اظہار الحسن بالکل نوعمر تھے اور حضرت مولانا کے خاص متوسلین و خدام ادب کے علاوہ مولانا محمد یوسف، مولانا انعام الحسن اور کاندھلہ کے ان عمر طالب علموں میں بھی[1] اس سے چھوٹے تھے مگر حضرت مولانا نے ان ہی کو اس خدمت کے لئے پسند فرمایا، مولانا فرماتے تھے کہ مولانا محمد الیاس کی زندگی میں (مدرسہ کاشف العلوم میں قیام کے زمانہ میں)

[1] سہ ماہی احوال و آثار کاندھلہ۔ اپریل تا دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۷ء

"اکثر میں ہی امامت کیا کرتا تھا"۔ ایک مرتبہ کہا:

"مجھے اس (بنگلہ والی) مسجد میں نماز پڑھاتے ہوئے ساٹھ سال ہو گئے ہیں، میں سولہ برس کی عمر سے یہاں نماز پڑھا رہا ہوں"۔

حال آں کہ اس زمانہ میں بھی بنگلہ والی مسجد مرکز علوم و علماء تھی اور یہاں ہر وقت بلند پایہ علماء، کاملین، ارباب ارشاد و معرفت اور اہل سیاست و اقتدار کا آنا ہوتا رہتا تھا مگر اس میں بہت کم اصحاب ایسے ہوتے تھے جن کو حضرت مولانا محمد الیاس امامت کیلئے فرماتے ہوں، اس لئے ان سب کی امامت بھی مولانا اظہار الحسن کو کرنی ہوتی تھی۔

نوح کے بڑے تاریخی تبلیغی اجتماع میں مولانا محمد الیاس کے ترجمان

حضرت مولانا محمد الیاس نے اپنے دینی کام کے عمومی تعارف خاص طور سے ممتاز علماء، مشائخ، اہل سیاست و اقتدار اور اصحاب علم و دانش کو اپنی جدو جہد کے مقاصد اور اس کے مفید اثرات سے واقف کرانے کیلئے ایک بہت بڑے جلسہ کا منصوبہ بنایا تھا اور اس کے لئے بہت اہتمام کیا تھا، اس کے اشتہارات چھپے، جلسہ میں شرکت کے لئے دعوت نامے جاری کئے گئے، جلسہ گاہ کی تنظیم و ترتیب پر خاص توجہ فرمائی اور اس میں اپنے تمام رفقاء، جملہ تبلیغی احباب اور کارکنوں کے علاوہ ملک کے ممتاز ترین شخصیتوں سے تشریف لانے کی درخواست کی، جس میں علماء بھی تھے مشائخ بھی، اہل سیاست و اقتدار بھی تھے اور ارباب فکر و دانش بھی۔

علماء و مشائخ میں حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مفتی محمد کفایت اللہ، قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیو بند، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی نیز اس وقت کے ممتاز علماء اور اہم ترین اصحاب تشریف فرما تھے، اہل سیاست و اقتدار میں سے کانگریس مسلم لیگ، جمعیۃ علماء ہند، مجلس احرار اسلام اور اکثر دینی سیاسی جماعتوں کے چوٹی کے عہدہ داران اور ارباب اختیار نے شرکت فرمائی، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، جامعہ ملیہ

اسلامیہ دہلی کے ممتاز اہل علم بھی موجود تھے۔

یہ اجتماع ۸۔ ۹۔ ۱۰/ ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ، ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰/ نومبر ۱۹۴۱ء کو نوح میوات میں منعقد ہوا تھا، اس اجتماع میں سنانے کے لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے ایک مفصل تحریر لکھوائی تھی (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی زبان میں لکنت تھی جس کی وجہ سے مولانا کے لئے مسلسل بے تکلف بولنا مشکل ہوتا تھا) اجتماع کے وقت تک سب کی زبانوں پر یہ سوال تھا کہ اس اہم موقع پر حضرت مولانا کی ترجمان کی سعادت کس کو ملتی ہے، اجتماع کا دن آگیا تھا مگر اس وقت تک حضرت مولانا نے یہ مضمون پڑھنے کیلئے کسی کو متعین نہیں فرمایا تھا، پہلی نشست شروع ہوگئی جب اس تحریر کے پڑھنے کا موقع آیا تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے مولانا اظہار الحسن کو حکم دیا:

"اظہار الحسن تم پڑھو"

مولانا اظہار الحسن صاحب فرماتے تھے کہ میرے وہم و خیال میں بھی نہیں تھا کہ حضرت مولانا یہ نہایت اہم کام (اور ممتاز ترین اہل علم اور شرکاء سے) خطاب کرنے کی ذمہ داری میرے سپرد فرمائیں گے۔ مولانا نے کئی مرتبہ اپنی اس کیفیت کا بھی ذکر کیا، جو حضرت مولانا کے اس ارشاد کے بعد ان پر طاری ہوئی تھی، مولانا کہتے تھے:

"میں نے حضرت مولانا کی آواز سنی اور حیران رہ گیا یا اللہ میں کیا کروں؟ میں نے اس سے پہلے نہ کسی ایسے جلسہ میں تقریر کی تھی، نہ ایسے ممتاز اہل علم و فن سے اجتماعی ملاقات کا موقع ملا تھا، یہ سنتے ہی میرے ہونٹ خشک ہوگئے، ٹانگیں کپکپانے لگیں مگر تعمیل حکم کے سوا کوئی چارہ نہ تھا میں نے اس حال میں مضمون پڑھا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں رہا کہ میں کیا کر رہا ہوں کیا پڑھ رہا ہوں"۔ (۱)

(۱) مولانا نے اپنی وفات سے (تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے) سنن ابوداؤد کے آخری سبق میں بھی یہ واقعہ بہت دلچسپ انداز میں سنایا تھا، افسوس ہے کیسٹ کی خرابی کی وجہ سے یہ حصہ نقل نہیں ہوسکا۔

مگر حضرت مولانا کی دعائیں اور توجہ شامل حال تھی مولانا اظہار الحسن کے خیالات غلط ثابت ہوئے اور وہ مضمون حاضرین نے غور اور توجہ سے سنا اور مولانا اظہار الحسن کے پڑھنے اور طرز خطاب کو پسند کیا۔

مولانا محمد الیاس کے دور میں مولانا محمد یوسف کے ساتھ میوات کا اہم تبلیغی سفر

حضرت مولانا محمد الیاس کی بے حد خواہش تھی اور دلی تقاضہ رہتا تھا کہ مولانا کے عزیز اور خاندان کے وہ نوجوان جو نظام الدین آتے رہتے تھے یا بنگلہ والی مسجد میں مقیم اور تعلیم میں مشغول تھے، مولانا کے تبلیغی معاون بنیں، جماعتوں میں نکلیں اور اس محنت کو آگے بڑھائیں۔ مگر اس دور میں اوروں کا کیا ذکر، خود حضرت مولانا محمد یوسف کو تبلیغی کام کی افادیت اور جماعتوں میں جانے میں خاصا تأمل تھا حضرت مولانا محمد الیاس کی کئی سال کی کوشش اور متعدد علماء کے توسط سے تفصیلی گفتگو کے بعد مولانا محمد یوسف اس کام سے مطمئن اور جماعت میں نکلنے کے لئے آمادہ ہوئے اور مولانا محمد یوسف کا پہلا تبلیغی سفر میوات کا طے ہوا، چوں کہ مولانا محمد یوسف کا یہ پہلا تبلیغی سفر تھا اس لئے مولانا محمد الیاس نے چاہا کہ خاندان کے وہ عزیز بھی جو نظام الدین میں مقیم ہیں اس جماعت میں شامل ہوں، حضرت مولانا کی اس خواہش کے احترام اور مولانا محمد یوسف کی رفاقت کے شوق میں اعزہ اور احباب کی ایک جماعت تیار ہو گئی جس میں کاندھلہ کے رفقاء میں سے مولانا انعام الحسن اور مولانا حکیم عین الحسن کاندھلوی بھی شریک تھے۔ مولانا انعام الحسن اور حکیم عین الحسن کی اس سفر میں رفاقت و شرکت کا حضرت مولانا محمد الیاس کے ایک خط میں تذکرہ ہے۔ حضرت شیخ کے نام تحریر فرماتے ہیں:

> "عرصہ سے میرا اپنا خیال یہ ہے کہ جب تک علمی طبقہ کے حضرات اشاعت دین کے لئے خود جا کر عوام کے دروازوں کو نہ کھٹکائیں اور عوام کی طرح یہ بھی گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس کام کے لئے گشت نہ کریں اس وقت تک یہ کام درجۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیوں کہ عوام پر جو اثر اہل علم کے

عمل و حرکت سے ہوگا وہ ان کی دھواں دھار تقریروں سے نہیں ہو سکتا۔
اپنے اسلاف کی زندگی سے بھی یہی نمایاں ہے جو کہ آپ حضرات اہل علم پر
بخوبی روشن ہے" (۱)

اس کے بعد تحریر فرمایا ہے:

" میں اپنے اسی نظریہ کے ماتحت ہمیشہ عزیزم مولوی محمد یوسف صاحب کو اس سلسلہ میں باہر نکلنے کے لئے کہتا رہا ہوں، جس کے نتیجہ میں وہ کل بروز جمعرات ۱۴/ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ بہ ہمراہی عزیزم مولوی انعام الحسن و عزیزم مولوی عین الحسن صاحبان وغیرہ پورے ایک ماہ کے گشت کے لئے میوات تشریف لے گئے ہیں" (۲)

اس خط میں مولانا اظہار الحسن کے نام کی صراحت نہیں، لیکن وغیرہ کا اضافہ بتا رہا ہے کہ ان جیسے اور افراد بھی اس جماعت میں شریک تھے۔ نیز خود مولانا اظہار الحسن صاحب نے (کئی مرتبہ) ذکر کیا کہ میں بھی مولانا محمد یوسف کی امارت میں میوات جانے والی پہلی جماعت میں شامل تھا۔

اس سفر میں مولانا محمد یوسف کی رفاقت کے علاوہ اور بھی کئی تبلیغی سفروں میں مولانا اظہار الحسن، حضرت مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسف کے ساتھ رہے۔ میوات میں بھی وقت لگایا دوسرے علاقوں کے بھی تبلیغی سفر کئے اور حضرت مولانا محمد الیاس کے حسب ارشاد دینی خدمات انجام دیں۔

کراچی کا اہم تبلیغی سفر میوات کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب کا ایک اور اہم اور قابل ذکر تبلیغی سفر کراچی اور سندھ کا ہوا تھا، مولانا اظہار الحسن اس جماعت میں بھی مولانا محمد یوسف کے ساتھ شامل رہے۔ تبلیغی جماعت کا یہ کارواں (ربیع الثانی ۱۳۶۲) مئی ۱۹۴۳ء کے پہلے ہفتہ میں دہلی سے روانہ ہوا، جس میں کئی افراد شامل تھے، اس

(۱) اکابر کے خطوط ص ۹۷ (۲) اکابر کے خطوط ص ۹۷

نے کراچی اور اس کے اطراف میں خوب کام کیا، اس جماعت میں مولانا اظہار الحسن کو بھی شامل ہونا تھا مگر ان دنوں مولانا کی سسرال (بھاولپور) میں کئی تقریبات تھیں، ان میں مولانا کی شرکت ضروری تھی، اس لئے مولانا اظہار الحسن بھی تقریباً انہی دنوں میں دہلی سے بھاولپور کے لئے روانہ ہوئے، گیارہ مئی کو بھاولپور پہنچے، وہاں ایک ہفتہ قیام کیا، اگرچہ اس درمیان رشتہ داروں میں تقریبات کی مصروفیات تھیں، مگر مولانا اظہار الحسن ان مصروفیات و مشاغل میں بھی تبلیغی کام سے غافل نہیں ہوئے اور موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے بھاولپور کے ممتاز علماء، ذمہ داران اور اہل اقتدار سے ملاقاتیں کیں ——— تبلیغ کا تعارف کرایا اور ان تک اپنی بات پہنچائی۔

ایک ہفتہ بھاولپور میں گذار کر ۱۸/ مئی کو (مولانا محمد یوسف کی جماعت میں شمولیت اور ان کے ساتھ کام کرنے کے لئے) کراچی کے لئے روانہ ہو گئے، اس سفر میں مولانا اظہار الحسن نے مولانا محمد یوسف کو بھاولپور سے جو خط لکھا تھا وہ مولانا محمد ثانی حسنی نے نقل کیا ہے اس کے ذریعہ سے مولانا اظہار الحسن کی اس دور کی تبلیغی مصروفیات اور مولانا محمد یوسف صاحب سے رفاقت کا اجمالی علم ہوتا ہے۔ مولانا نے لکھا ہے:

"برادرم۔ السلام علیکم

افسوس ہے کہ میں جماعت کے ہمراہ نہ آسکا، ۱۱/ کو میں بھاولپور پہنچا، یہاں چند ایک تقریبات میں شرکت کرنی تھی، اب ان سے فارغ ہو گیا ہوں۔ انشاء اللہ ۱۸/ کو یہاں سے کراچی کے لئے روانہ ہو جاؤں گا، اگر آپکی جماعت ۱۸۔ ۲۰ تک کراچی سے کسی دوسرے مقام پر پہنچ جائے تو مجھے فوراً بذریعہ تار اطلاع دیدیجئے، تاکہ میں بجائے کراچی وہاں پہنچ جاؤں۔

بھاولپور میں مختلف حضرات سے اس کے متعلق گفتگوئیں ہو رہی ہیں، سراج الدین صاحب پنشنر چیف ہائی کورٹ، جمیل صاحب ڈسٹرکٹ جج، مولانا فاروق صاحب شیخ الحدیث، مولانا غلام محمد صاحب

شیخ الجامعہ، مولوی اسرار الحق صاحب مدرس جامعہ عباسیہ سے مفصل گفتگو ہوئی ہے، کل انشاء اللہ جامعہ عباسیہ کے اساتذہ اور طلباء سے بات چیت کروں گا۔ بھاولپور کے وزراء اور سر عبد القادر سے آج ملاقات کر رہا ہوں، ان سے جماعت تبلیغ میں شرکت اور اعانت کے لئے کہوں گا۔ مولانا فاروق صاحب کے یہاں چند رؤسا سے گفتگو ہوئی وہ بہت متأثر ہوئے، انہوں نے خود بھاولپور میں کام کا قصد اور نظام الدین جماعت لیجاکر تبلیغ سیکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ والسلام" (۱)

اس کے علاوہ بھی مولانا اظہار الحسن موقع بموقع تبلیغی سفر میں جاتے رہتے تھے مولانا محمد یوسف کے ساتھ بھی اور تنہا بھی، مولانا محمد یوسف کے دور امارت میں یہ سفر کم ہوگئے تھے مگر تبلیغی کام سے دلچسپی اسی طرح قائم رہی جیسے پہلے تھی، کاندھلہ کے اطراف میں جو تبلیغی اجتماعات ہوتے تھے وہ ہمیشہ مولانا اظہار الحسن اور میرے والد ماجد (مولانا افتخار الحسن صاحب مدظلہ) کے مشورہ اور رائے سے طے ہوتے تھے اور جب تک ان دونوں کی رائے نہ ہوتی (خصوصاً مولانا محمد یوسف صاحب) اس نواح میں کسی جلسہ کی اجازت اور تاریخ نہیں دیتے تھے اور اجتماع طے ہونے کے بعد اس کے تمام پہلوؤں پر ان حضرات کی گہری نگاہ رہتی تھی۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ اجتماع طے ہونے پر کوئی خاص پریشانی سامنے آتی، یا اجتماع کے بعد کوئی مسئلہ ابھرتا، اس کا حل کرنا بھی ان ہی کی ذمہ داری تھی اہل علاقہ ان دونوں کی بات کو بہت وقعت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور عموماً تسلیم بھی کر لیتے تھے، ان حضرات کے اثرات اور وقار و تعارف کی وجہ سے کئی مشکلیں حل ہوئیں اور کئی الجھنیں دور ہوئیں، نمونہ کے طور پر ایک واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۹۵۲ء میں اسارہ ضلع میرٹھ میں ایک بڑا اور اہم تبلیغی اجتماع ہوا جو اس دور کے

(۱) سوانح حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ ص ۱۸۶

والسلام

محمد انعام الحسن غفرلہ

۱۴/ شوال (اےسہ۱۳ھ، ۸/ جولائی ۱۹۵۲ء)

حضرت مولانا محمد یوسف کی ہدایت کے مطابق دونوں حضرات اسارا تشریف لے گئے اس قضیہ کو محبت وسہولت کے ساتھ فیصل کرادیا۔

مدرسہ کاشف العلوم سے بحیثیت استاد وابستگی

مولانا اظہار الحسن کی اعلیٰ علمی صلاحیت سے مولانا کے تمام جاننے والے خصوصاً اہل خاندان اور مولانا کے ہم عمر اور دوست احباب خوب واقف تھے، جس میں حضرت مولانا محمد یوسف بھی شامل تھے۔ جس طرح حضرت شیخ کی خواہش تھی کہ مولانا مظاہر علوم میں آجائیں، یہاں مدرسی قبول کریں اور درس حدیث میں مشغول رہیں، اسی طرح مولانا محمد یوسف بھی یہ چاہتے تھے کہ مولانا، بنگلہ والی مسجد (تبلیغی مرکز حضرت نظام الدین، دہلی) آجائیں اور وہاں درس دیں۔ لیکن مولانا اپنی سادگی اور قناعت وگوشہ نشینی کے مزاج کی وجہ سے اس کو منظور نہیں کرتے تھے مگر مولانا محمد یوسف کا اصرار اور تقاضا برابر جاری رہا جس کی وجہ سے حضرت مولانا اظہار الحسن اس کے لئے تیار ہوگئے تھے کہ وہ مولانا محمد یوسف کے طویل سفروں کے زمانہ میں نظام الدین آیا کریں گے اور اس درمیان مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام کی زیر درس کتابیں مدرسہ کاشف العلوم کے طلباء کو پڑھائیں گے۔

اس وقت حضرت مولانا محمد یوسف کے طویل سفر کم ہوتے تھے، تاہم جب ایسا سفر ہوتا اس وقت مولانا اظہار الحسن کو اطلاع فرمادیتے بلکہ اکثر اس مقصد کے لئے سفر سے پہلے

تبلیغی اجتماعات میں خاص اہمیت رکھتا ہے اس اجتماع کے لئے مولانا محمد یوسف بھی بہت متوجہ اور سرگرم تھے اور اسارا نیز نواح کے تمام دینی طبقوں اور تبلیغی کارکنوں بلکہ عوام میں خاص جوش وخروش تھا اس لئے اس کے لئے ایک بڑی رقم جمع ہو گئی جو اس کی ضروریات سے خاصی زائد تھی۔

اجتماع ختم ہونے کے بعد اسارا والوں میں اس رقم کے متعلق اختلاف ہوا کہ اس کا کیا مصرف ہو کہاں خرچ کیا جائے، یہ اختلاف رائے شدید ہو گیا اور بات مولانا محمد یوسف تک پہنچی، مولانا محمد یوسف صاحب کا خیال تھا کہ یہ رقم حجاز میں تبلیغی کام پر خرچ کر دی جائے، لیکن مولانا نے اس کا فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ اپنی اس رائے کے ساتھ یہ معاملہ فیصلہ کیلئے مولانا اظہار الحسن صاحب اور (ان کے چھوٹے بھائی) مولانا افتخار الحسن صاحب مدظلہ کے سپرد کیا کہ وہ جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں اور اس اختلاف کو ختم کرا دیں۔ اس موقع پر مولانا انعام الحسن صاحب نے مولانا اظہار الحسن صاحب کو جو خط لکھا تھا وہ (اتفاق سے) محفوظ ہے اور یہاں درج کیا جا رہا ہے:

مکرم و محترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اس وقت اس عریضہ کے تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اسارا کے جلسے کے متعلق جو رقم بچی ہوئی تھی جس کا آپ نے بھی تذکرہ کیا تھا وہ اس وقت بہت نزاعی مسئلہ اہل قریہ میں بنا ہوا ہے، جس کی خبریں برابر یہاں پر آ رہی ہیں اور اس کے متعلق فیصلہ چاہتے ہیں۔

لہذا اب آپ کی خدمت میں گذارش یہ ہے کہ آپ حضرات کسی وقت جا کر اس مسئلے کو نمٹا دیں، اگر آپ کی رائے میں مناسب ہو تو وہ رقم حجاز بھیج دی جائے، وہاں اس دینی جدوجہد میں لگا دی جائے۔ بہر حال اس کا تصفیہ ہو جانا ضروری ہے۔

کاندھلہ تشریف لاتے اور ماموں جی (حضرت مولانا محمد یوسف مولانا کو ماموں جی کہا کرتے تھے اسی وجہ سے مسجد بنگلہ والی میں مقیم سب ہی صاحبان مولانا کو ماموں کہتے تھے) کو نظام الدین ساتھ لے جاتے، مولانا ان حضرات کی نظام الدین واپسی کے ایک دن بعد کاندھلہ آجاتے تھے۔

مگر مولانا محمد یوسف کا مولانا پر نظام الدین میں مستقل قیام کیلئے اصرار برابر جاری رہا، جب مولانا کسی طرح تیار نہ ہوئے تو حضرت مولانا نے حضرت شیخ سے عرض کیا، حضرت شیخ نے بھی مولانا سے بات کی، مگر مولانا اپنی رائے پر قائم رہے اور نظام الدین کے مستقل قیام کے لئے بصد احترام معذرت کر دی۔ مگر مولانا محمد یوسف مولانا کو لیجانے کا فیصلہ کئے ہوئے تھے، مولانا کے اس انکار کے بعد بھی مولانا کے رویہ میں تبدیلی نہیں آئی، اب مقدمہ حضرت شیخ کے یہاں سے خانقاہ رائے پور منتقل ہوا۔ حضرت مولانا نے، حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری سے عرض کیا کہ ہمارے طویل طویل سفر ہوتے رہتے ہیں، مرکز کا کام سنبھالنے کے لئے اور وہاں دورۂ حدیث سبق پورا کرانے کے لئے ایک ایسے باصلاحیت شخص کی ضرورت ہے جو حسب معاملات کو پوری طرح سنبھال لے، ہماری غیر موجودگی محسوس نہ ہونے دے اور ہمارے اسباق بھی پورا کرادے، اس کام کے لئے مولانا اظہار الحسن سے بہتر شخص ہماری نظر میں نہیں ہے، وہ سب گھر والوں کے محرم بھی ہیں۔ ان کی موجودگی میں اماں جی (والدہ ماجدہ حضرت مولانا محمد یوسف) اور سب اہل خانہ اطمینان سے نظام الدین رہ سکتے ہیں، ورنہ ایسے سفروں کے موقع پر اماں جی کو عموماً کاندھلہ (اور مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کے) اہل خانہ کو سہارنپور لے جانا ہوتا ہے (دہلی سے کاندھلہ اور سہارنپور لانے لے جانے کا کام بھی اکثر مولانا اظہار الحسن صاحب انجام دیتے ہیں) اس لئے مولانا اظہار الحسن سے فرمادیں کہ وہ اس خدمت کو قبول کرلیں۔

حضرت شاہ عبد القادر نے مولانا اظہار الحسن صاحب کو طلب فرمایا، مولانا کے

سامنے مولانا کی پیش کش رکھی اور فرمایا اس کو قبول کرلو، مولانا نے پانچ شرطیں رکھیں اور کہا کہ اگر مولانا محمد یوسف یہ شرائط منظور فرمائیں تو میں تعمیل ارشاد کے لئے حاضر ہوں، اس وقت حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری نے فرمایا:

"میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں"

حضرت رائپوری کے اس ارشاد کے بعد گنجائش ختم ہوگئی تھی، مولانا اظہار الحسن صاحب نظام الدین میں قیام کیلئے تیار ہوگئے، مگر اس کے بعد بھی دو تین سال تک یہ صورت رہی کبھی رہتے کبھی کاندھلہ آجاتے۔ اسی دوران حضرت رائے پوری کی بھی وفات (۱۳۸۲ھ، ۱۹۶۲ء میں) ہوگئی۔

جمادی الاولی ۱۳۸۴ھ (ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۴ء) میں مولانا محمد یوسف کا ایک طویل سفر طے تھا، اس سفر سے پہلے مولانا محمد یوسف کے بلانے پر مولانا اظہار الحسن صاحب نظام الدین پہنچے، حضرت مولانا محمد یوسف نے فرمایا:

"اب ہمارا جنوبی ہند کا سفر ہے، آپ یہاں قیام فرمائیں اور ہمارے سبق پڑھائیں"

مولانا اظہار الحسن نے ان دونوں کی روانگی سے پہلے ہی سبق شروع کرادئے یہ دورۂ حدیث اور موقوف علیہ (مشکوٰۃ المصابیح) کے اسباق تھے۔ جب مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن سفر سے واپس آگئے ان کے اسباق ان کے یہاں چلے گئے، صرف سنن ابوداؤد جلد ثانی مولانا اظہار الحسن کے پاس رہی۔ اس سال آخر تک مولانا نے اسی کتاب کا درس دیا، لیکن جب مذکورہ بزرگوں کا سفر ہوتا تھا اس دوران ان کے سبق مولانا کے یہاں منتقل ہوجاتے تھے۔ شعبان ۱۳۸۴ھ میں مولانا محمد یوسف کا میوات کا سفر تھا، سفر سے پہلے مولانا نے مولانا اظہار الحسن سے کہا:

"ماموں جی آپ ہمارے بچوں کا امتحان لے لیں"

یہ سالانہ امتحان تھا، مولانا نے امتحان لیا اور نتائج لکھدیئے، امتحان کے بعد مولانا

محمد یوسف صاحب کی سفر سے واپسی ہوئی مولانا سے دریافت کیا:

"ماموں جی! ہمارے بچوں کو کیسا پایا"

مولانا نے کہا تین لڑکے بہت عمدہ ہیں، اگر وہ کسی بڑے مدرسہ میں ہوتے تو بہت ممتاز ہوتے اور تین(۱) ایسے ہیں کہ ان کو ابتدائی کتابوں سے دوبارہ پڑھنا چاہیئے۔(۲)

نظام الدین قیام کے پہلے چند سالوں میں صرف حدیث شریف کے وہ سبق پڑھاتے تھے جو پہلے مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب کے یہاں ہوتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات کے بعد صحیح بخاری کے علاوہ اکثر اسباق مولانا کے سپرد ہوئے، صحیح بخاری مولانا انعام الحسن صاحب اور مولانا عبید اللہ صاحب پڑھاتے رہے۔ بعد میں جب مولانا انعام الحسن صاحب نے درس دینا ترک کیا اس وقت بخاری شریف کی ایک جلد مولانا اظہار الحسن صاحب کے پاس آئی اور ایک مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی پڑھاتے تھے، مولانا عبید اللہ صاحب کی وفات کے بعد کئی سال تک بخاری شریف کی دونوں جلدیں مولانا اظہار الحسن صاحب پڑھاتے رہے اور سنن ابوداؤد شریف کا سبق جو مولانا کے نظام الدین جانے کے بعد سب سے پہلے دیا گیا تھا، وہ وفات تک مولانا ہی کے پاس رہا۔

حدیث شریف کی اعلیٰ ترین تمام کتابوں کے درس کے علاوہ ادب اور نحو سے خاص شغف تھا، نحو اور ادب کی اعلیٰ ترین کتابیں بہت ذوق وشوق سے پڑھاتے تھے، مقامات حریری، سبعہ معلقات، حماسہ، متنبی ازبر اور نوک زباں تھیں، ان کے علاوہ دوسرے فنون کی کتابیں بھی خوب پڑھاتے تھے۔ جب پڑھاتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ مولانا نے زمانہ طالب علمی سے اِس وقت تک اس موضوع پر جو کچھ بھی پڑھایا استادوں سے سنا ہے اس کا

(۱) اس سال دورہ حدیث کی جماعت میں یہ چھ صاحبان تھے: مفتی عبد الشکور ہتھوڑہ (بھرت پور)، مولانا محمد طلحہ کاندھلوی (صاحبزادہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا)، مولوی محمد قاسم فیروز پور، جھرکہ، مولوی مسعود صاحب ٹونکی، مولوی حبیب اللہ بستوی، مولوی سعید احمد میواتی۔

(۲) روایت مفتی عبد الشکور صاحب ہتھوڑوی جو اس سال دورہ حدیث میں شامل تھے۔

حرف حرف ان کے حافظہ میں محفوظ اور زبان پر آنے کے لئے بیتاب ہے۔

دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ مولانا تقریبا سبھی کتابیں، کتاب کی مدد کے بغیر حافظہ سے پڑھاتے تھے، اکثر کتاب بھی سامنے نہیں ہوتی تھی، جب ہوتی تھی اس وقت بھی کتاب سے کم رجوع کرتے تھے۔ مولانا کا معمول یہ تھا کہ سبق پڑھاتے وقت آنکھیں بند کر لیتے تھے، لیکن یادداشت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن ابوداؤد شریف کے درس میں کہنے لگے (راقم سطور وہاں موجود تھا) ایسا یاد آتا ہے کہ یہاں شیخ (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا) نے چھیالیس قول بیان فرمائے تھے، مجھے ان میں سے جتنے اقوال یاد ہیں وہ نقل کئے دیتا ہوں اور پھر ایک ایک کر کے تمام چھیالیس قول گنوا دیئے۔ ابھی وفات سے ایک سال پہلے ایک عزیز نے (جو ایک امتحان کی تیاری کر رہے تھے) مولانا سے متنبی کے چند قصیدے حل کرانا ہے، مولانا نے پوچھا کون کون سے قصیدے؟ ان صاحب نے اس قصیدہ کا پہلا مصرع پڑھا وہ مصرع سنتے ہی مولانا کو پورا قصیدہ یاد آگیا اور مولانا نے پورا قصیدہ سنا کر سانس لیا۔ وہ عزیز دوسرے دن جب استفادہ کے لئے آئے، دیوان متنبی ساتھ لائے اور مولانا کو پیش کیا، مولانا نے فرمایا میں دیوان متنبی اور حماسہ آنکھ بند کر کے زبانی سنا سکتا ہوں، چنانچہ یہی ہوا کہ ضروری سب قصیدے حل ہو گئے مگر مولانا نے شرح دیکھی نہ متن۔ سب زبانی یاد تھا، بعد میں فرمایا کہ "میاں! تم نے متنبی تازہ کرادی"۔ یہی حال شرح جامی وغیرہ نحو کی درسی کتابوں کا تھا کہ ان کے پورے پورے ابواب اور دس دس صفحے بغیر دیکھے بلا تامل پڑھ دیا کرتے تھے۔ وفات سے پانچ چھ سال پہلے مولانا کی دونوں آنکھوں میں کالا موتیا اتر آیا تھا جس کی وجہ سے دو سال تک بینائی سے معذور رہے، لکھنا پڑھنا کہاں آدمی کو پہنچانا بھی مشکل تھا، آواز سے پہچانتے تھے لیکن یہ معذوری بھی کسی سبق میں رکاوٹ نہیں بنی، تمام اسباق اسی معیار کے مطابق اور اسی نظام الاوقات کے مطابق ہوتے رہے۔

درسی کتابوں کے علاوہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی شہرۂ آفاق کتاب حیاۃ الصحابہ کا درس اور ترجمہ ہمیشہ مولانا کے معمولات میں داخل رہا۔ بنگلہ والی مسجد میں مولانا

محمد یوسف صاحب کے زمانہ سے عشا کے بعد حیاۃ الصحابہ سنانے کا معمول ہے، مولانا اظہار الحسن صاحب نے اس معمول کے مطابق، ۲۵۔۲۶ سال تک حیاۃ الصحابہ کا درس دیا، جس میں حیاۃ الصحابہ کی تینوں جلدوں کے سبق کے کئی دور مکمل ہوئے۔ ایک دور کا شروع سے آخر تک پورا درس ٹیپ میں محفوظ ہے (۱)

مولانا محمد یوسف کے گھریلو معاملات کی نگرانی وسرپرستی

مولانا محمد یوسف کے اکثر گھریلو معاملات مولانا کے سپرد رہتے تھے، اماں جی (اھلیہ مولانا محمد الیاس) بیمار ہیں یا مولانا محمد یوسف کی اہلیہ کو کسی معالج کو دکھانا ہے، کوئی قانونی عدالتی قصہ ہے، نظام الدین سے سہارنپور لانا، لے جانا ہے، ضرورت کے وقت گھر کی عورتوں میں سے کسی کو علاج وغیرہ کے لئے دہلی یا علی گڈھ کے شفاخانہ میں داخل کرنا ہے، یا کسی وجہ سے اسپتال میں رہنا ہے سب کام مولانا اظہار الحسن کے ذریعہ سے انجام پاتے تھے۔

حضرت مولانا محمد یوسف اور حضرت شیخ کے آخری سفر حج کے موقع پر مولانا کی ایک ذمہ داری اور ایک انکشاف

مولانا محمد یوسف کے اہم طویل سفروں کے موقع پر سیٹ بک کرانے اور سفر کے نظام میں بھی مولانا کا عمل دخل رہتا تھا۔ مولانا محمد یوسف اور حضرت شیخ کے آخری مشترک سفر حج کے موقع پر (یہ سفر دہلی سے بمبئی تک ریل سے ہوا تھا) سیٹوں کا انتظام اور سفر کی ترتیب مولانا اظہار الحسن کے سپرد تھی، مولانا نے کہدیا تھا کہ انشاء اللہ سب انتظام ہو جائے گا۔ مولانا محمد یوسف کی خواہش تھی کہ حضرت مولانا، حضرت شیخ اور سفر کے سب رفقاء کے لئے ایک علیحدہ بوگی بک ہو جائے،

---

(۱) مولانا کا سنن ابوداؤد کا سبق حضرت شیخ کے طریقہ پر سب سے اہم سبق تھا اور اللہ کا شکر ہے کہ مولانا کے نواسے مولوی محمد سعد نے مولانا کے سنن ابوداؤد اور صحیح بخاری اور حیاۃ الصحابہ کے سبق کا ایک ایک حرف محفوظ کیا ہے، درس سنن ابوداؤد کے ساڑھے تین سو اور مکمل صحیح بخاری کے سبق تقریباً پونے دو سو کیسٹیں محفوظ ہیں حیاۃ الصحابہ کے کیسٹ اس کے علاوہ ہیں۔

مولانا اظہار الحسن نے ریلوے کے ایک افسر سے (حافظ عبد العزیز دہلوی کے توسط) سے ملاقات کی، یہ افسر سکھ تھا اور مولانا اظہار الحسن کو جانتا تھا، ملاقات پر محبت سے پیش آیا اور سب کام کرانے کا وعدہ کیا، اس کام کے لئے اس کے پاس کئی مرتبہ آنا جانا ہوا تو اس سے خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی، اس سفر کے لئے حضرت شیخ کی نظام الدین تشریف آوری کے بعد دوسرے دن صبح کو سفر کا نظام مکمل کرانے کے لئے اس افسر سے ایک اور ملاقات کی، چوں کہ اس سے خاصی دوستی اور بے تکلفی ہو گئی تھی اس نے ملاقات کی بعد کہا اور باتیں بعد میں ہوں گی، پہلے یہ بتاؤ کہ رات دستر خوان پر کون کون تھا، کس کس کے یہاں سے کیا آیا تھا؟ مولانا کو اس کے سوال پر تعجب ہوا، کہ اس کو حضرت شیخ اور مولانا یوسف کے دہلوی متعلقین سے کیا واسطہ اور ان کے نام کیسے معلوم ہیں، اور ان کے یہاں سے کھانے آنے نہ آنے کی تفصیلات کا کس طرح علم ہے، مولانا کی حیرانی دیکھ کر اس نے کہا کہ میں ریلوے میں آنے پہلے سی، آئی، ڈی میں افسر تھا اور میری ڈیوٹی مرکز تبلیغ کی نگرانی اور اطلاعات فراہم کرنے کی تھی، میں ایک عالم اور مبلغ کے حلیہ میں تین سال تک بنگلہ والی مسجد میں رہا ہوں، شیخ اور مولانا محمد یوسف سے تعلق رکھنے والے دہلی کے ایک ایک شخص کو جانتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ تنہائی میں شیخ اور مولانا سے کیا باتیں کرتے ہیں، اس افسر نے مزید کہا کہ اب جب تمہارے سے دوستی ہو گئی ہے تو یہ بھی بتادوں کہ ہمارے اب بھی کئی آدمی مرکز میں ہیں اور ہمیں وہاں کی ایک ایک بات اور ایک ایک چیز کا خوب علم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ رات کھانے میں فلاں فلاں شخص شیخ کے دائیں فلاں فلاں بائیں تھا، یہ باتیں ہوئی تھیں اور رات مشورہ میں یہ طے ہوا۔ بہر حال اس افسر نے اس وقت بھی اطمینان یاد دلایا کہ آپ کے حسب منشاء سب کام ہو جائے گا، لیکن جب دہلی سے روانگی کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ جس طرح علیحدہ بوگی چاہتے تھے اس کا انتظام نہیں ہو سکا، تو سب کو ملال ہوا۔ مولانا محمد یوسف نے مولانا اظہار الحسن صاحب سے فرمایا:

"آپ کی دوستی اور تعلقات کہاں گئے"

مولانا نے کہا اس افسر نے پختہ وعدہ کیا تھا، مولانا کو اسکا بہت افسوس ہوا لیکن اب اس سے ملنا یا نئی کوشش کرنا بے فائدہ تھا اس لئے پھر مولانا اس سے نہیں ملے، مگر وہ خود حضرت شیخ اور مولانا کی دہلی سے بمبئی روانگی کے وقت دلی ریلوے اسٹیشن پر موجود تھا، مولانا اظہار صاحب کی اس پر نظر پڑی مگر بے تعلق سے رہے، وہ خود آکر ملا مولانا نے اس وقت بھی توجہ نہیں کی، تو کہنے لگا" ناراض ہو، میری کیا غلطی ہے" مولانا نے فرمایا، چھوٹا سا کام سپرد کیا تھا وہ بھی نہیں ہوا، اس نے کہا میں مجبور تھا، مولانا نے کہا کیا مجبوری تھی؟ اس نے مولانا سے خاموشی سے کہا انگریزی جانتے ہو، مولانا نے کہا جانتا ہوں، افسر مولانا کو علیحدہ ایک بند کمرے میں لے گیا اور وہاں ایک فائل اٹھا کر دکھائی، کہا پڑھ لو کیا لکھا ہے، مولانا نے وہ تحریر پڑھی اور حیران رہ گئے۔ یہ وہ وزارت ریلوے کے نام خفیہ حکم نامہ تھا کہ نظام الدین سے جو قافلہ بمبئی جارہا ہے اسکو علیحدہ بوگی اور خاص کمپارٹمنٹ نہ دیا جائے، عام بوگی میں سفر کریں۔ یہ سرکلر وزارت داخلہ کی جانب سے تھا (اس وقت اندرا گاندھی وزیر داخلہ تھیں۔)

مولانا نے سوال کیا وزارت داخلہ کو اس سفر سے کیا دلچسپی ہے؟ سردار جی نے بتایا کہ وہ ان دونوں مقبول شخصیتوں کے ایک ساتھ سفر سے خطرہ محسوس کر رہی ہے، ان کو تنہا بوگی دینی مناسب نہیں سمجھتی اور اس افسر نے (خطرہ مول لیتے ہوئے) یہ بھی کہدیا کہ جس بوگی میں ان دونوں کی سٹیں ہیں اس کی خاص طرح سیٹنگ (SETTING) کی گئی ہے، شیخ الحدیث صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب کی سیٹوں کے ساتھ ساتھ خفیہ آلے لگائے گئے ہیں تاکہ ان کی ایک ایک بات ریکارڈ ہوتی رہے، اس کام کے لئے پوری بوگی میں تاروں کا ایک جال بچھایا گیا ہے اور ان دونوں کے کمپارٹمنٹ کے ادھر اُدھر جو لوگ سفر کر رہے ہیں، یہ سب سی آئی ڈی کے آدمی ہیں، وہ ان دونوں صاحبان کی اور ساتھ میں سفر کرنے والے تمام لوگوں کی ایک ایک بات پر نظر رکھیں گے۔ مولانا اظہار الحسن صاحب نے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے یہ سب باتیں مولانا محمد یوسف صاحب اور حضرت شیخ سے عرض کردیں جس کی وجہ سے سب حضرات نے خاص احتیاط برتی اور سفر بعافیت پورا ہو گیا۔

مولانا اظہار الحسن سے اور بھی کئی واقعات سنائے کہ کس موقع پر کون شخص سی، آئی ڈی متعین کئے گئے اس کا کیا انجام ہوا۔ ان کی واقعات کی وجہ سے مولانا ایسے اشخاص پر خاص نظر رکھتے تھے اور وفات سے پہلے کاندھلہ کے آخری قیام میں فرمایا کہ مرکز تبلیغ میں دنیا بھر کے جتنے افراد آتے جاتے، میں ان میں سے اکثر کو پہچانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ کون شخص کس غرض سے آتا ہے، خصوصاً جو غیر ملکی جماعتوں میں آتے ہیں یا ہندوستان سے جاتے ہیں، ان کا مقصد سفر کیا ہے، وہ اخلاص سے جا رہے ہیں یا ان کا کچھ اور مقصد ہے، اس کا اکثر اندازہ ہو جاتا ہے۔

نظام الدین میں قیام کے وقت مولانا اظہار الحسن صاحب نے مولانا محمد یوسف سے وعدہ لے لیا تھا کہ اسباق کے علاوہ دوسرے کام ان کے سپرد نہ کئے جائیں وہ مدرسہ کاشف العلوم کی تعلیمی مصروفیات کے علاوہ اپنے اوقات کے لئے جواب دہ نہیں ہوں گے۔ مولانا محمد یوسف نے آخر تک ان شرائط کا پورا خیال رکھا، مگر مولانا یوسف کی وفات کے بعد مرکز کی ایک کے بعد ایک تمام ذمہ داریاں مولانا کے سر پر آگئی تھیں، جس کو مولانا نے اس جامعیت اہتمام اور حسن انتظام کے ساتھ نبھایا کہ حیرت ہوتی ہے۔

مدرسہ سے متعلق دیگر مصروفیات مدرسہ کاشف العلوم کی ہر طرح کی پوری ذمہ داری مولانا اظہار الحسن صاحب پر آگئی تھی، شروع سال میں تمام طلبا کا داخلہ، طالب علموں کی رہائش، طالب علموں کے لئے کمروں اور ضروریات کا انتظام، اسباق اور نظام الاوقات کی ترتیب، طلبا کی بیماری اور رخصت پر نظر رکھنا اور سال بھر کے تینوں امتحانات کی ہر ایک طالب علم کی ایک ایک کتاب کے نمبرات ایک رجسٹر میں درج کرنا اور اگر کوئی طالب علم بیمار ہو یا کوئی اور پریشانی ہو اسکی خیر و خبر رکھنا اور ضروری انتظام کرنا، سب کام مولانا خود ہی کرتے تھے۔ مدرسہ کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ بیرونی مہمانوں کے ٹھہرنے کا انتظام ان کے لئے مناسب کمرے کا انتخاب بستر، تکیہ چادر کا لحاظ اور ناشتہ اور کھانے کے وقت یاد رکھنا بھی مولانا کا ایک امتیازی وصف تھا۔ معلوم نہیں مولانا کس طرح

یاد رکھتے تھے کہ فلاں وقت جو فلاں مہمان آیا تھا وہ فلاں جگہ ٹھہرا ہوا ہے اور اس کو کونسی چادر یا بستر دیا گیا تھا اور دستر خوان پر ان کے لئے کونسی جگہ موزوں ہے۔

سردیوں کے موسم میں رات کے ایک ڈیڑھ بجے تک نئے نئے مہمان آتے رہتے تھے اور جو بھی مولانا سے بستر یا لحاف وغیرہ کے لئے کہتا مولانا اس کا انتظام کرتے تھے، بعض دنوں میں ایک ہی رات میں پچاس، پچاس ساٹھ، ساٹھ بسترے مہمانوں کو دیئے جاتے تھے اور اگرچہ مولانا ان کی کوئی یادداشت نہیں رکھتے تھے لیکن مولانا کو تمام بستروں اور لے جانے والوں کا حلیہ یاد رہتا تھا اور وہ فجر کے آدھ پون گھنٹہ کے اندر تمام بسترے واپس جمع کرا لیتے تھے۔

نیز مدرسہ کاشف العلوم اور مرکز تبلیغ میں جو بھی چھوٹا بڑا کام ہوتا تھا مولانا اس سے پورے طور پر باخبر رہتے تھے۔ مگر آخری چند سالوں میں متعدد معاملات میں مولانا نے اپنی دلچسپی محدود کرلی تھی۔

بنگلہ والی مسجد اور مدرسہ کاشف العلوم کی تولیت بنگلہ والی مسجد اور مدرسہ کاشف العلوم ایک وقف جائیداد ہے، جس کا باقاعدہ ایک متولی ہوتا ہے، مولانا محمد یوسف صاحب کے صاحبزادے مولانا محمد ہارون اسکے متولی تھے مولانا کی ۱۹۷۲ء میں چند روز کی علالت کے بعد اچانک وفات ہو گئی تھی، اب قانونی طور پر یہ ضروری تھا کہ اس وقف کا کوئی اور متولی مقرر ہو، اس وقت کئی نام آئے لیکن حضرت شیخ کی رائے بلکہ تحریری حکم پر (۱) مولانا اظہار الحسن صاحب کو متولی نامزد کیا گیا، اس وقت سے وفات تک تقریباً ۲۴ سال مولانا اسکے متولی رہے۔

چند خصوصیات مولانا کم گو تھے، عموماً کم بات کیا کرتے تھے اور جو بات کرتے تھے عموماً مختصر ہوتی تھی، لیکن ذہانت اور ظرافت بے پناہ تھی، ہر بات میں غالب کی طرح ہنسی کا پہلو ضرور ہوتا تھا اور عموماً ہلکی پھلکی بات پسند کرتے تھے اور کسی کی دل آزاری اور توہین تو

(۱) اس وقت جن اور لوگوں کو متولی بنایا جا سکتا تھا حضرت شیخ نے اپنی اس تحریر میں ان کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ فلاں میں یہ صلاحیت نہیں اور فلاں کے ساتھ یہ مجبوری ہے۔ یہ تحریر راقم سطور کی نظر سے گذری ہے۔

گویا جانتے ہی نہیں تھے، لیکن جب کوئی بد انتظامی ہوتی خاص طور سے ان کے ماتحتوں میں سے کوئی ایسی حرکت کرتا تو تیز آواز میں خوب ڈانٹتے تھے اور بعض مرتبہ بڑے بڑے لوگ بھی اس زد میں آجاتے تھے، لیکن تھوڑی دیر میں پھر ویسے ہو جاتے تھے، ویسی خندہ پیشانی، ویسی ہی محبت، ویسی ہی عنایات بلکہ اگر کبھی کسی طالب علم وغیرہ کو زیادہ ڈانٹ دیتے تھے تو بعض میں اس کو کوئی تحفہ، کچھ پیسے ضرور دیتے اور ہر طرح سے اسکی دل جوئی کرتے تھے۔

مولانا عموماً ایک ایک پیسہ بہت احتیاط سے خرچ کرتے تھے اور یہ گوارہ نہیں تھا کہ کسی بھی معاملہ میں فضول خرچی ہو یا کوئی پیسہ ضائع کیا جائے، لیکن جب کسی کی پریشانی یا ضرورت دیکھتے تو ان کی یہ سب احتیاط اور کفایت شعاری یک لخت کافور ہو جاتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا رہتا تھا کہ کوئی طالب اپنی کوئی ضرورت یا پریشانی لیکر آتا مولانا سے کہتا تو مولانا خاموشی سے اتنے ہی روپے نکال کر اسکو دیدیتے، یہ بھی ہوتا تھا کہ جماعت میں آئے ہوئے کسی شخص، بعض مرتبہ تازہ اور نووارد مہمان کو کوئی اچانک ضرورت پیش آگئی یا اسکا کوئی ایسا نقصان ہو گیا وہ مولانا کے پاس آیا تو مولانا عموماً اس کو محروم نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے رات کے وقت ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں کیرالہ کا رہنے والا ہوں، جماعت میں آیا تھا میرا سامان چوری ہو گیا اب میرے پاس واپسی کا کرایہ بھی نہیں ہے، اگر آپ مجھے جانتے پہچانتے ہوں تو مجھے پانچسو روپے قرض دیدیں، واپس جاکر بھیج دوں گا، مولانا بولے: میں تمہیں نہیں جانوں گا تو کس کو جانوں گا؟ اور پانچ سو روپے نکال کر اسکو دیدئے اور نہ اس کا نام لکھا نہ پتہ۔ اسکے جانے کے بعد کہنے لگے کہ میں اس کا نام جانتا ہوں، نہ پتہ مگر اس طرح میں تقریباً ۵ لاکھ روپے لوگوں کو دے چکا ہوں اور چار پانچ آدمیوں کے علاوہ آج تک کسی نے بھی واپس نہیں کئے۔ مولانا اپنی ذات پر کم سے کم خرچ کرتے تھے اپنی دوا اور علاج پر بھی توجہ نہیں کرتے تھے لیکن اپنے گھرانہ بلکہ خاندان بھی میں کوئی معمولی سا بھی بیمار ہو جاتا تو اسکی سب سے زیادہ فکر غالباً مولانا ہی کو ہوتی تھی۔

شعر وادب کا ذوق اور شغف مولانا نے جس گھرانے اور ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور پرورش پائی تھی اس میں شعر وادب کا ذوق ایک عام بات تھی اس لئے مولانا کو بھی نوعمری میں شعر وادب سے مناسبت ہوگئی تھی، پرانے شاعروں کے دیوان اور مجموعے زیر مطالعہ رہتے تھے، مشاعروں میں بھی شرکت کا ذوق تھا، اچھے شاعروں کو سنتے اور ان کا کلام یاد رکھتے تھے۔ احسان دانش سے بچپن کی دوستی اور قربت نے اس ذوق کو خاص جلا بخشی، شعر کے معائب و محاسن کا علم ہوا اور شعریات کا مطالعہ وسیع ہوتا گیا نثری ادب سے بھی بہت دلچسپی تھی، عہد غالب سے اس زمانہ تک کے سب ادیبوں کی مؤلفات و تحریرات مطالعہ میں رہتی تھیں نظام الدین قیام سے پہلے تمام فارغ اوقات اسی مشغلہ میں گزرتے تھے۔

حسرت، جگر، اختر شیرانی کو اکثر پڑھتے اور پسند کرتے تھے، غالب اور فانی پسندیدہ شاعر تھے، اور نئے پرانے سب ہی شعراء کا منتخب کلام پیش نظر تھا، مگر تعجب ہے کہ مولانا کو علامہ اقبال اور ان کے کلام سے کچھ دلچسپی نہیں تھی، غالباً اقبال کو زیادہ پڑھا بھی نہیں۔ احسان دانش (١) کے پورے پورے مجموعے بلکہ تقریباً تمام کلام نوک زبان تھا، جس کو پہلے

---

(١) احسان دانش فطری شاعر تھے، کاندھلہ کے ایک غریب مگر شریف گھرانہ کے فرد تھے۔ قاضی محمد ذکی کاندھلوی اور حکیم شفیق الرحمٰن شفا کاندھلوی کے فیض صحبت سے شاعری کا ذوق ہوا اور ان ہی دونوں کے حسن تربیت سے پایہ کے شاعر ہوئے۔ احسان دانش نے جہان دانش (اپنی آپ بیتی کی پہلی جلد میں) کاندھلہ کے اس وقت کے ماحول اور معاشرہ کی دلچسپ تصویر کھینچی ہے۔ احسان نے مولانا اظہار الحسن کے بڑے بھائی مولانا حکیم قمر الحسن اور مولانا اظہار الحسن کا اپنی آپ بیتی اور شعری مجموعوں میں ذکر کیا ہے، احسان دانش حکیم قمر الحسن کے خاص دوست تھے حکیم قمر کی وفات (٨ / شوال ١٣٦٢ھ ٨ / ستمبر ١٩٤٣ء) کے بعد مولانا اظہار الحسن سے بہت قربت اور بے تکلفی ہوگئی تھی۔ احسان دانش کی اس دور کی ایک مختصر یادگار نظم "عزیز اظہار الحسن سے خطاب" ہے جو احسان کے ایک مجموعہ کلام (غالباً) مقامات میں شامل ہے۔

مولانا کو احسان دانش سے آخر تک انسیت رہی، احسان کا جو بھی کلام چھپتا اس کو حاصل کر کے پڑھتے تھے۔ مولانا کے پاس احسان کے تمام مجموعے موجود تھے اور احسان دانش کی وفات (   ) کے بعد احسان دانش پر جو تعزیتی تحریریں، تاثرات، اور مضامین ہندپاکستان کے ادبی رسالوں میں چھپے، مولانا نے وہ سب کوشش سے حاصل کئے اور عرصہ تک ان کو بار بار پڑھتے رہے۔

کثرت سے اور آخر میں کبھی کبھی بہت مزے میں پڑھتے تھے۔ مولانا نے آخری زمانہ حیات تک ادبیات اور تازہ شاعری سے رشتہ استوار رکھا۔

عربی شاعری سے بھی بہت دلچسپی تھی مگر اس کے ذوق میں اردو جیسا تنوع اور وسعت نہیں تھی، بیشتر قدیم شعراء کو دیکھتے پڑھتے تھے (اوپر گذر گیا ہے کہ مولانا کو حماسہ، متنبی اور قصائد معلقات تقریبازبانی یاد تھے) لیکن متأخر دور کے عربی شعراء اور تازہ عربی ادب سے انسیت نہیں تھی، فارسی کے اشعار بھی کبھی کبھی پڑھتے تھے مگر کسی بڑے فارسی شاعر کا بطور خاص مطالعہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

عشق نبوی | مولانا اظہار الحسن صاحب نہایت ظریف الطبع تھے، مولانا کی بات بات سے ہنسی کے فوارے چھوٹتے تھے مگر اندرون سوز باطن سے معمور اور عشق نبوی سے مالامال تھا، مولانا اگرچہ بہت کمزور اعصاب کے تھے مگر سخت سے سخت موقع اور بڑے سے بڑے حادثہ پر بھی خود پر پورا قابو رکھتے اور کوہ وقار بنے رہتے تھے، دل میں لاکھ ماتم و شیون برپا ہو مگر مجال ہے آنسو چھلک آئیں اور حالت بدل جائے مگر جب عموماً رات کے پچھلے پہر یا شب کی تنہائیوں میں (جب کوئی محفل میں آنے، مداخلت کرنے والا نہ ہو)، مولانا کسی خوش آواز طالب علم یا اپنے پرانے شاگردوں سے نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سنتے، اس وقت حالت دگرگوں ہو جاتی، مسلسل آنسو بہتے تھے اور روتے روتے بے تاب ہو جاتے تھے اور ہزار ضبط واحتیاط کے باوجود، گریہ کی آواز بلند ہو جاتی اور کبھی کبھی چیخیں تک نکل جاتی تھیں، یہ ایک دن کا قصہ نہیں تھا بلکہ جب جب بھی تنہائی میں نعت شریف یا قصیدہ سنتے یہی حال ہوتا تھا۔ مداح رسول (ﷺ) حضرت بوصیری نے کیا خوب فرمایا ہے:

فما لعینك ان قلت اکففا همتا ۔۔۔ فما لقلبك ان قلت استفق یهم
ایحسب الصب ان الحب منكتم ۔۔۔ مابین منسجم منه و مضطرم
لولا الهوى لم ترق دمعاً على طلل ۔۔۔ ولا ارقت لذكر البان و العلم

بیعت واصلاح باطن مولانا اظہار الحسن کو مولانا محمد الیاس صاحب اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے بے انتہا عقیدت و محبت تھی مگر (راقم سطور کو) یہ معلوم نہیں کہ مولانا ان دونوں میں سے کس سے بیعت تھے اور کب بیعت ہوئے تھے مگر بعد میں حضرت شیخ سے ارادت و محبت عشق و شیفتگی تک پہنچ گئی تھی اور اسی زمانہ میں (غالباً ۱۳۹۰ھ کے قریب) شیخ سے اصلاح و تربیت کی تجدید ہوئی۔ تجدید رسم تربیت کے بعد ذکر بالجہر اور تہجد وغیرہ کا اہتمام بہت بڑھ گیا تھا، تہجد کے وقت پست آواز سے ذکر بالجہر کیا کرتے تھے اور بعض اوقات دیکھا ہے کہ دن بھر کی سخت مصروفیت اور رات میں ایک دو بجے تک جاگنے مشغول رہنے کے باوجود یہ معمول متأثر نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ اور کیا کیا معمولات تھے ان کو کس وقت پورا کرتے تھے اس کا صحیح اندازہ نہیں، کیوں کہ مولانا ان تمام کاموں کو بہت احتیاط سے اس طرح انجام دیتے تھے کہ کسی کو خبر نہ ہو، تاہم ذکر کا معمول دائمی تھا جو سفر وحضر میں (خاصی احتیاط اور خفیہ طریقے سے) جاری رہتا تھا۔

اجازت و خلافت مولانا اظہار الحسن صاحب ۱۳۹۴ء میں حج و زیارت کیلئے گئے تھے اس وقت حضرت شیخ مدینہ منورہ میں تھے، مولانا مدینہ پاک حاضر ہوئے اور مدینہ شریف سے مکہ معظمہ واپسی کی رات میں حضرت شیخ نے مولانا کو اپنی قیام گاہ (مدرسہ علوم شرعیہ) پر بلوایا، اس موقع کے لئے شیخ نے ایک عمامہ پہلے سے خرید رکھا تھا وہ عمامہ مولانا قاضی عبدالقادر (ڈھڈیاں سرگودھا، پاکستان) نے شیخ کے حسب حکم مولانا کے سر پر باندھا اور شیخ نے اجازت و خلافت سے نوازا۔ حضرت شیخ نے یہ واقعہ اپنے روزنامچہ میں ان الفاظ میں درج کیا ہے:

(شب پنجشنبہ، ۲۵/ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ، ۶/ فروری ۱۹۷۵ء)

"ایک بجے شب اپنے معتکف پر زکریا نے اظہار کو بیعت کی اجازت دی، قاضی عبدالقادر نے وہ عمامہ جو اسی نیت سے خریدا گیا تھا اس کے سر پر باندھا"

اجازت کے بعد مولانا کا حضرت شیخ سے تعلق اور بڑھ گیا تھا شیخ کی کثرت سے خط لکھتے تھے جس میں نثری مضمون عموماً کم لیکن ایک دو خاص شعر ضرور ہوتے، کبھی صرف ایک شعر اور کبھی کبھی صرف ایک مصرعہ ہوتا تھا حضرت شیخ بھی اس کا اسی طرح جواب دیتے، لیکن یہ اشعار اور مصرعے ایسے معنی خیز ہوتے تھے کہ ان کے پیچھے حکایتوں کے دفتر پوشیدہ ہوتے تھے۔

مولانا اظہار الحسن کا ایک اور اہتمام یہ تھا کہ عید الفطر کے موقع پر شیخ کو ضرور خط لکھتے، جو صرف ایک شعر پر مشتمل ہوتا تھا۔

شیخ سے مولانا کو کس قدر محبت اور ربط دلی تھا اس کا اندازہ حضرت شیخ کی وفات کے دن ہوا (مولانا کے زندگی میں بڑے بڑے حوادث آئے خاندان کے کتنے عزیز رخصت ہوئے اور کیسی مشکلات کا سامنا ہوا، لیکن مولانا نے ان سب حوادث اور مصیبتوں کو نہایت صبر وسکون سے برداشت کیا مگر) جب شیخ کی وفات کی خبر آئی مولانا کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے وہ تنہائیوں میں روتے اور آنسو بہاتے رہے بعض مرتبہ گریہ کی آواز بلند ہو جاتی تھی، کئی دن تک یہی کیفیت رہی۔

حضرت شیخ کا ایک خاص عطیہ اور تبرک حضرت شیخ نے وفات سے تین یا چار سال پہلے مدینہ پاک سے مولانا اظہار الحسن کو ایک پر محبت اور بابرکت تحفہ، قیمتی گرم چادر بھیجی تھی، اس تحفہ اور چادر کی یہ اہمیت نہیں کہ وہ قیمتی یا گرم تھی، بلکہ اس کی اہمیت (جس نے اس تحفہ کو دنیا کے تمام تحائف سے ممتاز اور قیمتی چیزوں سے بالاتر کر دیا تھا) یہ تھی کہ یہ بیش بہا تحفہ اور چادر شیخ نے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد میں روانہ کی تھی۔ حضرت شیخ کو (غالباً) خواب میں حکم ہوا تھا کہ ہماری طرف سے یہ تحفہ مولوی اظہار کو بھیج دو، شیخ نے اس کا خاص اہتمام کیا ایک محترم شخص کے ذریعہ یہ انمول تحفہ بھجوایا اور یہ سب واقعہ تحریر فرمایا۔(۱)

(۱) شیخ کا یہ گرامی نامہ میری نظر سے نہیں گذرا، لیکن اس کا مولانا نے اپنے ایک دو خاص لوگوں سے تنہائی میں ذکر کیا جس کا مجھے علم ہے اور ایک مجلس میں اس کی مجملاً تصدیق بھی کی۔

مولانا نے اس تحفہ کا پورا پورا احترام کیا، رمضان المبارک میں ایک دو مرتبہ تبرک کے طور پر استعمال کرتے تھے اور بس، نیز وصیت کردی تھی کہ اس چادر کو میرے کفن میں رکھدیا جائے، اس وصیت کے مطابق وہ چادر مولانا کے کفن میں استعمال کی گئی۔

ارشاد و اصلاح مولانا نے حضرت شیخ سے اجازت کا کبھی چرچا نہیں کیا مگر جاننے والے جانتے تھے اور مولانا سے بیعت ہونا چاہتے تھے لیکن مولانا کی پوری کوشش یہ ہوتی تھی کہ یہ لوگ کسی اور کا دامن تھامیں، کہیں اور بیعت ہوں، مگر کچھ لوگ ایسے مضبوط ارادے کے تھے کہ مولانا کی بار بار ہدایت کے بعد بھی خود مولانا سے بیعت کے لئے اصرار کرتے رہے، ایسے لوگ جب بالکل مجبور کردیتے اس وقت مولانا ان کو بیعت کر لیتے تھے، ان کے لئے معمول تجویز کرتے، ان کی تربیت کی فکر فرماتے اور ان کی روحانی ترقی اور اوراد و اذکار نیز اصلاح باطن کے درجہ بدرجہ ہدایتیں دیتے تھے، ان سب کی مولانا سے خط و کتابت رہتی تھی، مولانا ان کے حسب طلب، ان کی صلاحیت اور ذوق کے مطابق دینی دنیاوی معاملات میں مشورے دیتے اور تربیت کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، اس طرح کی خط و کتابت مفصل و مختصر دونوں طرح کی ہوتی تھی(۱) مگر یہ کام اس درجہ خاموشی اور رازداری کے ساتھ ہوتا تھا کہ راقم سطور کو بھی مولانا کی وفات کے بعد ہی علم ہوا کہ متعدد اصحاب مولانا سے بیعت تھے اور ان کا مولانا سے اصلاح و تربیت کا واسطہ تھا۔

مولانا اپنے خاص شاگردوں کی بھی خوب نگرانی کرتے تھے، جو طلبہ مولانا سے مستقل رابطہ رکھتے اور خط و کتابت کرتے رہتے مولانا ان کی ایک ایک بات کی خیر خبر رکھتے تھے، یہاں تک کہ ان کے خطوط میں اردو املاء انگریزی یا عربی کے تلفظ کی جو غلطی ہوتی تھی اس پر بھی متوجہ کرتے، اگر کوئی لفظ بے محل استعمال ہو گیا ہو اس پر تنبیہ فرماتے اور ان کے مطالعہ، تعلیم کی ترقی اور دوسرے معاملات میں کیا کیا کتابیں اور طور طریقے مناسب ہیں ان کی بھی رہنمائی کرتے رہتے تھے (۲)

(۱) دو صاحبان نے علیحدہ علیحدہ ذکر کیا کہ ان کے خطوط کے جواب میں مولانا نے چھ چھ صفحہ کے خط لکھے۔

(۲) یہ سطور مولانا کے کئی شاگردوں اور مولانا کے زیر تربیت طالبان راہ سلوک کی گفتگو کا خلاصہ ہیں۔

دو مختصر خط نمونہ کے طور پر یہاں نقل کئے جارہے ہیں:

مکرم و محترم دام فضلکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہدایا کی اس طرح کثرت نہ کیجئے کہ یہ ضعیف وکمزور انسان اس کا بوجھ برداشت نہ کر سکے موجودہ حالات اور مستقل امراض کی حفاظت کے لئے سورہ تغابن کا پڑھنا بہت مجرب ہے، ہمارے اکابر حضرت شیخ، حضرت جی، اور اہل کاندھلہ کا معمول ہے، نہایت مفید ہے خود بھی صبح وشام ایک ایک مرتبہ پڑھیں اور طلبہ سے بھی پڑھوائیں۔ نیز صبح کی اور عصر کی نماز کے بعد ۷/۷ مرتبہ " بسم الله الذی لایضر مع اسمه شیئی فی الارض ولا فی السماء وهو السمیع العلیم " پڑھیں اور پڑھوائیں، بہت ہی مجرب ہے، مولانا اور حافظ قاسم صاحب سے سلام مسنون۔   والسلام

محمد اظہار الحسن

حضرت نظام الدین

۱۱/ شوال ۱۴۱۰ھ

عزیز مکرم..............السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا اولاً صاحبزادے اور پھر آپ کی طبیعت کی خرابی سے فکر و قلق ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب گھر والوں کو مکمل صحت و قوت عطا فرمائے۔ ہدیہ سحیہ پہنچا جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

اسم اعظم کے بارے میں دس بارہ روایات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے جو اس دن سنائی تھی:

" اللهم انی ادعوك الله و ادعوك الرحمن و ادعوك البر الرحيم و ادعوك باسمائك الحسنى ماعلمت منها و مالم اعلم " (۱)

صاحبزادی کے رشتہ کی خبر سے مسرت ہوئی حق تعالیٰ کارساز ہیں انتظام فرمائیں گے، آپ کثرت سے " لاحول و لاقوة الا بالله العلى العظيم " اس کے لئے

(۱) رواہ ابن ماجہ، عن عائشہ رضی اللہ عنہا۔ الترغیب والترہیب للمنذری تحقیق: ابراہیم شمس الدین۔ ص ۳۱۹ ج ۲ (دار الکتب العلمیہ، بیروت: ۱۴۱۷ھ)

پڑھتے رہیں۔ مولانا بھائی عبد الخالق سے سلام، حضرت جی وغیرہ لکھنؤ ہیں کل صبح انشاء اللہ واپس ہوں گے۔ (۱)

والسلام
اظہار الحسن غفرلہ

علمی تحریری باقیات مولانا نے اگرچہ زمانہ طالب علمی میں بہت محنت سے پڑھا تھا اور خصوصاً احادیث کے اسباق کی تقریباً تمام تقریریں توجہ اور اہتمام سے لکھی تھیں اور بعد میں درس وافادہ کا بھی سلسلہ رہا لیکن تصنیف و تالیف کی طرف کبھی توجہ نہیں کی، مولانا کی علمی تحریری باقیات میں ہمیں صرف دو چیزوں کا علم ہے۔ علامہ محب الدین طبری کی کتاب خلاصۃ السیر کے ترجمہ کا تکملہ اور حیاۃ الصحابہ کا ترجمہ۔

تکملہ ترجمہ خلاصۃ السیر تقریباً ۱۳۷۲ھ میں میرے والد ماجد مولانا افتخار الحسن صاحب مدظلہ نے علامہ محب الدین طبری کی سیرت پاک پر مختصر مگر جامع تالیف خلاصۃ السیر کے اردو ترجمہ کی مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی سے فرمائش کی۔ مفتی صاحب نے اس مبارک کتاب کا ترجمہ کیا مگر ترجمہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ مفتی صاحب مظاہر علوم سہارنپور سے کہیں اور تشریف لے گئے جس کی وجہ سے یہ ترجمہ نا تمام رہ گیا جس کو مولانا اظہار صاحب نے مکمل کیا اور آخر کے صفحات کا ترجمہ کر کے کتاب کو تکمیل تک پہنچایا، یہ ترجمہ اگرچہ ایک مرتبہ چھپا ہے مگر چھاپنے والے نے اس میں کثرت سے ردو بدل کر دیا ہے اس لئے وہ اب مفتی محمود صاحب کا ترجمہ رہا اور نہ مولانا اظہار الحسن صاحب کا، راقم سطور نے ترجمہ کے مسودہ کی نقل کرالی ہے جو انشاء اللہ کسی وقت شائع ہوگا۔

ترجمہ حیاۃ الصحابہ حیات الصحابہ مولانا محمد یوسف صاحب کی بے نظیر شہرۂ آفاق کتاب ہے (اس کے اردو میں کئی ترجمے ہو چکے ہیں مگر ہنوز صحیح اور اچھے ترجمہ کی ضرورت ہے) مولانا اظہار الحسن صاحب نے غالباً ۸۶۔ ۱۹۸۵ء میں حیاۃ الصحابہ جلد اول کا ترجمہ

(۱) یہ دونوں خط مدرسہ قاسم العلوم ہاپوڑ (میرٹھ) کے مدرس حافظ حبیب الرحمان کے نام ہیں جو مولانا کے شاگرد بھی ہیں۔

شروع کیا تھا اس ترجمہ کی دو کاپیاں میری نظر سے گذری ہیں (اور ان کے چند صفحات اس شمارہ میں مولانا کی ایک علمی یادگار کے طور پر شائع کئے جارہے ہیں) یہ ترجمہ اگر مکمل ہو جاتا توامید تھی کہ حیاۃ الصحابہ کی اردو میں صحیح ترجمانی ہو جاتی۔

وطن (کاندھلہ) کا آخری سفر نظام الدین قیام کے ابتدائی زمانہ میں شروع شروع میں دس پندرہ دن کے بعد پھر مہینہ بیس دن کے وقفہ سے کاندھلہ آنا ہوتا تھا، جب مدرسہ کی چھٹی ہوتی تھی نیز رمضان المبارک سے پہلے مولانا کاندھلہ آجاتے تھے۔ مولانا اظہار الحسن کا اپنی والدہ صاحبہ کی وفات (۲۹ / رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ، ۲۳ / جنوری ۱۹۶۶ء) تک یہ معمول رہا، والدہ صاحبہ کی وفات کے بعد یہ وقفہ طویل ہونا شروع ہوا اب ڈیڑھ دو مہینہ کے بعد آنا ہوتا تھا کم وقت کے لئے، مولانا ہارون صاحب کی وفات تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ مولانا کی وفات کے بعد یہ بھی ختم ہوا اب سال میں ایک دو مرتبہ تھوڑی دیر کے لئے کاندھلہ آتے تھے یا کسی خوشی یا غمی میں شرکت کے لئے سفر ہوتا، زندگی کے آخری آٹھ دس سال میں اس معمول میں بھی کمی آگئی تھی، کبھی سال میں صرف ایک شب کے لئے رمضان المبارک میں آتے، تین چار سال تک مشاغل کی کثرت اور ہر وقت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے اس کے لئے بھی وقت نہیں ملتا تھا، اس کی تلافی کسی اور توقع پر آکر کرتے تھے۔

وفات سے تقریباً بیس دن پہلے کاندھلہ کا آخری سفر ہوا، مولانا کو اس سے پہلے رمضان المبارک میں کاندھلہ آنے کا موقع نہیں ملا تھا، اس لئے مولانا کے آنے سے بے حد خوشی ہوئی مولانا بھی بہت بشاش تھے۔ ایک رات قیام کے بعد واپسی کا ارادہ ہوا مگر گھر والوں نے اصرار کیا تو (خلاف معمول) ایک رات کیلئے اور ٹھہر گئے۔ اس سفر کی قابل ذکر بات یہ ہے کہ مولانا نے اس سفر میں (غالباً پوری زندگی میں پہلی بار) تقریباً ساڑھے سات گھنٹے مختلف موضوعات پر بے تکلف گفتگو کی، خاندان کے چند پرانے واقعات اور قصے سنائے، نظام الدین میں قیام کے زمانہ میں جو عجیب واقعات پیش آئے ان کا ذکر کیا، اور ایسی اندرونی باتیں کیں جس میں احوال

دل اور زخم جگر کی کسک نمایاں تھی نیز جانے کیلئے کار میں بیٹھتے وقت خود سب بچوں سے علیحدہ علیحدہ مصافحہ کیا، کسے معلوم تھا کہ یہ مولانا کا گھر اور وطن کا آخری سفر ہے۔

نکاح مولانا کا لئٹ (ضلع مظفر نگر، یوپی) کے ایک پرانے ممتاز سادات خاندان میں جس کے متعدد افراد، برطانوی دور حکومت میں ممتاز سول سروسز (CIVIL SERVICES) میں اور متعدد ریاست بھاولپور میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، سید مکرم علی صاحب کی صاحب زادی شمس النساء سے ۳/ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ، ۲۶/ دسمبر ۱۹۳۸ء کو نکاح ہوا۔ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب (ناظم، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) نے نکاح پڑھایا، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن وغیرہ ساتھ تھے۔

اولاد مولانا کی اکلوتی اولاد زیب النساء عرف خالدہ صاحبہ کی یکم ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ، ۹/ مئی ۱۹۴۰ء پنجشنبہ کو ولادت ہوئی۔ ۱۸/ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ، ۱۹/ ستمبر ۱۹۶۱ء کو مولانا محمد یوسف کے صاحبزادہ مولانا محمد ہارون (ولادت ۲۴/ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ ،۸/ نومبر ۱۹۳۹ء) سے نکاح ہوا۔ ماشاء اللہ تین اولادیں ہیں ایک فرزند اور دو دختران۔

فرزند: مولوی محمد سعد (ولادت: ۸/ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ، ۱۰/ مئی ۱۹۶۵ء دوشنبہ)

دختران: فاطمہ اور عائشہ، فاطمہ (ولادت: ۲/ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ ۲۳/ اگست ۱۹۶۳ء جمعہ)

عائشہ (ولادت: ۶۔ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ ۷ مارچ ۱۹۶۸ء/ شنبہ یکشنبہ)

تینوں کی شادیاں ہو چکی ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ تینوں صاحب اولاد ہیں۔ بارک اللہ فیہم

مولوی سعد کا نکاح مولانا محمد سلمان صاحب سہارنپوری کی دختر سے ہوا، فاطمہ بیگم بھائی محمد حلیم (خلف مولانا محمد شمیم ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ) سے اور عائشہ بیگم میرے چھوٹے بھائی ضیاء الحسن سے منسوب ہوئیں۔

مگر افسوس کہ مولانا محمد ہارون نے بہت کم عمر پائی اور چند دن کی شدید علالت کے بعد ۲۹/ شعبان ۱۳۹۳ھ، ۲۸/ ستمبر ۱۹۷۳ء جمعہ کو انتقال کر گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ!

وفات

مولانا اظہار الحسن صاحب کی صحت عموماً ۶۴ / پینسٹھ سال کی عمر تک بہت اچھی رہی کوئی بڑی اور قابلِ ذکر تکلیف نہیں ہوئی اور ۶۵ سال کی عمر تک پہنچنے کے باوجود بال بھی کم ہی سفید ہوئے تھے صحت ہر پہلو سے قابل قدر تھی مگر مولانا ہارون صاحب کی وفات نے مولانا کی طبیعت کو اندرونی طور پر بہت متأثر کیا اور وہ اس حادثہ کے تین چار سال میں متعدد بیماریوں کے شکار ہوئے، ضعفِ ہاضمہ کی پرانی شکایت میں بہت اضافہ ہو گیا تھا، برسوں تک بہت معمولی اور ہلکی غذا استعمال کی۔ اس مرض سے افاقہ نہیں ہوا تھا کہ آنت اترنے کی شکایت ہونے لگی، کئی سال تک اس کی تکلیف اٹھائی، آخر میں دونوں آنکھوں میں کالا موتیا اتر آیا تھا جس کی وجہ سے دو سال تک بینائی سے تقریباً معذور رہے، ان کے علاوہ کوئی اور بیماری بظاہر ایسی نہیں تھی جس سے مولانا کی زندگی کو خطرہ محسوس ہوتا ان بیماریوں اور کمزور جسم کے باوجود مولانا ۷۸ برس کی عمر میں بھی نوجوانوں سے زیادہ مستعد اور چوکس تھے اور اپنے تمام کام مقررہ وقت پر انجام دینا ضروری سمجھتے تھے اور زندگی کے آخری دن بلکہ آخری سانس اسی معمول کے مطابق اپنے سب کام کرتے رہے۔

وفات کا حال | جس دن وفات ہوئی (۲۷ / ربیع الاول ۱۴۱۷ھ، ۱۳ / اگست ۱۹۹۶ء کو) اس دن کا آغاز بھی معمول کے مطابق فجر کی نماز کے فوراً بعد سنن ابی داؤد کے سبق سے ہوا، تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ سبق پڑھایا، سبق میں طلبہ کی کچھ بے توجہی دیکھی تو ان کو پہلے خوب ڈانٹا

بہت ڈانٹا، مگر سبق کے آخر میں سبھی طلبہ سے صاف صاف معافی مانگی کہ میں نے یہ کہدیا، آپ مجھے معاف کریں۔ سبق ختم کرکے معمول کے مطابق اپنے کمرہ میں آئے، چند منٹ آرام کیا، پھر ناشتہ کیلئے گئے، جہاں غیر ملکی مہمانوں کا ناشتہ ہوتا تھا، وہاں علیحدہ ایک چھوٹا چارپائی نما تخت سا بچھا ہوا تھا، ہمیشہ اس پر بیٹھ کر ناشتہ کرتے وہیں چائے پیتے تھے، اکثر مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری بھی وہیں آجاتے تھے۔

ناشتہ سے فراغت کے تقریباً آدھ گھنٹے بعد روزانہ کے کام اور ذمہ داریاں تقسیم کرنے کیلئے مشورہ ہوتا تھا (جس کا مولانا محمد یوسف صاحب کے زمانہ سے معمول چلا آرہا تھا) اس مجلس کے میر محفل مولانا ہی ہوتے تھے اس میں شرکت کے لئے تقریباً سوا نو بجے اوپر سے اتر کر آئے، راستہ میں مولوی سعد ملے، ان سے مشورہ میں آنے کیلئے کہا، وہ بولے میں آرہا ہوں، اس گفتگو کے بعد مولانا مشورہ کی جگہ پر تشریف لے آئے (ان دنوں یہ مشورہ مولانا محمد یوسف صاحب کے حجرے میں ہوتا تھا اور اب بھی وہیں ہوتا ہے) مشورہ میں روزانہ آنے والے آہستہ آہستہ آرہے تھے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ رہے تھے۔

مولانا کی عادت تھی کہ مشورہ سے پہلے پرانے بزرگوں کے قصے وغیرہ سنایا کرتے تھے، اس دن حاجی عبدالرحمٰن نو مسلم کا اپنے ساتھ گزرا ہوا ایک خاص قصہ سنایا۔

واقعہ یہ تھا کہ مولانا کی بیٹی (جن کا بعد میں مولانا ہارون صاحب سے نکاح ہوا، والدہ مولوی محمد سعد) بچپن میں سخت بیمار ہوئیں، جب کاندھلہ میں کسی علاج سے افاقہ نہ ہوا تو ان کو لے کر دہلی آئے، دہلی میں بھی ڈاکٹروں نے کچھ امید افزا بات نہیں کہی۔ جب کیفیت نازک ہوگئی، اسوقت حاجی عبدالرحمٰن سے دعاء کی درخواست کا ارادہ ہوا، اس کیلئے مولانا نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے گذارش کی وہ حاجی صاحب سے سفارش کردیں، حضرت مولانا، مولانا اظہار کو ساتھ لیکر حاجی عبدالرحمٰن کے پاس آئے۔ پہلے مولانا نے دعاء کیلئے کہا مگر حاجی صاحب خاموش رہے، مولانا محمد الیاس صاحب نے یہی بات دوہرائی، حاجی صاحب اس پر بھی خاموش رہے۔ حاجی صاحب کی خاموشی دیکھ کر

مولانا الیاس صاحب نے اپنی بات دوبارہ کہی، حاجی صاحب جواب تک خاموش تھے ایک دم کس قدر تیز لہجہ میں بولے "جاجا! تیری چھوری اگر مر جائے تو مجھ سے لے لیو" یعنی خدانخواستہ اگر تیری بچی پر کوئی آنچ آجائے تو میں ذمہ دار ہوں، اور اسی وقت سے اس بچی کو شفاء شروع ہو گئی، اور ماشاء اللہ اب تک بخیر و عافیت ہیں۔

مولانا اظہار صاحب یہ قصہ سنا کر کہنے لگے "پہلے ایسے لوگ ہوا کرتے تھے" اس دوران مولانا محمد عمر صاحب اور دوسرے رفقاء بھی مشورہ میں شرکت کیلئے حجرہ میں آگئے تھے، مولانا محمد عمر صاحب عموماً مولانا کی دائیں جانب بیٹھا کرتے تھے، وہ آکر بیٹھ گئے تھے۔

مولانا اظہار صاحب کا سلسلۂ گفتگو جاری تھا، اس بات پر کچھ صاحبان ہنس رہے تھے، اور کچھ سوچ رہے تھے کہ مولانا اظہار صاحب نے اچانک سر اٹھایا سامنے کی طرف دیکھا اور بے ساختہ کہنے لگے، "آیئے، آیئے تشریف لایئے" اور یہ کہہ کر دونوں ہاتھ اسطرح آگے بڑھائے جیسے کسی معزز شخصیت سے مصافحہ کرنا چاہتے ہوں (۱) ابھی دیکھنے والوں کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے کہ مولانا اچانک بائیں طرف کو جھکتے چلے گئے، مجلس مشورہ میں بنگلہ دیش کے ایک بڑے ڈاکٹر موجود تھے وہ جلدی سے آگے آئے مولانا کو دیکھا اور خطرہ محسوس کیا، فوراً ہی اور بڑے ڈاکٹر باہر سے بلائے گئے، لیکن مولانا کی روح عالمِ بالا کو پرواز کر چکی تھی۔ یہ حادثہ بالکل اچانک اور چند لمحوں میں اس طرح پیش آیا کہ سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔(۲) انا اللہ و انا الیہ راجعون۔ ان اجل اللہ اذا جاء لایؤخر لو کنتم تعلمون۔

مولوی سعد کے فون سے تقریباً سوا دس بجے مولانا کی شدید بیماری کی اطلاع

(۱) بعض لوگوں کو جو شاید دور بیٹھے تھے یا انھیں فوری طور پر واقعہ کی سنگینی اور نزاکت کا اندازہ نہ ہو سکا۔ یہ خیال ہوا کہ مولانا نے مولانا محمد عمر صاحب سے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھائے تھے، لیکن مولانا محمد عمر صاحب نے متعدد مجلسوں میں کہا اور راقم سطور نے ان سے خاص طور پر دریافت کیا کہنے لگے کہ میں تو ان کے برابر میں بیٹھا ہی تھا، مجھ سے مصافحہ کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔

(۲) راقم سطور اس موقعہ پر موجود نہیں تھا، کاندھلہ میں اس واقعہ کی اطلاع ملی، نظام الدین آنے پر اہل خانہ اور متعدد اصحاب سے یہ واقعہ سنا۔

کاندھلہ پہنچی (غالباً حادثۂ وفات کی اچانک اطلاع دینی خلاف احتیاط تھی) تقریباً پونے گیارہ بجے ہم سب کاندھلہ سے روانہ ہو رہے تھے، اسوقت یہ خبر بھی آگئی کہ مولانا رحلت فرما گئے۔

کاندھلہ دو گھنٹہ کے سفر کے بعد پون بجے بنگلہ والی مسجد پہنچنا ہوا، اسوقت مولانا کی میت کفن میں ملبوس، آخری سفر کیلئے تیار رکھی تھی۔ دور دراز سے لوگ نماز جنازہ میں شرکت کیلئے آنے شروع ہو گئے تھے، عصر کی نماز کے بعد ہمایوں کے مقبرہ کے قریب نرسری پارک کی نماز جنازہ ہوئی تھی، تقریباً سوا سات بجے وہیں مولانا کی نماز جنازہ ادا کی گئی جہاں سوا سال پہلے مولانا انعام الحسن صاحب کی نماز جنازہ ہوئی تھی جس میں تقریباً پچاس ہزار افراد شریک تھے۔ مولانا کے چھوٹے بھائی (راقم سطور کے والد ماجد) مولانا افتخار الحسن صاحب مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

تدفین کیلئے پہلے ہی یہ طے ہو چکا تھا کہ بنگلے والی مسجد میں جو مختصر سا احاطۂ قبور ہے جس میں حضرت مولانا محمد اسماعیل سے مولانا انعام الحسن صاحب تک تبلیغی جماعت کے تمام سربراہ آرام فرما ہیں، اسی احاطہ میں مولانا اظہار صاحب کو بھی سپرد خاک کیا جائیگا۔

یہ عجیب و غریب بات اور غیبی انتظام ہے کہ اس احاطہ میں ایک قبر کی جگہ سو سال سے زیادہ عرصہ سے محفوظ تھی، یہ جگہ مولانا محمد اسماعیل کی قبر کے مشرقی جانب اُن کی قبر کے بالکل ملی ہوئی تھی۔ یہ جگہ بنگلہ والی مسجد اور ملحقہ اراضی کے مالک مرزا الٰہی بخش مرحوم نے مولانا محمد اسماعیل صاحب سے محبت و عقیدت کیوجہ سے اپنے لئے پسند اور منتخب کر رکھی تھی مگر معلوم نہیں کسوجہ سے مرزا صاحب کے ورثاء نے ان کو اپنے خاندانی احاطۂ قبور میں دفن کیا (جو حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے اندر مشرقی جانب ہے) اسوقت سے یہ جگہ خالی پڑی تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ من جانب اللہ مولانا اظہار صاحب کے لئے مختص کر دی گئی تھی۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب کی وفات کے بعد بنگلہ والی مسجد میں مقیم اہل خاندان اور تبلیغی ذمہ داروں میں سے جو حضرات بھی آخرت کو سدھارتے رہے، ان سب کو سوائے

مولانا محمد ہارون کے اسی احاطہ میں دفن کیا گیا مگر ترتیب یہ رہی کہ جو بھی دفن ہوا، وہ مولانا اسماعیل صاحب کی قبر کے مغربی جانب ہوا، یہ مشرقی حصہ اسی طرح اپنے خاص مہمان کے انتظار میں خالی پڑا رہا۔ مولانا احتشام الحسن صاحب کی بیحد خواہش تھی کہ ان کو یہاں دفن کیا جائے مگر نہ ہو سکا، اس کے بعد حاجی محمد نسیم صاحب بٹن والے جو تبلیغی کام کے اول درجہ کے محسن نیز مولانا محمد الیاس صاحب کے بہت قریبی اور نہایت معتمد احباب میں تھے ان کی خواہش بلکہ وصیت تھی کہ ان کو یہاں دفن کیا جائے، مگر اسوقت بھی کسی کو یاد نہ آیا کہ یہاں ایک قبر کی جگہ ہے۔ مولانا محمد ہارون صاحب کی وفات کے بعد بھی حضرت شیخ نے خط لکھا تھا اور اس کا جواب طلب کیا تھا کہ جب وہاں ایک قبر کی جگہ تھی تو عزیز ہارون کو وہاں دفن کیوں نہیں کیا گیا، اس وقت بھی یہی بات سامنے آئی کہ اس جگہ کا خالی ہونا کسی کے ذہن میں نہیں رہا تھا، بالآخر مولانا محمد اسماعیل صاحب کی وفات (۴/ شوال ۱۳۱۵ھ) کے ایک سو دو سال بعد یہ جگہ مولانا اظہار الحسن صاحب کی آخری آرام گاہ بنی اور

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

تدفین میں مولانا محمد الیاس بارہ بنکوی مقیم بنگلہ والی مسجد، مولوی محمد سعد، مولوی عبد اللہ (خلف مولانا محمد بن سلیمان جھانجھی) بھائی مولوی عبد الرزاق گنگی (جو مولانا اظہار الحسن کے نہایت چہیتے اور سفر و حضر کے خادم، ہر وقت کے حاضر باش اور مولانا کے نہایت معتمد تھے) کے علاوہ میرے والد ماجد مدظلہ، راقم سطور، اور میرے دونوں بھائی بھی وہاں حاضر تھے۔

اسی دن شام کو مغرب کی نماز سے پہلے بنگلہ والی مسجد اور مرکز تبلیغ کے اس پرانے جہاندیدہ اور بوڑھے خادم کو جس نے کسی صلہ کی تمنا اور ستائش کی پرواہ کئے بغیر اس احاطہ سے برپا دینی خدمت اور علوم نبوت کی تعلیم و تدریس میں تینتیس سال اس طرح خرچ کئے کہ ایک دن بھی فضول اور آرام کا نہیں گزارا اور بعض دنوں میں اور خدمات کے علاوہ چودہ، چودہ گھنٹے صرف سبق پڑھانے میں لگائے اور بیس بیس گھنٹے مسلسل کام کیا بلکہ آخری دور

ـــ ماخوذ از ... و آثار کاندھلہ اپریل تا دسمبر ۱۹۹۶ء و جنوری تا ستمبر ۱۹۹۷ء

میں مخالفت اور بدگوئی کے نشتروں سے مجروح اور چور چور ہونے کے باوجود اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹائے نیز جس مقصد اور جس کام سے وابستگی اور وفا کا اپنے بزرگوں اور ساتھیوں سے عہد کیا تھا اس کو اس طرح پورا کر دکھایا کہ اب اسکی مثال ڈھونڈنی بلکہ ان کے نقشِ قدم پر چلنا اور ثابت قدم رہنا بھی آسان نہیں ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را!

من المؤمنین رجال صدقوا ماعاهدو الله علیه فمنهم من قضٰی نحبه و منهم من ینتظر و مابدلوا تبدیلا۔

یہاں علامہ شبلی نعمانی کے وہ اشعار یاد آرہے ہیں جو انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کی وفات پر کہے تھے۔ مولانا اظہار الحسن کی زندگی خدمات اور اطوار و عادات کو دیکھئے تو وہی بات اور وہی نقشہ سامنے آرہا ہے جو شبلی نے اپنے بھائی کا کھینچا ہے، ملاحظہ ہو :

وہ وفا کیشیٔ احباب ، وہ مردانہ شعار — وہ دل آویزیٔ خو ، وہ بحیۂ الفتِ یار
محبت رنج بھی اک لطف سے کٹ جاتی تھی — اس کی ابرو پہ شکن آکے پلٹ جاتی تھی
حق نے کی تھی کرم و لطف سے اسکی تخمیر — خوبیٔ خُلق و تواضع میں نہ تھا اس کا نظیر
بات جو کہتا تھا ہوتی تھی وہ پتھر کی لکیر — اس کی اک ذات تھی مجموعۂ اوصاف کثیر
بس کہ خوش طبع تھا وہ صاحب تدبیر بھی تھا — سچ تو یہ ہے کہ وہ نوخیز بھی تھا، پیر بھی تھا
اس کو شہرت طلبی سے کبھی کچھ کام نہ تھا — وہ گرفتار کمند ہوسِ خام نہ تھا
اسکی ہر بات میں اک لطف تھا اِبرام نہ تھا — وہ کبھی مدعی رہبریٔ عام نہ تھا
اسکو مطلوب کبھی گرمی بازار نہ تھی — اس کی جو بات تھی کردار تھی، گفتار نہ تھی
اسکو معلوم جو تھا وسعت تعلیم کا راز — اس نے دیکھے تھے جو منزل کے نشیب اور فراز

اس نے یہ کام نئی طرح کیا تھا آغاز
مگر افسوس کہ تھا راہ میں رخش تگ و تاز

قطعات تاریخ وفات

حضرت مولانا اظہار الحسن کاندھلوی

از مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب رومی

(مچھلی شہری، الہ آبادی۔ مفتی شہر آگرہ)

طالب لطف اظہار الحسن ۱۴۱۷ھ

صاف ہے تاریخ رکھو اس کو یاد حسرت واندوہ اظہار الحسن

۱۹۹۴ء

"جانِ ایمان" ساتھ ہے تاریخ کے آگئے جنت میں اظہار الحسن

۱۵۶ + ۱۸۴۰ ۱۹۹۶ء

ایک فقرہ "عمر اظہار" (۱۴۱۷) ہے جسکے اعداد سن ہجری کے لئے کافی ہو جاتے ہیں، اگر اسکے ساتھ دوسرا فقرہ "وفات مولوی" ۵۷۹ شامل کردیں تو مجموعہ سے سال عیسوی بن جاتا ہے یہ بات یوں کہی گئی ہے:

"عمر اظہار" آپ پہلے لیجئے سال ہجری ہو گیا لے لیجئے

۱۴۱۷ھ

پھر ملا لیجئے "وفات مولوی" سال شمسی اب ہوا ہے، دیکھئے

۵۷۹

۱۴۱۷

۵۷۹

۱۹۹۶ء

فقرات سنہ وفات

حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی

از مولوی محمد شعبان صاحب (دودھارا ضلع بستی)

وفات مولانا اظہار الحسن کاندھلوی

١٩٩٦ء

بگودر چشم زدن روح روان نزدخدا گرد

١٩٩٦ء

مخدومنا اظہار الحسن

١٩٩٦ء

السلام اظہار الحسن

١٤١٧ھ

بلبل زماں اظہار الحسن

١٤١٧ھ

ہادیٔ بلدہ بالعروۃ الوثقی

١٤١٧ھ

زبدۂ انجمن اظہار الحسن

١٤١٧ھ

پرہیز گار الحاج مولانا اظہار الحسن کاندھلوی

١٩٩٦ء

احقر محمد شعبان بستوی دودھارا بستی

١٩٩٦ء

مولانا اظہار الحسن کے
درسِ سنن ابوداؤد کا آخری سبق

(جو وفات سے صرف ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہوا)

مولانا اظہار الحسن صاحب نے حضرت مولانا محمد یوسف کے بے حد اصرار پر مدرسہ کاشف العلوم بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین دہلی میں حدیث پڑھانی شروع کی تھی، جن کتابوں سے مولانا نے مدرسہ کاشف العلوم میں درس کا آغاز کیا ان میں سنن ابوداؤد بھی شامل تھی۔ یہ واقعہ ۱۳۸۳ھ ۱۹۶۳ء کا ہے اس وقت سے مولانا وفات کے دن (۱۳/ اگست ۱۹۹۶ء) تک مدرسہ کاشف العلوم میں دورۂ حدیث کی اہم ترین کتابیں پڑھاتے رہے، جس میں صحیح بخاری شریف بھی شامل تھی۔ اگرچہ اور کتابوں کے پڑھانے کی ترتیب میں کبھی کبھی کچھ تغیر و ترمیم ہوا لیکن سنن ابوداؤد کا سبق ہمیشہ مولانا اظہار الحسن صاحب کے پاس ہی رہا اور وفات کے دن تک اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ وفات کے دن بھی انتقال سے کچھ پہلے ابوداؤد کا سبق پڑھا کر آئے تھے۔ مولانا کے بعض غیر ملکی شاگرد مولانا کے تمام اسباق ٹیپ میں محفوظ رکھتے تھے، اس اہتمام کی وجہ سے یہ آخری سبق بھی ٹیپ کر لیا گیا تھا اور یہی سبق مولانا کے آخری علمی، درسی یادگار کے طور پر آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔ افسوس ہے کہ ٹیپ کی خرابی کی وجہ سے تقریر کا آخری حصہ نقل نہیں کیا جا سکا جس میں مولانا نے حضرت مولانا محمد الیاس کی خدمت میں اپنے قیام اور مولانا محمد الیاس کی زندگی کے میوات کے سب سے بڑے اجتماع میں حضرت مولانا محمد

الیاس کی موجودگی میں حضرت مولانا کی نمائندگی کا حال بہت دلچسپ انداز میں ذکر کیا تھا۔ اس حصے کے آئندہ صفحات میں شامل نہ ہونے کا ہمیں افسوس ہے مگر اس ٹیپ کی دوسری کیسٹ نہ ملنے کی وجہ سے مجبوراً یہی ناتمام تقریر پیش کی جارہی ہے۔ (نور)

(باب ما جاء فی السدل فی الصلوة)[1]

نماز میں سدل ثوب کا مسئلہ نماز میں سدل مکروہ ہے نماز کے باہر مکروہ نہیں، امام شافعی وغیرہ نے کہا ہے کہ نماز میں بھی مکروہ ہے نماز سے باہر بھی مکروہ ہے۔ سدل ؟ ایسے کپڑے کو استعمال کرنا کہ آپ نے رومالی ڈال رکھا ہے وہ پورا لٹکا ہوا ہے، چاروں طرف یا آپ نے چادر لپیٹ رکھی ہے بدن پر، یہ دونوں صورتیں نماز میں بھی مکروہ نماز سے باہر بھی مکروہ۔ علامہ نوویؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے اسی کو قوی قرار دیا ہے، علامہ نوویؒ نے کہا کہ یہ اقوی ہے۔ احمد بن حنبلؒ یہ کہتے ہیں کہ اگر بدن پر کوئی کپڑا نیچے پہنے ہوئے ہے پھر سدل کرلے تو مکروہ نہیں۔ علامہ شامی نے کہا کہ اقوال ہمارے یہاں مختلف ہیں لیکن صحیح قول یہ ہے کہ : لایکره خارج الصلوة و یکره فی الصلوة نماز سے خارج مکروہ نہیں ہے نماز میں مکروہ ہے۔ اب رہ گئے امام مالکؒ ان کے یہاں مطلقاً جائز ہے، نماز میں بھی جائز ہے نماز سے خارج بھی جائز ہے۔ یہ مذاہب بیان کئے گئے ہیں اور علامہ نوویؒ نے کہا : ان کان للغرور فحرام و الا فمکروه شوافع کے یہاں نماز میں بھی مکروہ ہے نماز سے باہر بھی مکروہ ہے۔ اگر کوئی رومال سر پر ڈال کر آتا ہے، ایک رومال ہے اس کو سر پہ ڈال رکھا ہے لیکن اس کو لپٹ رکھا ہے یہ صورت بھی ناجائز ہے لیکن سر پہ رومال ڈال کر بیٹھے ہی تھے تو یہ بھی ان کے یہاں مکروہ ہے، اگر تکبر کی نیت سے ہے تو حرام ہے اگر تکبر کی نیت نہیں ہے تو مکروہ ہے۔

(۱) بذل المجہود فی حل سنن ابی داؤد، حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی مہاجر مدنی۔ ص ۳۵۵ /ج ۱
(طبع جدید سہارنپور ۱۳۱۰ھ)

منہ بند کر کے نماز پڑھنا: ایک یہ کہ منہ کو بند کرلے اب منہ کو بند کرنے کی چند صورتیں ہیں یا تو منہ کو بند کرے گا یوں (یہاں منہ بند کر کے دکھایا تھا) نماز خاموش کھڑے ہونے کا نام نہیں، نماز میں تو ثنا پڑھی جاتی ہے، تعوذ پڑھی جاتی ہے تسمیہ پڑھی جاتی ہے۔ اکیلا اگر ہے تو فاتحہ پڑھے گا، سورت پڑھے گا، پھر رکوع میں جائے گا تکبیر کہے گا، سبحان ربی العظیم کہے گا، پھر کھڑا ہوگا تو سمع اللہ لمن حمدہ کہے گا، ربنا لک الحمد کہے گا، پھر سجدہ میں جائے گا تکبیر کہے گا، سبحان ربی الاعلیٰ کہے گا۔

دونوں سجدوں کے بیچ کی تسبیح پھر قعدہ کے درمیان بیٹھے گا تو اللھم اغفرلی، اللھم اغفرلی، اللھم اغفرلی تین بار کہے گا یہ امام احمد کے نزدیک واجب ہے، اہل ظاہر کے نزدیک واجب ہے۔ دو سجدوں کے درمیان تین مرتبہ اللھم اغفرلی کہنا واجب ہے اہل ظاہر کے نزدیک، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اگر نہیں کہے گا نماز نہیں ہوگی۔

ایک مرتبہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ بھئی دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں کیا پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا جی اللھم اغفرلی تین مرتبہ، کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا اہل ظاہر کے نزدیک واجب ہے اور علامہ انور شاہ نے کہا ہے کہ جب ایک امام کا مذہب وجوب کا ہے ہمارے نزدیک واجب نہیں ہے لیکن ہمیں نماز ایسی پڑھنی چاہئے کہ اور ائمہ کے مذاہب میں جو وجوب یا فرضیت ہے اس کی رعایت کرتے ہوئے، کیا خبر کہ ان کا ہی قول صحیح ہو اور اور ہمارے امام کا قول صحیح نہ ہو۔ دونوں احتمال ہیں۔ لہذا احتیاط اسی میں ہوتی ہے کہ نماز ایسی پڑھی جائے کہ جو چیز دوسروں کے یہاں فرض ہے ہمارے یہاں فرض نہیں ہم اس کا اہتمام کریں، پڑھیں۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک جلسہ کے اندر تین مرتبہ اللھم اغفرلی کا پڑھنا واجب ہے۔ تو بہت ہنسے (حضرت جیؒ) فرمایا کہ بچپن سے مری عادت بھی یہی ہے کہ میں تین مرتبہ اللھم اغفرلی پڑھا کرتا ہوں لیکن مجھے

معلوم ہی نہیں یہ بات، یہ بات مجھے معلوم نہیں، یہ حضرت نے فرمایا کہ اہل ظاہر اور احمد کے قول میں واجب ہے مجھے معلوم نہیں تھا، لیکن میں اہتمام اس کا کیا کرتا تھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم کچھ پڑھتے ہو جب جاتے ہو دوسرے سجدہ میں، اس لئے میں نے پوچھا تھا، آج معلوم ہو گیا کہ امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں واجب ہے اور مستحب ہے ہمارے یہاں (یہ ہے) دوسرے کے مذاہب کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھنا۔

پچھلے مسئلہ کی مزید تحقیق اگر آپ نے منہ بند کرر کھا ہے تو سب سے محروم بعض کے نزدیک نماز ہی نہیں ہو گی، سجدہ سہو واجب ہو گا سجدہ سہو لازم ہو گا، چاہے منہ بند کرے اگر ویسے ہی بند کرر کھا یا یہ کہ ہاتھ سے بند کرر کھا تو ہاتھ کی جو جگہ تھی آپ نے اس کو چھوڑا۔ ہاتھ کی جگہ قیام کے اندر باندھنا ہے، رکوع کے اندر گھٹنے پڑر کھنا ہے، سجدہ کے اندر زمین پر رکھنا ہے، قاعدہ کے اندر رانوں پر رکھنا اور آپ منہ میں لئے ہوئے ہیں تو ہاتھ سے عمل تو آپ نے ہر جگہ چھوڑا۔ چلئے ہر گز ہاتھ نا استعمال کیا، نہ وہ کپڑا لے کر کپڑا باندھ لیا یوں (یہاں بھی کر کے دکھایا) یہ ممنوع ہے، کیوں؟ ایک تو مشابہت ہے اس میں مجوس کی مجوس آگ کی پوجا کرتے ہیں اور آگ کا کچھ حصہ لے کر اس کو اسی طریقے سے کسی کپڑے وغیرہ میں رکھ کر کہ منہ نہ جلے اس کو یوں باندھ لیں، یہ مشابہت ہو جائے گی مجوس کی۔ دوسرے آپ نے ہندوؤں کو دیکھا ہے سادھوؤں کو، ہندو جو سادھو ہوتے ہیں ان کے یہاں منہ پر پٹی باندھ لیتے ہیں یہ ان کی مشابہت ہے۔ ہمیں جہاں یہود و نصاری کی مخالفت کا حکم ہے، ان کی زیادہ مخالفت کا حکم ہے لہذا اس واسطے ممنوع ہے۔ بہر حال دونوں چیزیں ناجائز ہیں یہاں تک تو بات کل ہو گئی تھی اب رہ گئی یہ آخری روایت۔ اب یہ کہتے ہیں ابن جریج کہ میں نے اکثر دیکھا تھا ابن ابی رباح کو کہ نماز پڑھ رہے ہیں ساتھ ہی سدل کئے ہوئے ہیں(۱) اب سات طریق علماء نے بیان کئے سدل کے، سر پڑ کپڑا ڈال دیا، یوں لٹکا ہوا ہے اس کو لپٹ نہیں سکتا۔ یا تو ایسے یا یہ ایسے۔

(۱) بذل المجہود ص ۳۵۶ ج ۱

راوی حدیث کا اپنی روایت کے خلاف عمل اب مسئلہ اختلافیہ آگیا، راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرتا ہے تو رویات معتبر ہے یا نہیں؟ یہاں راوی اپنے عمل کے خلاف روایت کررہے ہیں۔ تو جو لوگ کہتے ہیں کہ راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف کرنے سے وہ روایت قابل احتجاج قابل عمل نہیں۔ عطاء بن ابی رباح مشہور اور معروف صحابی ہیں دو سو صحابہ کے شاگرد ہیں، وہ روایت کررہے ہیں ابو جریج والی، اس کے خلاف عمل کررہے ہیں، تو معلوم کہ ان کے نزدیک یہ روایت ثابت نہیں، یا قابل عمل نہیں۔ بعض لوگوں نے کہا نہیں، بعض لوگوں نے کہا کہ جملہ غلط ہے اگر راوی ثقہ ہے اور وہ روایت کررہا ہے اور پھر عمل اس کے خلاف کررہا ہے تو اس کے روایت کے خلاف عمل کرنے سے روایت کی صحت کے اندر اور روایت کی قوت کے اندر کوئی خلل یا فرق نہیں آتا، اگر وہ عمل کررہا ہے۔ کیا خبر کیا عذر ہے اس کو جس کی وجہ سے وہ ایسا کررہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ معذور ہو اور کسی وجہ سے اس نے ایسا کیا ہو۔ تو اسی وجہ سے دونوں قول ہیں بعض نے اس کو ترجیح دی ہے، بعض لوگوں نے اس کو۔

(باب الصلوۃ فی شعر النساء[1])

عورت کی چادر اور کپڑے میں نماز پڑھنا عبید اللہ بن معاذ اپنے والد سے کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ ہمارے لئے............ میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اب امام ابو داؤد نے بتلادیا کہ جو عبید اللہ بن معاذ نے کہا کہ میرے جو استاذ ہیں یعنی میرے والد محترم ان کو شک ہے کہ ان کے استاذ اشعث نے لحو فنا کہا تھا یا شعورنا کہا تھا، شعور جمع شعار کی اور لحوف جمع ہے لحاف کی، دو کپڑے ہوتے ہیں ایک ہوتا ہے شعار ایک ہوتا ہے ازار شعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو بدن سے متصل ہوتا ہے ازار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو اوپر ہے۔ نیچے آپ بنیان پہنے ہوئے ہیں اوپر کرتا ہے تو بنیان ہے شعار اور کرتا ہے ازار،

(۱) بذل المجہود ص ۳۵۶ ج ۱

آپ کرتہ پہنے ہوئے ہیں اوپر چادر اوڑھے ہوئے ہیں تو کرتہ ہے شعار، جو بدن سے لگا ہوا ہے کھال سے متصل ہے اور جو اوپر چادر ہے وہ ہے ازار۔ لحاف کہتے ہیں اوڑھنے کی چیز کو۔ لحاف اس کو نہیں کہتے کہ دوہرا ہوا، بیچ میں روئی بھری ہوتی ہو، یہ نہیں اوڑھنے کی چادر کو لحاف کہتے ہیں، چاہے وہ موٹی ہو چاہے وہ پتلی ہو۔ تو حضور ہماری چادروں میں ہمارے کپڑوں میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔

عورت کا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

کیا عورت کے کپڑے لئے عورت کی چادر وغیرہ اوڑھ کر نماز پڑھنا جائز ہے؟ جمہور کہتے ہیں جائز ہے، جائز! حضرت عثمان ابن عفان امیر المؤمنین کبھی کبھی ایک دوشالہ اوڑھ کر آتے تھے، نماز پڑھایا کرتے تھے اور دوشالہ تھا بڑا قیمتی اس زمانہ کے اعتبار سے دو سو درہم کا اب لوگ کہتے کہ امیر المؤمنین ایسا بڑھیا کپڑا پہن کر آتے ہیں یہ لوگوں نے اعتراض کیا ہوگا (بلند کیا ہوگا) تو نماز کے بعد کھڑے ہو کر معذرت کرنے لگے: اجی یہ میرا نہیں ہے مری بیوی کا ہے، نائیلہ کا ہے، میں نے دو سو درہم میں اس کے لئے منگوایا تھا، اس کا اصرار ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین کبھی کبھی میری چادر اوڑھ کر نماز پڑھادیا کریں تاکہ برکت حاصل ہو، اس کے اصرار پر اوڑھ کر آیا ہوں، ورنہ اس کا ہے وہ استعمال کرتی ہے۔ معلوم ہوا امیر المؤمنین عثمان بن عفان اپنی بیوی کی چادر اوڑھ کر مسجد نبوی کے اندر فرض نمازیں پڑھاتے ہیں تو جواز معلوم ہوا، تو اس سے معلوم ہوا کہ احیاناً کبھی کبھی حضور عورتوں کے کپڑوں سے اجتناب کرتے تھے، عورتوں کے کپڑے استعمال نہیں کرتے تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ عورت گھر کے کام میں ہر وقت لگی رہتی ہے، آج کل کی عورتوں کی طرح تھوڑی ہے۔ پہلے زمانے کی عورت تو سارے گھر کا کام کرتی تھی کبھی جھاڑو دیتی ہے کبھی نالیاں صاف کر رہی ہے، کبھی بچوں کے کپڑے دھورہی ہے گندے، کبھی بچوں کو نہلارہی ہے، چھینٹیں پڑسکتی ہیں، عورتوں کو اس کی زیادہ پرواہ اور اہتمام ہوتا نہیں اس لئے عورتوں کا کپڑا کچھ مشکوک سا ہوتا ہے۔ شاید اس میں چھینٹ پڑگئی ہو، عورت کو پتہ بھی نہیں چلا، وہ تو پرواہ زیادہ نہیں کرتی ہے بچنے کی اس

سے، اس لئے حضور اس سے اکثر اجتناب کیا کرتے تھے، ورنہ حضور اکرم ﷺ کا عورتوں کے کپڑوں کو پہن کر اول تو حضورؐ حضرت عائشہؓ کا اور عائشہؓ حضور کا اور بیوی کا کپڑا ہی ہوتا تھا رات کو سوتے تھے، سردی کا زمانہ نیچے کمبل ہے اور ایک چادر لگالی تاکہ سردی دور ہو جائے، دونوں لپٹ گئے۔ صبح ہوئی آپ نے تو مجھے نہیں جگایا، آپ نے تو اوپر کی چادر اتاری اس کو اوڑھا اور سجدے میں چلے گئے تو اکثر ایسا ہوا کرتا تھا تو حضورؐ کا استعمال کرنا ثابت ہے، ناجائز نہیں ہے۔ جب تک نجاست متیقن نہ ہو، اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ لیکن اکثر کا قول یہ ہے کہ استعمال نہ کرے۔

دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض ہوتے ہیں کمزور دل والے بعض ہوتے ہیں پختہ اور قوی دل والے اب یہ (ایک میواتی طالب علم کا نام لیا) میوات کے ہیں، اب یہ میواتی اگر کئی اپنی بیوی کی لمڑی اوڑھ کر چلا جائے اس کا دوپٹہ اوڑھ کر چلا جائے نماز میں، تو ساری نماز میں یہی خیال رہے گا اوہو! منی کی ماں کا ہے، یہ خبر نہیں کیا کر رہی ہوگی، خبر نہیں اٹھ بھی گئی ہوگی یا ابھی سو رہی ہوگی، نماز ہو رہی ہے ادھر اسی کا خیال لگا ہوا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کپڑا جو آدمی اوڑھتا ہے جو بھی اوڑھے گا اس کو بو بس جائے گی، آدمی کو تو اپنی بو محسوس نہیں ہوتی لیکن دوسرے کا کپڑا جب اوڑھتا ہے تو بڑی اسکی بو محسوس ہوتی ہے دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے فلاں کا کپڑا ہے، فلاں کا لباس ہے۔ دوسرے کی بو بعضوں کو دوسرے کی بو ناگوار طبع ہوتی ہے، یہ گوارا نہیں ہوتا کہ دوسرے کی بو کپڑے ہی میں آئے اور اس کو استعمال کرے، اس واسطے بھی آپ اجتناب کیا کرتے تھے ورنہ ناجائز نہیں ہے۔ اگر کپڑا پاک ہے تو جمع کرنا جائز ہے۔

سبق اور تعلیم میں کامیابی کے اصول

سبق میں آنے سے پہلے تیاری پوری کر کے آئیں ایسی تیاری کہ اگر استاذ نے کوئی لفظ غلط کہدیا ہے تو فوراً ٹوک دے اس کو اور استاد کے جانے کے بعد اسکو پڑھے۔ علماء نے لکھا ہے تین باتیں اگر آدمی کرلے تو اس کو علم حاصل ہو سکتا ہے، پورا مطالعہ کر کے آئے۔ مطالعہ بھی ایسا کہ استاذ بھی اگر غلط پڑھے تو

فوراً اس کو ٹوک دے، دوسرے استاذ جو بیان کرے صحیح ہو یا غلط اسکو غور سے سنے، پھر استاد کے جانے کے بعد اسکو یاد کرے، تکرار کرے ایک دفعہ، دو دفعہ، تین دفعہ، جب تک کہ وہ مسئلہ وہ بحث یاد نہ ہو جائے، تین باتوں کا اہتمام کرے تو اللہ اسکو علم عطا فرماتے ہیں۔ اگر تین باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی چھوڑ دی تو اس کے لئے علم نہیں، مطالعہ استاذ کے لئے بھی ضروری ہے، ہمارے بڑے بڑے اساتذہ بڑے بڑے جو حافظ حدیث تھے ان کے لئے ایک ایک بات ازبر ہے لیکن کتاب کا مطالعہ کئے بغیر نہیں پڑھاتے تھے۔ بڑے بڑے اکابر اگر ان کو آمد نامہ پڑھانے کو دے دیا جائے یا حمد باری پڑھانے کو دیدی تو وہ اس کا بھی مطالعہ کر کے آتے تھے۔ علامہ انور شاہؒ کہتے ہیں کہ بغیر مطالعہ کے کتاب کا پڑھنا اور پڑھانا حرام ہے۔ جب تک کہ مطالعہ کر کے نہیں آئے بڑے بڑے اکابر، بڑے بڑے مشائخ نے اس وقت تک سبق نہیں پڑھایا۔

حضرت مدنیؒ کا ایک لائق تقلید واقعہ

رات کے دو بجے شیخ الاسلام حضرت مدنی دیوبند سے سہارنپور آئے اور آکے زنجیر کھٹ کھٹائی۔ شیخ ابھی سوئے نہیں تھے، بارہ ایک بجے تک کتاب دیکھتے پھر سو جاتے تھے دیکھا کہ حضرت! رات کو حضرت کہاں سے آگئے؟ کہنے لگے میاں! مطالعہ دیکھ رہا تھا اپنی کتاب کا اور تمہاری کو کب دیکھ رہا تھا تو کو کب میں تم نے یہ مذہب لکھا ہے، حالانکہ مذہب تو یوں ہے، میں اسکو پوچھنے کے لئے آیا تھا سمجھنے کے لئے تم سے۔ اللہ اکبر شیخ الاسلام حضرت مدنی جو اپنے زمانہ کا امام الحدیث ہے امام الحدیث، ان سے بڑھ کر کوئی امام الحدیث نہیں، جس نے پندرہ برس تک حضور اکرم ﷺ کی قبر اطہر کے سامنے بیٹھ کر درس حدیث دیا فاقوں کے ساتھ میں، وہ مطالعہ دیکھے بغیر کتاب نہیں پڑھاتے تھے۔ رات کی بارہ بجے مطالعہ میں اشکال ہوا تو ایک آدمی سے کہا تانگہ لاؤ، گاڑی کا وقت ہے؟ اس نے کہا جی ہاں ابھی گاڑی نہیں آئی گاڑی آنے والی ہے۔ فوراً تانگہ میں بیٹھ کر اسٹیشن پہونچے، سہارنپور پہونچے، وہاں سے تانگہ پکڑا واپسی کا اور چین سے آگئے۔ اب شیخ کہتے ہیں کہ واقعی میں بھی چکر میں پڑ گیا کہ واقعی مذہب تو یہ تھا، میں نے

یہ لکھ رکھا ہے؟ میں نے کہا حضرت مجھ سے غلطی ہو گئی، فرمایا میرا تو مطالعہ کا وقت تھا میں تو مطالعہ دیکھ رہا تھا اشکال ہو گیا تھا، محض ایک اشکال کے لئے حضرت مدنی نے فوراً سفر کیا، یہ بھی نہیں سوچا کہ بعد میں پوچھ لیں گے یہ بھی نہیں کہ اس کو بیان نہ کریں۔

حضرت چلے گئے، اب حضرت شیخ کہتے ہیں کہ مجھے نیند نہ آئے، مجھے نیند نہیں آتی کہ مجھ سے اتنی بڑی غلطی ہوئی جو میں نے یہ لکھ دیا، غلط مذہب کیا ہو۔ شیخ کہتے ہیں میں ساری رات کتابیں ٹٹولتا رہا، کسی کتاب میں پھر دیکھا کہ دوسری جلد کے اندر اس کی تصحیح ہے اور صحیح یہ ہے جو میں نے یہاں لکھا وہ صحیح ہے اور وہ غلط ہے۔ وہاں اس کے بارے میں کچھ ایسی بات لکھی پھر انہوں نے فوراً آدمی بھیجا حضرت کے پاس، کہ حضرت یہ ہے مجھ سے غلطی نہیں ہوئی، بات وہی ہے، جو وہاں ہے، لیکن وہاں اگلے باب میں میں نے اس بات کو کھولا ہے حضرت بہت خوش ہوئے، پھر اس کا شکریہ ادا کرنے آئے۔ یہ اکابر کا معمول تھا کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی جیسا آدمی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا جو محدث عالم تھے ان جیسا آدمی بغیر مطالعہ کے نہ کبھی سبق پڑھادیں، نہ سبق پڑھیں حالانکہ کتابیں ان کے حفظ یاد تھیں، کتابیں ان کے بالکل ازبر تھیں، مذاہب کے امام تھے لیکن بغیر مطالعہ کئے نہیں پڑھاتے تھے۔

(باب الرجل یصلی عاقصا شعرہ (۱))

جوڑا باندھ کر نماز کا پڑھنا جوڑا باندھنے کی تین صورتیں ہیں ایک تو آپ نے دیکھا ہو گا چرانے لالاؤں کو، پرانے، پرانے بلبیروں کو، پرانے بوڑھوں کو، چاروں طرف سے بال کٹے ہوئے ہیں یہاں تھوڑی سی چوٹی ہے اس کو یہاں باندھ رکھا ہے، ایک بال باندھتا ہے سکھ، بڑے بڑے بال رکھتا ہے اور وہ یہاں جوڑا باندھتا ہے، ایک باندھتی ہیں مسمات عورتیں وہ اپنی چوٹی کو یہاں باندھ لیتی ہیں۔ اگر چھوٹا ہے یہاں باندھ رکھا ہے تو

(۱) بذل المجہود ص ۳۵۶ ج ا

ہندوؤں سے مشابہت، اگر بال بڑے بڑے ہیں پھر یہاں باندھ رکھا ہے تو سکھوں سے مشابہت، اگر یہاں پیچھے باندھ رکھا ہے تو وہ مشابہت عورتوں کی اور ہر ایک کی مشابہت کرنے سے روکا گیا ہے، نہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرو نہ غیر مسلموں کی مشابہت۔ یہاں تو ہر کام میں غیر مسلموں کو مقتدا بنا رکھا ہے، ان کے طریقوں پر چلنا ہے ہمیں، حضور کے طریقہ کو تو معاذ اللہ پسند ہی نہیں کرتے۔ توبہ توبہ سر پر یہ جوڑا باندھ لینا نماز میں اگر بڑا ہے تو سکھوں کی مشابہت، اگر چھوٹا سا ہے تو ہندؤں کی مشابہت، پنڈتوں کی۔ اگر یہاں باندھ رکھا ہے تو عورتوں کی مشابہت، عورتیں یہاں باندھا کرتی ہیں جوڑا اس کی ممانعت ہے۔ آدمی نماز پڑھتا اپنے جوڑا باندھے ہوئے۔ طبرانی کی روایت ہے نہی...... روایت بالکل صحیح ہے۔ عورتوں کی طرح پیچھے جوڑا باندھنے سے یا سکھوں کی طرح اوپر جوڑا باندھنے سے ہندؤں کی طرح کہ سر منڈھا ہوا ہے اور تھوڑے بال چھوڑ رکھے ہیں اور جوڑا باندھ رکھا ہے تو تمام کی ممانعت ہے۔

(عبارت) سعید ابن ابی سعید روایت کرتے ہیں اپنے والد کیسان ابو سعید سے کہ انہوں نے دیکھا ابو رافع کو اور ابو رافع کون ہیں؟ حضور اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام۔ عباسؓ نے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا جب کہ وہ مشرک تھے، اسلام قبول نہیں کیا تھا چچا نے بھتیجے کو بھیج دیا تھا، بھتیجے نے قبول فرمالیا تھا بڑی خوشی سے، ان سے بڑے اچھے تعلقات تھے اور بہت محبت کیا کرتے تھے چچا بھتیجے سے۔ حضور نے رکھا بعد میں (حضرت عباس) مسلمان ہوئے، ابو رافع کو اسلام کا پتہ چلا، جاتے ہی خبر سنائی حضور کو، حضور آپکے چچا مسلمان ہو گئے، مسلمان تو پہلے ہی سے تھے چھپے ہوئے آج اعلان کر دیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تو نے میرا جی خوش کیا، میں تیرا جی خوش کرتا ہوں تجھے آزاد کر دیا جب ہی آزاد ہو گئے۔ گھر جانا چاہتے ہو یا ہمارے پاس رہنا چاہتے ہو۔ گھر جانا چاہتے ہو تو تمہارے لئے سواری کا تمہارے لئے توشہ کا تمہارے لئے زاد راہ کا انتظام کریں، وہاں بھیجیں۔ ہمارے یہاں رہنا چاہتے ہو تو ہمارے گھر والے بن کر رہو گے۔ انہوں نے کہا:

ترا دامن کیسے چھوڑوں ترى دنیا مرا دیں

تری دنیا کیسے چھوڑوں مری دنیا مراد ہے اسلوب کمند............اب تو خسرو نظام الدین تری زلفوں کے پھندے میں پھنس گیا ہے، تری گلی چھوڑ کر کہاں جائے گا اور یہ کہا کہ:

کس چیز کی کمی ہے مولیٰ تری گلی میں دنیا تری گلی میں عقبیٰ تری گلی میں

اور پٹتا ہے عاصی ہی تو مولیٰ تری گلی میں

کامیابی رات کے جاگنے کے اندر ہے، رات کے جاگنے کے اندر، جاگ کر کوئی عمل کرے جاگ کر مطالعہ کرے، جاگ کے کتابیں دیکھ لے، جاگ کر یاد کر لے رات کو، تب ملتا ہے اللہ کے یہاں کا سودا رات کو ملتا ہے دن میں یہ بازار بند رہتا ہے:

ے بکتا ہے رات ہی کو سودا تری گلی میں

تو انہوں نے کہا پھر آج سے تم ہمارے گھر والے........میں سے ابو رافع وہ ہیں حضور کے غلام ہمارے آقا۔ ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ صاحبزادہ صاحب نماز پڑھ رہے ہیں جوڑا باندھ رکھا ہے پیچھے، یہاں جوڑا کیسے باندھ لیا۔ ارے بھائی! وہاں تو بال رکھنا عام تھا مرد ہو کہ عورت سب کے لمبے لمبے بال بوڑھا ہو کہ جوان، ادھیڑ عمر ہو کہ چھورا بال سب کے ہوتے تھے یہ استرہ پھروانا یہ تو ہندوؤں کا طریقہ تھا، یہاں چلے آئے صوفیا انہوں نے بھی استرہ پھروا لیا، ان کو دیکھ کر مسلمانوں نے بھی استرہ پھروانا شروع کر دیا، ایک دوسرے کو دیکھ کر پہلے سے چلتے ہیں۔ حضور کے طریقوں کو حمزہؓ کے طریقوں کو تو دیکھتے نہیں وہ تو یہ دیکھتے ہیں یہاں کے پنڈتوں کا طریقہ ہے، پادریوں کا طریقہ ہے وہی اختیار کرتے ہیں۔ یہ استرہ تو یہاں پھرنا شروع ہوا ہے، ورنہ تمام صحابہ تمام اولیاء کرام نے بال رکھے ہیں، ہمیں کیوں پسند نہیں۔ کوئی استرہ نہیں پھرواتا تھا، کوئی بال نہیں کٹواتا تھا، خیر ان کے بال لمبے لمبے تھے، جوڑا باندھ لیا یہ تھے آزاد شدہ غلام لیکن گھر کے خادم، گھر کے انوکھے خادم، دیکھا کہ صاحبزادہ جوڑا باندھے ہوئے ہے آگے بڑھے جا کے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بال کھولنے شروع کر دئے

انہیں غصہ آیا، نماز کے اندر یوں گھوم کے دیکھا پیچھے کہ یہ کون کھول رہا ہے میرے بال .... یعنی مطلب یہ تھا کہنے لگے صاحبزادہ چپکے چپکے نماز پڑھ لو، ناراض مت ہو، مجھے اپنا کام کرنے دو، میں نے تمہارے نانا جان اپنے آقا و مولی رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، ہاں میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا ہے کیا سنا ہے؟ کہ حضور نے یہ ٹوکا ہے یہ فرمایا ہے، یہ جوڑا جو ہے شیطان کا صوفہ ہے، یہ کہتا ہے شیطان کہ صوفہ سیٹ تیار کیا ہے اس نے مرے بیٹھنے کے لئے، یہ مرے بیٹھنے کیلئے صوفہ بنایا ہے، یہ مسند ہے وہیں آکر بیٹھ جاتا ہے شیطان، شیطان یہ سمجھتا ہے کہ اس نے یہ بالوں کا جوڑا جو ہے (یہاں ہو یا یہاں کو) میرے بیٹھنے کے لئے بنایا ہے یہ میرا مسند ہے، میرا اسٹیج ہے وہ آکر اس پر بیٹھ جاتا ہے لہذا اس واسطے کھول رہا ہوں۔

غیر نبی پر درود و سلام کا حکم اور شیعوں کے اثرات

(عبارت حدیث) یہ کیا ہوا بھئی علیہ السلام یہ علیہ السلام کیا ہے؟ غیر نبی پر اصالۃً صلوٰۃ و سلام ناجائز اور حرام ہے، مذہب انہوں نے تحریر کئے خیر وہ مذاہب جب آئیں گے تو بتائیں گے علیحدہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے عجیب بات لکھی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ نے کہا کہ ہندوستان کے روح دوراں رافضی رہے چاہے رافضی ہو بہت سے علاقے تو ایسے ہیں جہاں کے بادشاہ ہی رافضی (شیعہ) بہت سے علاقے ایسے جہاں کے بادشاہ تو سنی ہیں لیکن ان کے وزراء، وزیر اعظم، گورنر سارے رافضی ہیں۔ لکھنؤ تھا وہاں رافضیوں کی حکومت تھی، واجد علی شاہ کی، وزیر سارے کے سارے رافضی۔ دلی تھا تو یہاں مغلوں کی حکومت تھی، بادشاہ تو سنی لیکن انکے وزراء سارے کے سارے رافضی، یہ صفدر جنگ کا مقبرہ، صفدر جنگ کون تھا؟ رافضی تھا، وزیر اعظم۔ یہ فلانے کا مقبرہ ہے، سارے رافضی ہیں۔ جیسے راجہ ویسے ہی پرجا، جیسے حاکم ویسے ہی ہو جاتے ہیں محکوم۔ تو چونکہ نبی تو معصوم ہے نبی کے لئے تو جائز ہے۔ حضرت علی ہوں حسن ہوں حسین ہوں زین العابدین ہوں کہ محمد باقر ہوں کہ جعفر صادق ہوں .... شیعوں کے نزدیک سارے کے سارے ائمہ معصومین ہیں، ائمہ نبی کے درجہ میں ہوتے ہیں لہذا ان کو علیہ السلام کہتے ہیں۔ عضرت علی علیہ السلام، حضرت حسن

علیہ السلام، حضرت حسین علیہ السلام، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام یہ علیہ السلام اس میں اختلاف ہے چلتے چلتے یہ آگیا اس میں بھی لمبی ہوگئی بات یوں کہنے لگے یہ غلط ناجائز ہے، رضی اللہ عنہ کہنا چاہیے۔ علیہ السلام تو نبی کے لئے ہے اصالۃً اور طبعاً نہیں، طبعاً جائز ہے اصالۃً جائز نہیں۔ غیر نبی کو صلوٰۃ وسلام پڑھنا اب علی علیہ السلام حسن علیہ السلام حسین علیہ السلام کہنا ناجائز ہے ایک۔ دوسری بات کہ اس

کیسٹ کی خرابی کی وجہ سے یہ تقریر ناتمام ہے پوری نقل نہیں کی جاسکی

ترجمہ خلاصۃ السیر از مولانا اظہار الحسن کا ایک صفحہ

آئیے دیکھیں اس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے [illegible] رہے
سیرت کی کتب میں ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانے پینے کا بالکل
منقول نہیں ہے البتہ دودھ دینے والی اونٹنیاں آپ کے پاس بیس تھیں
جو جنگل میں رہتی تھیں اور رات کے وقت ان کا دودھ دوھ کر دو بڑی مشکوں میں
دیا جاتا تھا بعض اونٹنیاں سب سے زیادہ دودھ دینے والی تھیں جیسے الحناء
السمراء العریس السعدیة - البغوم - الیسیرة - الرثاء -
آپ کی ایک اونٹنی کا نام بردہ تھا جو ضحاک بن سفیان کی پیش کردہ تھی۔ یہ سب سے
زیادہ دودھ دیتی تھی۔ تنہا دو عمدہ اونٹنیوں کے برابر دودھ دیا کرتی تھی
ایک اونٹنی کا نام مہریہ تھا یہ حضرت سعد بن عبادہ نے بنو عقیل کے
اونٹوں میں سے منتخب کرکے حضور کی خدمت میں بھیجی تھی - ایک اونٹنی قصواء
نامی آپ کی ملک میں تھی یہ وہی اونٹنی ہے جسے حضرت ابوبکر نے
مع ایک دوسری ناقہ کے بنو قشیر سے ۸۰۰ درہم میں خریدی تھی۔ حضور اکرم
اسی پر سوار ہو کر ہجرت فرمائی تھی۔ اس وقت یہ چار سال کی تھی۔ نزول وحی کے
وقت کوئی ناقہ اس کے سوا آپ کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی تھی (اسی کو
عضباء اور جدعاء بھی کہتے ہیں اگرچہ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے
کہ یہ تین اونٹنیاں تھیں۔ یہی وہ ناقہ ہے جو کہ دوڑ میں پیش پیش رہتی تھی)
لیکن ایک مرتبہ پیچھے رہ گئی اس کا مسبوق ہو جانا مسلمانوں پر [illegible]

حیات الصحابہ

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی

کا اردو ترجمہ

از حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی

حیات الصحابہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی نہایت مقبول اور شہرۂ آفاق تصنیف ہے جو پوری دنیا میں کثرت سے پڑھی جاتی ہے اس کے اردو میں بھی کئی ترجمے ہوئے ہیں جس میں مولانا محمد عثمان فیض آبادی کا اردو ترجمہ سب سے زیادہ چھپا اور پڑھا گیا مگر مولانا اظہار الحسن صاحب کو اس ترجمے کی استنادی حیثیت پر خاصا شبہ تھا مولانا نے (غالباً ۸۶-۱۳۸۵ھ میں) اس ترجمے کے پہلے حصوں کا عربی کتاب سے مقابلہ کیا تھا اس مقابلہ و تصحیح کے وقت اگرچہ مراجعت اور تحقیق کے لیے المنجد کے ایک پرانے نسخے کے علاوہ اور کوئی کتاب سامنے نہیں تھی مگر پھر بھی مولانا اظہار الحسن صاحب نے مولانا عثمان صاحب کے ترجمہ کی جلد اول کے صرف پہلے حصہ میں سو سے زیادہ اہم فروگذاشتیں اور ترجمہ کے اغلاط نشان زد کئے تھے۔ اس مقابلے کے بعد مولانا کا اس ترجمے پر سے اعتماد بالکل ہی ختم ہو گیا تھا۔ غالباً مولانا نے اس ترجمے پھر

کبھی استفادہ نہیں کیا ۔ کچھ دنوں کے بعد مولانا اظہار الحسن صاحب نے حیات الصحابہ کے نئے ترجمے کا منصوبہ بنایا اور تقریباً قلم برداشتہ ترجمہ شروع کر دیا تھا مگر یہ ترجمہ مکمل نہیں ہوا ۔ اگرچہ بعد میں جب مولانا مستقل طور پر نظام الدین منتقل ہوگئے تھے اور وہاں عشاء کے بعد روزانہ حیات الصحابہ سنانے کی ذمہ داری مولانا پر آگئی تھی اس وقت مولانا نے روزانہ کے اس درس میں کئی مرتبہ حیات الصحابہ کی تینوں جلدوں کا ترجمہ کیا (اور مولانا کے حیات الصحابہ کے ایک مکمل ترجمے کا پورا ٹیپ بھی محفوظ ہے) جن لوگوں کو اس بابرکت مجلس میں حاضری کی سعادت میسر آئی وہ اس کے لطف اور مولانا کے ترجمہ کی جاذبیت و معنویت کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتے ۔

مولانا نے جو اردو ترجمہ لکھنا شروع کیا تھا اس کے چند صفحات تبرک اور نمونے کے طور پر پیش کئے جارہے ہیں ۔ (نور)

ہجرت کی بیعت

حضرت یعلی بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں فتح مکہ سے اگلے روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور میرے والد سے ہجرت کے لیے بیعت لے لیجئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہجرت تو فتح مکہ کے بعد ختم ہو گئی ہے اب تو میں ان سے جہاد کی بیعت لوں گا ۔ (بیہقی)

دین کی امداد کے لیے بیعت

حضرت جابر رضی اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد دس سال تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اقامت گزیں رہے لوگوں کے مکانوں پر، باہر سے آنے والوں کی قیام گاہوں پر، عکاظ و مجنۃ کے بازاروں میں موسم حج اور دوسرے میلوں کے موقعوں پر آپ لوگوں کو تلاش کر کر کے ان کے پاس پہنچتے اور ان سے پوچھتے کہ کیا کوئی شخص آمادہ ہے کہ دین کی اشاعت کے لیے مجھے اپنے یہاں پناہ دے؟ کیا کوئی شخص تیار ہے جو خدا کا پیام لوگوں تک پہنچانے میں میری مدد کرے اور اسکے بدلہ میں جنت حاصل کرے؟ لیکن کوئی شخص آمادہ اور تیار نہ ہوتا تھا اور آپ کی نصرت اور مدد سے گریز کرتا تھا۔ اگر یمن کا یا قبیلہ مضر کا کوئی شخص مکہ کے ارادہ سے بھی چلتا تو اس کے اور رشتہ دار اس کے پاس آتے اور اس کو طرح طرح سے سمجھاتے کہ دیکھنا قریشی جوان سے بچتے رہنا اس کے دھوکہ میں نہ آجانا اور اس کو اس قدر سمجھا دیتے کہ وہ آپ کے قریب بھی نہ آنے پائے۔ جہاں لوگوں کے پڑاؤ ہوتے آپ وہاں تشریف لے جاتے اور ان کی سواریوں کے درمیان سے گذرتے تو وہ انگلیوں سے آپ کی طرف اشارے کرتے اور طرح طرح سے تمسخر اور مذاق اڑاتے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ اللہ نے یثرب سے ہمیں آپ کی خدمت اطہر میں بھیجا ہم نے آپ کی تصدیق کی اور دین حق کی تبلیغ کے لیے اپنے یہاں آنے کی درخواست کی، پھر تو ایسا ہوگیا کہ ایک شخص مدینہ سے چلتا آپ کی خدمت اطہر میں حاضر ہو کر دولت ایمان سے مالا مال ہوتا اور آپ سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتا اور اپنے گھر واپس آجاتا۔ اس کو دیکھ کر مدینہ کے دوسرے لوگ مسلمان ہونے لگتے۔ یہاں تک کہ مدینہ کے گھرانوں میں کوئی گھر ایسا باقی نہیں رہا جس میں مسلمان نہ ہوں اور اپنے اسلام کو ظاہر نہ کرتے ہوں۔ پھر ایک دن ہم سب جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ آخر یوں کب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے یار و مددگار چھوڑا جائے کہ آپ مکہ کے پہاڑوں میں چکر لگاتے رہیں اور جہاں بھی آپ اپنی دعوت لے کر

جاویں بے نیل و مرام اور خوف زدہ ہو کر واپس آئیں۔ اس پر ستر آدمی چلے اور موسم حج میں مکہ پہنچے اس وقت آپ ..... افشاء راز کے خیال سے سب مجتمع ہو کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر نہیں ہوئے بلکہ ایک ایک دو دو ہو کر پہنچتے رہے۔ جب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے تو ہم نے آپ سے عرض کیا، حضور ہم حاضر ہیں اور ہر طرح تیار ہیں، آپ ارشاد فرمائیں کہ آپ ہم سے کسی چیز کی بیعت لیں گے۔ آپ نے فرمایا مجھ سے اسی بات کی بیعت کرو کہ دل چاہے یا نہ چاہے۔ بہر صورت میری بات سنو گے اور اس کی تعمیل کرو گے اور تنگی و ترشی ہو یا دولت کی فراوانی بہر حال خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں کوتاہی نہ کرو گے اور لوگوں کو بھلائی کی تلقین کرو گے اور برے کاموں سے روکو گے اور اللہ کی بات کہنے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ کرو گے اور جب میں تمہارے پاس آجاؤں تو تم میری اعانت کرو گے اور جس طرح تم اپنی جان اپنے اہل و عیال اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہو اس طرح میری حفاظت کرو گے، اسکے عوض میں تم جنت کے مستحق ہو گے۔ ہم سب بیعت کے لیے آمادہ اور تیار ہو کر آپ کی طرف بڑھے لیکن حضرت اسعد بن ذرارہ نے جو اس جماعت میں سب سے چھوٹے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑ لیا۔

(اور ہماری طرف مخاطب ہو کر کہا) اے مدینہ والو! ذرا صبر کرو جلدی نہ کرو، یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اطہر میں اسی وقت حاضر ہوئے ہیں جب ہمیں پوری طرح اطمینان و یقین حاصل ہوگیا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، لیکن اس کے باوجود آج آپ کو مکہ سے نکالنا اور مدینہ لے جانا گویا پورے عرب کی دشمنی مول لینا ہے، اور گویا اس پر آمادگی ہے کہ حضور کی نصرت کی وجہ سے تمہارے بہترین افراد اور سردار قتل ہوجاویں اور تلواریں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کردیں۔ غرض یہ کہ آج حضور اکرم کا ہاتھ تھامنے سے تمہارے اوپر ہر طرف سے قسم قسم کی مصیبتیں آویں گی۔ اگر تم میں اتنی ہمت اور جرات ہے کہ ان مصائب کو برداشت کرسکو تو آج بڑے شوق سے حضور اکرم کا دست مبارک تھام لو، اللہ تم کو اس کی بہترین جزا عطا

فرمائیں گے اور اگر تم میں ہمت و جرات نہیں ہے تمہیں اپنی جانوں کا ذرا سا بھی خوف ہے تو آج ہی آپ کو چھوڑ دو اور صاف صاف عرض کر دو کہ ہم میں اس قدر ہمت نہیں ہے، تو حضور اکرم خدائے قدوس سے تمہاری طرف معذرت فرما دیں گے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا اے سعد ہاتھ دراز کرو، خدا کی قسم ہم کبھی بھی اس بیعت کو نہ توڑیں گے اور کبھی اس بیعت کو واپس نہیں لیں گے۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم سب کھڑے ہوئے اور آپ سے بیعت کی، آپ نے ہم سے کچھ وعدے لئے اور شرطیں مقرر فرمائیں اور ان کی ادائی پر جنت کا وعدہ فرمایا۔

حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں گھاٹی میں جمع ہو گئے حضور اکرم تشریف لائے آپ کے ہمراہ آپکے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے، وہ اسوقت تک اسلام نہیں لائے تھے (لیکن اسکے باوجود حضور اکرم سے نہایت محبت تھی) اسلیے انکی خواہش ہوئی کہ اپنے بھتیجے کے اس اہم معاملہ میں خود شریک ہوں اور آپکے لیے اچھی طرح پیمان کرلیں۔ جب حضور تشریف فرما ہو گئے تو سب سے پہلے حضرت عباس نے گفتگو شروع کی اور فرمایا، اے قبیلۂ خزرج کے گروہ تم اچھی طرح واقف ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم لوگوں میں کیا رتبہ اور حیثیت ہے اور اب تک ہم آپکی حفاظت اور مدافعت ان لوگوں سے کرتے رہے ہیں جو اپنے سابقہ دین پر قائم ہیں۔ (تمام اختلافات کے باوجود) پھر آپ اپنی قوم اور اپنے وطن میں عزت و حرمت کے ساتھ مقیم ہیں، لیکن اب آپکا ارادہ تمہارے یہاں جا کر قیام کرنے کا ہے، تو اگر تم خود کو اس قدر با ہمت پاتے ہو کہ جو وعدے آپ سے کر رہے ہو ان کو پورا کرسکو گے اور آپ کے مخالفین کی مدافعت کرسکو گے تو بڑے شوق سے اس بار عظیم کو اٹھاؤ اور اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ حضور کے تمہارے یہاں تشریف لے جانے کے بعد تم لوگ مصیبتوں اور مشکلات سے گھبرا کر آپکا ساتھ چھوڑ دو گے اور مدد سے منہ پھیر لو گے تو اس سے بہتر یہ ہے کہ آج ہی آپکو چھوڑ دو اس لیے کہ آپ پھر اپنے وطن اور اپنی قوم میں حفاظت و عزت کے ساتھ ہیں۔ حضرت کعب فرماتے

ہیں کہ ہم نے کہا حضرت عباس نے جو کچھ کہا ہے وہ تو ہم نے سن لیا' اب یا رسول اللہ آپ ارشاد فرما دیں اور اپنی ذات اقدس کے لیے اور خدائے قدوس کے لئے جس قدر بھی آپ چاہیں عہد و میثاق لے لیں' ہم ہر طرح آمادہ اور تیار ہیں۔

اس پر آپ نے گفتگو شروع فرمائی پہلے قرآن پاک کی چند آیات تلاوت فرما کر خدا کی طرف آنے کی دعوت دی اور اسلام کی ترغیب دی' پھر فرمایا میں تم سے اس بات کی بیعت لوں گا کہ تم میری اسطرح حفاظت و مدافعت کرو جس طرح کہ تم اپنی عورتوں اور اپنی اولاد کی کرتے ہو۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ اس پر براء بن المعرور نے آپکا دست مبارک پکڑا اور عرض کیا ہاں ہم تیار ہیں۔ اسی پاک ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے ہم آپکی ایسی ہی حفاظت و مدافعت کریں گے آپ ہم سے بیعت لے لیجئے' خدا کی قسم ہم تو پرانے اہل حرب ہیں جنگ تو ہمارا آبائی پیشہ ہے اور گویا ورثہ بڑوں سے ہمیں ملا ہے۔

ابھی حضرت براء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر ہی رہے تھے کہ ابو الہیثم ابن التیہان درمیان میں بول اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے اور بعض لوگوں کے درمیان کچھ معاہدے ہیں (یہود کے معاہدے مراد ہیں) آپ کی تشریف آوری کے بعد ہمیں ان سے معاہدے ختم کرنے پڑیں گے۔

پھر ایسا تو نہیں ہوگا کہ ہم تو آپ کی وجہ سے سب تعلقات اور معاہدے ختم کر بیٹھیں اور آپ کو حق تعالیٰ غلبہ اور کامیابیاں عطا فرمائے تو آپ اپنی قوم کے پاس تشریف لے جاویں اور ہمیں چھوڑ جاویں حضور نے ارشاد فرمایا ہرگز نہیں' ہرگز نہیں' تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں جن سے تمہاری جنگ ہو اس سے میری جنگ ہو گی اور جس سے تمہاری صلح ہو اس سے میری صلح ہو گی

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ پھر آپ نے فرمایا کہ تم اپنے میں سے بارہ سردار منتخب کر لو جو اپنی قوم کے ذمہ دار ہوں گے۔ انھوں نے ۱۲ آدمی منتخب کر کے حضور کے سامنے پیش کئے جن میں ۹ قبیلہ خزرج کے تھے اور تین قبیلہ اوس کے۔

حضرت عروۃ سے مرسلاً روایت ہے کہ حضور سے سب سے پہلے بیعت کرنے والے ابو الہیثم ابن التیہان تھے' انھوں نے عرض کیا کہ ہمارے اور لوگو

سہ ماہی احوال و آثار کاندھلہ۔ اپریل تا دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۷ء

کے درمیان کچھ معاہدے ہیں شاید ہمیں ان معاہدوں کو ختم کرنا پڑے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم تو اپنے سب حلف اور معاہدے ختم کر بیٹھیں اور لوگوں سے جنگ مول لیں اور آپ اپنی قوم کی طرف تشریف لے جائیں۔

جب ابو الہیثم حضور اکرم کے جواب سے خوش اور مطمئن ہو گئے تو اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا اے میری قوم! یہ اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بالکل سچے ہیں اور اس وقت آپ اللہ کے حرم اور اللہ کی امان میں ہیں اور اپنی قوم اور اپنے قبیلہ کی حفاظت میں ہیں، یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر تم ان کو اپنے یہاں لے جاؤ گے تو تمام عرب متفق و متحد ہو کر تمہارا دشمن ہو جانے گا اور تم پر ٹوٹ پڑے گا، اگر تم لوگ برضا و رغبت اسی پر آمادہ ہو کہ تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جاؤ، تمہارے مال غارت ہو جاویں، تمہاری نسلیں ختم ہو جائیں، تو ان کو اپنی طرف بلانے کی دعوت دو کہ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کسی وقت تم انکا ساتھ چھوڑ سکتے ہو تو ابھی سے آپکا ساتھ چھوڑ دو۔ اس پر سب نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول جو کچھ کہیں۔ اور جو شرائط اور مواثیق حضور آپ ہم سے لینا چاہیں ہم سب کیلیے تیار ہیں، اے ابو الہیثم اب ہمارے اور حضور کے درمیان حائل نہ ہو اور ہمیں بیعت کرنے دو۔

ابو الہیثم نے کہا کہ سب سے پہلے

حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ فرماتے ہیں کہ جب سب لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے لیے مجتمع ہو گئے تو حضرت عباس بن عبادہ بن فضلہ (جو بنی سالم بن عوف سے تھے) نے کہا اے گروہ خزرج تمہیں معلوم بھی ہے کہ حضور اکرم سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا، سب نے کہا خوب اچھی طرح معلوم ہے۔ حضرت عباس نے کہا تم حضور سے بیعت کر کے دنیا بھر کی دشمنی اپنے سر لے رہے ہو، سب گورے اور کالے تم سے جنگ پر آمادہ ہوں گے، اگر تمہیں اس امر کا اندیشہ ہو کہ جب تمہارے مال برباد ہونے لگیں اور تمہارے سردار قتل ہونے لگیں تو تم آپ کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو جاؤ

گے تو ابھی سے علیحدگی اختیار کر لو' اس لیے کہ اس وقت تم نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تو خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی رسوائی ہوگی اور تمہیں یہ توقع ہے کہ مال و اولاد کی بربادی اور سرداروں کے قتل و غارت کے باوجود تم اپنے وعدوں کو پورا کرو گے اور کسی حال میں بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑو گے تو ضرور آپ کا دامن پکڑو کہ خدائے وحدہ کی قسم یہ ہی دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی بھلائی اور کامیابی ہے۔ سب نے کہا کہ ہمیں حضور کی رفاقت بڑی سے بڑی مصیبت کے باوجود منظور ہے' خواہ ہمارے مال جاتے رہیں اور سردار ختم ہو جائیں' ہم آپ کا دامن کسی حال میں نہ چھوڑیں گے۔ سب نے دریافت کیا کہ حضور اگر ہم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تو ہمیں اس کے بدلہ میں کیا ملے گا' آپ نے ارشاد فرمایا جنت! سب نے عرض کیا حضور ہم تیار ہیں آپ ہاتھ دراز فرمادیں آپ نے دست مبارک بڑھایا اور سب نے آپ سے بیعت کی۔ (ابن اسحاق)

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ پھر حضور نے ارشاد فرمایا اب اپنی قیام گاہوں پر جاؤ' عباس بن عبادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس ذات برحق کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا' اگر آپ کی اجازت اور منشا ہو تو ہم صبح ہی اہل منی پر تلواریں سونت کر ٹوٹ پڑیں (اور ان لوگوں نے جو تکلیفیں آپ کو پہنچائی ہیں ان کا مزہ چکھا دیں) آپ نے ارشاد فرمایا نہیں مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا' بس اب تم اپنی قیام گاہوں کو لوٹ جاؤ۔ (ابن اسحاق)

جہاد کے لیے بیعت

حضرت انس فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی جانب تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ نہایت سردی کی حالت میں مہاجرین اور انصار ذوق و شوق سے خود ہی خندق کھودنے میں لگے ہوئے ہیں' اس وقت ان کے پاس غلام یا مزدور نہیں تھے جن سے یہ کام لیتے اسی لیے خود اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام

کی مشقت اور بھوک کی حالت دیکھی تو آپ بےچین ہوگئے اور ان تسلی کے لیے فرمایا' اے اللہ بے شک دشبہ زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے' آپ انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمائیے (اور آخرت کی زندگی میں ان کو عیش و آرام نصیب فرمائیے) صحابہ کرام نے اسی کے جواب میں عرض کیا' ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کی بیعت کی۔

موت کے لیے بیعت

حضرت سلمہ بن الاکوع فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ پھر آپ سے ہٹ کر کچھ دور ایک درخت کے سایہ میں آرام کرنے لگا' جب مجمع کچھ کم ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ابن الاکوع کیا تم بیعت نہیں کروگے' میں نے عرض کیا کہ حضور میں بیعت کر چکا ہوں حضور نے فرمایا ایک مرتبہ اور کرو میں نے دوبارہ بیعت کی' راوی ( ) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ سے دریافت کیا کہ تم اس وقت حضور سے کس بات کے لیے بیعت کرتے تھے' حضرت سلمہ نے فرمایا موت کے لیے۔

(بخاری ص ۴۱۵)

حضرت عبد اللہ بن زید فرماتے ہیں کہ جب حرہ کا زمانہ آیا تو ان سے کسی آنے والے نے آ' یہ کہا کہ ابن حنظلہ لوگوں سے موت کے لیے بیعت لے رہا ہے' حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ ہم تو موت کے لیے بیعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرچکے' اب آپ کے بعد کسی سے موت کے لیے بیعت نہیں کریں گے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن رافع کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کہیں سے شراب کے مشکیزے آئے' حضرت عبادہ بن الصامت کو خبر ہوئی تو غصہ میں آئے اور ان کو پھاڑنے لگے' اور فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی کہ ہم آپ کی بات سنیں گے اور اس کی تعمیل کریں گے چاہے دل چاہے یا نہ چاہے'

اور اللہ کے راستہ میں خرچ کریں خواہ ہم پر تنگی ہو یا فراخی اور لوگوں کو بھلائی کی تلقین کریں گے اور برے کاموں سے روکیں گے اور اللہ کی بات کہتے میں کسی ملامت کرنے والے کا ملامت کی پروانہ کریں گے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس مدینہ تشریف لے آئیں گے تو ہم آپ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جیسے اپنی جان کی اپنی بیوی اور اپنے بچوں کی کرتے ہیں اور ہم اسی کے بدلہ میں جنت کے حقدار ہوں گے۔ تو یہ حضور کی بیعت ہے جو ہم نے آپ سے کی ہے۔ (بیہقی)

حضرت عبادہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بیعت کی تھی جیسی جنگ کے موقع پر کی جاتی ہے کہ ہم تنگی اور فراخی خوشی اور ناگواری غرض یہ کہ ہر حال میں حضور کی اطاعت کریں گے اگر دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے گی تب بھی اطاعت سے گریز نہ کریں گے اور جو لوگ صاحب اختیار اور اقتدار ہوں گے ان کے معاملات میں مداخلت نہ کریں گے اور جہاں بھی ہوں گے سچ کہیں گے۔ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ کریں گے۔ (البدایہ ص ۱۶۳/۲)

حضرت جریر کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم سے اطاعت و فرمانبرداری اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی بیعت کی تھی۔ (ابن جریر)

حضرت جریر فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور میں آپ سے بیعت کرتا ہوں کہ خواہ مجھے پسند ہو یا ناپسند ہرصورت میں آپ کی فرمانبرداری کروں گا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم میں اتنی قوت بھی ہے جس سے اس عہد کو پورا کرسکو یہ تو بہت سخت عہد ہے۔ اسی کے بجائے یوں کہو کہ جہاں تک میرے امکان اور طاقت میں ہوگا اطاعت کروں گا۔ میں نے یونہی عرض کیا کہ حضور جہاں تک میرے امکان میں ہوگا میں فرمانبرداری کروں گا، اس پر آپ نے مجھے بیعت فرمالیا اور یہ اضافہ فرمایا کہ میں تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کروں گا۔ (کنزالعمال ص ۸۲/۱)

حضرت جریر ہی کی روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم سے اس بات کی بیعت کی تھی کہ میں ہمیشہ اطاعت کروں گا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا اور حضرت جریر کی یہ عادت ہوگئی تھی کہ جب کسی شخص سے کچھ خرید و فروخت فرماتے تو اس سے صاف کہہ دیا کرتے تھے کہ جو کچھ ہم تجھ سے لے رہے ہیں یہ ہمیں زیادہ پسند اور مرغوب ہے اس چیز سے جو ہم تجھے اس کے بدلہ میں دے رہے ہیں' اب تجھے اختیار ہے کہ چاہے معاملہ کرے یا نہ کرے۔ (ابوداؤد و النسائی)

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اطاعت اور فرمانبرداری کی بیعت کرتے تھے تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ ہم یوں کہیں کہ جہاں تک ہم سے ہوسکے گا اطاعت کریں گے۔ (البخاری)

حضرت عقبہ بن عبد کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم سے ، مرتبہ بیعت کی' پانچ مرتبہ اطاعت و فرمانبرداری کی اور دو مرتبہ محبت کی۔ (کنزالعمال ۸۲)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان ہاتھوں سے اپنی طاقت کے مطابق فرمانبرداری کی بیعت کی تھی۔ (کنز ۸۲/۱)

عورتوں کی بیعت

حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں جمع فرمایا اور حضرت عمر بن الخطاب کو ان کے پاس پیام بر بنا کر بھیجا' حضرت عمر رضی اللہ تعالی دروازے پر کھڑے ہوگئے اور عورتوں کو سلام کیا' انہوں نے سلام کا جواب دیا' حضرت عمر نے فرمایا کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاصد بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ سب نے کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی مرحبا اور آپ کے قاصد کے لیے بھی خوش آمدید ا حضرت عمر نے فرمایا کہ تم اس بات کی بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گی اور چوری نہیں کرو گی اور بدکاری سے بچو گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی اور جانتے بوجھتے کسی پر کوئی تہمت

نہیں لگاؤ گی اور کسی نیک کام میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہیں کرو گی۔ سب نے کہا بے شک ہم سب باتوں پر بیعت کے لیے تیار ہیں۔ حضرت عمر نے دروازے سے باہر اپنا ہاتھ دراز کر دیا اور عورتوں نے دروازے کے اندر ہاتھ پھیلا دئے اور اس طرح بلا ہاتھوں کو چھوئے بیعت ہوگئی۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا کہ میں اس بیعت پر شاہد ہوں۔ حضرت عمر نے اجازت دی کہ عیدین کے لیے حائضہ اور آزاد عورتیں جاسکتی ہیں اور ہمیں جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا اور ہمیں بتایا کہ ہم پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ میں نے عمر سے بہتان کی حقیقت دریافت کی اور حق تعالی کے ارشاد پاک ولا یعصینک فی معروف کے متعلق دریافت کیا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ پہلے سوال کا جواب تو اسی روایت میں مذکور ہے دوسرے سوال کے جواب میں حضرت عمر نے ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد نوحہ کرنا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ حضرت سلمیٰ بنت قیس فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں قبلوں (بیت اللہ اور بیت المقدس) کی جانب نماز پڑھی ہے (حضرت سلمہ بنی عدی بن النجار میں سے تھیں) حضرت سلمہ فرماتی ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور چند انصاری عورتوں کے ساتھ آپ کی بیعت سے مشرف ہوئی۔ جب آپ نے یہ عہد لیا کہ ہم حق تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور ہم چوری نہیں کریں گی اور بدکاری سے بچیں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور جان بوجھ کر کسی پر بہتان نہیں لگائیں گی اور کسی نیکی اور بھلائی میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم اپنے شوہروں کو دھوکہ نہ دوگی۔ حضرت سلمہ فرماتی ہیں کہ جب ہم نے آپ سے بیعت کرلی اور گھروں کو لوٹ آئے، تو میں نے ان عورتوں میں سے ایک سے کہا تم واپس جاؤ اور حضور اکرم سے دریافت کرو کہ شوہر کو دھوکہ دینے سے مراد کیا ہے۔ حضرت سلمہ فرماتی ہیں کہ وہ حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ سوال کیا: آپ نے ارشاد فرمایا شوہر کو دھوکہ دینا یہ ہے کہ مال تو اس کا خرچ کرو

اور محبت کرو دوسرے شخص سے۔ (احمد وابویعلی۔ طبرانی)

حضرت غفیلہ بنت عبید ابن الحارث فرماتی ہیں کہ میں اور میری والدہ قریرہ بنت الحارث الغنواریہ چند مہاجر عورتوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپ ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے آیت شریفہ (　　　) کے مطابق ہم سے عہد لیا، جب ہم نے سب باتوں کا اقرار کر لیا تو بیعت کے لیے ہاتھ آپ کی طرف بڑھائے، آپ نے فرمایا کہ میں عورتوں کے ہاتھوں کو نہیں چھو سکتا، پھر آپ نے ہمارے لیے دعائے مغفرت کی، اور ہماری بیعت صرف اتنی ہی تھی۔

حضرت امیمہ بنت رقیقہ فرماتی ہیں میں چند عورتوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیعت کے لیے حاضر ہوئی، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور چوری نہیں کریں گی اور بدکاری نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور جان بوجھ کر کسی پر کوئی بہتان نہیں لگائیں گی اور کسی نیکی میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جہاں تک تمہاری طاقت اور استطاعت ہو گی" ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں اور ہم سے زیادہ ہمارے اوپر مہربان ہیں۔ (پھر ہم نے عرض کیا) حضور تشریف لاویں تاکہ ہم بیعت سے مشرف ہوجاویں، حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں تو (نامحرم) عورتوں کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، میرا صرف زبان سے بیعت کر لینا ایک عورت اور سو عورتوں سب کے لیے برابر ہے۔

(مالک)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ امیمہ بنت رقیقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو بیعت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گی اور چوری نہیں کرو گی اور حرام کاری سے بچو گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی اور جان بوجھ کر کسی پر بہتان نہیں لگاؤ گی۔

حضرت حارث بن زیاد ساعدی فرماتے ہیں کہ میں یوم خندق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر سے آنے والے لوگوں سے ہجرت کی بیعت لے رہے تھے ہمیں یہ خیال ہوا کہ یہ بیعت عام ہے اور ہمیں بھی اس میں شریک ہونا چاہیے، میں نے عرض کیا کہ حضور اس شخص کی ہجرت کے لیے بیعت قبول فرما لیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کون ہیں، میں نے عرض کیا کہ یہ میرے چچا زاد بھائی حوط بن یزید ہیں (راوی کو نام میں شک ہے کہ انھوں نے حوط بن یزید بتایا یا یزید بن حوط) آپ نے ارشاد فرمایا (کہ تم تو مدینہ کے رہنے والے ہو) میں تم سے ہجرت کی بیعت نہیں لوں گا، باہر کے لوگ تمہاری طرف ہجرت کریں گے تم ان کی طرف ہجرت نہیں کروگے۔ قسم ہے اسی پاک ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو شخص بھی انصار سے محبت کرتا ہے جب وہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوگا تو خدائے قدوس کو اپنے سے محبت کرنے والا پائے گا اور جو شخص بھی انصار سے نفرت اور کدورت رکھتا ہے جب وہ خدا کے حضور میں حاضر ہوگا تو خدا کو اپنے سے نفرت کرنے والا پائے گا۔ (احمد وغیرہ)

حضرت ابو اسید ساعدی فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں لوگ خندق کھودنے کے لیے آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی بیعت کی جب آپ فارغ ہو چکے تو آپ نے اہل مدینہ کو مخاطب بنا کر ارشاد فرمایا۔ اے انصار کے گروہ تم لوگ ہجرت کی بیعت نہ کرو، دوسرے لوگ ہی ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں گے۔ جو شخص بھی انصار کی محبت دل میں لیے ہوئے خدا کے حضور میں حاضر ہوگا وہ خدائے قدوس کو اپنے سے نہایت محبت کرنے والا پائے گا اور جو انصار کی کدورت اپنے دل میں لے کر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوگا وہ خدا کو اپنے سے بغض رکھنے والا پائے گا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت عتبہ ابن ربیعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اطہر میں بیعت کے لیے حاضر ہوئیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت شریفہ (یا ایھا النبی اذا جاءک المومنات الایۃ) کے مطابق ان سے عہد لینا شروع کیا، چونکہ اسی آیت میں چوری زنا وغیرہ امور قبیحہ کا ذکر تھا اس لیے شرم و حیاء سے فاطمہ نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا، حضور اکرم کو ان کا یہ انداز حیاء بہت پسند آیا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا بی بی اقرار کرلو، خدا کی قسم جب ہم نے حضور اکرم سے بیعت کی تھی تو ہمیں بھی انہی تمام باتوں کا اقرار کرنا پڑا تھا اس پر حضرت فاطمہ نے کہا جب آپ بھی اقرار کرچکی ہیں تو مجھے کیا انکار ہے اور انھوں نے آیت شریفہ کے مطابق سب باتوں کا عہد کر کے بیعت کی۔

(احمد، بزار، مجمع الزوائد ص ۶/۳۷)

حضرت عزہ بنت خائل سے روایت ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور آپ سے بیعت کی کہ وہ کبھی بدکاری نہیں کریں گی، چوری نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو زندہ دفن نہیں کریں گی (یعنی قتل نہیں کریں گی) نہ تو ظاہری طور پر اور نہ پوشیدہ۔

حضرت عزہ کہتی ہیں کہ ظاہری قتل کا مطلب تو واضح ہے اور میں اس سے واقف ہوں، لیکن پوشیدہ قتل سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں نہ تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور نہ آپ نے خود ہی مجھے بتایا، لیکن میرے خیال کے مطابق اس کا مصداق بچہ کو ضائع کرنا ہے خواہ وہ کسی بھی طریقہ سے ہو۔ لہذا خدا کی قسم میں تو اپنے بچے کو کبھی ضائع نہ کروں گی۔

(طبرانی)

حضرت فاطمہ بنت ربیعہ بن عبد شمس فرماتی ہیں کہ ابو حذیفہ بن عتبہ انھیں اور ان کی بہن ھند بنت ربیعہ کو لے کر بیعت کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم نے آپ سے بیعت کی تو آپ نے ہم سے بہت سی بری باتوں سے اجتناب کا عہد لیا، میں نے عرض کیا بھائی جان کیا آپ اپنی قوم میں ان شرمناک باتوں میں سے کوئی بات پاتے ہیں، جو ہر ایک سے عہد

پیمان لیتے ہیں، مقصد یہ تھا کہ قریش تو بوجہ شرافتِ ذاتی کے ان عیوب سے خود ہی بچے ہوئے ہیں لہٰذا ان سے ان باتوں (عیوب) کا عہد لینے کی کیا ضرورت ہے، ابو حذیفہ نے کہا خاموشی سے بیعت کرلو، اس لیے کہ آپ جس کو بھی بیعت کرتے ہیں اسی طرح بیعت کرتے ہیں اور ہر ایک سے ایسے ہی اقرار لیتے ہیں۔ ہند نے عرض کیا کہ حضور میں چوری نہ کرنے کا عہد نہیں کروں گی، اس لیے کہ میں تو اپنے شوہر کے مال میں اکثر چوری کرتی ہوں اور اس کا چھوڑنا میرے بس کا نہیں ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور ہند نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ حضور اکرم نے ابوسفیان کے پاس آدمی بھیجا (کہ ہند بیعت کررہی ہیں اور وہ تمہارے مال میں چوری کرتی رہتی ہیں اس لیے ترکِ سرقہ کا اقرار کرنے پر آمادہ نہیں) کیا وہ اپنے مال میں تصرف کی ان کو اجازت دے سکتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ تر (کھانے پینے کی) اشیاء میں ہر قسم کے تصرف کی اجازت ہے لیکن خشک (یعنی دیگر قیمتی اشیاء میں) تصرف کی اجازت نہیں۔ حضرت فاطمہ کہتی ہیں کہ ہم نے آپ سے بیعت کی، پھر حضرت فاطمہ نے حضور سے عرض کیا کہ حضور آج سے قبل کوئی قبہ آپ کے قبہ سے زیادہ میری نظروں میں ناپسند نہیں تھا جس کے متعلق میری دلی تمنا ہو کہ خدا اس کو اور اس کے لینے والوں کو ہلاک و برباد کر دے اور آج آپ کے قبہ سے زیادہ کوئی قبہ مجھے محبوب نہیں ہے اور میری دلی تمنا ہے خدا اس کو اور اس کے رہنے والوں کو ہمیشہ آباد و شاد رکھے۔ حضور نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم تم اس وقت تک کمالِ ایمان کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ میری محبت اولاد اور ماں باپ کی محبت سے نہ بڑھ جائے۔ (حاکم ص ۲/۴۸۶)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اطہر میں بیعت کے لیے حاضر ہوئیں ان کے ہاتھ مردوں کے مانند صاف تھے مہندی وغیرہ لگی ہوئی نہ تھی، آپ نے ہاتھوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ واپس جاؤ اور اپنے ہاتھوں میں تبدیلی کرو (تاکہ یہ مردوں سے ممتاز ہوجاویں) چنانچہ وہ واپس گئیں اور اپنے ہاتھوں میں مہندی لگا کر ان کا رنگ تبدیل کیا، پھر حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ نے فرمایا کہ میں تم کو بیعت کرتا

ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گی اور چوری نہیں کرو گی اور زنا نہیں کرو گی' اس پر ہند حیرت سے بول اٹھیں کہ کیا آزاد عورت بھی زنا کرسکتی ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ فقر و فاقہ کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی' اس پر ہند نے کہا کہ حضور آپ نے ہمارے اولاد چھوڑی ہی کب ہے جس کو ہم قتل کرسکیں ۔ ہند اس وقت سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھیں ان کے بارے میں حضور اکرم سے دریافت کیا کہ آپ ان کنگنوں کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں' آپ نے فرمایا کہ یہ دوزخ کے انگاروں میں سے دو انگارے ہیں

(ابو یعلی)

اصابہ (ص ۴/۲۲۵) میں ہے کہ جب حضور نے فرمایا کہ وہ زنا نہیں کریں گی تو ہند نے کہا کیا کوئی آزاد عورت زنا کرسکتی ہے اور جب آپ نے فرمایا کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی تو ہند نے کہا کہ ہم نے تو ان کو جب وہ چھوٹے چھوٹے تھے پالا تھا اور جب وہ بڑے ہوگئے تو آپ ہی نے تو ان کو قتل کیا ہے ۔

ایک روایت میں ہے کہ ہند نے کہا کہ حضور آپ نے بدر کے دن ہماری اولاد کہاں چھوڑی ہے جس کو ہم قتل کرسکیں ۔

ابن مندہ نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے' اسکے شروع میں یہ اضافہ ہے کہ ہند نے کہا کہ میرا ارادہ حضور اکرم سے بیعت کر لینے کا ہے' . . . نے کہا کیوں آج کیا ہو گیا اس سے پہلے تو تم شدید ترین منکر تھیں ہند نے کہا بے شک اس سے قبل میں سخت ترین منکر تھی لیکن آج میں نے دیکھا کہ خدائے قدوس کی جیسی عبادت آج رات مسجد حرام میں ہوئی ہے خدا کی قسم اس سے قبل کبھی نہیں ہوئی خدا کی قسم ان لوگوں کی تو تمام رات نماز ہی میں گذری ہے' کبھی خدا کے سامنے دست بستہ کھڑے تھے' کبھی سجدے رکوع میں تھے کبھی سجدہ میں . . . . نے کہا کہ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو کچھ کر چکی ہو وہ ظاہر ہے اس لیے اپنے ساتھ اپنی قوم میں سے کسی شخص کو لے جانا تاکہ وہ سفارش کر سکے' چنانچہ وہ حضرت عمر کے پاس گئیں اور ان سے ساتھ چلنے کی درخواست کی' حضرت عمر ان کو ہمراہ لے کر حضور اکرم کی خدمت اطہر میں

حاضر ہوئے اور ان کی حاضری کے لیے اجازت طلب کی آپ کے اجازت مرحمت فرمانے پر وہ اندر داخل ہوئیں اپنی سابقہ حرکات سے شرمندہ ہونے کی وجہ سے وہ منہ کو چھپائے ہوئے تھیں ۔ اس کے بعد بیعت کا واقعہ ذکر کیا۔

اور ابن مندہ میں شعبی سے مرسلاً روایت ہے' ہند نے کہا میں نے تو ابوسفیان کا بہت سا مال ضائع کیا ہے' ابوسفیان نے کہا جو کچھ میرے مال سے بلا اجازت خرچ کیا ہے وہ سب حلال ہے ۔ ابن جریر میں یہ روایت حضرت ابن عباس سے پوری تفصیل کے ساتھ مروی ہے اس میں اسطرح ہے کہ ابوسفیان نے کہا جو مال تم پہلے خرچ کر چکی ہو اور جو باقی ہے سب حلال ہے' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور اب پہچانا کہ یہ ہند ہیں ۔ آپ نے انکو اپنے قریب بلایا۔ ہند نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑ لیا اور اپنی سابقہ حرکات کے لیے معذرت خواہ ہوئیں ۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا آپ ہند ہیں' ہند نے کہا کہ حضور ہم سے کفر و جہالت میں جو حرکات ہوئیں اللہ نے معاف فرمادی ہیں ۔ آپ نے پہچاننے کے بعد انکی طرف سے منہ پھیر لیا اور انکو بیعت کرتے ہوئے فرمایا اور زنا نہیں کریں گی' اس پر ہند نے کہا کیا آزاد عورت بھی زنا کرسکتی ہے' آپ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم آزاد عورت کبھی بدکاری کی مرتکب نہیں ہوتی' پھر آپ نے اثنائے بیعت میں فرمایا کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی' اس پر ہند نے کہا کہ حضور آپ نے ہی بدر کے دن انکو قتل کیا ہے' اب آپ جانیں اور وہ جانیں' پھر حضور نے فرمایا کہ وہ جانتے بوجھتے کسی پر بہتان نہیں لگائیں گی اور فرمایا کہ وہ کسی نیک کام میں حضور کی نافرمانی نہیں کریں گی ۔

.... فرماتے ہیں کہ آپ نے ان کو نوحہ کرنے سے روکا ۔ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ موت پر وہ اپنے کپڑے پھاڑ لیا کرتے تھے اپنے چہرے نوچ لیتے تھے اور اپنے بال مونڈ ڈالتے تھے ۔

بچوں اور نابالغوں کی بیعت

محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرات حسن، حسین، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر کو بیعت فرمایا اس وقت تک یہ حضرات بچے ہی تھے اس وقت تک داڑھی نہیں نکلی تھی اور بالغ نہیں ہوئے تھے اور اپنے گھر والوں کے علاوہ آپ نے کسی بچے کو بیعت نہیں کیا۔ (الطبرانی)

حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کی اس وقت ان کی عمر ۷ سال کی تھی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا شوق بیعت دیکھا تو آپ نے تبسم فرمایا اور اپنے ہاتھ دراز فرما دئے اور ان دونوں کو بیعت فرمالیا۔ (الطبرانی)

حضرت ہرماس بن زیاد کہتے ہیں کہ میں بچہ سا تھا میں نے بیعت کرنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا، لیکن آپ نے بیعت نہیں فرمایا۔ (نسائی)

خلفاء راشدین صحابہ کرام کی بیعت

آیۃ شریفہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ (بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت خدا سے بیعت کرتے ہیں) کے نزول کے بعد صحابہ کرام جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے تھے وہ اس بات کی بیعت ہوتی تھی کہ اللہ تعالی کو مانیں گے اور حق کی پیروی کریں گے اور حضرت ابو بکر اس طرح بیعت لیا کرتے تھے کہ جب تک میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں تم میری بیعت میں داخل رہو گے اور حضرت عمر اور بعد کے حضرات کی بیعت کا طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کے مطابق تھا۔

ابن الضیف کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میں نے حضرت ابو بکر کو لوگوں سے بیعت لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ لوگوں کی جماعتیں آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہی تھیں اور آپ ان سے فرما رہے تھے کہ کیا تم مجھے بیعت کرتے ہو کہ اللہ تبارک و تعالی اور اس کی مقدس کتاب کے احکام مانو گے اور ان کی پیروی کرو گے، اسی کے بعد امیر کی اطاعت اور فرمانبرداری

کرو گے۔ لوگ اقرار کرتے تھے اور آپ ان کو بیعت فرما لیتے تھے۔ میں تھوڑی دیر آپ کے پاس کھڑا ہوا یہ منظر دیکھتا رہا، اس وقت میری عمر بلوغ کے قریب تھی یا اس سے کچھ زائد۔ میں نے آپ کی شرطیں جن کی آپ بیعت لیتے تھے خوب اچھی طرح یاد کر لیں، پھر آپ کے سامنے آیا اور قبل اس کے کہ آپ کچھ ارشاد فرمائیں میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے بعد امیر کی اطاعت اور فرمانبرداری کی بیعت کرتا ہوں، آپ نے نظر اٹھا کر غور سے مجھے دیکھا اور میری تصویب کی اور جہاں تک میرا خیال ہے میرے اسی طرز عمل سے نہایت خوش ہوئے۔ (البیہقی)

ابو السفر فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ جب شام کی طرف کوئی لشکر بھیجتے تھے تو ان لوگوں سے نیزہ بازی اور طاعون کے وقت ثابت قدمی کی بیعت لیتے تھے۔ (کنز ص ۲۲۲/۴)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا، حضرت ابو بکر کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت عمر خلیفہ ہو گئے تھے، میں نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ اپنا ہاتھ بلند فرمائیے تاکہ جس چیز کی بیعت آپ کے پیشرو ساتھی سے کر چکا ہوں آپ سے بھی کروں، وہ یہ ہے کہ جہاں تک میری طاقت اور امکان میں ہے اطاعت اور فرمانبرداری کروں گا۔ (کنز ص ۸۱/۳)

حضرت عمر بن عطیہ لیثی فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا آپ ہاتھ بلند فرمادیں (خدا اسے ہمیشہ بلند رکھے) تاکہ میں آپ سے اللہ اور اس کے رسول کے طریقہ پر بیعت کروں۔ حضرت عمر ہنسنے لگے اور فرمایا کہ یہ بیعت ہماری جانب سے تمہارے لیے پابندی ہے اور تمہاری طرف سے ہمارے لیے۔ حضرت عبداللہ بن حکیم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے حضرت عمر سے اطاعت و فرمانبرداری کی بیعت کی ہے۔ (کنز ص ۸۱/۳)

سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ حمراء کا وفد حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے بیعت کی کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے، نماز کی پابندی کریں گے، زکوۃ ادا کریں گے، رمضان کے روزے رکھیں گے اور مجوس

کی عید منانا چھوڑ دیں گے، جب ان لوگوں نے سب باتوں کا اقرار کرلیا تب حضرت عثمان نے ان کو بیعت فرمایا۔ (کنز ص ۸)

حضرت مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت جن لوگوں کو آئندہ خلیفہ منتخب کرنے کے لیے منتخب کیا تھا وہ سب مشورہ کے لیے جمع ہوئے تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا کہ میں تو بارِ خلافت اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوں، ہاں اگر آپ لوگ چاہیں تو آپ میں سے ایک شخص کا انتخاب کرسکتا ہوں، سب ارکانِ شوریٰ نے حضرت عبدالرحمن کو آئندہ خلیفہ بنانے کے لیے مختار بنا دیا، اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ لوگوں نے سب ارکان شوریٰ کا پیچھا چھوڑ دیا اور سب حضرت عبدالرحمن کی طرف متوجہ ہوگئے اور انتخاب خلیفہ کے لیے تمام تمام رات ان سے مشورے کرتے رہے۔

جب وہ رات ہوئی جس کی صبح کو ہم نے حضرت عثمان سے بیعت کی تو حضرت عبدالرحمن بن عوف کچھ حصہ شب گذرنے کے بعد میرے پاس تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا میں جاگ گیا حضرت عبدالرحمن نے فرمایا اچھا، آپ تو بڑے آرام سے پڑے سو رہے ہیں۔ خدا قسم میں تو آج رات کچھ زیادہ نہیں سویا، چلو اٹھو اور حضرت زبیر اور حضرت سعد کو بلا کر لاؤ، چنانچہ میں ان دونوں حضرات کو بلا کر ان کے پاس لے آیا، حضرت عبدالرحمن نے ان سے مشورہ کیا پھر مجھے بلایا اور حکم دیا کہ حضرت علی کو میرے پاس بلا لاؤ۔ میں گیا اور حضرت علی کو بلا کر لے آیا۔ حضرت عبدالرحمن ان سے آدھی رات تک مشورہ کرتے رہے پھر حضرت علی ان کے پاس سے اپنے دل میں خلافت کی امید لیے ہوئے واپس ہوئے، حضرت عبدالرحمن کو حضرت علی کی طرف سے ہی کچھ اندیشہ تھا۔ پھر حضرت عبدالرحمن نے مجھے فرمایا کہ حضرت عثمان کو میرے پاس بلا لاؤ، میں حضرت عثمان کو بلا لایا، حضرت عبدالرحمن ان سے سرگوشیاں کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور موذن کی اذان نے ان دونوں کو جدا کیا۔ لوگ صبح کی نماز پڑھ چکے اور حضرات شوریٰ منبر کے قریب جمع ہوگئے تو حضرت عبدالرحمن سے مہاجرین و انصار میں سے جو حضرات مدینہ منورہ میں موجود تھے اور لشکر کے امراء

کے پاس آدمی بھیج کر ان کو جمع کیا۔ باہر کی افواج کے امراء اور سپہ سالار
سال حضرت عمر کے ساتھ حج میں شریک تھے اور ابھی تک مدینہ منورہ میں مقیم
ے ۔جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عبدالرحمن نے خطبہ پڑھا اور فرمایا اے
میں نے لوگوں کے حالات نظر غور سے دیکھے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ لوگ تم
عثمان کے ہم پلہ نہیں سمجھتے بلکہ ان کی نظر میں عثمان قابل ترجیح ہیں
ذا تم اپنے دل سے خلافت کا خیال نکال دو اور حضرت عثمان سے کہا کہ میں اللہ
کے رسول اور آپ کے بعد ہونے والے دونوں خلفاء کے طریقہ کے مطابق
پ سے بیعت کرتا ہوں ۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن نے حضرت عثمان سے بیعت
کرلی' اس کے بعد دوسرے لوگ مہاجرین' انصار اور امراء لشکر اور دوسرے مسلمان
سب بیعت ہوئے ۔ (البخاری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا دین متین کی سر بلندی کے لیے تکلیفیں اور پریشانیاں برداشت کرنا۔

حضرت جبیر بن نفیر فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن حضرت مقداد بن الاسود کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص وہاں سے گذرے انھوں نے حضرت مقداد کو دیکھ کر کہا کس قدر مبارک ہیں وہ آنکھیں جنھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی زیارت کی ہے ۔ خدا کی قسم ہماری یہی تمنا تھی کہ جو کچھ آپ نے دیکھا ہے ہم بھی دیکھ سکتے اور جن مواقع پر آپ کو شرکت کا شرف حاصل ہے ہم بھی ان مواقع پر حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرتے ۔

مجھے اس پر بڑا تعجب ہوا کہ اس غریب نے تو ایک اچھی بات ہی کہی تھی پھر حضرت مقداد اس قدر ناراض کیوں ہوئے ' حضرت مقداد نے فرمایا آخر تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جن مواقع سے حق تعالی نے تمہیں غائب کر دیا تم انھیں حاضری کی تمنائیں کرتے ہو ۔ کسی کو کیا خبر ہے کہ اگر وہ اس وقت موجود ہوتا تو اس کا طرز عمل اس وقت کیا ہوتا ۔

خدا کی قسم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو ایسی قومیں بھی گذری ہیں جن کو اللہ نے نہایت ذلت و رسوائی سے منہ کے بل گھسیٹے ہونے

دعاء

حضرت مولانا اظہار الحسن کاندھلوی

(مرکز تبلیغ حضرت نظام الدین دہلی، میں ہوئی)

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی ل سیدنا و مولانا محمد وبارک وسلم۔

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد و بارک وسلم۔

اللھم سلم علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد و بارک وسلم۔

اللھم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

اللھم ارحم محمداً و علی آل محمد کما رحمت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

اللھم ترحم علی محمد و علی آل محمد کما ترحمت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید۔

اللھم تحنن علی محمد و علی آل محمد کما تحننت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید۔

اللهم صل وسلم و بارک وارحم و ترحم و تحنن علی سیدنا و مولانا محمد عبدک و رسولک وعلی آل سیدنا و مولانا محمد عبدک و رسولک کما صلیت و سلمت و بارکت ورحمت و ترحمت و تحننت علی سیدنا ومولانا ابراهیم وعلی آل سیدنا و مولانا ابراهیم فی العالمین انک حمید مجید۔

اللهم صل علی سیدنا و مولانا محمد وعلی آل سیدنا و مولانا محمد۔

اللهم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کلما ذکره الذاکرون۔

اللهم صل علی سیدنا و مولانا وعلی آل سیدنا و مولانا محمد کلما غفل عن ذکره الغافلون۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار، وقنا عذاب النار، وقنا عذاب النار۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین۔

ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین، ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین۔

ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان آمنوا بربکم فامنا، ربنا فاغفرلنا ذنوبنا و کفرعنا سیاتنا و توفنا مع الابرار۔

ربنا و آتنا ماوعدتنا علی رسلک ولا تخذنا یوم القیامة، ولا تخذنا یوم القیامة، ولا تخزنا یوم القیامة انک لا تخلف المیعاد۔

ربنا لا تواخذنا انسینا آو اخطانا، ربنا ولا تحمل علینا اصرآ کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا و اغفرلنا وارحمنا انت مولانا، واعف عنا واغفرلنا و ارحمنا انت مولانا، واعف عنا واغفرلنا و ارحمنا انت مولانا، فانصرنا علی القوم الکافرین۔

اللهم احرسنا بعینک لا تنام، واخلفنا بلطفک الذی لا یرام و ارحمنا بقدرتک علینا ولا نال قضا انت رجاؤنا۔ فکم من نعمة انعمت بها علینا قل

بہا شکرنا ، وکم من بلیة ابتلیت بہا قل بہا صبرنا ۔ فیامن قل عند نعمتک شکرنا فلم یحرمنا ، فیامن قل عند بلیتک صبرنا فلم یخزلنا ، فیامن رای علی الخطا یا فلم یفضحنا۔ فیامن رای علی الخطا یا فلم یفضحنا۔ فیامن رای علی الخطا یا فلم یفضحنا ۔ فیا من رای علی الخطایا فلم یفضحنا۔ فیامن رای علی الخطایا ثم یفضحنا۔ فیا من رای عل الخطایا فلم یفضحنا فیاذالمعروف الذی لا ینقضی ابدا ، و یا ذالنعماء اللتی لا تحصی ابدا ، اسئلک ان تصلی و تسلم و ترحم و تحنن علی سیدنا و مولانا محمد عبدک و رسولک ، و علی آل سیدنا و مولانا محمد عبدک ورسولک کما صلیت وسلمت و بارکت ورحمت و ترحمت و تحننت علی سیدنا و مولانا ابراھیم و علی آل سیدنا و مولانا ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید۔

و نسئلک یا اللہ ان تغفر لنا ذنوبنا کلہا دقہا و جلہا سرھا و علانیتہا ظاھرھا و باطنہا ، صغیرھا و کبیر ھا ، خطأھا و عمدھا ، اولہا و آخرھا ، لیلہا و نہارھا ، قدیمہا وجدیدھا ، جلیّہا و خفیّہا ، و کل ذلک عندنا یا عظیم ، وکل ذالک عندنا یا عظیم ، وکل ذالک عندنا یا عظیم ، فاغفرلنا ذنوبنا کلہا فانہ لا یغفر الذنوب الا انت یا غفار ۔

فنسئلک یااللہ ان تسترلنا عیوبنا کلہا ، فانہ لایستر العیوب الا انت یا ستار

ونسئلک یا اللہ ان تجبر جمیع امة سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فانہ ، لا یجبر الاقوام الا انت یا جبار ۔

و نسئلک یا اللہ ان تقہر اعدائک اعداء الاسلام و المسلمین فانہ لا یقہر الاقوام الا انت یا قہار ۔

ونسئلک یا اللہ ان ترحم جمیع امة سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لا یرحم الاقوام الاانت یا رحیم ۔

و نسئلک یا اللہ ان ترفع جمیع امة سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لا یرفع الاقوام الا انت یا کریم ۔

و نسئلک یا اللہ ان تشفی جمیع مرضانا ، جمیع مرضی امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، فانہ لا یشفی المرض الاانت یا شافی۔ و نسئلک یا اللہ ان تکفی جمیع امورنا ، جمیع امور الدنیا و الآخرة ، وجمیع امور امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ فانہ لایکفی الامور الا انت یا کافی۔

لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمد اللہ رب العالمین نسئلک موجبات رحمتک ، وعزائم مغفرتک والغنیمتہ من کل بر والسلامتہ من کل اثم۔

لا تدع لنا ذنبا الا غفرتہ ۔ ولا عیباً الا سترتہ ، ولا ضراً الاکشفتہ ، ولا کرباً الا نفستہ ولا ھما الا فرجتہ ، ولادینا الا ادیتہ ، ولا مرضاً الا شفیتہ ، ولا مرضاً الاشفیتہ ، ولا حاجة ھی لک رضی ، ولا حاجة ھی لک رضی من امورالدنیا و الآخرة الا قضیتہا یا ارحم الراحمین ! یا اکرم الاکرمین ! یا اجودالاجودین ۔

اللھم آت نفوسنا تقواھا و زکھا انت خیرمن زکھا انت ولیہا و مولاھا۔
اللھم آت نفوسنا تقواھا و زکھا انت خیرمن زکھا انت ولیہا و مولاھا ۔
اللھم آت نفوسنا تقواھا ، و زکھا انت خیرمن زکھا ، انت ولیہا ومولاھا ۔
اللھم انا نسئلک الھدی والتقی والعفاف والغنی ۔

اللھم انا نسئلک ایماناً کاملاً ، اللھم انا نعوذبک من علم لا ینفع ، اللھم انا نعوذ بک من قلب لا یخشع ، اللھم انا نعوذبک من نفس لا تشبع ، اللھم انا نعوذبک من دعاء لا یسمع ، اللھم انا نعوذبک من دعاء لا یسمع ، اللھم انا نعوذبک من دعاء لا یسمع ۔

اللھم انا نعوذ بک من دعاء لا یسمع ، اللھم انا نعوذ بک من دعاء لا یسمع ، اللھم انا نعوذبک من دعاء لا یسمع ، اللھم انا نعوذ بک من دعاء لا یسمع ۔

اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما ۔ اے اللہ ! ہمارے گناہوں کو معاف فرما ۔ اے اللہ ! ہمارے گناہوں کو معاف فرما ۔ اے اللہ آپ کے دربار میں حاضر ہوئے ہیں ، اے اللہ آپ کی چوکھٹ پر حاضر ہوئے ہیں ، اے اللہ آپ کے دربار عالی میں

حاضر ہوئے ہیں اور اے اللہ ہم گناہوں سے بری نہیں ہیں کہ اپنی پاکی بیان کرنے کے لیے آئے ہوں 'اے مولا اے اللہ ہم گناہوں سے بری نہیں 'اے اللہ ہم گناہوں سے پاک و صاف نہیں ہیں کہ آپ کے دربار میں اپنی پاکی دربار میں اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہوں۔

اے اللہ ہم قوی نہیں ہیں کہ آپ کا عذاب اور آپ کا عتاب ہمارے اعمال کی وجہ سے ہم پے پہونچنے لگے کہ اے اللہ آپ کے عذاب سے ہم اپنے آپ کو بچا سکیں' اے اللہ بالکل ہم ایسے قوی نہیں ہیں۔ ہم میں بالکل قوت نہیں ہے 'ہم آپ کے عذاب کی ہلکی سی جھلکی برداشت نہیں کر سکتے 'اے اللہ ہم آپ کے عتاب کی ہلکی سی جھلک کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اے اللہ ہم تو بڑے کمزوروں کے کمزور ہیں۔

اے اللہ دنیا میں ہمارا کوئی ایسا مددگار نہیں ہے 'اے اللہ کہ اگر آپ کا عذاب ہم پر نازل ہونے لگے تو آپ کے عذاب سے ہم کو بچا سکے۔ اے اللہ دنیا میں کوئی ایسا ٹھکانہ نہیں ہے کہ اگر ہمارے اعمال کی وجہ سے اور ہماری حرکات کی وجہ سے آپ غضبناک ہوجائیں اے اللہ آپ کا عذاب ہم پر نازل ہونے لگے تو وہاں جا کر ہم پناہ حاصل کر سکیں' اے پناہوں کی پناہ آپ کی ذات عالی ہماری پناہ ہے اور آپ کا دربار ہمارا ٹھکانہ ہے' اور آپ کی درگاہ اور آپ کا دربار ہمارا ماوی و ملجا ہے آپ کے علاوہ ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے' جہاں اپنا سر چھپا سکیں' جہاں آپ کے عذاب سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔

اے مولا اگر آپ نے بھی ہم کو دھکے دے دیئے آج کی مقدس رات میں بھی دھکے دے دیئے تو ہم تو تباہ ہوجائیں گے' اے مولا ہلاک ہو جائیں گے' اے مولا مولا ہلاک ہوجائیں گے۔ ہم کو تو اگر آج کی مقدس رات میں بھی دھکے دے دیئے اے مولا ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اے مولا ہم تجھے سائل بنا کے کہتے ہیں' اے اللہ ہم تیری قسم کھا کے کہتے ہیں تیرے علاوہ ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ اللہ تیرے علاوہ کوئی ماوی و ملجاء نہیں ہے۔ اے اللہ اگر آپ نے نہ سنی ہماری' آج آپ نے ہمیں اپنے دربار عالی سے نکال دیا' یا اللہ تیرے بندے ہلاک ہوجائیں گے آپ کے حبیب کی امت تباہ ہوجانے گی' اے مولا آپ تو کریموں کے کریم ہیں

آپ تو کریموں کے کریم ہیں آپ نے ہمیشہ ہمارے ساتھ کرم کا معاملہ فرمایا ہے اے اللہ بلا استحقاق کے کرم کا معاملہ فرمایا ہے، بلا ہماری طلب کے کرم کا معاملہ فرمایا ہے' اے اللہ اسی آپ کے کرم پے نگاہ کر کے اور آپ کے اعلان پر نگاہ کر کے آپکے دربار میں حاضر ہوئے ہیں' اپنے تمام گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے آئے ہیں' اے اللہ یہ بھی اعتراف کرتے ہوئے آئے ہیں شاید کہ دنیا میں کوئی انسان ہم سے زیادہ گناہ گار نہیں ہم تو سب سے زیادہ گناہ گار ہیں اور سب سے زیادہ خطا کار ہیں آپ کی ایک نعمت کا شکر ادا نہ کر سکے اور آپ کے ایک حکم کی پوری پوری تعمیل نہ کر سکے اور آپ کی ایک نہی سے اپنے دامن کو نہ بچا سکے۔ اے مولا ہم سے بڑھ کر گناہ گار' خطا کار کون ہوسکتا ہے' اے اللہ تیرے دربار میں اپنے تمام گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہو رہے ہیں' اپنے تمام گناہوں کا اعتراف کرکے حاضر ہو رہے ہیں' اے اللہ یہ یقین کرتے ہوئے حاضر ہو رہے ہیں کہ آج ہماری گلی کا کتا بھی ہم سے زیادہ پاک ہوگا ہم تو اپنی گلی کے کتے سے بھی زیادہ ناپاک ہیں۔

لیکن اے مولا آپ پاک ہیں آپ کا نام پاک ہے آپ کا کلام پاک ہے اور آپ کا کام پاک ہے اور آپ کے لیے ناپاکوں کو پاک کرنا کچھ بھی دشوار نہیں ہے' آپ کے لیے گندوں کو پاک کرنا کچھ بھی دشوار نہیں ہے آپ کے ارادہ کی دیر ہے اگر آپ فیصلہ فرمادیں اور آپ ارادہ فرمادیں تو گلیوں میں پھرنے والا کتا جنت کا مستحق ہوجائے جیسے آپ نے اصحاب کہف کے کتے کو آپ نے جنتی بنا دیا اور جنت میں داخل ہونے کے لائق بنا دیا اے اللہ ہم تو کتے ہیں، ہم تو کتوں سے بھی زیادہ گندے ہیں اے اللہ ہم تو کتوں سے بھی زیادہ گندے ہیں۔ ہم سچے دل سے آپ کے سامنے کہہ رہے ہیں ہم تو کتوں سے بھی زیادہ گندے ہیں' ایک کتا جب اس کا مالک اسے ٹکڑا ڈالتا ہے اور وہ ساری عمر اس کے دروازہ پر دم ہلا کر گزار دیتا ہے۔ اے اللہ ہم ہر وقت میں آپ کی نعمتوں سے مستفیض ہو رہے ہیں کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ آپ کروڑوں اربوں نعمتیں ہم کو نہ لٹا رہے ہوں لیکن اے اللہ ہم ناشکری کر رہے ہیں اللہ آپ کے حکم کو بجا نہیں لا رہے ہیں اور آپ

کی ایک نہی سے دامن نہیں بچا رہے ہیں اے اللہ ہم سے گناہ گار زیادہ کون ہوگا لیکن آپ سے زیادہ غفار کون ہے مگر اے اللہ آثار تو آج آپ مغفرت پر تلے ہوئے ہیں آپ کی آواز ہمارے کانوں میں آرہی ہے۔

اے اللہ آپ کے نبی سچے ہیں اور آپ کے نبی کے پاس پیام لانے والے جبرئیل امین سچے ہیں اور آپ تو سچوں کے سچے ہیں آپ تو سچوں کے سچے ہیں آپ تو سچوں کے سچے ہیں آپ جیسا سچا نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوگا' آپ ہی کے فرمان سے آپ کے نبی نے کہا ہے آج کی رات غروب شمس کے بعد آپ کی رحمت خاصہ آسمان دنیا کی طرف متوجہ ہوتی ہے آپ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے' ارے ہے کوئی مغفرت چاہنے والا میں مغفرت کے لیے تیار بیٹھا ہوں' ارے ہے کوئی مانگنے والا میں دینے کے لیے تیار بیٹھا ہوں' ارے ہے کوئی مصیبت زدہ' آپ کی آواز ہمارے کان میں آرہی ہے سچے نبی کے واسطہ سے اور سچے جبرئیل کے واسطہ سے' ایک سچے کی آواز ہمارے کان میں آرہی ہے کہ جب ہم اپنے کانوں سے سن رہے ہیں اور آواز کو سن کر دوڑ کر آرہے ہیں' اے اللہ گناہ گار ہیں اے اللہ خطا کار ہیں' اے اللہ سیہ کار ہیں مگر تیرے ہیں تیرے سوا کسی کے نہیں ہیں اور ہمارا تیرے علاوہ کوئی نہیں ہے' اے مولا اگر آپ نے ہمارے گناہوں پر نگاہ ڈالی یا اللہ ہم تو تباہ ہوجائیں گے اے اللہ ہم تو ہلاک ہوجائیں گے' اے اللہ آپ کے حبیب کی امت تباہ ہوجائے گی اے اللہ آواز سن کر آئے ہیں اور اے اللہ آپ کے دروازہ پر بھکاری بن کر آئے ہیں۔

یہ ہم نے سنا ہے کہ کریم کے دروازہ پر اگر کوئی بھکاری آکھڑا ہوتا ہے تو کریم کو شرم آتی ہے کہ اس کو خالی ہاتھ واپس کرے' ہم نے سنا ہے کہ جب کریم کے سامنے کوئی دامن پھیلا کر کھڑا ہوجاتا ہے تو کریم کو شرم آتی ہے کہ میرے سامنے دامن پھیلانے والا خالی ہاتھ جائے' خالی دامن جائے۔ ہم نے سنا ہے کہ کریم کی چوکھٹ پر جب منگتا کھڑا ہوجاتا ہے تو کریم کو شرم آتی ہے کہ میری چوکھٹ کا منگتا ناکام و نامراد جائے۔

آپ جیسا کریم نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا' آپ جیسا کریم نہ کوئی ہوا ہے نہ

ہو گا' آپ جیسا کریم نہ کوئی ہوا ہے نہ ہو گا اللہ ہم جیسے فقیر اللہ ہم جیسے بھکاری شاید کوئی دنیا میں ہوں اے اللہ ہم تو آپ کے کرم کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اے اللہ ہم تو سب سے زیادہ گناہ کار ہیں اے اللہ سب سے زیادہ آپ کے کرم کے مستحق ہیں۔ اے اللہ یہ آواز کانوں میں آئی' اے اللہ آپ سچے ہیں آپ کے جبرئیل امین سچے ہیں' آپ کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں' آپ کے دروازہ پر آئے آپ کی چوکھٹ پر آکر سجدہ کیا' اے اللہ ہم آپ سے بھیک مانگتے ہیں' اے اللہ ہماری مغفرت فرما۔

اے اللہ ہماری مغفرت فرما' اے اللہ ہماری مغفرت فرما' اے اللہ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما۔ رب ارحمھما کما ربیانی صغیراً رب ارحمھما کماربیانی صغیراً۔ رب ارحمھما کما ربیانی صغیراً۔

اے اللہ ہم اپنے ماں باپ کا کوئی حق ادا نہیں کر سکے اے اللہ ہم ان کا کوئی حق ادا نہیں کر سکے اے اللہ ہم قصور وار ہیں' اے اللہ ہم قصور وار ہیں' اپنے قصور کی معافی چاہتے ہیں اور اس کے بدلہ میں تجھ سے بھیک مانگتے ہیں آج کی رات میں ہمارے ماں باپ کی مغفرت کاملہ ہو جائے ان کے درجات میں ترقی ہو جائے جن کے درجات بلند ہو چکے ان کے درجات سر بلند ہو جائیں' اے اللہ ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما۔

اے اللہ ہمارے اعزاء و اقارب کی مغفرت فرما اے اللہ ہمارے احباب و مخلصین کی مغفرت فرما اے اللہ تمام عالم کے مسلمانوں کی مغفرت فرما' اے اللہ ہمارے جتنے رشتہ دار ہیں اے اللہ سب کی مغفرت فرمادے۔ اے اللہ جتنے ہمارے بھائی ہیں نسبی بھائی ہوں کہ دینی بھائی ہوں کہ اسلامی بھائی ہوں اے اللہ سب کی

مغفرت فرمادے ۔ اے اللہ سب کی مغفرت کی بھیک آپ سے مانگتے ہیں ۔ اے اللہ سب کی مغفرت کی بھیک مانگتے ہیں ۔

اے اللہ آپ سچے آپ کا پیام لانے والے جبرئیل امین سچے، آپ کے حبیب سچے، آپ کے حبیب کے واسطہ آپ کی یہ بات ہمارے کان میں پہونچی ہے کہ آج کی رات آپ سب کی مغفرت کر دیتے ہیں سوائے کینہ رکھنے والے کے، سوائے کسی مسلمان سے عداوت رکھنے والے کے ۔ اے اللہ ہم آپ کو راضی کرنے کے لیے ' اے اللہ ہم آپ کی مغفرت طلب کرنے کے لیے آپ کے سامنے اقرار کرتے ہیں ۔ ہمارے دل میں کسی کا کینہ نہیں ہے اگر کسی نے ہمارے ساتھ برائی کی ہے اگر کسی نے ہمیں برا کہا ہے اے اللہ ہم آپ کو راضی کرنے کے لیے سب کو معاف کرتے ہیں ۔ اے اللہ آپ کو گواہ بناتے ہیں آپ کو راضی کرنے کے لیے ہم نے اپنے تمام تکلیف پہونچانے والوں کو معاف کیا ' اے اللہ کسی کے بارے میں اب ہمارے دل میں کینہ نہیں ہے اے اللہ صرف آپ کو راضی کرنے کے لیے اور آپ کے دربار سے مغفرت کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے اے اللہ ہم نے سب کو معاف کر دیا ' چاہے کسی نے ہمیں برا کہا ہو ' چاہے کسی نے ہمارے ساتھ برا معاملہ کیا ہو ' چاہے ہماری جان کو ہمارے مال کو ہماری عزت کو تکلیف پہونچائی ہو ' نقصان پہونچایا ہو ' اے اللہ آپ کو راضی کرنے کے لیے سب کو معاف کر رہے ہیں ۔ اے اللہ ہم نے سب کو معاف کر دیا ' اے اللہ تجھے گواہ بناتے ہیں ہمارے دل میں کسی کا کینہ نہیں ہے ' اے اللہ تجھے گواہ بنارہے ہیں ہمارے دل میں کسی کی عداوت نہیں ہے ' اے اللہ ہم آپ کو گواہ بناتے ہیں کہ ہمارے دل میں کسی سے نفرت نہیں ' اے اللہ آپ کو راضی کرنے کے لیے ہم نے سب کو ہی معاف کر دیا ۔

اے اللہ آپ کے حبیب نے ہم کو بتلایا تھا کہ آج کی رات سب کی مغفرت ہوجاتی ہے سوائے مشرک کے، اے اللہ ہم آپ کو گواہ بناتے ہیں آپ کے فرشتوں کو گواہ بناتے ہیں آپ کے حاملینِ عرش کو گواہ بناتے ہیں اے اللہ آپ کی تمام مخلوق کو گواہ بناتے ہیں کہ آپ کے علاوہ کسی کو نہ مانا ہے نہ مانیں

گے' نہ آپ کے حق کے علاوہ نہ کسی کو جانا ہے نہ جانیں گے آپ کے علاوہ نہ کسی کے سامنے گندی پیشانی جھکی ہے نہ جھکے گی' انشاء اللہ آپ کے علاوہ کسی کے سامنے نہ یہ گندے ہاتھ اٹھے ہیں نہ اٹھیں گے' قیامت تک نہیں اٹھیں گے آخری دم تک نہیں اٹھیں گے۔

اے اللہ آپ کے ساتھ نہ کسی کو شریک کیا ہے نہ کریں گے۔ اے اللہ گناہ گار ہیں تو آپ کے ہیں خطا کار ہیں تو آپ کے ہیں اور سیہ کار ہیں تو آپ کے ہیں آج تک نہ آپ کے برابر کسی کو جانا' آپ کا شریک کسی کو مانا نہ انشاء اللہ قیامت تک کسی کو آپ کا برابر جانیں گے' نہ کسی کو آپ کا شریک مانیں گے۔ اے اللہ نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں گے۔ اے اللہ نہ کسی کے سامنے پیشانی جھکائیں گے' اے اللہ نہ کسی کی چوکھٹ پر مانگنے کے لیے جائیں گے' اے اللہ آپ ہی کو مانا ہے آپ ہی کو مانیں گے اے اللہ تیرے حبیب نے ہم کو بات سنائی تھی۔

اے اللہ آپ کو گواہ بناتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے آپ کے فرشتوں کو گواہ بناتے ہیں' آپ کی تمام مخلوق کو گواہ بناتے ہیں ان سات آسمانوں کو گواہ بناتے ہیں۔ ان سات زمینوں کو گواہ بناتے ہیں' زمین کے اندر دریاؤں کو گواہ بناتے ہیں' یہ دریاء کے اندر مچھلیوں کو گواہ بناتے ہیں اے اللہ ہم کسی کو آپ کے ساتھ شریک نہیں کرتے نہ کریں گے نہ انشاء اللہ کبھی کیا ہے' یہ گندے ہاتھ ہیں لیکن آپ کے علاوہ کسی کے سامنے نہیں اٹھیں گے یہ گندی پیشانی ہے لیکن آپ کے علاوہ کسی کے سامنے نہیں جھکے گی آپ کی چوکھٹ کے علاوہ کسی کی چوکھٹ کو سجدہ نہیں ہوگا۔

اے اللہ اس کا ہم عہد کرتے ہیں اے اللہ انشاء اللہ آپ کے کرم سے اب تک بھی کسی کے سامنے پیشانی نہیں جھکائی ہے نہ سجدہ کیا' اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔

اے اللہ آج کی رات آپ کی مغفرت کی رات ہے آج کی رات اتنے انسانوں کی مغفرت ہوگی جتنے قبیلہ کلب کی بکریوں کے بال ایسے لوگ جو دوزخ

کے مستحق ہو چکے ہوں گے ان کو دوزخ سے رہائی کا پروانہ مل جانے کا ' اے اللہ ہمارے ماں باپ کے ہاتھ میں دوزخ سے رہائی کا پروانہ عطا فرما اے اللہ ہمارے ہاتھوں میں دوزخ کی رہائی کا پروانہ عطا فرما ' اے اللہ ہمارے اکابرؒ ہمارے مشائخ ، ہمارے اساتذہؒ ہمارے جتنے بڑے گذر چکے ہیں اے اللہ سب کے ہاتھوں میں دوزخ کی رہائی کا پروانہ عطا فرما ۔ جنت الفردوس کے داخلہ کا پروانہ عطا فرما ' جنت الفردوس کے اعلیٰ درجات میں جانے کا پروانہ عطا فرما ۔

اے اللہ آج تو آپ کی سب سے کھلی اجازت ہے جو چاہیں مانگیں اے اللہ اگرچہ ہم اس قابل نہیں ہیں اے اللہ ہماری زبان اس قابل نہیں ہے اے اللہ ہمارے یہ گندے ہاتھ جو آپ کے سامنے اٹھے ہوئے ہیں اس قابل نہیں ہیں لیکن جب آپ اجازت دے چکے ہیں آج آپ دینے پر تلے ہوئے ہیں تو ہم مانگنے میں کیوں کمی کریں ۔

اے اللہ ہم آپ سے بھیک مانگتے ہیں اے اللہ جنت الفردوس میں اپنے غلاموں میں داخل فرما کر اپنے نبی کے غلاموں میں داخل فرما کر اللہ اپنے نبی کے نوکروں میں شمار فرما کر اللہ اپنے نبی کے چاکروں میں شمار کر ' نوکروں والی کوٹھڑی آپ کی والی جنت میں ہم کو عطا فرما دیجئے ۔ اے اللہ ہم بیشک اس قابل نہیں ہیں لیکن تیرا کرم ہے اللہ آج تو آپ دینے پر تلے ہوئے ہیں آج تو آپ نے وعدہ کیا جو مانگو گے میں دوں گا ' اے اللہ تیرے نبی کے غلاموں میں داخل ہو کر یہ تیرے نبی کے نوکروں میں شمار ہو کر نوکروں والی کوٹھڑیاں جو ملا کرتی ہیں اور نوکروں والی جنت جو ملا کرتی ہے اے اللہ اس سے ہمیں محروم نہ فرما ۔

اے اللہ جنت الفردوس عطا فرما اپنے حبیب کی رفاقت ' و معیت عطا فرما ' اپنے حبیب کے غلاموں والی جگہ عطا فرما دے اپنے حبیب کے نوکروں والی جگہ عطا فرما دے اپنے حبیب کے چاکروں والی جگہ عطا فرما دے ۔

اے اللہ ہمارے تمام اعزہ اے اللہ ہمارے تمام طلبہؒ اے اللہ ہمارے تمام مبلغینؒ قسم قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہیں ۔ اے اللہ آپ سے بڑھ کر کوئی مصیبتوں کو دور کرنے والا نہیں ہے آپ جیسا

کوئی مشکلات کو حل کرنے والا نہیں ہے، آپ جیسا کوئی بیماریوں کو دور کرنے والا نہیں ہے اے اللہ ہمارے تمام بیماروں کو شفائے کاملہ عطا فرما۔

اے اللہ امت محمدیہ میں جتنے بیمار ہیں اے اللہ سب کو شفائے کاملہ عطا فرما، اے اللہ امت محمدیہ میں جتنے مصیبت زدہ ہیں اے اللہ سب کی مصیبتوں کا خاتمہ فرما، اے اللہ امت محمدیہ میں جتنے مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں اے اللہ سب کی مشکلات کو دور فرما۔

اے اللہ امت محمدیہ میں جتنے حاجت مند ہیں اے اللہ ان کی جائز حاجات کا غیب سے انتظام فرما، اے اللہ جن لوگوں نے دعاؤں کے لیے کہا ہے بے شمار انسانوں نے دعاؤں کے لیے کہا ہے، لکھا ہے یا اس کے وہ خواہش مند ہیں، اے اللہ آپ ایک ایک کو جانتے ہیں، آپ ایک ایک کی حاجت کو جانتے ہیں، ہماری حاجتوں کو پورا کرنے والے صرف آپ ہی ہیں، آپ کے علاوہ کوئی ہماری حاجتوں کو پورا نہیں کرسکتا اے اللہ ہماری ادنی سی حاجت ہو تمام آسمان کے فرشتے مدد کرنے کے لیے آجائیں، تمام دنیا کے انسان و جنات مدد کرنے کے لیے آجائیں تمام عالم کے چرندے پرندے سب بھی ہماری ادنی حاجت کو پورا نہیں کرسکتے ہماری حاجتیں تو آپ ہی نے پوری کی ہیں اب بھی آپ ہی پوری کر رہے ہیں قیامت تک آپ ہی پوری کریں گے اور ہمیشہ آپ ہی پوری کریں گے آپ کے علاوہ کوئی ہماری حاجات کو پورا نہیں کرسکتا۔

اے اللہ بے شمار انسانوں نے ہمارے بزرگوں سے ہمارے ساتھیوں سے ہمارے بڑوں سے ہمارے طلبہ سے اور ہمارے اساتذہ سے، ہمارے معتمین سے ہمارے مبلغین سے، اللہ ہمارے گھر والوں سے دعاؤں کے لیے کہا ہے اے اللہ آپ تو ایک ایک کو جانتے ہیں، اے اللہ ایک ایک کی حاجت کو جانتے ہیں، اور سب کی حاجت آپ ہی کے قبضہ میں ہے، سب کی حاجت آپ ہی کی مٹھی میں ہے اور آپ ہی کے اشارہ کی دیر ہے، اے اللہ سب کی جائز حاجات کو پورا فرما۔

جو مقروض ہیں ان کے قرضے ادا کرادے جو ناجائز مقدمات میں پھنسے ہوئے ہیں ان کو ناجائز مقدمات سے آزاد کردے۔ اے اللہ جو قید و بند کی

تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں اے اللہ جیل سے بھی خطوط آتے ہیں ہندوستان کی اور ہندوستان سے باہر کی جیلوں سے خطوط آتے ہیں اے اللہ جو ناحق پھنسے ہوئے ہیں اے اللہ سب کو آزاد کرادے سب پر رحم فرمادے۔

اے اللہ جن لوگوں نے ہمارے بڑوں سے ہمارے ساتھیوں سے دعاء کے لیے کہا ہے اے اللہ سب کی حاجات کو پورا فرما۔ اے اللہ آج کی رات کسی کو محروم نہ فرما اے اللہ آج کی رات تو محرومی کی رات ہے ہی نہیں آج کی رات تو ساری رات عطا کی رات ہے اے معطاؤوں کے معطاء اپنی عطایا سے ہماری جھولیاں بھر دے اے سخیوں کے سخی اے جوادوں کے جواد اے جوادوں کے جواد۔ اے مفضالوں کے مفضال اپنے فضل و کرم سے اپنی عطا سے ہماری جھولیاں بھر دے ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ ہم سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو جاؤ ہمیشہ کے لیے اپنی ناراضی ہم سے دور فرمادے۔

اے اللہ ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما اے اللہ ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما اے اللہ ہمارے مشائخ کی اکابر کی مغفرت فرما۔

اے اللہ ہمارے اکابر جن کی بدولت دین کی یہ دولت ہم تک پہونچی اور دین کی یہ نعمت ہم تک پہونچی اور دین کا یہ کام ہم تک پہونچا اے اللہ ان کے بڑوں پر اور ان کے اساتذہ پر صحابہ کرام پر تابعین عظام پر اے اللہ رحمتوں کی بارش فرمادے نعمتوں کی بارش فرمادے۔

اے اللہ ہم آپ کے نبی کا ادنی حق بھی ادا نہ کر سکے لیکن کہاں سے ادا کرتے وہ شاہوں کے شاہ وہ شہنشاہوں کے شہنشاہ اللہ ہم فقیروں کے فقیر ایک فقیر ایک شہنشاہ کا حق کیسے ادا کر سکتا ہے لیکن اے اللہ ہم تیرے غلام ہیں اللہ! دنیا کا قاعدہ ہے شریعت کا قاعدہ کہ غلام کے ذمہ جو بار ہوتا ہے آقا دیا کرتا ہے ہماری جیبیں تو خالی ہیں آپ کے خزانے تو بھرے ہوئے ہیں آپ کے خزانوں میں کمی نہیں ہے اے اللہ آپ کے خزانے بھرے ہوئے ہیں اے اللہ آپ کے بھرپور خزانے ہیں اپنے بھرپور خزانوں میں سے ہماری جانب سے ہمارے ماں باپ کی جانب سے ہمارے اکابر و مشائخ کی جانب سے ہمارے اساتذہ کی جانب سے

ہمارے اعزہ و اقارب اور ہمارے گھر والوں کی جانب سے' اللہ پوری امت محمدیہ کی جانب سے' اے اللہ خصوصاً حاضرین مجلس کی جانب سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ جزاء کامل عطا فرما۔ وہ جزاء خیر عطا فرما جو آپ کی شایان شان ہے اور جو ان کی شایان شان ہے اے اللہ ہم نے تو اپنے نبی کو اپنے اعمال کی وجہ سے تکلیفیں پہونچائی ہیں' آج قبر اطہر میں بھی آپ کو آرام سے نہیں رہنے دے رہے اے اللہ ہمارے اس جرم کو معاف فرمادے اے اللہ قیامت تک کے لیے آپ بھی ہم سے راضی ہوجائیں اور آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوجائیں۔ اے اللہ قیامت تک کے لیے میدان حشر میں جب آپ کے دربار میں حاضر ہوں تو آپ بھی ہم سے راضی ہوں' آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوں۔

اے مولا جب حوض کوثر پر آپ کے حبیب کھڑے ہو کر اپنے مقدس ہاتھوں سے جام پلا رہے ہوں تو آپ بھی ہم سے راضی ہوں' آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوں اے اللہ خوش ہوکر محبت کے ساتھ جام کوثر بھر بھر کر پلائیں۔

اے اللہ جب میدان حشر گرمائے اور آپ کے حبیب کھڑے ہو کر اپنی امت کے اعمال نامے تلوار ہے ہوں تو آپ بھی ہم سے راضی ہوں اور آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوں۔ اے اللہ جب جہنم پر پل ڈالا جائے پل صراط اور لوگ اس پر سے پار ہو رہے ہوں' اللہ خطا کار کٹ کٹ کر دوزخ میں گر رہے ہوں' اس وقت آپ کا کرم ہم کو حاصل ہو' آپ بھی ہم سے راضی ہوں' آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوں اے اللہ پل صراط کو پار کرنے کے بعد جب جنت کے دروازہ پر پہونچیں تو اس وقت آپ بھی ہم سے راضی ہوں اللہ آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوں' اللہ جنت میں داخلہ کے بعد جب آپ کے حبیب کھڑے ہو کر اپنے امتیوں کو اعلی درجات دلوارہے ہوں اونچے اونچے منازل تک پہونچا رہے ہوں تو اس وقت آپ بھی ہم سے راضی ہوں اور آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوں۔

اے اللہ یہ مقدس رات ایسی نہ گذر جائے کہ ہمارے داہنے ہاتھ میں رہائی کا پروانہ نہ آیا ہو دوزخ کی رہائی کا پروانہ اے اللہ یہ مقدس رات گذرنے سے پہلے

پہلے ہمارے ماں باپ کی مغفرت کا فیصلہ فرمادے اور ان کے ہاتھ میں دوزخ کی رہائی کا پروانہ عطا فرمادے۔ اے اللہ ہماری مغفرت فرمادے۔ اے اللہ ہمارے ماں باپ کی اے اللہ ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرمادے' اے اللہ ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرمادے اے اللہ ہمارے اکابر و مشائخ کی مغفرت فرمادے' اے اللہ جن حاجت مندوں نے اپنی حاجات کے لیے دعاؤں کے لیے لکھا ہے اے اللہ سب کی حاجات کا غیب سے انتظام فرمادے۔ اے اللہ سب کی حاجات کا غیب سے انتظام فرمادے اے اللہ سب کی حاجات کو پورا فرمادے اے اللہ سب کی حاجات کو پورا فرمادے اے اللہ سب کی حاجات کو پورا فرمادے۔

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

ارشاد نبوی

بہادر کون؟

بہادر وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے۔ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔
(متفق علیہ)

منجانب: سلیم بھائی سبلاری والے
سورت گجرات

شہادت، رسولؐ خدا کی آرزو

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں۔ (مسلم)

(منجانب: محمد حنیف میمن -- بمبئی)

دعاء

حضرت مولانا اظہار الحسن کاندھلوی

(مولانا کی زندگی کے آخری رمضان المبارک کی آخری شب کی آخری دعاء)

دعاء قبول ہو کیوں کر کہ معصیت قفلِ در ہوئی ہے
دعاء جو مانگوں تو کیسے مانگوں ' زبان ہی بے اثر ہوئی ہے

اے اللہ ! ترے دربار میں تراسب سے گنہگار بندہ آج دعاء کرانے کے لیے بیٹھ گیا ہے ۔ اے اللہ ! اس کے گناہوں سے پرنظر فرما کر' اللہ اپنے ان سب بندوں کو محروم نہ فرما دے ۔ اے اللہ ! دنیا میں سب سے زیادہ ترا گنہگار بندہ آج چوکی پر مانگنے کے لیے بیٹھ گیا ہے اے اللہ ! اس لیے بیٹھ گیا ہے' اس لیے ہمت کر کے بیٹھ گیا ہے کہ اس کے کانوں میں تیری آواز آرہی ہے کہ تو آواز دے رہا ہے تو آسمانِ دنیا سے پکار رہا ہے' ارے ! کوئی مانگنے والا ہے تو آجاؤ ؟ آج ہم دینے پر تلے ہوئے ہیں ۔ اے اللہ ! تری اس آواز کو سن کر تیرے گنہگار بندے نے ہمت کی' اے اللہ ! میری ہمت نہیں میری جراءت نہیں تھی کہ آپ کے نیک بندوں کا وکیل بن کر تیرے سامنے آؤں ۔

اے اللہ ! میں تو سب سے زیادہ گنہگار ہوں' اے اللہ ! میں تو سب سے زیادہ خطا کار ہوں' اے اللہ ! مجھ جیسا خطار کار دنیا میں کوئی نہیں ہے' اے اللہ ! مجھ جیسا گنہگار تو دنیا میں کوئی نہیں ہے لیکن اے اللہ ! تیری آواز میرے کانوں

میں آئی تو نے پکار کر کہا آج کی رات ہمارے دربار سے کوئی محروم نہیں جائے گا -- آج کی رات ہمارے دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جائے گا' آج ہم دینے پر تلے ہوئے ہیں' آج ہم دینے پر تلے ہوئے ہیں ۔ اگر میرے گنہگار بندے آکر دامن پھیلائیں گے میں ان کے دامنوں کو بھر دوں گا' اگر میرے خطا کار بندے بھی آکر مجھ سے سوال کریں گے میں ان کو بھی محروم نہیں کروں گا ۔ اے اللہ ! تری آواز میرے کانوں میں آئی' اے اللہ ! تری آواز میں نے سنی اور اے اللہ ! اس لیے ہمت کر کے آگیا اے اللہ ! میرے گناہوں کی وجہ سے ان کو محروم نہ فرما ۔

اے اللہ ! آج کی رات آپ کے اپنے کی رات ہے' اے اللہ ! آپ سچے ہیں اے اللہ ! آپ کے حبیب سچے ہیں' اے اللہ ! آپ کے حبیب کے پاس پیغام لانے والے جبرئیل امین سچے ہیں' جبرئیل امین نے آپ کا پیغام پہنچایا کہ آج کی رات آپ اعلان کر رہے ہیں' آج کی رات آپ کے دربار سے کوئی محروم نہیں جائے گا' آج کی رات کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں جائے گا' آج کسی کا ہاتھ نہیں جھٹکا جائے گا' آج کسی کا دامن چاک نہیں کیا جائے گا' آج سب کے دامن بھرے جائیں گے' آج سب کے ہاتھ تھامے جائیں گے' آج گنہگاروں کو بھی نوازا جائے گا' آج گنہگاروں کو بھی محروم نہیں کیا جائے گا' آج خطا کاروں کو بھی نوازا جائے گا' آج خطا کاروں کو بھی محروم نہیں کیا جائے گا ۔

اے اللہ ! اے اللہ ہم تجھے گواہ بناتے ہیں' ہم تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے' اے اللہ ! تیرا بندہ اے اللہ ہمارا گواہ بن جانے اللہ ! تجھے گواہ بناتے ہیں تیرے لاکھوں فرشتوں کو گواہ بناتے ہیں تیرے لاکھوں انبیاء کو گواہ بناتے ہیں' تیرے سینکڑوں رسولوں کو گواہ بناتے ہیں' اے اللہ ! ہم تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ۔ اے اللہ ! تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ۔

اے اللہ ! تیرے سامنے ہم قسم کھا کے کہتے ہیں ہمارے دل میں کسی مسلمان کی عداوت نہیں ۔ کسی نے ہمارے ساتھ برائی کی ہو اے اللہ ! آج آپ کو منانے کے لیے ہم نے سب کو معاف کیا ۔ اے اللہ ! آج آپ کو منانے کے لیے

م نے سب کو معاف کر دیا، جنھوں نے ہماری جان لینے کے ارادہ کئے جنھوں نے ہمارے عزت لینے کے ارادے کئے، اے اللہ ! آج تو آپ کو منانے کے لیے سب کو معاف کر دیا۔ آج ہمارے دل میں کسی کی عداوت نہیں ہے۔ اے اللہ ! آج ہمارے دل میں کسی کی عداوت نہیں ہے، اے اللہ! کسی نے کچھ بھی ہمارے ساتھ کیا ہو، اے اللہ ! کسی نے کچھ بھی ہمیں کہا ہو، ہماری جان کو نقصان پہنچایا ہو، ہمارے مال کو نقصان پہنچایا ہو، ہماری عزت کو نقصان پہنچایا ہو، اے اللہ !ہم سب کو معاف کرتے ہیں اور آپ کو منانے کے لیے معاف کر رہے ہیں، اور آپ کو راضی کرنے کے لیے معاف کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ میرے کانوں میں آواز آئی اور اے اللہ ! آپ کی آواز آئی، کہ آج کی رات آپ اس کو معاف نہیں کریں گے جو کسی مسلمان سے عداوت رکھتا ہوگا، اے اللہ ! ہم آپ کو گواہ بناتے ہیں، اے اللہ ! ہم آپ کو گواہ بناتے ہیں، آپ کے لاکھوں انبیاء کو گواہ بناتے ہیں، آپ کے بے شمار فرشتوں کو گواہ بناتے ہیں، آپ کے تین سو تیرہ رسولوں کو گواہ بناتے ہیں کہ ہمارے دل میں کسی کی عداوت نہیں، ہمارے دل میں کسی کی برائی نہیں، اے اللہ تمام مسلمانوں کو ہم نے معاف کیا، اے اللہ کسی نے کوئی تکلیف پہنچائی ہو۔

اے اللہ ! ہم آپ سے بھیک مانگتے ہیں اگر کسی کے ماں باپ ناراض ہوں، اے اللہ ! ان کے ماں باپ کو راضی کر دے، اے اللہ ! آج کی رات اسے محروم نہ فرما اے اللہ ! آج کی رات اسے محروم نہ فرما۔ اے اللہ !ان کے ماں باپ کے دل میں اولاد کی محبت ڈال دے اے اللہ ! ان کی ناراضگی کو ختم فرمادے، اے اللہ ! ان کی ناراضی کو ختم فرمادے، اے اللہ ! ان کی ناراضی کو ختم فرمادے۔

اے اللہ !ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما، اے اللہ ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما، اے اللہ ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما، اے اللہ ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما۔ اے اللہ ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما، رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔ رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔ رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا، رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا، رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا، رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔

اے اللہ ! آج کس کس کے لیے مانگوں آپ سے ' آج تو فوجیں کی فوجیں میرے سامنے کھڑی ہیں ' میرے تمام اکابر کی صورتیں میرے سامنے ہیں ۔ اے اللہ ! میرا بوڑھا باپ میرے سامنے کھڑا ہوا ہے ' اے اللہ ! میری بوڑھی ماں میرے سامنے کھڑی ہوئی ہے ' اے اللہ ! مولانا الیاس صاحب مجھے نظر آرہے ہیں ' اے اللہ ! مولانا یوسف صاحب مجھے دکھائی دے رہے ہیں ' اے اللہ ! میرے شیخ شیخ الحدیث میرے سامنے ہیں ' اے اللہ ! کس کس کے لیے مانگوں اے اللہ ! کس کس کے لیے مانگوں ' اے اللہ ! میرے بوڑھے باپ کو بھی معاف فرما دے ' اے اللہ ! میری بوڑھی ماں کی مغفرت فرما دے ' اے اللہ ! میرے بوڑھے باپ کو معاف فرما دے ' اے اللہ ! میری بوڑھی ماں کی مغفرت فرمادے ' اے اللہ ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرمادے ' اے اللہ ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرمادے ' اے اللہ ! باپ کی مغفرت فرمادے ۔

اے اللہ ! ہمارے اکابر کی مغفرت فرمادے ! ہمارے مشائخ کی مغفرت فرمادے ! ہمارے مشائخ کی مغفرت فرمادے ' ہمارے اساتذہ کی مغفرت فرمادے ہمارے دین کے علماء جن کی وجہ سے دین کی اشاعت ہم تک پہنچی ہے ' دین کی محنت ہم تک پہنچی ہے اور دین کی یہ نعمت پہنچی ہے ' اے اللہ آپ ہر ایک ایک کو جانتے ہیں ' اے اللہ ایک ایک کو جانتے ہیں ۔ اے اللہ ! میری آنکھوں کے سامنے فوجیں کی فوجیں کھڑی ہیں ' اے اللہ کس کس کا نام لوں ' اے اللہ کس کس کا نام لوں ' اے اللہ ! آپ تو سب کو جانتے ہیں ' اے اللہ سب کی مغفرت فرمادے ' اے اللہ ! سب کی مغفرت فرمادے ' اے اللہ ! سب کی مغفرت فرمادے ۔

اے اللہ ! میرے ماں باپ کی مغفرت فرما ' میرے اہل و عیال کی مغفرت فرما ' میرے اعزا و اقارب کی مغفرت فرما ' اے اللہ جن سے کسی قسم کا رشتہ ہے دادھیال کا رشتہ ہو یا ننھیال کا رشتہ ہو ' یا سسرال کا رشتہ ہو ' اے اللہ سب کی مغفرت فرمادے ' اے اللہ ! سب کی مغفرت فرمادے ۔ اے اللہ جو ہم سے محبت رکھتے ہیں ' اے اللہ جو ہم سے تعلق رکھتے ہیں ' اے اللہ سب کی مغفرت فرمادے ۔ اے اللہ ہمارے اساتذہ کی مغفرت فرما ' ہمارے تلامذہ کی مغفرت فرما ' ہمارے مبلغین کی

مغفرت فرما' اے اللہ ان کے خاندانوں کی مغفرت فرما' اے اللہ ہماری ان کی قیامت تک آنے والی نسلوں کی مغفرت فرما دے۔

اے اللہ آپ کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں' اے اللہ ہم گناہوں سے بری نہیں ہیں کہ آپ کے سامنے صفائی لے کر حاضر ہوئے ہوں' اے اللہ ہم گناہوں سے بری نہیں ہیں کہ آپ کے سامنے معذرت پیش کرنے کے لیے آئے ہوں' اے اللہ ہم قوی نہیں ہیں کہ آپ کے عذاب سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔ اے مولیٰ! دنیا میں ہمارا کوئی آسرا اور دنیا میں ہمارا کوئی سہارا ایسا نہیں ہے کہ اگر ہمارے گناہوں کی وجہ سے اے اللّٰہ آپ کا عذاب ہم پر نازل ہونے لگے تو آپ کے عذاب سے ہم کو بچا سکے۔

اے بے سہاروں کے سہارے! آپ کی ذات عالی ہمارا سہارا ہے' اے بے ٹھکانوں کے ٹھکانے! آپ کی چوکھٹ ہمارا ٹھکانہ ہے' آپ کے دروازے پر سائل بن کر آئے ہیں اور اس لیے آئے ہیں کہ ہم نے سنا ہے کہ کریم کے دروازے پر جب کوئی سوال کرتا ہے تو کریم کو شرم آتی ہے کہ اپنے دروازے کے بھکاری کو خالی ہاتھ واپس لوٹائے۔ آپ کی چوکھٹ کے منگتے بن کر آئے ہیں اور اس لیے آئے ہیں کہ ہم نے سنا ہے کہ کریم کی چوکھٹ پر بھکاری جب جا کر آواز لگاتا ہے تو کریم شرماتا ہے کہ میری چوکھٹ کا بھکاری محروم واپس لوٹے۔ آپ کے دربار کے سائل بن کر آئے ہیں اور ہم نے سنا ہے کہ کریم کے دروازے پر کوئی دامن پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہے تو کریم شرماتا ہے کہ اس کے دربار کا سائل خالی دامن واپس جائے۔ آپ جیسا کوئی کریم نہ ہوا ہے نہ ہوگا اور ہم جیسا کوئی محتاج نہ ہوا ہے نہ ہوگا اور ہم جیسا خطا کار کوئی ہوا ہے نہ کوئی ہوگا۔ اے اللہ جس کرم سے آج اپنے دربار میں بلا لیا ہے' اے اللہ جس کرم سے آپ نے اپنی آواز ہمارے کانوں میں ڈال دی' اے اللہ! آپ کی آواز اب بھی آرہی ہے کانوں میں' آپ فرما رہے ہیں ارے! کوئی مانگنے والا ہے آجائے' اے اللہ! آگئے اور تیری آواز کو سن کر آگئے۔

اے اللہ! ہمیں ہر خیر عطا فرما دے' اے اللہ! ہر خیر عطا فرما دے' اے

اللہ! ہر خیر عطا فرمادے، اے اللہ! ہر شر سے ہم کو محفوظ فرمادے، اے اللہ! ہر شر سے ہم کو محفوظ فرمادے، اے اللہ! ہر شر سے ہم کو محفوظ فرمادے۔ اے اللہ ہر شر سے ہم کو محفوظ فرمادے۔

اے مولیٰ! ہم آپ کے سامنے اپنی گندگی کا اعتراف کرتے ہیں، اے مولیٰ! دنیا میں ہم سے زیادہ گندہ کوئی نہیں ہے۔ اے اللہ ہم تو گندوں سے زیادہ گندے ہیں، اے اللہ! ہم تو کتے سے زیادہ گندے ہیں۔ اے مولیٰ! ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ ہماری گلی کا کتا ہم سے پاک ہے، ہم تو اپنے گلی کے کتے سے زیادہ ناپاک ہیں۔ اے مولیٰ! ایک کتے کو اس کا مالک ایک ٹکڑا ڈال دیتا ہے اور وہ عمر اس کے دروازے پر دم ہلا کر گذار دیتا ہے، وہ بھگانا چاہتا ہے تو نہیں بھاگتا، وہ مارتا ہے تو اس کا دروازہ نہیں چھوڑتا اور اے اللہ! ہم ہر لمحے اور ہر آن اور ہر منٹ میں اور ہر سیکنڈ میں آپ کی کروڑوں اربوں نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور آپ کے احکام کو توڑ رہے ہیں، اے مولیٰ! ہم کتے سے زیادہ گندے نہیں ہیں تو کیا ہیں؟۔

اے مولیٰ! ہم تو کتے سے بھی زیادہ گندے ہیں، لیکن اے مولیٰ! آپ پاک ہیں اور آپ کا نام پاک ہے اور آپ کا کام پاک ہے اور آپ کا کلام پاک ہے اور آپ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں، آپ کے ارادہ کی دیر ہے اگر آپ فرمالیں کتے جیسی گندی چیز کو پاک کر کے جنت میں داخل ہونے کے لائق بنا دیں۔ آپ نے ارادہ فرمالیا اصحاب کہف کے کتے کو پاک کر دیا اور اس کو جنت میں داخل ہونے کے لائق بنا دیا۔ اے اللہ! ہم کتوں کو بھی پاک کر دے اے اللہ! ہم گندوں کو بھی پاک کر دے، اے اللہ! ہم تو کتے سے بھی زیادہ گندے ہیں اے اللہ ہم تو کتوں سے بھی زیادہ ناپاک ہیں لیکن آپ کے لیے پاک کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اے اللہ اے اللہ! ہم تو تیری آواز سن کر آئے ہیں ہمارے کانوں میں تیری آواز آرہی ہے آج آکر مجھ سے مانگ لو، جو مانگو گے میں دوں گا، اے اللہ! اپنی پاکی مانگتے ہیں آپ سے، اے اللہ! اپنی گندگی کی دوری کو مانگتے ہیں آپ سے۔

اے اللہ ! اپنے گناہوں کی اے اللہ ! اپنے گناہوں کی مغفرت کی مانگتے ہیں، آپ سے اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ اے اللہ ! ہماری مغفرت فرمادے اے اللہ ! ہماری مغفرت فرمادے۔ اے اللہ ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرمادے، اے اللہ ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرمادے، اے اللہ ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرمادے۔ اے اللہ ! پوری امت محمدیہ کی مغفرت کا فیصلہ فرما دے۔

اے اللہ ! ہم سے مانگنا نہیں آتا، ہم آپ سے کیا مانگیں، ہم آپ سے اس خیر کا سوال کرتے ہیں جس کا سوال کیا ہے آپ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ ! وہ خیر ہم کو عطا فرما دے، اے اللہ ! آپ سے ہر اس خیر کا سوال کرتے ہیں، جس کا آپ سے سوال کیا ہے، آپ کے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام نے اور تین سو تیرہ رسولوں نے اور لاکھوں کروڑوں اولیاء کرام نے اور بے شمار فرشتوں نے، جس خیر کو آپ سے مانگا ہے اور جو آئندہ مانگیں گے اے اللہ ! اس خیر کو آپ سے مانگتے ہیں۔

اے اللہ ! ہر وہ شر جس سے پناہ چاہی ہے آپ کے حبیب و محبوب نے اور جس سے پناہ چاہی ہے آپ کے لاکھوں نبیوں نے اور جس سے پناہ چاہی ہے آپ کے سینکڑوں رسولوں نے اور لاکھوں انبیاء کرام نے اور کروڑوں اولیاء عظام نے اور بے شمار فرشتوں نے اور آئندہ پناہ چاہیں گے، اے اللہ اس شر سے ہم کو بچا دے۔ اے اللہ ! ہر خیر ہم کو عطا فرما دے اے اللہ ! ہر خیر ہم کو عطا فرما دے، ہر شر سے ہماری حفاظت فرما دے۔

اے اللہ ! ہمارے کان میں آپ کی آواز آرہی ہے کہ آپ سچے ہیں اور آپ کا وعدہ سچا ہے اور آپ فرمارہے ہیں؟ ہے کوئی مانگنے والا ہے آج مجھ سے مانگنے میں دینے پر تلا ہوا ہوں، اے اللہ یہ آواز سن کے آپ کے بندے آئے ہیں اور آپ سے آپ کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ ! آپ سے رضاء کا سوال کرتے ہیں، اے اللہ ! ہم تو آپ سے آپ ہی کو مانگتے ہیں، اے اللہ ! ہم تو آپ سے آپ کی رضا کو مانگتے ہیں، اے اللہ ! آج یہ یقین لے کر آئے ہیں کہ آج آپ کے دربار

سے محروم نہیں جائیں گے۔ اے اللہ! یہ یقین لے کر آئے ہیں' آج ہاتھ خالی نہیں جاویں گے۔ اے اللہ! اگرچہ دنیا میں سب سے زیادہ گندے ہاتھ ہیں اے اللہ! ان سے زیادہ گندے ہاتھ کوئی نہیں لیکن بڑا وعدہ سچا ہے اے اللہ پاکوں کا پاک ہے یہ یقین لے کر آئے ہیں کہ آج تیرے دربار سے محروم نہیں جائیں اے اللہ! یہ یقین لے کر آتے ہیں کہ آج تیرے دربار سے خالی ہاتھ نہیں جائیں گے۔ اے اللہ تجھ سے تجھ ہی کو مانگتے ہیں۔ اے اللہ! تجھ سے تیری رضا کو مانگتے ہیں' اے اللہ! ہم تو تجھ سے تجھ ہی کو مانگتے ہیں۔ آپ نے وعدہ کیا ہے آج جو مجھ سے مانگو گے میں محروم نہیں کروں گا۔ اے اللہ! ہم تو تجھ ہی کو مانگتے ہیں' تیری رضاء کو مانگتے ہیں! اے اللہ! تیری رضا کو مانگتے ہیں' اے اللہ! تیری رضاء کو مانگتے ہیں۔

اے اللہ! تیرا ہی سوال کرتے ہیں تجھ سے' اے اللہ! تجھ سے پناہ چاہتے ہیں تیرے عذاب سے' اے اللہ! تجھ سے پناہ چاہتے ہیں تیرے عذاب سے' اے اللہ! تجھ سے پناہ چاہتے ہیں تیرے عتاب سے' اے اللہ! اے اللہ! عذاب قبر سے ہماری حفاظت فرما' اے اللہ! عذاب قبر سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ! حشر کے عذاب سے ہماری حفاظت فرما' اے اللہ! دوزخ سے ہماری حفاظت فرما' اے اللہ! دوزخ کے فتنہ سے ہماری حفاظت فرما' اے اللہ! دوزخ کے عذاب سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ! اپنے جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات ہم کو عطا فرمادے۔

اے اللہ! اگرچہ ہماری زبان اس قابل نہیں ہے اور ہمارے اعمال اس قابل نہیں ہیں' کہ آپ سے سوال کریں لیکن آج کان میں آواز آگئی آج تو آپ نے آواز دے کے کہہ دیا کہ آج تو جو مانگو گے وہ دونگا' آج محروم نہیں کروں گا' اے اللہ! آپ کی آواز کو سن کر دوڑ کر آئے' اور آپ سے بھیک مانگتے ہیں کہ جنت الفردوس میں اپنے حبیب کے غلاموں میں داخل کر کے اپنے حبیب کی رفاقت عطا فرمادے' اپنے حبیب کی معیت عطا فرمادے۔

اے اللہ! یہ زبان اس قابل نہیں ہے' اے اللہ! یہ ہاتھ اس قابل نہیں

ہیں اے اللہ ! یہ ہاتھ اس قابل نہیں ہیں 'اے اللہ ! یہ زبان اس قابل نہیں ہے ' لیکن تیرے کرم پہ نگاہ ہے ' اے اللہ ! تیری آواز پر یقین ہے آج تو محروم نہیں کرے گا 'اے اللہ ! جنت الفردوس کے اعلی درجات میں اپنے حبیب کی رفاقت عطا فرما ' اپنے حبیب کی معیت عطا فرما ' جیسے آقا کے ساتھ غلام ہوتے ہیں جیسے آقاؤں کے ساتھ غلاموں کی کوٹھریاں ہوتی ہیں ' جیسے بڑوں کے ساتھ ملازموں کے کواٹر ہوتے ہیں ' اے اللہ ! اپنے حبیب کے غلاموں میں داخل کردے ' اپنے حبیب کے نوکروں میں شمار کر کے اپنے حبیب کے چاکروں میں شمار کر کے اپنے حبیب والی جنت عطا فرما دے ' اپنے حبیب کی معیت عطا فرمادے ' اپنے حبیب کی رفاقت عطا فرما دے ۔

اے اللہ ! ہمارے اعمال اس قابل نہیں تھے ' ہماری زبانیں اس لائق نہیں تھیں ہمارے ہاتھ اس لائق نہیں تھے کہ آپ سے اتنی بڑی چیز کا سوال کریں لیکن آج تو کان میں آواز آگئی ' آپ نے جو وعدہ کیا ہے اور آپ نے تو آواز دے کر بلایا ہے ' آپ نے تو آواز دے کر پکار کر بلایا ہے اور یہ کہہ کر بلایا ہے کہ آج محروم نہیں کروں گا ' اے اللہ ! تیری رضاء کی بھیک مانگتے ہیں ' اے اللہ ! تیرے حبیب کی رفاقت کی بھیک مانگتے ہیں ' تیرے حبیب کی معیت کی بھیک مانگتے ہیں ۔

اے اللہ ! تیرے حبیب کو ہم نے بہت ستایا ہے ' اے اللہ ! ہمیشہ ہم نے آپ کے دل کو دکھایا ہے ' قبر اطہر کے اندر آپ کو چین سے نہیں رہنے دیا ' اپنے اعمال کی وجہ سے ' اپنے حرکات کی وجہ سے ' اپنی سیئات کی وجہ سے ' اپنے خطایا کی وجہ سے ' تیرے حبیب کو قبر اطہر میں بھی چین سے رہنے نہیں دیا ' اے اللہ ! ہماری اس غلطی کو معاف فرمادے ' اے اللہ ! ہمارے جرم عظیم کو معاف فرما دے ۔

اے اللہ ! آپ بھی ہم سے راضی ہو جا ' اور اپنے حبیب کو بھی ہم سے راضی کر دے ' اے اللہ ! آپ بھی ہم سے راضی ہو جائیں ' اور اپنے حبیب کو ہم سے راضی فرمادے ۔ اے اللہ ! مرنے کے بعد قبر میں جب آپ کے حبیب کی زیارت ہو

اور آپ کے حبیب کے بارے میں پوچھا جائے کہ یہ کون ہیں ان کے بارے میں کیا کہتے تھے' اس وقت آپ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے راضی ہوں۔

اے مولی! میدان حشر میں جب آپ کے حبیب کی زیارت ہو' تو آپ بھی ہم سے راضی ہوں اور آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوں۔ اے مولی! جب آپ کے حبیب اپنے حوض کوثر پر کھڑے ہو کر اپنے مقدس ہاتھوں سے جام بھر بھرکر کوثر سے اپنے ساتھیوں کو پلا رہے ہوں تو آپ بھی ہم سے راضی ہوں اور آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوں اور اپنے مقدس ہاتھوں سے جام بھر بھر کر پلائیں' اے اللہ! آپ بھی اس وقت ہم سے راضی ہوں اور آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوں۔

اے مولی! جب میدان حشر میں میزان عدل قائم ہو اور آپ کے حبیب اپنی امت کو اعمال نامے دلوا رہے ہوں تو آپ بھی ہم سے راضی ہوں اور آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوں' اے اللہ! جب تیرے دوزخ کے پل پر جایا جائے اور پلصراط قائم کی جائے اور آپ کے حبیب اس کے کنارے پر کھڑے ہو کر اپنے امتیوں کو عافیت سے پار کرا رہے ہوں' اے اللہ! اس وقت بھی آپ ہم سے راضی ہوں اور آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوں۔

اے اللہ! جب جنت کے دروازے پر آپ کے حبیب کھڑے ہو کر اپنے ایک ایک امتی کا ہاتھ پکڑ جنت میں پہنچا رہے ہوں تو آپ بھی ہم سے راضی ہوں اور آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوں۔ اے مولی جنت میں داخل ہونے کے بعد جب آپ کے حبیب اپنے ایک ایک امتی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اعلی درجات میں پہنچا رہے ہوں تو آپ بھی ہم سے راضی ہوں اور آپ کے حبیب بھی ہم سے راضی ہوں۔ آپ کا قرآن بھی ہم سے راضی ہو۔ اے اللہ! قرآن بھی ہم سے راضی ہو' اے اللہ! آپ کا عظیم کلام ہم سے راضی ہو اور ہمارا ہاتھ پکڑ کر جنت کے اعلی درجات میں ہم کو پہنچائے۔ اے اللہ! ان بد قسمتوں میں ہم کو نہ کھینچے گا کہ آپ کا عظیم کلام ہو اور اس کے مقدس ہاتھ ہوں اور ہماری منحوس گدی ہو اور دوزخ کی طرف دھکے دئے جا رہے ہوں' اے اللہ! ان میں ہم کو نہ کھینچے گا اے اللہ

ان بدبختوں میں ہم کو نہ کیجئے گا' اے اللہ ان بدبختوں میں ہم کو نہ کیجئے گا۔ کہ آپ کے حبیب حوض کوثر پر کھڑے ہو کر اپنے مقدس ہاتھوں سے جام بھر بھر کر پلا رہے ہوں اور ہم سامنے جائیں تو فرما دیں سحقا سحقا ! ارے دور ہو جاؤ' دور ہو جاؤ' نہ میں تمہارا نہ تم میرے - اے اللہ ! ان بد قسمتوں میں ہم کو نہ کیجئے گا' اے اللہ ! ان بد قسمتوں میں ہم کو نہ کیجئے گا' اے اللہ ! ان بدبختوں میں ہم کو نہ کیجئے گا کہ آپ کا قرآن ہمارا مدمقابل بن کر کھڑا ہو اور آپ کے حبیب کی پیشانی پر ہم کو دیکھ کر بل پڑ جائے اور آپ ہم کو دھکے دے دیں - اے اللہ ! ان بدبختوں میں نہ کیجئے گا۔

اے اللہ ! ان خوش بختوں میں کر دے کہ دنیا کی زندگی میں بھی آپ ہم سے راضی رہیں' قبر میں بھی ہم سے راضی رہیں' حشر میں بھی ہم سے راضی رہیں اور جنت کے اندر بھی اعلیٰ درجات ہم کو عطا فرما کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہم کو اپنی رضا سے نوازے - آپ کے حبیب اس دنیا زندگی میں بھی ہم سے راضی ہوں اور قبر کے اندر بھی ہم سے راضی ہوں اور حشر کے اندر بھی ہم سے راضی ہوں اور پلصراط پر بھی ہم سے راضی ہوں اور حوض کوثر پر بھی ہم سے راضی ہوں اور جنت کے دروازے پر ہم سے راضی ہوں اور جنت کے اعلیٰ درجات پر پہونچانے میں ہم سے راضی ہوں -

اے اللہ ! ہمیں مانگنا نہیں آتا لیکن آپ تو بلا مانگے دینے کے عادی ہیں' آپ تو ایسے کریم ہیں کہ کسی کے مانگنے کا انتظار نہیں کرتے اور آج کی رات تو آپ کے کرم کی رات ہے اور آج کی رات تو آپ کے فضل کی رات ہے اور آج کی رات تو آپ کے جود و سخا کی رات ہے - آپ جیسا کوئی سخی نہ ہوا ہے نہ ہو گا اور آپ جیسا جواد نہ ہوا ہے نہ ہو گا اور آپ جیسا کوئی کریم نہ کوئی ہوا ہے نہ ہو گا۔

اے اللہ ! ہمیں مانگنا نہیں آتا لیکن آپ کو دینا تو خوب آتا ہے' آپ کے خزانے بھرے ہوئے ہیں' آپ کے خزانوں میں کمی نہیں ہے - اے اللہ ! بغیر مانگے ہمیں سب کچھ عطا فرما دے جو حقیقی مانگنے والوں کو آپ کے دربار سے ملا کرتا ہے' اے اللہ جو آپ کے مانگنے والوں کو آپ کے دربار سے ملا کرتا ہے

حقیقی طور پر ادب کے ساتھ مانگنے والوں کو ملا کرتا ہے' اے اللہ! اب ہمیں محروم نہ فرما اے اللہ! آپ کی آواز کانوں میں آرہی ہے' اے اللہ! آپ کی آواز کانوں میں آرہی ہے' آپ کی آواز آرہی ہے آپ فرمارہے ہیں جس کی جو حاجت ہو آجائے۔

اے اللہ! امت محمدیہ میں جو پریشان حال ہیں اے اللہ ان کی پریشانیوں کو دور فرمادے۔ اے اللہ! امت محمدیہ میں جو مقروض ہیں اے اللہ! ان کے قرضوں کو ادا کرادے۔ اے اللہ! ہم تو بہت ہی زیادہ مقروض ہیں' ہم تو آپ کے بھی مقروض ہیں اور آپ کا تو ایک حق بھی ادا نہیں کر سکے اور آپ کا تو قرضہ ہی قرضہ چڑھا ہوا ہے' اے اللہ کرم فرما کر اپنے غلاموں کے اور اپنے بندے کے قرضوں کو معاف فرمادے۔ اے اللہ! تیرے حبیب کے مقروض ہیں اور اتنے مقروض ہیں کہ ساری عمر بھی اگر ان کا قرضہ چکانا چاہیں تو ادا نہیں کر سکتے۔ اے اللہ ہم فقیر ہیں' اے اللہ ہم محتاج ہیں' اے اللہ ہماری جیبیں خالی ہیں اے اللہ! ہمارے دامن خالی ہیں' تجھ جیسے شہنشاہ عالی مقام کا قرض کیسے چکائیں' لیکن اے اللہ ہم تیرے بندے ہیں اے اللہ ہم تیرے غلام ہیں اور بندے کے ذمہ جو قرضہ ہوتا ہے اور غلاموں کے ذمہ جو قرضہ ہوا کرتا ہے وہ مالک ہی ادا کیا کرتا ہے' اے اللہ! ہمارا یہ قرضہ چکادے اس مطالبہ سے ہمیں برأت عطا فرما۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون۔

اے اللہ! امن و امان قائم فرمادے' اے اللہ امن و امان قائم فرمادے' اے اللہ! امن و امان قائم فرمادے' اے اللہ! امن و امان قائم فرمادے' اے اللہ! امن و امان قائم فرمادے' اے اللہ! امن و امان قائم فرمادے۔ اے اللہ! انسان درندہ بنا ہوا ہے' اے اللہ! انسان کو انسان بنادے۔ اے اللہ! انسان درندہ بنا ہوا ہے' اے اللہ! انسان کو انسان بنادے' اے اللہ! انسان درندہ بنا ہوا ہے' اے اللہ! انسان کو انسان بنادے۔ اے اللہ! دنیا میں امن و امان قائم فرمادے' اے اللہ! دنیا میں امن و امان قائم فرمادے' اے اللہ دنیا میں امن و امان قائم فرمادے' اے اللہ! درندگی کو ختم فرمادے' اے اللہ! درندگی کو ختم فرمادے'

اے اللہ ! انسان انسان کا دشمن بنا ہوا ہے' اے اللہ ! آپ نے تو بھائی بھائی بنا کر بھیجا تھا' اے اللہ ! ایک ماں باپ کی اولاد بنا کر بھیجا تھا لیکن انسان انسان کا دشمن بنا ہوا ہے' اے اللہ ! انسان کو انسان بنا دے' اے اللہ ! بھائی کو بھائی بنا دے' اے اللہ ! بھائی کو بھائی بنا دے' اے اللہ ! انسانیت ہمارے اندر پیدا فرمادے' اے اللہ درندگی کو ختم فرمادے' اے اللہ درندگی کو ختم فرمادے' اے اللہ ! امن و امان قائم فرما دے' اے اللہ ! امن و امان قائم فرما دے۔ اے اللہ ! تمام عالم میں امن و امان قائم فرمادے اے اللہ محض اپنے فضل و کرم سے ہماری دعاؤں کو قبول فرما' سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

ٹیپ بشکریہ، جناب محمد عابد خاں صاحب دہلی

ارشاد نبویؐ

مال و جاہ کی حرص تباہ کن ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دو بھوکے بھیڑ بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ گلے کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا نقصان کسی آدمی کے دین کو مال اور جاہ کی حرص پہنچاتی ہے۔ (ترمذی)

منجانب : محمد قاسم درباد
سورت گجرات

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو

آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل
طریقوں سے نہ کھاؤ، لین دین ہونا چاہیے
آپس کی رضا مندی سے، اور اپنے آپ کو
قتل نہ کرو۔ یقین مانو کہ اللہ تمہارے
اوپر مہربان ہے۔

(النساء = ۲۹)

وہ لوگ جن پر اللہ کی رحمت نازل ہوگی

مومن مرد اور مومن عورتیں ، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں ۔ نماز قائم کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی ۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے ۔

(التوبہ : ۷۱)

(ایک بندۂ خدا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوگو! خیرات کیا کرو، صدقہ دیا کرو اور یاد رکھو کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ پہلے ماں باپ، بہن بھائی پھر قریبی رشتہ دار۔ اس ترتیب کے ساتھ اپنے عزیزوں سے حسن سلوک کیا کرو۔

(زاد المعاد)

(ایک بندۂ خدا)

اقدام سے پہلے خبر کی تحقیق ضروری ہے

اے لوگو ! جو ایمان لائے ہو ، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو ۔

(الحجرات :)

ایک بندۂ خدا۔

آپ کی خدمت میں

احوال و آثار کے زیر نظر شمارہ کی دوسری جلد عنقریب آرہی ہے

اکابرین تبلیغ اور مرکز تبلیغ احوال خدمات اور تاریخ

جس میں

(مولانا محمد اسماعیل جھنجھانوی ثم کاندھلوی کے مربی اور پیرومرشد)

امام الاتقیاء حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی مہاجر مدنی

(نیز حضرت مولانا محمد الیاس کے والد ماجد اور بڑے بھائی)

مولانا محمد اسماعیل اور مولانا محمد میاں رحمہ اللہ

کے احوال، کمالات، خدمات، تعلیم و تلامذہ پر مفصل مستند مضامین

اور

- حضرت مولانا محمد الیاس کے وہ واقعات واحوال جو آجتک نامعلوم اور غیر مطبوعہ ہیں۔
- حضرت مولانا کی خدمت میں برسوں تک حاضر رہنے والے تین اصحاب کے قلم سے مولانا کے چشم دید حالات، ارشادات اور مشاہدات پر تین مضمون جن میں سے ہر ایک نادر معلومات کا خزانہ ہے۔
- مولانا محمد الیاس کے چند غیر مطبوعہ گرامی نامے اور حضرت مولانا کے نام مشاہیر کے چند اہم خطوط (جس میں سے ایک خط تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے)
- حضرت مولانا محمد الیاس کے ذہن میں تبلیغ کا کیا تصور تھا، وہ کیا چاہتے تھے، اس موضوع پر حضرت مولانا کی لکھوائی ہوئی ایسی دو کتابیں جن کو حضرت مولانا نے حرف بہ حرف سنا اور ایک کی خود اپنے قلم سے اصلاح اور ترمیم و تصحیح فرمائی، جس کی حیثیت مولانا کی تصنیف کی ہے، مگر ہم ان دونوں تالیفات کو فراموش کر چکے ہیں۔
- حضرت مولانا محمد یوسف کے چند اہم اور غیر مطبوعہ گرامی نامے اور تبلیغی کام

کے سلسلہ میں مولانا کی لکھوائی ہوئی ایک کتاب (یا مفصل تحریر) جس میں مولانا نے تبلیغ کی اہمیت افادیت، مقاصد اور اپنے طریقہ کار کی وضاحت فرمائی ہے۔

- (حضرت مولانا محمد الیاس کے رفیق خاص اور تبلیغی کام کی روح)
حضرت حاجی عبدالرحمٰن نو مسلم پر مفصل مضمون

- نیز تبلیغ کی اہم شخصیات اور مرکز میں مقیم چند ذمہ دار حضرات کی تاریخہائے وفات

اور

بنگلہ والی مسجد کے احوال تاریخ اور تغیرات

۱۸۵۷ سے مولانا انعام الحسن کی وفات (۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۵ء) تک بنگلہ والی مسجد کی تاریخ، اسکی عمارتوں کے تغیرات اور ترمیم واضافوں کی سرگذشت مستند تاریخی حوالوں سے (جس کے ضمن میں مدرسہ کاشف العلوم کی مختصر روداد بھی آگئی ہے)

اس خاص اشاعت میں اور بھی کئی ایسی تحریریں اور معلومات ہیں جو پہلی بار چھپ رہی ہیں ان کو دیکھ کر، پڑھ کر آپ کو حیرت بھی ہوگی، مسرت بھی۔

اس دوسری جلد کی کمپوزنگ تقریباً مکمل ہو چکی ہے، یہ تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہوگی اور جلد اول کی اشاعت کے ایک یا دو عام شماروں کے بعد اس کی اشاعت متوقع ہے۔

لہٰذا آج ہی اپنے آرڈر سے نوازیئے اور احوال و آثار کی توسیع اشاعت میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیجئے۔

دفتر سہ ماہی احوال و آثار

حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی

مولویان، کاندھلہ، ضلع مظفر نگر (یوپی) ۲۴۷۷۷۵

QUATERLY: AHWAL-O-AASAR,
Hazrat, Mufti Ilahi Bakhsh Academy
Maulvian,Kandhla.Distt. Muzaffar Nagar -247776, (U.P.) India.
Phone: (013172) 2369